



ساتواں حصہ



PDFBOOKSFREE.PK





طیارہ کراچی کی طرف محو پرواز تھا اور میرا دل دھڑک دھڑک کر اپنے رب سے خیریت کے ساتھ طیارے کے کراچی پہنچ جانے کی دعائیں کر رہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی اس وقت میری جیسے میں کوئی نام دے سکتا ہوں نہ اسے الفاظ میں بیان ہی کر سکتا ہوں۔ بارہ گوں نے ایک اسٹریجر پر لاد کے طیارے کی ایک آرام دہ نشست پر لارکھا تھا مجھے۔ لڑی پام روز اسپتال کی نرس کی حیثیت سے میری دیکھ ریکھ کا فرض سنبھالے ہوئے تھی۔ کاغذات میں میرا نام شاہد حسین درج تھا۔ بتا کر کراچی کے ایک فیشن ایبل علاقے کا تھا۔ میں کراچی سے بغرض تفریح امریکا آیا تھا۔ سان فرانسکو میں ایک حادثے کے سبب میری دونوں ہاتھیں تقریباً مفلوج ہو گئی تھیں۔ لڑی کے پاس میری ایکسرے اور میڈیکل رپورٹ تھی۔ ایکسرے میں میرے دونوں پیروں کی ہڈیاں کئی کئی جگہ کھلی ہوئی نظر آتی تھیں۔ میرے صحت یاب ہونے میں ابھی بہت وقت درکار تھا اور چونکہ میں اتنے عرصے امریکا میں رہ نہیں سکتا تھا اس لیے مجھے واپس بھیجا جا رہا تھا۔ جو طیارہ مجھے لے کر جارا تھا اس میں پانچ افراد تو سان فرانسکو سے سوار ہوئے تھے اور قریباً بارہ افراد کو نیو یارک سے سوار ہونا تھا۔ طیارہ تھائی ایئر لائن کا تھا۔ تھائی لینڈ کی حکومت نے اپنے ایک بڑے پروجیکٹ کی تکمیل میں مدد حاصل کرنے کے لیے کچھ ماہرین کو امریکا سے بلایا تھا اور یہ طیارہ انھیں لینے کے لیے مخصوص

طور پر بھیجا گیا تھا۔ آرتھر فینلی نے اپنے اثرو رسوخ سے اس طیارے میں میرے لیے بھی جگہ حاصل کر لی تھی۔ طیارے کو نیو یارک سے پیرس، استنبول اور کراچی کے روٹ سے ہٹا کر پہنچا تھا۔ اس لیے اسے کچھ زیادہ دشواری نہیں ہوئی تھی۔ پاپورٹ پر اصل شاہد حسین کی جگہ میری تصویر اتنی مہارت سے لگائی گئی تھی کہ بغور دیکھنے پر بھی اس کے جعلی ہونے کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ یوں بھی ایک ایسے دونوں مٹانگوں سے معذور شخص کے کاغذات پر زیادہ توجہ کون دیتا ہے جس کے ساتھ ایک چیرٹی اسپتال کی نرس ہو، تمام میڈیکل رپورٹیں بھی ہوں۔ امریکا جیسے چوکنا اور چاق و چوبند ملک کے نہایت فرض شناس اور دور رس حکام اس جھلساری کو نہیں بکڑ سکے تھے تو کراچی ایئر پورٹ پر شیعین افراد کا مجھے کیا خوف ہوتا۔ اول تو لڑی جیسی نازنین کا نظارہ جمال انھیں اتنے مہلت ہی نہیں دیتا کہ وہ کاغذات پر غور کر سکیں اور اگر بھی کئی بدذوق، زاہد خشک اتنا وقت نکال ہی لیتا کہ ان کی طرف توجہ دے سکے تو اس کے لیے اصل اور نقل میں تین کرنا آسان نہ ہوتا۔

پیرس کے بعد طیارے کو استنبول میں تیل لینے کے لیے رکا تھا۔ لیکن استنبول ایئر پورٹ پر طیارے کے انجن میں کچھ ایسی خرابی ہو گئی کہ اسے دوبارہ پرواز کرنے میں کئی گھنٹے لگ گئے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا میری دشت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ میں دل ہی دل میں دعائیں کر رہا تھا کہ کوئی نئی فائدہ آجڑے،

میرا یہ سفر جلد تمام ہو جائے میں استنبول میں رکنا نہ پڑے۔ وہ دلوں کے جھجھکے اور سب کی سننے والا رب کل پہانوں کا مالک بڑا کار ساز ہے۔ اس نے میری دعاؤں کو قبولیت بخشنی دی اور ہمارا جہاز استنبول سے اڑان بھر کے رات کے گیارہ بجے کے قریب کراچی آ چکا۔ دو فنیوں کے اس جگہ کے شہر میں پہلے بھی میں آچکا تھا۔ لیکن اس سے یہ شہر مجھے اتنا اچھا نہیں لگا تھا جتنا خوبصورت آج معلوم ہو رہا تھا۔ میرے وطن کی حسان کراچی جس کے سامنے میں پاک تان کے گوشے سے تھکے ماندے تباہ حال لوگ آ کر چاہ لیتے ہیں، بلا غریب پرور کشادہ دل اور سخی ہے۔ یہاں آئے والے خالی ہاتھ اور خالی پیٹ آتے ہیں اور سخی کے در سے جھولنا بھر بھر کے لے جاتے ہیں۔ کبھی بالوس نہیں لوٹا تا یہ کسی کو آج مجھے اس شہر کی سٹی سے متا کی خوشبو جو سخی محسوس ہو رہی تھی۔ جی جی ہاتھ تھا اس سوہنی دھرتی پر ماحول کے اس مٹی کو جو چم لوں، پیشانی پر مل لوں اسے اور بیچ بیچ کر کمروں۔ اسے دنیا والا دیکھو یہ میری پاک سرزمین کی مٹی ہے۔ اس سرزمین کی جس کی آزادی کے لیے میرے بزرگوں نے اپنے گھر جلا دیے، اپنی نسلوں کو اوروں، سب کچھ قربان کر دیا اور اس کی آبیاری کے لیے ایک نئے عزم کے ساتھ یہاں آ بیسے۔ یہ وہ غائبانوں اور شہیدوں کی قربانیوں کا ثمر ہے۔ لوگو! دیکھو کیا شاہاب سب سے بڑا وطن۔ اس کی شاہدانی ان شہیدوں کی ہر ہونہ منت ہے جنہوں نے اپنے خون سے اس کھیتی کو سیریا اور اس کی آبیاری کی۔ میرے اس سوہنے دس کی یہ آزادی خدا کی اس نافرمانی اور زائدہ درگاہ کو ایک آنکھ نہیں بھا رہی ہے۔ وہ اس کی بادی کے لیے اپنے زضرید غلاموں کے ذریعے یہاں طرح طرح کے خسرے اسمی کر رہے ہیں۔ وہ میری قوم کے سیدھے سادے لوگوں کو اپنے ایجنٹوں کے ذریعے یہ سبق پڑھا رہے ہیں کہ یہ کوئی نظریاتی ملک نہیں ہے۔ نظریہ کوئی چیز ہی نہیں ہوتی اس لیے اس کو سکرٹسٹ ہونا چاہیے۔ حالانکہ دوسری جانب وہ دنیا کو بھی باور کرانے میں مصروف ہیں کہ اسرائیل ایک نظریاتی مملکت ہے کیسا دلچسپ مذاق ہے یہ اور کیسے مذاق ہے وہ عقل کے دشمن جوان کی آوازیں آواز دلا کر اس ملک کو ایک لادینی مملکت بنادینے کی سرگوشش کر رہے ہیں۔

کشمیر وغیرہ کی کارروائی میں ہیں زیادہ وقت نہیں لگا۔ عیار سے اترنے والے صرف دو ہی مسافر تھے، ایک میں تیرہ بخت غلام جیلانی اور ایک وہ میری نجران الزہدہ دینی جو ایک نرس کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ مجھے اسٹریچر پر ڈال کر جیسے ہی باہر لایا گیا

دو خوش پوش نوجوان تیری سے ایک کمرے قریب آ گئے۔ دونوں کے قد چھ چھوٹ کے قریب ضرور رہے ہوں گے۔ صحت ان کی قابل رشک حد تک اچھی تھی۔ دونوں نے نہایت قیمتی کپڑے کے تھری پس سوٹ زیب تن کیے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں ان کے ہیرے کی بنی قیمت انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر ہونے مذاق انداز میں کہا: ”مجھے ڈاکٹر فیروز بت گئے ہیں جناب! اگر میں دھوکا نہیں کھا رہوں تو آپ شاہد حسین صاحب ہیں اور سان فرانسسکو تشریف لائے ہیں؟“

میں نے اس سے ہاتھ لائے ہوئے کہا: ”آپ کو بالکل دھوکا نہیں ہوا ہے ڈاکٹر! میں شاہد حسین ہی ہوں۔ لیکن کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کو میرے آنے کی اطلاع کیسے ہوئی؟“

”وہ جناب! میں ڈاکٹر دھمن نے فون پر بتایا تھا۔“ انھوں نے حکم دیا تھا کہ آپ کے لیے کراچی ایئر پورٹ پر ایئربولٹس کا انتظام ہونا چاہیے۔ تو جناب! ہم لینے آئے ہیں آپ کو۔“

”شکریہ آپ لوگوں کا۔ اور ڈاکٹر دھمن کا تو میں بے حد مشکور ہوں بڑی مہربانی کی ہے انھوں نے میرے ساتھ؟“ میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔ پھر اس کے ساتھی کی طرف اشارہ کر کے کہا: ”ان کا انداز نہیں لایا آپ نے؟“

”یہ میرے ساتھی ڈاکٹر شجاعت خان ہیں۔ انھیں آپ ڈاکٹر خان کہہ کر مخاطب کر سکتے ہیں جناب!“

وہ میرے لیے ایک ایئربولٹس لے کر آئے تھے جس پر ایک برائوٹ اسپتال کا نام ہے۔ حدی حروف میں لکھا ہوا تھا۔ ان کے ساتھ دو میل ٹرس بھی موجود تھے جنھوں نے مجھے نہایت آہستہ آہستہ اور آرام سے اٹھا کر اپنے ساتھ لائے ہوئے اسٹریچر پر منتقل کیا اور میرا اسٹریچر کو ایئربولٹس کے اندر پہنچا دیا۔ دونوں میل ٹرس اور ڈاکٹر بھی میرے ساتھ ہی آ بیٹھے تھے۔ لڑی کاغذوں نے آگے ڈرائیور کے ساتھ بچھا دیا۔

ایئر پورٹ سے روانہ ہو کر ایئربولٹس کوئی نصف گھنٹے کے بعد ایک جگہ جا کھڑی اور جب انھوں نے مجھے باہر نکالا تو پتا چلا کہ وہ جگہ جہاں انھوں نے مجھے لانا تھا ایک جدید طرزی عالی شان کوٹھی تھی۔ جس کے ہر دروازے اس میں رہنے والے کی امارت چمک رہی تھی۔ ویسٹ لائن میں سبز گھاس کا فرش تھا، جس کے چاروں طرف خوش نما چھوٹوں کے پودے سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ان میں قسم قسم اور رنگ رنگ کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ کوٹھی کے اس حصے میں آتی تیر روشنی کا بندوبست کر رکھا تھا انھوں نے رات کے اس گھیرے میں... زمین پر پڑی ہوئی سوئی بھی نظر آ سکتی تھی۔ انھوں نے میرا اسٹریچر ایئربولٹس

سے نیچے اتار کر زمین پر رکھا تو میں اٹھ کر اپنے پیروں پر سیدھا ہو گیا۔ ڈاکٹر خان نے سسکا کر مجھے دیکھا اور آگے ڈرائیونگ نشست کی جانب بڑھ گیا۔ ڈاکٹر نے درزے میرے قریب آ کر سرگوشی میں کہا: ”ابھی کھڑے نہ ہوں آپ۔ وہ ٹرس دیکھ لے گی تو کوئی مصیبت کھڑی کر دے گی؟“

اس کے اشارہ لڑی کی طرف تھا۔ میں نے کہا: ”اس کی فکر نہ کریں آپ۔ وہ جانتی ہے کہ میری ٹانگیں صحت سلامت ہیں البتہ کچھ اور نہیں جانتی ہے وہ۔“

لڑی بھی ایئربولٹس سے نیچے اتر آئی تھی۔ مجھے اپنے پیروں پر کھڑے دیکھ کر وہ میری طرف بڑھتے ہوئے بولی: ”اودہ جناب عالی! چلتے ہیں یہ پلاسٹر پریٹ ان کرے گا آپ کو، لیتے ہی رہیں ابھی آپ۔“

میں نے کہا: ”نہیں لڑی! میری تو پیٹھ تھوڑی ہو گئی ہے لیٹے لیٹے، اب مزید نہیں لیٹ سکوں گا۔ اور یہ پلاسٹر کوئی تکلیف نہیں دے گا مجھے۔ میں سہارے کر چل سکتا ہوں۔“ قسم کر ڈرو اس کی۔“

”آئیے پھر میں سہارا دے کر لے چلوں آپ کو؟“ وہ میری طرف ہاتھ بڑھا کر بولی۔

”ارے ارے، نہیں مس! آپ نہیں ہم لے چلتے ہیں انھیں ڈاکٹر نے درزے جلدی سے میرا بازو تھام کر کہا۔“

”ہاں لڑی! تم اندر چلو میں آ جاؤں گا ان لوگوں کے ساتھ۔“ ڈاکٹر خان بولا: ”آئیے مس! آپ میرے ساتھ آئیں۔ ان کی فکر نہ کریں، بالکل یہ اب ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ نے انھیں یہاں پہنچا دیا، اس کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔“

لڑی کو اس کا یہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ اس کے چہرے سے ناگوار بیچھنے کی تھی مگر اس نے اپنے کئی عمل سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ وہ خاموشی سے خان کے ساتھ عمارت کے اندر چلی گئی۔ دونوں میل ٹرس خالی اسٹریچر کو ایئربولٹس میں رکھ کر خود بھی اندر بیٹھ چکے تھے اس آستانہ میں فیروز مجھے سہارا دے کر آگے بڑھانے لگا۔ ایئربولٹس آگے بڑھ کر عمارت کے دوسرے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ میں نے فیروز سے کہا: ”ڈاکٹر خان نے لڑی کو نوازش کر دیا ہے۔ اسے اس انداز سے بات نہیں کرنا چاہیے تھی اس سے۔ وہ کوئی معمولی نرس نہیں ہے۔ دھمن بھی ادب سے بات کرتا ہے اس سے۔“

وہ ہنس پڑا۔ بولا: ”وس کی بات کر رہے ہیں جناب آپ؟ ان اسٹریچروں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تو سڑک پر گرجی کے حکم کی تعمیل میں آپ کو لینے کے لیے پہنچے تھے وہاں؟“

میں چلتے چلتے ہو تک کر رک گیا۔ حیرت سے دیدے بھاڑ کر میں نے اسے دیکھا: ”کیا... کیا... تو نہیں گرجی نے ایئر پورٹ پہنچنے کے لیے کہا تھا۔ مگر وہ دھمن... اس نے بھی تو یہاں کسی کو میرے پہنچنے کی اطلاع دی ہوگی؟“

”ہاں، ضرور دی ہے اطلاع اس نے۔ اس کے آدمی ہم سے دو گھنٹے پہلے ہی واپس آ گئے تھے ایئر پورٹ سے، انھیں بتایا گیا تھا کہ تمہارا اظہار صبح سات بجے سے پہلے نہیں پہنچے گا یہاں۔ اب وہ صبح پھر جائیں گے ایئر پورٹ۔“

”لیکن انھیں یہ غلط اطلاع دی کس نے تھی یا میں نے بولنا۔“ اس کا انتظام بھی میں ہی کرنا پڑا تھا۔ ہم ان سے ایئر پورٹ پر کوئی تصادم نہیں جانتے تھے۔“

یہ بات میرے لیے پریشانی کا باعث بن گئی تھی۔ اتنی جلدی ان لوگوں سے نہ بیٹھنا میرے پروردگار میں شال نہ تھا۔ ابھی تو بہت سے کام نمٹانے تھے مجھے۔ اس لڑی کی لگم کے ذریعے مجھے ان لوگوں سے متعارف ہونا تھا جو میرے وطن کی بنیاد میں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں، دھمن کے ان کرگوں سے نمٹنا تھا جنھوں نے میرا پارسل تیار کر کے سان فرانسسکو بھیج دیا تھا۔ اور انھیں بھی دیکھنا تھا جن کے لیے دھمن نے ایک بار بھیجے تھے تو شے دان بنا ڈالا تھا اور ان سب سے پہلے تو مجھے اپنی زندگی میں پڑی بن آسہ اور اپنے یار اسلم آئی کی خبر گیری کرنا تھا۔ ماں جی کے سینے سے لگ کے ان کا کلیو ٹھنڈا کرنا تھا۔ نہ جانے کس حال میں تھی وہ۔ یہ تو اس کے ایک گوشے میں بیٹھ کے حدودنا کرتے رہنے کے دن تھے، مگر تقدیر اسے اس عمر میں بھی سکون کا سانس لینے نہیں دے رہی تھی۔

میں نے کہا: ”ابھی انہیں کیا تم لوگوں نے کیا کر گرجی نے تمہیں ایسا کرنے کو کہا تھا؟“

”انھوں نے کہا تھا آپ اس جہاز سے کراچی پہنچ رہے ہیں۔ آپ کا خیال رکھنا ہے اور ضرورت کے وقت آپ کی مدد بھی کرنا ہے۔ چنانچہ جب میں معلوم ہوا کہ کچھ ایسے لوگ جو پہلے ہی ہماری فرست میں ہیں ایئربولٹس لے کر ایئر پورٹ پہنچے ہیں تا کہ آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں تو ہم نے آپ کو ان سے بچانے کی خاطر یہ قدم اٹھا لیا ہے۔“

”خیال رکھنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا یا راجو تم نے کر ڈالا ہے۔ تمہیں تو صرف دو دروازہ کرنا تھا کہ کوئی نہ آتی میری۔ اور ضرورت کے وقت مدد بھی اس طرح کرنا تھی کہ کسی کو یہ بتا نہ چل سکے کہ میرا مدد کار کون ہے؟“ میں نے کہا۔

”اودہ جناب! پھر تو بڑی غلطی ہو گئی ہے ہم سے۔ ہر حال

ہم کوشش کریں گے اس کے تدارک کی  
"کیا کریں گے آپ جس طرح کریں گے کوشش؟" میں نے پوچھا۔

"آپ اندھلیں جناب اطمینان سے بیٹھ کر ترتیب دیں گے کوئی پروگرام؟ وہ بولا۔

"جی ہاں میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ لیکن یہ خیال رکھنا لازمی کو معلوم ہو تھا ساری اہلیت۔ نہ اس کے سامنے کوئی ایسی بات کرنا۔ دشمن کی بڑی خاص اور اہم شخصیت ہے وہ، بڑے عجیب گھر سے ہیں اس کے اندر اور ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کے ہنر آتے ہیں اسے۔ اس کی مصروف صورت سے بھوکا نہ کھانا جانا۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ اس کے بارے میں بتا دیا۔ ورنہ جس طرح آپ اس کے سامنے اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے تھے، اس سے تو میں نے بھی سمجھا تھا کہ وہ کوئی آپ کی شریک راز قسم کی ساتھی ہے۔ جسے آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔"

"معلوم تو اسے بہت کچھ ہے میرے بارے میں۔ وہ بیکے جانتی ہے کہ میں ایک جہاز پیشہ آدمی ہوں اور دشمن کے لیے کام کرنا ہوں۔ اب میں نے خود کو اس تنظیم کی غلامی میں سے دبا ہے جس کا دشمن بھی غلام ہے۔ لیکن اسے میرے اور شرکاء کی تعلقات کا علم نہیں ہے۔ میں اس کی اس ناواقفیت سے ہی فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ اب مجھے یہ تاؤ کہ بھاری اس کو بھی میں کہنے لوگ ہیں؟" میرے اور خاں کے علاوہ اس وقت یہاں ایک چوکھلا ایک مالی اور ایک بوڑھے ملازمہ جو کچھ کی صفائی اور یہاں ایک آدھ رات گزارنے کو آئے والوں کے لیے کھانا وغیرہ پکاتے پر مامور تھے۔

"ایک آدھ رات گزارنے سے کیا مطلب ہے تمہارا کیا خیال کوئی مستقل نہیں رہتا؟"

"جی نہیں، یہ کوئی حرف مہمانوں کے لیے ہے۔ ہمارا جو بھی ممبر ہمارے یہاں آتا ہے اسے ہم اس کو بھی میں ٹھہراتے ہیں۔ مہمانوں کی ضروریات، دیکھ بھال اور انھیں محفوظ فرام کرنا میری ذمہ داری ہے۔ اس نے بتایا۔

"کیا اس وقت میرا یہ پلاستر اتاراجا سکتا ہے؟" میں نے اس سے معلوم کیا۔

"میں اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے جناب! ہم کوئی پچھلے کے ڈاکٹر نہیں ہیں۔ وہ ہنس کر بولا۔

"کوئی تیز رفتار خنجر یا لوہا کا مٹنے والی آری تو ہونگی نا اگر نہ

ہو تو کسی سے منہا کر دو مجھے۔ میں نے کہا۔  
"یہ دونوں ہی چیزیں یہاں مل جائیں گی آپ کو" اس نے جواب دیا۔ میں ہنچاؤں کا آپ کو یہ دونوں چیزیں۔

وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ایک نہایت آراستہ خواب گاہ میں لے آیا۔ یہاں رام وراثت کی ہر وہ چیز موجود تھی جس کی خواب گاہ میں ضرورت ہو سکتی ہے۔ بڑا ہی خواب ناک ماحول تھا یہاں کا۔ اندھ داخل ہوئے ہی بستر پر گر کے نیند کی وادیوں میں اتر جانے کو جی چاہتے گستاخا۔ ایسی ہی جاودا فرحتی وہ خواب گاہ۔

"کھانے وغیرہ کا انتظام کروں آپ کے لیے؟" اس نے مجھے ایک آرام دہ کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔  
"نہیں، کھانا ہم جہاز میں کھا چکے ہیں۔ البتہ ایک کپ کافی ضرور ہوں گا میں نے کہا۔

"کافی میں ابھی خودواتا ہوں آپ کے لیے؟" وہ باہر جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"وہ آری بھی لیتے آنا۔ بیٹھنے میں بڑی تکلیف دے رہا ہے یہ پلاستر اور اس لڑکی کو بھی دیکھ لینا۔ کیا کر رہی ہے وہ؟" وحی بہتر جناب! اوتارے ہوئے باہر چلا گیا۔

تین منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ آری لے کر واپس آگیا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے آری لے کر پوچھا۔ "الزبتھ، کیا ہے؟ کیا کر رہی ہے وہ اس وقت؟"

"آپ کی خواب گاہ کے سامنے والی لائن میں میری خواب گاہ میں ہیں وہ۔ شاید سوئے کی تیاری کر رہی ہیں۔ ملازمے میں نے کہہ دیا ہے، وہ کافی لارہی ہے آپ کے لیے؟" وہ بولا۔

"یہ علاقہ کون سا ہے جہاں ہم ہیں اس وقت؟" میں نے پوچھا۔  
"مجمعی سوسائٹی ہے یہ جناب۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم چائے پیو؟" میں نے کہا۔  
"کسی چیز کی ضرورت ہو تو کھٹی بجا دیں جناب! یہ آپ کی مسہری کے سر ہاتھ ہیں ہے اس کا؟"

"اچھا ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ وہ مڑ کر لیے لیے قدم اٹھا تا دروازے سے باہر نکل گیا۔

جمع ہونے سے پہلے میں اپنا تھکا نہ تبدیل کر دینا چاہتا تھا۔ کیوں کہ یہاں رہنا میرے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ لڑی پر کسی وقت بھی یہ راز کھل سکتا تھا کہ میں ان لوگوں کو ڈیل کر اس کر رہا ہوں، دھری چالیں چل رہا ہوں میں ان کے

سامنے اور یہ بات میرے منصوبے کی راہ میں بے شمار مشکلات کھڑی کر سکتی تھی۔ میں نے اس کے بارے میں سوچ لیا تھا کہ اسے ان لوگوں کے بارے میں بتا دوں گا اس سے کہہ دوں گا

کہ ہم غلط لوگوں کے ہاتھ چڑھ گئے ہیں، یہ دشمن کے آدمی نہیں ہیں۔ یہ کون ہیں اور کس مقصد سے یہیں یہاں گھیر لائے ہیں، یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن ہے دشمن کے ہاتھوں میں کوئی چوڑ کھا چکے ہوں اور اس کا کھانا رکھتے ہوں اپنے ساتھ اور یہیں نشانہ بنا کے وہ پرانا صاحب چکانا چاہتے ہوں۔

یہ روز کے چلتے ہی میں نے آری نبھالی اور آہستہ آہستہ احتیاط کے ساتھ پلاستر کا نشانہ شروع کر دیا۔ آری بہت ابھی تھی، اس کا بلڈ پمپنگ نیا معلوم ہوا تھا۔ ابھی زیادہ تھکا نہیں کیا گیا تھا شاید۔ پلاستر بڑے آرام سے لٹا چلا جا رہا تھا پھر بھی

میں بہت احتیاط سے نبھال نبھال کے آری چلا رہا تھا۔ ڈر مجھے یہ تھا کہ کہیں وہ پلاستر کو کافی تیرے پاؤں میں نہ اتر جائے

ابھی دوران مجھے خیال آگیا کہ کچھ سے باہر جا کر مجھے پاکستانی کرنسی کی ضرورت پڑے گی جو اس گھڑی میرے پاس بالکل بھی نہیں تھی۔ میں لڑی کو ساتھ لے کر ساری رات سڑکوں پر تو

نہیں پھر سکتا تھا ان روشن اور شفاف سڑکوں پر کسی چور ایسے کا تو ڈر نہیں تھا مجھے۔ خوف ان کا تھا، بعض ان چور ایسوں کو پکڑنے کا کام سونپا گیا تھا۔ میں قانون کے ان محافظوں کو خوب جانتا تھا۔ راتوں کو بڑا کم کی نیت سے نکلنے والوں سے ان کی

بڑی باری تھی۔ ان سے تو بہتر بندھا ہوا تھا ان کا چنانچہ انہیں تو یہ کچھ نہیں سمجھتے تھے البتہ ٹریفک پول بران کی نفوس بہت گہری پڑتی تھیں۔ رات کے سنان وقت میں کوئی جوڑا چل قدمی کے

لیے گھر سے نکل آئے، کوئی ضرورت مند اپنی کسی اہم ضرورت کے تحت اپنا آرام گاہ کے مرکز پر آجائے، کوئی اپنے بستر مرگ پر بڑے عزیز کو اسپتال پہنچانے کی غرض سے کسی سواری کی تلاش میں نکل کھڑا ہو تو یہ فوراً جان لیتے ہیں کہ یہ کسی بڑی نیت سے

نکلا ہے گھر سے۔ پھر اسے کہیں نہیں چھوڑتے کوئی بڑا بزم ثابت نہ ہو تو دفعہ دہا میں تو دھڑا ہی جاسکتا ہے کسی کو بھی۔

ایسے موقع پر بھی روئے نجات پیسے ہی ملتی ہے کسی جوڑے سے چل قدمی کرتے وقت نکاح نامے دکھانے کی فرمائش کرنے کا حق انھیں ہر وقت حاصل ہوتا ہے۔ اب اگر لوگ

نکاح نامے ہر گھڑی ساتھ لیے نہیں پھرتے تو پیسے ہو جوتے ہی ہیں نا ان کی جیب میں۔ چور ڈاکو سے تو آدمی مقابلہ کر کے بھی اپنا مال بچا لیتا ہے اگر اس میں جرأت اور حوصلہ ہو تو لیکن ان

دو در پویشوں سے اونچی آواز میں بول بھی نہیں سکتا کوئی دلیل کوئی حجت کام نہیں آتی ان کے سامنے اپنے ہاتھوں سے جیب خالی کیے بغیر نجات نہیں پاسکتا کوئی ان سے۔

فیوض نے بتایا تھا کہ یہ کچھ جس میں اس گھڑی میں موجود

تھا، محمد علی سوسائٹی میں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ یہاں سے کچھ ہی دور نرسری پر ٹوٹا ناٹا ایک درمیانہ در سے کاہول تھا۔ جہاں جیسے ہی ضرورت مندوں کو ہر وقت کمرہ مل سکتا تھا اس ہوٹل کی انتظامیہ بے حد نیک تھی۔ وہ اپنے ہاں آنے والوں سے کبھی یہ نہیں پوچھتے تھے کہ بھائی جی یہ جو تم آدھی رات کو لوں گے چلے آئے ہو یہاں تو اس کی کوئی مقبول وجہ بھی ہے یا نہیں

تھا یہاں گھر سے بھاگ آئے ہو، کسی دشمن سے پناہ ڈھونڈنے نکلے ہو، کوئی مسافر ہو یا کوئی واردات کے لیے اپنی یہاں موجود نگاہ پر کرنے کے لیے اندر جا کر رہے ہو اپنے نام کا ہمارے رجسٹر میں۔

وہاں سوالات کر کے اپنے معزز مہمانوں کو پریشان نہیں کیا کرتے تھے اور جب آنے والا ایک رات کے قیام کی منہ مانی قیمت دے رہا ہو تو کسی کو اس سے عرض ہونا بھی نہیں چاہیے کہ وہ

کون ہے، کیا کرتا ہے، کہاں سے آیا ہے اور کب تک ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں بھی لڑی کو لے کر وہاں جاسکتا تھا اور

جب تک میری جیب اجازت دیتی کون سے رہ سکتا تھا وہاں۔ دروازے پر ہلکی سی دنگ سن کر میں نے جلدی سے آری

کر سی کے نیچے اپنے پیروں کے پاس رکھ دی اور اسے چادر کھینچ کے اپنے پیروں پر پھیلاتے ہوئے آواز دی۔ "کون ہے؟" آجاؤ اندر۔

وہ چالیس سال سے اوپر کی ایک خامی محبت مند عورت تھی۔ وہ قطع سے اپنی وہ ملازمہ ہی معلوم ہوتی تھی اس نے

ایک چھوٹی سی صاف ستھری بڑے پکڑ رکھی تھی اپنے ہاتھ میں جس میں رکھے ہوئے کپ سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ وہ کافی لے کر آئی تھی میرے لیے۔ قریب آکر اس نے ہنستے ہنستے ہوئے

ٹپ سے میرے سامنے کے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "یہ کافی میں صاحب جی؟"

میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ تیر گئی۔ اس عمر میں بھی اسے اپنے عشوہ وغیرہ واد پر مڑا مان تھا۔ شاید اسے

اپنی زندگی کی کتاب کے گرد آلود ہوجانے کا احساس ہی نہیں ہو سکا تھا اب تک اسے اپنی چکا چوند کے ماند پڑ جانے کا بتا رہی

نہیں چل سکتا تھا۔ میں نے کافی کاپ ٹپ سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "نام کیا ہے بی بی؟"

"زینب نام ہے صاحب جی یوں تو میرا پر آپ کو اچھا نہ لگے تو کوئی اور نام رکھ لیں آپ؟" وہ اٹھلاتے ہوئے بولی۔

"نام تو زینب بھی بڑا نہیں۔ کیا برائی نظر آتی ہے بی بی تجھے اس میں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ جی برائی تو مجھے بھی کوئی دکھائی نہیں دیتی، پر وہ کچھ نا

7



صاحب جی! پسند بھی تو ہوتی ہے آدمی کی اپنی کوئی؟ وہ بولی۔  
 ”ہاں، یہ ٹھیک کہا تم نے۔ میں بھی کوئی اپنی پسند کا اچھا  
 سانام سوچوں گا مگر۔ جب تک تم ایک کام کرو میرا۔“  
 ”ہاں، ہاں صاحب جی! کیوں نہیں کروں گی میں آپ کا کام  
 اسی لیے تو ہوں میں یہاں۔ آپ کی خدمت کے لیے؟“ وہ  
 جلدی سے بولی۔

”وہ فیروز کہاں ہے۔ کچھ پتا ہے تمہیں اس کا؟“  
 ”اپنے کمرے میں ہی ہیں وہ۔ آپ نے بھی کمال کیا جی۔  
 اس میں پتا ہونے کی کیا بات ہے؟ وہ آنکھیں منگاتے ہوئے بولی۔  
 ”تو ایسا کرو، اس سے جا کر کہ دو تمہیں جیلانی صاحب  
 بلا رہے ہیں؟“

”ابھی لیں جی! یہ بھی کوئی کام ہے۔ میں تو سوچ رہی  
 تھی، پتا نہیں کیا کام لیں گے آپ مجھ سے؟“ وہ دروازے  
 کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔

گئے ہی پڑ گئی تھی وہ میرے نہ جانے کسی کسی خوش  
 فیسوں کو جگہ دے رکھی تھی اس نے اپنے دل میں کیسے کیسے  
 پہنے دیکھا کرتی تھی وہ عمر کے اس حصے میں تھی۔ زبان تو اس  
 کی رکنے کا نام ہی نہیں لیکن تھی اور زبان سے زیادہ آنکھیں  
 بولتی تھیں اس کی۔ نہ جانے حالات کی کس جگہ میں پس جا رہی تھی  
 وہ۔ کیسے کیسے مرحلوں سے گزر کر آئی تھی وہاں اور کتنی تمام  
 آرزوئیں سنا رہی تھیں اسے۔ تھی وہ کوئی ایسی زمانہ گزیدہ  
 عورت، ورنہ اس منزل پر پہنچ کر غم سے دکھانے کا ہوش ہی  
 کہاں رہتا ہے کسی کو۔ دو ہی باتیں سمجھ میں آتی تھیں میرے۔ یا تو  
 وہ کوئی ناخوشیہ ہیرا تھی یا پھر ایسی کلی تھی جسے تیرا زنبوروں نے  
 وقت سے بہت پہلے شاخ سے جھڑک دیا تھا۔

میں نے کافی کا کپ خالی کر کے رکھا ہی تھا کہ وہ فیروز  
 کے ساتھ دوبارہ واپس آئی۔ میں نے کپ ٹرے میں رکھ کر اس  
 سے کہا ”یہ لے جاؤ بی! اور اب جا کے آرام کرو۔“ اور ہاں  
 دیکھ زیادہ مدت سوچا کر اپنے بارے میں اور زیادہ دیر خالی  
 بھی نہ بیٹھا کر کرتی رہا کچھ نہ کچھ۔ وہ سنا نہیں ہے تو نے خالی  
 ذہن شیطاں کا مسکن ہوتا ہے۔ اس لیے آدمی کو اپنا ذہن خالی  
 نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کام لینے رہنا چاہیے اس سے۔  
 ”بہت اچھا مولوی جی! آپ کی باتوں کو کونوں میں باندھ کے  
 رکھوں گی میں؟“ اس نے چڑ کے کہا اور ٹرے اٹھا کر تیزی سے  
 باہر چل گئی۔  
 ”کیا بات ہے جیلانی صاحب! کیا کوئی گستاخی ہوئی اس  
 سے؟“ اس کے جانے کے بعد فیروز نے پوچھا مجھ سے۔

”اُسے نہیں پتا! اس ایسی ہی ایک بات کہ دی تھی  
 میں نے اس سے۔ کوئی بڑی تم رسیدہ گئی ہے یہ مجھے؟“ میں  
 نے کہا۔  
 ”پتا نہیں جناب! میں نے تو کبھی تو میری نہیں دی اس  
 کی طرف۔ حالانکہ دس سال ہو گئے اسے اس کو بھی میں رہتے  
 ہوئے؟“

”اس سے پہلے کہاں تھی یہ؟“ میں نے پوچھا۔  
 ”یہ بھی کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی میں نے۔ نہ جانے  
 کہاں سے گھومتی پھرتی آگئی تھی۔ ہمیں ایک ملازم کی ضرورت تھی۔  
 لہذا میں نے رکھ لیا اسے۔ یہاں کوئی ایسی چیز تو ہے نہیں کہ جس  
 کی وجہ سے کسی کو ملازم رکھنے سے پہلے چھان بین کی ضرورت ہو  
 اس کے بارے میں۔ اور دس سال میں شکایت کا کوئی موقع بھی  
 نہیں دیا اس نے یہاں کی کوئی؟“ اس نے بتایا۔

میں نے اس قصے کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ  
 کئی سوال میرے ذہن میں کبللا رہے تھے مگر میں اس میں وقت  
 برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وقت میرے پاس تھا ہی کہاں مجھے  
 برباد کرتا۔ رات تیزی سے گزر رہی تھی۔ ابھی مجھے اس پلازٹے  
 بھی نجات حاصل کرنا تھی جن میں اس ابنِ زہل دشمن نے مجھے  
 گھنٹوں سے اوپر تک دفن کر رکھا تھا جس کی وجہ سے میں  
 آزادی کے ساتھ چل پھر بھی نہیں سکتا تھا اور اس میں سے میرے  
 بھی تلاش کر کے نکالنا تھے۔ انھیں میں یہاں چھوڑ کر تو  
 نہیں جاسکتا تھا۔ ممکن ہے وہ میری ہی ملکیت بن جائے۔  
 دشمن نے یہ تو بتایا ہی نہیں تھا کہ انھیں یہاں کس کے حوالے  
 کرنا ہے۔ جسے یہ میرے مجھ سے حاصل کرنا تھے، اسے  
 ایئر پورٹ ہی پر رہا کرنا تھا مجھے۔ وہ وہاں نہیں آسکتا تھا۔  
 اور اب اس سے سامنا بھی ہو جاتا تو میں یہ کیسے جان سکتا تھا  
 کہ وہ وہی شخص ہے۔

میں نے موضوع بدلتے ہوئے فیروز سے کہا ”کچھ پیوں  
 کا انتظام ہو سکتا ہے اس وقت؟“  
 ”ایسی کیا ضرورت آپری ہے اس وقت آپ کو؟“  
 ”میں دراصل صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل  
 جانا چاہتا ہوں۔ الزبتھ بہت چالاک اور عیار لڑکی ہے۔ اس  
 کے ساتھ میرا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے کسی وقت بھی وہ ہمارے  
 تعلق کے بارے میں جان سکتی ہے۔ میں ابھی اسے چوکانا نہیں  
 چاہتا۔ بڑے کام لینا ہیں ابھی اس سے مجھے۔ یہاں سے جانے  
 کے بعد مجھے قدم قدم پر پیوں کی ضرورت پڑے گی۔ اس لیے  
 میں نے تم سے اس بارے میں پوچھا ہے۔ اگر ہو سکے تو پوچھنے

سے پہلے کچھ رقم کا انتظام کرو دینا میں نے اسے سمجھا یا۔  
 ”یہ آپ نے ٹھیک سوچا ہے۔ دس بیس ہزار تو یہاں بھی  
 موجود رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کافی ہوں گے اتنے رپے آپ  
 کے لیے مزید کی ضرورت ہو تو فون نمبر لے لیں میرا اس پر بتا  
 دیا کروں، رقم پہنچ جایا کرے گی۔ جہاں بھی آپ منگوانا  
 چاہیں گے۔“ اس نے کہا۔

”بس ٹھیک ہے۔ روپے لا دو مجھے۔ اس پلازٹے  
 جان چھڑا کے میں کچھ دیر ہاتھ پر سیدھے کروں گا۔ اس کے  
 بعد نکل جاؤں گا یہاں سے۔ گیٹ پر تو چوکیدار ہوتا ہے نا؟“  
 ”جی ہاں، لیکن آپ جتنی دروازے سے جائیں، اُدھ کوئی  
 نہیں ہوگا۔ پیچھے گلی سے نکل کر آپ میں روڈ پر پہنچ جائیں گے  
 وہاں کوئی ٹکسی یا آٹو کرش ضرور مل جائے گا۔ اس نے مجھے بتایا۔  
 ”اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہاں سے سرری تک  
 تو پیدل بھی جاسکتے ہیں ہم۔ وہاں ٹوٹنہ ٹاؤس میں جا پھروں  
 گا میں میرا خیال ہے وہ ایک بہترین جگہ ہے میرے لیے۔“  
 ”یہ بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے آپ نے۔ اور اچھا کیا مجھے  
 بتا دیا کبھی ضرورت ہوئی تو میں وہاں رابطہ کر لوں گا آپ سے۔  
 ویسے ایک آدمی مستقل آپ کی نگرانی کرتا رہے گا۔ اس سے بھی  
 پتا تو چل ہی رہے گا آپ کے بارے میں۔“

”ٹھیک ہے اب تم جا کر روپے لے آؤ میں یہ بیڑیاں  
 کاٹ لوں اپنے پاؤں کی۔“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔  
 وہ چلا گیا اور پانچ ہی منٹ کے اندر اندر اس نے  
 اٹھارہ ہزار روپے لاکر میری جھولی میں ڈال دیے۔ وہ اپنے  
 ساتھ ایک انچی بھی لایا تھا جس میں چند جڑے پڑے رکھے  
 تھے اور جو توں کا ایک جڑا بھی ساتھ تھا اس کے۔ وہ یہ ساری  
 چیزیں میرے حوالے کر کے چلا گیا۔

پلازٹہ کاٹنے میں مجھے کوئی دو گھنٹے لگ گئے۔ بڑی  
 تکلیف دینے لگا تھا۔ وہ مجھے پیرا کر کے رہ گئے تھے سیدھے  
 کیسے کیسے۔ اس سے نجات ملی تو چند منٹ تک تو مجھے ایسا  
 محسوس ہوتا رہا جیسے میرے وجود میں پیر میں ہی نہیں۔ ورنہ  
 میں دونوں ہاتھوں سے پنڈلیاں سلواتا رہا تب تک کہیں اپنے پیوں  
 کو ٹھیک سے حرکت دینے کے قابل ہو سکا۔ اس کام سے  
 فارغ ہو کر میں نے انچی سے نکال کر ایک صاف تھری شلوار  
 اور قمیض پہنی۔ شلوار تو ٹھیک ہی تھی البتہ قمیض کچھ تنگ تھی میرے  
 مگر اتنی بھی نہیں کہ بہنی نہ جاسکے۔ لباس تبدیل کر کے میں نے  
 پلازٹے کے تمام ٹکڑوں کو سمیت کر ایک جگہ کر اور نیچے کا غلاف  
 اتار کے انھیں اس کے اندر ڈال دیا۔ میں میرے جواکھنے کے

دوران نکل آئے تھے۔ وہ اسی کے ساتھ رکھ کر غلاف کا تھیلہ  
 اٹھی میں رکھ لیا۔ فیروز کے دیے ہوئے روپے بھی انچی میں  
 رکھ کے میں نے انچی سہری کے نیچے سرکادی۔ تین بج رہے  
 تھے۔ میں دو گھنٹے آرام کرنے کی نیت سے بستر پر گر پڑا۔  
 مجھے سوئے ہوئے ایک گھنٹہ ہی گزرا ہوا کہ دھماکوں  
 کی آوازوں نے دوبارہ بیدار کر دیا۔ چند لمحوں کو مجھ ہی نہیں رکھا

کہ یہ آوازیں کیس ہیں اور کہاں سے آرہی ہیں۔ حواس درست  
 ہونے پر معلوم ہوا تھا کہ کوکھی کے اندر کہیں فائرنگ کا تبادلہ  
 ہو رہا ہے۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اچانک مجھے عالیہ کی دی  
 ہوئی کمر کے رانگوشی کا خیال آیا تھا۔ وہ اس پتلون کی جب میں  
 پٹری تھی جو پلازٹہ پر مڑاوتے وقت میں نے بہن دیکھی تھی پلازٹہ  
 اتارنے کے بعد میں نے وہ نصف پانچوں والی پتلون اتار کر  
 ایسے ہی ایک طرف ڈال دی تھی۔ انکھیں نکالنے کا خیال ہی  
 نہیں رہا تھا مجھے۔ اس وقت اگر فائرنگ کی آواز نہ ملتا تو وہ ٹکوشی  
 یہیں رہ جاتی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس نے مجھے اس ہول  
 شے سے محروم نہیں ہونے دیا تھا۔ بس بال بال بچا لیا تھا اس  
 کارساز نے۔ ورنہ تو سہری کیارہ گئی تھی اس کے ہاتھ سے نکل  
 جاتے ہیں۔

میں انکھیں انگلی میں ڈال کے خواب گاہ سے باہر نکل آیا  
 راہداری میں اتنی روشنی تھی کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے  
 سرے تک ہر چیز صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں دوڑتا ہوا  
 اس طرف چل دیا جو سرے فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ راہداری  
 کے اختتام پر دونوں جانب اوپر جانے کے لئے زینے بنے  
 تھے۔ میں بائیں جانب کے زینے سے اوپر چڑھتا چلا گیا اور پر  
 کی منزل میں بھی ایک راہداری کے دونوں طرف کمروں کی لمبی  
 سی قطار تھی۔ زینے کے سامنے ایک چھوٹا سا رانڈ تھا۔ جس  
 میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والی گرل تھی۔ میں نے گرل  
 کے پاس پہنچ کر نیچے جھانکا۔ یہ کوکھی کے سامنے کا حصہ تھا۔  
 جب میں یہاں آیا تھا تو دونوں گیٹ اور پورا لان روشنی میں  
 نہاٹے ہوئے تھے لیکن اس وقت وہاں مکمل تاریکی تھی۔ اٹریٹ  
 لائٹ کی مدد ہی روشنی میں کچھ سائلے لان میں حرکت کرتے دکھائی  
 دے رہے تھے۔ نیچے کی منزل سے ٹھہر ٹھہر کر اکا دکا فائر کی آواز  
 اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں حیران تھا کہ یوں لوگ ہیں  
 جنہوں نے اتنی رات کو کوکھی پر یوں دھاوا بول دیا تھا۔ ان  
 کا مقصد کیا تھا اور وہ کیا چاہتے تھے کوکھی کے کینوں سے۔  
 یہ جاننے کے لیے میں ایک بار پھر دوڑتا ہوا نیچے جا پہنچا لیکن  
 نیچے آتے ہی میرے قدم جیسے زمین سے چپک کر گر گئے نیچے

کا منظر میرے لیے ایسا ہی تیرا کن تھا۔ وہاں دونہا بیت تنومند آدمی اپنے اپنے ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ ان کے قریب ہی دوزخی پڑے بڑی طرح تڑپ رہے تھے اور لڑی دونوں ہاتھوں میں اسٹین گن بٹھالے ان دونوں کو کور کیے کھڑی تھی، جن کے ہاتھ اوپر اٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر لڑی بولی: "یہ جناب عالی! سنبھالیں انھیں۔ بڑی تباہی پھیلانی شاید انھوں نے یہاں"

میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا: "مگر یہ ہیں کون؟ اور کیوں گھس آئے ہیں یہاں؟ یہ تو پتہ تفنگ لے کر ہے؟"

"یہ تو آپ ان سے ہی پوچھیں، میں کیا بتا سکتی ہوں؟" لڑی نے جواب دیا۔

"اوشے کون ہو بھی تم لوگ۔ کیا ارادے باندھ کے آئے تھے تم یہاں؟" میں نے ان دونوں کے قریب پہنچ کر ان سے پوچھا۔

"یہی سوال کرنے ہم بھی آئے ہیں تم سے کہ تم لوگ کون ہو اور ہمارے ممالوں کو کیوں اغوا کر لائے ہو؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"اوشے کن سمانوں کی بات کر رہا ہے تو پتہ ہے؟ اور تجھے یہ کس نے بتایا ہے کہ ہم اٹھالائے ہیں تیرے کسی پردہ ہنے کو؟" میں نے کہا۔

میں باتیں کرتے ہوئے ان کے بہت قریب چلا گیا تھا اور ہاتھوں میں ہتھیار میرے کوئی تھا نہیں۔ انھوں نے یہ موقع ہاتھ سے گھوڑنا مناسب نہ جانا۔ ان میں سے ایک مجھ پر جھپٹ پڑا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا، جس پر وہ نشتا جان کر جا بڑا ہے، اس کی قربت کتنی تنگی پڑتی ہے دشمنوں کو، اس کے ہاتھوں میں کتنے ہنر پوشیدہ ہیں اور کیسے کتنے ہنر پختہ رہا ہے وہ اپنی آنکھوں میں۔ میں نے اسے ہاتھوں میں سنبھال کر سینے سے چپھن لیا۔ پھر ایک ہاتھ میرا اس کی گردن پر پونچھا اور اس کی رگ احساس ملنے میں مجھے دلا سی بھی دشواری نہیں ہوئی جب میں نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا تو وہ کسی مڑوہ چپکل کی طرح پٹ سے زمین پر جا کر اس کا ہم بس چند سیکنڈ ہی لگے تھے مجھے لے لوں بے جان ہو کر گرتے دیکھ کر اس کے دوسرے ساتھی کی آنکھیں حیرت سے چمکیں گی جیسی وہ ہیں۔

ایک لمحے کو جیسے لے سکتے ہو گیا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ "اوشے یاد رہے تیرا ساتھی تو بالکل ہی بودا نکلا۔ ایک ذرا سینے سے ہی تو لگا ہاتھ میں نے، ذرا دیکھ تو ماری۔ اسے کیا ہو گیا ہے یوں اچانک، دل کا دورہ تو نہیں پڑ گیا کہیں؟"

وہ بے اختیار ہو کر آگے بڑھا تھا لیکن ایک ہی قدم اٹھا کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ ایک دم چونک کر رہا اور غور نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے غرایا یا کیا کر دیا ہے تم نے اسے؟

"اوپر ایسی باتیں کرتا ہے تو؟ میں کیا کرتا یہ خود ہی سینے سے آگے تھا میرے۔ تو نے دیکھا نہیں تھا کیا میں نے کہا۔" "کواس نہیں کرو۔ یہ اتنی آسانی سے مرے والوں میں سے نہیں ہے۔ دس پر بھاری ہے اکیلا اس نے مجھے سے کہا۔

"ہو جا کر بڑے جھانی، تو کہنا ہے تو ایسا ہی ہوگا۔ پر اب تو خود اپنے اوپر ہی بوجھ بن گیا ہے؟" میں بولا۔

"میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تجھے کتنے کی اولاد دیا دوست تھا میرا؟ اس کی جیسے گھوڑی الٹ گئی تھی ایک دم۔ وہ اڑتا ہوا مجھ پر آکر گرا تھا۔ اس سے اس کی توقع نہیں تھی مجھے۔ میں مجھ رہا تھا، اپنے ساتھی کا شہر دیکھ کر وہ مجھ سے بھڑکنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ وہ کوئی رنگوٹ قسم کا آدمی نہیں تھا۔ ایسے معاملات کا خاصا تجربہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ جانتا تھا شاید کہ میں کیسا سوچ رہا ہوں گا اس گھڑی اس کے بلے ہیں۔

جبھی اس نے یہ خلاف توقع حرکت کر کے میری پشت زمین سے لگا دی تھی۔ مجھے ساتھ لیے اس طرح لگا تھا وہ کہیں اس کے نیچے دب گیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے میری گردن دبا کر پوری طاقت سے گھونسا مارنے کے جڑے بلا دیے میرے۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے میرا بیاں خضار جن پر اس نے گھونسا مارا تھا، چھٹ گیا ہے مگر یہ موقع ان باتوں پر تو مجھ دینے کا نہیں تھا۔ وہ گھونسا مارنے کے لیے تھوڑا سا اٹھ گیا تھا میرے سینے کے اوپر سے۔ میرے لیے یہ اس سے نجات پانے کا بہترین موقع تھا۔ جیسے ہی اس نے دوسرا گھونسا مارنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھایا۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر جھماکے لے کر اوپر اچھال دیا۔ وہ جیسے ہی مجھے الگ ہوا، لڑی نے بجل کی سی تیزی سے آگے بڑھ کر اسٹین گن اس کی پشت سے لگا دی۔ بولی، "خیر دراز اب حرکت کی تو چھپنی کر دوں گی؟"

وہ اٹھتے اٹھتے سپر سارک ہو گیا۔ میں نے لڑی سے کہا۔ "خواہ خواہ تکلیف دے رہی ہو تم اس ہتھیار کو اپنے۔ تو لو کہتا ہوں اس پچالے کو حسرت نکال ہی لینے دو اپنے دل کی؟"

"آپ ان پر وقت برباد نہ کریں۔ ادھر جائیں باہر دیکھیں جا کر کیا آفت ڈھاکا آئے ہیں۔ اتنی دیر سے گویاں چل رہی ہیں اور کوئی کے مکتیوں میں سے کوئی دکھائی نہیں دیا ہے اب تک۔ ذرا پتا تو کریں کس حال میں ہیں وہ لوگ، کہیں کام

تو نہیں آگئے ہیں وہ۔ بچاؤں نے ہمیں بچانے کی خاطر جان نہ گنوا دی ہو اپنی؟"

"یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو لڑی۔ اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔ تم اسے دیکھو۔ میں خبر لیتا ہوں ان کی جا کر؟" میں باہر جانے کے لیے مڑا تو وہ نیچے پڑا ہوا شخص بولا۔

"تو کیا تم دونوں اس کوٹھی کے مکتیوں میں سے نہیں ہو؟ پھر کون ہو تم لوگ؟"

"تمہیں اس سے کیا غرض ہے کہ ہم کون ہیں؟ پھر سے بجائے لڑی نے خست آواز میں کہا۔

"غرض ہے جی تو پوچھ رہا ہوں مجھے شہر ہونے لگا ہے کہ ہم غلط فہمی کا شکار ہو کر آپس میں ہی لڑ پڑے ہیں۔ آپ کا پورا نام الزبتھ فیلن تو نہیں ہے؟"

"اوہ، تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟" لڑی نے چونک کر کہا۔ میں بھی جانتے جانتے ٹھنک کر کہ گیا اور مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ مسکلتے ہوئے اٹھینا سے لڑی کی طرف مڑ گیا بولا "میرا شہر درست ہی ثابت ہوا، ہمیں واقعی غلط فہمی ہوئی تھی میڈم؟" پھر اس نے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا: "یہ کون صاحب ہیں؟"

میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ آنکھیں میری حیرت سے اٹھیں۔ میں نے پوچھا: "اوشے تو ہے کون میاں! ذرا کھل کے تو بات کرو کون سے شعبے کس غلط فہمی کی بات کر رہا ہے تو؟"

وہ الزبتھ ہی سے مخاطب تھا بولا: "ہمیں سان فرانسکو سے ڈاکٹر جھمن نے آپ کی لکھی آمد کی اطلاع دی تھی۔ ہم ایئر پورٹ بھی گئے تھے آپ دونوں کو لینے کے لیے۔ میرا مطلب آپ سے اور غلام جیلانی سے ہے۔ مگر وہاں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ خصوصی طیارہ جس سے آپ لوگ آ رہے ہیں، صبح کراچی پہنچے گا۔ چنانچہ ہم واپس چلے گئے مگر سوچا کہ جیسے ہیں اطلاع ملی کہ آپ دونوں کراچی پہنچ گئے ہیں اور کچھ فہمی لوگ آپ کو ایئر پورٹ میں ڈال کر اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ وہ غلام جیلانی کہاں ہیں میڈم؟"

الزبتھ نے الجھن آئینہ نگا ہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا: "یہ کیا جگہ ہے جناب عالی! کیا کہہ رہا ہے یہ؟"

"میرا خیال ہے یہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے مجھے بھی شبہ تھا کہ ہم غلط لوگوں کے ساتھ آگئے ہیں۔ یہ لوگ اگر نہ بھی آتے تو میں تمہیں ساتھ لے کر صبح ہونے سے پہلے ہی یہاں سے نکل جسنے کی کوشش کرتا۔ اسی لیے میں نے ہلنا ستر بھی اتار دیا

آتے ہی"

الزبتھ چونک کر بولی: "اوسے ہاں، یہ تو میں نے غور ہی نہیں کیا۔ وہ بلا سزا بے نظریں آ رہا ہے آپ کے پیروں پر؟" میں نے اس شخص سے پوچھا: "ہاں، تو میرے بھائی کی نام نامی اسم گرامی ہے آپ کا؟ اور اس کو کٹھی کے لوگوں کا کیا بنایا ہے آپ نے کہیں باندھ کے ڈال دیا ہے انھیں یا حیات کے سمندر پار اتار آئے ہو؟"

"پہلے تو آپ مجھے معافی دے دیں جیلانی صاحب! مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں نادان شکیں میں کس سے الجھنے کی غلطی کر بیٹھا ہوں۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ جو لوگ آپ دونوں کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ انھوں نے یوں آزاد تو نہیں چھوڑ رکھا ہوگا آپ کو۔ میرا تو یہ خیال تھا کہ میں قید ہوں کے آپ دونوں، جو کیکڑا اور مالی کے سوا ایک ادھیر ملازم ہی مل کی تھی ہیں اس پوری کوٹھی میں۔ شاید کچھ اور لوگ بھی تھے۔ جن سے گولیوں کا تبادلہ ہوا تھا کچھ دیہ۔ یا وہ گولیوں بھی آپ ہی لوگوں نے چلائی تھیں؟ دلیے ابھی آپ کو کٹھی کے مکتیوں کا ذکر کر رہے تھے؟"

"ہاں، دو آدمی اور تھے یہاں۔ بڑے سوئڈن بونڈر قسم کے۔ گولیاں انھوں نے ہی چلائی ہوں گی۔ میں تو فائرنگ کی آواز سن کر ہی بیدار ہوا ہوں؟" میں نے اسے بتایا۔ پھر لڑی سے پوچھا: "یہ اسٹین گن کہاں سے ملی تھی تمہیں؟"

"وہ فیوز دے کر گیا تھا۔ ابھی ابھی گولیوں کی آواز سن کر میں کمرے سے نکلی تو وہ بھاگتا ہوا ادھر جا رہا تھا؟" اس نے مخالف سمت میں اشارہ کر کے کہا: "مجھے دیکھ کر اسٹین گن میرے ہاتھ میں تھا وہی اور بولا دشمن نے حملہ کر دیا ہے ادھر آئے تو تم روکنا اسے میں دوسری طرف دیکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آگے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی یہ لوگ ادھر آگئے۔ میں نے انھیں دیکھتے ہی فائر جو تک مارا ان پر۔ ان کے دوسرے ساتھی جو آگے تھے گولیاں کھا کر گزراؤں گے گریٹے تھے اور ان دونوں نے ہاتھ اٹھا کر ارمان طلب کر لی تھی۔ اسی وقت آپ آگئے اور میرے؟"

"اس کا مطلب ہے وہ دونوں جان بچی کے نکل گئے یہاں سے اور میں ٹکرا دیا آپس میں؟" میں نے کہا: "چلو ان زنجیروں کو سنبھالو جلدی سے کوئی مرنے تو نہیں گیا ان میں سے؟"

میرے ساتھ وہ شخص بھی آگے بڑھا۔ اس نے ان دونوں زنجیروں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ سیدھا اس شخص کی طرف گیا تھا جو میرے ہاتھوں بے ہوش ہوا تھا۔ اسے ٹٹولتے ہوئے وہ بولا: "شکر ہے۔ یہ زندہ ہے ابھی؟"

میں نے کہا: "اس کی حکم فرما کرو۔ یہ صرف بے ہوش ہوا ہے۔"

میں نے کہا: "اس کی حکم فرما کرو۔ یہ صرف بے ہوش ہوا ہے۔"

میں نے کہا: "اس کی حکم فرما کرو۔ یہ صرف بے ہوش ہوا ہے۔"

میں نے کہا: "اس کی حکم فرما کرو۔ یہ صرف بے ہوش ہوا ہے۔"

میں نے کہا: "اس کی حکم فرما کرو۔ یہ صرف بے ہوش ہوا ہے۔"

ہے۔ ہوش آجائے گا ابھی لے۔ ان دونوں کو بٹھالو، انھیں فوراً ہی اندر لے کر ضرورت ہے۔“

اس نے اُدھر آکر باری باری ان دونوں کو ٹٹولا۔ ان کے زخموں کا معائنہ کیا۔ دونوں کے پیٹ میں گولیاں لگی ہوئی تھیں وہ انھیں چھوڑ کر سیدھا ہو گیا۔ بولا: ”یہ تو ختم ہی ہو گئے تھیں۔ ان کا پانچواں طرح ممکن نہیں ہے۔“

”اوہ! بہت افسوس ہوا مجھے۔ بچاے غلط فیصلے میں اپنوں ہی کے ہاتھوں مارے گئے، لڑی نے افسوس لے لیا۔“

”ان دھندوں میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ اس پر اتنا افسوس نہ کریں۔ شکر کی بات یہ ہے کہ آپ دونوں صحت سلامت مل گئے ہیں۔ یہ وہ کیا اور اس آدمی میں آپ پر قربان کیے جا سکتے تھے آپ دونوں پر۔ آئیں اب آپ لوگ میرے ساتھ آئیں۔“ وہ انھیں چھوڑ کر باہر جانے والے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

میں نے اسے روکے ہوئے کہا: ”ظہر و یار! ایسی بھی کسی جلدی ہے۔ مجھے اپنا سامان تولے لینے دو کرے سے اپنے۔“

”ہاں ہاں، سامان تو فوراً لے لیں آپ۔ اس کا تو مجھے دھیان ہی نہیں تھا، وہ جاتے جاتے رک کر پلٹ آیا۔“

میں نے لڑی سے کہا: ”لڑی! تم بھی اپنی اپنی لے آؤ جا کر۔“

”وہ میں ابھی لے کر آتی ہوں۔“ وہ اٹھیں گن اپنے شانے سے لٹکا کے کمرے کی طرف چل دی۔

میں نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اس شخص سے پوچھا: ”تیرا نام کیا ہے جانی؟ وہ تو بتا دے میرے یار!“

”شرافت علی نام ہے میرا۔ بہت پرانا خاندان ہوں میں ڈاکٹر صاحب کا۔“ وہ بولا۔

”بڑی غلطی کی ہے یار تیرے والدین نے۔ ایسا نام رکھا ہے جو کسی طرح فٹ نہیں بیٹھتا سمجھو پر۔“

”جس میں ان بچاروں کو کیا معلوم ہو گا کہ ان کا یہ شرافت علی کننا شریف نکلے گا آگے جا کے۔“

”ہاں یار! کہتا تو غلطیک ہی ہے تو بھی۔ ماں باپ تو اپنی اولاد کو کس اچھے سے اچھے خانے میں ہی فٹ کرنا چاہتے ہیں۔“

”جیسے سے جیسے آدمی کی ہنگامی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بیٹا اچھا آدمی بنے۔ مگر آدمی کی ہنگامی خواہش پوری کہاں ہوتی ہے میرے یار! وقت کی گردش آدمی کو کیسے کیسے چوڑتی ہے اور کہاں لے جا کے چھینک دیتی ہے، اس کا پہلے سے کوئی کوئی گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔“

میرے والدین نے بھی میرے لیے بڑے سہانے سینے سمجھا رکھے تھے انھیں میں اپنی۔ اور مال جو میری اب بھی مجھے بہت بڑا آدمی ہی سمجھتی ہے۔ اسے تو خبر بھی نہیں ہے کہ اس

کا یہ بیٹا جیسے دعائیں دیتے اس کی زبان نہیں تھکتی کہاں کہاں رُٹا پھرتا ہے، کس کس جگہ میں پسیا جاتا ہے۔“

”ہاں میں اپنی تقدیر سے کون جیتا ہے آج تک۔ سب اس کے اشاروں پر ناپتے ہیں۔“

میں نے کمرے میں جا کر وہ جوتے اپنے پیروں میں چڑھالیے جو فوراً میرے لیے لایا تھا۔ وہ بالکل میرے ہی ناپ کے تھے۔ پھر مسمری کے پیچھے سے اپنی نکال کر چلنے کے لیے تیار ہوا تو شرافت علی بولا: ”وہ پلاستر کیا جیلانی آپ نے جو آپ کے پیروں پر چڑھا تھا؟“

”اس کا کیا کر کے تم؟ وہ تو میں نے چھینک دیا تھا۔“

”کیا... کیا... کیا کمرے ہو یہ تم؟ ایسا کیسے کر دیا تم نے؟“ وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔

”اس کی حالت دیدی تھی۔ منہ اس کا کھلا ہوا تھا اور حیرت سے وہ انھیں میرے کمرے پر

جم کر رہ گئی تھیں۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میرے لیے اپنی سیدھی ہڈیاں رکھنا مشکل ہو گیا تھا لیکن کسی کسی بدھی طرح ہنسی کو اندر بھی اندر چھوٹ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ اتنی رات گئے اس کی یہاں آمد اور یوں بیگانہ آلائی کیسے ہو سکے وہ سا جذبہ کا فریب ہے۔ اسے

مجھ سے اتنی ہمدردی تو نہیں ہوتی تھی کہ وہ دھن دھن میری خاطر خطرات کے مندر میں کود پڑتا۔ اسے ان بیروں کی کشش ہی وہاں تک کھینچ لائی تھی لیکن یہ سن کر اس کے دل پر اسے جل گئے تھے کہ وہ بیش بہا بے بسی میری نادانیت کی بنا پر اس کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ میں

نے اس کی حالت سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہوتے ہوئے بظاہر اپنے پیچھے سے لوچھا دیا کہ میرا بڑے بھائی انم یہ اچانک لتے پریشان اور سرسبز سے کیوں نظر آئے گئے۔ پھر آخر میں اس بے کار

پلاستر کے ٹکڑوں کو پھینکتا نہیں تو ادھر کیا کرتا؟

”بے کار پلاستر کے ٹکڑے؟ وہ بڑا بڑا کیا تھیں یقیناً ہر کچھ وہ پلاستر کے ٹکڑے بالکل بے کار ہی تھے؟“

”اس میں یقین اور بے یقینی کی کیا بات ہے؟ میں نے خود انھیں کاٹ کر اتار رکھا اپنے پیروں پر۔ مجھے تو ان میں کوئی ایسی بات نظر آئی نہیں تھی جس کی بنا پر میں انھیں کوئی کارآمد نہ سمجھتا

وہ چند تانے ٹوٹنے والی گہری نظروں سے میری صورت کھتا رہا۔ ایسا لگا ہوتا تھا جیسے وہ انھیں ہی انھوں میں میرے دل کی کتاب کا ایک ایک ورق کھول کر پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ کچھ جلدی ہوئی مجھے دیکھتا رہا پھر ایک لمبی سانس لے کر بولا: ”مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو یا واقعی بے خبر ہو۔“

”اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تم ایک ناکارہ شے کے لیے اس قدر پریشان کیوں ہو؟ آخر تم کو کیا اس میں؟“

”تو تمہیں واقعی کچھ پتا نہیں ہے مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے ڈاکٹر صاحب تو کہتے تھے جانتے ہو اس کے بارے میں۔“

”کس کے بارے جانتا ہوں میں؟ اوئے یار! کچھ کچھ بھی تو کہہ دیا کہ اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔ کیا اس بار بھی اس پلاستر کے پیچھے کوئی خزانہ دیا ہو گا کہ اس شخص نے کیا ایک باہر پھر میں کیر بڑن کیا ہوں؟“

”وہ انھیں بھارے مجھے تک رہا تھا۔ بڑی انھیں میں گرفتار تھا، وہ اور شاید یہ فیصلہ نہیں کر پاتا تھا کہ میرے اس بیان کو وہ کس کسوٹی پر پرکھے، کس بیان سے ناپے اور کون سی میزان پر چڑھا کر اس کا وزن دیکھے۔“

”جیلانی! میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تم سے کیا کہوں؟ کہیں تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو مجھ سے؟“

”میرے یار تو پسیلیاں کیوں بھجوا رہا ہے مجھ سے۔ صاف صاف بات کیوں نہیں کرتا؟ اور یہ تو نے کیسے جان دیا کہ میں مذاق بھی کر سکتا ہوں تجھ سے؟ تیرا یہ مذاق کا بھی کوئی رشتہ بتا ہے کیا؟“

”کیا کہہ سکتا ہوں میں، کسہری کیا سکتا ہوں؟ وہ بڑبڑانے لگا۔ چہرہ اس کا ایسا ہو رہا تھا جیسے موت ہو گئی ہو اس کے کسی بہت ہی قریبی عزیز کی۔ آواز سے بھی اس کی ایسی ہی کسی اندوہناک حادے کا لگان گزرتا تھا۔ مجھے اس کی حالت پر ترس آنے لگا تھا لیکن میرے سامنے بھی کچھ ملتیں تھیں۔ وہ خود کلائی کے انداز میں

بوسنے لگا: ”ایسا بھی ہوا تو نہیں ہے۔ کاروبار میں وہ بھی جھوٹا بات تو نہیں ہوا ہے کبھی وہ پھوٹی سے پھوٹی بددعا بھی کاڑھ کر بھی نہیں ہوا۔ پھر دیا کیوں ہوا آخر آدمی کی نیت بدلتے بدلتی گئی ہے۔ بڑے بڑے عابد زاد قلم کے لوگ منوں میں بہک کر پھر کی عادت ریاضت

خاک میں ملا دیتے ہیں۔ پیسہ ہے ہی بڑی ذلیل شے۔ آدمی کو آدمی نہیں ہوتے دیتا۔ ہم بھی آدمی ہی ہیں نا، مگر کیا کیا نہیں کرتے اس ذلیل شے کی خاطر؟“

”میکن میرے بھائی! اس کو لے ہوئے پلاستر کا پیسے سے کیا تعلق؟ کیا دولت بھر رکھی تھی اس میں تم نے؟“

”چھوڑو اس قفسے کو جلدی سے نکلی چلو یہاں سے بڑی گولیاں چلی ہیں یہاں۔ پاس پڑوس والوں میں سے کسی نے پولیس کو اطلاع نہ

کر دی ہو؟ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے پیچھے قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

”اب خیال آتا ہے تمہیں اس کا؟“

”ہم باہر نکلے تو لڑی میں اپنی اپنی سنبھالے اُدھر ہی چلی آ رہی تھی۔ ہم دونوں ایک ساتھ باہر نکل آئے۔ دونوں مین گیٹ چوڑے کھلے ہوئے تھے۔ دو کاریں بھی موجود تھیں وہاں۔ شرافت علی نے

آگے والی سیاہ مرمرین کی طرف بڑھتے ہوئے آواز دی: ”نادر خان! سب لوگ کہاں ہیں؟“

”کوٹھی کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں باس! کیا کام ہو گیا؟ مرمرین کی آڑ سے نکل کر ایک شخص آگے آتے ہوئے بولا۔

”ہاں! شرافت علی نے کہا: ”سب کو بلا لو۔ اور دیکھو اندر ہمارے دو آدمیوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ وہیں غلام بھی بیٹھے ہوئے پڑا ہے۔ اسے اٹھا کر پیچھے والے گاڑی میں ڈال دو۔ دونوں لاشیں ڈکی میں ٹھونس دینا لیکن خیال رکھنا خون کا کوئی ہلکا سا نشان بھی گاڑی پر نہ لگے پائے۔ میں چل رہا ہوں، تم سب کو لے کر آؤ میرے پیچھے۔“

وہ انھیں ساتھ لے کر مرمرین میں بیٹھ گیا تو تاریکی سے ایک شخص اُدھر آ رہا تھا۔ وہ انھیں سیدھ کی طرف کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بولا: ”کیا چلیں باس؟“

”ہاں! شرافت علی نے بارعجب آواز میں کہا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ میں نے بیروں کے بارے میں اسے ایسے نہیں بتایا تھا کہ وہ میرے لیے اسلحہ انجنی شخص تھا جس طرح زمین کا نام لے کر فروغ مجھے پہنچا تھا۔ وہ لوگ اسے باس کہہ کر مخاطب کر رہے تھے جس سے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ان کا سربراہ ہے لیکن یہ انداز نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنے گینگ کا مختار دل ہی ہے یا اس کے اوپر بھی کوئی

ہے۔ بہر حال میں اپنا اطمینان کیسے بغیر اس کے سامنے بیروں کا ہم بھی لینا نہیں پاتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”ایک بات تو بتا دو میرے یار! انھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اٹریوٹ سے ہیں کچھ غلط لوگ اٹھالے گئے ہیں؟“

”ہم تمہاری طرف سے غافل تو نہیں رہ سکتے تھے جیلانی۔ ہم نیو جیک سے کچھ پہلے ایک ایبونیٹس کے ساتھ اٹریوٹ پہنچ گئے تھے۔ وہاں معلوم ہوا کہ تمہارا گیارہ صبح سے پینے میں پہنچ سکے گا تو ہم نے وہاں رات کا کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں چلے آئے لیکن وہاں ایک آدمی کو چھوڑے تھے کہ اگر گیارہ رات ہی میں کسی وقت آجائے تو وہ مجھے فون کر کے بتا دے اور میرے پیچھے تک تمہارے ساتھ رہے، چنانچہ جیسے ہی اسے یہ معلوم ہوا کہ گیارہ آچکا ہے، اس نے مجھے فون پر اس کی اطلاع دی اور خود تمہاری طرف چل دیا لیکن اس نے تمہارے پاس دوسرے لوگوں کو دیکھا تو تمہارے قریب جانے کے بجائے دوڑی سے نکل کر لے لگا۔ وہ انھیں ایبونیٹس میں سوار کر کے لے آئے۔ وہ انھیں وہاں روک تو نہیں سکا تھا لیکن اس نے ایبونیٹس کا نمبر اور اس پر لکھا ہوا اسپتال کا نام نوٹ کر لیا تھا۔ فون ملنے کے بعد مجھے اٹریوٹ پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا تھا۔ وہاں پہنچنے:

”کوٹھی کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں باس! کیا کام ہو گیا؟ مرمرین کی آڑ سے نکل کر ایک شخص آگے آتے ہوئے بولا۔

”ہاں! شرافت علی نے کہا: ”سب کو بلا لو۔ اور دیکھو اندر ہمارے دو آدمیوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ وہیں غلام بھی بیٹھے ہوئے پڑا ہے۔ اسے اٹھا کر پیچھے والے گاڑی میں ڈال دو۔ دونوں لاشیں ڈکی میں ٹھونس دینا لیکن خیال رکھنا خون کا کوئی ہلکا سا نشان بھی گاڑی پر نہ لگے پائے۔ میں چل رہا ہوں، تم سب کو لے کر آؤ میرے پیچھے۔“

وہ انھیں ساتھ لے کر مرمرین میں بیٹھ گیا تو تاریکی سے ایک شخص اُدھر آ رہا تھا۔ وہ انھیں سیدھ کی طرف کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بولا: ”کیا چلیں باس؟“

”ہاں! شرافت علی نے بارعجب آواز میں کہا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ میں نے بیروں کے بارے میں اسے ایسے نہیں بتایا تھا کہ وہ میرے لیے اسلحہ انجنی شخص تھا جس طرح زمین کا نام لے کر فروغ مجھے پہنچا تھا۔ وہ لوگ اسے باس کہہ کر مخاطب کر رہے تھے جس سے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ان کا سربراہ ہے لیکن یہ انداز نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنے گینگ کا مختار دل ہی ہے یا اس کے اوپر بھی کوئی

ہے۔ بہر حال میں اپنا اطمینان کیسے بغیر اس کے سامنے بیروں کا ہم بھی لینا نہیں پاتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”ایک بات تو بتا دو میرے یار! انھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اٹریوٹ سے ہیں کچھ غلط لوگ اٹھالے گئے ہیں؟“

”ہم تمہاری طرف سے غافل تو نہیں رہ سکتے تھے جیلانی۔ ہم نیو جیک سے کچھ پہلے ایک ایبونیٹس کے ساتھ اٹریوٹ پہنچ گئے تھے۔ وہاں معلوم ہوا کہ تمہارا گیارہ صبح سے پینے میں پہنچ سکے گا تو ہم نے وہاں رات کا کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں چلے آئے لیکن وہاں ایک آدمی کو چھوڑے تھے کہ اگر گیارہ رات ہی میں کسی وقت آجائے تو وہ مجھے فون کر کے بتا دے اور میرے پیچھے تک تمہارے ساتھ رہے، چنانچہ جیسے ہی اسے یہ معلوم ہوا کہ گیارہ آچکا ہے، اس نے مجھے فون پر اس کی اطلاع دی اور خود تمہاری طرف چل دیا لیکن اس نے تمہارے پاس دوسرے لوگوں کو دیکھا تو تمہارے قریب جانے کے بجائے دوڑی سے

نکل کر لے لگا۔ وہ انھیں ایبونیٹس میں سوار کر کے لے آئے۔ وہ انھیں وہاں روک تو نہیں سکا تھا لیکن اس نے ایبونیٹس کا نمبر اور اس پر لکھا ہوا اسپتال کا نام نوٹ کر لیا تھا۔ فون ملنے کے بعد مجھے اٹریوٹ پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا تھا۔ وہاں پہنچنے:

”کوٹھی کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں باس! کیا کام ہو گیا؟ مرمرین کی آڑ سے نکل کر ایک شخص آگے آتے ہوئے بولا۔

”ہاں! شرافت علی نے کہا: ”سب کو بلا لو۔ اور دیکھو اندر ہمارے دو آدمیوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ وہیں غلام بھی بیٹھے ہوئے پڑا ہے۔ اسے اٹھا کر پیچھے والے گاڑی میں ڈال دو۔ دونوں لاشیں ڈکی میں ٹھونس دینا لیکن خیال رکھنا خون کا کوئی ہلکا سا نشان بھی گاڑی پر نہ لگے پائے۔ میں چل رہا ہوں، تم سب کو لے کر آؤ میرے پیچھے۔“

وہ انھیں ساتھ لے کر مرمرین میں بیٹھ گیا تو تاریکی سے ایک شخص اُدھر آ رہا تھا۔ وہ انھیں سیدھ کی طرف کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بولا: ”کیا چلیں باس؟“

”ہاں! شرافت علی نے بارعجب آواز میں کہا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ میں نے بیروں کے بارے میں اسے ایسے نہیں بتایا تھا کہ وہ میرے لیے اسلحہ انجنی شخص تھا جس طرح زمین کا نام لے کر فروغ مجھے پہنچا تھا۔ وہ لوگ اسے باس کہہ کر مخاطب کر رہے تھے جس سے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ان کا سربراہ ہے لیکن یہ انداز نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنے گینگ کا مختار دل ہی ہے یا اس کے اوپر بھی کوئی

ہے۔ بہر حال میں اپنا اطمینان کیسے بغیر اس کے سامنے بیروں کا ہم بھی لینا نہیں پاتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”ایک بات تو بتا دو میرے یار! انھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اٹریوٹ سے ہیں کچھ غلط لوگ اٹھالے گئے ہیں؟“

”ہم تمہاری طرف سے غافل تو نہیں رہ سکتے تھے جیلانی۔ ہم نیو جیک سے کچھ پہلے ایک ایبونیٹس کے ساتھ اٹریوٹ پہنچ گئے تھے۔ وہاں معلوم ہوا کہ تمہارا گیارہ صبح سے پینے میں پہنچ سکے گا تو ہم نے وہاں رات کا کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں چلے آئے لیکن وہاں ایک آدمی کو چھوڑے تھے کہ اگر گیارہ رات ہی میں کسی وقت آجائے تو وہ مجھے فون کر کے بتا دے اور میرے پیچھے تک تمہارے ساتھ رہے، چنانچہ جیسے ہی اسے یہ معلوم ہوا کہ گیارہ آچکا ہے، اس نے مجھے فون پر اس کی اطلاع دی اور خود تمہاری طرف چل دیا لیکن اس نے تمہارے پاس دوسرے لوگوں کو دیکھا تو تمہارے قریب جانے کے بجائے دوڑی سے

نکل کر لے لگا۔ وہ انھیں ایبونیٹس میں سوار کر کے لے آئے۔ وہ انھیں وہاں روک تو نہیں سکا تھا لیکن اس نے ایبونیٹس کا نمبر اور اس پر لکھا ہوا اسپتال کا نام نوٹ کر لیا تھا۔ فون ملنے کے بعد مجھے اٹریوٹ پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا تھا۔ وہاں پہنچنے:

”کوٹھی کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں باس! کیا کام ہو گیا؟ مرمرین کی آڑ سے نکل کر ایک شخص آگے آتے ہوئے بولا۔

”ہاں! شرافت علی نے کہا: ”سب کو بلا لو۔ اور دیکھو اندر ہمارے دو آدمیوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ وہیں غلام بھی بیٹھے ہوئے پڑا ہے۔ اسے اٹھا کر پیچھے والے گاڑی میں ڈال دو۔ دونوں لاشیں ڈکی میں ٹھونس دینا لیکن خیال رکھنا خون کا کوئی ہلکا سا نشان بھی گاڑی پر نہ لگے پائے۔ میں چل رہا ہوں، تم سب کو لے کر آؤ میرے پیچھے۔“

وہ انھیں ساتھ لے کر مرمرین میں بیٹھ گیا تو تاریکی سے ایک شخص اُدھر آ رہا تھا۔ وہ انھیں سیدھ کی طرف کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بولا: ”کیا چلیں باس؟“

”ہاں! شرافت علی نے بارعجب آواز میں کہا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ میں نے بیروں کے بارے میں اسے ایسے نہیں بتایا تھا کہ وہ میرے لیے اسلحہ انجنی شخص تھا جس طرح زمین کا نام لے کر فروغ مجھے پہنچا تھا۔ وہ لوگ اسے باس کہہ کر مخاطب کر رہے تھے جس سے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ان کا سربراہ ہے لیکن یہ انداز نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنے گینگ کا مختار دل ہی ہے یا اس کے اوپر بھی کوئی

ہے۔ بہر حال میں اپنا اطمینان کیسے بغیر اس کے سامنے بیروں کا ہم بھی لینا نہیں پاتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

خیال ہے آپ کا۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی، "لڑی بولی۔

"بات تو میرے بھی جی کو گنتی ہے جیلانی تمھاری مگر اس سے بھی یہ پتا تو نہیں چل سکتا کہ وہ ہیں کون لوگ؟"

"لیکن کچھ اندازہ تو لگا یا ہی جا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں سوچو جنہوں نے تم سے کوئی مطالبہ کیا ہو یہیں اور تم نے ان کی بات نہ مانی ہو یا کسی ایسے دشمن کو یاد کرو جسے حال ہی میں کوئی نقصان پہنچا یا ہو تم نے؟"

اس نے کار کو ایک جدید طرز کے بنگلے میں داخل ہوتے دیکھ کر کہا، "لو اب تم لوگ آرام کرو یہاں۔ میں دوپہر کے قریب آؤں گا تمھارے پاس؟"

"کیوں، کیا تم کہیں جا رہے ہو یہیں یہاں چھوڑ کر؟ میں نے پوچھا۔

"میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔ یہ ننگا تمھارے لیے ہے۔ جب تک کراچی میں ہوں یہاں رہو کوئی تکلیف نہیں ہوگی تمھیں؟" یہاں ٹیلی فون تو ہو گا نا؟" میں نے دریافت کیا۔

"کیوں نہیں، ضرورت کی ہر چیز موجود ہے یہاں؟" اس نے جواب دیا۔

"میں ڈاکٹر دھمن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا نمبر دیتے جاؤ مجھے؟"

"کیا بات کرو گے اس سے۔ کیا یہ معلوم کرو گے کہ تم صحیح لوگوں کے پاس پہنچ سکے ہو یا نہیں؟" اس نے ٹھونسنے والی نظروں سے میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہاں، یہی سمجھ لو؟" میں نے سسکاتے ہوئے جواب دیا۔ "تو اس کا مطلب ہے تم مجھے بھی کوئی فرائض سمجھ رہے ہو۔ ٹھیک ہے، تم اطمینان کر لو اپنا۔ ان حالات میں تمھیں ایسا کرنا بھی چاہیے؟" اس نے کہا اور اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کے مجھے دے دیا۔

لڑی بولی، "اس کی کیا ضرورت ہے جناب عالی، ڈاکٹر کا نمبر تو مجھے بھی معلوم ہے اور پھر ہمارے پاس پام روز ہسپتال کے جو سرٹیفکیٹ وغیرہ ہیں ان میں ہسپتال کے سبکی فون نمبر بھی موجود ہیں؟"

"اوہ، ہاں ٹھیک کہا تم نے۔ اس کا خیال نہیں تھا مجھے؟" کارڈ گیسٹ سے اندر داخل ہو کر رک چکی تھی اور وہاں نے لڑی کی طرف کا دروازہ بھی کھول دیا تھا۔ لڑی اور میں اپنے اپنے ٹیچکیس اٹھا کر باری باری کار سے اتر آئے۔ شرافت علی نے دربان سے کہا، "خان! یہ مہمان ہیں۔ انھیں اندر بٹھانا دو اور ماسی کو لوگو کوئی تکلیف نہیں ہونا چاہیے انھیں؟"

اس شخص نے مجھے بتایا کہ فلاں اسپتال کی اس نمبر کی ایبولنس تمھیں لے گئی ہے تو میں ایئر پورٹ سے سیدھا اس اسپتال پہنچا جس کا نام ایبولنس پر رکھا تھا۔ وہاں وہ گاڑی بھی موجود تھی اور اس کا ڈرائیور بھی۔ ان سے پوچھ کر پتہ چلا کہ انھوں نے مجھے بتا دیا کہ وہ ایئر پورٹ سے لائے جانے والے مرلین کو کمانا چھوڑ کر آئے ہیں۔ یہی نہیں، سو رہے کہ ایک نوٹ اس کی جیب میں گیا تو وہ ہمارے ساتھ اس کو کھینچ کر لے گئے اور اس کی جیب میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ اس طرح میں چند گھنٹے بعد ہی تم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا؟"

"یہ معلوم ہونے کے بعد کہ طیارہ صبح سے پہلے نہیں پہنچے گا؟

تم نے اپنا آدمی وہاں چھوڑنا ضروری کیوں سمجھا تھا؟"

"اس لیے کہ یہ بات مجھے کچھ عجیب سی لگی تھی۔ ایک طیارہ جسے نوبت پہنچنا تھا اگر کسی وجہ سے لیٹ ہو بھی گیا تھا تو ایک دو گھنٹے کی تاخیر ہو سکتی تھی۔ صبح پہنچنے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ شاید کسی غلط فہمی کی بنا پر طیارے کے پہنچنے کا صبح وقت نہیں بتایا گیا تھا مجھے؟"

لڑی جو خاموش بیٹھی ہماری باتیں سن رہی تھی، بولی، "یہ کون لوگ تھے جو ہمیں اس طرح لے گئے تھے۔ ان کا مقصد کیا تھا؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم ہو سکا میڈم، اگر ہم ان دونوں میں سے کسی ایک کو پکڑ لینے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ وہ کون لوگ ہیں اور یہ بھی کہ ان کا مقصد کیا تھا اس طرح آپ لوگوں کو لے جانے سے؟"

"میں سمجھتا ہوں شاید انھوں نے تمھیں پریشان کرنے کے لیے ایسا کیا تھا یا پھر انھوں نے اس طرح وارننگ دی ہے تمھیں۔ یاد کرو، آج کل کسی سے ان بن تو نہیں چل رہی ہے تمھاری؟" میں نے معلوم کیا۔

"ہمارا تو پیارے دھندا ہی ایسا ہے۔ دشمنیاں تو اس میں قدم قدم ساتھ چلتی ہیں۔ تم نے یہ اندازہ کیسے لگا یا کہ انھوں نے اس طرح وارننگ دی ہے؟" شرافت علی نے پوچھا۔

"بالکل سیدھی سی بات ہے یار۔ ایک تو انھوں نے ہمیں اغوا کیا لیکن کہیں قید کرنے یا تکلیف پہنچانے کے بجائے ہمارے آرام و آسائش کا خیال رکھتے رہے وہ اور جب تم وہاں پہنچے تو کوئی خاص مقابلہ نہیں کیا انھوں نے تمھارا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ جان بوجھ کر ہمیں تمھارے حوالے کر گئے ہوں۔ ورنہ اگر مقابلے سے بچا بھی تھا انھیں تو ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش تو ضرور کرتے؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب عالی، اس کا اندازہ میرے پاس



”جی صاب! بول دے گا صاب ہم۔ کیا اب اس کو اٹھا کے بول دے؟“

میں نے کہا: ”ابھی نہیں، ابھی سونے دو اسے۔ صبح بتا دینا۔“

شرافت علی ہمیں خلاصہ فکرمکرواپس چلا گیا تو دربان نے ہمیں اندر لے جا کر ایک کمرے میں ہماری انچوائس رکھ دی اور بولا: ”آپ لوگ اس کمرے میں آرام کریں جب تک کوئی ضرورت ہو تو کھینچی بجا دیں ہم حاضر ہو جائے گا۔“

میں نے کہا: ”ہمیں الگ الگ کمرے چاہئیں خسان۔ ایک کمرے میں گزارا نہیں ہو گا جہاں۔“

”ایسا بات ہے تو ایک اور صحر جلا جاؤ۔ اس نے سامنے دوسرے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔“

”تم اس کمرے میں رہو لڑی! میں سامنے والے میں چلا جاتا ہوں۔“ میں نے اچھی اٹھائی اور ادھر بڑھ گیا۔

صبح ہو رہی تھی۔ چترپوں کے چھپانے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ رات بھر کی بے آرامی اور صبحاگ دور تھے تھکا دیا تھا مجھے۔ آرام دہ بستر دیکھ کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بستر پر جا کر

میں گہری نیند میں ڈوبا ہے خبر سہرا ہوتا تھا کہ ایک باگ میں محسوس ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ میں ہلڑا کر اٹھا تو معلوم ہوا کہ زمین تو جوں کی توں ساکت، ہی تھی البتہ وہ زلزلہ خاموشی میرے قریب کھڑی بیڑی طرے مجھے جھنجھوڑی تھی۔ میں نے نیند سے بوجھل نہ نہیں سول کے پوچھا: ”کیا ہوا مائی ریسپیکٹبل لڈی! کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے آپ پر جو صبح زلزلہ بن کے آئی ہیں آپ؟“

”واہ جناب عالی! آج تو کمال ہی کیے دے رہے ہیں آپ۔ یہ صبح صبح ہے۔ ذرا گھڑی تو دیکھیں ایک بج رہا ہے دن کا۔ اور ایک گھنٹے سے اٹھانے کی کوشش کر رہی ہوں میں آپ کو۔“

”اوہ ہاں! یہ تو یاد ہی نہیں رہا مجھے۔ صبح ہوتے ہوتے تو لپٹا تھا میں بستر پر۔“ میں نے کہا۔

”اب انھیں۔ وہ شرافت علی نے فون کیا تھا ابھی۔ کہ رہا تھا میں۔“ ہاں آپ لوگ تیار ہو جائیں۔“

”اچھا! کھانے پینے کا بندوبست ہے یہاں؟ بڑی بھوک لگی ہے اس وقت تو نہ میں نے پوچھا۔“

”سب کچھ ہے آپ چلیں ڈائننگ روم میں۔ میں نے بھی نہیں کھا یا ہے اب تک کچھ۔“ وہ بولی۔

”ٹھیک ہے تم حلویہ بیگم غیاث احمد۔ میں بھی آتا ہوں ابھی۔“ میں نے شرافت سے کہا۔

”دیکھیں جناب عالی! اس نام سے نہ پڑا کر میں اب آپ مجھے۔ میں نہیں جانتی گی غیاث احمد کو۔“

میں نے ہاتھ روم کی طرف جاتے ہوئے پلٹ کر لمبے دیکھا اور شوخی سے بولا: ”واہ بھئی کمال کی شے ہوئے بڑی بیگم۔ وہاں سان فرانسسکو میں تو بڑی شناسائی تھی تمہاری اس غیاث احمد سے! اب پہچاننے سے بھی انکار ہے اسے۔“

”تب بات اور تھی۔ اس وقت تک میں آپ سے۔“

نہیں جانتی تھی۔ اب میں سے برداشت نہیں کروں گی۔“

”بڑی بے وفا ہو چکی لڑی۔ تم نے تو اتنی جلدی انھیں پھر لیں اس عیب سے۔ کیا سوچتے گا وہ؟“

”سوچنے دیں اسے جو کچھ اس کا جی چاہے سوچتا رہے۔ مجھے اس کی فکر بالکل نہیں رہی ہے اب۔“

”اوسے نے بھی غلام جیلانی پٹھے! گیارہ اب تو تو بھی کام سے۔“

بڑی بیگم تو مجھے بالکل ہی آندہ بھی ہے دل سے لے کر کیا کرے گا تو اب؟ کہے بنائے گا اپنی زندگی کا ہیسفر؟ یہ تو گئی پانچ تیرے۔“

میں نے غمزہ لہجے میں کہا۔

”اسی باتیں نہ کریں جناب عالی! آپ تو میری زندگی ہیں۔ میں آپ کو دل سے کیسے آنا سکتی ہوں۔ ایسا کر کے میں کمال زندہ رہ سکوں گی۔ میرا یہ مطلب تو نہیں تھا چاہا آپ انکار کر رہے ہیں۔“

”دو اور کیا مطلب تھا پھر؟ تم نے صاف صاف تو کہا ہے کہ نہیں اب بالکل فکر نہیں رہی ہے میری۔“

”دیکھیں جناب عالی! پریشانی دیکھیں مجھے، آپ خوب جانتے ہیں میں نے جو کچھ کہا ہے وہ غیاث احمد کے لیے تھا اور آپ غیاث احمد نہیں غلام جیلانی ہیں۔ میں نے آپ کو کیا ہے، آپ سے محبت کی ہے، میرے دل میں صرف آپ کی تصویر نقش ہے کہ غیاث احمد کی نہیں۔ وہ افسردہ نظر آئے تھے۔“

اداکاری کے فن میں بڑی طاق تھی وہ مگر گر بگری نے مجھے اس کے دروں دروں سے آگاہ کر دیا تھا اتنا اس نے تو میری بنائی کو دھوکا دے ہی دیا تھا۔ اس کی چالیں مجھ پر عیاں نہ کر دی گئی ہوتیں تو محلوں میں مات کھا چکا ہوتا میں اس بنی اسرائیل کی خاطر سے۔ مجھ سے اپنی محبت کا اظہار وہ اس طرح کرتی تھی جیسے مجھے سے زیادہ محبت مونی کی کوئی شے نہ ہو سکتے۔ بس میں ہی اس کا مقصد حیات ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا: ”صدقہ بھئی صدقہ قربان جالیٹے آپ کی محبت کے خاتم! میں جناب کا پھر بیٹھے، معافی دے دیں حضور! اور افسردہ کی دور کریں اپنے اس سوہنے مکھڑے سے۔“ آپ

کی یہ سگواری دیکھی نہیں جانی تھی سے۔ دل خون ہونے لگا ہے میرا۔ میں اب مسکرا دیں ذرا کہ آج بھلے میرے اس دل نواں کو۔“

وہ ایک اداسے مجھے دیکھ کر مسکرائی اور شہر مارا اپنے آپ میں بیٹھ لی۔ اس گھڑی وہ ایک خالص مشرقی دو شہرہ معلوم ہو رہی تھی۔ کوئی گمان ہی نہیں کر سکتا تھا اس کے کہ وہ امریکہ سے امپورٹ کی گئی ہے۔ ہاتھوں میں اس کی میری محبت کے چراغ روشن تھے۔ وہ ہنسنا، اپنے گلاب کی پنکھڑی جیسے نازک لبوں کو حرکت دینے میں کامیاب ہو سکی، مگر سر میں بس آسانی نہ پائی وہ یہ ستیانہ کر رہی ہیں آپ جناب عالی!۔“

”آپ بھی اپنی اداؤں پر قابو رکھ کر میں مائی ریسپیکٹبل لڈی! مجھے امتحان سے نکرانا کر رہی ہیں آپ۔“

اس کے رخسار دکھ آئے۔ ہلکی جرات اللہ! اب جائیے نا۔ تیار ہو کر آئیں جلدی سے ہمیں جھوک لگی ہے۔“

”اوہ! یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا! میں نے چونک کر کہا اور تیزی سے ہاتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔“

کھانے کی میز پر پورھی ملازمہ نے مجھے شرافت علی کی آمد سے مطلع کیا تھا۔ میں کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔۔۔

جہاں شرافت علی میرا انتظار تھا۔ لڑی برتن و دیگرہ میٹھے میں ملازمہ کی مدد کرنے لگی تھی۔ شرافت علی نے مجھے دیکھ کر میری غیرت دریافت کی۔

”کیا حال ہے جیلانی! آپ کا کوئی تکلیف تو نہیں ہے یہاں آپ کو؟“

”جب سے آ گیا ہوں سوتا ہی رہا ہوں۔ آٹھ گھنٹے کے بعد کھانا کھا کر تھکے پاس آ گیا ہوں، اتنی دیر میں کیا تکلیف ہو سکتی ہے مجھے میرے بار! ہاں، تو تکلیف پہلے سے تھی، وہ مدتہ موجود ہے۔“

”اوہ، مجھے جائیں کیا تکلیف ہے آپ کو؟ میں کوشش کروں گا اسے دور کرنے کی۔“

”میں راجی! وہ تمہارے پس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے تو مجھے ہی کرنا ہے کچھ۔“

”غیرت برت رہے ہو، شاید اس لیے کہ تمہیں میرے اور دھمن کے تعلقات کا علم نہیں ہے۔ بہت پرانا سا تھکے میرا اور اس کا، مجھے کوئی بات چینی نہیں ہے اس کی۔ تمہارے اور اس کے درمیان ہمسے والی محاذ آرائی اسے بھی میں اچھی طرح واقف ہوں۔ میرے ہی مشورے پر اس نے تم سے دوستی کرنا چاہی ہے۔“

”تم نے ایسا مشورہ کیوں دیا تھا؟“

”اے کھانے کو! تم جی جی دار اور باصلاحیت آدمی سے دشمنی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ میں ایسے لوگوں سے دشمنیاں پڑھانے کے

## HOW TO WRITE A LETTER

خطوط نویسی کے لیے قیمت ۶/۱ روپے

## HOW TO WRITE AN ESSAY

مضمون نگاری کے لیے قیمت ۶/۱ روپے

## HOW TO WRITE AN EXPLANATION

وضاحت و تشریح کے لیے قیمت ۶/۱ روپے

## HOW TO LEARN CORRECT SPELLING

صحیح بچے لکھنے کے لیے قیمت ۶/۱ روپے

## HOW TO DO COMPREHENSION

ادراک فہم کا اظہار کرنے کے لیے قیمت ۶/۱ روپے

## CORRECT POSITIONS OF PREPOSITIONS

پری پوزیشن کے صحیح استعمال کے لیے قیمت ۶/۱ روپے

## HOW TO PUNCTUATE

رموز اوقاف جاننے کے لیے قیمت ۶/۱ روپے

## 10 DAYS TO TRANSLATION

اردو سے انگلش میں ترجمہ کرنے کے لیے قیمت ۶/۱ روپے

○ اندرون ملک ڈاک خرچ ایک ایک سے لاکھوں کا ۱۵ روپے ہو گا چلا سیٹ منسلک ہے ڈاک خرچ صحت (صرف اندرون ملک کے لیے) ○ کتابوں کی قیمت اور ڈاک خرچ بذریعہ پوسٹ اور ڈاکوں پر اپنا نام و پتہ اور کتابوں کا نام ضرور لکھیں ○ کسی قسم کی نقد رقمیں ڈال کر سرگرم نہیں ہونی اور اصل کرنے کا پتہ اختیار نہ لیتے، ہر سال ۹۹۹ میں بین الاقوامی ایئر پوسٹ کر دیا کریں ○ ہر سال ایک ایک سیٹ کی قیمتیں ملے گی خرچ: مشرق وسطیٰ ۱۰ پاکستانی روپے، یورپ اور مشرق وسطیٰ ۱۵ پاکستانی روپے، افریقہ ۲۰ پاکستانی روپے ○ ہر سال ایک ایک سیٹ منسلک ہے۔ یہ رقم بذریعہ ڈرافٹ روانہ کریں ڈرافٹ پر نام ملے گا۔

MAKTABA NAFSIAT A/C 688 H.B.L. MANSFIELD STR. BR. KARACHI

ذاتی طور پر حاصل کرنے کے لیے: MAKTABA NAFSIAT 404 HUSSAIN CENTRE SHAHRAHE IRAQ SADDAR KARACHI - PHONE: 5266689

بھانے دوستی کرنا زیادہ ہنس مچھتا ہوں۔ بول بھی دشمنی میں نقصان کے سوا کچھ نہ تھیں آتا؟

”ہاں، بات تو کسی حد تک ٹھیک ہی ہے تمہاری، پر یہ کوئی اپنے اختیار کی بات تو نہیں ہوتی۔ آدمی حالات سے مجبور ہو کر ہی دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے ورنہ خوشی سے کون آگ بی کو نہا پسند کرتا ہے؟“

”لیکن ایسے حالات ہی کیوں پیدا ہونے لگے جو دشمنی پر مجبور کر دیں؟“

”یہ کیا بات کہدی تم نے میرے بار! حالات پر کب سے اختیار ہونے ہے؟ ان کا کڑھ کن توڑ سکتا ہے؟“

”سب نہیں مگر کچھ حالات ایسے ہوتے ہیں جن کا کڑھ موزا ممکن ہو نہ ہے اور دشمنیاں، یہ تو قطعی طور پر آدمی کے اختیار کی چیز ہیں۔ آدمی نہ چاہے تو یہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں۔ پس ذرا غریبوں کو لگام دینے کی بات ہے۔“

”اور بار! کسی بڑی باتیں کرتا ہے تو۔ کوئی تیرا گروہ نکال کے بیچ ڈالے تو تو اس کے خلاف نفرت کے جذبے کو کیسے لگام دے گا؟ بہت آسانی سے؟ وہ ہنس کر بولا یہ میں اپنے دل کو۔“

”سمجھاؤں گا اگر وہ تو میرا چاہی چکا۔ ایک گروہ کے بغیر بھی میں اپنی زندگی اچھی طرح گزار سکتا ہوں تو دشمنی کر کے جان خطرے میں کیوں ڈالوں؟ اس کے بجائے گروہ فروش سے دوستی کر کے گروہ کی قیمت کیوں وصول کر لوں جو تیرا ہی کو سوار نے میں میرے کام آئے؟“

”اور دیکھ نہیں ہو گا تجھے اپنا اچھا بھلا گروہ ضائع ہونا نہ کا؟“

”دیکھ تو ہو گا لیکن جب وہ جا ہی چکا ہے تو واپس تو نہیں مل جائے گا نفرت اور خفے کا اظہار کرنے سے۔ البتہ اگر دشمن کا داکا گر ہو گیا تو جان بھی بچ سکتی ہے گروہ کے ساتھ۔ پھر یہ خطرہ کیوں مول لیا جائے؟ یہ دیکھو! اس نے اپنی فیصل کا دامن اٹھا کر اپنا بیہوش میرے سامنے کر دیا ہے یہ میرا دایاں گروہ بھی اسی دشمن نے بیچ کھلایا ہے۔ دیکھ تم نے؟ مگر میں اس سے دشمنی نہیں کی؟“

”میں نے دیکھا بیچ تم اس کے پیٹ میں بھی دایاں جانب چیرے کا ایسا ہی نشان تھا جیسا میرے پیٹ پر تھا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ تمہاری اجازت سے نکالا تھا اس نے گروہ تمہارا؟“

”بالکل نہیں۔ میرا گروہ بھی اس نے میری لالچی میں نکالا تھا۔ مجھے تو بہت بعد میں معلوم ہوا تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا کر چکا ہے۔ انھوں نے تو مجھے ہی بتایا تھا کہ میرا گروہ خراب ہو گیا ہے اگر اسے نکالا نہیں گیا تو میں مر بھی سکتا ہوں؟“

”ہاں، مجھے معلوم ہے وہ اسی طرح لوگوں کے گروہ سے نکالا کرنا

ہے۔ اس کے کلینک میں علاج کے لیے آنے والے بہت کم لوگ اپنے دونوں گروہ واپس لے جاتے تھے۔ زیادہ تر تو ایک گروہ اسے ہی سونپ جاتے تھے۔ مگر یہ ہوا کیسے؟ میرا مطلب ہے تم تو اس کے دوست ہو پھر اس نے تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟“

”اس وقت ہماری دوستی نہیں تھی۔ میں ایک دفتر میں کلرک ہوا کرتا تھا۔ ایک بار پیٹ میں سخت تکلیف ہو گئی۔ علاج کے لیے ایک دوست کے مشورے پر دھم کے کلینک چلا گیا اس نے مجھے داخل کر لیا اپنے مل۔ میں نے بہت کم کم کریں داخل نہیں ہو سکتا اس کے اسپتال کے اخراجات برداشت نہیں کر سکوں گا میں۔ سگراس نے میری ایک نہیں مانی۔ کہنے لگا فکر مت کرو، تم میرے بھائی ہو، مجھے تمہاری عزت بہتر ترس کر آتا ہے۔ میں تمہارا مفت علاج۔۔۔“

”کروں گا، تمہارا گروہ خراب ہو گیا ہے۔ اس کا پریشانی بھی مفت کروں گا۔ کوئی پانی پینے نہیں چاہی ہو گا تمہارا۔ میں مجبوراً رضی ہو گیا۔ جان کے عریض نہیں ہوتی تھی۔ یہ تو جلد میں معلوم ہوا کہ اس کی اس خدائے کسی کے پیچھے کو سا بند بکا فدا تھا اور جب مجھے اصل بات کا علم ہوا تو میں نے کوئی انتظامی کارروائی کرنے کے بجائے اس سے سیدھی سیدھی بات کی کہ اس نے میرے گروہ کی جو قیمت حاصل کی ہے اس میں سے نصف رقم مجھے دے دے۔ پہلے تو اس نے مجھے دھونس دھاندلی سے ڈرا دھمکا کہ بھگنا جا یا لیکن جب میں نے بھی جواب دیا تو دیکھ دی کہ اگر اس نے میرا مطالبہ نہ مانا تو میں اخبارات کے دفتروں میں جا کر اپنی بیٹا سٹاف کا اخبارات میں اس کے کلینک میں ہونے والے دھندوں کی روداد شائع ہو گئی تو مجھ جیسے اور بھی بہت سے لوگ میدان میں آجائیں گے جن کے گروہ وہ نکال کے بیچ چکا ہے میری یہ دھمکی کام کر گئی اس نے مجھے چپاس ہزار روپے ادا کر دیے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے اپنے کاروبار میں شرکت کی دعوت بھی دی جسے میں نے بخوشی قبول کر لیا۔ اب میں ایک معزز اور دولت مند شخص ہوں۔ یہاں دھم کے تمام معاملات اب میں ہی سمجھتا ہوں۔“

”لیکن تمہیں کیسے چاہا کہ اس نے تمہارا گروہ مکالم کر بیچ دیا ہے؟“

”چھوڑ واس قسے کو، یہ بڑی طویل داستان ہے۔ پھر کبھی فرصت میں سنائوں گا۔ فی الحال تو تم مجھے اس بلا تم کے بارے میں بتاؤ تو تم نے اپنے پیسوں سے آنا تھا۔ وہ کہاں ہے اس وقت؟“

”میں نے پھر انجان میں کہہ دیا وہ آئے۔ بار آخر تم اس کے لیے اس قدر پریشان کیوں ہو؟ ایسی چیز تھی اس کے اندر؟ میں نے تو اسے یوں ہی لے کر اپنے جان کر چھینک دیا تھا۔“

”وہ مری نظروں سے میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔“

”جیلانی! میں ایک گھنہ پہلے فون پر بات کر چکا ہوں دھم سے۔“

اس نے بتایا ہے کہ تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ اب مجھ سے زیادہ اڑنے کی کوشش نہ کرو۔“

”چلو ٹھیک ہے یوں ہی سی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے۔۔۔ معلوم تھا، پلاسٹر میں کیا تھا لیکن میں اس طرح تو بھانے خوالے میں کر سکتا تھا۔“

”کیا؟“ وہ چوک کر بولا۔ ”کیوں نہیں دو گے تم مجھے وہ؟“

”اس لیے کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔ میں یہ کیسے یقین کر لوں کہ تم وہی آدمی ہو جسے یہ مال دیا ہے۔“

”ہوں، بات تمہاری بھی معقول ہے۔ یہاں آتے ہی جن حالات سے تمہارا سابقہ پر ہے، اس کی نشانی میں تمہیں ایسا ہی محتاط طور پر اختیار کرنا چاہیے تھا۔“

”یہ سننے کے بعد بھی کہ میرا گروہ دست ہے، تم اس کے لیے خدا کر دے؟“

”نہیں، بالکل نہیں، میں اس سلسلے میں کوئی مذکورہ گا نہ جبر میں اپنی طرف سے طبعی کے بغیر تم سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا اور مطمئن۔۔۔ ہونے کے لیے مناسب یہی ہے کہ تم دھم سے خود بات کرو۔ رات جب تم نے اس بلا ستر کی اہمیت سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا تو مجھے یہی خیال آیا تھا کہ شاید دھم سے کسی وجہ سے پر وگرام تبدیل کر دیا ہے لیکن اسے ایسا کرتا تھا تو مجھے اس کی اطلاع دینا چاہیے تھی چنانچہ میں نے اس سے بات کی اور جب معلوم ہوا کہ تم نے غلط بات سے کام لیا ہے تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ یا تو میری طرف سے شوکر ہو یا پھر تمہاری تین خراب ہو گئی ہے۔ میں نے دھم سے کہا کہ وہ تمہیں فون کر کے میری طرف سے مطمئن کرے۔ لہذا اب وہ فون کر کے تم سے بات کرے گا اس وقت تک میں بھی میں موجود ہوں۔“

”یہ اچھا کہہ تے۔۔۔ ورنہ میرا قبول تھا کہ تم میرے ساتھ بڑی کرنے کی کوشش کرو گے۔“

”اب ایسا بھی گدھا نہیں ہوں میں یا ربی! ادا مل وہ الزم سے تو ذکر میں کیسے نام نہ لے سیروں کا؟“

”او نہیں پیارے بھائی! میں جانتا ہوں اسے ایسی باتوں کی ہوا بھی نہیں لگنا چاہیے۔ بڑی محنت کرنے والی لڑکی ہے وہ۔ بڑا پیار بھر ہے میرے لیے اس کے دل میں۔ اب میں اسے اپنے کالے کڑوٹوں سے باخبر کر کے اس کے دل کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا، تم بھی خیال رکھنا، کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا اس کے سامنے۔“

”وہ ہنس پڑا۔ تم میری کردار کی تو یہ تمہیں بار کب سے تو باری بھانا بھی جانتا ہوں میں؟“

”میں ان جھگڑوں سے نفرت کے جلد سے جلد لاہور پہنچنا چاہتا ہوں۔ مال ہی بڑی بے چارہ ہو کر میرے لیے۔“

”فکر نہ کرو، دھم سے بات کر کے میرے سب سے دوسروں کے

بعد جب جانا چاہو گے نہایت بڑ رو کر ادوں گا ہما میں؟“

”ہاں بار! یہ ٹھیک رہے گا میں بھی اس آڑے پہنچ جانا چاہتا ہوں اس کے پاس۔“

”میں نے سنا ہے تمہاری آن کل راولپنڈی چل میں ہے۔ کچھ سیکرٹس کے الزامات میں اس پر۔“

”ٹھیک سنا ہے تم نے۔ اس کی بھی خبر لگی ہوئی ہے۔ مجھے۔ یہی وہ تکلیف ہے جس کا ابھی ذکر کیا ہے میں نے۔ اس کے ساتھ میرا لہ اسم آتی بھی ہے۔ سنا ہے جیل کی سختیوں نے اس کی مینا پی چھین لی ہے۔ ان دونوں کو بھی آزاد کرنا ہے مجھے۔ لیکن کوئی تدبیر نہیں بن رہی ہے۔“

”حکومت کو بار! کوئی بہت بڑا جیل کھڑا کر دیں گے ان کی پوری کے لیے۔ تم لاہور جا کر اس جی سے مل آؤ اپنی، پھر دیکھیں گے اس مسئلے کو بھی۔“

”فون کی گھنٹی نے ہماری باتوں کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ شرافت علی اٹھتے ہوئے بولا۔“

”شاد دھم کا فون ہے۔“

”خبر دو میں دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا اور بڑھ کر سیرو راجا لہ۔ دوسری طرف دھم کی تھا۔ میں نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا اس نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔ ٹھیک ہے جیلانی! اسے صحیح لوگوں کے دربان پہنچ چکے ہو۔ وہ امانت نہ شرافت علی کو دے دو۔“

”اُس نے مجھے ہایت دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے سیرو رکھ کر شرافت علی کو دیکھا۔ وہ طالبہ لگا ہوں سے مجھے دیکھ کر بھانپا میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔“

”چلو آؤ میرے ساتھ۔ تمہاری امانت میری ہتھی میں موجود ہے۔“

”اس کا چہرہ خوشی سے کھن گیا۔ وہ مسکراتا ہوا اچھ کر میرے ساتھ چل دیا۔ میں نے ساتھ لے کر اس کے پاس آگیا ہاں میں نے رات گزارنی تھی بلکہ یہ کتنا زیادہ بہتر ہو گا کہ جہاں میں سوا تھا۔ اپنی بیڑ کے پیشے تھی کبھی۔ میں نے پتہ چھک کر اچھی اٹھائی اور اسے بیڑ پر رکھ کر اس کا ڈھکنا کھول دیا۔ وہ کھنکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ رگوں میں خون کی گردش اتنی تیز ہو گئی کہ دونوں کینیاں بری طرح جلنے لگیں۔ حالت بڑی عجیب ہو گئی تھی میری، ہاں کا ڈھانڈا ڈھانڈا ہوا محسوس ہو رہا تھا میں نے سر اٹھا کر شرافت علی کو دیکھا۔ وہ بھی۔۔۔ میری کیفیت کا بخور جائز سے رہا تھا اور مجھے چکا تھا کہ کچھ کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ بولا۔ کیا جواب دہانی؟ کیا بات ہے یہ تم آجاک اس قدر پریشان کیوں ہو گئے ہو؟“

”میری زبان لنگ تھی، منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ بالکل اپنی حالت پر قابو پا نہ ہوئے ایک ایک کر بولا۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ شرافت علی۔۔۔ اس میں وہ قتل۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہے۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔۔“

جس میں ہمارے کچھ تھے... دیکھتے تھے... ہم... ہم... میں نے؟  
 کیا کہہ رہے ہو تم؟...؟ "شرافت علی کی آنکھیں بھی جیت  
 کی زیادتی سے چھٹ گئیں۔  
 میرا دعا نافذ ہو کر رہ گیا تھا چند لمحے کے لیے تو جیسے  
 میری گون میں لمبی گدھی تھی۔  
 خون رگوں میں حرکت کرنا بھول گیا تھا۔ ایسا ہی شدید اور چالاک جھکا  
 پنچا تھا دل و دماغ کو میرے اور اس شرافت علی کی حالت بھی کچھ  
 مختلف نہیں تھی مجھ سے۔ دیدے اس کے بھی پھیل کر رہ گئے تھے  
 اور منہ یوں کھلا ہوا تھا جیسے ہوا مار گئی ہو اسے، مزہ بند کرنے کی  
 اس میں سکت ہی نہ رہ گئی تھی یہ کیفیت میری بس چند لمحوں کی تھی اس  
 کے بعد تو میری رگوں میں کھوتا ہوا لادو دھونے لگا، آنکھیں بے طرح  
 ٹٹک گئیں۔ میں نے اپنی بند کر کے الگ دھکی اور شرافت علی کو  
 غور غور نظروں سے دیکھتے ہوئے اٹھ کر اس کے قریب جا کھڑا۔  
 "اوسے سیپا دکھاتا ہے مجھے تو کھوتے دے پتر؟"  
 وہ ایک دم گویا ہوا۔ یوں اچھل کے کھینچے ہٹا جیسے میں نے  
 اسے بجلی کا ننگا تار چھوا دیا ہو۔ "دیکھ رہا ہے۔ جیلانی! ہوش  
 کھو بیٹا ہے کیا؟ میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا تیری نیت میں غور  
 آگیا ہے۔"  
 "اوسے نیت کے بچے" الٹی چوری لگاتا ہے مجھ پر سوز کی  
 اولاد۔ میں طیش میں آکر اس پر جھجکا۔  
 وہ مجھے جھکا کر دے کر دوسری طرف نکل گیا۔ اوتھری سے  
 پستول نکال کر مجھ پر سیدھا کرتے ہوئے بولا۔ "رک جا جیلانی۔  
 یہ ڈراما میرے ساتھ نہیں چلے گا تیار۔ سیدھی طرح میرے نکال  
 دے ورنہ اپنی اپنی دماغی کی عمر تمام سمجھ۔ تیرے جیسے کتوں کی  
 ذہنیں بیدھی کرنا آتا ہے مجھے۔"  
 اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر میں ٹھنک گیا۔ اس گھڑی  
 وہ طلسمانی تو تھی میرے ذہن سے بالکل اتر گئی تھی۔ یہ بادی نہیں  
 رہا تھا مجھے کہ وہ اس پستول کو مجھ پر پتھری کی طرح پھینک کر مار تو  
 سکتا تھا اس سے میرا سینہ چھید نہیں سکتا۔ اس کے اندر دھری وہ  
 آج کی بیامبر گولی جس پر اعتبار کر کے شرافت علی مجھ پر یوں بھونک  
 رہا تھا میرے سامنے اس سے وفا نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے رک کر  
 اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ آدمی کے پورے جسم میں ایک آنکھ ہی  
 ایسا پڑ رہا ہے جس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب  
 ہے جس میں بچ ہی بچ رقم ہوتا ہے۔ آنکھوں کی تحریر کبھی کسی کو  
 دھوکا نہیں دیتی۔ شرط یہ ہے کہ کسی کو وہ تحریر پڑھنے کا فن بھی  
 آتا ہو۔ اور یہ فن کہیں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا یہ تو زمانے  
 کی ٹھوکروں میں رٹنے رٹنے آدمی خود بخود دیکھ جاتا ہے۔ مجھے میری

خیمہ بارہ قدر تیریں جھٹی میں پکا قی رہی تھی؟ وہاں تو میرے تجربے سمو  
 دیے گئے تھے میرے اندر۔ اس ذلالت خان کی آنکھیں چوڑیوں  
 کو اپنا نام شرافت علی بتاتا تھا، مجھ سے جھوٹ نہیں بول رہی تھیں۔  
 اس کی زبان بھی سچ ہی لگتی تھی اس سے۔  
 میرے چہرے پر تودلی پرچھائیاں لہانے لگیں۔ میں انھیں  
 کا شکار ہو کر بولا۔ "ٹھیک ہے پیارے" یہ کام تیرا نہیں ہے۔  
 مجھے یوں ہی شہادت نے اٹھ کر تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ یہاں چیرے  
 اور تیرے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اس جاسز کی قیمت کیا ہے۔ اور  
 پلاسٹک کے وہ بے حقیقت ٹکڑے خود اپنی قیمت بتا نہیں سکتے  
 کسی کو۔"  
 میری بات سن کر شرافت علی کے چہرے کا تناؤ و قدرے کم ہوا  
 مگر پھر ایک دم اس کے رگ بچھے دوبارہ اڑ گئے۔ لیجے گا طعنا کچھ  
 اور پڑ گیا۔ "تیری کوئی چالاکی مجھ پر اڑ نہیں کرے گی جیلانی! بکواس  
 میں بالکل نہیں سنوں گا۔ خیریت چاہتا ہے اپنی تو وہ سانسے  
 میرے اگلے دے یہاں میرے سامنے۔"  
 "روک کے استاد روک کے۔ زیادہ فوں فوں نہ کر پیارے  
 بھائی! یقین کر لے، کسی نے ہاتھ صاف کر دیا ہے اُن پر۔"  
 "کیسے یقین کروں میں؟ کیا ثبوت ہے اس کا تیرے  
 پاس؟ ابھی تو تو مجھ پر ہی الزام لگا رہا تھا ان کی پوری کا۔ پستول  
 دیکھ کر چال بدل رہا ہے۔"  
 "میں یارچی! بات یوں نہیں ہے۔ مجھے ہی گمان ہوا تھا  
 اس گھڑی کہ تو کسی مشکل سے گزارنا چاہتا ہے مجھے، پر جب میں  
 نے تیری تلاش کی، تجھے اندر سے گھنگھلا تو تو زوروشی ہی نظر آتا مجھے"  
 "جھوٹ مت بول، صاف کیوں نہیں کہتا کہ اس پستول  
 نے بازی پلٹ دی ہے تیری۔"  
 "اویار! بس کر اب، مان لے کہ میں کوئی چھل کپٹ نہیں  
 کر رہا ہوں تیرے ساتھ۔" عین اسی لیے میرا اٹھ کھڑی والا ہاتھ اوپر  
 اٹھ گیا۔ میری نظر اٹھ کھڑی پر پڑی تو میں سکڑا اٹھا۔ میں نے کہا: "اور  
 گو یہ بار بار اپنے پستول کو کیوں بچ میں لے آتا ہے؟ بہت خوش فہم  
 ہے تجھے اس کے بارے میں؟ حالانکہ سمجھ دار لوگ ایسے ہر چرائی  
 اوزاروں پر شک نہیں کرتے کبھی۔"  
 "یہ اوزار نظر آ رہا ہے تجھے؟ یہ پستول؟ یہ کون کھلونا نہیں  
 ہے۔ بڑے دھماکے سے گولی اگل دیتا ہے یہ جیلانی۔ کسی غلط فہمی  
 میں نہ رہنا کمزور دل آدمی تو اس کی آواز سے ہی عدم کو سدھار  
 جاتا ہے۔"  
 "ہاں وہ تو ہے۔ مگر اس کے لیے بھی کمزور دل ہونا شرط  
 ہے اور میں کیا سمجھتا ہوں؟ ایسا ہی پھولس کا چھپر دکھائی دیتا ہوں۔ یہ

پیارے، اگر میں ایسا ہی جسم ہو جائے والا تو تو جانتا ہے؟  
 تیرے اس دھم اور اس کے رگوں نے کبھی کیسے اوزار نہیں  
 آزمائے ہیں مجھ پر گردہ میرا ایک ٹٹ بھی ٹوڑ نہیں کر سکے۔"  
 "دیکھ جیلانی! جب تو نے ساری اچھی بھلی باتیں سمجھ کر  
 ہمارے ساتھ بائیں کا رشتہ قائم کر ہی لیا ہے تو اسے برقرار  
 رکھ۔ ہمارے ساتھ بائیں کا رشتہ داری سے پہلے کا تو چند ہی برسوں  
 میں کر دوں گا مالک بن جائے گا۔ یہ میرے تیرا زیادہ دن ساتھ  
 نہیں دے سکیں گے بلکہ تیرے بڑے بھلے میں ہر وقت تیری  
 پشت پر موجود رہیں گے۔"  
 "تو میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتا میرے یار۔ میں  
 جھوٹ نہیں بول رہا ہوں، مان لے وہ میرے میرے ہاتھ سے  
 نکل چکے ہیں۔ اب میں دل کران کی بازیابی کی کوشش کرنا چاہتا ہوں  
 یوں ڈانٹا جھگڑے سے تو مجھ کا ہاتھ نہیں آئے گا ہمارے۔"  
 میرے لیے میں کوئی ایسی بات مفرد تھی جس نے اسے  
 سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ میرے چہرے پر غم نہیں جھلنے چند  
 ثانیے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے پستول واپس جیب میں ڈالتے  
 ہوئے کہا: "ٹھیک ہے جیلانی، میں یقین کیے لیتا ہوں مجھ پر۔  
 مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ میرے گئے کہاں؟ کون لے  
 سکتا ہے انھیں؟"  
 "ہاں اب مجھ بات کی ہے تو نے۔ اس سوال کا صحیح جواب  
 حاصل کرنے کے لیے میں سر جوڑ کر بیٹھنا ہو گا۔ ان تمام حالات  
 کا از سر نو جائزہ لینا ہو گا جو یہاں آئے ہی، میں پیش آئے۔ وہ  
 لوگ جو ہیں ان پر پورے اپنے ساتھ لے گئے تھے ان کا بھی  
 کوئی مقصد تو ہو گا نا۔ وہ کوئی اپنے اپنے یا مائے کا دلیر کھلانے  
 تو نہیں لے گئے تھے نا؟"  
 "ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ایک بار پھر اس کو بھی  
 پردھا کرنا ہو گا لیکن انھیں یہ کیسے پتا چلا کہ تم اپنے ساتھ کیا  
 لے کر آئے ہو؟"  
 "یہ کوئی زیادہ اہم بات نہیں ہے۔ پہلے تو تم یہ سوال حل  
 کرو کہ انھیں یہ کیسے پتا لگا۔ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا  
 ہوں؟ میں کسی عام فلاسٹ سے تو آیا نہیں تھا انھوں نے نہیں  
 اتفاقاً مجھے بڑ پورٹ پر دیکھ کر پہچان لیا اور میرے اس سفر کی غرض  
 غایت جاننے کے لیے لے آئے اپنے ساتھ۔ یقیناً انھیں پہلے  
 سے علم تھا ہر بات کا کسی بیلے یا کا عہدہ منصب کے ساتھ وہاں  
 پہنچتے تھے وہ۔ اور اس خوبصورتی سے انھیں ٹھلا دیا تھا انھوں نے  
 ان پر پورے سے کہ اگر تم نے اختیار کیا ایک آدمی وہاں نہ چھوڑ دیا  
 ہوتا تو تمھارے فرشتے بھی نہیں جان سکتے تھے کہ سان فرانسسکو سے

ڈاکٹر دھمن نے جو پارسل تمھارے لیے بھیجا تھا وہ کہاں گم ہو گیا۔"  
 "ہاں یار، معاملے کے اس پہلو پر تو میں نے غور ہی نہیں  
 کیا اب تک۔ یہ تو واقعی حیران کن بات ہے۔ انھیں تمھارے بارے  
 میں کیسے علم ہوا اور وہ اتنے باخبر لوگ ہیں کون، جنھیں ہم نہیں جانتے۔  
 حالانکہ وہ ہمارے بارے میں پل پل کی خبر رکھتے ہیں۔"  
 "اور اب میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انھوں نے  
 ان ہیروں کی کی خاطر یہ سارا ڈراما کیا تھا۔"  
 "وہ کیسے؟ یہ یقین تمھیں کیوں ہو کر ہوا ہے؟"  
 "بالکل صاف اور سامنے کی بات ہے یارچی۔ جسے ہم فراوش  
 کیسے بیٹھے ہیں۔"  
 "کچھ بتاؤ مجھے تو یار۔ کون سی بات ہے وہ سامنے کی؟"  
 "تم نے جب کو بھی ہر چڑھائی کی تھی تو وہ کھل کر تمھارے  
 مقابلے پر نہیں آئے تھے، انھوں نے بس یوں ہی سارے نام مقابلہ  
 کیا تھا، اسی کی سیٹھان ٹھوں کر کے نکل بھاگے تھے وہ وہاں سے۔  
 ایسا ہی ہوا تھا نا؟"  
 "ہاں، ہوا تو ایسا ہی تھا۔ اس پر مجھے حیرانی بھی تھی حالانکہ  
 خیال میرا ہی تھا کہ بڑا زبردست قسم کا معرکہ ہو گا وہاں۔ اسی لیے  
 پورے انتظام سے گیا تھا میں۔"  
 "تم نے یہ نہیں سوچا ایسا کیوں ہوا؟ وہ جن کے ذرائع اتنے  
 وسیع ہوں، جو سان فرانسسکو سے اٹنے والے ایک خصوصی طیارے  
 کے مسافروں کے بارے میں بھی علم رکھتے ہوں، وہ اتنے بڑے تو  
 نہیں ہو سکتے کہ کچھ دیر بھی تمھارے مقابلے پر رنگ نہ سکتے ہوں اس  
 کی ایک ہی وجہ سمجھیں آتی ہے بس۔"  
 "وہ کیا؟ کیا سمجھ تو کم اس بات سے؟"  
 "یہ کہ جس مقصد کے لیے انھوں نے یہ ساری ٹنگ و دو کی  
 تھی وہ اسے حاصل کر چکے تھے۔ اسی لیے انھوں نے انھیں ہم تک  
 پہنچنے سے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میرے حاصل کرنے کے بعد  
 تو ہم ان کی جان کا عذاب ہی تھا نا؟ اس عذاب سے انھیں جھٹکا  
 تو پانا ہی تھا کسی دوسری طرح اور تم نے ان کی یہ مشکل حل کر دی تھی؟"  
 "اودہ... اودہ... جیلانی! یہ تو بالکل سیدھی سچی بات ہے  
 اور میں اتنی سیدھی سچی بات سمجھ نہیں سکا، کیا ہو گیا تھا مجھے؟ وہ  
 اٹو کے تھے تو میری آنکھوں میں دھول جھونک گئے اور میں سمجھ ہی  
 نہیں سکا کچھ۔"  
 "چلو اب تو سامنے آگئی ساری بات۔ اب دردناک ٹھنڈا  
 مڑھ کر سوچو میں کیا کرنا چاہتا ہے؟"  
 وہ چند لمحوں کے سوچا رہا، پھر بولا "رات وہاں اچھا  
 خاصا بندھا کر گئے ہیں ہم، ابھی ایک دور دراز نوادھر کاٹے بھی کرنا

مناسب نہ ہوگا۔ جی! حال میں ایک دو آدمی اس کو بھیجی کہ لڑائی پر مامور کیے دیتا ہوں۔ حالات معمول پر آنے کے بعد ہم ایک بار پھر دھواؤں والوں کے وہاں۔

”لیکن یہ ضروری تو نہیں ہے کہ وہ لوگ اسی کو بھیجی میں دے بیٹھے رہیں۔ اگر اس اثنا میں انھوں اپنا ٹھکانا تبدیل کر لیا تو؟“

”اسی میں وہاں کی لڑائی کرنا چاہتا ہوں۔ یہیں اس دور کا سرواں سے مل سکتا ہے۔“

”بیرا خیال ہے یہ ٹھیک فیصلہ کیا ہے تم نے۔“

”اچھا! تم آرام کرو۔ میں شام کو آؤں گا تمھارے پاس۔ اگر دل گھبراتے یا لڑائی کی سیر کرنا چاہو تو گاڑی گیراج میں کھڑی ہے۔ نکل لینا اور کوئی اہم ضرورت ہو تو مجھے فون کر لینا۔“

وہ چلا گیا۔ میں نے بڑی خوب صورتی سے اپنی جان پھرا کر اس کا صف دوسری سمت پھیر دیا تھا مگر خود میرا دماغ بڑی طرح الجھا ہوا تھا۔ وہ فریور اور خان مجھ سے جس حوالے سے متعارف ہوئے تھے، اس کے پیش نظر میرا دل یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتا تھا کہ میرے انھوں نے غائب کیے ہوں گے۔ اور شرف علی بھی مجرم نظر نہیں آتا تھا مجھے۔ اس کا سارا کارا اعلیٰ اس کے حق میں کوئی دے رہا تھا۔ پھر وہ کون تھا جس نے ان پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا؟ ایک ہی بات رہ رہ کے ذہن میں پھر رہی تھی یا تو فریور کی کو بھیجی میں میرے سونے کے بعد کسی ملازم نے یہ حرکت کی تھی یا پھر یہاں شرف علی نے کچھ میں کسی کی نیت ڈالنا گئی تھی۔

”کس سوچ میں گم ہیں جناب عالی؟ کیا کوئی اہم مسئلہ دیکھ رہے ہیں؟“

لڑی کی جھجھک بھر ہی جلی تڑنگ آواز نے میری سوچوں کے نازک دے دیے۔ میں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ وہ اپنے نازک لبوں کو نہایت دلنشیں مکان سے آراستہ میرے سامنے کھڑی؟ نیم خوابیدہ لگا ہوں سے یوں دیکھ رہی تھی کبھی اپنے خرم پوش کو خاکستہ ہونے سے بچانے رکھنا مشکل معلوم ہونے لگا تھا۔ میں نے اس کے رخ تانیاں سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ”او لڑی، بیٹھو۔ کماں تھیں تم اتنی دیر سے؟“

وہ میرے سامنے ایک کرسی پر بیٹھنے ہوئے لی۔ ”میں نے اس لیے ادھر آنا مناسب نہیں سمجھا کہ شاید آپ لوگ کسی اہم مسئلے پر گفتگو کر رہے ہوں تو میری موجودگی آپ کے لیے تکلیف دہ بن جائے گی۔“

”اوہ! کیسی انہیں کرتی ہوتی؟ کیا کسی کو اپنی زندگی سے لوں بیزار ہوتے دیکھا ہے کبھی؟“ میں نے اس کے مقابل بیٹھ کر کہا۔

”یہ تو آپ کی محبت ہے جناب عالی، جو آپ اس طرح

سوچتے ہیں۔ درحقیقت یہی ہے کہ دو آدمیوں کی گفتگو کے درمیان میں کسی تیسرے کو کیا بک کی ہڈی نہیں بننا چاہیے۔“

”لیکن اس کا اطلاق تم پر تو نہیں ہوتا۔ تم سے تو میں کوئی بات چھپا ہی نہیں سکتا کبھی۔“

”آپ نہ چھپائیں کوئی بات، مگر دوسرا شخص تو چھپانا چاہے گا؟ اس کے نزدیک تو میری یہ حیثیت نہیں ہے۔“

”ہاں! یہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ وہ شرف علی شاید تمھارے سامنے کھل کر نہیں بول سکتا۔“

”کوئی اہم ہی مسئلہ ہے کیا؟ تمھارے۔ یہ تو میں اسی وقت سمجھ گئی تھی جب وہ آپ کو ساتھ لے کر ادھر آ رہا تھا۔“

میں نے اس وقت اچانک ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ لڑی کو اس سارے معاملے سے باخبر کروں۔ اس طرح آرتھر کے دل میں دھن کی طرف سے بدگمانی کا پورا دھنگا جا سکتا تھا۔ مجھے ان دونوں ہی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی میرے نزدیک تو وہ دونوں ہی خوفناک قسم کے ذریعے سانپ تھے جن کا سر گھٹا جانا بے حد ضروری تھا۔ ایک دشمن کو دوسرے دشمن کے مقابل کھڑا کر کے خود کو تماشائی بنالینے کا اصول بھی ان بیوقوفوں ہی کا دھن کر رہ تھا۔ میں نے بچپن میں ایک واقعہ پڑھا تھا کہ ایک بیہودہ دکاندار کی دکان میں سانپ نکل آیا۔ بیہودہ کا جوان سال بیٹا بندوق لے کر سانپ کو مارنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ بیہودہ نے اپنے ایک دشمن کو آتے دیکھا، اس نے جلدی سے بیٹے کے ہاتھ سے بندوق چھین لی اور جھجکا کر اپنے دشمن کے پاس جا کے گڑو گڑا لے لگا کر اسے سانپ سے بچا دے۔ دشمن بیہودہ سے بندوق لے کر اس کی دکان میں گیا اور سانپ کو مار دیا۔ پھر اس نے بندوق بیہودہ کو دلہا کی اور اسے حقارت سے دیکھتا ہوا آگے بڑھا گیا۔ اس کے جانے کے بعد بیہودہ کے گھر کے نے اپنے باپ سے کہا۔ ”بابا! یہ تم نے کیا کیلا س سانپ کو تو میں خود بھی مار سکتا تھا پھر تم نے ایک دشمن کا احسان کیوں لیا؟ کیسی حقارت سے دیکھتا ہوا گیا ہے وہ۔“

بیہودہ بولا۔ ”بیٹے! جب دو دشمن موجود ہوں تو ہمیں کوئی خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت ہے۔ اب دیکھو ناؤ وہ موزی سانپ بھی دشمن تھا ہمارا اور وہ شخص بھی دشمن ہی تھا۔ میں نے ان دونوں کو مقابل کر دیا۔ اب اس نے سانپ کو مار دیا۔ ہمارا ایک دشمن ختم ہو گیا۔ اگر وہ ناکام ہو جاتا اور سانپ اسے مار دیتا تب بھی ہمارا ایک دشمن ہی کم ہو جاتا۔ دونوں کو محفوظ ہی رہتے نا پھر بھی۔“

میں نے بھی انھیں خود اٹھی کے داؤ سے مارنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے کہا۔ ”ہاں لڑی! ایک منٹ سے دو چار ہو گئے ہیں ہم۔ کسی نے میری لڑی سے وہ میرے غائب کر دیے ہیں جو ڈاکٹر دھمن

نے میرے ذریعے یہاں بھیجے تھے۔ شرف علی اس وقت وہ میرے ہی لینے آ رہا تھا لیکن میں نے اپنی کھولی تو میرے اس میں نہیں تھے۔“

”کیسے میرے جناب عالی کب لائے تھے آپ وہ میرے؟“

مجھے تو کچھ خبر نہیں ہے ان کی۔“

میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا؟ تمھیں خبر نہیں ہے کیا ڈاکٹر دھمن نے تمھیں ہاسٹل آرتھر کو ہیروں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟ مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ میں تو سمجھتا تھا تمھیں معلوم ہو گا۔“

”یہ آپ کا کہہ رہے ہیں جناب عالی۔ ڈاکٹر دھمن نے ڈیڑی کو ہیروں کے بارے میں بتایا ہوتا تو انھوں نے جب ہسٹل روانہ سے پہلے مجھے آپ کے بارے میں ہر بات صاف صاف بتائی تھی اسی وقت وہ ان ہیروں کا ذکر بھی ضرور کرتے۔ انھوں نے یہاں نہیں کیا، اس کا مطلب یہی ہے کہ ڈاکٹر دھمن نے انھیں بھی بے خبر رکھا تھا اس سے۔“

”اوہو، یہ اچھا نہیں کیا اس نے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس طرح آدمی بے اعتبار ٹھہرتا ہے۔ آپوں کی نظروں میں بھرم جاتا رہتا ہے اس کا۔ میں جانتا ہوتا کہ اس نے ایسا کیا ہے تو تمھیں ضرور آگاہ کر دیتا۔“

”وہ میرے تھے کہاں؟ آپ کے سامان میں تو تھے نہیں۔ سامان تو تھا ہی نہیں آپ کے ساتھ کچھ بھی، تن کے پڑوں کے سوا۔ اور جیوں میں رکھ کر لائے نہیں جاسکتے تھے وہ۔ پھر کہاں رکھا تھا آپ نے انھیں؟“

”میرے پیروں پر جو پلاسٹر چڑھا گیا تھا، اسی میں رکھ دیے گئے تھے وہ میرے بھی۔“

”اف میرے خدا! اگر کسی کو ذرا بھی شک ہو جاتا تو ہم جیل میں ہوتے اس وقت۔“

اس نے خوف سے لرزتے ہوئے ایسے انداز میں کہا جیسے یہ کوئی بڑا ہی خوفناک کام تھا اس کے لیے۔ وہ مجھے یہی تاثر دینا چاہتی تھی اپنے بارے میں۔ اس طرح وہ دیکھا ہی تھی مجھے کہ اس نے پہلے بھی ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ وہ اب بھی میرے سامنے کھٹنے کو تیار نہیں تھی۔ شاید غیر محسوس طریقے سے آہستہ آہستہ ایک بل کھون چاہتی تھی وہ اپنا تاکہ میں جو کتا نہ ہو جاؤں کسی طرح کا کٹک اور شاید سر دبا دھارنے لگے میرے ذہن میں اس کی طرف سے۔

میرا چنانچہ یہی خیال تھا۔ یہ بھی اپنا سینہ منقطع ہی رکھتا چاہتا تھا اس کے سامنے۔ مجھے تو خود کو ہر دم پوری طرح پوشیدہ ہی رکھنا تھا اس سے۔ اس کے اوپر اس کی پوری قوم کے عزائم مجھ پر

عیاں تھے اور میری جیت اسی میں تھی کہ میرے کسی ارادے کی ہوا بھی اسے دنگ سکے۔ میں نے بڑا سفاک انداز میں کہا۔ ”یہ بہت بڑا کیا ہے اس ڈاکٹر دھمن نے تمھارے ساتھ۔ دل میں تمھارے بدگمانی ڈالنے کی کوشش کی تھی اس نے۔ پورا سٹور جن ہے وہ۔“

لڑی نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ”کیا ہوتا ہے یہ؟ بڑا عجیب نام دیا ہے آپ نے اسے۔“

”کیسا نام؟ کس کی بات کر رہی ہوتی؟“

”یہ جو ابھی آپ نے کہا تھا ڈاکٹر دھمن کے بارے میں۔“

”یہی کہ پورا سٹور جن ہے وہ؟“

”اوہ۔“ میں بے اختیار منہں بڑا۔ ”وہ اصل میں بات یہ ہے لڑی کہ اس وقت مجھے میں بے ساختہ نکل گیا میری زبان سے یہ۔ وہ میرا باریابی کا کرنا تھا اسے سٹور جن۔ وہی یاد آ گیا تھا مجھے اس گھڑی۔“

”آئی۔ یہ کون ہے اور کہاں ہے اس وقت؟“

”اس کا پورا نام تو محمد اسماعیل آبی ہے۔ بڑا لنگا پارے وہ میرا۔ میرے پسینے پر اپنا خون گرانے کو تیار رہتا ہے ہر گھڑی۔ ان دونوں میری ہن آئید کے ساتھ لاؤنڈری جیل میں اپنی تیرہ بھتیجی کے دن گزار رہا ہے۔“

آبی اور آئید کے خیال نے مجھے افسردہ کر دیا تھا۔ کچھ لکھا ہوا سامعوس کو ہاتھ میں لاس میرا سینہ میں اٹکنے لگا تھا میری یہ کیفیت دیکھ کر لڑی نے افسردگی سے کہا۔ ”مجھے انھوں سے جناب عالی۔ بے حد شرمندہ ہوں میں آپ سے۔ لیکن تعین کر میں یہ مقصد آپ کی ذل آزاری ہو رہی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میرا یہ سوال آپ کو اس قدر افسردہ اور طول کر دے گا۔ ورنہ میں ہرگز نہ پوچھتی ان کے بارے میں۔ اف میرے خدا! میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ کا دوست اور بہن ایسے اذیت ناک مرتلے سے گزر رہے ہیں۔“

”ہاں لڑی! تمھیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اس میں تمھارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ میں اگر آبی کا ذکر نہ کرتا تو تم یہ یوں بھی نہ کرتیں، اس میں تمھاری خطا ہی کیا ہے۔ وہ تو میری خرابی تھی میرے جو مجھ پر تشدد کرتی رہتی ہے اور اسی کے لگائے ہوئے زخم بھی کبھی کبھ دینے لگتے ہیں تو میں بڑھلا ہوا جاتا ہوں۔“

”آپ تو بہت سنجیدہ ہو گئے جناب عالی۔ ہمت سے کام لیں، حالات کامروار اور مقابلہ کریں، بالکل اسی طرح جس طرح اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ تو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے مقابل آجائے والے آدمی ہیں۔ کم از کم آپ



پر اندر کی کھاب ہاں نہیں اچھی لگتی ہے۔

وہ ٹھیک لگتی تھی، میں اس وقت کچھ زیادہ ہی بوجید و بھگیا تھا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ اس طرح مسائل حل نہیں ہو سکتے، اس کے لیے تو آدمی کو حالات سے بچرانا پڑتا ہے، وقت کی رفتار کو قابو میں کر کے اس کا رخ بدلا دینا پڑتا ہے۔ لہذا میں نے بھی اس گھڑی اپنے دل پر پتھر رکھ کر جیسے تھے خود کو بھٹایا۔

”آؤ لڑی، چھوڑو اس قصے کو، چلو ہم باہر چلے ہیں میں تمہیں اپنے ملک کے اس سب سے بڑے شہر کراچی سے تعارف کراؤں چل کر۔ ہم اسے دو شیئوں کا شہر کہتے ہیں۔ یہ شہر ٹرانسجیب پرورد ہے ملک کے گوشے گوشے سے لوگ اس کے دامن میں پناہ لینے آتے ہیں اور یہ کٹا وہ دل عظیم شہر ان سب کو اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔ یہ میرے اڑنی پاک کی عظمت کا نشان ہے، یہ میرے قائم کا شہر ہے۔ آئیے ہر قسم کی طغیانی منافرت اور تعصب سے پاک رہ کر یہ میرے ملک کی معیشت کا تمام تر بوجہ اپنے کاٹھنوں پر اٹھائے شب و روز جاگ رہتا ہے۔ یہاں زندگی ہر وقت رواں دواں رہتی ہے۔ آدمی کو رات اور دن کے آنے جانے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔“

وہ اٹھتے ہوئے بولی ”میں بھی یہی کہنا چاہ رہی تھی آپ سے جناب عالی! رات ہمارا اختیار یہاں پہنچا تھا تو میں نے فضا سے دیکھا تھا اس ملک میں شہر کو۔ بڑا حسین اور دلکش منظر تھا وہ زمین پر کھنکشاں انہی نظر آتی تھی جا بجا۔ میرے دل میں اسی وقت سے اس شہر کو دیکھنے کی خواہش چل رہی ہے۔“

میں اسے ساتھ لے کر باہر آیا تو بیٹے کے مین گیٹ پر بیٹھا ہوا دربان ہمیں دیکھتے ہی پکلتا ہوا ہمارے قریب آکر بولا ”کیا کہیں باہر جا رہے ہیں صاحب جی؟“ وہ ایک ملازم اور دیگر شخص تھا شاید کسی نئے مار رکھا تھا اسے۔ مجھے حیرت تھی کہ شرافت علی نے اس بے مہر چمچ کو اس بیٹے کی حفاظت کا کام سونپ رکھا تھا۔

”ہاں ہاں! ہم ڈر شہر دیکھنے کے لیے جانا چاہتے تھے۔“

”دہشت اچھا جناب! اس ڈر ایک منٹ ٹھہر کر میں گاڑی لے کر یوں آیا اچھی۔“ اس نے چلی بھاگ کر کہا۔

”ٹھیک ہے، تم گاڑی لے کر آؤ، ہم گیٹ پر کھڑے ہیں۔“

میں نے لڑی کو گاڑی میں بیٹھے کا اشارہ کرتے ہوئے پچھلے ”ادھر کو! ڈر ٹیور ٹیور نہیں ہے ایسا جو بڑے شہر سے، انٹ ہو میں پہلے دو بار آچکا ہوں کراچی مگر یہ شہر دیکھنے کی مہلت نہ مل سکی تھی۔“

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر خار مارنا انداز سے آگے چھکا اور بولا ”خادم حاضر ہے جناب۔ آپ لکری لے کر ہیں، شہر کا کوڑا کوڑا دکھلاؤں گا، ایسی ایسی جگہیں دکھاؤں گا کہ جی خوش ہو جائے گا آپ کی نیم صاحب کا بھی۔“

”ٹھیک ہے چلو پھر، مگر یہاں کون بیٹھے گا؟ اس گیٹ پر؟“

”وہ جناب کی زبان ہے جو کبھی رانا ہو گا ابھی نہ ہر دوکان سے نسوار بیٹھ گیا ہے مجھے چھکا کر۔“

”ادھ اچھا میں تو تمہیں ہی پوچھا تھا۔“

”نہیں جناب، میں تو ڈر ٹیور ہوں حضور۔ صاحب نے آپ کی خدمت کے لیے مجھے یہاں بھیجا ہوا ہے رات سے میں تو یہاں بیٹھے بیٹھے سوکھا جا رہا تھا جناب شکر ہے آپ کو باہر جانے کا خیال آ گیا۔“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”ادھو ہاں! مجھے نہیں پتا تھا کہ تیری یہ حالت یہاں بیٹھ کر سو کھنے سے ہوتی ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کوئی دم شرم لگاتا رہا ہے تو۔ کمال ہے، جی، ٹری خشک ہوا ہے کراچی کی آدمی بیٹھے بیٹھے خزان رسیدہ شاخ بن جاتا ہے۔“

”ادھ جناب، یہ مطلب تو نہیں تھا میرا۔ آپ تو زبان پر پاؤں دھو دیتے ہیں آدمی کی۔“ وہ غلج ہو کر بولا۔

میں ہنستے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس نے میری طرف اشارہ کر دیا اور سامنے سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر چڑھنا پھر گاڑی اشارت کر کے اس نے بیٹے کے کھلے ہوئے گیٹ سے نکل دی۔ کچھ کاموں کا تھے ہی گاڑی ایک کھلی اور کھنڈہ شاہراہ پر دوڑنے لگی اور ایک چھوٹی سی چڑھائی چڑھنے کے بعد مزار کا ندے سامنے جا پہنچی۔ میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ”پہلو ان جی۔ ڈرائیور نے ادھر لگاؤ، بابا کے مزار کے ساتھ۔ دعا کرتے چلیں، ہم بھی اپنے اس عظیم محسن کے لیے جس نے آزادی جیسی نعمت دلائی ہے۔“

ڈرائیور نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر گاڑی تیز کر کے احاطے میں داخل کر کے ایسی جگہ رک دی جہاں سے ایک سیدھا راستہ مزار کو جاتا تھا۔ میں لڑی کے ساتھ گاڑی سے اتر کر مزار کی طرف چل دیا۔ لڑی بولی ”آپ نے ڈرائیور کو ناراض کر دیا جناب عالی۔ ایسی بات نہیں کہنا چاہیے تھی آپ کو اس سے۔“

”ہاں، میں بھی محسوس کر رہا ہوں اس کی ناراضی کی مگر اس

اس نے بات ہی ایسی کی تھی کہ میں اپنی زبان کو روک ہی نہیں سکا۔ خیر مٹا نہیں گئے اسے ابھی واپس آکر زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکے گا وہ خود بھی اس کی خاص باتوں کی گستاخ ہے، زبان میں کھلی ہو رہی ہوگی خود اس کے بھی۔“

لڑی نے کچھ کہنے کے لیے منکھولا ہی تھا کہ ہمارے بائیں جانب سے ایک آواز سنائی دی۔ کسی نے بڑے عا مائدہ انداز میں آواز لگائی تھی۔ ”اوسے مدد تے بھی میرے بادشاہ۔ قربان جا لیں تیرے یہ میوڑی کہاں سے اٹھالیا ہے پیارے؟ بڑا رنگ روپ دیا ہے اسے دینے والے نے۔“

میں نے اور لڑی نے ایک ساتھ گردن گھما کر ادھر دیکھا۔ ایک جھاڑی کے ساتھ گھاس میں چار بے فکرے جوان بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ایک کپڑا بچھا تھا جس پر کھانے پینے کا سامان اور مگر ٹیوں کے کئی پیکٹ دھرے تھے۔ ان میں سے ایک اپنی تھیلی پر رکھا چرس لاطما کو خالی مگر بیٹ میں بھر رہا تھا اور لیتے بنیں ہیں دیکھتے ہوئے شرافت سے مسکرا رہے تھے۔ اپنے لباس اور شکل صورت سے وہ کسی کم تر درجے کے نہیں لگتے تھے مگر ان کی ابھی علم حاصل کرنے کی تمہیں اور یقیناً وہ طالب علم ہی تھے ابھی مگر حصول علم کے بجائے انھیں اپنی معصوم جونیوں کے لیے ملک حاصل کرنے سے زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ اپنے والدین کے خوابوں کو سمار کرنے پر رستہ بیٹھے تھے۔ شکایت انھیں اپنے والدین سے غالباً یہی رہتی ہوگی کہ وہ ان کے اس دنیا پس اور دود کا سبب کیوں بنے۔ انھیں عدم میں ہی کیوں نہیں رہنے دیا گیا۔ وہ اگر عدم میں رہتے تو یقیناً شہر رہتے، اس جہاں میں تو ان کی شادابی کا کوئی انتظام ہی نہیں ہے۔ ہم نے انھیں طرح دے کر گور چاٹا یا تو ان میں سے ایک نے آواز لگائی۔

”چلے گا کھڑے میرے بادشاہ! ادھر سے آؤ نا اپنی اس پرس مارگریٹ کو۔ دو چار دم تم بھی لگاؤ ہمارے ساتھ، نادرے نظر آنے لگیں گے بھری دہر میں۔“

میں چلتے چلتے گر گیا۔ الزبتھ نے میرا بازو پکھنے ہوئے کہا۔ ”پہلیں جناب عالی! چھوڑیں انھیں۔ یہ بے چارے اپنے ہوش میں نہیں ہیں اس وقت۔“

الزبتھ کی بات ان لوگوں نے بھی سن لی تھی۔ وہ جو مگر بیٹ بھرنے میں مصروف تھا ایک دم گردن اٹھا کر الزبتھ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ابے یہ تیری پرس مارگریٹ تو فرزند و بول رہی ہے۔“

”ابے چپ کر! تو! ایسے بانگے نوب کے ساتھ رہ کر! اردو نہیں بولے گی تو! انگریزی میں عشق کرے گی اس سے؟“

میں دم لگانے کی دعوت دینے والے نے اپنے ساتھی کو ڈانٹا تو سب فتنے لگانے لگے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ہماری طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ”مائی ڈیئر پرس! یہ دیکھیں مجھے، غور سے دیکھیں، میں پوری طرح ہوش میں ہوں اپنے ان سارے گھاس بھسے لگڑیوں میں نشہ ہوتا ہی کہاں ہے۔ آؤ آؤ اردو کے دیکھو تو تم اسے۔“

اس نے قریب آ کے الزبتھ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ لڑی نے میرا بازو چھو کر اس کا وہ ہاتھ پکڑا جس سے وہ اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا پھر ایک جھکے میں وہ تکیا بازی کھاتا ہوا زمین پر جا کر۔ میں سمجھ ہی نہیں سکا تھا کہ یہ اچانک کیا ہو گیا۔ اس کے گرتے ہی اس کے تینوں ساتھی اس پر فتنے لگانے لگے۔ اپنے ساتھیوں کے قہقہے سن کر اس کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ وہ چند لمحوں کے اندر لگا ہوا اسے انھیں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سر گھما کر لڑی کو دیکھا۔ وہ مسکرائی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”تم تو کتنے تھے، میں نشہ میں نہیں ہوں پھر یہ تمھارے قدم کیوں اکھڑ گئے؟ تم سے تو سیدھا کھڑا بھی نہیں ہوا چار ہا ہے۔“

وہ اذیت کچپکپا کے تیزی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ”سوڑی بچی! میں بتانا ہوں تجھے پیر کیسے اکھڑ گئے۔“

وہ لڑی پر چھپٹ پڑا۔ لڑی مجھ سے چند قدم دور چلی گئی تھی۔ اسے یوں دلاؤں کی طرح چھپتے دیکھ کر وہ ایک دم فیضی بیٹھ گئی اور کھلی کی سی تیزی سے دوڑوں ہاتھ آگے کر کے اسے اپنے ہاتھوں پر روک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے اٹھتے ہی وہ اس کے اوپر سے اڑنا ہوا لڑی کے پیچھے جا کر۔ اس بار وہ کر کے بل کر تھا اور اب کر پڑے زمین پر لوٹ رہا تھا۔ بیٹھ کچھ ایسی آتی تھی اُسے کہ اٹھ کر کھڑا نہیں ہوا چار ہا تھا اس سے۔ میں حیرت سے دوسرے تڑپتے ہوئے اس کو جان کو دیکھ رہا تھا۔ مگر لڑی اس کے ساتھیوں کی طرف مڑ گئی تھی۔ وہ تینوں اپنے ساتھی کا شہر دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ غصے اور جوش سے ان کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ ہمارے گرد گھیرا ڈالتے ہوئے ایک ایک قدم آگے بڑھ رہے تھے۔

میں نے اپنے ارد گرد نظر دوڑائی۔ وہاں دور دور تک کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ڈرائیور ہمیں اتار کر شاہی گاڑی آگے لے گیا تھا۔ کچھ دور بڑی شاہراہ تھی جہاں چھوٹی بڑی گاڑیاں ایک دوسرے کے قفا قفسہ میں دوڑتی نظر آ رہی تھیں، کسی کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ ہماری طرف توجہ بھی کرتا۔ لڑی نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”دوستو! یہ ہے دوستو“

کہ اب تم ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش مت کرو۔  
 ہمیں جانے دو ہم تم سے۔۔۔۔۔“

ان میں سے ایک جوان سب سے زیادہ قوی اور دراز  
 قامت تھا۔ تیزی سے اپنی جیب سے پستول نکال کر ہمیں گور کر  
 کے بولا۔ ”بکواس مت کرو! کیا! ایک دم بھی آگے بڑھایا تو  
 بھیجا اڑا دوں گا۔“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”اوسے لے یا! ہم ویسے ہی معافی  
 مانگ بیٹے ہیں تم سے۔ اس کھلونے کو کیوں تکلیف دیتا ہے۔“  
 ”معافی تو میں ابھی دے دوں گا تم دونوں کو، مگر نیوں  
 کرتے ہو اور یہ کھلونا نظر آتا ہے مجھے کھوتے۔ نام جانتا ہے  
 تو اس کھلونے کا؟“

”اوہ نہیں جناب! ساؤں تو کچھ پتا ای نہیں یہ سب کی  
 شے۔ کچھ اپنی دس دوجی کی ناں ہے اس دا۔“  
 ”مذاق اڑا نا ہے بس کاں کو بگڑی اور لا! اس کے دوسرے  
 ساتھی نے غضب ناک بلیے میں کہا اور مجھ پر جھپٹ پڑا۔  
 اس نے میرے قریب آکر اپنا دایاں ہاتھ آگے کیا تو مجھے  
 پتا چلا کہ اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ دھاخچر دبا ہوا تھا۔ میں نے  
 اسے خالی ہاتھ جان کر اپنے اتنے قریب آنے کا موقع دے دیا  
 تھا کہ اب میرے پاس اس کے خنجر سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں رہا  
 تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ خنجر میرے جسم کے کسی حصے میں اترتا،  
 زنی جیتنے کی طرح اس پر پھوٹی اور اسے رگدیت ہوئی اپنے ساتھ  
 لیتی چلی گئی۔ میں اس آفت نامگنی سے سبھلا تو اس پستول بردار  
 نے میری کر سے پستول کی تال کا کھم دیا، ”اس انگریز کی بچی کو  
 روکو ورنہ گولی ماروں گا تمہیں۔“

میں نے آہستہ سے ہڑک کر اس کا پستول والا ہاتھ اٹھ چھلکے  
 ہوئے کہا۔ ”اے رکھ لے یا! کیوں مذاق کر رہا ہے۔“  
 اسی وقت اس کا ایک ساتھی یوں اس پر آکر گرہیں جیسے کسی  
 نے اسے اٹھا کر اس پر پھینک دیا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے  
 سے الگ کرکے گئے تو زنی نے ایک اچھر میرا بازو تھام کر مجھے  
 کھینچنا شروع کر دیا۔ ”یہاں سے بھاگ چلیں جناب عالی! کوئی  
 مصیبت نہ دھڑی کریں یہ ہمارے بلیے۔“

”ہاں جی چلو، یہ تو کسلی ہی ہونے کے ہیں۔“  
 ہم واپس جانے کے لیے مڑے تو وہ پستول بردار پھر  
 ہماری راہ میں حائل ہو گیا۔ ”خنجر دار! بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔  
 یہ کسلی تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑنے والا نہیں ہے۔“  
 میرے زچ ہو کر کہا۔ ”اوہ بڑے بھائی! آخر تو چا بتایا

”میں جانتا ہوں کہ جانے سے پہلے اس کا حساب برابر  
 کر کے جاؤں گی مگر توڑی ہے اس میں مڑی نے۔“  
 ”اور یہ حساب برابر کیسے ہوگا پیارے بھائی؟“  
 ”ایسے کہ اب یہ سبھی ہمارے ساتھ جانے کی اور اس  
 وقت تک تیار داری کرے گی اس کی جب تک یہ شکیں نہیں  
 ہو جاتا۔ اس دوران ہم بھی کچھ خدمت پاتے ہیں گے اس سے۔“  
 میں نے پوری قوت سے اٹا ہاتھ گھما کہ اس کے منہ  
 پر مارا۔ ”سوڑی اولاد! میں کرتا ہوں خدمت تیری۔“  
 وہ الٹ کر کچھ گرا پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر لگا  
 جا کر اٹھا۔ اسے اس کے دوسرے ساتھی نے پھینک کر اٹھایا اور  
 اس کا رخ میری طرف کر کے لہبی دبانے کی کوشش کرنے لگا۔  
 لیکن اپنی تمام تر کوشش کے باوجود وہ اس کی لہبی کو ڈال بھی  
 جنش دینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے اس بچے کو لے کر اس  
 گورگیان سے پکڑ کے اٹھایا اور دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر اس  
 پر دے مارا جس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اسی وقت ایک حرکت  
 آواز ابھری۔ ”خنجر دار! اپنے اپنے ہاتھ اٹھا اور کوئی بھانٹے  
 کی کوشش نہ کرے۔“

میں نے مڑ کر دیکھا۔ دس بارہ رافیل بردار سپاہی ہمارے  
 گرد بند قہقہے تانے پھرا ڈال رہے تھے اور ان کا ایک افسر لوالہ  
 سامنے ہمارے قریب کھڑا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر کہا۔ ”یہ تمہیں  
 سنبھالیں جو بددی صاحب ایہاں مزلانڈ کے زیر سایہ لوگوں کو  
 ٹوٹنے کے لیے بھیجتے ہیں۔“

اس نے سر سے ہرنگ میرا جانزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”  
 تم کیا آتی جی گے ہو یہاں کے جو مجھے یوں حکم دے رہے ہو۔“  
 تو ہم دیکھیں گے کہ کون کسے ٹوٹ رہا تھا یہاں۔“  
 ”وہیں حکم تو نہیں دے رہا آپ کو جناب! میں نے تو جو بول  
 کی نشاندہی کی تھی۔“

”اوسے چپ کر جا لے! اڑ کر نہ کر زیادہ۔ اس کیلی میڈو  
 دیکھ کر ٹوٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور اب الزام لگا رہا ہے ان  
 بچوں پر۔ یہ تجھے بڑے دکھانی دیتے ہیں بد معاش۔“  
 ”جناب! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“  
 ”یہ الزام کیسے لگا رہے ہیں آپ مجھ پر؟“  
 ”اوسے تفتیش کے پتے! اندھا سمجھتا ہے تو ہمیں۔“  
 ”مگر اس کی خوشبو سے بچاؤ لیتے ہیں۔“  
 ”ہاں جناب! میں جانتا ہوں، بڑا تجربہ ہے آپ کو اس کریں گے کسی سے۔“

”مذاق۔“ لڑی نے ہنک کر انھیں دیکھا۔ ”تو یہ مذاق کیا  
 جگہ ہاتھ ڈال بیٹھے ہیں آپ۔ انہی نرم خدا نہیں ہیں ہم جسے آپ  
 تھا تم لوگوں نے ہم سے؟“

چپائے بغیر نکل سکیں۔“  
 اسی وقت لڑی بھی میرے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ اس  
 نے میری حمایت کرتے ہوئے کہا۔ ”اپ کو غلط فہمی ہو گئی! آہستہ  
 یہ جرم نہیں ہیں، یہ تو میرے ساتھی ہیں، انگلیتر ہیں یہ میرے۔ ہمیں  
 ان چاروں نے گھیرنے کی کوشش کی تھی اور بے وجہ ہی پھرتے  
 تھے یہ ہم سے۔ ہر حال ہم نے انھیں بچھا سبق دے دیا ہے۔“  
 لڑی کے بیان نے اس افسر نمائے کا لمبہ ہی بدل دیا۔  
 وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔ ”معاف کیجئے جناب! غلط فہمی ہو  
 گئی تھی ہیں۔ اب دیکھیں! آنا کل چور آپ کے بھی ترغیوں تھیں  
 شکل بناتے پھرتے ہیں۔ ایسے میں دھوکا تو ہو جاتا ہے نا۔ آخر  
 ہم بھی انسان ہی ہیں۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔“ میں نے ہڑک کر کہا۔ میرا تو بڑا پرانا  
 یار نہ تھا ان پولیس کے ہر دو بیوں سے، بڑے رنگ دیکھ رہے تھے  
 میں نے ان کے۔ مگر گٹ تو بس یوں ہی معاف میں بدنام ہو گیا ہے  
 کسی وجہ سے ورنہ رنگ بدلنے میں تو ان سے زیادہ ماہر کوئی  
 ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو میں اس کی تن بہن دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا  
 کہ وہ بچے انھوں نے وہاں چارے کے طور پر بھانٹے ہوئے تھے  
 اور اس گھڑی زنی کا میزیک ہو نا کام آگیا تھا میرے۔ اگر وہ کوئی  
 مقامی عورت ہوتی تو اس کی بھی کوئی دلیل کارگر نہیں ہوتی اور کچھ  
 نہیں تو شہر اور عام پرنا بیا حاکمات کی دفعہ تو رگ ہی دیتے وہ ہم پر  
 انھوں نے ان چاروں کو گھیر کر ہمارے سامنے لا کھڑا کیا۔ پھر  
 نے انھیں ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ”اوسے نرم نہیں آتی تمہیں بلے  
 اعلیٰ خاندان کے ہو کر اتنی گھٹیا حرکتیں کرتے ہو تم لوگ۔ نام لیتے  
 ہو والدین کا اپنے۔“

وہ چاروں اپنے اپنے ہاتھ جوڑ کر گھمبیرانے لگے۔ ”ہمیں معاف  
 کر دیں! سپر صاحب! غلطی ہو گئی جناب! آئندہ کبھی نہیں کریں  
 گے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں اب کبھی دیکھیں آپ تو جو چاہیں مزاحفے  
 کر دیں۔ بس اس بار معاف کر دیں۔“

”معافی ہم سے نہیں ان سے مانگو جنہیں تم نے پریشان  
 کیا ہے۔ یہ معاف کر دیں تو ٹھیک ہے، ورنہ تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“  
 میں تو تھا نے سے جا کے پچا کر ان دونوں کا نام چاروں کا۔  
 ”نہیں جناب! ایسا ذکریں ہر جائیں گے ہم تو بالکل۔“ پھر  
 وہ چاروں میری اور لڑی کی خوشامد کرنے لگے۔ ”آپ دونوں ہمیں  
 بچائیں، ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں آئندہ کبھی ایسا مذاق نہیں  
 کریں گے کسی سے۔“

”مذاق۔“ لڑی نے ہنک کر انھیں دیکھا۔ ”تو یہ مذاق کیا  
 جگہ ہاتھ ڈال بیٹھے ہیں آپ۔ انہی نرم خدا نہیں ہیں ہم جسے آپ  
 تھا تم لوگوں نے ہم سے؟“

”ہاں، بس یوں ہی فوراً سامنا کیا تھا ہم نے تو۔ کیا  
 ذہنی کہ بات یوں بڑھ جائے گی۔“  
 لڑی نے ہنستے ہوئے مجھ سے کہا۔ ”اوہ جناب عالی! سنا  
 آپ نے یہ تو مذاق کر رہے تھے ہم سے۔ آپ خواہ مخواہ میں بخیرہ  
 ہو گئے ان کے ساتھ۔“ چھوٹیں جانے دیں بے چاروں کو۔“  
 میں بھی بات بڑھانا نہیں جانتا تھا کیونکہ بات آگے جاتی  
 تو کسی دفعہ میرے بھی تار پودھ کھٹکتے تھے اور پھر مجھے بھی جھین  
 تھا کہ وہ پولیس افسر کی دیکھ کر وہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔  
 ”ادھر آئی جو بددی صاحب! ذرا ایک بات کہیں میری۔“  
 میں اس کے ساتھ تمام لوگوں سے الگ ہو کر بولا۔ ”ہاں  
 جی پولیس کیا بات ہے؟“

”وہ دیکھیں، میں آپ کو کسی مصیبت میں پھنسانا نہیں  
 جانتا۔ میرا اندازہ اگر غلط نہیں تو آپ یہاں کر رہی کہ باشندے نہیں  
 ہیں۔ کچھ دن کے لیے یہ سرفروغ کے لیے آئے ہیں یہاں۔ اب اگر  
 ہم ان لوگوں پر مقدمہ بنادیں تو آپ کو اس مقدمے کا فیصلہ ہونے  
 تک کر رہی میں رکنا پڑے گا۔ عدالت اور گواہی کے جکر میں جھپس کر رہ  
 جائیں گے آپ۔ پھر یہ یقینی بات نہیں ہے کہ ان لوگوں کو سزا  
 بھی ہو جی جائے۔ یہ یہاں کے بڑے باڑوں کو گولے کے بڑے ہیں۔  
 آپ کے لیے بڑی پریشانیاں کھڑی ہو جائیں گی۔ میری بات نہیں  
 تو سنی ڈالیں جی ان لکینوں پر۔ ویسے جی آپ کو گولہ نے کم سزا نہیں  
 دی ہے انھیں۔ میں اور تھوڑی سی ڈانٹ ڈپٹ کر دوں گا تو آئندہ  
 کے لیے سبق ہو جائے گا انھیں۔“

”دیکھک ہے بار، جو تمہارا جی چاہے کرو۔ مجھے کوئی واسطہ  
 نہیں ہے ان سے۔“  
 ”نہیں جناب! میں نے اپنی طرف سے کیا کہنا ہے، ہو  
 گا تو وہی جو آپ چاہیں گے۔“  
 ”میرا بھی یہی خیال ہے۔ دفعہ ہی کر دیا اس نقشے کو میں کہاں  
 خوار ہونا چاہوں گا۔“

”ٹھیک ہے تو پھر میں ان کے ذرا کان کھینچ کر بھاگ دیتا ہوں  
 انھیں۔ آپ چاہیں اپنی بچہ صاحبہ کو ساتھ لے کر۔ آپ کے سامنے  
 میں انھیں سمجھا نہیں سکوں گا صحیح طور پر۔“  
 ”بہت اچھا، پھر مجھے اجازت دیں آپ۔“

میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور لڑی کو ساتھ لے کر واپسی  
 کے راستے پر چل پڑا۔ ڈر ڈر کر لڑی خانے کا قلعہ پر باہر جانے  
 والے راستے کے بالکل قریب کھڑی کی ہوئی تھی۔ ہم گھاڑی کے  
 پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ لکھی دونوں نشستوں پر لیٹا۔ خبر سورا تھا۔

میں نے اسے کپڑا کر دیا تو وہ ایک دم ٹھٹھا کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے  
 بننے ہوئے کہا، ”اب اٹھ جا میرے بھائی۔ میں آگے بھی جانا  
 ہے یہاں قیام کی غرض سے۔“ میں آئے جی۔“  
 وہ نکھل کر ڈانچو جگ نشست پر بدھا ہو کر بیٹھنے ہوئے  
 ہوا۔ ”بیٹھیں صاحب! یہ سانی نیند نہ وقت دیکھتی ہے نہ جگہ  
 جہاں کیلک بیٹھا دیکھتی ہے اگر دوبارہ جاتی ہے۔ ڈیڑھ پریشان کیا  
 ہے جی اس نے۔“

”ایہوں کتنی کتا تھا ہے بھائی تو دن ہیں؟“  
 ”وہ کہاں صاحب جی! کتنی کہاں ہے آج کل۔ دس کی  
 خوشامد کرو تو آدھا یا تو لڑا جاتی ہے، اسی لیے تو دن اور  
 بھی ڈھیلارہے لگائے۔“ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے  
 سڑک پر ڈرائی ہوئی۔

میں نے کہا، ”تم گاڑی میں چڑھے اس کا بیانیہ  
 رہے تھے اور وہاں دمعا شوں نے اٹھ کر تھیں۔ پولیس اگر وقت  
 نہ آجاتی تو تینا نہیں کیا حشر ہوتا آج ہمارا۔“

”کیا کہہ رہے ہیں صاحب! ایسا کیسے ہو سکتا ہے ہمارے  
 صاحب کے تو نام سے بڑے بڑے دمعا ش کا پنے لگتے ہیں۔ ان کے  
 معانوں پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت کون کر سکتا ہے؟“

”ہمارے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہے کہ تم کس کے ممان ہیں؟“  
 ”وہ تو ٹھیک ہے صاحب! پر آپ نے انھیں بتا کیوں نہیں  
 دیا۔ ہاتھ پڑے کھڑے ہو جاتے سارے۔“

”چلو اب آگے کبھی ایسا موقع آیا تو یہ بھی کر کے بچ رہے  
 “بائل بائل، ایسا ہی کریں آپ۔ کوئی مانی کال لگائی نہیں  
 لگا سکتا آپ کو۔“

وہ ہمیں مختلف گلیوں اور شاہراہوں سے گزرتا ہوا طاق  
 روڈ پر جانکالا۔ وہاں پہنچ کر مجھے چاک فرودسی بیگ یاد پڑی  
 طرح واروغت تھی وہ اور رکھ رکھاؤ کا بڑا سلیقہ تھا۔ اس نے  
 بڑے وقت میں بڑا ساتھ دیا تھا میرا۔ میں نے ڈرائیور سے کہا، ”یاد  
 ذرا دھر کیے لڑائی کے ساتھ گاڑی لگائے۔ یہاں میرے ایک بہت  
 پرانے جاننے والے رہتے ہیں۔ ادھر آئی گئے ہیں تو میں ان سے ملتا  
 چلوں کھولے کھڑے۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہے جناب! آؤ کو اپنے دوستوں اور  
 ہمدردوں سے ملنے چلتے رہنا چاہیے۔ تعلقات کی تجدید ہوتی رہتی  
 ہے اس طرح اور کوئی کسی کو بھول نہیں پاتا۔ آدمی آدمی کا دارو  
 ہوتا ہے صاحب! جہاں کوئی چیر کام نہیں آتی وہاں آدمی ہی  
 کام آتا ہے آدمی کے۔“

اس نے گاڑی ایک طرف سڑک کے کنارے لگائی۔ میں

نے زری سے کہا۔ ”بس دس منٹ نہیں مجھے تم بیٹھو میں ابھی  
 آتا ہوں۔“  
 ”وہاں ہاں ضرور جائیں آپ لیکن یہ خیال رکھیں پھر کسی  
 کے پھٹے میں پیر نہ اڑا بیٹھیں۔“  
 میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے ہنس کر کہا۔ ”درد تو تم  
 ایسی باحواہر ہوتی ہو لڑی بیگ! جیسے ہمارے ہر طبقے کے لوگوں کے  
 ساتھ خامی، ٹھٹھا، بیگہاری ہو رہی ہو۔“

”یہ سب اس جیدطوسی کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے جناب عالی!  
 بڑی محنت کی ہے اس نے پھر۔“  
 ”یار! کہاں شے ہے وہ تمھاری جیدطوسی۔ مجھے افسوس ہے  
 اس کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکا، اس کی صلاحیتوں کو جاننے  
 اور پرکھنے کا موقع ہی نہ مل سکا مجھے۔“

میں اس گلی میں داخل ہو گیا جہاں فروسی بیگ کا فلیٹ ہوا  
 کرتا تھا۔ اچھی خامی بند ہی آپکی تھی اس عرصے میں اس پر بے علاقے  
 میں۔ دکانیں ہی دکانیں دیکھنے لگی تھیں وہاں اور ایسی ایسی  
 اشیاء بھری پڑی تھیں ان دکانوں میں جن پر نظر پڑتی تھی تو بھٹنے کا  
 نام ہی نہیں ملتی تھی۔ خریداروں کا بھی بے پناہ جھوم تھا۔ ان میں  
 زیادہ تعداد جدید فیشن کی دلدلہ ایسی خواتین کی نظر آتی تھی جن کے  
 سر پرستوں کو بغیر ہاتھ پر چلانے کی خرابی کرنے کے لیے  
 پیسہ مل جاتا تھا۔ آدمی کے پاس پیسے کی ریل پیل ہو تو خرچ کرنے  
 کے سوہانے آجاتے ہیں۔ اسی لیے تو دولت مند طبقہ بھی خراب  
 ہو رہے نہ ہونے کا نام کرتا نظر آتا ہے۔

کانی جیتو کے بعد میں اس عمارت کا جانے وقوع تلاش  
 کرنے میں کامیاب ہو سکا جس میں اس فردوس کی باسی فردوس بیگ  
 کا فلیٹ تھا۔ میں نے اس کے فلیٹ کا دروازہ آہستہ سے کھولا اور  
 انتظار کرنے لگا۔ کئی منٹ تک جب کوئی جواب نہیں ملا تو دروازے  
 دھک دی۔ اس پر شور و شک کے جواب میں بھی فردوس بیگ کے  
 فلیٹ کا دروازہ نہیں کھل سکا البتہ برابر والے فلیٹ کے دروازے  
 سے ایک چاند سا چہرہ طلوع ہو گیا جس اس کا بھی کوئی اٹھنا نہیں  
 کارا ہوگا اور صورت اس کی بس دل پر نقش ہو جانے والی تھی اس  
 نے اپنی بڑی بڑی ریشم سرسراٹھیں سولہ انداز میں میسے چہرے  
 پر مرکوز کر کے پوچھا کہ کس سے ملنا ہے آپ کو؟

میں نے اس فرال چشم کے سر پر ہاتھ پڑائے پھر تے ہوئے جواب  
 دیا۔ ”دو بی بی! میں آپ کی پڑوس فردوس بیگ سے ملنے آیا ہوں۔“  
 ”اچھا۔“ وہ ایک ادا سے اپنی چشم فراساں کو حرکت دیتے ہوئے  
 بولی دیکھو ملنا چاہتے ہیں آپ آتی ہے؟ کیا رشتہ ہے آپ  
 ان سے؟“

اس کے اس سوال پر میرے دماغ کی لکڑیں تن جانا چاہیے  
 تھیں مگر وہ ایسی کہاں تھی کہ اس کی کسی بات پر پیشانی شکن لکڑی  
 ہو سکتی۔ اسے تو سختی سے کے لیے تعلق ہی نہیں کہا گیا تھا۔ اس کا  
 سوال سن کر میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور مری ہو گئی۔ ”کیا کریں  
 گی آپ یہ پوچھ کر؟“

”وجہ آتی آئی گی تو انھیں بتا دوں گی۔“ اس نے  
 معصومیت سے کہا اور دھیرے سے ہنس دی۔ دانت اس کے شفاف  
 موتیوں کی طرح ترتیب سے جمے ہوئے تھے۔ کسی تو تھ پیٹ کا  
 بزمین شہزادہ بن سکتی تھی وہ۔

”مگر تم نے مجھے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمھاری آئی کی کہاں ہیں؟“  
 ”ارے، یہ تو میں بھول ہی گئی۔“ اس نے کہا اور کھلکھلا کر

ہنس پڑی۔ چہرہ اس کا گلزار ہو گیا اور آنکھوں میں دبیے سے جل  
 اٹھے تھے۔ گلے میں جھولتے ہوئے بڑے نام دوپٹے کا ایک کونہ  
 منہ میں ٹھونس کر اس نے اپنی ہنسی پر تاپو پایا، پھر سلاتے ہوئے  
 بولی۔ ”اندکیا سوچتے ہوں گے آپ کہ کسی سڑی دیوانی ہوں میں؟“  
 اس کی ایک ایک ادایہ سمجھا رہی تھی مجھے کہ میرا واسطہ صورت  
 کی کس قسم سے پڑا ہے۔ لیکن میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا  
 اس گھڑی کہ میں اسے منزل ملاؤ کا پتا سمجھانے بیٹھ جاؤں۔ لہذا میں  
 نے اسی کے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا میں آپ جیسی پری  
 چہرہ کے بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتا ہوں چلیں اب بتا دیں۔“  
 ”اے اللہ! آپ تو بڑی بیماری بیماری باری کرتے ہیں! نہیں  
 نا دھر بیٹھ جائیں ہمارے یہاں۔ آئی آئیں گی تو مل لیجیے ان سے  
 بھی۔ آئی کے ممان ہمارے لیے کوئی غیر تو نہیں ہیں نا۔“

”مگر بی بی! آپ نے مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ آپ کی  
 آئی کی کہاں ہیں؟ میرا خیال ہے ان کے آفس کا تو وقت نہیں ہے  
 یہ دفتر سے تو وہ دین بین تک آجاتی ہیں۔“

”جی ہاں، دفتر سے وہ آجاتی ہیں اس وقت تک اگر آج  
 ان کے آفس میں کوئی پارٹی ہے۔ لہذا رات تک آپ آئیں گی وہ۔  
 آپ یہاں آجائیں بغیر بت مدیریں تم سے، آخر چڑھو میوں کا بھی تو  
 کچھ فرض ہوتا ہے نا۔“

”بال بل بل! یہ فرض آپ کسی اور وقت ادا کر لیجیے۔ ابھی تو

اجازت دے مجھے۔ میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو نیچے سڑک  
 پر گزرتے۔“ بیٹھنے انتظار کر رہے ہیں میرا آپ فردوس بیگ کو پیغام  
 دے دیں میرا کہ یہاں آئے تھے آپ سے ملاقات کے لیے۔ میں  
 پھر آؤں گا کسی روز بالیے وقت جب وہ گھر پر موجود ہوں گی۔“

”جی! اچھا۔ کہہ دوں گی میں ان سے۔ اور جب آپ ان کے

پاس آئیں تو میں منت بھول جائیے۔“  
 ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ بھی کوئی بھولنے کی چیز ہیں۔ آپ  
 تو سپنوں میں بھی یاد رہیں گے۔“  
 ”ہاں آپ بہت اچھی یاد دیتے ہیں۔ میں بھی یاد رکھوں گی  
 آپ کو۔“

”اچھا اب مجھے اجازت دیں شکستہ سیر!“  
 ”دیکھیں یہ غلط طریقہ ہے آپ کا۔ کسی کا نام معلوم نہ ہو تو  
 پوچھ لیں اس سے، غلط سلط نام سے نہ پکارا کریں! کسی کو میرا نام  
 شکستہ بیگ نہ لگواؤ خانم ہے جناب!“

”اچھا جی! دگھڑا خانم! آئندہ یاد رکھوں گا میں یہ نام بھی آپ کا  
 میں جلدی سے وہاں سے نکل کے بھاگا۔ اگر اس کی اجازت  
 حاصل کرنے کا انتظار کرتا تو وہ لوہوں ہی بات سے بات بند کر تی  
 چلی جاتی۔“ اس فن میں بڑا ملکہ حاصل تھا اسے۔ آدمی کی کیل کر کرے

اپنی مرضی کے مطابق ہانکنا اسے خوب آتا تھا۔ تھی بھی وہ ایسی ہی گئی  
 محو زار کہ آدمی کا خود بخود جی جانے لگا تھا اچھا! اس کے حوالے کر  
 دینے کو مگر میرے پاس اتنی فرصت کہاں تھی کہ میں اس سے اس کی  
 قصیدہ خوانی کرنے بیٹھ جاؤں۔ دھلتی شام کے سائے بے ہوتے جا  
 رہے تھے۔ شرافت علی شام کو ملنے کا کہہ کر گئی تھا چنانچہ مجھے اب  
 جلد از جلد اپنے ٹھکانے پر واپس بیٹھ جانا چاہیے تھا۔

اس عمارت سے نکل کر میں گلی کے کونے پر پہنچا تو لڑی  
 سامنے سے آئی نظر آئی۔ اس نے مجھے دیکھ کر ہی پوچھا۔ ”کیا جو تھکا  
 خیریت تو ہے نا جناب عالی؟“

اس کے اس طرح پوچھنے پر مجھے احساس ہوا کہ میں احاطہ  
 اس گلزار خانم کی نذر کر آیا تھا۔ اس نے مجھے اتنی خدمت ہی کہاں  
 دی تھی کہ میں وقت کی رفتار پر دھیان دیتا۔ میں نے لڑی سے جھوٹ  
 بول دیا۔ ”وہ اصل میں بات یہ تھی کہ میں بہت دنوں کے بعد آیا تھا  
 ادھر۔ اس عرصے میں بڑی تبدیلی آگئی ہے اس علاقے میں جس کی  
 وجہ سے مجھے وہ نہایت تلاش کرنے میں دیر ہو گئی۔“

”اوہ! شکریہ ہے میں ڈر رہی تھی کہیں کسی وہاں میں نہ جا  
 پہنچے ہوں آپ۔“

”تم خواہ مخواہ پریشان ہوئی ہو۔ اب ایسا بھی نہیں ہے کہ  
 ہر گلی ہر موڑ پر لوگ میرے لیے گھات لگائے بیٹھے ہوں۔“

”مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے جناب عالی! اس دنیا کے سارے  
 بگائے آپ ہی کے دم سے قائم نظر آتے ہیں مجھے۔“

”نہیں لڑی بیگ! اس طرح نہیں سوچا کرو۔ قدرت کے اس  
 اتنے بڑے کارخانے میں ایک غلام جیانی کی حیثیت ہی کیا ہے۔  
 کاروبار عالم بند تو نہیں ہو سکتا میرے بغیر پتا نہیں کہ غلام جیانی

مجھ سے زیادہ پرہیزگار زندگی گزار کے چائے ہو گئے یہاں سے مگر ان کی کبھی محسوس نہیں ہوئی ہوگی اس کا ناسات میں۔

ہم اپنی کار کے پاس پہنچے تو وہ مخمخ سا ڈر پور پھر دھکا پڑا تھا بیٹ پر۔ میں نے اسے سیدھا کر ڈیڑنگ کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے فوراً ایڑیاں بٹھا کر گاڑی اشارت کر دی۔ وہ ایک دم ایسا چلتا چو بند نظر آئے گا تھا کہ اسے دیکھ کر اس کی طرح پھیلنے کی کیفیت کا خیال تک نہیں لاسکتا تھا کوئی دل میں اپنے یہ ایک بڑی خوبی تھی اس میں مدد اس جیسے کسی کوئی گاڑی میں جوت دینا موت کو دعوت دینے کے برابر ہی ہوتا۔

ہم واپس پہنچے تو شرافت علی پر منتظر بٹھا تھا۔ میں وہیں ڈرنگ روم میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ بڑی ایک ہی گھاگ تھی ایسے حالات میں۔ اس نے مجھ کی اکثر شرافت علی کا نام بے مقصد نہیں ہوسکتا چنانچہ وہ نکل کر بہانہ کر کے اپنے بندہ روم کی طرف چلی گئی۔ میں نے شرافت علی سے پوچھا، ”کیا خبر ہے؟ کچھ بتا چلا؟“

”نہیں، ابھی کوئی پتا نہیں چل سکا ہے۔ میں نے دو آدمی لگا دیے ہیں اس کو کٹھی پر۔ ویسے ابھی تو پولیس نے قبضہ کر رکھا ہے وہاں۔ آج وہ پھر بہت مرگرم رہے ہیں وہ لوگ۔ وہ ان کا مالی اور چوکیدار دونوں ہی مرگئے ہیں۔ ہمارے آنے کے بعد میرے آدھلنے کے ڈاکے جیسی صورت حال پیدا کرنا چاہی تھی وہاں۔ اس کے نتیجے میں وہ دونوں کام آگئے۔ کوٹھی سے نکلے ہوئے ان کی پولیس سے بھی مدد پڑی ہوئی تھی کہ وہ کسی دیکسی طرح پرک کر نکلیں ہی آئے۔ پتا لگوئی آدنی پولیس کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔“

”پھر تو اب ان کا اس کوٹھی میں واپس آنا ناممکن ہی کچھو؟“

”ہاں، ان حالات میں احمق ہی ہوں گے وہ جو دوبارہ دھڑ کارخ کریں گے۔“

”پھر کیا سوچا تم نے؟ کس طرح تلاش کیا جا سکتا ہے انھیں، اس آرمیوں کے سمندر کراچی میں؟“

”ایک ہی طریقہ سمجھ میں آتا ہے حالانکہ پھر بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سن ہی جائیں گے۔“

”کون سا طریقہ ہے؟ مجھے تاؤ شاید میں کوئی اور بہتر تدبیر سوچ سکوں۔“

”ہم دونوں آج کی رات کراچی کے ایسے تمام ہوٹلوں اور کلبوں میں انھیں ڈھونڈنے چلتے ہیں یہاں ہمارے ہم پیشہ لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے۔ شاید وہ ہمیں نظر آجائیں۔ تم میرے ساتھ ہو گے تو انھیں دیکھنے ہی پوچھاں لو گے۔ اس میں ایک خدشہ یہ بھی ہے کہ اگر انھوں نے انھیں نہیں دیکھ دیا تو ہوشیار ہو کر رو پوچش ہو جائیں گے۔“

”ہاں یہ خدشہ تو ہے مگر اس کے سوا کوئی اور اس سے بہتر طریقہ بھی نہیں ہے، یہی ٹھیک ہے۔ ہم رات کا کھانا کھا کے نکل چلتے ہیں۔ اگر وہ نہ بھی لے تو ان کا کوئی سراغ تو مل ہی جائے گا۔“

”میں سمجھا نہیں، سراغ کیسے مل جائے گا ان کا؟ کیا ہم لوگوں سے پوچھتے پھر س گے ان کے بارے میں؟“

”اوہ یار! تم کیسے آدمی ہو، اتنی ہی بات سمجھ نہیں سکتے کہ رات اتنا زبردست کھانا کھا کر بولیں تمام دن مرگرم رہے اور جراثیم کی دنیا ہی کسی کو خبر ہی ہوگی اس کی! آج تو ہر جگہ اسی کے چرچے ہوں گے اور سب ایک دوسرے سے یہی معلوم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوں گے کہ وہ کونسی کون استعمال کر رہا تھا اور ان لوگوں کے جو اس کو کٹھی کو استعمال کر رہے تھے حریف کون کون ہیں۔“

”وہاں یار! یہ تو تم نے بہت پتے کی بات سمجھائی ہے۔ میرا تو دھیان ہی نہیں گیا تھا اس طرف۔“

”لیں تو پھر بیٹے ہو گیا کہ آج کی رات ہمیں یہ محسوس کرنا ہے؟“

”وہاں بالکل، اب کچھ امید ہو چلی ہے کامیابی کی، اگر وہ مل گئے تو آج ہی اس مسئلے کو ختم لیں گے ہم۔“

”ہاں سمجھا کی شرافت علی! ابھی میں ہی چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے اس مصیبت سے جان چھڑا کر نکل جاؤں۔ وہاں میری ماں جی کا پتا نہیں کیا حال ہوگا۔ بڑی اذیت میں دن کاٹ رہی ہوگی وہ بیٹے چاری۔“

”لاہور میں وہ اسی کوٹھی میں ہوں گی نا جو تم نے ڈاکٹر دھمن سے خریدی تھی؟“

”ہاں، وہیں ہیں وہ، اس کوٹھی میں ان کے آرام و آسائش کا تمام سامان مہیا کر رہا ہے میں نے۔ چار کمروں میں ایک کنٹینر بھی لگوا دیا ہے میں گریٹے کی چدائی کی آگ ٹھنڈی کرنے کی صلاحیت تو ان میں نہیں ہے۔“

”ہاں، یہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ ماں کے لیے اولاد سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہوتی۔ اولاد اگر نفرتوں سے دور ہو تو کال کال کسی آرام و آسائش کو قبول نہیں کرتا۔ اس کا تو سارا دکھ سمجھ ہی اولاد سے ہے۔“

”اسی لیے میں جلد سے جلد اس کے سامنے پہنچ جانا چاہتا ہوں۔ مجھے دیکھ کر بغیر اس کے دل کو تر نہیں آسکے گا۔“

”تم بھاری اس کوٹھی میں ٹھیلی فون تو ہے نا؟ اس نے پوچھا۔“

”ہاں، ہے تو۔“

”تو پھر تم فون پر ماں جی سے بات کر کے اسے اپنی خیریت سے آگاہ کیوں نہیں کر دیتے؟“

”ہاں یار! یہ ابھی بات سمجھائی ہے تم نے۔ میں ابھی بات کرتا ہوں اس سے۔“

”میں نے اٹھ کر ٹیلی فون کر لیا اور پوچھا اور غبر فائل کرنے لگا۔ آخری نمبر کھلتی ہی دوسری عزت کھنٹی بجنے کی آواز سنی دینے لگی جو بھی کھنٹی پر کسی نے ریسورٹ بٹھا یا، پھر ایک سو آواز سنا دی۔ ”فراؤ جناب! کی گل لے۔ تساں کوکاس فون کوئی کم نہیں ٹرن کرن کے ساڈی مینڈرل خراب کر دے او۔“

”اوٹے کی بک بک لائی لے۔ کون ہے جیسی تو؟“ میں نے گرج کر کہا، ”جیدر نکھوں مر گیا ہے؟“

”اتنا اٹھاکو کیوں بولتے ہیں جی آپ ہیں کون؟ مرن حیدر دے دشمن وہ کیوں مرے بھلا؟“

”تو بالی بول رہی ہے؟ پچاننا نہیں تو نے مجھے؟“

”حد سے بھی نہیں کیسے پتا چلا کہ میں بالی بول رہی ہوں؟ اور میں کوئی عام غیب تو نہیں جانتا کہ شکل دیکھے پہچان لوں تم کو؟“

”اسی لمحے کسی مرو کی آواز سنا دی۔ وہ یقیناً حیدر ہی تھا۔ اس نے بالی سے پوچھا تھا۔ ”او بالی! یہ کس سے بات کر رہی ہے تو ٹیلی فون پر؟“

”چنانچہ کون ہے۔ کہتا ہے حیدر کہ مر گیا ہے اے سے بلاؤ۔ میرا نام بھی جانتا ہے وہ۔“

”چل بہت برسے، میں دیکھتا ہوں کون ہے؟ پھر اس نے ریسورس کر لیا پوچھا، ”کون ہیں جی آپ؟“

”اوٹے حیدر کے بیٹے! یہ تو نے بالی کو بھی تنگ انسان نہیں بنایا ہے۔“

”وہ میری آواز سن کر ایک دم چھا۔ ”اوٹے بالی! تیرا بیڑا غریب یہ تو سرور صاحب سے بات کر رہی تھی اس طرح؟“ پھر وہ مجھ سے بولا، ”معاف کر دیں جناب! اس نے پچاننا نہیں تھا آپ کو۔ اور یہ آپ ہیں کہاں صاحب جی! ادھر ماں جی کی حالت خراب ہے آپ کی دوسرے، بڑا یاد رکھتی ہیں وہ آپ کو کتنی تو متیں مان رکھی ہیں انھوں نے ابھی شام کو کبھی داتا دیا رہ گئی تھیں میرا ساتھ ٹھہری ہیں ہل کر لانا ہوں انھیں۔“

”وہ رکے بغیر ایک ہی سانس میں لوٹا چلا گیا۔ میں نے جلدی سے کہا، ”اوٹے تمھو تو جازو! میری بھی تو سس لے۔ اپنی ہی جگہ چلا جا رہا ہے۔ ماں جی کہاں ہیں اس وقت؟“

”وہ اپنے کمرے میں ہیں جی! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی بالی انھیں لے کے آئے تھے بستر میں۔ کچھ طبیعت ٹھیک نہیں جی ان کی کل سے۔“

”بالی سے کہو وہ چپ چاپ جا کر دیکھ کر وہ جاگ رہی

ہوں تو ٹیلی فون ان کے پاس ہی لے جانا، انھیں یہاں آنے کی تکلیف مت دینا اور اگر کوئی ہوں تو جگہ انہیں انھیں، میں بہت پھر فون کر لوں گا سمجھا گیا نامیری بات کو ابھی طرح؟“

”بالکل بالکل صاحب جی! میں بالکل تکلیف نہیں دوں گا انھیں۔ اس نے بالی کو آواز دے کر میری بات سے ابھی طرح سمجھا کہ ماں جی کے پاس جاسے کو کما۔ پھر مجھ سے بولا، ”وہ آپ میں کہاں سرور صاحب! میں نے تو آپ کے لیے سارا لاہور بھینا پھینک کے رکھا ہے، اور آپ کا کوئی پتا ہی نہیں چلا کہیں۔“

”میں لاہور میں نہیں ہوں یار! ادھر کراچی سے فون کیا ہے میں نے۔“

”تو جناب سرور صاحب! اگر آپ کراچی میں تھے تو وہاں سے پہلے بھی فون کر سکتے تھے۔ تسلی تو دے دیتے نا ماں جی کو۔“

”کراچی میں آج ہی پہنچا ہوں یار! میں ادھر بھی کب تھا۔ بڑی راندن میں جا تا تھا میں، بس پوچھتے کچھ بھی۔“

”ٹھیک ہے جی! آپ کہتے ہیں تو نہیں پوچھتا میں کچھ پر وہ ماں جی ایسے جان نہیں چھوڑیں گی آپ کی۔“

”انھیں سمجھا دوں گا میں۔ تو دیکھ جلدی سے بالی کیا کر رہی ہے، آئی کیوں نہیں ہے اب تک۔“

”بس وہ آگئی صاحب جی! مگر ماں جی نہیں ہیں اس کے ساتھ۔ کچھ دیر خاموشی رہی اس کے بعد دوبارہ اس کی آواز سنا دی۔ ”وہ بالی کہتی ہے سرور صاحب! کہ ماں جی سوچنے ہیں اس کو گوی۔“

”اچھا ٹھیک ہے! آرام کرنے دے انھیں۔ وہ انھیں تو بتا دینا کہ میں کراچی میں ہوں اور بالکل بھلا چکا ہوں، ایک دو دن میں لاہور پہنچ جاؤں گا، وہ پریشان نہ ہوں میری طرف سے۔“

”جی اچھا بہت اچھا سرور صاحب! میں ضرور کہہ دوں گا۔“

”اور ہاں، اوٹے یہ تو بتایا ہی نہیں کہاں جی کی طبیعت کیا خراب ہے؟“

”وہ بخار آ رہا ہے جی انھیں کل سے۔ آج ذرا ٹھیک ہوئی تھیں تو داتا دیا رہا وہاں میں میرے ساتھ۔ اب پھر بخار تیز ہو گیا ہے مجھے نے ڈھے داجی اصل میں انھیں۔ اوکوئی بات نہیں ہے۔“

”ہاں! یہ تو تو ٹھیک کہتا ہے حیدر! اس عمر میں اولاد کی جڑی کا حد مرہ سنا معمولی بات تو نہیں ہوتی۔“

”بس یہی بات ہے جی! ادھر اسے لانی کی بھی خیر خبر نہیں ملتی اور اب بھی ایک دم لپٹا ہو گئے۔“

”ڈاکٹر کو بھی دکھایا انھیں تو نے کہ یوں ہی ڈال رکھا ہے بستر پر؟“

”کیوں نہیں جناب! ڈاکٹر کو دوبار پتا چکا ہوں میں۔ دوا



دی ہے اس نے، ٹیکہ بھی لگا یا تھا کل شام کو؟  
 ”اچھا ٹھیک ہے۔ خیال رکھنا ان کا اور تسلی دے دینا۔  
 میں کل صبح پھر جن کروں گا۔“ میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔  
 شرافت جو بہت توجہ سے میری باتیں سن رہا تھا، میرے  
 ریسور رکھتے ہی بولا۔ ”کیا ہوا جیانی؟ خیریت تو ہے؟ کسے ڈاکٹر  
 کو دکھانے کی بات کر رہے تھے تم؟“  
 ”وہ حیدر تبار یا تھا کتہے طبیعت ٹھیک نہیں ہے ماں  
 جی کی رنجار رہا ہے انھیں۔“

”ایسے وقت ان کے پاس ہونا چاہیے تھا مگر ان  
 کمیون نے ٹھکانے میرے غائب کر کے پریشانی کھڑی کر دی ہے  
 خواہ مخواہ کی۔ اب جب تک وہ دستیاب نہ ہو جائیں، تم جا بھی کیسے کر گئے؟“  
 ”اے بار! میری پیدائش کسی سعدی سماعت کی معلوم نہیں  
 ہوتی تھی۔ شاید کوئی بہت ہی خوش سیارہ گھس رہا تھا اس سے  
 میرے طاقت میں اور اب اسے وہاں سے نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا ہے۔  
 وہ بیٹھے ہوئے بولا۔ ”فکرت کر یا سدا ہم آج ہی رات  
 کو شش کر کے اسے نکال باہر کریں گے۔“  
 ”او نہیں بار! ایسے شریف کہاں ہوتے ہیں یہ فلک کج  
 رفتار کے سیاہیوں۔“ کہنے کی دم کی طرح بارہ بارہ سال پہلی ڈال کے  
 رکھنا پڑتا ہے انھیں۔ پھر بھی یہ ضمانت نہیں ہوتی کہ یہ سیدھے ہو  
 ہی جائیں گے۔“



میں شرافت علی کے ساتھ ایک فائیو مارٹر ہوٹل کے زیر زمین  
 عسرت کدے میں داخل ہوا تو میری آنکھیں حیرت سے داہو گئیں۔  
 بڑے ہی نظر فریب نظاروں سے معمور تھا وہ وسیع و عریض ہال۔  
 انتظامیہ نے وہاں آنے والوں کی تفریح بطن کا بہت مناسب اور  
 معقول انتظام کر رکھا تھا۔ رنگ و نور کی ایسی فراوانی کہ اس سے  
 پہلے نہیں دیکھی تھی کہیں۔ میں تو کراچی کے بازاروں اور شاہراہوں کی  
 جگہ جگہ دیکھ دیکھ کر نماں ہو جاتا تھا اور سینہ میرے فزیر پھولتا  
 تھا یہ سچ سچ کہہ کر میرے ملک میں بھی ایک ایسا عظیم الشان  
 شہر جو برسوں کی ہم مثال دے سکیں۔ یہ تو میں نے کبھی سوچا  
 بھی نہیں تھا۔ میں جو کچھ دیکھتا رہا ہوں وہ اس کا عشر عشر  
 بھی نہیں ہے۔ جو یہ شہر اپنے بیٹے میں چھپائے ہوئے ہے یہاں  
 کے عجیب و غریب ہالوں پر چھ کئی اور تہی کا گمان گزرنے لگا تھا۔  
 میرا سینہ خوشیوں سے بھر گیا تھا مگر دل کے کسی دور اندازہ کو گننے  
 میں ایک چہن، ایک شخص سی عسوس ہو رہی تھی۔ دل نے بے اختیار  
 مدد دی تھی۔ نہ کہش یہ سب کچھ زمین کے اوپر ہوتا۔ یہ احساس  
 میرے لیے بہت تکلیف دہ تھا کہ رنگ و نور کی اس دنیائے باسی

میرے ملک، میری قوم کے وفادار نہیں ہیں۔ سونے اور چاندی کا  
 چمک میں ان کی آنکھیں چندھیا گئی ہیں۔ وہ بیانی سے محسوس  
 لوگ اپنے اندر گرد و دھنکے کی صلاحیت اور کھوٹے کھوکھے کے پوچھ  
 سے محروم ہو چکے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی میں رنگ و  
 نر کے لیے نوجوانوں ہی کی نہیں، کم سن اور معصوم بچوں کی رگوں  
 بھی لٹو کا ایک ایک قطرہ چھوٹنے کے درپے ہیں۔ یہ ہماری  
 نسل کو نشانیات کا زہر دے دے کہ اس ملک کا مستقبل تاریک کر  
 چاہتے ہیں تاکہ خدا کی اس قربان اور لادہ درگاہ کو ہم شی اسٹریٹ  
 کو اپنے عزائم کی تکمیل میں کوئی دشواری نہ پیش آئے۔ جو لوگ  
 وہاں موجود تھے، میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ  
 سیدھے سامنے عام فہم لوگوں کے درمیان اپنے اپنے تعلقوں میں  
 بہت کمزیری کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہوگا۔ بڑی عزت کی جاتی  
 گی ان کی وہاں۔ اور حالت ان کی یہ تھی کہ ان شریف لوگوں  
 رگوں سے حاصل کیے ہوئے لوگو وہ ان عشرت کدوں کا  
 نشان دو بالا کرنے پر ہمت کر رہے تھے۔

ہمارے بالکل سامنے ایک راستہ اسٹیج پر دو یورپی  
 رقص کے نام پر اپنی نفاش کر رہی تھیں اور ان کے پیچھے ایک  
 میں بیٹھے سازندے تیز قسم کی کوئی مغربی دھن بج رہے تھے۔  
 کے انتہائی بائیں جانب ایک چھوٹا سا بار کاؤنٹر تھا وہاں بھی  
 فام اقوام سے تعلق رکھنے والی دوست خرام حبیبیاں ملنے لگیں  
 کو جام بھر کر پیش کر رہی تھیں۔ بار کے ساتھ ساتھ کوئی  
 بارہ میزوں پر چاروں نے قبضہ جما رکھا تھا اور پورے ہال میں  
 لوگ اشیع پر تھیں۔ انھیں کوئی زنا خاؤں کو تک رہے نہ تھے۔  
 ساتھ ہی خور شام کی نازنینوں سے راز و نیاز میں مصروف تھے  
 ایک قدرے الگ ٹھکانہ گوشے میں کچھ میزوں پر چار چار  
 چھ چھ افراد کی گولیاں باہم سرچرے سرکشیاں کر رہی تھیں۔  
 لوگوں کے صرف سامنے نظر آ رہے تھے۔ یوں بھی ان کی آواز  
 ہال میں گونجتی تیز موسیقی کو شکست نہیں دے سکتی تھیں۔ یہ  
 جہاں شرافت علی مجھے کھینچ لیا تھا، اس دنیائے بالکل ہی  
 تھی جہاں سے میں آیا تھا۔ اس دنیا میں طرح طرح کے لوگ  
 آتے تھے۔ ہنستے، مسکراتے، تردنازہ چہروں کے درمیان  
 روئے تہ سورتے، خور سیدھے مرجھاتے ہوئے چہرے تھے  
 جا سکتے تھے خوش شکلوں اور خوش بڑبوس کے مزاج پر شک  
 خوار اور غلوک الحال لوگ بھی نظر آتے تھے۔ نادانوں کے  
 ساتھ قائم کا شور بھی سنائی دیتا تھا اور زندگی کے شانہ بہ شا  
 موت بھی قدم بڑھاتی دکھائی دیتی تھی۔ لیکن اس دنیا میں  
 اجالا تھا نیری گی کا کہیں نام بھی نہیں تھا۔ ہر روز زندگی ہی نہ

تھی خوشی ہی خوشی، شادمانی ہی شادمانی، خیریاں کی الم کیوں کا  
 یہاں گزری نہیں تھا۔ مرجھاتے ہوئے مدقوقی چہروں اور قائم  
 کے شور سے یہاں کی فضا بالکل نا آشنا معلوم ہوتی تھی مسرتوں اور  
 شادمانوں کے درمیان زندگی پوری آب و تاب سے دکھائی دیتی تھی۔  
 نہ جانے کس تیارے کی خلوت تھی یہ جس کے چہروں پر رنگ کا ہلکا  
 سامان یا ماتھے پر کوئی ہلی شمشک تک نظر نہ آتی تھی۔  
 شرافت علی نے چند شائے رک کر ایک طائرانہ نظر پورے  
 ہال پر ڈالی پھر ایک جانب نظریں جما کر بولا۔ ”آؤ، ادھر ایک ڈو  
 کام کا نظر آیا ہے مجھے۔“

وہ مختلف میزوں کے درمیان سے گھبراتا ہوا ایک نسبتاً  
 علیحدہ گوشے میں بیٹھے اس تند و مند شخص کے سامنے جا ٹھہرا  
 جس کی میز پر بلی اور کلاس کے سوا دوسروں کی نہیں تھا۔ وہ گلاب  
 ہاتھ میں پکڑے اس میں بھرا ہوا سیال جرعر جرعر اپنے معصے  
 میں اندر رہا تھا۔ اس کے سامنے رکھی ہوئی بوتل آدھی سے زیادہ  
 خالی ہو چکی تھی۔ قدراس کا ایسا تھا کہ پیچھے ہونے کے باوجود  
 وہ چھ فٹ سے کم کا ہر گز معلوم نہیں ہوتا تھا، شانے اور سینہ اتنا  
 کشادہ تھا کہ کسی چٹان کا گمان ہوتا تھا اس پر رنگ اس کا  
 سیاہی مائل مزور تھا مگر اتنا سیاہ نہیں تھا کہ شب تاریک کا شہر  
 ہونے لگے۔ آدھی آتین کی بشرت سے بازوؤں کی چھلکیاں تپتی  
 دکھائی دے رہی تھیں اور صورت سے وہ بالکل کوئی خوشخوار گینڈا  
 نظر آتا تھا۔

شرافت پر نظر پڑتے ہی اس نے خوش ہو کر دانت نکال  
 دیے۔ بولا۔ ”آؤ، آؤ سیٹھ! آج کیسے کھیاں آگیا میرا کام؟“  
 ”کوئی خاص بات نہیں، اب میں اکیلے بیٹھ دیکھ  
 کر آگیا ادھر“ شرافت نے اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ  
 کر کہا۔

وہ بے ڈھنگے انداز میں ہنسا۔ ”ہو ہو... ہو ہو...“ اپنی کاکھی  
 کو ایسے کھیاں نہیں آتا سیٹھ! یہ کون ہے تمھارے ساتھ کوئی نیا  
 بھنا دھنسا ہوتا ہے؟“ اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔  
 میرا تو خون کھول اٹھا تھا ایک دم۔ وہ بن مانس کا بچہ تھے  
 جانور کہہ رہا تھا۔ میرے تیز جھوٹے دیکھ کر شرافت علی نے میرا ہاتھ  
 پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ ”میرے کام کو جیلانی! آؤ ادھر بیٹھو  
 میرے ساتھ۔“ پھر وہ اس بن مانس سے بولا۔ ”بڑی بات ہے  
 شیراز، ممالوں کی یوں بے عزتی نہیں کرنا چاہیے تمھیں۔ یہ مہمان ہیں  
 ہمارے، لاہور سے آئے ہیں۔ سردار کریم نواز نام ہے ان کا بہت  
 کام کے آدمی ہیں یہ۔“

”اچھا اچھا۔“ وہ ایک دم بنجیدہ ہو کر گردن ہلاتے ہوئے

بولا۔ ”یہ اپنا کھو چڑی بالکل اٹا ہو گیا ہے سیٹھ! ابھی تم ساجھی  
 دے دو۔ اب کھو سالا جادو ہو گیا ہے اس رقم۔“  
 ”ٹھیک ہے، آئندہ خیال رکھنا ان کا۔ بچان لا نہیں  
 اچھی طرح سے۔“

بالکل یاد رکھنے کا سیٹھ! ابھی تو تم کبھی بھول نہیں لے گا اس  
 کو۔ تم لو ابھی کی کھد مت کرے تم تمھاری؟“  
 ”میں نے کیا، نا، ہم کسی کام سے نہیں آئے میں تمھارے پاس  
 مگر یہ آج تم اکیلے کیسے نظر آ رہے ہو؟“  
 ”اپن چھوڑ دیا ہے سیٹھ اب یہ پکڑ۔ یہ چھو کر لوگ جو  
 ہے نا سیٹھ! یہ ایک دم پھرا ڈپے، سارا کا سارا پھرا ڈپے، مال ہوتا ہے  
 پاکٹ میں تو ایسا آتا ہے جیسے مٹھائی پر کھجی گرتی ہے کھینکا کھلی ہو  
 جائے تو پتہ چانگ نہیں ہے۔“

”ہاں ایسی ہی ہے وہ فاضلات ہوتی ہے یہ ضرور! مگر تمھیں کیا  
 کھی ہے پیسوں کی؟ تمھاری جیب کیسے خالی ہو گئی؟“  
 ”تم ہی کیا بات بولتا ہے سیٹھ! اپن کوئی پھیکڑی تو نہیں  
 لگا ہے نہ ٹوٹ بنانے کا۔ دھندلے والا آؤ ہے، کبھی دھندلا تیج  
 ہو جاتا ہے کبھی مندی آجاتی ہے۔ جتنی ہو جسے تو بادشاہ نہیں تو پھیر  
 ہے اپن سالا۔ تمھارے جیسا سیٹھ لوگ کام نہیں دیتا تو کبھی کے  
 مرے لگتا ہے یہ سوا ابھی کوئی کھد مت و دمت ہو تو بولو اپنے اس  
 کھاد کو۔“

”ایسی باتیں نہیں کی کرو شیراز! یہ خادم وادم کیا چہر ہوتی  
 ہے۔ دایا امت کہہ کر اپنے آپ کو کتنی بامعنی کیا ہے میں نے  
 تمھیں اس سے۔ بس دوست ہو تم ہمارے اور کچھ نہیں۔“  
 ”وہ تو ٹھیک ہے تم جو بولتا ہے ہم سن لیتا ہے۔ وہ۔ پر  
 دیکھو نا بولنے کا بات اور ہوتا ہے کہنے کا اور ہوتا ہے۔“  
 ”اچھا اچھا بھول واس قہہ کو اس وقت پڑھی ہوئی ہے

تمھیں۔“  
 ”نہیں سیٹھ! ابے عجبی کھراب نہیں کرو ہماری! آدھی بوتل  
 میں سیر و آؤٹ نہیں ہو سکتا ہے۔“  
 ”اچھا! بات ہے تو ذرا ایک بات تو بتاؤ۔ میں ابھی بتا کر  
 لیتا ہوں تم کہتے ہو ش میں ہو۔“  
 ”پوچھو پوچھو ایک نہیں سو بات پوچھو کیا کھاتا ہے تم نے  
 سیر کر کو۔“

”تمھیں پتہ ہے کہ لٹ ادھر علی موسیقی کی کسی کو کھی میں بڑی  
 گولیاں چل رہی ہیں بھی بیچ گئی تھی وہاں۔“  
 ”ہاں سنا تو اپنے نے تھا تھا، پر بات کیا تھی یہ بتائیں چہا۔ تم  
 کو معلوم ہے سیٹھ! کیا بات ہوئی تھی ادھر؟“

”مجھے اگر معلوم ہوتا تو میں تم سے کیوں پوچھتا؟“  
 ”ہو بہو... ہو بہو...“ وہ ایک بار پھر اپنے سینے کا پورا  
 زور بھرت کر کے منہ پھر بول رہا تھا کہ ”ابن بھی سالہ بالکل آٹو کی دم ہے،  
 ایک دم پاگل، اوپر ڈال کھانا بالکل کھائی ہو گیا ہے کیسا بات پوچھتا  
 ہے تم سے؟“

اس نے اتنی زور سے گفتگو کرنا کہ اس کا آواز اس کی پیٹھ سے لگ کر  
 کو اس کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ  
 ان میں سے کسی نے بھی نظر اٹھا کر دیکھنا نہ کیا تھا۔  
 اسے۔ اس کا لگا تھا جیسے ان کے کانوں تک اس کی آواز نہ پہنچ سکی تھی۔  
 آواز یہ نہ پہنچ سکی تھی۔ ایسے ہی اپنے اپنے حال میں مست بیٹھے  
 تھے وہ سب کے سب کسی کو پروا ہی نہیں تھی کسی کی۔ نہ ہی کوئی یہ  
 جلنے کی ضرورت محسوس کرتا تھا کہ اس کے آگے پیچھے یا دائیں بائیں  
 کون لوگ تشریف فرما ہیں میرے لیے یہ بھی ایک نیا تجربہ تھا۔  
 اس سے پہلے میں آدمیوں کے کسی ایسے جھگڑ میں کبھی نہیں اترتا تھا۔  
 دنیا میں ایسے ایک دوسرے سے بے نیاز لوگ بھی ہوتے ہیں ایہ  
 تو میں نے کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ اگر باتیں ایسے لوگوں سے میرا واسطہ  
 رہتا تو میری یہ فخریہ تفریق میرے لیے در بدر نہ جھگڑا کی جھڑپ میں بھی  
 اوروں کی طرح اپنا بھر بھر سنبھالنے اپنے اہل وعیال کو سمہرنا ہوتا تھا۔  
 ”یہ معلوم کرو شیر و بونو کون لوگ تھے وہ جنھوں نے وہاں ڈیرا  
 ڈال لیا تھا۔ سنا ہے کہ آج وہاں پھر پولیس وہاں سرکاری پھر ہے  
 مگر ہاتھ نہیں آسکا پھر بھی اس کے۔ بڑے کا پیر لوگ تھے وہ۔ دو  
 لاشیں اس کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا وہاں انھوں نے اور وہ  
 لاشیں اس قابل نہیں تھیں کہ کسی کو کچھ بتا سکیں ان کے بارے میں۔  
 حالانکہ بڑے کی دوست فائرنگ ہوئی تھی وہاں، دو بار گولیاں ہی  
 بول گئے وہ جو کسی بات پر بڑبڑا رہی ہوں گی۔ پولیس تو بہت بعد میں  
 پہنچی تھی۔“

”چھوڑو بیٹھ اگر کروا بخین تم کیا کرے گا تیار کرے ان کا؟  
 کوئی تیار آدمی تو نہیں مارا سے انھوں نے؟ اس کا لہ و ہندہ  
 میں لپسا تو بتا رہا ہے تم کائنات کو اس پھر میں پڑتا ہے۔۔۔  
 کھائی پیل۔“

یہ کاروباری معاملات میں، ان میں سے کس کو گے انھیں کیا تا  
 وہ کوئی چارکی ہی لاش کے آدمی سے ہوں مار کرٹ خراب کرنا چاہتے  
 ہو اور وہ چارکی۔ میں ان کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے۔ یہاں  
 اس کے اندر سے میں جتنے لوگ ہیں ہمارے اپنے ہیں وہ سب۔ ان  
 کے وہ بیان کوئی ایسی بات ہوتی ہے تو ہمیں فوراً اطلاع مل جاتی ہے  
 پھر یہ کون لوگ ہیں جنھوں نے اتنا بڑا منہ کھڑا کر دیا اور خبر  
 تک نہ ہو سکی کسی کو۔

”یہ تو تم ٹھیک بولتا ہے بیٹھ کوئی باہر کا آدمی معلوم ہوتا ہے  
 یہ۔ میں ضرور پتا کروں گا اس کا۔“

شرافت علی نے جیب سے سو روپے والے نوٹوں کی ایک  
 گڑھی نکال کر اس میں سے نوٹ ایک کر کے شرف علی کی طرف بڑھاتے  
 ہوئے کہا ”یہ نوٹ یہ رکھ لو دو ہزار میں یہ تم آج کل مندری کا شکار  
 ہو رہے ہو، بیسوں کی ضرورت ہوگی نہیں۔“

شرف علی نے نوٹ جھپٹنے سے سے انداز میں شرافت علی کی بات  
 سے لے لے لے ”تم نے بالکل ٹھیک سمجھا ہے آج کل تو بالکل کڑکا  
 پڑا ہے ادھر یہ بول بھی ادھار میں لیا تھا آج تم چکر نہیں کرو۔  
 کام تمھارا آج جو کر کے گا؟“

”اچھا اب میں چلتا ہوں۔“ شرافت علی مجھے اٹھنے کا اشارہ  
 کر کے کھڑا ہو گیا۔

میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی اور ہال میں موجود لوگوں کے  
 چہروں کو ذہن میں لے کر ہوا شرافت علی کے ساتھ ہاں نکل آیا  
 خدا کی جنت سے۔ مجھے یقین ہے جس طرح شرف علی اپنی بنائی ہوئی  
 جنت کو دیکھنے کی خواہش لے میں اس جنت کے دروازے پر  
 فرشتہ اجل کا شکار ہو گیا تھا اسی طرح اس زمین و درجہ جنت کا بانی بھی  
 اسے نہ دیکھ سکا ہو گا۔

ہوٹل سے باہر کریم دونوں اس طرف بڑھنے لگے جہاں شرافت  
 نے اپنی کار پکڑی تھی۔ میں نے پوچھا ”یہ کون شخص تھا شرافت علی؟  
 جسے تم نے دو ہزار روپے کے گردہ کام سونپا ہے؟“

”بڑے کام کا آدمی ہے وہ جیلانی۔ اسے دراز زبان رکڑوی ہے  
 اس کی کبھی کبھی کھو پڑی سے نکلنے لگتا ہے وہ۔ ایسے تو تھوڑے پتھر  
 سی برداشت سے کام لے لیا جائے تو پھر اسے بدھریا ہو جائے۔  
 سکتے ہوتے۔ جب کسی پروردہ رکھ کوئی کام کرنا ہو تو اس سے رابطہ  
 قائم کرتے ہیں سب لوگ۔ یہ کسی خاص رکھ یا رٹی کا آدمی نہیں ہے  
 ہر کوئی ضرورت پڑنے پر اس کی خدمات حاصل کر سکتا ہے۔“

”ہم بائیں کرتے ہوئے کار کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ہوٹل  
 کا ایک بھائی لگا ہوا ہمارے پاس آکر بولا ”وہ جی صاحب جی!  
 آپ کو ایک صاحب بلا رہے ہیں آدھرا ڈانگ ہال میں۔“  
 ”کسے مجھے؟“ میں نے رگڑ ڈرا تیرا نہ ہو کہ پوچھا۔  
 ”آپ کو نہیں جی انھیں یہ جواب کے ساتھ میں۔“

”کون صاحب بلا رہے ہیں مجھے؟“ شرافت علی نے پوچھا۔  
 ”نام تو میں نہیں جانتی جی ان کا۔ جی آپ اندر سے آئے  
 تھے تو انھوں نے مجھے بل کر آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا  
 کہ یہ جو دو آدمی جا رہے ہیں ان میں سے ان نیلے سوٹ والے صاحب  
 کو بلاؤ۔ میں آپ کی طرف بھاگا مگر اتنی دیر میں آپ گریٹ سے

باہر نکل چکے تھے۔“  
 وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کیونکہ سوٹ ہم دونوں کے شرف علی  
 نے ہی پس رکھا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا ”تم گاڑی کے پاس چلو  
 جیلانی ہیں دیکھ کے آتا ہوں کون بلا رہا ہے مجھے۔“

وہ یہ کہنے کے ساتھ واپس ہوئے کہ اندر چلیا گیا۔ اس کے  
 جاتے ہی ایک گھنٹی مونیوں اور چار جھنگڑا ڈاڑھی والا شخص میرے  
 پاس آکر ”وہ جناب جیلانی صاحب ابڑا ادھر تو تشریف لے  
 چلے آپ۔“

میں نے اس کے سر پر ایک بغور جائزہ لے ڈالا۔ اس نے  
 کا لے رنگ کی شلوار اور فیس بین بھی تھی، قدر کا اس کا مجھ جیسا ہی  
 تھا۔ میں نے اس کے لیے کہ جھن کو محسوس کرتے ہوئے اس کے  
 انداز میں پوچھا ”کہہ رہے جانا چاہتے ہیں آپ جناب مجھے؟“  
 حورو اور لیو تو بتا میں آپ اپنا؟

”وہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ آپ چلیں تو سرکار! وہ ادھر سانسے  
 ایک لال گاڑی کھڑی دیکھ رہے ہیں نا آپ، بس وہیں چننا ہے  
 ہیں۔ آپ کے ایک بہت دیر مند دوست بیٹھے ہیں وہاں۔“

”اچھا۔ چلو چھٹی دیکھیں کون ہے وہ میرا دیر مند دوست؟“  
 میں اس کے ساتھ کاروں کی قطار سے درخفا طے پکڑی اس  
 سرخ رنگ کی کار کی طرف چل دیا جس کی طرف اس نے اشارہ کیا  
 تھا۔ میں سوچ رہا تھا، بڑی عجیب بات ہوئی ہے یہ بھی۔ اور کتنی شخص  
 نے شرافت علی کو ہوٹل کے اندر بلوایا تھا اور ادھر کو مجھے اپنی  
 طرف کھینچ رہا تھا۔ میں اس سرخ کار کے پاس پہنچا تو کار کی عقبی  
 نشست کا دروازہ میرے لیے کھلا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کار میں  
 روشنی بھی ہو گئی تھی۔ اس روشنی میں مجھے جتنی نشست پر کوئی شخص  
 بیٹھا ہو نظر آ رہا تھا مگر وہ اس کا میری نظروں سے اوچھل گیا تھا۔

میں نے نیچے جھک کر اس کا پروردہ دیکھا تو ایک لمحے کے لیے مجھے اپنی  
 آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ غمیر تھا تھا ادھی غمیر احمد جس نے ایک بار  
 میرے بار اسم کی کو اپنی ضمانت پر پولیس کی تحویل سے نکال کر  
 دھن اور علیہ کے حوالے کر دیا تھا تاکہ وہ اسے پڑے پڑے  
 کر کے نیلا ہی پڑ جائے۔ اور ان انسان اعضا کے تاجروں نے اس  
 غریب کی آنکھوں سے قرینے نکال کر ان کے دام بھر کے کر لیے  
 تھے۔ اس پھر لے کے بھٹ سے اگر کھلی آئی تو نکال نہیں لایا ہوتا  
 تو وہ لوگ آنکھوں کے بعد اس کے گردے بھی بیچ کھاتے۔ آبی کو

اک تیس سے رہاں دلانے کے بعد میں اس کی تیار داری کرنے اور  
 اس کی بیانی واپس دلانے کے کیمر میں ایسا لگایا تھا مجھے وہ بارہ  
 کبھی اس مدد کا احمد کا خیال ہی نہیں آیا جو واقعی اپنے نام کی  
 مناسبت سے دھن اور علیہ کا بہترین مددگار ثابت ہوا تھا۔ میں

اسے اس مقبوت خانے میں بے ہوش کر کے ڈال آیا تھا جہاں اس  
 نے آنکھوں سے محروم آبی کو ڈال رکھا تھا۔ یہاں میں میرے آنے  
 کے بعد اس پر کیا جیتی تھی۔ شاید اس کا لکھڑی سے نجات پانے  
 کے بعد سے اب تک وہ ایک ایک لڑکھوڑے نور سے دیکھتا  
 رہا تھا۔ اس کی آنکھیں انسانوں کے جوہر میں مجھے ڈھونڈتی ہی رہی  
 تھیں۔ اس نے بہت نہیں باری تھی اور بالآخر مجھے کس کو ج  
 نکالا تھا۔ اسے میرے ہاتھوں اپنی شکست کا بہت ملال تھا اور بہت  
 نہیں سکا تھا وہ اب تک اس واقعے کو۔

”بہت حیرانی ہو رہی ہے مجھے اس طرح اپنے سانسے دیکھ کر  
 تھا کہ کیا خیال تھا مجھے چوٹ لے کر نکل جانے کے بعد میری بھی  
 نہیں آسکے میرے، اگر اس طرح سوچا تھا تم نے تو یہ تمھاری  
 خام خیالی ہی تھی۔ تم جانتے نہیں ہو مجھے، میں اپنے دشمن کا ہاتھ  
 بھی ڈھونڈ نکالتا ہوں۔“

”اب تم کیا جانتے ہو مجھ سے؟ میں تو تمھیں بالکل سمجھ رہی  
 چکا تھا۔“

میرا لہجہ پورا ہوتے ہی، میرے پیچھے کھڑے ہوئے شخص نے  
 اس زور سے مجھے آگے دھکا دیا کہ میرے لیے جھلنا ممکن ہی نہیں رہا  
 اور میں کار کے کھلے دروازے سے اڑنے سے منہ اندر جا کر اپنے اس  
 سے پہلے کہ میں اٹھ کر سہا ہوا کسی نے میرے سر کے پیچھے سے  
 میں کسی ٹھوس چیز سے ایسی نرید ضرب لگائی کہ میں اٹھنے آگے  
 دوبارہ نیچے ڈھکے گیا۔ اس کے بعد میں بس اتنا ہی جان سکا تھا  
 کہ کئی ہاتھوں نے مجھے بل کر کار کے اندر کھینچا اور ایک جھجکا کے  
 کار چل پڑی تھی۔

دوبارہ ہوش آنے پر میں نے خود کو ایک کرسی سے نہٹا  
 پایا تھا۔ اس طرح میں کرسی پر سہا ہوا بیٹھا تھا۔ میرے دونوں  
 ہاتھ پشت پر سے جا کر باندھ دیے گئے تھے اور مجھے کرسی کی پشت  
 کے ساتھ جلا دیا گیا تھا کہ میرے لیے مناجات نامہ ممکن نہیں رہا  
 تھا۔ میرے سانسے غمیر کھڑا منعکس ڈالنے والے اندر میں مجھے  
 دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ سیاہ پوش بھائی جھکا ڈال رہا تھا اور  
 مونیوں والا بھی موجود تھا جس نے دھکا دے کر مجھے کار کے اندر  
 پھینکا تھا۔ اس کے علاوہ دو غمیر آدمی اور بھی تھے۔ چہروں پر غم  
 نے مجھے خوب گھاس بڑھا رکھی تھی جس میں ان کے فوڈا سے ڈھکے ہوئے  
 دکھائی پڑتے تھے۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑا  
 ہوا تھا۔ انھوں نے میرے۔ یہ پانی کے چھینٹے مارا مگر مجھے ہوش  
 دلایا تھا۔ چتا میرے۔ دن ہی جگہ تھی جہاں انھوں نے مجھے پل  
 بے بس کر کے لٹا ڈالا تھا۔

مجھے ہوش میں دیکھ کر غمیر بولا ”کیا حال ہے جناب؟“  
 35



کی توقع ہی نہیں کر رہا تھا۔ بس یہی اعتقاد چوڑے سے گیا مجھے۔  
پستول اتنے زور سے میرے سینے پر آگے لگا تھا کہ مجھے بول  
محسوس ہوا جیسے میرے سینے کے بھجری کوئی ہڈی وغا دے گئی  
تھی۔ میرا دایاں ہاتھ بے اختیار سینے کے حصے پر جا لگا ہوا  
چوڑے لگی تھی۔ سینے سے اٹھنے والی درد کی میں نے مجھے  
بے حال کر کے رکھ دیا تھا۔ بس وقت کا وہی ایک لمحہ میرے ہاتھ  
سے پستول کا جانو کی چوٹی میں جا پڑا تھا اور اسی لمحے سے اس  
نے فائدہ اٹھائی لیا۔ وہ کسی نوخیز اور زندہ کی طرح مجھ پر آگڑا اس  
کے گھونٹے کسی پہلو ان کے گدھر سے کہ نہیں تھے۔ دو ہی گھونٹوں  
میں اس نے مجھے زمین پر لٹا دیا اور پھر اس کی ٹھوکروں نے میرا جوتہ  
جوڑ ہلا کر رکھ دیا۔ میرا ایک ایک مڑہ آواز دینے لگا تھا۔

وہ میرا بچہ اسیر اتنا ہی کھا کھا تھا اسی لیے میرے  
اس رب نے جو مالک سے ہی نہان کا انسان کو تیرے بازپنے  
کی بدایت کر دی ہے۔ ایسے ہی موفعوں پر یہ سوال ذہن میں سر  
ا بھارتا ہے کہ انسان کو خوس چیز پر اتنا بکیر کر مایہ کیا وہ اپنی  
پیرائش کے تل کو بھول گیا؟ اور شاید اسی لیے یہ عمل ازل سے بار  
بار دہرایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو یاد رکھے کہ کبھی اپنی  
اوقات سے بہرہ نہ لے سکے۔ مگر پھر بھی اپنے کا ناموں پر اس کا سینہ  
پھونکنے لگتا ہے۔ پیر پھیل کے چلنے لگتا ہے۔ اپنے۔ دو بھول  
جاتا ہے کہ دوسرے انسان بھی اسی کی طرح تخلیق کیے گئے ہیں  
اور وہ بھی اس دنیا پر اور اس میں موجود تمام اشیاء پر اتنا ہی حق  
رکھتے ہیں جتنا اسے حاصل ہے۔ وہ بہرہ نہ لے اپنے اختیار میں کچھ  
کروا دیتے ہیں یا پھر یہ فراموش کر بیٹھتا ہے کہ یہ اس کے رب  
کی طرف سے امتحان ہے اس کی دیانت اور اس کی امانت داری  
کا۔ خدا اسے دوسروں کی امانتیں ان تک پہنچانے کی خدمت  
سوتا ہے۔ دوسروں کے حصے کا رزق اس کی جھولی میں ڈال کر انھیں  
اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مگر وہ اسے اپنی ملکیت قرار دے کر  
اپنے پیسے پیسٹ کے ٹیٹھ جاتا ہے اور اسے اپنی عمارت اور  
ذہانت کا جملہ تصور کر کے اپنے لیے آسائشیں خریدتا ہے اور دوسروں  
سے متناظر کرنے کے لیے فخر سے سینہ تان کے گردن اکڑا کر  
چلتا دیکھ لیا ہے اور اس وقت تک وہ انھیں ہی نہیں گھومتا  
جب تک قدرت اسے اپنے شے میں کسی کے لیے نہیں کوئی حق  
میں بھی اس نے کسی فلسفی انکو بھی کے بل پر اپنے آپ میں  
نہیں سار ہا تھا۔ میں جن انداز سے جانو اور اس کے پستول کو دیکھ  
رہا تھا وہ انسانوں کے دیکھنے کا انداز تو نہیں تھا۔ میں خود کو برتر  
اور جانو کو حقیر سمجھ لینے کی غلطی کا مرتکب ہوا تھا، یہ اسی کا نتیجہ  
تھا کہ اب میں اس حقیر جانو کی ٹھوکروں میں پڑا تھا اور مجھے اتنی

حالت بھی میں مل رہی تھی کہ میں اپنے بدن پر پڑنے وال  
چوڑوں کو سلا بھی سکوں۔ اس نے مجھے روٹی کی طرح دھن کے  
لکھ دیا اس طرح کہ میرے بدن کا کوئی حصہ ایسا نہ رہا تھا جہاں سے  
میں اٹھ اٹھ کر مجھے بے چین نہ کر سکی ہوں۔  
اس دوران وہ بادل بھی رستی لے کر واپس آگیا۔ اس نے  
یہ منظر دیکھ کر حیرت سے بوجھا دیا۔ کیا ہوا استاد! بڑی صبا جب  
کیوں پڑے میں اس طرح؟ اور یہ قادر کو کیا بولے؟ یہ کیوں ٹھکر  
بنا پڑا ہے؟  
”اوپے پھینک یار! وہ غلطی ہو گئی تھی ہم سے ڈرا سی دیر  
کے لیے غافل ہو گئے تھے ہم۔ اور اسی غفلت میں یہ سائنڈا زاد  
ہو گیا تھا کسی طرح۔ اس نے یہ حال کیا ہے ان دونوں کا؟“  
”اچھا! بادل حیرت سے بولا۔ یہ بڑا زور ہے استاد اس میں تو۔  
تھارے سامنے اس نے لبا کر دیا انھیں؟“  
”ہاں ایسا ہی بالکل جتنا ہے یہ۔ ذرا بھی موقع ملے تو جھپوڑ  
کے کچھ تپا سے آدمیوں کو۔ چلو اس کی ٹانگیں بانہو۔ سامنے کو  
اٹا لٹکا میں گئے جیت سے“

انھوں نے میری ٹانگیں سیدھی کر کے رستی سے باندھ دیں  
میں خاموش پڑا رہا۔ مجھ میں اتنی سکت ہی نہیں رہی تھی کہ ان کے  
اردول کی راہ میں مزاحم ہو سکتا۔ پھر مجھے چھت کے نیچے اس جگر  
لے جانے کے لیے جہاں لوہے کا ٹنڈا لگا تھا بادل نے ٹھٹھنے  
کی کوشش کی مگر میں اس سے بڑا ٹانگ نہ جاسکا۔ وہ بولا! استاد  
ہاتھ لگاؤ درختم بھی۔ بڑی بھاری لاش ہے یہ تو سادہ بالا بھی نہیں  
جاتا مجھ سے“

”یہ تیرے اکیلے کے اس کا نہیں ہے۔ چل سنبھال ایک  
طرف سے اسے میں دوسری طرف سے اٹھاتا ہوں“  
وہ دونوں میرے دائیں بائیں آٹھمے۔ انھوں نے اپنا  
ایک ایک ہاتھ میری لمکے نیچے رکھا اور دوسرا ہاتھ میری ہاتھوں  
میں سے کر مجھے اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔ میرے لیے اٹھانے  
نے خود ہی ایک بہترین موقع فراہم کر دیا تھا۔ جیسے ہی انھوں نے  
میری ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے میں نے دونوں ہاتھ سمٹا لینے کے  
انداز میں ان کی گودوں پر گر کر دیا اور اس سے پہلے کہ وہ میرے  
اڑا کے کو سمجھ سکے میں ان کی رگ اس میں سل چکا تھا۔ وہ دونوں  
کسی کے ہونے شبہ کی طرح ایک ساتھ زمین پر پڑے گئے۔

یہ ایک موقع میری تیرہ و تار تقدیر نے مجھے عطا کر دیا تھا۔  
چاروں میں سے میں میرے ہاتھوں کی کڑھکری کا شکار ہو گیا  
تھے اور ایک کسی چوڑے کھانے ہوئے پتے کی طرح گھٹنوں میں  
ویسے پڑا تھا۔ شاید اس کے زیادہ ہی چوڑا لنگی تھی۔ کسی ایسی  
کی ویرانی باہر موجود کسی شخص کو اپنی طرف متوجہ نہ کرے۔ یہ تو سوچا

مرب لگ گئی تھی کہ اس کے سارے ہی تار جھنجھٹا اٹھے تھے میں  
بھی کچھ مہر فرب نہیں تھا۔ اس منور کے بچے جاننے اپنا سارا زور  
الٹ دیا تھا مجھ پر۔ یہ بات شاید کسی طرح اس کے ذہن میں سما  
گئی تھی کہ اگر ایک بار مجھے زمین سے اٹھنے کا موقع مل گیا تو پھر  
اس کے قدموں کو اس کا بوجھ سہارا بن سکے ہو جائے گا۔ وہ اپنے  
پستول کی بے بسی کا مشاہدہ بھی دیکھ چکا تھا اور میرے لڑنے کا انداز  
بھی دیکھا تھا اس نے پھر وہ مجھے سنبھلنے کا موقع دے کر اپنی موت  
کا سامان کیے کر لیتا۔ اس نے اپنے بچاؤ کے لیے بہت کچھ کیا تھا  
اور اپنی ذات میں مجھے اس قابل نہیں بننے دیا تھا کہ میں اس کے  
خون کو ٹھٹھن قسم کی کارروائی کر سکوں مگر پھر بھی وہ ابھی میرے  
بارے میں جانتا ہی کیا تھا۔ جہاں پہلی بار تو اس نے دیکھا تھا مجھے اور  
اس پہل ملاقات میں ہی خاصے انداز سے قائم کر لیے تھے میرے  
بارے میں۔ پھر بھی میرے سامنے کے سامنے عیب و بہتر تو اس  
پہلے کا رہا نہیں ہو سکے تھے ابھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ مجھے مرنے  
کے لیے یہ سب سے زیادہ ضروری ہے کہ آدمی میرے ہاتھ کی  
ہینچے سے دور رہے اور یہ عدم واقفیت ہی نے ڈوبی تھی اسے۔  
ان چاروں کو اپنے سامنے یوں بے دم پڑے دیکھ کر بڑی  
خوش ہو رہی تھی مجھے۔ آدمی خطرے کی حدود پار کر آئے اور دشمن  
اس کے سامنے بے دم پڑا سکر رہا ہو تو اس کی کھوٹی ہوئی  
قوتائیاں دوبارہ لڑنے لگیں۔ میرا حال ابھی مجھ سے بدن فریاد کر رہا  
تھا۔ ہم کو ڈرا بھی ہو حرکت دینے کی کوشش کرتا تھا تو ایک ایک  
عضو سے آہ و فغان ابھرنے لگتی تھی لیکن جلد از جلد ان بھڑیلوں  
کے جھٹ سنبھل کر اپنی جان ملا دے جاتے کی آرزو مجھے حوصلہ  
بخش رہی تھی۔ میں چوڑوں سے اٹھنے والی تیر ٹیسوں کو برداشت  
کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کے سہارے ہاتھوں کے بیٹھ گیا۔ ہاتھوں کے  
چاہتے ہاتھوں سے پروردگار کی بندش سے آزاد کر کے باری باری  
ان چاروں حیثیتوں کا جائزہ لیا کہ کہیں ان میں سے کوئی اٹھ کر میری راہ  
میں حائل تو نہیں ہو سکے گا۔ پھر کہتے آہستہ آہستہ بے سادہ پڑے ہوئے  
جانو کے قریب جا کر اس کا وہ پستول تلاش کرنے لگا مگر وہ اس کے  
پاس نہیں تھا۔ میں نے دھڑک دھڑک نظر میں دوڑا میں تو وہ مجھے ذرا  
فاصلے پر چڑھا رہا نظر آگیا۔ میں نے اپنی دوسری طرف پڑے ہوئے  
بادل کے پاس کو ٹولا، اس کے نیچے میں پستول موجود تھا۔ میں نے  
اسے نکال کر دیکھا، وہ گولوں سے نالاب بھرا ہوا تھا۔ میں وہ پستول  
ہاتھ میں لے کر اٹھنے لگا تو میری پٹیلیاں کھینچنے لگیں، کوئی اور  
پڑنا تو میں دوبارہ وہیں لیٹ جاتا لیکن اس وقت میری جان بڑی  
ہوئی تھی۔ ایک جھڑکا مجھے یہ بھی لگا ہوا تھا کہ اس مقبوتہ خانے  
کی ویرانی باہر موجود کسی شخص کو اپنی طرف متوجہ نہ کرے۔ یہ تو سوچا

بھی نہیں جاسکتا تھا کہ مجھے جس تل گھر میں لڑا تھا ان ڈیلوں نے،  
وہ کسی ویلانے میں واقع ہوگا۔ یقیناً یہ جگہ کسی عمارت کا تارخا نہ کوئی  
ایسا حصہ تھی جہاں سے اٹھنے والی بیچ و بیکار کی آوازیں عمارت کے  
باہر کسی کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ ایسی صورت میں اس  
کمرے کے باہر یا عمارت کے کسی اور حصے میں کچھ اور لوگوں کی بوجھ  
بھی ضروری تھی۔ جو لوگ اس عمارت میں موجود تھے وہ میری یہاں  
موجودگی سے ہی واقف رہے ہوں گے۔ وہ یہ بھی جانتے ہوں گے  
کہ ظہیر احمد مجھے کس مقصد سے یہاں لایا ہے۔ چنانچہ میرا جلد از جلد  
باہر نکالنے کا ضروری تھا۔ میں نے بہت کمرے کے پاس پالو و وزن  
اپنے بیروں پر ڈال دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرا سر  
چھوڑنے کی طرح ڈھک رہا تھا۔ نہ جانے اس میں کتنے شگاف ڈال  
دیے تھے اس ظہیر احمد کے لڈا ان کے، ابھی میں سے مورس رس کر  
میرے چہرے اور گردن پر جیسے کیا تھا۔ پڑنا ہی نہیں گئی جگہ سے  
پھٹ جاتی تھی اور پرے پر سو بھن کی وجہ سے آنکھوں کو گھولے  
رکھنا دشوار ہوا تھا۔ میں نے فیصہ کے دامن سے انھیں اور نہ  
صاف کر کے اپنے ڈمگاتے قدموں کو مضبوطی سے زمین پر جما دیا اور  
سنبھل سنبھل کے آگے بڑھنے لگا۔ جانو کے پستول کے پاس جا کر میں  
وہ پستول اٹھانے کے لیے جھکا تو میری کمر سے اٹھنے والی ٹیسوں نے  
مجھے دوبارہ سیدھا ہوا سے پرہیز کر دیا۔ میرا جی جا پا کہ لات مار کے  
اس پستول کو دور پیچید دوں، مگر پھر اس خیال سے رک گیا کہ ممکن  
ہے باہر مجھے ایک سے زیادہ لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑے تو ایک  
پستول کا کافی ثابت ہو۔ چنانچہ سیدھا کھڑے ہی کھڑے میں آہستہ  
آہستہ گھٹنوں کو خم دیتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا اور پستول اٹھ کر دوبارہ  
سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حالت میری ایسی ہو رہی تھی کہ رات کے اس  
سے کوئی کمزور دل آدمی مجھے دیکھ کر توجہ نہ کرے گا۔  
دونوں ہاتھوں میں پستول تھامے، ہاتھوں کے قدم رکھا ہوا میں  
باہر نکلا تو چپا چپا کہ میں کسی تھانے میں ہیں تھا۔ میں جہاں کھڑا تھا  
وہ بھی ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ تیز روشنی کا ایک بلب وہاں روشن  
تھا۔ میرے دائیں بائیں دو دو کمروں کے دروازے اور بھی نظر  
آ رہے تھے۔ ادھر ادھر بے شمار ملاکی کی پیشیاں چھنی ہوئی تھیں۔  
سامنے ہی اوپر جانے کے لیے نہر تھاجس کے اوپر دو دروازے  
کوئی ایسا راستہ نظر آ رہا تھا جسے باہر جانے کے لیے استعمال کیا  
جاسکتا۔ دیوار بالکل سیاہ تھی۔ اسے دیکھ کر وہاں کسی راستے کی  
موجودگی کا تو کمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں نے ادھر ادھر نظر  
دوڑا کہ کوئی ایسا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی جو مجھے اس تھانے  
سے باہر نکال سکے لیکن ابھی تو مجھے دروازے نظر آئے ان سب  
میں تانے ٹک رہے تھے۔ میں نے ذہن پر پڑھ کر اوپر کی



دلواریں راستہ تلاش کرنے کے ارادے سے میر جیوں پر قدم دھر دیا۔ میر جیوں نے میر جی سے بہت دشواری پیش کر رہی تھی ، پیر بار بار ٹکڑا جاتے تھے۔ کہ اور سے درد کی لہر اٹھ اٹھ کر پورے بدن میں دوڑ رہی تھیں۔ پھر بھی میں نے ہمت نہیں ہاری اور سنبھل سنبھل کر ایک ایک قدم اٹھانا اور پر جھپٹنا چلا گیا۔ شاید وہ اوپر سے پانچویں میڑھی تھی جی پر پاؤں دھرتے ہی میر جی کی پانپانے لگی تھی اور میرا توازن بچوٹے لگا تھا۔ میں نے گھبراہٹ سے اس پر سے پیر ہٹالیا اور پیسے غور سے اسے دیکھنے لگا۔ بظاہر اس میں خرابی کوئی نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے احتیاط کے ساتھ ایک ہی راتھا کر ایک بار پھر اس میڑھی پر رکھ دیا اور آہستہ آہستہ اس پر زور ڈالنے لگا اس بار اس میں کوئی حرکت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ پھر بھی بہت محتاط انداز میں پیر جھا کر میں نے اس پر دوسرا پیر رکھا، میرا پورا وزن پیر سے ہی وہ میڑھی تھوڑی سی نیچے دبی اس کے ساتھ ہی دیوار کی طرف سے ہلکی سی آواز سنائی دینے لگی۔ ایسی جیسے بہت سی مکھیاں بہن بچھانے لگی ہوں۔ میں نے سراٹھ کر اور دیکھا۔ نہ سنے کے اختتام پر نظر آنے والی دیوار کا تین فٹ چوڑا ٹیلا حصہ نیچے سرک کر چلا جا رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ پورا ٹیلا نیچے جا کر غائب ہو گیا اور اس کی جگہ اوپر جانے کا راستہ دکھائی دینے لگا۔ میں حیرت اور خوشی سے اسے دیکھتا ہوا اوپر جا پہنچا۔ یہ ایک جھوٹا سکرہ تھا جس میں دیواروں کے ساتھ ساتھ تین طرف پھول کی پٹیلیاں جپی ہوئی تھیں۔ جس راستے سے میں اوپر آیا تھا وہ بھی میرے اس کمرے میں قدم رکھتے ہی بند ہونے لگا تھا۔ جیسے ہی وہ دیوار برابر ہوئی پھولوں کی پٹیوں کی ایک قطار دائیں جانب سے سرک کر اس خالی جگہ پر جا بیٹھی۔ میرے لیے یہ بڑی حیرانی کی چیز تھی۔ میں نے آج سے پہلے ... دیواروں اور فریٹ کی پٹیوں کی قطاروں کو اس طرح اپنے آپ حرکت کرتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس ردیل ظہیر نے بتائیں کہ کیا شدیدی نظام قائم کیا ہوا تھا وہاں۔ میرے جیسے آدمی کی عقل میں تو ایسی چیزیں سما ہی نہیں سکتی تھیں کبھی قتل و غارت گری تو میں نے بھی بہت کی تھی اور وہ یہ بھی خوب کا یا تھا مگر وہ میرے کسی کام نہ آتا تھا۔ اپنے دشمنوں اور قانون سے بچنے کے لیے چاروں ہی سمتیں دیکھ والی تھیں میں نے۔ حتی کہ امریکہ کی خاک جھان آتا تھا مگر کوئی ایسی پناہ گاہ بنا کے بیٹھ جانے کا خیال کبھی میرے دماغ میں راہ نہیں پاسکا تھا۔ ایک وقت

وہ کہہ جہاں اس منہ پر کاہا نہ تھلا تھا جس میں سے برآمد ہو کر میں وہاں آیا، اب کسی فروغ جرنیل کے گودام کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس گودام میں داخل ہونے والا کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس گودام کی کوئی دہریہ زردہ کر کے نہ والی بھی ہے یہاں بھی کسی علی بابا نے کھلا جاسم جیسا کوئی دروازہ چھپا رکھا ہے، جس کے پیچھے اس کے اعمال کا سارا کارا حساب محفوظ رکھا ہے یقیناً اس ظہیر احمد نے وہاں پھلوں کے ذریعے منشیات کی پیمبر کا بڑا منظم اور مامون سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اوپر پھلوں کی بیٹیاں اور نیچے ترخانے میں منشیات کا ذخیرہ کر رکھا تھا۔ اس لئے خراب پھلوں کے ساتھ لائی جاتی تھی کہیں سے یا اس کے اس طرح کہیں روانہ کرنے کا اندوشت کا جاتا تھا۔

وہ کسی کو کھٹی کار کبھی حصہ نہ تھا۔ سامنے ایک کشادہ سبزہ نارا تھا جس کے چاروں طرف ڈم ڈم ڈم کی ہارنگی تھی سبزہ زار پر بچوں کے کھیلنے کے جھولے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں موجود تھیں۔ گودام کے دروازے کے بالکل سامنے وہ سڑک کار کھڑی تھی جس میں ٹھوس کروہ مجھے یہاں لائے تھے۔ میں نے دروازہ کھولا سا اور کھول کے کار کا پوری طرح جائزہ لیا تو ڈرائیونگ سیٹ پر مجھے ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آگیا۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آرام سے پھیل کر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دروازے کو دھیرے دھیرے کھولا اور کسی طرح کی آہٹ پیدا کیے بغیر باہر نکلی۔ ایک لمحوں تک رک کر ماحول کا جائزہ لینے کے بعد کمرہ قدم چلے آیا میں کار کے نزدیک جا پہنچا۔

اس کی یہ بات سن کر میں نے انذارہ لگایا کہ لوگ دیکھ لیں مجھے جان سے مار دینے کی نیت رکھتے تھے۔ وہ مجھے پھر سے دھڑکے ٹھکانے لگانا چاہتے تھے، بس کسان کا یہ کہنا کہ اذیتیں دے دے، کہ بڑی درد منگی سے انتقام کی آگ بجھانا چاہتا تھا وہ ظہیر احمد۔ میں نے عمداً کیا کہ آئندہ سامنا کرنا ہے میں اس بھڑکے کا قصہ تمام کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ وہ اس کا ستم بھی نہیں تھا کہ کسی طرح کی رعایت دی جاتی رہے۔ مجھے خاموش یا کر ڈراؤ میں گرے گا۔ وہ میرے دھبے دیکھا اور مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ حیرت سے دیکھ لیا تو وہ کہہ گیا کہ "تم نیت...؟"

بستول گردن پر رکھا ہے میری۔ اگر حرکت کی کوئی تو گولی مار  
کے لاش توں کے آگے ڈال دوں گا۔ یہی چاہتا تھا نا تو بھی  
کہ میری لاش کتے بلیاں کھا جائیں؟  
”نہیں مائی باپ! تم کو نہیں بولنا تھا ہم“ اس نے کاجلی  
سے آگے بڑھا دی۔

اس نے فوراً بارن بکمان شروع کر دیا۔ دربان نے بارن سننے ہی تیزی سے اُٹھ کر گیٹ کھول دیا۔ ڈرائیور بخود صورت حال سے خاصا بدحواس ہو کر تھا۔ گیٹ کھلتے ہی وہ پوری رفتار سے کار کو باہر نکال لے گیا۔ مڑک پر آئے کچے بعد وہ بولنا "صاحب! اگر آپ بولے تو قسم آپ کو سزا کا پتہ سیٹھ کی کوٹھی پر چھوڑ دے؟"

”اس کو کون نہیں جانتا صاحب! آپ کو ادھر ہوٹل میں اس کے ساتھ ہی تو دیکھا تھا ہم لوگ نے۔“

”ٹھیک ہے، وہیں لے جاؤ مجھے۔ کیا تم مجھے

”نہیں صاحب! آپ کو تو وہم نے آج پہلی بار دیکھا ہے۔ چڑوہ باس جانتا ہے آپ کو بولتا تھا! آپ اس کو کبھی چوٹ دے گیا تھا۔ وہ بڑا لفظ ناک آدمی ہے صاحب! ادھر بڑا بڑا لوگ دب کے دھت ہے اس سے۔ آپ بہت عجیب دار آدمی ہے، ہم ایسے آدمی کی بہت کد رکرتا ہوں۔ کیا آپ نے ان لوگ کو بالکل کھتم کر دیا ہے صاحب؟“

”نہیں یار! اب ایسا بھی آدمی نہیں جوں میں کہ فرمائی

”آپ اس کو خبر اسی بات بولتا ہے، وہ تو آپ کو کھتم کر دینے کے واسطے لے گیا تھا اٹھاکے۔ ہم حیران ہوں، آپ بچ کیسے گیا ان سے اور وہ چار آدمی تھا، آپ ایسا کیا تھا پھر بھی آپ نے ماروے دیا ان کو“

کیوں اگل رہا ہے؟ کیا مصلحت ہے تیری اس میں؟ کہیں اس پستول نے تو زبان نہیں بدل دی ہے تیری؟“

”السلامات نہیں بولو صاحب! ہم بولا ہوں آپ کو کہ ہم جی دار آدمی کا کلام ہوں اور جو آدمی اس سال جانو کھا کر کھٹکتا ہے اس کو تو ہم سر پہ بیٹھا تا ہوں اپنے۔ وہ جانوئے ادھر باندھ کے رکھا ہوا ہے ہم کو۔ وہی لا تھا ہم کو ادھر نوکری کے واسطے۔ ابھی ہم کو ڈراتا ہے، دھمکی دیتا ہے کہ نوکری چھوڑے گا تو کٹس کر دے گا!“

میری حالت بہت ابتر تھی اور وہ مسلسل بولنے پر مجبور کر رہا تھا مجھے۔ آدمی وہ بھی کوئی دکھوں کا مارا ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی باتوں سے ہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس ماحول میں خوش نہیں ہے۔ کسی بڑی مجبوری نے اسے ظہیر احمد کے کھوٹے سے باندھ رکھا تھا۔ وہ کتنا تھا کہ جانو اسے وہاں کھولا تھا۔ یہ بات کسی حد تک درست تھی۔ اسے پرکھنے کے لیے کوئی پیمانہ کوئی کسوٹی تو تھی نہیں میرے پاس۔ میں تو یہی نہیں جانتا تھا کہ وہ مجھے شرافت علی کی کوٹھی پر ہی لے جا رہا تھا یا کسی اور دلدل میں پھینکے جا رہا تھا۔ کیا پتا اسے میری حالت کا بھی اندازہ تھا یا نہیں اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ میری باتوں میں آواز سے ہی معلوم کرنا چاہتا ہو کہ مجھ میں وہ پستول بھی زیادہ دیر تک اس پر سیدھا کیسے رہنے کی طاقت ہے یا نہیں۔ اس نے بس چند لمحے ہی مجھے دیکھا تھا۔ ادھر اس جیسے آدمی کے لیے میرا چہرہ خون سے رنگین ہونے کے باوجود یہ فیصلہ کرنا مشکل ہی تھا کہ وہ خون میرے اپنے زخموں سے بہہ رہا کہ یا تھا یا کسی اور کے لبو کی دھاریں مجھے غسل دے گئیں تھیں۔ وہ میری آواز کی نقابہت سے ہی کچھ اندازہ کر سکتا تھا، اس کے لیے ہی ایک ہی طریقہ تھا کہ مجھے مسلسل بولتے رہنے پر مجبور کیا جائے اور وہ ایسا ہی کر رہی رہا تھا۔ میں بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا اور اپنی خام تر توانائی صرف کر کے اپنی آواز کی گھنگر گھنگر کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔

”نام کیا ہے یا تیرا؟ تو آدمی کوئی مجھے بہت ہی دکھوں کا مارا لگتا ہے۔ بڑا درد ہے تیرے لہجے میں“

”ہاں جی، بچپن سے اب تک سکھ کا کوئی سانس نہیں لے سکا ہوں۔ سلاو نام ہے میرا۔ دیسے میرے ماں باپ نے تو سلمان نام رکھا تھا جی! اب ہمارے ادھر اصل نام سے کوئی کسی کو نہیں بلاتا میرا نام بھی انھوں نے سلمان سے سلاو کر دیا۔ جیسے وہ جان محمد جانو ہو گیا ہے“

”یہ جانو تیرا رشتہ دار ہے کوئی؟ کیا رشتہ ہے اس کے؟“

”ٹھیک ہے یا اب تو ٹھیک ہو جا اور مجھے جلدی سے پہنچا دے شرافت علی کی کوٹھی پر“

میرے لیے اب مزید بولنا مشکل ہو رہا تھا۔ میریں جی وہ ماں باپ بھی اس کے بہت نیک ہیں۔ یہ بتائیں اب بڑی طرح میں اس پر اپنی بیکردی ظاہر نہیں ہونے دیتا چاہتا ہوں کہ وہ خود کو ایک نہایت نیک لطیف اور منظم آدمی ثابت کرنے سے“

”مگر تم کیسے کہہ گئے اس کے ساتھ جب کہ تم یہ بھوکے جانتے تھے کہ وہ آدمی ٹھیک نہیں ہے؟“

”بس جی کی تباؤں قسمت کی کھلائی تھی میری۔ نوکر نے اسے اٹھا یا تھا وہ میرے لیے کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتے تھے۔ انھوں نے مجھے دھوکے سے قابو کر کے موت کی ٹیٹ بٹ بٹا دیا، مالک نے اس بات پر بھی کدی میری دیکھ نہ کیا تھا لیکن ابھی اس دنیا میں میرے کھوئے حالانکہ نقصان اتنا نہیں ہوا تھا اس کا۔ پھر میں بے کاروں کے بہت سے دکھ بانی تھے۔ ابھی میرے نام کا بڑا نہیں کرگا رہا بہت دن تک میری بے کاری سے تنگ آ کر گھبراہٹا تھا۔ اسی لیے میں نے شمار زخموں کو اپنے تن پر سجا کے اس کو بولا کہ مجھے نوکری سے لگا دو کسی جگہ۔ میں اس قبر سے نکل گیا تھا جو انھوں نے میرے لیے نہ جاننے اس نے ادھر ظہیر صاحب کے پاس ڈراموں لگا دیے تھے۔ میری یہ خیر پارہ تقدیر میرے ساتھ ان کا لے وہندوں کا پتا چلا تو میں نے نوکری چھوڑ دی۔ ابھی میرے لیے مرحلوں سے گزارتی بولا۔ اس پر اس کے جانوئے مالک طوطے کی مالک آنڈی تھی وہ مجھے۔ اور اب بھی ثابت نہیں تھا اسے۔ میری پھر میں۔ بولنے لگا نوکری چھوڑے گا تو جان سے مار دو حیات کے سارے تار پود بھیر کے رکھ دیے اس نے۔ ایسی بھول بھلیوں میں میں نے کھانا کھا دیا تھا اس نے مجھے کہ وہاں سے بھلے اپنی بہن کو چند کی بھر بھٹکا کھانا باڑے“

”ایسا کیوں کر تاسے وہ؟“

”جیسے زبردستی کوئی باندھا ہو گا تو کوئی راستہ ہی سمجھائی نہیں دیتا تھا۔ جس راہ پر قدم ہے اس نے؟“

”وہ صاحب جی! پہلے تو بولتا تھا میری بات کھرا بھگتے بھگتے گاؤں دھکی کر لے تھے میں نے اور یہ ستم ظریف جلتے گی ایسا کرنے سے، میں نے بڑی مشکلوں سے تقدیر مسکا کر میرا تہا شاکر کر رہی تھی۔“

”کار کے بچوں کے جبر کرنے کی آواز نے مجھے جوں کی تو تھا باس کو۔ میں پھر بھی نہیں مانا تو بولنے لگا۔ ابھی کے راج تیا جیل گئے تھے کچھ۔ نوادھر سے نوکری چھوڑ دی تھی۔ سلاو نے کار اس کو کھنی کے گیٹ کے سامنے روک دیا۔ اس نے کہا کہ کار سارا پول ٹی کھول دے گا۔ میں نے کھنی کے گیٹ کے ساتھ بیل کی ایک تختی نصب تھی۔ جس پر واسطے وہ جانے نہیں دیتے ہیں مجھے۔ ایک بار میں کھنی کے گیٹ کے سامنے بیل کی تختی میں شرافت علی کا نام لکھا تھا۔ تین دن تک تو یہ کتا جانو بھڑکے لے آیا تھا۔ مگر وہ بھڑکنا تھا۔ یہ وہ بھڑکنا نہیں تھا جس میں اس نے مجھے ٹھہرایا تھا۔ اس دن کے بعد میں نے کبھی نوکری چھوڑنے کو نہیں مانا۔ یہ اس کی اپنی اقامت گاہ تھی۔ میں نے سلاو سے کہا۔ اس سے۔ آج میرا دل بہت گھوس ہے صاحب! آج کچھ بڑا ترسہ کر دیا ہوں میں شرافت علی کھر والیس بدلا لیتے آپ نے ان سے“

”ہاں، یہ تو ٹھیک ہے لیکن اب تم مجھے چھوڑ کر کار کی گلی سے اڑ گیا۔“

اس آشنائیں مشاہدہ کار کی بیڈلائٹس دیکھ کر دربان گئے مجھے کیوں لے گئے تھے؟ وہ تمہارے کار کی شناخت کے لیے بغلی دروازہ کھولی کر باہر چھان گئے پھر کوئی زیادتی کریں“

”وہ جی، میں آپ کو کھو دو تو لے کے نہیں آیا ہوں“

لگا تھا۔ سلاو کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ سلاو نے اس کے قریب جا کر اس سے کچھ بولا تھا۔ مگر اس کی آواز بھید تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ جواب میں دربان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کچھ کہا۔ میں نے اس کے انداز سے سے ہی سمجھ لیا کہ شرافت علی وہاں نہیں پہنچا ہے ابھی۔ سلاو نے واپس آکر بھی یہی بتایا مجھے۔ ”وہ گھر پر نہیں ہے صاحب!“

”اس سے پوچھو اسے اس بنگلے کا فون نمبر معلوم ہے جہاں اس کے کچھ مہمان آ کر کھڑے ہوتے ہیں؟“

سلاو نے وہیں کھڑے کھڑے میرا سوال ادنیٰ آواز میں دربان تک پہنچا دیا۔ دربان کوئی بہت ہی اطاعت گزار قسم کا آدمی تھا۔ وہ باہر نکل کر ہمارے قریب آئے ہوئے بولا: ”وہ تو ہی مس صاحب کو پتا ہو گا۔ آپ بولے تو ہم اس کو فون کر کے پتا کر لے“

میں نے اشارے سے اسے اپنے قریب بلا کر کہا۔ ”مس صاحب کو فون کر کے کہو کوئی ایسا آدمی میرے ساتھ کرے جو میں اس بنگلے تک پہنچا دے“

اس نے قریب آکر مجھے دیکھا تو ایک دم گھبرا گیا: ”اے صاحب! آپ کی موت زخمی معلوم ہوتا ہے؟“

”ہاں یار! میری حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں جلد از جلد پہنچنا چاہتا ہوں اس بنگلے پر“

”مگر آپ کو تو اسپتال جانا چاہیے صاحب! آپ ادھر کیوں جانا چاہتا ہے؟“

”میں لے کر شرافت علی مجھے دھوٹ پاجامہ پہنا کر لیں۔“

دراصل میں... میں اس کا وہی... مہمان ہوں جسے... جسے اس نے... اس... بنگلے... میں ٹھہرا ہوا... ہوا ہے... نقابہت کے سبب میری زبان لڑکھڑاتے ہی گئی تھی اور اب مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے کی طاقت ہی دشوار ہو رہا تھا۔ میں نے اب تک کس طرح خود کو سنبھالنے رکھا تھا میرے خود معلوم نہیں تھا۔ شاید وہ انسانی فطرت تھی جو مجھے اب تک سنبھال رہی ہوئے تھی۔ اپنے آپ کو خطرات میں گھر ادیکھ کر آدمی میں کوئی غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک اسے خطرے کی حدود سے نکل آئے گا احساس نہیں ہو جاتا وہ اسے ہمارا دیے رہتی ہے۔ میرے ساتھ بھی اس وقت ایسا ہی ہوا تھا۔ جب میں سلاو کے ساتھ تھا تو کسی نہ کسی طرح اپنا آپ سنبھالنے چھڑا رہا تھا۔ لیکن شرافت علی کے دربان کو سامنے باندھے ہی میری بہت جواب دے گئی تھی۔ میں اس سے بات کرتے کرتے ہی تاریکی میں

ڈوتا جاتا گیا۔ میرے ذہن نے جسے کی جاو رہی ہوئی پہلی گئی۔



میں نے انھیں حوالہ پر رہے اور گرد کا جائزہ لیا۔ میرے چاروں طرف کچھ لوگ کھڑے تھے جن کی شکلیں اتنی دھندلی تھیں کہ میرے لیے انھیں پہچاننا تقریباً ناممکن تھا۔ میرے کانوں میں ان کے ہونے کی آواز بھی آ رہی تھیں مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ ایسا لگا رہا تھا جیسے کئی افراد کہیں دھندھے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھ پیروں کو حرکت دینا چاہا مگر میں اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے ہاتھ پاؤں ریتوں سے جکڑے ہوئے ہوں۔ میں نے انھیں بار بار پیش نظر کھولنے آگے چھانی ہوئی دھند دور کرنے کی کوشش کی مگر اس میں بھی مجھے خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ البتہ میری اس حرکت سے اتنا حیرت ہوا کہ ایک دم کئی چہرے میرے بہت قریب آ گئے۔ میرے کانوں نے کسی کی دہلی دہلی آواز سنی۔ ہوش آ رہا ہے اسے اب۔

”ہاں، آپ لوگ سلسلے سے ہٹ جائیں اور جب تک یہ پوری طرح ہوش میں آ جائے کوئی بات کرنے کی کوشش نہ کرے اور کوئی ایسا سوال نہ کیا جائے جس کے جواب کے لیے اسے دماغ پر زور ڈالنا پڑے۔“

ان کی باتیں دیر سے دیر سے میری سمجھ میں آتی جا رہی تھیں۔ میری آنکھوں کے سامنے سے دھند بھی چھٹنے لگی تھی۔ آہستہ آہستہ وہاں موجود چیزیں مجھے نظر آنے لگیں۔ میرا ذہن بیدار ہو کر اپنے ارد گرد کے اجول کو اپنی طرح سمجھنے لگا تو میں نے گردن کو آہستہ آہستہ دائیں جانب گھمایا۔ سب سے پہلے میں نے جیسے پہچانا وہ نری تھی۔ جی، بالکل کا وہ حسین و جمیل فتنہ جسے میں سان فرانسسکو کے اپنے ساتھ لگا کر لیا تھا اور مجھے اپنی زلف گرہ گیر میں اسیر رکھنے کے لیے اپنے ناز و نیاز کا سلا کا سلا ذخیرہ مجھ پر بخالی کے دے رہی تھی۔ مجھے اپنی طرف دیکھتے پکارو آگے بڑھ کے میرے قریب آ گئی۔ میں اسے عزت دیکھتا ہی رہا۔ چند لمحوں کے سر پا کا جائزہ لینے کے بعد میں نے اس کی طرف سے نظریں ہٹائیں اور سر اوپر اٹھا کے اپنے سر ہانے دیکھنے لگا وہاں شرافت علی تھا اور اس کی آنکھیں مجھ پر مچی ہوئی تھیں اور جوتے یوں پکپکا رہے تھے جیسے وہ مجھ سے کچھ پہنچانا چاہتا تھا۔ کرنی آواز اس کے حلق سے کسی طرح آزاد نہیں ہو پا رہی تھی اس طرح اوپر دیکھنے سے میرے سر میں دھمک ہونے لگی اور انھیں میری درد کر انھیں۔ چنانچہ میں نے نظریں جھکا لیں اور ایک بار پھر نری کو دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے جھک کر بولی۔ ”اب آپ کی طبیعت کیسی ہے جناب عالی! کیا محسوس کر رہے ہیں اب آپ؟“

یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہ آ سکی تھی کہ آخر نری کیا ہے اور میں اس طرح کیوں پڑا ہوا ہوں۔ میرے ہاتھ پر کوئی انھوں نے اس طرح کیوں جکڑ رکھا ہے کہ انھیں حرکت نہ کر سکیں۔ نری کے سوال کرنے پر میں نے اس سے کہا: ”مجھے کیا ہوا ہے نری؟“

سوال کرتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میری آواز بہر کوں تھا اس نے مجھے جیسے میں کسی گمراہ کوں ہوں۔ میرا سلا بدن اس طرح پکلا گیا تھا جیسے میرے اوپر سے روڑ اندر سے بول رہا ہوں۔ نری نے مجھے تسلی دینے کے انداز میں، دروازہ دیا گیا ہو۔ دوسرے ہفتے میں اس قابل ہو سکا تھا کہ اپنی پشت ”کچھ نہیں جناب عالی! وہ آپ کا ایک ہیڈنٹ ہو گیا تھا۔ وہاں کوکرام پہنچانے کے لیے اٹھ کر بیٹھ سکوں اور لوگوں سے بات سڑک پر بہت معمولی سی چوٹیں آتی ہیں آپ کو۔ ڈاکٹر نے دو اپنٹ کر کے دل ہلا سکوں اپنا۔ شرافت علی نے میرے علاج اور رگادی ہے اور کرام کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اب آپ آنکھیں میری ضروریات کا اس طرح خیال رکھا تھا جیسے میں اس کا بھائی ہوں۔ کر کے سونے کی کوشش کریں۔ دماغ پر زور نہ ڈالیں۔“ وہ مرد اپنا خاصا وقت میرے ساتھ گزارتا تھا۔ نری نے بھی اس نے اپنے ہاتھ سے میری آنکھیں بند کر دیں۔ میرا اس موقع پر میری دلچسپی بھال اور ہمارا دلیری کوئی لمحہ نہیں کی تھی۔ سر میں درد کی لہر اس گھبراہٹ کے دے رہی تھی۔ اس نے مجھ معنوں میں ایک وفا شعار اور شوہر پرست پاکستانی میں نے یہ یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ نری جس کی کینڈہ پڑا ہوئی کا کہہ سکتا تھا۔ اس کی یہ خدمت گزار کی دیکھ کر کوئی شرمیلی کر رہی تھی، وہ کب اور کہاں ہوا تھا۔ لیکن دماغ پر ہلکا کر لیا تھا کہ وہ امریکہ جیسے بار بار آزاد معاشرے کی پروردہ دیتے ہی مجھے اپنا سر چھٹا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے کوئی نری کی طرح کہہ ”اور بڑے ہی خوف ناک منصوبوں کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔ نری نے میرے چہرے سے شدید میرے“ مجھ سے ناک دی گئی تھی۔ مجھے خود بھی کبھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ کا اندازہ کر لیا تھا۔ بولی۔ ”کیا بات ہے جناب عالی! آپ اتنا کھار، میں گر کر میری سمجھ سے اس کے ہاتھ میں جھوٹ تو نہیں ہلا تھا۔ کیا ان کے جھوٹ بولنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی؟“

”میرے سر میں بہت شدید درد ہے۔ سر پھٹا جا رہا ہے میرے۔ دوسری طرف آنکھ فٹیل کا ڈاکٹر کا دار بھی میرے دل دماغ میں سے منہ سے، مشکل آواز نکلی۔“

”آپ اپنے دماغ پر بالکل زور نہ دیں جناب جیسے انکشاف اس کے بارے میں ہونے لگے تھے مجھ پر انکے پیش نظر بس آرام سے لیٹے رہیں۔ کچھ یاد کرنے کی کوشش نہ کریں کی گری کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ڈھونڈیں۔“

”نظر میں، میں انھیں انجکشن دے دیتا ہوں، تاکہ بنگا نہ خفا۔“

انہوں نے اس بات کا کہ میں اپنا ذہن پوری طرح آزاد نہیں کر سکا۔ وہ کینڈہ فلیور احمد مجھے دھوکا دے کر تمہیں اپنے ساتھ باندھ لے گیا۔ مجھے ایسی غفلت نہیں رہنا چاہیے تھی۔ میں اگر انھیں تنہا چھوڑ کر نہ جاتا تو وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔“

”کامیاب تو وہ یوں بھی نہیں ہو سکتا تھا اگر مجھے اس کے ارادے کی ذرا بھی جھٹک مل جاتی، اب اتنا بھی ہے جان مٹی کا مادھو نہیں تھا میں کہ وہ مجھے آسانی سے اٹھا کر لے جاتے۔ بس دھوکا ہی کھا گیا تھا میں بھی۔“

”مگر ہوتا تھا، کیا تمہاری اس سے کوئی پرانی دشمنی تھی؟“

”نہیں، بارہ دشمنی اس سے تو میری کیا ہوتی، وہ ڈاکٹر دھمن اور عالیہ کی معاملہ تھا۔ ان لوگوں نے میرے بارہ مسلم کو اپنی باندھ لیا تھا اس کے ذریعے۔“ میں نے اسے وہ سارے واقعات تفصیل سے سنائے جو کراچی میں میرے اور آپ کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اور جس کے نتیجے میں آپ کو اپنی آنکھوں سے عروم ہونا پڑا تھا۔

”ہاں ہاں، یہ ساری باتیں تو مجھے بھی معلوم ہیں، مگر اس کا انتقام بھی تو بے خوف و ناک طریقے پر لیا تھا ان سے، مگر ان واقعات سے ظہیر احمد کی تعلق تھا؟ اسے تو ڈاکٹر دھمن نے اس کی خدمات کا موازنہ اس سے کہیں زیادہ دیا تھا جو ان کے درمیان لے ہوا تھا۔ اور پھر جب تمہاری ڈاکٹر سے دوستی ہو چکی ہے تو اب پرانی باتیں دہرانے سے کیا فائدہ؟“

”مجھے بھی اس بات پر حیرانی تھی۔ میں نے اسے سمجھا بھی تھا کہ میں اس واقعہ کو جھوٹ چکا ہوں وہ بھی اس کا ذکر نہ کرے لیکن اس کے سر پر تو انتقام کا جھوٹ سوار تھا۔ وہ کہتا تھا میں نے آپ کو اس کی قید سے رہائی دلانے کی کوشش کرتے ہوئے اسے دھوکے سے بے ہوش کر دیا تھا۔ وہ مجھ سے اس کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔“

”ہاں میں جانتا ہوں اسے، ایسا ہی کینڈہ ہے وہ کہنے کا کا تچہ۔ اگر کسی وقت کسی سے لڑنے میں بھی اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اسے جھوٹا نہیں ہے وہ اور موقع ملے ہی اس کا بدلہ لینے کی کوشش کرے گا۔ اب کچھ میں آیا ہے میرے کہ اس روز جس پر کے ذریعے ہوش کے ڈانٹنگ ہاں میں بلائے والا اسی کا آدمی تھا۔ اس نے اس طرح مجھے دہاں سے بٹا کے تم پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نکالا تھا۔“

”اچھا، تو کیا ہوش میں دلیں جانے کے بعد، وہ تمہیں نہیں مل سکتا تھا جس نے میرے کے ذریعے تمہیں ہوش کے ڈانٹنگ ہاں میں بلایا تھا؟“

”نہیں، میں جب ڈانٹنگ ہاں میں پہنچا تو بلانے والا

وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ میرا بھی پہلا بہت پریشان ہوا تھا۔ اس نے ہوش کے مختلف حصوں میں اسے کافی دیر تک تلاش کیا تھا مگر وہ اسے کہیں نہ مل سکا۔ میرے اس صدمہ مندہ تھا اور بار بار مجھ سے معذرت کر رہا تھا۔ میں خود بھی الجھن کا شکار ہو گیا تھا کہ آخر وہ کون شخص تھا جس نے اس طرح بلایا مجھے اور پھر خود غائب ہو گیا۔

واپس میں جب تم مجھے نہیں ملے تو میں نے کچھ دیر مختار انتظار کیا۔ خیال میرا یہی تھا کہ شاید تم کسی ضرورت سے ادھر ادھر کییں چلے گئے ہو اور جلد ہی واپس آ جاؤ گے لیکن جب تم کافی دیر تک واپس نہ آئے تو میں نے خود ہوش کے آس پاس متحویں تلاش کیا۔ کچھ لوگوں سے مختار اعلیٰ تاکر محرم بھی کیا مگر کوئی نہ مختارے پاس سے کچھ بھی نہ بتا سکا۔ میں بھی شاید یہ شخص وہ شخص ہوں سے ہاں کہیں نظر آ گیا تھا جسے تلاش کرنے کے ہم دونوں نکلے تھے اور تم اس کے پیچھے لگ گئے ہو۔ چنانچہ میں واپس آ گیا اور یہاں پہنچ کر مختار انتظار کرنے لگا۔ مختاری واپس جس طرح ہوئی تھی اس نے تو مجھے کچھ سوچنے چھنے کے قابل ہی نہیں رکھا تھا۔ اب مختاری زبانی صحیح حالات کا علم ہوا تو یہ اندازہ ہوا کہ انہوں نے میرے ساتھ چال چلی تھی۔ وہ بلا دوا دراصل مجھے تم سے الگ کرنے کا ہاتھ تھا۔

”ہاں ایسا ہی ہو گا شاید۔ پھر بھی اگر وہ جانو مجھے بھیجے دھکا دے کر اچانک کار میں لگا دیتا تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے جاتے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے کبھی بھی۔ بس کچھ وقت ہی ساتھ دے گیا تھا ان کا۔“

”وہ جناب عالی! میرے لیے بھی یہی بات حیرانی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ میں نے ادھر سان فرانسسکو میں آپ کو بڑے بڑے خوف ناک لوگوں سے مقابلہ کر کے انھیں زیر کرتے دیکھا تھا۔ پھر وہ آپ کو کیسے اپنے شیخے میں جکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی میری۔“

”ہاں لڑی! آدمی سامنے کھڑے دشمن سے آسانی کے ساتھ مائیں کا سکا۔ سامنے سے آ کر گئے ہیں پھندا ڈالنا چاہے کوئی تو ایک پیچ بھی مزاحمت تو کرتا ہی نا، لیکن فریب کی اندھی آدمی کے پیروں سے زمین نکال دیتی ہے مزاحمت یا مقابلے کی نوبت ہی نہیں آتی اور دشمن اپنی عیاری پر انگلیں، بجا ان شرع کرنا ہے۔“

”چلیں، اب خاک ڈالیں ان پر! آئندہ جب تک یہاں گراچی میں ہیں ہوشیار رہیں ان سے۔“

”خاک تو میں اب ان کی قبروں پر ڈالوں گا لڑی بیگم! ساڈے ناں مختار کے چنگا نشیں کیتنا اٹھوتے دسے پڑوں نے سنناں جیر دیاں گا میں ایک ایک کی۔ بس جان بکڑ لینے دو مجھے ذرا۔“

”وہ تو خلیک سے جناب عالی! مگر اس طرح تو آپ اگر قتل ہیں الجھ کر رہ جائیں گے۔ بات بڑھ گئی تو پھر بری پڑی جی جائے گی۔ جبکہ آپ جلد سے جلد لاہور پہنچ کر اپنی ماں جی سے سلام علیکم ماں کی! کسی میں آپ! طبیعت تو خلیک سے نا ملنا چاہتے ہیں۔“

”یہ تم نے بہت اچھی بات یاد دلادی ہے اس گھڑی میں نے تو ادھر ماں جی سے فون پر بات کرنی تھی۔ اس بات میں حیدر کو کہہ دیا تھا کہ وہ ماں جی کو بتا دے میں صبح ان سے بات کاؤں پر۔ اس سوز کے تیز کلیر احمد نے مجھے اس کا بھی موقع دیا۔ کیا سوچتی ہو ماں جی! کیا سوچتا پتہ کیا ہے اس سے جسے یہ نصیب ہوں تیرے وطن۔ تو کیوں ہو نصیب۔ رب تیرا کے قول و فعل کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے۔ گھڑی میں کچھ کہہ کر انھیں ہوا تیرے نصیب جاتے رہیں ہمیشہ۔ تو خلیک سنا بیٹے! اور گھڑی میں کچھ کہہ کر اس کی زبان نکلتی ہے ایک جگہ نہ پاؤں بس۔“

”ہاں، ماں جی! اب لپکا ٹھیک ہوں میں۔ آپ کی وجہ میں جو سادہ ہیں میرے۔ پھر مجھے کیا ہو سکتا ہے؟“

”لیکن اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟ حالات ہی آپ کو ایسے پیش آتے رہتے ہیں، چلیں اب بات کر لیں ان سے۔ ہمیشہ پتہ لگتی دن ہوئے جب اس حیدر نے بتایا تھا تو نے فون ”ہاں لاؤ فون فلا میرے پاس لے آؤ میں انھیں سہی تھا کراچی سے اور میرے پھر فون کرنے کو کہہ دیا تھا اس سے۔ تو دوسرے ہی دوں کچھ پتا نہیں کیا حال ہو گا ان کا۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے، تم ماں جی سے بات کر کے آخری آواز پر کان دھرے بیٹھی رہتی ہوں۔ آج اتنے دن کے بعد سمجھا دو کوئی حال تھا لاہور آنا ممکن نہیں ہے۔ ایسا لگتے تھے خیال آیا ہے پھر فون کرنے کا؟“

”وہ ماں جی! بس کیا بتاؤں، اچانک ایسے ایسے کا فنگل سکا۔ معاملات ابھی ہی جارہے ہیں۔“ شرافت علی بولا۔

”اے ہن! کہ ایک بل بھی فرصت کا نکالنا مشکل ہو جا تا ہے۔ آج ذرا وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا، یہ میں اچھی طرح سمجھ رہا تو سی فرصت ملے ہی میں نے آپ کو فون کر دیا ہے بڑی یاد آتی اسے ان بہروں کی فکر لاحق تھی۔ وہ جب تک مل نہیں؟ میں ماں جی آپ مجھے۔“

”وہ میری جان چھوڑنے کو آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ جانتے۔“ ہاں، بیٹا! پتہ تو میرا۔ پر کا کا ایک بات سمجھ نہیں نے کن کن لوگوں سے ان بہروں کے سودے کی بات کر آئی تیری مجھے؟“

”وہ کیا ماں جی! کون سی بات کا ذکر کر رہی ہیں آپ؟“

”پتہ ابھی تیری ایک کیلی تو جان ہے اور رب نے تجھے اتنا کہاں اور انھیں میرے پاس سے اڑا لے جالنے والا تھا کچھ دے دکھا ہے، پھر تو کیوں لا مارا پتہ ہے میرے خیال پر؟“

”کون ہے؟“

”میرے بغیر یہ معاملہ کتنا اس کے لیے آسان بات ماں جی! پتہ لا مارا پتہ ہے میرے خیال پر؟“

”تھا اور مجھے اس ذیل ظہیر احمد نے تیرے دن سے بستر پر لگا کر اور اسے اور کچھ چین کے ساتھ گھسا کے پیٹھ جا پاتا۔ بڑی چاہ اور ابھی مجھے مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے لیے کم از کم اسے مجھے تیرا گھبراہٹ دیکھنے کی میری زندگی کا اب کوئی پھر دوسرے نہیں ہے ہفتہ اور دو کار تھا۔“

”لڑی نے فون لاکر میرے سامنے ایک اسٹول پر رکھ دیا۔ نکل جاتے کی نہیں تو تیری صورت کو ترستی ہی نہ رہ جاؤں میں۔“

”نہیں تانی سے ریسور تھا کمرہ ڈال کر دیے۔ دوسری ہی تھی۔“

”اس بار خود ماں جی نے؟“

”میرا ہر حال میں آپ کی دعاؤں کی بڑی ضرورت رہتی اٹھا تھا۔ ان کی آواز سننے میں میرے دل کا غلیب ہو گیا تھا، مجھے مجھے، جلا وطنی نہ تپا ہے آپ کے دم سے۔ میں کوشش کر رہا پسینے کے ننھے ننھے قطرے ابھرنے لگے تھے اور دل میرا بڑبڑا ہواں میں جلد سے جلد آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہونے طرح ہٹے لگا تھا میں نے اپنی آواز کو بھر سنے سے روکنے کے لیے ایک مشلا الجھ کر رہ گیا ہے یہاں جس کی وجہ سے کچھ اور دن کوشش کی تھی اس کے باوجود میں جب ہلا تو یوں لگتا تھا۔“

”گرا چہ پڑ جائیں گے مجھے کراچی میں۔ ورنہ تو میں اس حیدر سے بات کرنے کے دوسرے ہی دن لاہور آ رہا تھا۔ دعا کریں اس

جھنجھٹ سے جلدی جھوٹ جاؤں۔“

”خدا تجھے اپنی امان میں رکھے گا! آپ پر یہ بات تیری مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی ہے کہ جس رب نے تجھے اتنا سب کچھ دیا ہے تو اسے بھی دوسرے تک نہیں کرنا یہ ساری مہبتیں جو تجھے گھرے رہتی ہیں نا، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ اسے یاد کرتا رہا کہ بیٹے! اگر وہ بھی مجھے بھول جائے تو تیار کیا آخر جو اس دنیا میں۔ فکر کرتا رہا کہ اس مالک کا جو انھیں بھی نہیں بھولتا جو زمیں کی بھڑاس کا نام تک نہیں لیتے اور بیٹا اس آسیر کی بھی کچھ خبر ہے مجھے؟ کس حال میں ہے وہ؟ تو تو کتنا تھا بہت جلد سے آزادی دلا دے گا لیکن اب تو ایسا لگتا ہے جیسے مجھے اس کی بھی کوئی فکر نہ رہی ہو۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ ماں جی! وہ ایک ہی تو بس ہے میری، میں اس کی فکر بھی نہیں کر سکوں گا تو میرے جینے کا نامہ کیا ہے۔ اسی کی خاطر میں لا مارا پتہ رہا ہوں۔ بہت باہر پھرتے ہیں میں نے اس کے لیے لے کر کوئی صورت بن نہیں پا رہی ہے۔ کوئی ذریعہ اب تک کام نہیں آ سکا ہے میرے، پھر کبھی میں نا امید نہیں ہوا ہوں ابھی۔“

”میرا یہ مطلب نہیں تھا کا کا! میں جانتی ہوں اپنی بہن کو مصیبتوں کے حوالے کر کے تو سکون سے نہیں بیٹھ سکے گا کبھی۔ مگر دیکھنا پتہ! اب ہوں نا میں اس کی، دل میں پتا نہیں کیسے خیال آتے رہتے ہیں اس کی طرف سے۔ طرح طرح کے دوسرے سرائیلتے رہتے ہیں۔ سوچتی یہ ہوں کہ خدا نے مجھے آج اس قابل کیا ہے کہ تو بڑی بہن کے دامن میں خوشیاں بھر سکے تو وہ نصیبوں کی ماری اپنے حصے کی خوشیاں سینٹے کے بدلے اس جہنم میں جا چھ رہی ہے۔“

”ماں جی! باتوں نے میرے سینے میں انگارے بھر دیے تھے۔ ان کے لیے میں چھپا ہوتا کار کرب مجھے بے حال کر گیا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے اس جے کے گرد اسٹول کا انبار لگا دیا تھا، ہر طرح کا سکھ دینے کی کوشش کی تھی انھیں، لیکن اس آسیر کے روگ سے انھیں نجات نہیں دلا سکا تھا، آسیر کے بغیر ان کے سینے میں ہر آسائش خوار بن کر نکلتی تھی۔ مگر میں کبھی کیا سکنا اس سلسلے میں۔ وہ اپنے سیاہ اعمال کے ہاتھوں ایسے شیخے جا چھتی تھی جہاں سے آستہ زاد کرنا مجھے کسی طرح ممکن نہیں نظر آ رہا تھا۔ وہ ایسی دلدل میں جا تری تھی جہاں سے نکلنے کی کوشش اسے مزید تھمے میں لیے جارہی تھی۔ یہ بات میں ماں جی سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ اگر انھیں آسیر کی آزادی کی آس نہ رہی تو ان کی سانس بھی ساتھ چھوڑ دے گی ان کا۔ اور یہ مجھے کسی حال میں بھی منظور نہیں تھا۔“

میں نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا: ”ماں! امید نہ ہوں ماں

جی! دعا کرتی رہیں خدا سے۔ سنا ہے ماں کی دعائیں تو عرض ہلاتی ہیں۔ آپ کی دعائیں اور میری کوششیں ایک دن کارگر ضرور ہوں گی۔  
 "ہاں بیٹا! وہ جلا غفور الرحیم ہے۔ مجھے یقین ہے وہ تیرے پاس نہیں کرے گا۔"  
 "وہ حیدر کہاں ہے ماں جی؟ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے نا وہ آپ کے ساتھ؟ کوئی گڑبڑ تو نہیں کرتا؟"  
 "نہ نہ بیٹے! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ اور بالی دونوں بڑی جی جان سے خدمت کرتے ہیں میری۔ یہیں گھر میں ہی ہے وہ بلاؤں کیا اسے؟"  
 "ہاں ذرا بلا دیں اسے بھی۔ دو باتیں اس سے بھی کر لوں۔"  
 "اچھا ٹھہر ہلاتی ہوں ابھی۔"  
 "چند سیکنڈ ہی گزرے تھے حیدر کی چکر سناٹی دی مجھے۔ وہ جی سلام علیکم سردار صاحب!"  
 "اوئے حیدر! یہ تو یہ ہے نا؟"  
 "بالکل بالکل میں آپ کا خادم حیدر ہی ہوں سردار صاحب! حکم کریں جی کون سی خدمت ہے میرے لیے؟"  
 "تو ٹھیک تو ہے ناخیر نہ پتے؟ اور وہ تیری بالی گھر والی؟ وہ کیسی جا رہی ہے تیرے ساتھ؟"  
 "نچھ نہ پوچھیں سردار صاحب! چڑی کبل قسم کی شے ہے وہ ایک دم چھاپ کے پیچھے گئی ہے مجھے۔ مگر بہت آفت جناب جینے کا ڈھنگ سکھا دیا ہے جی اس نے آپ کے اس خادم خاص کو۔"  
 "اس کا مطلب ہے تو بہت خوش ہے اس کے ساتھ۔ اچھی گورنری ہے تم دونوں کی۔ اور وہ جو ایک ڈرائیور چھوڑ آیا تھا میں وہاں کیا نام تھا اس کا.....؟"  
 "وہ وہ نظام دین صاحب، نظام دین نام ہے اس کا جو وہ ہے جی وہ بھی۔"  
 "وہاں جی کو سیر کرانے لے جاتا ہے وہ کار میں بٹھا کے یا دن بھر گھر میں ہی بیٹھا اینڈا رہتا ہے؟"  
 "مشرق میں تو روزی لے جاتا تھا وہ، مگر پھر ماں جی نے خوش کر دیا ہے۔ ان کا تو جی دل ہی نہیں کرتا باہر نکلے کو۔ آپ کو اور آسیر بی بی کو بہت یاد کرتی ہیں وہ سردار صاحب! آپ آجائیں اب جلدی سے۔"  
 "ہاں یا! رہتا تو میں بھی میری گورنری زنجیریں ڈال رکھی ہیں حالات نے میرے پاؤں میں۔ اچھا وہ ماں جی کہاں ہیں کیا میں موجود ہیں تیرے قریب ہی؟"  
 "میں جی، وہ تو مجھے ادھر بھیجے کے خود باہر لان میں نکل گئی ہیں۔"

"یہ اچھا ہوا۔ کوئی فون تو نہیں آیا تھا میرے نام یا لکھا؟ پوچھتا ہوا تو نہیں آیا تھا مجھے؟"  
 "وہ جی پوچھتا ہوا تو کوئی نہیں آیا تھا مگر فون ضرور آچکا ہے تمہیں بار کوئی کثیر خان ہے جی وہ دیکھتا تھا جیسے ہی آپ واپس آئیں اسے اطلاع کریں اپنے آنے کی۔ فون نمبر کھوا دیا ہے اس نے اپنا۔"  
 "اچھا! تو نے کیا بتایا اسے میرے بارے میں؟"  
 "کچھ بھی نہیں بتایا جی میں نے اسے۔ وہ بہت پوچھتا تھا مگر میں نے کہہ دیا مجھے تاکہ نہیں گئے ہیں آپ۔"  
 "ہوں، اچھا اب اس کا فون آئے تو کہہ دینا میں کراچ میں ہوں ابھی تک۔ یہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے کچھ دن اور لگ جائیں گے مجھے ابھی کراچی میں۔"  
 "ٹھیک ہے جی، اب آیا اس کا فون تو یہی کہہ دوں میں اس سے۔"  
 "اور کوئی خاص بات تو نہیں ہے نا؟"  
 "نہیں جی، اور تو کوئی بات نہیں ہے۔"  
 "اچھا تو پھر میں فون رکھ رہا ہوں لب۔ وقت ایک دو دن بعد پھر فون کروں گا۔"  
 "اچھا! انڈی بیلی۔"  
 "رب رکھا۔ میں نے جواب لیا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔"  
 "اب آپ آرام کریں جناب عالی! بہت دیر ہو گئی ہے آپ نے آج۔ یوں ایک دم اتنی زیادہ محنت نہیں چاہیے آپ کو ابھی۔ آپ کی صحت کے لیے مناسب نہیں۔ یہ۔ دماغ کو آرام دیں ابھی آپ زیادہ سے زیادہ۔" میرے رکھے ہی لڑی محبت کرنے والی بیویوں کے انداز میں بچے کرنے لگی تھی۔  
 "میں دھیرے سے مسکرایا۔ اتنی زیادہ دیر تو بات نہیں کی ہے میں نے۔"  
 "لیکن جتنی دیر کی ہے وہ بھی بہت زیادہ ہے۔ اتنی بھی نہیں کرنا چاہیے آپ کو کنگشو۔"  
 "وہ مجھے کھینچتی ہیں میری خواب گاہ کے گئی اور۔ پرٹ کے آرام سے سونے کی بات کرتے کے واپس جاتے ہو خوب گاہ کا دروازہ باہر سے بند کر گئی۔"

میں قسم کی جسمانی کمزوری کا احساس بھی سونے دیتی مکمل طور پر صحت یاب ہوجانے کے بعد میں نے شرافت علی سے کہا۔  
 "نہ بھی شرافت علی! میں نے فون کو اپنے در سے نامراد رکھا دیا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ وہ فلیئر محمد بھی ایسا کر سکتا ہے کہ نہیں۔ آج میں ملک الموت کی بھاری میس اس کے دروازے پر دستک دوں گا چاکر۔"  
 "مکیا مطلب ہے تمھارا کیا صحت مند ہوتے ہی تم پھر ملے اپنی طرف منسوب کرنا چاہتے ہو؟"  
 "صرف متوجہ ہی نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ بیٹا ہے جھنڈا اسے یہ بتانا بھی چاہتا ہوں کہ غلام جیلانی پر ہاتھ ڈال کے اس نے دراصل اپنی زندگی مختصر کر لی ہے، نقصان میرا کم اس کا زیادہ ہوا ہے۔"  
 "جیلانی! میری بات مانو اور اس مسئلے کو طول مت دو زیادہ۔ تم ابھی جانتے نہیں ہو۔ بے خطر لوگ لوگ ہیں وہ۔ آڈی کی ان کی نظر میں پیر کے پیچھے آکر کھیل جانے والی بیویوں سے زیادہ حیثیت نہیں ہے۔"  
 "اور تم مجھے نہیں جانتے ہو شرافت علی! مجھ سے دشمنی کرنے والے کے لیے زمین چھوٹی پڑ جاتی ہے بہت۔"  
 "میں جانتا ہوں۔ سنا ہے میں نے بہت کچھ تمھارے بارے میں بھی۔ خود کو دشمن اور عالم زندہ شائیں ہیں اس کی۔ وہ لوگ محض تمھاری وجہ سے ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ حالانکہ کچھ کم دراز دست نہیں تھے وہ بھی۔"  
 "پھر بھی تم مجھ اس سے ڈرنے کی کوشش کر رہے ہو اس ظالمیہ اور سے اجرت کی بات نہیں ہے؟"  
 "بات ڈرنے دھمکانے کی نہیں ہے جیلانی! دراصل میں نہیں چاہتا کہ تم یہاں کسی بھی کیس میں الجھ کر رہ جاؤ۔ ابھی تو ان پیر دل کا مسئلہ بھی سمجھنا ہے۔ اور وہ کثیر خان بھی ادھر لاہور میں منتظر بیٹھا ہے تمھارا۔"  
 "میرے! شاید تو سمجھتا ہے کہ وہ میرے میں نے پھار لکھے ہیں کہیں۔ کیوں میری بات نہ تیرے دل میں؟"  
 "تم غلط سمجھ رہے ہو جیلانی! میں یہ نہیں سمجھتا۔ شہ جو افتخار پہنچے مجھے، مگر منتاری بیماری کے دوران میں، ہم نے تم سے متعلق ایک ایک چیز کو خوب اچھی طرح دیکھا ہے۔ تمھاری طرف سے تو ہم اطمینان کر چکے ہیں پورا پورا لیکن ہم ان پر تبصرہ کر کے تو نہیں جیتھ سکتے تلاش تو کرنا ہی ہے انھیں، اور یہ کام تمھارے تانوں سے ہی ہو سکتا ہے۔"  
 "میں نے انکار تو نہیں کیا ہے۔ میں تو اس بات میں اسی قسم پر نگاہ تھا تمھارے ساتھ لیکن وہ کٹھ کے پتے دریا میں مانگ اڑا بیٹھا اپنی اس بات کا جواب دینے بغیر تو میں آگے نہیں جاسکتا۔ کیا سوچیں گے وہ دل میں اپنے؟"

"یہ بھی سوچو، ادھر لاہور میں بیٹھا کثیر خان کی سوچ رہا ہوگا۔ کہیں وہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ تم اپنے وعدے سے پھر گئے ہو اور انھیں دھوکا دینے کی غرض سے خود کو کراچی میں الجھا رکھا ہے۔ کیا وہ ایسا نہیں سوچ سکتے؟"  
 "کثیر خان کے لیے میں نے حیدر سے کہہ دیا تھا۔ وہ فون کرے تو اس سے کہہ دیتا میں کراچی میں ہوں ابھی۔"  
 "معلوم ہے بات اسے۔ تین بار فون پر بات کر چکا ہے وہ مجھ سے، اسے ہمارے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ کس طرح بھی ہمارے کام کا مال کے رکھلا دے جلد سامان فساد اسکو پہلے جاؤ دوبارہ۔"  
 "ا تو کا پتہ ہے وہ کثیر خان! اگر اسے ہمارے مسائل سے دلچسپی نہیں ہے تو میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے اس سے۔ کوئی خادم نہیں ہوں میں اس کے باپ کا۔ گزربوکرے کا زیادہ تو میری خان بنادوں گا میں اسے۔"  
 "ایسی باتیں مت کہہ جیلانی! میں اپنے آدمیوں کے بارے میں ایسی باتیں سننا پسند نہیں کر دوں گا کبھی بھی۔"  
 "میں نے تم کو کس سے دیکھا؟ وہ یہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ خفا کرتی ہیں اس دھن کے آدمی ہو۔ کالی کھول کے سن شرافت علی! میری مرضی کے خلاف تم کوئی کام لینے کی کوشش نہیں کرو گے مجھ سے میں نے دھمکی سے ایک بار اور مال پہنچانے کا وعدہ کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ وہ راولپنڈی میں سے میری بہن آسیہ اور میرے باراسم آئی کی رہائی کا بندوبست کرے گا اور اگر فتنہ لیل نے لڑی کو اسی مقصد سے میرے ساتھ بھیجا ہے۔ جب تک یہ کام نہیں ہو جاتا میں اس ملک سے باہر جانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں کر سکتا۔"  
 "اوہ، یہ بات ہے۔ اس کا مجھے علم نہیں تھا۔ بہر حال یہ کام بھی تمھارا ہی وقت، دھوکے کا جب تم کراچی سے نکلے گا اس کے لیے بھی ضروری ہی ہے کہ تم یہاں اپنے آپ کو زیادہ الجھاؤ، دشمنیاں نہ پڑھاؤ۔"  
 "میں نے کسی سے دشمنی نہیں کی ہے یہاں۔ وہ ظالم احمد خود دشمن بنا پھر رہا ہے میرا اور اب میں اس سے کتنے بغیر کراچی چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم مجھے صرف اس کی کوئی ایک ہی بات دینا دو۔ اس سے زیادہ میں تم سے اور کوئی مدد نہیں چاہتا۔ میں اکیلا ہی کافی ہوں اس کٹھ کے لیے۔"  
 "ٹھیک ہے تم اپنی خد سے باز نہیں آتے تو مجھ سے کسی قسم کا گلہ بھی نہ کرنا۔ مجھے یہیں کراچی میں رہنا ہے ابھی، میں بخدا یہ خاطر غیر احمد سے لگاؤ نہیں سکتا۔ وہ بہت خطرناک درندہ ہے۔ یہاں کوئی بھی اس کی راہ میں آنا پسند نہیں کرے گا۔ ایک دھوکا اس کی یہ بھی ہے کہ ہمیں سے ہر آدمی جب کسی طرف سے خطو محسوس کرتا ہے تو نہ کے

بیسے اسی کی طرف دوڑتا ہے۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ کراچی کے دو معزز لوگ جو کالے کا دبا میں موٹ ہوئے کے باوجود ادھر سے اگلے نظر کرتے ہیں“ وہ اس غیر ملکی کے کانوں پر کھڑک رہا تھا۔ وہ جانتے ہیں۔“

”ہاں، بالکل ہی بات ہے۔“ ٹھیک سمجھا ہے تم نے۔ ہم لوگ اپنے ہی انٹیلی سے سنتے کے لیے اسی کی خدمت حاصل کرتے ہیں۔“

”اس لیے تم چاہتے ہو کہ اس نے میرے ساتھ جو کچھ کہہ اے اسے جھوٹ کر میں کراچی سے چلا جاؤں۔ معاف کر دوں میں اس کے کوٹا کر وہ تمہارے کاروبار کی حفاظت کرنا ہے۔ تم نے بہت دیر کر دی میرے بار! اگر ایسا ہی تھا تو تمہیں میرے بجائے غلیہ احمد کو بھیجا جانیے تھا کہ وہ غلام جیلانی سے چچہ لڑنے سے استراحت کرے۔ اسے سمجھ سے دھم دینے کی تلقین کر دی ہوتی تھے، وہ میری راہ میں نہ آتا تو میں اس کی طرف دھیان بھی نہ دیتا کبھی۔“

”تو تم اس قفسے کو ختم نہیں کرو گے۔ آخر اس سے فائدہ کیا۔۔۔ ہوگا تمہیں؟“

”قفسے میں نے تو شروع نہیں کیا تھا میرے بار! اس نے میرے بار آئی کے ساتھ ہو چکا تھا، میں اس کے ساتھ اس کا حساب کرنے بھی نہیں گیا کبھی۔ یہی سوچ کر دوڑ کر گناہا کر وہ ایک کالے کا ڈی تھا۔ لیکن اب اس کی حیثیت کرانے کے قابل کی نہیں رہی ہے شرافت علی! اب اس نے براہ راست مجھ پر ہاتھ ڈالنا ہے۔ اس نے لٹکا رہا ہے مجھے۔ اور اگر میرے ہتھ کی سائیں ابھی باقی نہ ہوتیں تو اس نے کسی نابالغ قریب مجھے اس کے کانٹا خنکام کر دی ہوتا تھا۔“

شرافت علی نے غصے سے ٹھٹھایاں جھپٹتے ہوئے کہا: ”وہ کیڈنا نواسٹگی میں کیا کر بیٹھا ہے۔ اسے احساس نہیں ہے جیلانی! لیکن کر میرے بار! میں اسے پہلنے کے لیے تجھے نہیں روک رہا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ مجھے کام آ رہا ہے لیکن ہم اسے اس کی اجازت بھی نہیں دے سکتے کہ وہ ہمارے دوستوں سے زیادہ تیل کر پھرے۔“

”عجیب آدمی ہے تو جی شرافت علی! تجھے کہیں سے بھی نہیں لگتا ہے تو۔ تیری بالوں میں اتنی میٹھ ہوتی ہے کہ میری آنکھ میں نہیں آتا کہ تو میری چاہتا ہے؟ کبھی کتا ہے قفسہ ختم کر دوں اور حواف کر دوں اس چہرے کو، کبھی کتا ہے وہ فائبر کران نہ لے۔ میرے یاد رکھا صحت بات کہیں نہیں کرتا؟“

”صحت بات تو ہے جیلانی، تو تجھے کب جھوٹ کر جلا کر ایلند کشتی خان سے ملنا چاہیے۔ وہ بہت بے چین ہے تجھ سے ملنے کے لیے۔ بس اس لیے میں نہیں چاہتا کہ تو یہاں کسی سے ملے۔ اگر ظہیر احمد سے انتقام لینا ہی مقصود ہے تجھے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی بار جب تو کراچی آئے گا تو ظہیر احمد کم کر دھا کچا ہوگا۔“

”نہ نہ۔ جیلانی! اپنا حساب دوسروں کے کھلنے میں منتقل کرنے

کا عادی نہیں ہے بار! کشتی خان میری راہ دیکھتے دیکھتے اگر بھی جائے تو مجھے پر دانیس ہے اس کی۔ میں اپنا سینہ ہڈی لیکے بغیر نہیں پاس کر سکتا۔ تم اگر مجھے غلیہ کے مکان تک نہیں پہنچا سکتے تو تم بھی بیٹھو ادھر ہی۔ میں خود تلاش کروں گا اسے۔“

”جتنی نصرت آگیا تھا اس پر کی بات ہے۔“

”میں اچھا کھڑا ہو گیا لڑی نے مجھے یوں پا کر رکاب دیکھا تو وہ تیزی سے اٹھ کر میری طرف بڑھتے ہوئے لہی۔“ آپ تنہا کہیں نہیں جائیں گے جناب عالی! میں بھی جوں کی آپ کے ساتھ۔“

”میں اس کی طرف دھیان دینے بغیر تیزی سے باہر کی طرف چل دیا۔ یہ شرافت علی کی کارآمد ہوئی۔ اس کا ڈنڈا جو کچھ کار کے قریب ہی کھڑا تھا غراس سے کھینچ کر اس کی ڈنڈا ٹنگ ٹنگ سے کاروازہ کھول کر اندر جا بیٹھا۔ لڑی بھی تیز رفتور تھا کتھی میرے پیچھے پیچھے چلی آہتی تھی غصتی دیر میں میں نے کار سٹارٹ کی، وہ دوسری طرف سے میرے ساتھ والی نشست کا دروازہ کھول کر میرے برابر آ بیٹھی تھی۔ ڈرائیو حیران کھڑا دیکھ کر دھڑکا۔ اسے حیرانی نہ ہو گی کہ میں اس کے ہوتے ہوئے خود ڈرائیو ٹنگ بیٹھ کر جا بیٹھا ہوں اور اسے بائیں کی نظر لانا کر رہا ہے اور یہ میرے استعمال کے لیے وہاں دوسری کار گریز کر موقوف تھی، پھر میں اس کے مالک کی کار کو اس لیے جا رہا ہوں۔ میں نے اسے یوں ہی حیران پریشان چھوڑ کر کار روڑس کے کچلے سے باہر نکالا۔

”ہاں، یہ تم نے ٹھیک ہی کہا ہے، مگر وہ مجھے اس طرح بات کر رہا تھا جیسے وہ مجھے اپنے کلمے کے تابع سمجھتا ہو۔ اسے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مجھ پر حکم چلائے۔“

”ایسی بات نہیں ہے جناب عالی! وہ مزید تو آپ سے ڈرتا رہتا ہے ہمیشہ، وہ آپ پر حکم کیسے چلا سکتا ہے۔ اس کی تو ہر دم ہی کوشش ہوتی ہے کہ آپ اس کی کسی بات سے ناراض نہ ہو جائیں۔ اب یہی دیکھ لیجیے، آپ طیش میں نہ آ سکیں گے کہ اس نے مگر اسے اتنی جرأت بھی نہ ہو سکی کہ وہ آپ کو روک سکتا۔“

لڑی کی باتوں سے میرے دماغ کی ساری گرمی دور کر دی۔ میں سوچنے لگا، واقعی یہ تو مجھ سے زیادتی ہو گئی ہے اس کے ساتھ۔ مجھے ایک دم اس طرح طیش میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس نے ایسی برکتی بات بھی نہیں کہی تھی مجھے۔ وہ تو مجھے دھماکے جھگڑ میں آرتے ہوئے کوشش کر رہا تھا اس کا خیال تھا کہ ابھی میں ان خوشخوار، دمزدہ صفت دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکا ہوں۔ پہلی بار انھوں نے مجھے جس حالت میں پہنچایا تھا اس کے پیش نظر میرا ہر کچھ بد ہو گیا۔ اس سے دور رہنے ہی کا مشورہ دیتا۔ اس نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ آخری سی بات پر مشتعل ہو کر میں نے اس کی ساری خدمات پس پشت ڈال دی تھیں۔ یہ تو بری کٹھن کی بات کی تھی میں نے۔ کیسے غصے کا اظہار کیا تھا اس نے میرے ساتھ۔ اگر وہ نہ ہوتا

میں دل ہی دل میں تیرج رتب کھڑا تھا اس معاملہ میں ہوش میرے بائیں ہاتھ کے نہیں رہے تھے۔ میں اتھا دھندلا کر لڑی رفیقہ کی طرف دیکھ کر لڑی نے مجھے ٹوکا۔

”کیا خود کشتی کا ارادہ کرنا ہے آپ نے؟“

”میں ابھی دینا چاہتا ہوں؟“

”مجھے جیسے ایک دم ہوش آ گیا تھا۔ میں نے چونک کر اسے کہہ دیا کہ خدمات پس پشت ڈال دی تھیں۔ یہ تو بری کٹھن کی بات کی تھی میں نے۔ کیسے غصے کا اظہار کیا تھا اس نے میرے ساتھ۔ اگر وہ نہ ہوتا

خود غرض لوگ ہیں۔ اس ذلیل کتے کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے کر میرے ساتھ کیا ہو گا۔ وہ یہ جانتا ہے کہ میں سب کچھ جھوٹ کر بس ان کے اشاروں پر چلتا ہوں۔“

”وہ کبھی جناب عالی! یہ آپ کا غافل کاروباری معاملہ ہے اور چونکہ میں اس کی آپ کی شرف سے واقف نہیں ہوں میں اس لیے ممکن ہے میں آپ کو کچھ مشورہ دے سکوں، لیکن پھر بھی آنا کوئی لگی کر اس وقت آپ زیادتی کر رہے ہیں اس کے ساتھ۔ اس نے گزشتہ تین دنوں میں بڑی نصرت کی ہے آپ کی۔ ہر طرح خیال کرنا ہے وہ آپ کا اگر کوئی چھائی ہوتا آپ کا تو وہ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا تھا جتنا اس نے کیا ہے اور آپ ایک ذرا سی بات پر مشتعل ہو گئے۔“

”یہ ذرا سی بات ہے؟ تم اتنے ذرا سی بات کتنی جھڑپیری جان لینے میں کیا کسر چھوڑی تھی اس سوڈ کی اولاد نے؟ لہذا کتنی جو دوبارہ دیکھ رہی ہو تم مجھے۔“

”میں باخفا ہوں، آپ کی بات غلط نہیں ہے اور یہ بات اسے نرمی کے ساتھ سمجھائی بھی جا سکتی تھی۔ یہ بھی اپنی طرف سے نہیں کہتا ہے کچھ۔ اور پھر والوں نے مجھ پر کیا کرنا ہے یہی۔ یہ کیوں نہیں سوچتے ہیں آپ؟ وہ کوئی لڑی مرضی کا مالک نہیں ہے ان معاملات میں۔“

”ہاں، یہ تم نے ٹھیک ہی کہا ہے، مگر وہ مجھے اس طرح بات کر رہا تھا جیسے وہ مجھے اپنے کلمے کے تابع سمجھتا ہو۔ اسے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مجھ پر حکم چلائے۔“

”ایسی بات نہیں ہے جناب عالی! وہ مزید تو آپ سے ڈرتا رہتا ہے ہمیشہ، وہ آپ پر حکم کیسے چلا سکتا ہے۔ اس کی تو ہر دم ہی کوشش ہوتی ہے کہ آپ اس کی کسی بات سے ناراض نہ ہو جائیں۔ اب یہی دیکھ لیجیے، آپ طیش میں نہ آ سکیں گے کہ اس نے مگر اسے اتنی جرأت بھی نہ ہو سکی کہ وہ آپ کو روک سکتا۔“

لڑی کی باتوں سے میرے دماغ کی ساری گرمی دور کر دی۔ میں سوچنے لگا، واقعی یہ تو مجھ سے زیادتی ہو گئی ہے اس کے ساتھ۔ مجھے ایک دم اس طرح طیش میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس نے ایسی برکتی بات بھی نہیں کہی تھی مجھے۔ وہ تو مجھے دھماکے جھگڑ میں آرتے ہوئے کوشش کر رہا تھا اس کا خیال تھا کہ ابھی میں ان خوشخوار، دمزدہ صفت دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکا ہوں۔ پہلی بار انھوں نے مجھے جس حالت میں پہنچایا تھا اس کے پیش نظر میرا ہر کچھ بد ہو گیا۔ اس سے دور رہنے ہی کا مشورہ دیتا۔ اس نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ آخری سی بات پر مشتعل ہو کر میں نے اس کی ساری خدمات پس پشت ڈال دی تھیں۔ یہ تو بری کٹھن کی بات کی تھی میں نے۔ کیسے غصے کا اظہار کیا تھا اس نے میرے ساتھ۔ اگر وہ نہ ہوتا

میں نے ایک ویڈیو پر نظر ڈالی تو جلد ہی مجھے وہ سفید کار نظر آ گئی۔ میں نے اپنی کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے لڑی سے کہا: ”تم نظر رکھو اس پر۔ میں قائلہ نظام کے مزار کے قریب گاڑی روک کر انہیں قریب آنے کا موقع دوں گا۔ پیسے بچانا ضروری ہے کہ اس گاڑی میں کون ہمارا نقاب کر رہا ہے؟“

تو سناؤں اس کے اس منہ کراچی میں میری لاش کو زمین میں اتارنے والا شہی جیڈا کوئی نہ ملتا۔ اس نے تو مجھے دوبارہ اپنے پروں پر کھڑے ہونے کے قابل بنانے میں اپنے تمام وسائل استعمال کر ڈالے تھے۔ اور میں اسے یہ صلہ دے رہا تھا اس کا۔ میرا سر آپ ہی آپ ندامت سے جھک گیا۔ کیا عجیب شے ہے یہ انسان، جنوں میں آپ نے سے باہر ہو کر اپنی اوقات بھول جاتا ہے۔

”میں مختار داشکر گزارا ہوں لڑی! تم نے بروقت مجھے ڈونے سے بچا لیا ہے۔ سوڈ کال پڑ گیا تھا آنکھ میں میری، احسان بھلا بیٹھا تھا میں اس کے۔ کیا سونپنا ہوگا وہ کہہ کیسے کیسے شخص کے ساتھ بھلائی کی تھی اس نے۔“

”خدا کا شکر ہے کہ آپ کو جلد ہی عقل آگئی۔“ جیسا اب واپس چلیں۔“

”ہاں، چلو چلیں واپس اور جیل کرمانی مانگوں گا میں اس سے بہت بڑا کیا ہے میں نے اس کے ساتھ۔“

”میں نے اگلے چور ہے گاڑی واپس موٹی رہا میں سے میں نے گاڑی موڑی تھی، وہ علاقہ مجھے کچھ جانا پہچانا لگا تھا۔ میں نے ادھر ادھر نظر سے دوڑائی تو معلوم ہوا کہ میں غلام آیا دچورنگی تک آ پہنچا تھا اور اب گوہار کے علاقے سے گزرتا ہوا سفید کے بل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ علاقہ آپ نے مجھے یاد تھا کچھ بار میں جب کراچی آیا تھا تو یہاں پر کچھ دیر نے دوستوں سے سیری ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ آئی کی کھنکھ کی روٹی واپس لانے کے لیے میں نے جنم کے ہی ایک خاص آدمی صوات خان کو کسی گھوڑا سے، غلام آیا تھا چنانچہ اس علاقے کو تو میں جھوٹ میں نہیں سکتا تھا۔ خوب اچھی طرح یاد تھے مجھے یہ کچھ وانا۔ یہاں کچھ تھوڑی سی تبدیلی آئی تھی۔ کچھ غلام ہیں نئی آنکھ کی تھیں زمین سے اور رونق بھی یہاں پہلے سے زیادہ نظر آ رہی تھی مگر یہ کوئی ایسی بڑی تبدیلی نہیں تھی کہ میں اس جگہ کو پہچان ہی نہ سکتا۔ گویا کالے پل پر پہنچ کر لڑی نے مجھے سے کہا۔“

”جناب عالی! آپ کو کوئی خاص بات تو محسوس نہیں ہو رہی؟“

”کبھی خاص بات؟ میں سمجھتا ہوں مختار! اشارہ کس طرف ہے؟“

”بہت دیر سے ایک سفید کار کو میں اپنی کار کے پیچھے لگا دیکھ رہی ہوں پہلے تو میں یہ سمجھتی رہی تھی کہ شاید اسے بھی اسی راستے سے کہیں جانا ہو لیکن جب آپ نے گاڑی واپس کے لیے موڑی تو وہ کار بھی واپس مڑ گئی ہے اور دو گاڑیوں کے پیچھے اب بھی جا رہے۔“

میں نے ایک ویڈیو پر نظر ڈالی تو جلد ہی مجھے وہ سفید کار نظر آ گئی۔ میں نے اپنی کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے لڑی سے کہا: ”تم نظر رکھو اس پر۔ میں قائلہ نظام کے مزار کے قریب گاڑی روک کر انہیں قریب آنے کا موقع دوں گا۔ پیسے بچانا ضروری ہے کہ اس گاڑی میں کون ہمارا نقاب کر رہا ہے؟“



”جیک ہے، آپ ڈرا بیک کی طرف توجہ رکھیں اپنی جری زف ڈرا بیک ہوتی ہے یہاں تو“

”یہ کراچی ہے لڑی بیگم! اسٹریٹنگ ویل تعام کر مہمان کی سڑک پر قتل عام کرتے چہرے آپ کوئی پوچھ گچھ گنیاں آپ سے نظر لپکتا آپ کی سیب میں ٹٹ بھی ہوں باؤنی نوٹش والا آپ کی پشت پر موجود ہوا اور اگر کسی زیادہ ہی ذہن شناس شخص کے ہتھ چڑھ گیا کوئی ڈرائیور تو یہاں ٹرانسپورٹروں اور ڈرائیوروں کی ٹوئیں موجود ہے۔ کسی ڈرائیور کو نرا دینے کی کوشش کی تو یونین والے سارے شہر میں ٹرانسپورٹ کا نظام دردم پر ہم کے رکھ دیتے ہیں منٹوں کے اندر۔ اور اس نظام کو دوبارہ درست کرنے کے لیے یہاں کی انتظامیہ کے پاس فدا ہو کر سڑکوں پر موت کا رقص جاری رکھنے کی اجازت دینے کے سوا کوئی اوصل ہی نہیں“

”حیرت ہے، ایسی بے دست و پا ہے یہاں کی انتظامیہ کہ راہ گروں کو زندگی کا تحفظ تک فراہم نہیں کر سکتی“

”چپ ہو جاؤ لڑی بیگم۔ ان فضول باتوں پر وقت مت برباد کرو“

”کمال ہے، یہ فضول باتیں ہیں آپ کے نزدیک جناب عالی! انسانوں کی زندگی کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی“

”اوسے چٹائی بی! کی ایک بک لانی بسے سکیوں لوگوں کی۔۔۔ روٹی کے پیچھے ڈیڑی ہے تو آدمی کو لڑی کرتا ہے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بٹانے کے لیے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے۔ انسانوں کی۔۔۔ زمینوں کو غرق دینے کے لیے توئیں کرتا تو لڑی حکومت کی۔ ایسا کرے گا تو اس کے بچوں کے لیے اعلیٰ تعلیم، بہترین لباس، عالی شان رہائش گاہ اور چھ پرکھتی کار کا انتظام کیا تو کرے گی؟ ہم آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں ہمتیاری طرح قانون کے بندے نہیں ہیں کوئی پابندی ہم بائیں قبول نہیں کر سکتے۔ یہ کراچی ہے لڑی بیگم! ہمارے ملک کا سب سے بڑا شہر ملک کی اسی فیصد دولت سب سے اسی شہر میں موجود ہے، لوگ دور دور سے پیسہ کمالے آتے ہیں یہاں۔ تمزیب اور اخلاق کا درس پیتے نہیں آتے کوئی“

”اچھا، اچھا، آؤ آگے کا بھی خیال رکھیں۔ کہیں کوئی آپ کی اس آزادی کا شکار نہ ہو جائے اور وہیں حق قائم کامزاد بھی آگیا ہے قریب ہی۔ دور کا بھی ایک ملک ہمارے نقاب میں موجود ہے۔ اب کیا کہیں گے آپ؟“

”بس دیکھتی ہو جو میں نے اسے جلا بجا اور مزاح سے پہلے ہی جو سرک لے لے ہاتھ کو مڑتی ہے، ادھر گاڑی موٹر مرکب کے کنارے لگا کر روک دی۔“

”نقاب میں آئے والوں کو یہ گان بھی نہ ہوگا کہ میں مونہ کاٹنے پر آمادہ ہوں جو جالوں کا۔“

گھس کر ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جاؤں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے نظر دیکھنے کے انداز سے تیزی کے ساتھ مونہ کاٹنا۔ مونہ کاٹتے ہوئے ان کی کاٹ کے ہم زہمت زد سے پیچھے تھے اور اس سے پہلے کہ ان کی نظر میری کار پر پڑتی وہ میری کار کے قریب پہنچ چکے تھے میں اس کار میں جا کر وہ بیکہ کر کے اغتیا مسکرا اٹھا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ کر اٹھا۔ ایک لمحے کے لیے ہم دونوں کی نظروں چار ہوئیں۔ وہ مجھے دیکھ کر اپنی کانٹری سے آگے نکلنے لگا۔ میں نے بھی اپنی کار آگے نہ کر اس کی گاڑی کے پیچھے لگا دی۔ اب صورت حال تبدیل ہو چکی تھی پہلے وہ میری علمی میں میرا نقاب کر رہا تھا اب میں اس کے پیچھے تھا اور وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے پیچھے نہ چکا ہوں۔

ہمارا سی کارین آگے پیچھے کیاں رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ جانو علم تھا کہ میں نے اپنی کار اس کے پیچھے لگا رکھی ہے۔ وہ نہ جانے کب سے میرے نقاب میں تھا، اگر لڑی میرے ساتھ نہ ہوتی یا اس نے ارد گرد نظر نہ رکھی ہوتی تو اس کی گاہ ہو، جہاں اس کے ارد بھی سامنے موجود ہوں، اگر ایسا کے نقاب سے آگاہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں انھیں شہر میں ہوا کیا ہمارے لیے ان سب سے بیک وقت غافل کرنا ممکن تلاش کرتا چھڑتا اور وہ میری دم کے ساتھ بندھا میرے پیچھے ہو سکے گا؟

میں نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ والی چھاپ لی۔ شاید وہ لوگ متعل طور پر اس انگلی کی نگرانی کر رہے۔ انگلی میں پڑی ہوئی اس لمبی انگلی کو دیکھ کر مجھے غائبانہ لگنے جہاں شرافت ملے ہے ہیں غماز لگتا تھا۔ اس نگرانی کا یہی دماغی اور جس کی کوشش سازی سے میرے دوست اور دشمن بھی کے سوا دوسروں کی حقیقت نہیں ہو سکتا تھا کہ جیسے ہیں میں تندرست رہے۔ اسے دیکھ کر بے اختیار میرے منہ میں ہلکا سا ہلکا ہوا کہ گھر سے باہر نکلوں، وہ میرے پیچھے لگ جائیں اور موٹی تیرگی۔ اب جو بھی ہو لڑی بیگم! اس کھوتے دے پٹر کھیرا لکھ لے جی بھی ایک المناک انجام سے دوچار کر دیں مکان کی گردم میرے ہاتھ آگئی ہے تو میں نے چھوڑ دیں گانہیں کسی قیمت یقیناً جانو یا غمیر احمد خود نہیں کرتے رہے ہوں گے کیونکہ وہ اب بھی۔ بال نہیں اس کو لڑی خدشہ ہو تو مزہ آج جا نہیں اور کسی کیسی تو وہ مصروف آدمی تھے کسی ایک جگہ بندھ کر نہیں بیٹھ سکتے بغیر وہ میں واپس چل جاؤں

دوسرے شرافت علی اور اس کے آدمی نہیں بچوانے تھے۔ ”کیسی بائیں کرتے ہیں آپ جناب عالی! میرا یہ مطلب تو وہ انھیں تنگ کے آس پاس دیکھ کر جو کچھ ہو جائے اور چپ چاپ نہیں تھا۔ یہ کیسے سوچ لیا آپ نے کہ میں کسی شکل گھڑی میں مجھ پر کیلے میں ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں دیتے۔ انھوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دوں گی۔ ایسا ہی کرنا ہوتا تو میں آپ کے کام پر دوسرے ہی لوگوں کو مقرر کیا ہو گا۔ میرے گھر سے یہاں شرافت علی کے تنگ سے ہی نہ نکلتی۔“

”میں نہیں۔ مانی رہی سیکڑ پڑی، میں اپنا مطلب صبح ہی نگرانی کرنے والوں میں سے کسی نے جانو کو اطلاع دے گا۔“

ہوگ اور وہ راستے میں سے کسی جگہ ہائے ساتھ لگ گیا ہو گا۔ طرح بیان نہیں کر سکا شاید۔ کہنا میں یہ چاہ رہا تھا کہ اگر مجھے جو بھی کچھ ہو جاو ہر حال اب تو بازاری پلٹ ہی نہیں سکتا تھا لگا کر کسی اندھے کنوئیں میں اتارنے کے جا رہا ہے تو تمھارا میں نے اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا دی تھی اور اسے نکل جائے میرے ساتھ جانا مناسب نہیں ہو گا۔ تمھاری موجودگی میں مجھے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ کچھ دیر تو وہ ادھر ادھر ہو گا۔ یہی حفاظت اور سلامتی کا بھی خیال رکھنا پڑے گا۔ لیکن ہے اور کنوئیں میں چکر لگاؤ اور ٹریفک کے جھوم میں مجھے ڈانچ دے گا۔ میں اس لیے میں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ لے میں کامیاب کر سکتے کی کوشش کرتا رہا لیکن جب لمے یہ یقین ہو گیا کہ جو جاسے اس لیے میں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ جانے کے کسی طرح اس کی جان چھوڑنے والا نہیں ہوں تو اس نے مجھے ہائیں چلی جاؤں

”اوہ! انھیں جناب عالی! میری آپ بالکل فکریں میری سے سر باہر نکال کر ایک ہاتھ سے مجھے اپنے پیچھے آئے گا۔“

”اوہ! اور کار ایک مصروف شاہراہ پر ڈال دی۔ وہ نہ جانے کہ جیسے آپ کو بائیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور میری دشمن میری

کہاں مجھے پکارتا چھڑا تھا۔ وہ ساری ہی گلیاں اور سڑکیں میرے لیے جہنم تھیں۔ کوئی بندہ منٹ بعد ہم ڈرگ روڈ پر جا چڑھے اور تیزی سے ایئر پورٹ کی طرف بڑھنے لگے پھر ایئر پورٹ بھی پیچھے رہ گیا۔ لیکن جالوں نے اپنی کار میں مہموری اور نہروں کی وہ آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ لڑی یوں اندھا دھند مجھے اس کا پیچھا کرتے دیکھ کر بولی۔

”یہ کہاں جا رہا ہے جناب عالی! کچھ اندازہ ہے آپ کو؟“

”کیوں دھوکے میں ملے ہی نہ جاتیں ہم“

”یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ یہ جا کہاں جا رہا ہے تم دیکھ رہی ہو جس سڑک پر ہم ہیں اس کے ساتھ ہی ساتھ دھوکے لائن میں چلی رہی ہے۔ اس سے میں یہ اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہ کہیں شہر سے باہر کی ورنے میں لے جانا چاہتا ہے“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کی منزل ان کی کوئی خفیہ“

”اگر ایسا میرے ساتھ نہ ہوتا یا اس نے ارد گرد نظر نہ رکھی ہوتی تو اس کی گاہ ہو، جہاں اس کے ارد بھی سامنے موجود ہوں، اگر ایسا کے نقاب سے آگاہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں انھیں شہر میں ہوا کیا ہمارے لیے ان سب سے بیک وقت غافل کرنا ممکن تلاش کرتا چھڑتا اور وہ میری دم کے ساتھ بندھا میرے پیچھے ہو سکے گا؟“

میں نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ والی چھاپ لی۔ شاید وہ لوگ متعل طور پر اس انگلی کی نگرانی کر رہے۔ انگلی میں پڑی ہوئی اس لمبی انگلی کو دیکھ کر مجھے غائبانہ لگنے جہاں شرافت ملے ہے ہیں غماز لگتا تھا۔ اس نگرانی کا یہی دماغی اور جس کی کوشش سازی سے میرے دوست اور دشمن بھی کے سوا دوسروں کی حقیقت نہیں ہو سکتا تھا کہ جیسے ہیں میں تندرست رہے۔ اسے دیکھ کر بے اختیار میرے منہ میں ہلکا سا ہلکا ہوا کہ گھر سے باہر نکلوں، وہ میرے پیچھے لگ جائیں اور موٹی تیرگی۔ اب جو بھی ہو لڑی بیگم! اس کھوتے دے پٹر کھیرا لکھ لے جی بھی ایک المناک انجام سے دوچار کر دیں مکان کی گردم میرے ہاتھ آگئی ہے تو میں نے چھوڑ دیں گانہیں کسی قیمت یقیناً جانو یا غمیر احمد خود نہیں کرتے رہے ہوں گے کیونکہ وہ اب بھی۔ بال نہیں اس کو لڑی خدشہ ہو تو مزہ آج جا نہیں اور کسی کیسی تو وہ مصروف آدمی تھے کسی ایک جگہ بندھ کر نہیں بیٹھ سکتے بغیر وہ میں واپس چل جاؤں

دوسرے شرافت علی اور اس کے آدمی نہیں بچوانے تھے۔ ”کیسی بائیں کرتے ہیں آپ جناب عالی! میرا یہ مطلب تو وہ انھیں تنگ کے آس پاس دیکھ کر جو کچھ ہو جائے اور چپ چاپ نہیں تھا۔ یہ کیسے سوچ لیا آپ نے کہ میں کسی شکل گھڑی میں مجھ پر کیلے میں ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں دیتے۔ انھوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دوں گی۔ ایسا ہی کرنا ہوتا تو میں آپ کے کام پر دوسرے ہی لوگوں کو مقرر کیا ہو گا۔ میرے گھر سے یہاں شرافت علی کے تنگ سے ہی نہ نکلتی۔“

”میں نہیں۔ مانی رہی سیکڑ پڑی، میں اپنا مطلب صبح ہی نگرانی کرنے والوں میں سے کسی نے جانو کو اطلاع دے گا۔“

ہوگ اور وہ راستے میں سے کسی جگہ ہائے ساتھ لگ گیا ہو گا۔ طرح بیان نہیں کر سکا شاید۔ کہنا میں یہ چاہ رہا تھا کہ اگر مجھے جو بھی کچھ ہو جاو ہر حال اب تو بازاری پلٹ ہی نہیں سکتا تھا لگا کر کسی اندھے کنوئیں میں اتارنے کے جا رہا ہے تو تمھارا میں نے اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا دی تھی اور اسے نکل جائے میرے ساتھ جانا مناسب نہیں ہو گا۔ تمھاری موجودگی میں مجھے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ کچھ دیر تو وہ ادھر ادھر ہو گا۔ یہی حفاظت اور سلامتی کا بھی خیال رکھنا پڑے گا۔ لیکن ہے اور کنوئیں میں چکر لگاؤ اور ٹریفک کے جھوم میں مجھے ڈانچ دے گا۔ میں اس لیے میں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ لے میں کامیاب کر سکتے کی کوشش کرتا رہا لیکن جب لمے یہ یقین ہو گیا کہ جو جاسے اس لیے میں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ جانے کے کسی طرح اس کی جان چھوڑنے والا نہیں ہوں تو اس نے مجھے ہائیں چلی جاؤں

”اوہ! انھیں جناب عالی! میری آپ بالکل فکریں میری سے سر باہر نکال کر ایک ہاتھ سے مجھے اپنے پیچھے آئے گا۔“

”اوہ! اور کار ایک مصروف شاہراہ پر ڈال دی۔ وہ نہ جانے کہ جیسے آپ کو بائیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور میری دشمن میری

اس رستے کا اختتام ان پہاڑوں ہی میں ہوتا ہے جو بہت دور ہیں نظر آ رہی تھیں۔ تقریباً دو بیڑے میل اس پکے رستے پر تیرتے اور مٹی کے غبار کے درمیان سفر کرنے کے بعد ہماری کاریں ایک چھوٹے سے نالے میں اتر گئیں۔ نالا بالکل خشک تھا اور اس کی چوڑائی کوئی دو فٹ تھی۔ تین سو گز ضرور ہی ہوگی۔ نالے میں اترتے ہی جانورے اپنی کار وائیں خوف مورتی اور نالے کے اندر ہی اندر دوڑ نکلتا گیا۔ آگے جا کر نالا وائیں طرف موڑ گیا تھا۔ وہ موڑ کاٹنے ہی جانورے اپنی گاڑی روک دی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ میں نے بھی اس کی کار کے قریب اپنی کار روک دی تھی۔ جانورے مجھے لکھا: ”اے جی جیلائی! آج ابابا ہاں میرے اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے لیکن یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تیری لاش کو یہاں کتوں اور گدگدوں کی خوراک بننے کے لیے نہیں چھوڑ جاؤں گا۔ یہ.... زمین آبی زم سے کہ تجھے زمین کے نیچے ڈالنے میں زیادہ سخت نہیں کرنا پڑے گی مجھے“

میں نے اپنی کار سے باہر نکلے ہوئے مسکرا کر کہا: ”یہ فیصلہ تو ابھی جیوں کر نہ ہے۔ مجھے تو کس کی لاش زمین میں دبے گی اور کون اپنے پیروں پر چل کر واپس جائے گا۔ ایسی بات نہ کر میرے ویرا! پتا نہیں بعد میں بچھٹانے کا بھی موقع ملے یا نہیں؟“

میں جیسے ہی باہر نکل کر اس کے مقابل کھڑا ہوا، اس نے تیزی سے تھیں کے نیچے ہاتھ ڈال کر نالا غبار کے نیچے مڑ پھینسا۔ ہوا پستول نکال کر مجھ پر سیدھا کر لیا۔ آج میں تجھے اپنے پاس آنے کا موقع نہیں دوں گا مجھے؛ اس دن مجھ سے یہی غلطی ہوئی تھی، میں تجھے زخمی اور ڈھال سمجھ کر تیرے پاس چلا گیا تھا اور تجھے اپنی گردن میں ہاتھ ڈالنے کا موقع دے دیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تو لڑائی کی اولاد ہے، مرتے مرتے بھی اگر آدمی کی گردن ہاتھ میں آجائے تو اس کا جھٹکا جاتا ہے تو آج دیکھتا ہوں کہ بچ سکتا ہے تو میرے ہاتھ سے؟“

”اوسے چپ کر جا لگو کی اولاد یہ بالشت بھر کر کھلو تا ہاتھ میں پکڑ لے تو اپنے آپ کو ستم زمان کا پتھر سمجھ بیٹھا ہے؟ اس تیرے باپ تمہارے بعد نہ بنایا نہیں تجھے مجھ میرے بارے میں؟“

”بہت کچھ بتایا ہے اس نے مجھے مگر تیرا واسطہ جانو سے نہیں پڑا تھا کبھی جیسی تیری سانس چل رہی ہے اب تک؟“

”میں نے بھی سمجھا، بڑا مان ہے یا رہے تو اپنے اوپر ذلیل پھر دیکھ بات کیسے نکلا ہے آج یہی سانسیں“

”اور تو کی بھلا رہا ہے کہ میں تیرے ساتھ کوئی رعایت کر جاؤں گا آج۔ مجھے کی موت مرے گا آج تو میرے ہاتھ سے عبرت پکڑ لیں گے لوگ تیرے اہل گھر سے۔ یہ میرے تیرے ساتھ تیرے چہرے کے ساتھ دواں دواں لگی گئی دنا والوں کو کہ وہ غلام جیلانی جس کا

دورے پنجاب کی پولیس کچھ نہ سمجھ سکتی تھی کراچی میں جانورے ہاتھوں کیسی بے بسی کی موت مر رہا ہے؟“

اس نے میرا نشانہ لے کر پستول کی لیبی ڈالنے کی کوشش کی مگر اس کا وہ پستول آج ایک بار بھروسے دھاوے گیا، جانورے کی انتہائی کوشش کے باوجود پستول کی لیبی اپنی جگہ چھوڑنے بالکل تیار نہیں تھی۔ وہ بار بار اسے دبا تھا اور اپنی آہستہ آہستہ سے کسی پستول کا اور کبھی مجھے دیکھتا تھا۔ میں اس کی آنکھوں سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ آہستہ آہستہ ایک ایک قدم اس کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ میرے ہاتھوں پر لیس نہ رہی بلکہ اب اس کی طرف دیکھ کر اس کی کھوپڑی برقی طرح سلگ اٹھی تھی۔

”میں نہ کہتا تھا پتھر! اس کھلونے پر نہ اترنا۔ دیکھو تو نے آج؟“

ساتھ چھوڑ دیا ہے اس نے تیرا۔ اب کیسے کا تو؟“

اس نے جھنجھلا کے پستول مجھ پر کھینچ دیا۔ میں جانتا تھا کہ ایسا ہی کرے گا لہذا میں اس کے لیے پستلے ہی سے تیار تھا۔ یہ ہی اس کے پستول والے ہاتھ نے حرکت کی میں پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔ مگر وہ بھی کوئی انداز نہیں تھا اس نے کانچ خوب ہتھوڑا دیا خود کوشی کی کوشش کرنے کے بارے میں بتا رہا تھا۔ میں نے مجھے اس طرح زیر کیا تھا، میں نے اسے فراسی مہلت دے دی تھی جس سے اس نے پورا پورا اندازہ اٹھایا تھا۔ آج بھی اس نے وہ حربہ استعمال کیا تھا پستول پھینکتے ہی خود بھی اڑتا ہوا مجھ پر آیا تھا۔ میں ایک ہی غلطی دوسری بار دہرائی نہیں جانتا تھا، چنانچہ میں نے اس کی حرکت پر پوری طرح نظر رکھی تھی ایک پل کے لیے بھی اس سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔ اسے اپنی طرف جھرتے دیکھ کر اس نے کبلی کی تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی وہ اپنے ہی زور میں اونڈنہ مرنے زمین پر گر کر باہر اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اٹھتا۔ میں اسے اپنی تیر خنکوں پر رکھ لیا۔ میں اس کے ساتھ بالکل ویسی کر رہا تھا جو اس سے پہلے وہ میرے ساتھ کر چکا تھا۔ میں نے اسے سر اور سینے کو ہٹ کر ایک لمحے کا بھی وقفہ نہ لینا پس پڑا۔ برساتا شروع کر دیں۔ وہ میری ہر ٹھوکر پر ہلکا کر دوسری طرف جاتا تھا۔ جلدی ہی اس کا سر اور چہرہ دھولمان ہو گیا۔ اس کی اور تیزی ختم ہونے لگی تھی وہ نہ ڈھال ہونے لگا تھا لیکن مجھ پر سوار تھی میں اسے ٹھوکر کی مار مار کر جہنم کر دینا چاہتا تھا۔ خبر تھی اس کی مدافعت کم زور ہو جاتی تھی میری ضربیں اس کی قد شدہ کمر خوں سے پورے دیکھ کر مجھے اس کی مزید موت سے روکا۔ اختیار کرتی جاتی تھیں۔ اور اگر لڑی مجھے آکر نہ روک لیتی تو میں آج وہ دوبارہ جس طرح میرے مقابل آکھڑا ہوا تھا۔ اس کے لڑنے کوئی ہی سلامت نہ چھوڑتا۔ لڑی نے میرے قریب آکر مجھ کو کھینچتے ہوئے کہا: ”میں بس کر رہی ہوں اب“

اسے مار کر ہی دم میں گئے آپ؟“

”اور تو کیا اس کے گونڈہ چھوڑ دوں میں۔ اس نے کیا رعایت کی ہے میرے ساتھ؟ یہ بھی تو میری جان ہی نکالنے کے درپے تھا۔ ملک الموت سمجھ رہا تھا ہے اپنے آپ کو سمجھتا تھا میری روح نکال کے ساتھ لے جائے گا پلٹے۔“

”ملک الموت تو آپ بھی نہیں ہیں پھر کیوں جان نکال لینا چاہتے ہیں اس کی؟“

”اس لیے کہ میں نے زندہ رکھ کر یہاں کراچی میں اپنی مانگیں چھپائے رکھا نہیں چاہتا....“

میری بات اور دھوری ہی رہی گئی۔ وہ نیم مڑدہ جانورے لیجان سمجھ کر لڑی نے مجھے الگ کھینچ لیا تھا، اچانک مجھ پر آیا تھا۔ میرا تو خیال تھا کہ میں اس کے ساتھ انچونچوڑ چھلے کر چکا ہوں اور اب اس میں اس کی جان بھی نہیں رہی ہے کہ وہ خود سے کروٹ بھی لے سکے۔ اسے زخموں سے چور اور نہ ڈھال دیکھ کر میں اس کی طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ مگر وہ بڑی سخت جان ثابت ہوا تھا لڑائی جیسی مکاری دکھایا تھا وہ اس گھڑی مجھے اپنے اوپر حاوی دیکھ کر اس نے ہاتھ پر چھوڑ کر مجھے یہ تاخیر دیا تھا کہ اب اس میں بالکل جان نہیں رہی ہے اور میرے غافل ہوتے ہی اس نے پھینکے کی طرح جوت لگا کے مجھے چھاپ لیا تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے ہوئے پچھلے گرا اور دونوں ہاتھوں سے میری گردن ڈالنے کی کوشش کرنے لگا میں نے مزاحمت کی لیے ہاتھ ملنے کیے تو اس کی گردن میرے پیچھے پھینک دی گئی۔ لیکن میرے ہاتھوں نے جیسے ہی اس کی گردن کو چھوا، وہ ایک دم اچھل پھڑکا ہوا گیا اس نے مجھے اتنا قوت ہی نہیں دیا کہ میں اس کی رگ احساس پر گرفت کر سکتا۔ ایک بار وہ اپنی گردن میرے ہاتھوں میں لے کر اس کا پیٹہ دیکھ کر مجھ پر چڑھا اسے میرے ہاتھوں کی ذرے دور بھی رکھنا چاہتا تھا۔ وہ مجھے چھوڑ کر اٹھا تو میں نے اٹھنے کے بجائے لیٹے ہی لیٹے دونوں مانگیں اٹھا کر پوری قوت سے اس کی کمر پر ماریں۔ اوج، کی آواز کے ساتھ وہ ایک بار پھر گرے ہوئے شیشی کی طرح اونڈنہ مرنے لگا، میں تیزی کے ساتھ بائیں جانب لوٹ لگا لگا اسے جگہ سے ہٹ گیا۔ اگر میں ہٹنے میں ذرا سی بھی دیر کرتا تو وہ میرے اوپر ہی گرا اور پھر نہ جانے میں اس کے نیچے سے نکلنے کے قابل بھی رہتا یا نہیں۔ اس کے گرنے ہی میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس نے بھی دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

لڑی اپنی جگہ خاموش کھڑی تیر لڑی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سوار تھی میں اسے ٹھوکر کی مار مار کر جہنم کر دینا چاہتا تھا۔ خبر تھی اس کی مدافعت کم زور ہو جاتی تھی میری ضربیں اس کی قد شدہ کمر خوں سے پورے دیکھ کر مجھے اس کی مزید موت سے روکا۔ اختیار کرتی جاتی تھیں۔ اور اگر لڑی مجھے آکر نہ روک لیتی تو میں آج وہ دوبارہ جس طرح میرے مقابل آکھڑا ہوا تھا۔ اس کے لڑنے کے انداز اور تیزی طرزی کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کبھی چند

ہاں مجھے قبل وہ اپنے سز چہرے اور سینے پر پہلے شہر میں کھا چکا ہے اور اس کے چہرے اور لباس پر نظر آئے والا خود اس کا ہی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے خوشخوار نفروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے حملے کے لیے ہلکے رہتے تھے۔ اچانک اس نے مجھ پر چھپنے کے انداز میں اپنی جگہ سے حرکت کی۔ میں تیزی سے خود کو بچانے کے لیے ایک جانب ہٹ گیا لیکن اس نے مجھے دھوکا دیا تھا انداز اس کا ایسا ہی تھا جیسے وہ مجھ پر چھپنا چاہتا ہو لیکن میری طرف آنے کے بجائے اس نے لڑی کو جادو جانتا تھا۔ شاید اس کا خیال ہو گا کہ وہ اس طرح مجھے اپنے سامنے بچھنے پر مجبور کرنے کا خیال لڑی کو ڈھال بنا کر وہاں سے بھاگ نکلتے ہیں کیا مدب ہو جائے گا۔ مگر اس کی یہ خواہش دلہی.... میں رہ گئی تھی۔ اس نے جیسے ہی لڑی کو اپنی گرفت میں لیا، لڑی نے نہ جانے کیا کیا تھا کہ وہ اچھل کر دروازہ پر اڑا تھا۔ بس یوں لگا تھا جیسے کسی طاقتور سپر ہرک نے اسے اچھال دیا ہو۔ وہ نیچے پڑا تیرتے سے لڑی کو دیکھ رہا تھا اس نے یہ تو سچا بھی نہ ہو گا جس نازک اندام حسینہ کو ایک سیدھی سادی لڑکی جان کر اس نے ڈھال بنانے کی کوشش کی تھی وہ ایسی ہنرمند ہوئی کہ اس جیسے سب کو بچھنے کو کسی بے خان کھلونے کی طرح اچھال دے گی۔ جادو لڑی کا استعمال یہ اندازیں دیکھتا ہو آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا۔ میں دوڑ کر اس کے قریب پہنچا مگر لڑی ایک دم جھٹ لگا کر میرے اور اس کے درمیان حائل ہو گئی۔

”میں جناب عالی! اب آپ لے ہاتھ نہیں لگائیں گے یہ شکست تسلیم کر چکا ہے آپ سے۔ مجھ پر حملہ کر کے یہ ثابت کر دیا ہے اس نے کہ یہ اب آپ سے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہا ہے۔“

”اس نے تم پر حملہ کیا تھا، میں اسے اس کی سزا ضرور دوں گا۔“

”اپنے اوپر ملے کی سزا میں خود نے لوں گی اسے۔ عورتوں پر ہاتھ اٹھانے والوں سے لڑنا مردوں کی تو بہن ہے جناب عالی! ایسے آدمی سے عورت ہی لڑتی اچھی لگتی ہے۔ آپ ہٹ جائیں دربار سے اب“

لڑی کی یہ بات مجھے پسند آئی تھی۔ جانورے اس پر حملہ کر کے مردانگی کا ثبوت نہیں دیا تھا چنانچہ لڑی ہی کو اس سے دودھ ہاتھ کرنے کا موقع ملنا چاہیے تھا جس طرح وہ ہماری لڑائی کا دور ہی دور سے نظارہ کرتی رہی تھی اسی طرح مجھے بھی اس سے دور رہنا چاہیے تھا۔ اس طرح مجھے لڑی کے وہ بہرہ دیکھنے کا موقع بھی مل رہا تھا جواب تک مجھ پر مختلف میں ہونے لگے تھے۔ لہذا میں ان کے درمیان سے ہٹ کر علیحدہ کھڑا ہو گیا۔ جاذاب اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ ہماری گفت گو نے شاید اس کی غیبت کو جگا دیا تھا، اس لیے اس نے لڑی پر دوبارہ حملہ کرنے کے بجائے میری طرف رخ کیا تھا لیکن لڑی نے اس کی مانگیں میں ٹانگ مار کر کچھ گرا دیا اور پلٹی۔ ادھر

کہاں جاسے ہو رستم کی اولاد! ادھر آؤ میری طرف تہ  
جانو خنوار گنگا جوں سے اسے گھورتے ہوئے تیزی سے اٹھا  
اور ایک دم لڑی پر چھٹ پڑا لیکن لڑی کے قریب پہنچنے سے پہلے  
وہ الٹ کر پیچھے جا کر لڑی نے ہوا میں اچھل کر بھر پورا انداز میں لڑائی  
لگ ماری تھی اسے جانوں پھرنی دیکھنے سے تھکن کھتی تھی۔ اٹ  
کر گرتے ہی وہ دونوں ناخنیں اوڑھ کر اچھا اور بے اس کے پیر زمین  
سے لگے تو وہ اپنے پیروں پر سیدھا کھڑا ہوا تھا۔ لڑی نے ایک  
بار پھر اچھل کر اپنے دونوں پیر اس کے سینے پر مارنا چاہتے مگر اس  
بار جا لڑی سے ٹکرائی کے کر ایک طرف ہو گئی۔ لڑی کا اور خالی گیا،  
وہ زمین پر گر کر پڑی۔ اس کے گرتے ہی جانے دانت بھینچ کر  
اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کی لیکن لڑی نے سرعت کے ساتھ  
تھوڑا سا ایک طرف ہٹ کر اس کی ٹانگ پر ٹکرائی لیکن لڑی اور جانوں  
پینے گرتے ہی اچھل کے کھڑی ہو گئی۔ اٹھتے ہوئے بھی اس نے  
جانوں کی ٹانگ میں چھوڑی تھی۔ وہ اس کی ٹانگ کو کھینچتے ہوئے  
چند قدم پیچھے ہٹی اور ایک جھٹکے کے ساتھ پوری گھوم گئی۔ پھر جروا  
وہ میرے لیے بہت ہی حیران کن تھا۔ میں نے اس سے پہلے عورت  
تو کسی مرد کو بھی ایسے لیے جوئے اور متوازن زندہ آدمی کو ایک  
ٹانگ پر ٹکرائی اس طرح پکڑ دیتے نہیں دیکھا تھا جس طرح لڑی نے  
چکڑے پر ہی تھی پھر چکڑے پر وہ زمین سے اوجھتا ہوا تھا۔ بالکل  
ایسا لگا رہا تھا جیسے جان چھوٹ کر صحت مند اور توانا آدمی نہیں  
کوئی مردہ گناہ جس کی ذمہ داری لڑی تیزی سے اسے چکڑے  
پر ہی کھینچ کر دوڑا دیکھ دیتے کے بعد ایک مرتبہ جب وہ اپنی لاکھ  
سیدھ میں آیا تو لڑی نے اس کی ٹانگ چھوڑ دی۔ وہ کہاں سے چھوٹے  
تیزی کی طرح لڑی کے ہاتھوں سے نکلا اور پوسے زور سے سر کے بلانی کا  
سے جھٹکا گیا۔ ایک زوردار جھکا ہوا اور لڑی نے اسے مردہ چھپکلی کی طرح  
پینچ کر پڑا۔ وہ بری طرح ترس رہا تھا اس کا پچھل دھڑ زین سے دو  
دوٹ اچھل اچھل کر گر رہا تھا دونوں ہاتھوں کی ٹھیکیں بچھ کر  
تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی جان بک رہی تھی حقیقت بھی  
یہی تھی وہ جتنا جاندار جوان تھا اسی قدر مشکل اور تکلیف کے ساتھ  
اس کی جان بک رہی تھی کئی منٹ تک وہ کسی نہ کسی کی طرح چلتا  
اور ترسنا ہوا پھر آہستہ آہستہ ساکت ہو گیا۔  
اس کے ساکت ہونے کے بعد لڑی میرے قریب آ کر بولی۔  
”چلیں جناب عالی! ایک ہیے تو اب ختم ہو گیا“  
”ہاں چلو“ میں نے چونک کر لڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے  
حیرت ہے تم نے اتنے بھاری جھرمک آدمی کو یوں پکڑے دیے  
تھے جیسے اس میں بالکل وزن ہی نہ ہو کچھ میں تو سوچ بھی نہیں  
سکتا تھا کہ تم اتنا وزن اٹھانے کی طاقت رکھتی ہو گی؟  
”اس کے لیے طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی جناب عالی! ایک

ہوتی ہے پس ذرا سی“  
”کمال کی ٹیکنیک ہے بھی یہ تو میں نے تعجبیں ایسا نہیں سچ  
تھی کبھی بھی میں ایک سیدی سادی لڑکی ہی جیتا رہا تھا تعجبیں  
”حیرت کی بات نہیں ہے یہ جناب عالی! آپ نے کبھی یہ  
سوچا کہ آپ جیسے خطرناک اور پرہیزگار شخص کا دامن ہتھام کر رہا  
پر چلنے کی خواہش رکھنے والی لڑکی خود کس مزاج اور کن خصائص کی  
مالک ہو گی؟ کوئی سیدی سادی بے فرائض خطرناک آپ کے بارے  
میں سب کچھ جانتے اور سمجھنے کے بعد آپ کے ساتھ چلنے کی جرات  
کر سکتی ہے کبھی؟“  
”ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن پہلے کبھی تم نے اپنی  
ایسی صلاحیت کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا؟“  
”میں کسی کے معاملات میں ٹانگ اٹانے کی قابل نہیں ہوں  
مائی ریسپیکٹ“ سراج تک کوئی مجھ سے نہیں۔ تانہیں پس  
ہی دیکھتی رہتی ہوں۔ اب اس کو یوں کیوں کر آج اس کا  
کی عمر ہی تمام ہو چکی تھی کہ وہ مجھے چھیڑ بیٹھا۔  
بڑے خوفناک قسم کے حریف سے لیس کر کھاتا اس نسبت  
کو اس کے سر پر ستوں نے۔ یہ میرے حق میں بہت ہی اچھا  
تھا کہ میں نے اسے اپنے اہل علم کی ہوا نہیں گھنے دی تھی۔  
اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی غامضی ہے کہ اگر کھل کر ام  
سے بااس کی قوم سے دشمنی پر آخر آنا تو میرا انجام بڑی جبریت تک  
مجھے تو میری غم پادہ تقدیر نے اسے ڈگر پر لا ڈالا تھا اور جی میری  
میرا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی اس لیے جیسے تیسے اس را  
قدم بڑھائے چلا جا رہا تھا وہ نہ سرح تو یہ ہے کہ میں اب تک  
راہ گزر پر چلنے کے طور طریقوں سے بھی واقف نہیں ہو سکا تھا  
کے ٹھیک و خراز سے کس طرح آگاہ ہوتا۔ ابھی تک میرا ساتھ  
ایسے ہی لوگوں سے چلتا رہا تھا جو بس چلتے چلتے جینک کا رخص  
نیکے تھے انھیں باقاعدہ کسی منصوبے یا مقصد کی تمیل کے لیے تیار  
کیا گیا تھا اور جب میں ایسے لوگوں کے ہاتھ پڑا تو انھوں نے پہلے  
ہلے میں مجھے توڑے وان بنا کر امریکا کی پورٹ کر دیا تھا اور اب  
واپسی بھی ہوئی تھی تو اس طرح کہ میں اسرائیل کا ایک فتنہ اپنی  
حشر سامانوں کے ساتھ میرے ہمراہ تھا۔  
”مسٹر آفٹر نے بتایا تھا کہ تم یہاں ان کے کچھ دوست  
واقف ہوا دیکھنا ان سے متعارف کرادو کی تاکہ بوقت ضرورت  
میرے کام آسکیں۔ میں جانا ہی چاہتا ہوں کہ کیا ان میں کوئی ایسا  
بھی ہے جو میری بہن آسیہ اور میرے ماما سم کی آلہ کی رہائی کے  
میں میری مدد کر سکے؟ میں نے کار کار وازہ کھول کر ڈرائیو  
لشت سنبھالتے ہوئے پوچھا۔  
”اس کے لیے آپ زیادہ پریشان نہ ہوں جناب جان

کہ یہ کام بھی ہو جائے گا“ نکل ہی آئے گی کوئی صورت اس کی بھی؟  
”یہ کوئی یقینی بات تو نہیں ہوتی حالانکہ میں بتا چکا ہوں کہ جب  
مک وہ دونوں آزاد نہیں ہو جاتے۔ میں دوبارہ سان فرانسسکو  
پاکستان سے باہر کہیں بھی نہیں جاسکتا۔ مجھے ڈر ہے کہ ہم نے انھیں  
جلد آزادی نہ دلائی تو وہ مزاحمتیں کریں گے اور ان کے لیے موت کی سزا  
سے کم کوئی سزا تجویز کر کے پر کوئی بھی عدالت رضامند نہیں ہوگی۔  
میں کارائمنٹ کر کے اس مامے سے باہر نکل آیا تھا۔ جانو کم  
نے اس کی کامیت وہیں چھوڑ دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی جلد ہی  
اس کی لاش کو دریافت نہ کر سکا اور دو ایک دن وہ وہیں پڑی رہی تو  
کئے اور گریڈ اسے شناخت کے قابل نہیں رہتے۔ اپنے چکلے  
ہم نے بڑی حد تک اس قابل کر لیے تھے کہ اگر کم گاڑی سے باہر نہ  
نکلنے تو کسی کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا کہ ہم کوئی منگامترن موزر  
سر کر کے رہے ہیں۔ میرے لباس پر جانوں کے خون کے دھبے تھے مگر  
ان پر مٹی لگنے سے ان کا رنگ خاصا ملایا ہو گیا تھا اور قریب سے  
لینز دیکھ لیکر کوئی انھیں خون کے دھبے نہیں کہہ سکتا تھا۔ لہذا میں  
نے بے دھڑک کا واپسی کے راستے پر دوڑانا شروع کر دی تھی۔  
”میں نے آپ سے کہا تو ہے آپ زیادہ پریشان نہ ہوں کام  
آپ کا ہو جائے گا“  
”لیکن تم نے کہا ہے کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ اس کا تو مطلب  
یہی ہوا کہ کامیابی کا صد فی صد یقین نہیں ہے۔“  
”دیکھیں جناب عالی! مسئلہ ہے انھیں سرکاری جیل میں نہ کالنے  
کا اگر کسی کی نئی قید میں ہوتے وہ لوگ قید کر کے والوں کیسٹ ناؤ  
کر کے بھی انھیں نکالا جاسکتا تھا لیکن جیل میں ان کا کیا کیا جاسکتا وہاں  
تو وہ صدمہ خالی ہی استیصال کیے جاسکتے ہیں۔ اگر اس میں نا کامی ہوئی تو  
کوئی اور راستہ بھی تلاش کیا جائے گا کچھ بھی یقین سے نہیں کہا جاسکتا  
کہ کامیابی ہو ہی جائے گی۔“  
”ٹھیک ہے“ ٹھیک ہے۔ اس شرافت علی کو بھی سمجھاؤ تم  
ہی کہ وہ کئی خیال سے ملنے کے لیے جلدی کرے۔ ابھی اس سے ملنے  
کا فائدہ بھی کیسے۔ میں اپنے مسائل کو حل کے لیے تو یہاں سے نہیں جا  
سکوں گا کہیں۔“  
”کیا ایسا نہیں ہو سکتا جناب عالی! اگر آپ کثیر خان سے مل کر  
امریکہ چلے جائیں اور میں یہاں سے آپ کی بہن اور دوست کی ہائی  
کے لیے کوشش کرتی رہوں۔ یہ یہ وعدہ ہے کہ میں اس کوشش میں  
کوئی کمی بھی چھوڑوں گی۔“  
”میں سوچوں گا اس مسئلے میں ابھی تو وہ جواب تک نئی مصیبت  
کھڑی ہو گئی ہے اس سے بھی نمٹنا ہے کسی نہ کسی طرح۔“  
”کون سی نئی مصیبت؟ کس کا ذکر کر رہے ہیں آپ؟“ ظہیر احمد  
کی نوبت نہیں کر رہے ہیں کہیں؟“

”اوتے نہیں یاد! یہ ظہیر احمد بھی مسک رہے کوئی؟ اس کا کیا  
بازو تو کاٹ کے پھینک دیئے ہیں۔“  
”تو پھر اور کون ہے؟ میرے خیال میں تو اس کے سوا کوئی ہی  
چیز نہیں ہے جسے مصیبت کا کھانکے؟“  
”میں ان ہیروں کا ذکر کر رہا ہوں جو جن سے میرے پلاستر  
میں دھن کر کے بھیجے تھے اور اب غائب ہو چکے ہیں۔“  
”اس کی آپ کیوں فکر کر رہے ہیں وہ جن کا ذاتی معاملہ ہے؟“  
اس کے لیے وہ آپ کو کئے پر مجبور نہیں کر سکے گا کہیں۔“  
”تمہارا کیا خیال ہے؟ لاکھوں روپے کے ہیروں کو کھول جائے  
گا آسانی کے ساتھ وہ؟ اور بالکل کوئی کوشش نہیں کرے گا انھیں  
دوبارہ حاصل کرنے کے؟ میں نہیں سمجھتا وہ زکا بندہ اپنی بڑی دولت  
کو یوں نظر انداز کر جائے گا۔ لیس کسی وجہ کے۔“  
”میری اطلاع اگر غلط نہیں ہے تو اس کے لیے پہلا موقع نہیں  
ہو گا ایسا کرنے کا۔ اس سے پہلے بھی وہ پچھرا لاکھ روپے کا کھول  
چکا ہے۔ وہ نقصان بھی اسے آپ کے ہاتھ سے پہنچا تھا۔“  
”میں حیران رہ گیا۔“ اس سے میرے بارے میں سب کچھ بتا گیا تھا۔  
پوری تفصیل سے ایک ایک بات گوش گزار کر دی گئی تھی اس کے۔  
اوتہ تم یہی جانتی ہو؟ میں نے کہا لیکن وہ اس وقت کی بات ہے  
جب ہم دشمن ٹھیک دو دوسرے کے۔“  
”اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں اس بارے میں جب اس  
نے دشمن ہوا کرتی بڑی رقم پرصر کر لیا تھا تو اب دوست بن چلنے کے  
بعد وہ آپ سے لگا کر کے گا اپنی بات پر۔ آپ کی دوستی زیادہ  
قیمتی ہے اس کے لیے جناب عالی!“  
”فرٹھیک ہے؟“ ظہیر احمد نے مسکرا کر نہیں بنا میرے ہر دلی کی تو  
ہم جلد از جلد لاہور چلیں گے مگر اس سے پہلے آسیہ کی رہائی کے لیے  
کوئی کارروائی شروع کر دینا چاہیے۔ لاہور پہنچے تو اس جی سب سے  
پہلے اسی کے بارے میں سوال کریں گی۔“  
”اپنی بہن سے بہت محبت ہے آپ کو؟ وہاں سان فرانسسکو  
میں بھی آپ کو کسی کی فکر پریشان کیے رہتی تھی۔“  
”ہاں لڑی اہم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں اس کے قدر چاہتا  
ہوں۔ بہن ہی کون میرا؟ اس دنیا میں اس کے اور مال جی کے سوا۔  
اسی کی زندگی کے لیے خوشیاں لینے ہی تو نکلا تھا گھر سے اور اچھٹا  
اس دشمن اور عالی کی دلہن میں جس میں سے دوبارہ نکلا آج تک  
نصیب نہیں ہو سکا ہے مجھے۔ میرے پیچھے پیچھے بد بخت آسیہ بھی  
اسی اراذل میں جا رہی اور اب جیل میں پڑی اپنے نصیبوں پر ماتم نکلیں  
ہے۔ ہماری اس تیرہ بختی نے اس جی کو بھی بے چین کر رکھا ہے۔ ایک  
دن جی سکھ کا سن نہیں لے سکیں وہ اس دن سے جب میری تیرہ وقار  
تقدیر نے مجھے بے راہ رو کیا ہے۔ کیا سوچتی ہوں گی وہ کسی اولاد ملی

57

ہے انھیں۔ میں نے اپنے بچوں کو اس لیے تو اپنا لہو بولا جوان نہیں کر نہیں کر وہ ان کے بڑھاپے کے لیے روگ بین جائیں میری کی آواز بھڑانے لگی۔

”بہت جذباتی ہو رہے ہیں آپ اس وقت جو صے سے کام لیں جناب عالی! ہم جلد ہی اچانک کے سامنے زخم بھریں گے بہت جلدی اداوان کی بھولی میں اتنی خوشیاں ڈال دیں گے کہ پھر انھیں کبھی کوئی شکوہ نہیں رہے گا آپ سے۔“

”میں اب تک اپنے دل کو انھیں غفلت سے بھلا رہا ہوں لڑی بھگہ! ہر بل میں اپنے آپ سے ہی عہد کرتا رہا ہوں کہ اس مرتبہ میں اپنی ماں کی راہ کے سامنے کاٹنے صاف کر دوں گا“ ان کے دل کے سامنے غم کی کڑمندی بھر کے دکھوں کا مادہ کر دوں گا کہ میری غم یادہ قدر سے مجھے کبھی اتنی مسرت ہی نہیں دی کہیں اپنا عہد پورا کر سکوں!“

”ہر شخص اپنے سینے میں آتش نشان دبا رہے بیٹھا ہے۔ دنیا بڑی بڑی جگہ ہے جناب عالی! یہاں پھول کم اور کانٹے زیادہ ہیں۔ کس کے سینے میں گلزار کھیلے ہیں یہاں ہر شخص کے کانہ پر پھول کی گھڑی رکھی ہے۔ وہ جو بے حد آسودہ نظر آتے ہیں اور شہرت کے سمائے بیٹھے ہیں اور وہ جوانیت شاداں و فرخشاں خوشی سے کھیلے ہوئے تر و تازہ چہرے لیے بھرتے دکھان دیتے ہیں، کبھی ان کے اندر جھانک کے دیکھا جائے تو پتا چلے کہ کیسے کیسے عذابوں سے گزر رہے ہیں وہ۔ یہ دنیا بہت سمر ہے جناب عالی! اپنے دکھوں کا حساب کرنے کے بجائے دوسروں کے الم شاد کر لو وعدہ کھلے گا آپ پر کہ آپ دوسروں سے زیادہ فائدہ میں ہیں۔ پھر آپ کو اپنی قدر سے شکوہ نہیں رہے گا۔“

کیسی عالمانہ اور فلسفیانہ باتیں کر رہی تھی وہ اس گھڑی اور کتنی سچی باتیں تھیں، مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تجربات و مشاہدات کی بجائے سبک کر تھی عقلی دھماکا اس کی صورت دیکھ کر کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس نے ایسی باتیں سمجھی تھیں بھی ہوں گی کسی سے۔ اس کا ہر وہ اپنا دکھاؤ پر چمکا دینے والا تھا۔ ابھی بھولی ہی دیر پہلے اس نے جان کو جس طرح ٹھکانے لگا تھا وہ کوئی کم حیران کن واقعہ تو نہیں تھا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اس کی بدن گلاب پر ہونے شام گل کی طرح نازک حسد جس کی تحقیق اس گلستان دنیا کے حسن کو دوبالا کرنے کیلئے کی گئی تھی، اپنے سینے میں کسی وہ رند سے کا دل لیے پھیر رہی ہے۔ اداوان سے اس کی چمن کھلتے تھے اور باتوں سے پھول جھڑتے معلوم ہوتے تھے مگر عمل کی دنیا میں کون سے ٹکڑے کھلا رہی تھی وہ یہ تو ہی جان سکتا تھا جس کا اس سے سابقہ پڑتا۔

وہ میس باتیں کر رہی تھی میرے کان اب ان باتوں کو سننے کے لیے نہیں بند تھے۔ اور بحث مباحثے کی جگہ عداوت نہیں رہی تھی۔

ایک عرصے سے میں جو زندگی گزار رہا تھا اس میں ایسی چیزوں کا گزر ہی کمال تھا۔ آگ اور خون کے اس کھیل میں قاعدے قانون اور دلائل میں ہر کون وقت برباد کرتا ہے۔ یہاں تو دور اور بڑی جگہ واحد دلیل ہے کسی کو قاتل کرنے یا اپنی بات سنانے کی۔ یہاں حکم دینے یا حکم کی تعمیل کرنے کے سوا درمیان کا کوئی راستہ نہیں ہوتا یہاں زندگی باقی نہیں بچیں جانی ہے اور جنھیں چھپنے کی عادت پڑ جائے ان پر زبان کی دھماکا نہیں کرتی۔

میں خاموش ہو گیا مگر سید داغ میں لانا پاک رہا تھا۔ اندر سے کوئی نادرہ وقت مجھے یہ یاد دلا رہی تھی کہ غلام جیلانی اس بہت بڑا پرہیزگار و سادہ کے بیٹھے رہنا یہ تیری بہن کی آزادی کے مسئلے میں مجھے کس غفلت تسلیم ہی دیتی ہے۔ یہ تیری کی مدد نہیں کرے گی کیوں کہ اسے اور اس کے سر پرستوں کو یہ کبھی نظر نہیں ہوگا جیسے جیسے سولے کاغذہ فیضی والی مرغی ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ وہ ہر وقت تیری نیکل اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں اگر اس سداوت کو آزادی مل گئی تو تجھے اپنے اشاروں چیلنے کے لیے مجبور نہیں کر سکیں گے۔ ان کی آزادی کا لالچ دے کر ہی تو تجھ سے کام لے سکتے ہیں وہ در ان کے پاس ایسا کون سا ہتھیار ہے جو تجھے ان کے سامنے بھجکا سکے۔

ہر ڈرگ روڈ پہنچ چکے تھے۔ ڈرگ روڈ پر ایسٹن کے بالکل سامنے نیشنل ہائی وے سے ایک ذیلی سڑک دائیں جانب مڑ رہی تھی۔ لڑی نے مجھے سیدھا جاتے دیکھ کر اٹھکی سے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”ادھر سے چلیں۔ اب ہمیں فوراً گھر پہنچ جانا چاہیے۔“

میں نے گاڑی اس ذیلی سڑک پر موڑتے ہوئے کہا ”کیوں؟ آخر گھر پہنچنے کی اتنی جلدی کیوں ہے تمہیں؟“

”اس لیے کہ وہاں شرافت علی بہارا منتظر ہوگا۔ بھولی یہ رضوی ہے کہ اس نئی صورت حال سے اُسے آگاہ کر دیا جائے۔“

”کون فائدہ نہیں ہوگا اس سے لڑی بیچم! وہ اب بھی مجھے کسی سمجھانے کی کوشش کرنے کا ظہیر احمد کا اس کے حال پر چمک رہا ہے۔“

”میرا خیال ہے وہ اب ایسا نہیں کرے گا۔ آج کے واقعے کے بعد وہ آپ سے اس کی سفارش نہیں کرے گا۔ یہ جاننے کے بعد کہ وہ ظہیر احمد بھی آپ کو شکا کرنے کے لیے کھات لگائے بیٹھا ہے وہ آپ کا ساتھ دیتے پر مجبور ہو جائے گا۔ کیوں کہ اگر وہ یہ جانتا ہے کہ آپ جلد از جلد لاہور چلے جائیں تو اس کی ہی کوشش ہونا چاہیے کہ آپ یہاں کسی لیے چکیں نہ جائیں۔ مجھے امید ہے وہ آپ کے ساتھ مل کر فوری ٹو پر ظہیر احمد کا جھگڑا منانے کی کوشش کرے گا۔“

”تمہارے کہنے سے ایسا مجھ کے دیکھ لیتا ہوں حالانکہ مجھے اس کی اُمید نہیں ہے اس نے وہ ظہیر احمد کو کھانا نہیں چاہتا ہے اپنے

ہاتھ سے۔ وہ ظہیر احمد بہت کام آتا ہے ان لوگوں کے معاوضے کے بہت خدمت بجالاتا ہے وہ ان کی“

شرافت علی بہن میں وہاں ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھا ہوا تھا۔ شاید اسے یقین تھا میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔ یوں بھی لڑی میرے ساتھ لگ کر گئی تھی چنانچہ اس کا یقین بے وجہ نہیں تھا۔ لڑی سے وہ واقف ہوگا مشکل آسٹھنا نہیں تھا لیکن بہار سناغ فرانسکو سے روانہ ہونے سے پہلے جب اسے ہمارے کراچی پیجنے کی اطلاع دی گئی ہوگی تو یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ میرے ساتھ سولے والی وہ حسین لگی ہوئی ہے اور اس کس قسم کا سر بھرے پھرتے ہے وہ فلو میں پڑنے میں تو پیش میں آٹھ کر چل رہا تھا اور جاتے ہوئے ان ڈھلون میں سے کسی پر بھی نظر نہ نہیں ڈالتی وہی لگتا بھی ہو سکتا تھا کہ لڑی اسے اشارے سے پرہیز کر رہی ہے۔ شرافت علی بہن جلد سے سیرا منتظر کر دے وہ مجھے واپس لے آئے گی اچھی میں نے شرافت علی کو دیکھتے دیکھتے اس سے مندرت کرنے لگا۔ ”مجھے اتنوں سے شرافت علی یاد رہا اب غصہ آ گیا تھا مجھے بڑی سناغ فرارشی کا ثبوت دیا ہے میں نے۔“

وہ ہنس پڑا۔ ”مجھے یقین تھا جیلانی! جلد ہی تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا اور تم واپس آ جاؤ گے۔“

”ہاں یا را! تو اچھا ہوا لڑی میرے ساتھ چلی گئی! اس نے اپنی غلطی کا احساس دلایا مجھے اور سید داغ میں جب آگ لگتی ہے تو کچھ نہ کچھ جھلکا کر ہی رہ جاتی ہے۔ یہ بڑے نقصانات اٹھانے میں ہیں نے پنی اس کیفیت کے بھانوں۔“

”نیک راج تو آپ نے دشمن کا زبردست نقصان کیلئے۔ آدمی جان کمال لی ہے اس کی آپ نے بڑی بولی۔“

”اس میں بھی مختار اداوان ہی حاصل تھا مجھے۔ میں اکیلا تو شاید نقصان ہی اٹھا کر آتا آج بھی۔“

”یہ نہیں آپ جناب عالی! اس کے مل تو آپ نے ہی نکال کے الگ کر دیے تھے اس کے جیسے تو میری طرف آیا تھا وہ۔ آپ سے بچنے کے لیے ہی تو اس نے مجھے ڈھال کے طور پر استعمال کرنا چاہا۔ بہت خوفزدہ ہو گیا تھا وہ آپ سے۔“

”کیا کسی سے گھڑا ہو گیا تھا باہر؟“ شرافت علی نے ہماری باتیں سن کر پریشانی سے پوچھا۔ کیا ہوا تھا؟ کون تھا وہ؟“

لڑی نے اسے پوری تفصیل سنائی اور بولی۔ اس ظہیر احمد کو توڑ آئے ہیں یہ باہر نکلتے ہی۔“

”ادو“ واقعی کمال کی کر دینے باز جیلانی! تو نے تو۔ ایسا نہیں سمجھا تھا میں تجھے ظہیر تو اب کسی کام میں نہیں نہا ہے۔“

”کیوں نہیں رہا ہے وہ کسی کا کھانا تو جیسا کوئی اور مل جائے گا اسے اس کے علاوہ اور بھی لوگ ہوں گے اس کے ساتھ؟“

”منہم میرے یا را! اس جانور کو قبل ہی نہیں بے کوئی پوسے

شہر میں۔ اس کی وجہ سے ظہیر احمد سے خوفزدہ رہتے تھے تمام لوگ کوئی لگنے کی جڑ نہیں کر پاتا تھا اس سے۔ پتا تو خود اندر نہ تھا وہ جملان تھا مجھے پتا نہیں ہے کیا کر آیا ہے تو نہ کج جائے گا لڑی میں تیرے نام کا، جسے بھی تیرے اس کارنامے کی خبر ہوگی تیرے آگے سر بھجکا دے گا وہ آگے۔“

شرافت علی نے اٹھ کر مجھے سینے سے لگایا تھا اور باور کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے کوئی بہت ہی بڑا، بہت ہی اہم کارنامہ انجام دے دیا ہے۔ آٹھ مہل سے اس کی بے پناہ محبت اور عقیدت جھلکنے لگی تھی میرے لیے۔ میں حیران تھا یہ وہی شرافت علی تھا جو چند گھنٹے پہلے اپنا سامان دوسرا پر فرمت کر رہا تھا کہ میں ظہیر احمد سے انتقام لینے کا خیال نکال چھینوں اپنے دل سے وہ ہر ممکن طریقے سے مجھے اس سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر جانور کی موت کا علم ہوتے ہی اس کا انداز بالکل ہی بدل گیا تھا خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑتی تھی۔ وہ مجھے چھوڑ کر تیزی سے مٹی فون کی طرف گیا اور رسیوار اٹھا کر کسی کے گھر ڈال کرنے لگا۔ دوسری طرف سے سلسلہ ملتے ہی اس نے دن شروع کر دیا۔

ایک بڑی اچھی خبر ہے سر اج!“..... اونیں یا را تم سوچ بھی نہیں سکتے تھے بلے ملین! اس یوں جھکھو مگر وہ بگیا ہے۔..... ہاں ہاں بتا رہا ہوں۔ ہم لاندھی پولیس اسٹیشن کے پتار کھڑے فون کر کے اسے نو دہ رہزی کی طرف اپنے آدمی بھیج کر ادر جرنال سے جا بھڑک کر کش اٹھوا لے..... ہاں بالکل..... بالکل نجات مل گئی ہے اس سے ہمیں..... لاندھی تھکنے کا پتار کھڑے جب وہاں سے لاش لائے گا تو یقین دلا دے گا تھیں۔ میرے لیے اس خبر پر شہر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ میرے بہت قریبی آدمی نے یہ کام کیلئے..... بس موت ہی آگئی تھی اس کے۔ اچھلنے میں بھڑک گیا تھا وہ اس سے ظہیر کے بھڑکانے پر..... مل لینا تم بھی اس سے۔ کوئی گناہ آدمی نہیں ہے نہ وہ بھی مرنائی گرا ہی شخص ہے۔ پتے تصدیق کر کے اطمینان کر لو“ وہ رسیوار کر ٹیل پر ڈال کر کہہ تو میں نے پوچھا کہ اسے اطلاع دی ہے تم نے؟ کون ہے سر اج؟“

”اپنا ہی آدمی ہے۔ پریشان کر رکھا تھا اسے اس روز مل جانو نے پانچ لاکھ روپے قیمت لگا رکھی تھی اس نے اس جانور سے سہی اسنا عاجز تھا وہ اس سے تم جو ہوا اس سے پانچ لاکھ روپے وصول کر سکتے ہو خوشی سے دے دے گا وہ۔“

”اوئے دفع کر یاد! تجھے تو شاید عادت پڑ گئی ہے ہر کام میں منافہ کمانے کی۔ پیسے کے سوا کچھ نہیں سوچ سکتا ہے تو؟“

اپنے ملنے والوں کے سامنے مجھ اپنا عزیز کہتے شرماتے تھے۔ وہ لوگ اب فکر کرتے ہیں اس بات پر کہ وہ شرافت علی کے عزیز ہیں۔ دودھ رو کر کے رہتے دھاری سکوں کی طرح ملتے ہیں بدھ جاتے۔ بن لوگ سر اکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ یہ سب اس پیسے کی بات کو نکال رہے تھے جسے حاصل کرنے کے لیے میں نے اپنے مفکر کو ڈال دیا، ہلاک کر دیا اپنے آپ کو تباہی آدمی اور پیسے کی حیثیت کا علم ہر سکا ہے مجھے۔

”ہاں یار! بات تو کسی حد تک ٹھیک ہی کی کتاب ہے تو“ معری بھی نیم کو کہے کہ ہر آدمی سے عزت اور نیک نامی نہیں خرید سکتا۔ کچھ میرے جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو دولت حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی بچان چھپتے پھرتے ہیں۔ اپنا ہر لقمہ پاشا تے ہوئے چلتے ہیں کہ قانون ان نشاؤں پر چلتا ہوا ان تک نہ پہنچ جائے۔

”ہاں ہوتے ہیں ایسے بانیہب بھی جو اپنی کم فنی کی بدولت انعام و تقسیم کی راہ تلاش نہیں کر پاتے اور جبراً پیش کی حیثیت سے متعارف کر دیتے ہیں خود کو حاشیہ میں۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ تم نے ابتدا ہی میں خود کو ایک مجرم بنا کر پیش کر دیا پھر پھر تمہارے لیے مشکلات پیدا ہوئی چلی گئیں۔ ورنہ دنیا کے کتنے خوفناک ترین مجرم ایسے ہیں جنہیں کوئی ان کی اصل حیثیت سے جانتا تک نہیں وہ حاشیہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور ملتے موز ہوتے ہیں وہ کہ قانون کے محافظوں کو ان کے جرائم کا علم ہونے کے بعد بھی انہیں نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ جرات نہیں ہوتی ان پر ہاتھ ڈالنے کی۔“

”ہاں یار! جانتا ہوں میں تم ٹھیک کہتے ہو ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے میں اب تک موجود ہوں اس دنیا میں ان لوگوں نے اپنے بہت سے کام چھپے لیے ہیں اور ان کے کوشش مجھے تنہا فراہم کرتے رہے ہیں۔ لیکن وہ دھڑلے صاحب کے بعد اب ایسا کوئی سایہ نہیں رہے میرے سر پر جیسی میں خواہ مخیر ہا ہوں اور دھڑلے۔“

”نہیں ایسا نہیں ہے۔ تم نے ڈاکٹر دھرم کو دوست بنا کر ساری مشکلات سے نجات حاصل کر لی۔ ابھی تمہیں ان کی طاقت اور ان کے ہاتھوں کی نمائی کا اندازہ نہیں ہے۔ کچھ معلوم ہوتا تھا میں تو ایسی بات نہیں کہتے۔“

”جانتا ہوں اس دھرم کو میں خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ کیا وہ کون واقت ہے اس سے مہاں میری ہی وجہ سے اس نے پہلے لاہور بھیجا تھا اور پھر یہ ملک چھوڑ کر کجا کا تھا۔ وہ کیا جادو ہے جس نے اس کے ہاتھوں کی لہائی کے بارے میں، میں نے طنز کیا۔

”اس خیال میں نہ نہ پھیلائی اب ڈاکٹر دھرم وہ نہیں ہیں جنہیں تم دونا سے پھرتے تھے اپنے آگے بڑھتے۔“

”کیوں؟ کیا اب تمہارا بے پر لگ گئے ہیں اس میں؟ میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔“

”تمہیں اس سے اندازہ نہیں ہوا کچھ کاس نے وہاں چتے بڑے بڑے

میں بیٹھے بیٹھے تمہیں لاہور سے باہر بنا کر لایا لیہ پاس اور پھر ساری دشمنیاں دھو کر دل سے مٹھا لئے دوبارہ اسی طرح یہاں بھیجا دیا جس طرح بولایا تھا۔“

میں اس سے کتنا چاہتا تھا کہ اس نے میرے خوف سے یہ وہاں کے ہاتھوں کر دی کھ دیا ہے اپنے آپ کو اور انھی کے کاڈھوں پر چڑھ کر اونچا نظر آگئے گا ہے وہ۔ میں اسے جھوٹوں گا وہاں بھی نہیں۔ میں نے بھی اس کے لیے وہی نام تار کیا ہے جس میں وہ مجھے الجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر میں اس سے کہہ نہیں سکا یہ بات۔ لڑی وہاں بھڑکی اور اس کے سامنے اس کی کوئی تباہی نہ رہی زبان سے نہیں نکلا چاہیے تھی جو اسے میری طرف سے چوکنا کر دیتی۔ اسے تو یہ شہر بھی نہیں ہونا چاہیے تھا کہ میں اس کے خطر از حسن کی سحر کاروں سے آزاد ہو چکا ہوں اس کی آنکھوں کی پھیل میں تیرے ہونے بخت کے کنول میرے لیے ابھی کشش کھ چکے ہیں اب اور میں جس کی زندگی کا ایک بڑھڑکتا کشت خون کی فصل کاٹنے کو رہا ہے جس کے بیٹے میں اپنی بنی آسم کر شاد و باد دیکھنے کے سوا کوئی خواہش ہی نہیں تھی کبھی جس کے ہرمل کیے پیچے بس یہی ایک جاہر پوشیدہ تھا اب تک اس کی زندگی ایک نیا رخ اختیار کر چکی تھی، قسمت نے دھن کے گشتوں کے ذریعہ مجھے میرے بیچ کر جو کچھ مختلف کیا تھا مجھ پر اس نے مجھے زندہ رہنے کے لیے ایک مقصد فراہم کر دیا تھا۔ اس مقصد پر میں سب کچھ قربان کر سکتا تھا۔ آسم اور آبی کو توئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ ملک کی آزادی اور قوم کی بقا کی خاطر تو ایک ہزار سیڑھی نہیں اور آبی قربان کیے جاسکتے ہیں۔

”ابھی کوئی صدیوں تو نہیں گزر گئیں ہیں آزادی حاصل کیلئے زمانے کی گرد نے ہمارے بزرگوں کی اس جدوجہد کو چھپا تو نہیں دیا ہے ہماری لڑائیوں سے جو انھوں نے اس ملک کو حاصل کرنے کے لیے کی تھی۔“

”لاکھوں جاہیں نذر کر دی تھیں انھوں نے اس آزادی کے لیے اور لاکھوں بیٹوں اور بہنوں کی آبرو اس ملک کی آبرو پر قربان کر دی گئی تھی۔ اور ابھی ایک نسل کی گزری تھی کہ کچھ ننگ بٹ ننگ وطن میرے ملک کی آزادی کا سودا کرنے پر تل گئے تھے۔ یہ جہاد کی بڑیوں کے بیوپاری بہنوں اور بیویوں کی آبرو کے سودا گرز و تاجر کی چمک دیکھ کر مینا کی کھوپٹی تھے اپنی۔ یہ بھی نہیں سوچتے تھے وہ کہ یہ ملک نہ تو خود کس طرح پہلے جانیں گئے دنیا میں۔ اس دور میں جب دین کے ایک سرے سے فوسے میرے ملک انسان غلامی کی بنچیریں توڑنے کے لیے چھینک چکا ہے۔ چھوٹی چھوٹی کتا تو میں بھی یا تو آزادی حاصل کر چکی ہیں یا اس کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ عاقبت نااندریں لوگ پیدا کیے شہید جدوجہد اور عظیم ترین قربانیوں کے بعد حاصل کی گئی آزادی کے دام کھرے کرنے پر تلے بیٹھے ہیں اور قدرت مجھے ایک موقع فراہم کر رہی تھی۔ اس طرح میں اگر سب انہیں تو کچھ دشمنان ملک و ملت کی بچ نئی ضرور کر سکتا تھا۔ پھر اس

موقع کو خالص کیسے کر دیتا اگر میں کسی ایک خذار کو بھی ٹھکانے لگا سکتا تو یہ بھی بہت خفا مجھے وسیلہ حقیقت شخص کے لیے۔ میں نے کون سا نیک عمل کیا تھا اب تک جو کبھی میرے کام آتا تھا۔ اونچا خاصا بڑھا کھا آدمی تھا پھر کبھی جتنے ان پڑھ لوگوں کی طرح جناب کے ریسے میں ہا ہا پیر ہا تھا اب تک۔ یہ زمین یہ سونی دھرتی جو میرا اور میرے پیاروں کا رچا بھلائے ہوئے تھی جو میرے لیے اوزان و قاسم کے ہونے اور راجہ کا مٹی تھی اس کا بھی تو فرض واجب تھا میرے اوپر اس کا بچنے خیال ہی نہیں آیا تھا کبھی۔ کیسا احسان فراموش اور ناشکر گزار بندہ تھا میں خذ کا ٹکڑا دار کرنا چاہیے مجھے اس نے جلدی میری آنکھیں کھول دی تھیں سارے پردے اٹھا دیے تھے میری آنکھوں کے سامنے سے اور ایک موقع بھی فراہم کر دیا تھا۔ اب میں اس دھرتی کا کچھ تو فرض اور کری سکتا تھا۔ مشکل میرے لیے تھی کہ میں ایک کم کردہ راہ شخص مگر ای کی دل دل میں انکر اپنا مقام کھو بیٹھا تھا۔ اعتدال کو ایک تھا۔ اب ان کرش اس کام کے لیے با اختیار اور با وسیلہ لوگوں سے مدد کی درخواست کرتا وہ کبھی میری بات پر کان نہیں دھرتے بلکہ میرے سامنے آتے ہی مجھے بڑے کوئی کوئی موٹی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیتے اور میرے ایک ایک عمل کا حساب کرنے بیٹھ جاتے۔ لیکن اب وقت نہیں رہا تھا حساب کتاب کرنے کا اگر میں اس چکر میں پڑ جاتا تو یہ وقت بھی میرے ہاتھوں سے پھسل جاتا اور میں بس مزد دیکھتا ہی رہ جاتا۔

میں نے شرافت علی سے کہا تھا میں میرے یاد یا اس نے سچ سچ کچھ پر اہر احسان کیا ہے۔ آنکھیں وا کر دی ہیں اس نے میری احساس دلا دیا ہے مجھے کہ میں اپنی اپنی ملک کی زندگیوں کی بقا خوار میں بسر کرتا ہوں میں مگر مجھ کو گرد گرد آوارہ پھرتے پھرتے منزل کا نشان گم کر بیٹھا تھا۔ اس دھن نے اور کچھ میرے میری منزل کا پتا نہ دیا ہے۔ اس کی دشمنی نے تو مجھے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ اپنے وجرے کے کوشش چھپتے پھرتے کے سوا کوئی کام ہی نہیں رہا تھا مجھے۔

”اس دھن کو تو تم کھڑے کو فائدہ ہے ہی میں جو کے جیلانی! دشمنی میں نقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا کسی کے۔“

”ہاں تو ٹھیک کہتا ہے یہی ایسی تجربہ ہوا ہے مجھے بھی اس زندگی میں بہت تک گیا ہوں میں دشمنیاں ہاتھ ملتے۔“

”اتھا اب میں جا رہا ہوں شا کاؤں کا کہیں جانا ہو تو گاڑی کو جو دے تیرا حق میں کین جانا وہاں مادام کو کھڑو ساتھ لے جانا۔ اکیلے نہیں بھگت کرے۔ اس معلوم ہوتا ہے بنگالے تمہارے انتقام میں باہر لان لگائے کھڑے ہوئے ہیں بھگتے ہی لوٹ پرتے ہیں تیرے۔“

آتے ہیں وہاں۔ کون ہیں یہ معلوم نہیں کیا میں نے۔“

”معلوم کرنا چاہیے تھا میرے بھائی تھے ان کے بارے میں، ان بہروں کا سراغ وہیں سے مل سکتا ہے جہاں پلاس کو کچی میں آئے جاتے وہاں اور وہاں کے کمپوز کے متعلق تو پوری معلومات حاصل ہونا چاہیے ہیں۔“

”میرا دھیان نہیں گیا تھا اس طرف۔ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ ان غیر مکی آگے میں میں نے نظر انداز کر دیا تھا اسے اب چنان چوٹ کاڑوں کا ان لوگوں کی۔ جو سکتا ہے ان کا تعلق بھی انھی لوگوں سے ہو جو بیٹے استعمال کرتے تھے اس کو کچی کو۔“

”ہاں یہی مطلب تھا میرا ابھی نے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ وہ لوگ جو اس بات سے واقف تھے کہ میں کس طرح کس نام سے اور کب یہاں پہنچ رہا ہوں وہ میری آمد کا سبب بھی جانتے ہوں گے۔ وہ ہر وقت نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں ہر دے کے کمال ہے بار! تھے انھیں بالکل حسیہ ران کر رکھا دیا ہے مصیبت بن جائیں گے وہ کسی بھی کھڑی۔“

”اوہ شرافت علی! یہ تو تمہارے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا انھیں۔ معلوم تو کرنا چاہیے تھا ان کے بارے میں آخر وہ کون لوگ ہیں اور کون ہیں اُنکے گئے تھے دریاں سے۔ ان کے عوام کیا تھے اور دشمنی کیا تھی انھیں ہم سے تو پوری بھی غلطی نہ رہ سکی۔“

”ویری سوری مادام! یہ بڑی غلطی ہو گئی ہے مجھے ہے بہر حال کل تک آپ کران کے بارے میں ساری معلومات مل چکی ہیں۔“

شرافت علی جس قدر ادب و احترام کے ساتھ میں طلب کرتا تھا بڑی سے اس پر آج یہی بات کہ وہ تھی میں نے آج سے پہلے اس طرف خیال ہی نہیں کیا تھا میں نے۔ ان دونوں کے انداز گفتگو میں اتنی اور عملی کا فرق صاف محسوس ہوتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ شرافت علی اچھی طرح واقف تھا اس سے اور تنقیر میں اس کے مقام اور مرتبے سے بھی آگاہ تھا۔ لڑی کے سامنے اس کی نسبت ایک مکت کی سی تھی وہ لڑی کے حکم کا پابند تھا۔ وہ دونوں حکام و حکمرانوں پر رشتہ مجھے چھپانے رکھتا چاہتے تھے۔ مجھ پر ابھی ظاہر نہیں کر رہا جانتے تھا اس نوعیت میں کو۔ شرافت علی سے جانتے کے بعد لڑی نے وہ جگہ خن کر کے کچھ بات کی جس زبان میں اس نے بات کی تھی ان سے وہ زبان میرے لیے قطعی اجنبی تھی۔ میں اس کا مزہ ہی دیکھتا رہا۔ فون رکھ کر وہ میرے پاس آ بیٹھی۔ میں نے پوچھا جس سے بات کی ہے تم نے؟

”ڈیڈی کے ایک دوست کو بلا دیا ہے میں نے یہاں۔ ابھی آ رہے گئے ہیں یہاں پہنچ رہے ہیں۔ وہ آپ کے بارے میں بتا دیا ہے اس لیے میں نے۔“

”مگر وہ ہے کون شخص؟ معافی آدمی تو معلوم نہیں ہوتا کوئی؟“

”ہاں درست کہہ رہے ہیں آپ مگر آپ کے لیے اندازہ کر لیا کہ وہ قطعی نہیں ہے؟“

جس زبان میں کرتے اس سے بات کی تھی وہ ہلکے ملک کے کسی حصے میں نہیں بولی جاتی۔ اسی لیے میں نے کہا وہ تھکی نہیں ہے۔  
 "میں منٹ بعد ہی وہ زبان نے منظر کام پر اطلاع دی کہ کوئی خبر لڈ صاحب آئے ہیں۔"  
 میں نے لڑی سے کہا۔ "وہ جسے تم نے بلایا تھا یہاں کیا اس کا نام جیرالڈ ہے؟"  
 "ہاں ہاں۔ کیا گیلیبے وہ؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔  
 "ہاں اسی کی آمد کی اطلاع دی ہے وہ زبان نے۔"  
 "اچھا اچھا۔ میں نے آئی ہوں اسے جا کر آپ سچیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔

چند منٹ کے بعد وہ والیں آئی تو اس کے ساتھ ایک ڈبلا پیلا لاغزسا آئی تھا۔ قد اس کا چھوٹے سے کم نہیں تھا اس کے جسم پر مٹی کی طرح سے سوٹ تھا جو ایسا لگتا تھا جیسے بالوں کا ڈھانچہ تیار کر کے اس پر ڈھکا دیا گیا ہو۔ بال اس کے بالکل منبرے تھے۔ جسے پر خشکی سی مٹری ڈال کر تھی اور انھوں پر باریک کنائی کی ٹینک رکھی ہوئی تھی۔ غلام اس کی پینالیں اور پیرس کے درمیان رہی ہوگی اسے دیکھ کر کسی طرح بھی یہ گمان تک نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی ایسی خطرناک قوت کی خفیہ سے متعلق بھی ہو سکتا ہے جو ساری دنیا کے انسانوں کو اپنے گے سرگرم نہ دیکھنے کے لیے صیروں سے کوشاں ہے اور اپنے فرائض کو اپنی کی ٹینک کے لیے سب کچھ کر دے کہ وہ ہر دم تیار رہی ہے۔

"یہ مسٹر غلام جیلانی ہیں۔ لڑی نے اس کے منہ کے دھت کو غلط کر کے بری طرف بابت سے اشارہ کیا۔ پھر مجھے سے بولی۔ اور یہ میں مسٹر جیرالڈ جناب عالی اڈیٹی کے بہت اچھے اور نہایت قابل اعتماد دوست ہیں۔"

اس نے آگے بڑھ کر گرجوٹی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "بڑی خوشی ہو رہی ہے آپ سے مل کے جناب! بہت چرچہ سن رہا ہوں آپ کے بہت اشتیاق تھا آپ سے ملاقات کا مجھے خوش قسمتی ہے ہماری کہ آپ کا تعاون حاصل ہو رہا ہے ہمیں۔ بڑی تقویت کا باعث ہوگا آپ جیسے شخص کا ساتھ ہمارے لیے۔" وہ روانی سے اردو بول رہا تھا۔

62

خوب اچھی طرح جانتے ہیں؟  
 میں نے ہنستے ہوئے لڑی سے کہا۔ "کیا کچھ کر دیا ہے تم نے ان سے میرے بارے میں؟"  
 "میں نے کچھ نہیں کہا ہے جناب عالی! یہ پہلے ہی واقف ہیں آپ سے اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ کارنامے آپ کے۔"  
 "یہ اخبار والے بھی بڑی عجیب شے ہیں۔ یہاں نہیں کیا کیا اٹھی رہی ہیں بابتیں چھاپ ڈالی ہیں انھوں نے اور تعلق مجھ سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ ہر بات کا جیسے میرے سوا پورے ملک میں کوئی دوسرا ایسا کام کر ہی نہیں سکتا ہے۔"  
 "جناب! کچھ حقیقت ہوتی ہے سچی اخبار والے ملک مریض بھی لگا گئے ہیں، ایسے ہی تو نہیں لکھ دیتے وہ سب کچھ۔"  
 "اچھا اب چھوڑو اس قصے کو میں نے تم سے کہا تھا، آئزک سے ملنے کے لیے چلنا ہے میں تم نے رابطہ قائم کیا تھا اس سے؟"

"کیس ما دام! میں نے بتا دیا ہے اسے آپ موجود ہیں یہاں اور ملنا چاہتی ہیں اس سے چارے پانچے بچے کا وقت بھی مے دیا ہے اسے میں نے۔ اس دوران جیسے بھڑ نہیں لگا وہاں بالکل آپ اطمینان سے بات چیت کر سکیں گی اس سے لڑی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ تین بج کے چالیس منٹ ہوئے ہیں اس وقت اس کا مطلب ہے کہ ہمیں فوراً نکل جانا چاہیے۔ اٹھیں جناب عالی! جلدی سے تیار ہو جائیں باہر جانے کے لیے۔"

"کون ہے یہ آئزک؟ اور تم کیوں ملنا چاہتی ہو اس سے؟" میں نے اٹھتے ہوئے دریافت کیا۔  
 "جب آپ اس سے ملیں گے تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا آپ کو۔ دلیس بہت پہنچا ہوا بزرگ ہے وہ۔"

"ٹھیک ہے جیسی لے چلو جہاں جی چاہتے ہیں آئزک! کیسے کر سکتا ہوں، چلو دیکھ لیتے ہیں تمہارے اس بزرگ کا کیا دس منٹ کے اندر ہمتیار ہو کر جنگل سے باہر آئے۔ جیرالڈ کی ایسی ہی کار موجود تھی۔ لڑی میرے ساتھ اس کی عقبی نشست پر جا بیٹھی اور جیرالڈ نے ڈایونگ نشست بنگال لی تھی۔ کاتیر غازی سے منڈل کی جانب روال تھی اور میرا دماغ اس آئزک میں ابھرا ہوا تھا جس کے پاس وہ جیرالڈ پر لے جا رہا تھا۔ آئزک ایک خاص صیروں نام تھا۔ یورپ اور امریکہ میں اس کا آئزک کہا جاتا ہے۔ اس کا بیوروں کا بے پندہ اور محرک نام ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ وہ کوئی آئزک تھا جو یہاں کسی گوشے میں بیٹھا اپنی قوم کے ناپاک مقاصد کو

محکم میں مصروف تھا۔ نہ چلا وہ کب سے یہاں بیٹھا تھا اور اب تک کیا کیا کھلا کھلا تھا۔ پتا نہیں کون سا روپ دھار کھا تھا اس نے اور کون کون سے ذرائع استعمال کر رہا تھا۔ وہ میرے ملک میں اپنی قوم کی سر بلندی کے لیے۔ چنانچہ میرے گھر کی دیواروں میں کہاں کہاں اور کتنے نقب لگا رکھے تھے۔ کتنے چور دروازے بنا رکھے تھے اس نے اور کہاں کہاں سے بنایا اس کھیل کر نے میں مصروف تھا وہ ابن یہود اسرائیل کا ست۔ ایک غصے کی بازگشت تو میں کچھ عرصے سے سن رہا تھا اپنے ملک میں۔ پاکستان کے ناخواندہ اور سیدھے مرادے عوام کو بھی نسل کے کچھ گمراہ جوان جو کاجوں اور یونیورسٹیوں سے لادینیت کی سوغات لے کر نکلے تھے اور جنھیں یہود نواز یوروں نے ترقی پسندی کے نام پر کمزور اور مشہور کم از کم پارک اندھا کر دیا تھا۔ یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ قومی نظریے کی بنیاد پر تقسیم ہند کا مکمل بالکل غلط تھا۔ ایسا ہر نظریہ جس کی بنیاد دین اور مذہب ہو ضرور وہ اور باطل ہے۔ یہ عقل کے اندھے ہیں۔ یہ دل پر ہر پکا کھانا پلا رہے تھے۔ انہیں یہ حقیقت نہ چلائے کیوں نظر نہیں آتی تھی کہ اسرائیل کا قیام بھی انھی نظریاتی بنیادوں پر عمل میں آیا تھا۔ انھیں بھی اپنی مذہبی اور قومی شناخت کے لیے زمین کا ایک ٹکڑا درکار تھا۔ چنانچہ مغربی ملکوں نے اپنی اپنی زمینیں بچانے کے لیے انھیں ارض مقدس کا نامور بنادیا۔ ان کی تمام تر ترقی ان کے مذہبی جذبات کی مرمون منت ہے۔ وہ اپنے مذہبی معاملات میں اس قدر بوجہ اور خیال ہیں کہ انھوں نے اپنی قومی شناخت قائم رکھنے کے لیے صدیوں کی.... مروجہ قوریت کی زبان عبرانی کو دوبارہ زندہ کر کے اسرائیل کی قومی زبان کے طور پر رائج کر دیا دنیا کا کوئی یہودی نہ تو اپنے یہودی ہونے پر شرمزہ اور شرمناظر آتا ہے اور نہ ہی اپنی قوم میں میکور لازم موسیٰ لازم یا کموزم کا پرچار کرنا ملتا ہے۔ حالانکہ یہ غصے اٹھی کیا بچاؤ ہیں انھوں نے اپنی اقوام عالم کو نہی راہیں بکھائی ہیں اور دنیا کی دوسری اقوام کو بھی وہ ان راہوں میں جھٹکاتے پھرتے ہیں خود اپنی قوم کو ان خرابات سے دُور ہی رکھتے ہیں۔ کوئی لکڑے کے ٹکڑے کوٹ کر یا سوٹھا سوٹھا یہودی بھی ایسا نہیں ملے گا جو یہودیت یا قوریت کا منکر ہو۔ جو صیوریت کے لیے اپنے جان مال کی قربانی دیتے ہوئے ذرا تامل کرے۔ البتہ انھوں نے ہمارے درمیان اپنے بے شمار ایسے گھٹنے چھوڑ رکھے ہیں جو ہمیں دین و مذہب سے دُور لے جانے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے مذہبی جذبات کا مذاق اڑاتے اور ہمیں رجعت پسند اور جاہل قوم ہونے کے طعنے دیتے ہیں۔ مذہب کی بات کرنے

والوں کو تحارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ وہ یہ دیکھ ہی نہیں سکتے کہ ان کے یہودی آقا دنیا بھر میں اپنے مذہب اور قوم کی سر بلندی ہی کے لیے متحد ہو کر کام کر رہے ہیں۔ یہ نکتہ انھوں نے یا ایسا ہے کہ قومی صرف مذہب کی بنیادوں پر ہی متحد اور حقیق ہو کر کھڑی ہو سکتی ہیں۔ ناگزیر انھوں کو بڑوں انسانوں میں اتحاد پیدا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ وہ خود تو متحد ہیں مگر دوسری اقوام کو مذہب سے لے گا نہ کر کے باجم دستہ گریاں کیے ہوئے ہیں ان کی کامیابی کا راز یہی ہے۔ اسی طرح انھوں نے اسرائیل قائم کیا اور اسی طرح سے اب تک زندہ رکھے ہوئے ہیں اسی طرح وہ دنیا کی عیشت پر بھی قابض ہو چکے جاسے ہیں۔ وہ مادہ پرست جن کی زبانیں یہودیوں کو برا کہتے کبھی نہیں جھٹکتیں، بڑے فخر کے ساتھ یہودیوں کی بنائی ہوئی اشیاء استعمال کرتے ہیں۔

"کیا سوچ رہے ہیں جناب عالی! لڑی نے مجھے سوچتے دیکھ کر پوچھا۔  
 "کچھ نہیں لڑی بیگم! بس یوں ہی ذرا اپنے حالات پر غور کر رہا تھا نہ جلتی کتنی ٹھوکریں اور کبھی ہیں میرے مقتدر میں۔"

"مقتدر و قدر کچھ نہیں ہوتا جناب عالی! اڈیٹی کا قدر خود بنانا ہے اپنے ہاتھوں سے۔ اپنی کوشش اور محنت سے۔"  
 "اگر تمہاری یہ بات درست ہوئی لڑی بیگم! تو دنیا میں غربت و افلاس کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ گرا لیا نہیں ہے دنیا میں ایسے بے شمار لوگ ہیں جو دن رات شدید محنت کرتے ہیں لیکن نان شبیہ کو محتاج رہتے ہیں اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ایک بار محنت کر کے درخت لگا دیتے ہیں پھر زندگی بھر اس کے پھل کھاتے رہتے ہیں۔ یہ سب تقدیر کا کھیل ہے۔"  
 "ممکن ہے ایسا ایسا ہو۔ میں آپ سے بحث نہیں کروں گی اس سلسلے میں۔"

اسی وقت ہماری کار ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ دھک گئی۔ میں اپنے خیالوں میں ایسا کم تھا کہ مجھے تاہی نہیں چل سکا ڈھکے کے انستوں سے گزار کر کہاں لے آئے تھے۔ کار سے باہر نکل کے میں نے چاندوں طرف نظریں دوڑائیں۔ دُور دور تک ویرانی ہی ویرانی تھی اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ دور تک پھیلا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک قدر سے بلند پہاڑی کے دامن میں جیرالڈ نے کار روک لی تھی۔ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پہاڑی کے اوپر جارہی تھی۔ اس کے علاوہ کسی اور راستے کا کوئی نشان نہیں تھا وہاں۔  
 "یہ کون سی جگہ ہے جیرالڈ؟ اور اس ویرانے میں

63





گھنٹہ وہ اس طرح باتیں کرتے رہے اپنی بات چیت کے دوران وہ بار بار مجھے بھی مخاطب کرتے جاتے تھے اور میں بس بول ہاں کر کے رہ جاتا تھا۔ ان کی کسی بات کا جواب دینا ممکن ہی نہیں تھا میرے لیے۔

جیرالڈ اور لڑکی گفتگو ختم کر کے واپس کے لیے اٹھے تو میں بھی خدا کا شکر ادا کر کے کھڑا ہو گیا۔ آڑک پہن وضعت کرنے اس کمرے کے دروازے تک آیا تھا جہاں ہم ان چار ملنگوں کو پرس نوشی کرتے چھوڑ گئے تھے وہ اب بھی اس طرح بیٹھے دم لگے رہے تھے۔ ان کی حالت البتہ پہلے سے خاصی مختلف ہو چکی تھی، آنکھیں ان کی انگلیوں کی طرح دھبہ لگی تھیں اور کھانسی چپن نہیں لینے دیتی تھی انھیں اس بار انھوں نے ہمیں نظر اٹھا کے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ ہمارا وہ رہبر جو ہمیں اپنے ساتھ اندر لے جاتا تھا دوسرے کمرے میں پہنچا کے واپس آگیا تھا اور اس وقت یہ یقین حاصل اور اگر کار میں بیٹھ گئے۔ محسوس نہیں کر رہے تھے اس وقت کہ ہر بھال تھی مغرب کی ہاں دو دھتوں کے درمیان رہ کر بھیجیے۔

اپنی ملاقاتی کی اور جہاں تار و دھتوں کے ساتھ ہیں دیکھتے ہی ہو جاتا ہوں میں۔ میں یہ کہتے ہوئے شروع شروع انتظار کرتے کو دیکھتا جا رہا تھا۔

میری بات سن کر لڑکی نے مجھے دکھا اور میں میں محبت آمیز مشرقی دیکھ کر اس کے رخسار پر شوق چھب ہے پولیس نے فوراً نظروں پر اس کے اس مبارکی کی طرف جس کے چھب۔ ہم کھڑے تھے اشارہ کر کے کہنا یہاں اوپر بابا اسحاق کا اس کی ہے ہم وہیں جا رہے ہیں بڑی شہرت ہے ان کی یہاں دور دور سے لوگ اپنے مسائل لے کر آتے ہیں ان کے پاس

”اچھا! تو میں جانا ہی نہیں تھا، تم امریکی بھی بیرون فقیروں پر یقین رکھتے ہو“

”کیوں نہیں گمراہ ایک پر نہیں۔ انھی پر اعتماد کرتے ہیں جو ہمارے آزمائے ہوئے ہوتے ہیں“

”تو کیا آزمایا ہوا ہے تم نے اس بابا اسحاق کی ہاں تک طرح؟ تم تو شاید پہلے بار آئی ہو یہاں؟“

”نہیں، ایسا نہیں ہے جناب۔ پہلے میں کنور نہیں تھا کوئی“

”اچھا ہوں یہاں، اور صرف بابا ہے میرے لیے بڑا شہزادہ سناؤ“

”ایسے کچھ ہی دن پہلے اس نے تیری جو حرکت بنائی تھی اس کے بعد میرے لیے یہ سوچنا بھی ممکن نہیں تھا کہ تو زبرد کر کے گا ہے۔ اسی لیے میں نے اس سے دور ہونے کا فیصلہ دیا تھا مجھے“

”اس خلیفہ احمد کی بھی خبر ہے کوئی؟ اس سے بھی منٹ ہی لینا چاہتا ہوں میں جلد سے جلد“

”جانو کے بعد کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں رہا ہے کسی وقت بھی گھبراہٹ سے اسے اب فی الحال تو وہ اس بازار کی آخری رسومات کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ایک دو دن کی ملز سے دو اسے کم سے کم تیار کر کے وہ اس کا“

”اور یار! کیسی بات کر رہا ہے تو؟ میں تو چاہتا ہوں کہ دونوں کا تیر ایک ہی وقت میں ہو جائے تو اچھا ہے“

”نہیں یار! کیوں محمد کے ملا کی ایک دن کی روٹی چھین لینا چاہتا ہے۔ بھلا ہونے دے اسے غریب کا بھی کچھ“

”اگر یہ بات مان لی میں نے تیری تو پھر دسویں بیسویں اور چلم کے کھانے کی باتیں کرنے لگے گا تو“

”تو اس میں ہرج بھی کیا ہے تیرا جیلائی! کچھ غریب غرا کا بھلا ہی تو ہو گا نا اس طرح بھی“

”بس کر اوئے زیادہ غریب پرور بننے کی کوشش نہ کر ایسی ہی ہمدردی ہے ان سے تو اپنی جیب بھی خالی کرنا کچھ“

”میرا مال ہضم کہاں ہو گا ان بے چاروں سے اور جہاں رام مال ان کے پٹوں میں ڈال کر کیوں خون خراب کرنا چاہتا ہے تو ان کا؟“

”بات تو ٹھیک ہی کتاب ہے تو بھی بار شرافت علی! اگر عزیز من! مال تو اس کو کی اولاد کو بھی حلال نہیں ہے کرنا ایک کام کے ہیں اس نے؟ اور کتنے حلال ذرائع سے مال رہا ہے وہ نہیں یاد آجی! اسے تو مملکت دی ہی نہیں جا“

”چلو تو پھر کل اس کا بھی چھٹکا کر دینا آج کی تو مملکت ہے ہی دے اسے میرے بھائی“

”کیوں؟ آج کیا بات ہے؟ آج کیوں روک رہا ہے؟“

”کیوں؟ آج کا کام ہے تو مجھے؟ کوئی خاص بات ہے کیا؟“

”ہاں، ایسا ہی ہے آج ناچویشی کی جارہی ہے تیرے بڑے بیٹے خیرہ انداز میں مکر لے ہوئے بولا۔

”کیا کہہ رہا ہے بھائی تو؟ ذرا صاف صاف بات کر ظاہر نہیں کی انھوں نے تمہارے کام کی تم پر محض اس لیے کہ کہیں سے بات کو سمجھنے کے معاملے میں بڑا اکڑ ذہن واقع ہوا ہوں ان سے کوئی مطالعہ نہ کر بیٹھو کم ظنی کا ثبوت دیا ہے انھوں نے“

”جاتا ہوں میں خوب اچھی طرح تیری کند ذہنی کو کرنا تمہیں تمہارے کام کا جملہ نہ دے کر“

”اوستے چھوڑ دیا یہ کیا بات کی ہے تو نے بھی آج کے دور میں کون دیتا ہے کسی کو صلہ اس کے فحش اور عزت کا یہی اچھا اچھا، چنپ کر جا لیں اب اور یہ بتاؤ کیا“

”میں یہ کہہ رہا تھا میرے عزیز! ایک غلام جیلائی لڑا اور اب ایک ایک اپنی جان سلامت لیے پھر رہا ہوں محض ان سردار کے نواز صاحب قتلہ کر آج رات آٹھ بجے آپ“

”اچھا خیر چھوڑو اس فضول ذکر کو تیار ہو کر آج صبح کی طرف منٹ رہ

ڈر کا اتہام کیا ہے۔ دراصل اس طرح وہ اس شخص سے متعارف ہونا چاہتے ہیں جس نے جاننا چاہیے ناچویشی کو چنگل سے مل دیا ہے“

”اوستے چھوڑ دیا یہ کیا بات کی ہے تو نے بھی آج کے دور میں کون دیتا ہے کسی کو صلہ اس کے فحش اور عزت کا یہی اچھا اچھا، چنپ کر جا لیں اب اور یہ بتاؤ کیا“

”میں یہ کہہ رہا تھا میرے عزیز! ایک غلام جیلائی لڑا اور اب ایک ایک اپنی جان سلامت لیے پھر رہا ہوں محض ان سردار کے نواز صاحب قتلہ کر آج رات آٹھ بجے آپ“

”اچھا خیر چھوڑو اس فضول ذکر کو تیار ہو کر آج صبح کی طرف منٹ رہ

گئے میں آٹھ بجے میں“

”بھائی شرافت علی! تو صاف نہیں کر سکتا مجھے؟“

لڑکی جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھی تھی ہمارے ہاتھوں میں رہی تھی، بولی آپ کا اس میں نقصان کی کیا ہے جناب عالی؟“

”میں نے چہ کہہ کر اسے دیکھا؟ تو کیا تمہارا مطلب ہے مجھے قبول کر لینا یا پیسے ان کی دعوت؟“

”ہرج بھی ہے اس میں آخر؟ انکار کی کوئی مناسبت نہ ہے نظر نہیں آتی مجھے۔ اگر سے تو بتا دیں“

”دو اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ آج سے پہلے میں نے ایسی دعوتوں میں بھی شرکت نہیں کی“

”میرا خیال ہے آج سے پہلے کسی نے آپ کو اتنی عزت دی بھی نہیں ہوگی، شرافت علی نے کہا۔

”ہاں، میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں اور کیا مطلب ہے یہ؟ میں نے کہا۔

”چھو تو آپ کو آج کے ڈن میں ضرور جانا چاہیے، لڑکی نے فیصلہ دینے والے انداز میں کہا۔

”میں نے چند لمحوں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔ ٹھیک ہے اگر لڑکی کا بھی یہی مشورہ ہے چلو! میں چل رہا ہوں تمہارے ساتھ لیکن تم بھی ہمارے ساتھ چلو اگر لڑکی بیگم!“

”ہاںکل، ہاںکل۔ مجھے اس میں بالکل اعتراض نہیں ہے۔“

شرافت علی بولا۔ اب جلدی کریں آپ لوگ۔

”بس پانچ منٹ گلین کے ہمیں تیار ہونے میں کیوں جناب عالی! لڑکی نے کہا۔

”تم کچھ کرنا چاہو کہ اس کے آج، میں تو یوں ہی ٹھیک ہوں“

”میں نے اپنے شہزادہ قیصر کے سوٹ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”کوئی خاص تیاری تو مجھے بھی نہیں کہنا، مدت مانتا ہوں“

”ڈرا“ لڑکی کہتی ہوئی دوسرے طرف چلی گئی۔

”چھٹے منٹ پر شرافت علی کی دسی دواج ہمیں لیے ہوئے“

”مگر پر تیرے لیے جا رہی تھی۔“

ڈن میں جو لوگ شریک تھے ان میں بابا اسحاق، بیٹھ قاضی تھی۔ ڈن کا اتہام اس کی طرف سے کیا گیا تھا، بیٹھ قاضی کی کیٹیٹر میں تھیں جہاں قیصر کی قسم کی مصنوعات تیار ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی اس کے بہت سے کاروبار تھے شہر کے معروف ترین کاروباری مراکز میں دکانیں تھیں، تعمیراتی کمپنی تھی اور مختلف قسم کے ٹھیکے بھی تھے۔ دولت کی فراوانی تھی اس کے پاس اس بے اندازہ دولت کے باوجود ہوس نہ کر نہیں ہوتی

تھی اس کی کسی طرح خواہش اس کی بھی تھی کہ ساری کی ساری دنیا سمیٹ کر بیٹھ جائے اپنے نیچے سب کچھ تھا اس کے پاس اپنی اس مختصر سی زندگی کے لیے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے کہیں زیادہ مال و دولت دے دیا بیٹھا تھا وہ۔ مگر سکون کا ایک لمحہ اس کی نظر بجا بگا بگا کر قاتلہ میں کہیں نہیں تھا وہ ساعت اس کے حصے میں ہی نہیں تھی جب آدمی مطمئن اور سیر ہو کر خدا کا شکر ادا کرتے بیٹھ جاتا ہے چنانچہ اس کے روز و شب دولت کے پیچھے چلا گئے ہوتے مگر رات کے بعد اس قدر دلوانہ تھا وہ مال و زر کا گناہ اور ناجائز کی تیز بھی کھو بیٹھا تھا حصولِ زندگی کے لیے ہر کام کرنے کو تیار رہتا تھا۔ لہذا بلیک مارکیٹنگ وغیرہ اندوڑی چور بازار کی آہنگ غرض کون سا راستہ کوئی ذریعہ کمان کا لیا تھا جو اس نے اختیار نہ کر رکھا ہو سیدھا قاسم چلے گئے یادوں کے دشمن بھی نہیں ہوتے۔ چنانچہ انھیں غمیز احمد اور جانی جیسے لوگوں کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی جانیو ایسا آدمی تھا جسے ایسے ضرورت مندوں کی پیشہ تلاش رہتی تھی۔ وہ ان کے سینے پر سوار ہو کر ان سے کوئی نوٹ رقم لے لگوا رہا تھا۔ ان بزدل زبردستوں میں بھی اتنی برات پیدا نہیں ہو سکی کہ اس کا کوئی مطالبہ پورا کرے میں ذرا سی بھی دے کر کہتے میرے ہاتھوں جانو کے الزام کی انجام کی خبر ان کے لیے کسی مردہ جان فرا سے کہ نہیں تھی۔ ان کے مردہ جموں میں نئی طرح چھونکنے والی بات تھی۔ چنانچہ بیٹھ قاسم سمیت وہاں موجود تمام لوگ میرے ہی گن گاتے رہے۔ وہ مجھ سے عجیب عجیب سوال کر رہے تھے کوئی یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میں نے کتنے انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں اب تک۔ کوئی یہ جاننے کا خواہاں تھا کہ میں گروہ کی صورت میں کام کرتا ہوں یا تنہا ہی لوگوں کی زندگیوں میں کچھ بڑھایا تھا اور اب اس نے ان خیالات میں میرے بارے میں کچھ پڑھ لیا تھا اور اب اس کے متعلق کہ یہ کہہ کر مزید جلنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ ان سب کو حیرت اس بات پر تھی کہ میں جو نظر اب ایک عام سا آدمی نظر آتا تھا وہ سب کچھ کیسے کر لیتا تھا جانو کے بارے میں یہ جلنے کی جستجو ہر شخص کو تھی کہ میں نے اس جیسے خوفناک آدمی کو کس طرح ختم کر دیا تھا؟

رات کے گیارہ بجے والے تھے جب ان لوگوں سے مجھے نہات ملی۔ آہستہ آہستہ ایک ایک کے تمام لوگ چلے گئے تو سیدھا قاسم نے مجھ سے کہا "کیا تم میرا ایک کام کرو دو گے مشر جیلانی؟"

"کون سا کام ہے سیدھ؟ اگر میرے کرنے کا ہوا تو ضرور کرو دوں گا" میں نے جواب دیا۔

"کرنے کا تو بے سیٹھ قاسم جب کسی کو کوئی کام بتائے تو پہلے وہ یہ اطمینان کر لیتا ہے کہ وہ کام کون سے گا نہیں۔"

"اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ میں وہ کام کر سکوں گا تو ضرور بتاؤ مجھے میں پوری کوشش کروں گا"

"تم نے میرا یہ کام کر دیا تو میں مالالہ کر دوں گا تمہیں اپنا دل کا جس کا تم نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا"

"وہ تو میری بات ہے سیدھ! اپنے کام کو بتاؤ مجھے" نے بے تکلفی سے کہا۔

اس نے میرے ساتھ بیٹھ ہی ہوئی لڑی کو دیکھتے ہوئے کہ "شرافت علی! آؤ! آنا دوست! میں ذرا جیلانی سے اکیلے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں کیا تم ہیں اس کا موقع دو گے یا میں....."

"ہاں ہاں کیوں نہیں؟" وہ اٹھتے ہوئے بولا "آئیں ماما ہم ذرا ادھر ادھر گھوم پھر لیں اتنی دیر"

لڑی نے اعتراض نہیں کیا۔ وہ خاموش سے اٹھ کے شرافت علی کے ساتھ چل گئی اس لڑکی کا کردار واقعی حیرت انگیز تھا وہ بالکل ایسی بنی رہتی تھی جیسے سچا سچ سادی سادی صدمہ ز نازک اندام و شیرہ ہوا اور اسے میری ذات کے سوا کسی چیز سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔ جسے خاموشی سے لوگوں کی باتیں سننے اور سکر کے سوا کچھ آتا ہی نہ ہو۔ اس کے اسی معصومانہ انداز نے ہی تو ان فرانسسکو میں مجھے شکار کر لیا تھا اور اگر قدر نہ کو منظور نہ ہوتا تو اب تک جس طرح وہ میرے ساتھ تھی کچھ ہوا تھی، میں کبھی اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکتا اور وہ اسی کے عالم میں مجھے نہ جانے کس انداز سے کنوئیں میں تار دیتی تھی تو کبھی کبھی نہیں کر سکتا تھا اس کی نیت پر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی یہ بات کہ ایسے معمول اور حسین چہرے فریب بھی ہو سکتے ہیں۔

ان کے جانے کے بعد سیدھا قاسم نے میری طرف جھجک مرگوشا انداز میں کہا "جیلانی! میں تمہیں جو کام مونیٹا چاہتا ہوں اس کی تکمیل کے لیے تمہیں امریکہ جانا پڑے گا بہت سوچ کر جواب دو مجھے کیا تم وہاں جانے کو تیار ہو؟"

"ہوں" میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا "اسمگلنگ"

"نہیں نہیں تم غلط سمجھے بڑا ایسی کوئی بات نہیں ہے ایک بالکل سیدھا، سچا معاملہ ہے اور دو چار جیسا "اچھا چلو بتاؤ پھر مسئلہ کی نوعیت کو سمجھ لیں"

وعدہ نہیں کر سکتا۔ دوسرے میرے اپنے کچھ اچھے ہوتے "میں آؤں"

"میں انھیں سمجھائے بغیر کسی لیے سفر پر روانہ ہونے کا قصد نہیں نہیں۔ تم غلط سمجھے بڑا ایسی کوئی بات نہیں ہے"

ایک بالکل سیدھا، سچا معاملہ ہے اور دو چار جیسا "اچھا چلو بتاؤ پھر مسئلہ کی نوعیت کو سمجھ لیں"

وعدہ نہیں کر سکتا۔ دوسرے میرے اپنے کچھ اچھے ہوتے "میں آؤں"

"میں انھیں سمجھائے بغیر کسی لیے سفر پر روانہ ہونے کا قصد نہیں نہیں۔ تم غلط سمجھے بڑا ایسی کوئی بات نہیں ہے"

نہیں کر سکتا۔

"اوہ! وہ بڑا! اگر مناسب سمجھو تو مجھے بتاؤ کون سا مسئلہ ہے؟ میں کچھ کر سکا اس مسئلے میں تو یقین کرو ذرا بھی تاہل نہیں کروں گا مجھے تمہارے کام آکرے حد خوش ہوگی"

"میرا مسئلہ بہت سنگین ہے سیدھ جی! اس کے حل کے لیے ایسے آدمی کی ضرورت ہے مجھے جو اعلیٰ سطح پر ایسے مہارم رکھتا ہو کہ اس کی بات رد نہ کی جاسکے"

"اعلیٰ سطح سے تمہاری مراد اعلیٰ حکام تو نہیں ہیں؟ اس نے سوال کیا۔

"ہاں یہی مطلب ہے میرا کسی چھوٹے موٹے آدمی کے بس کا کام نہیں ہے وہ معمولی کاموں کے لیے تو میں خود بھی کسی کو تکلیف دینے کا قائل نہیں ہوں ایسے بہت لوگ ہیں میرے پاس جو انھیں نڈا سکیں"

"ٹھیک ہے مجھے بتاؤ کیا کام ہے ہشاید میں کام آؤں"

جاؤں تھا رہے لیکن اس کے بعد تم میرے کام سے انکار نہیں کرو گے"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے بعد تو تم اگر گوسے تو جنم میں بھی چھلنا لنگ لنگلے سے دیر لے نہیں کروں گا میں؟"

"اچھا تو پھر اب بتا دو کیا کام ہے تمہارا؟"

"میری بہن! آؤ! اور میرا جگر کی یاد آئی ان دنوں قتل اور قتل کی الزام میں راولپنڈی جیل میں بند ہیں۔ انھیں وہاں سے آزاد کرانا چاہتا ہوں میں۔ اور یہ کام اثر و رسوخ کے بغیر ممکن نہیں ہے کسی طرح"

"ہوں" سیدھا قاسم نے کہا اور چند ثانیے کچھ سوچنے کے بعد بولا "ٹھیک ہے دوست کوشش کرتا ہوں میں کامیابی اور ناکامی مقدرات کی ہے تمہارے کوئی حق وعدہ نہیں کر سکتا ہوں میں اس مسئلے میں"

"مسئلہ کی سنگین ہے پیش نظر میں بھی اس کے لیے مجبور نہیں کروں گا تمہیں، البتہ یہ وعدہ ہے میرا، اگر تمہارے ذریعے یہ کام ہو گیا تو میرا تم مجھے اپنا بے دام غلام یاد دے گا جیلانی کو احسان فراموش نہیں پاؤ گے کبھی بھی"

"اچھا تو پہلے یہ کام نمائش تمہاری اپنا کام ہو میں بتاؤں گا تمہیں"

"نہیں سیدھ! تم ابھی آج ہی اپنے کام کے بارے میں بتا دو مجھے اس کو سے میں اس کے لیے پلاننگ کروں گا یہی ممکن ہے تمہارے کام کے لیے مجھے امریکہ جانے کی ضرورت ہی ہے"

وعدہ نہیں کر سکتا۔ دوسرے میرے اپنے کچھ اچھے ہوتے "میں آؤں"

"میں انھیں سمجھائے بغیر کسی لیے سفر پر روانہ ہونے کا قصد نہیں نہیں۔ تم غلط سمجھے بڑا ایسی کوئی بات نہیں ہے"

درخواست کیوں کرتا خود ہی کر لیتا سب کچھ؟

"میرے لیے یہ نامکن نہیں ہے وہاں میرے کچھ ایسے دوست ہیں جو میری خاطر یہ کام کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟ امریکہ میں تمہارے دوست ہیں؟ یقین نہیں آتا مجھے"

"یقین کیوں نہیں آتا تمہیں کیا تم ی تعلقات رکھ سکتے ہو اپنے ملک سے باہر نہیں رکھ سکتا؟ ہم میری اس دوست کو بھول گئے جو راجہ ایسی شرافت علی کے ساتھ اٹھ کے گئی ہے یہاں سے امریکہ ہی سے امپورٹ کر کے لایا ہوں میں اسے اپنے ساتھ۔ الزبتھ فنیلی نام ہے اس کا" اور بڑی آفت کی پر کالہ ہے وہ؟

"اوہ! ہاں۔ وہ تو ذہن سے ہی آؤں گی تھی میرے لیکن یہ نہیں معلوم تھا مجھے کہ وہ امریکی ہے تو کیا تم پہلے بھی جانچے ہو امریکہ؟" وہ قدرے حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا شاید یقین نہیں آیا تھا اسے میری بات پر۔

"خیر چھوڑو یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں ہے تم یہ بتاؤ مجھے امریکہ کیوں بھیجتا چاہتے ہو؟"

"چند ماہ قبل میرا یہاں سیاحت کی غرض سے امریکہ گیا تھا وہاں جا کر وہ اچانک غائب ہو گیا ہے کہیں۔ میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں اسے واپس لانا چاہتا ہوں۔ وہ ایک ہی بیٹا ہے میرا"

"ہوں یہ تو ایسا مشکل کام نہیں ہے تم یہاں امریکی سفارتا کے ذریعے وہاں کی حکومت سے رابطہ قائم کر کے اسے تلاش کروا سکتے ہو اگر وہ قانونی طور پر گیا ہے تو اس کا نام میں ملوث نہیں ہے تو وہ ضرور تبادلا کر دیں گے"

میں نہیں کر چکا ہوں تمہارا خیال ہے کہ میں اتنے دن خاموش بیٹھا رہا ہوں؟ میں نے اپنے طور پر ہر سیدھا راستہ اختیار کر کے دیکھ لیا ہے لیکن کچھ ہوتا نہیں چلا اس کا بس اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ وہ نیویارک کے لنکن ہٹل میں ٹھہرا ہوا تھا پھر اس نے وہ ٹل چھوڑ دیا اس کے بعد کہاں گیا وہ کچھ بتا نہیں چلا "اس کی آواز بھرنے لگی تھی۔"

نیویارک کے لنکن ہٹل کا نام سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے میں نے چونک کر اسے دیکھا "نام کیا ہے اس کا؟"

"شاید....." وہ ہنستے سے سسکی کے کرولا "شاہ حسین"

میرے پورے بدن میں جیسے برقی نو دوڑ چکی تھی ایک ایک دروازہ کھڑا ہوا تھا میرے بدن کا میں سسکتے کے سے ناام میں انھیں پھاڑے اس کے شکل کو گنتا ہی رہ گیا کیسی عجیب تھی یہ کہ اس شاہ حسین کا باپ تھا جس کے نام سے اور جس



کوئی اور آواز سنائی نہ دے سکے، ہماری مرضی کے خلاف کوئی  
 نہ کسی کی بات پر یقین کر سکے نہ کسی کی توجہ پر  
 بھلا ہوا سو گری کی بات جس نے میرے لیے ایک راہ  
 متعین کر دی تھی اور میری بے عقد زندگی کو ایک نصیب العین  
 عطا کر دیا تھا، وہم نے... ایک بھی ایک انجام سے دوچار  
 کرنے کے لیے، ایک خوفناک دلدل میں اتارنے کے لیے امر کر  
 پہنچانے کا انتظام کیا تھا میرے لیے نیکین قدرت نے کچھ اور ہی  
 فیصلہ کر رکھا تھا، اس میرے سب نے اسی دلدل میں میرے لیے  
 ایک نئی زندگی کی راہ پوشیدہ کر رکھی تھی۔

سیٹھ تاسم دیر خاموش بیٹھا مجھے دکھتا رہا شاید اسے  
 میرے بسنے کا انتظار تھا مگر جب میری خاموشی طول کھینچتی چل  
 گئی تو وہ میرا نشانہ تھکتے ہوئے بولا، "قدرت کو کسی بات کی  
 میں اپنے طرف سے پوری کوشش کروں گا تمہارے دوست اور  
 بہن کو آزادی دلانے کی ہر گز تعلقات اور پیہ کام نہ آسکا تو بڑے  
 سے بڑے وکیل کی خدمات حاصل کریں گے، ہر ان کے کیس کی  
 پیروی کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا میں۔"

"یہ ایک بے حد مشکل کام ہے سیٹھ، میں تم سے وعدہ  
 کرتا ہوں، اگر تو اس میں کامیاب نہ بھی ہو سکے تب بھی میں تمہارا  
 کام ضرور کروں گا میں اپنے کام کی تکمیل کی شرط واپس لیتا ہوں،  
 اس نے خوش ہو کر دھڑکتا ہوا میرے دوستوں  
 ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے لیے اور مسرت سے لبریز آواز میں بولا،  
 "تم بہت عظیم انسان ہو غلام جلال! مجھے افسوس ہے دنیا نے  
 تمہیں سمجھا ہی نہیں آج تک۔"

"بس کرو یہ ٹھہرا، اتنا اونچا نہ اٹھاؤ مجھے کہ میں اپنے تدری  
 پتلاش ہی بھول جاؤں زمین پر ہی بیٹنے دو مجھے۔"  
 "ایسی بات نہیں ہے جلالی! یقین کرو میں دل سے  
 تمہاری قدر کرتے لگا ہوں، بہت متاثر کیا ہے تم نے مجھے۔"  
 "میرا خیال ہے اب کوئی خاص بات نہیں رہی ہے پھر کرنے  
 کو لہذا کیوں نہ اٹھ جائیں اب ہم یہاں سے۔"  
 "ہاں چلو، وہ لوگ باہر کہیں ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے  
 وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

میں بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہم دونوں آگے  
 پیچھے باہر کی طرف بڑھنے لگے سیٹھ تاسم میرے آگے آگے چل  
 رہا تھا، دروازے کے قریب پہنچ کر جیسے ہی میں نے باہر قدم  
 رکھنا چاہا، ایک ہوا تیزی سے میرے قریب آ کر بولا، "جناب!  
 وہ آپ کے ساتھی سوئنگ پول کے قریب آپ کا انتظار کر رہے  
 ہیں۔ یہ بتاتے ہوئے اس نے چپکے سے کوئی تہ کیا ہوا کافذیر  
 ہاتھ میں تھما دیا۔

ایک لمحے کے لیے میں ذرا سا جھکا مگر فوراً ہی سنبھل کر وہ  
 ہاتھ جس میں اس نے کافذیر لٹایا تھا، پتھون کی جبب میں  
 ڈال لیا اور باہر نکل آیا سیٹھ تاسم باہر کھڑا ادھر ادھر نظر پڑا  
 کر شرافت علی اور لڑی کو تلاش کر رہا تھا، میں نے قریب جا کر  
 کہا، "وہ بد رہتا رہا تھا، وہ دونوں سوئنگ پول کے قریب  
 ہمارے منتظر ہیں۔"  
 "اچھا، آؤ پھر سیٹھ تاسم نے کہا اور ایک جانب بڑھ گیا،  
 میں نے چلتے چلتے کہا، "میں ذرا ہاتھ روم جانا چاہتا ہوں  
 کیا میری رہنمائی کر دے گی سیٹھ؟"

"اوہ، کیوں نہیں، یہ اس طرف بائیں ہاتھ جو تیل سی گل  
 ہے اس میں چلے جاؤ، یہیں ہاتھ روم ہے۔"  
 میں اس کی بتائی ہوئی سمت میں بڑھتے ہوئے بولا، "بس  
 دو منٹ لگیں گے، ابھی آیا میں۔"  
 سفید ٹماٹوں والے فرش اور دیواروں والا صاف شفاف  
 ہاتھ روم اس گھڑی بالکل خالی تھا میں نے اندر داخل ہوتے ہی  
 جبب سے کافذیر نکال کر دیکھا، وہ کوئی ترقو تھا جس نے اسے  
 کھول کر پڑھنا شروع کیا رکھا تھا۔

"ایک دیر مانے قد کا گہرے نیلے شلوار سوٹ  
 میں بیوس شخص، بہت دیر سے تمہارے گرد  
 منڈلا رہا ہے اس کا خالق ایک نامی گرامی بدماش  
 ہے، اس کے دوسرا تھی ہوٹل کے باہر پہلے  
 رنگ کی مزدا کار میں موجود ہیں، واپس جاتے ہو  
 ان کا خیال رکھنا اور چھوٹا نشانہ کی طرف سے۔  
 کل دوپہر کے وقت بل پارک پہنچ جاؤ تمہیں  
 وہاں سے یہ آدھی میرے پاس لے آئے گا یہ  
 ملاقات ہے نہ ضروری ہے یا دیکھنا کل دوپہر  
 ٹھیک بارہ بجے اس وقت بل پارک ویران ہوتا  
 ہے میرا آدھی خود ہی تمہارے پاس پہنچ گیا اور  
 اپنی شناخت کے لیے اپنا نام گریگوری بتانے لگا۔  
 تم اس کے ساتھ بے دھرمک چلے آنا۔

تمہارا دوست گریگوری!"  
 رتھ بڑھ کر میں حیران ہو گیا، اس کا مطلب تھا کہ گریگوری  
 بھی پاکستان آ گیا تھا، اگر یہ درست تھا تو اس کے آنے سے  
 میری پشت مضبوط ہو گئی تھی لیکن اس کی یہاں موجودگی ان لوگوں  
 کو چھوٹا ہی کر سکتی تھی جن کے خلاف ہم دونوں کا اتحاد عمل میں  
 تھا۔ لڑی اسے خوب، ایسی طرح پہچانتی تھی اور اس کی جنبشیں  
 سے واقف تھی، اگر وہ گریگوری کو کہیں دیکھ لیں تو اپنے لوگوں  
 اس کے بارے میں اطلاع دے کر سوٹ مار سکتے یا وقت طو۔

جب ہم ہوٹل آنے کے لیے گھر سے نکلے تھے تب تھوڑی  
 دیر پہلے دیکھا تھا میں نے اس کا کار ہوٹل تک یہ ہمارے ساتھ  
 ناگ لگائی تھی اور اب واپس میں بھی موجود ہے یہ ہمارے  
 چھپنے میں نہ سوجا شاید باڈی گارڈز ہیں یہ میرے نے ہنستے  
 سے کہا، اصل بات میں چھپا گیا تھا اس سے گریگوری کے پیغام  
 میں کہیں نہیں سکتا تھا اس کے سامنے۔  
 اس نے شیشے میں عین نظر دیکھتے ہوئے کہا، "یہ جو دو کاروں  
 اس کے بارے میں اطلاع دے کر سوٹ مار سکتے یا وقت طو۔

اسکرین آؤٹ ہو جانے کی ہدایت دے سکتی تھی، اس کے علاوہ  
 منتقل طور پر اس کی نگرانی کرتے ہوئے کسی وقت وہ لوگ میرے  
 اور اس کے گھر ہوئے بھی آگاہ ہو سکتے تھے لہذا میں یہ فیصلہ کر  
 کے ہاتھ روم سے نکل آیا کہ ملاقات کے بعد اسے ان خطرات  
 کی طرف متوجہ کروں گا اور اسے واپس جانے کے لیے کہوں گا، اگر  
 وہ نہ مانا تو پھر دوسرا راستہ یہ ہوگا، وہ کراچی سے چلا جائے اور  
 آئندہ میں لڑی کے ساتھ جس شہر میں پہنچوں، وہ ادھر کا رخ نہ  
 کرے میں اسے ہر قیمت پر لڑی کی نظروں میں آنے سے بچانا  
 چاہتا تھا۔

سیٹھ تاسم بھی رخصت کرنے کے لیے شرافت علی کی کار تک  
 آیا تھا اس سے شخصی مصافحہ کر کے میں کام میں جا بیٹھا اندر بیٹھنے  
 کے بعد میں نے گھڑی سے سر نکال کر وہاں گھڑی ہوٹل کاروں کی  
 طرف نظریں دوڑائیں ہم سے کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر وہ  
 پہلے مزدا موجود تھی، اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک شخص بیٹھا  
 ہوا تھا اور دو آدمی اگلے اور پچھلے نشستوں کے دروازے کھولے  
 دیں کھڑے تھے جیسے اندر داخل ہونا چاہا رہے ہوں، اگلے نشست  
 کا دروازہ جن شخص نے کھولا ہوا تھا اس کے جسم پر گہرے نیلے  
 رنگ کا شلوار سوٹ تھا اس کی نظریں ہماری کار پر ہی جمی ہوئی  
 تھیں مجھے اپنی طرف متوجہ پا کے وہ فوراً مزدا کے اندر داخل ہو گیا  
 میں نے اس پر سے نظریں ہٹا کر دیوار ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا  
 جیسے میں اس جگہ اور اس کے ارد گرد کے ماحول کو اچھی طرح  
 ذہن نشین کر لیتا چاہتا ہوں۔

شرافت علی کا ڈرائیور کار ہوٹل کے پارکنگ پلاٹ سے  
 کال کر ٹرک پر لے آیا تو وہ مزدا کار بھی حرکت میں آئی ہماری  
 ڈرائیور کی روشن کشادہ اور شفاف مشینوں پر ترقی ہوئی معلوم  
 دہی تھی اور وہ پہلے مزدا کار برابر ہمارے تعاقب میں چلی آ رہی  
 تھی میں نے شرافت علی سے کہا، "شرافت علی! ایک پہلی مزدا  
 ارہست دیر سے ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے، کہیں تم نے  
 ڈی گارڈ نہیں رکھ چھوڑے ہیں یا اپنے ساتھ؟"

"نہیں یا اب، مجھے باڈی گارڈ کا ذکر خیال کیسے آگیا، اس کا کار  
 دوپہر لگے رکھ کر؟"

جب ہم ہوٹل آنے کے لیے گھر سے نکلے تھے تب تھوڑی  
 دیر پہلے دیکھا تھا میں نے اس کا کار ہوٹل تک یہ ہمارے ساتھ  
 ناگ لگائی تھی اور اب واپس میں بھی موجود ہے یہ ہمارے  
 چھپنے میں نہ سوجا شاید باڈی گارڈز ہیں یہ میرے نے ہنستے  
 سے کہا، اصل بات میں چھپا گیا تھا اس سے گریگوری کے پیغام  
 میں کہیں نہیں سکتا تھا اس کے سامنے۔  
 اس نے شیشے میں عین نظر دیکھتے ہوئے کہا، "یہ جو دو کاروں  
 اس کے بارے میں اطلاع دے کر سوٹ مار سکتے یا وقت طو۔

کے پیچھے پہلے رنگ کی مزدا کار ہے اس کی بات کر رہے ہوں تم؟  
 "ہاں وہی تعجب ہے تمہیں، ہوشیار آدمی کو احساس  
 نہیں ہو سکا اس تعاقب کا؟"  
 "اس سے پہلے بھی ایسا ہوا ہی نہیں تھا میرے ساتھ۔  
 میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی میری گاڑی کا تعاقب بھی  
 کر سکتا ہے۔"  
 "اوہ، اگر ایسا ہے تو یہ تمہارے نہیں میرے تعاقب کا  
 فرض انجام دے رہے ہیں کسی نے میرے پیچھے بھیجا ہے انھیں؟"  
 "معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے یہ اخیال ہے اس ظلمیر احمد نے  
 یہ یہ خدمت سپرد کی ہے ان کے؟"

"یاد شرافت علی! تو نے خواہ مخواہ ہی مملت دلوادی ہے  
 اس ظلمیر احمد کو، حالانکہ خود اسے جاننے کے بغیر یہ دنیا اچھی نہیں  
 لگ رہی ہوگی، خوشدستی پر آدھہ نظر کرنا ہے مجھے وہ کیوں نہ اس  
 کا بھی قصہ تمام کرتے چلیں اسی وقت؟"

"اوہیں یاد! تو کوئی وقت ادھر کا گناہی بیٹھا رہتا ہے  
 خون خرابے کے لیے خون سوار رہتا ہے ہر وقت تیرے سر پر۔"  
 "معلوم ہوتا ہے تیرے اوپر اپنے نام کا کچھ نہ کچھ اثر موجود  
 ہے، بالکل ہی شرافت کی ضد نہیں ہوا ہے ابھی تو میرے چالان  
 جو کام کرنا ہے اسے آج کرو یا کل فرق تو کچھ نہیں پڑتا نا، چنانچہ  
 اچھا یہی ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑا جائے۔"

"لیکن میں تجھ سے مختلف انداز میں سوچتا ہوں جلالی! میرا  
 خیال یہ ہے کہ بڑا کام کرنے میں جتنی دیر کی جائے بہتر ہے اس  
 طرح اس کا امکان رہتا ہے کہ شاید آدمی ایک برائی سے بچ  
 جائے ممکن ہے وہ ہونے کے بعد اس کی ضرورت نہ رہے یا  
 ارادہ تبدیل ہو جائے اور آدمی ایک برائی کرنے سے بچ جائے  
 انسان کو کوشش ہی کرنا چاہیے۔"

"اوسے چپ کر جا بگلا جھگٹ! جانتا ہوں میں کتنا نیکو کار  
 ہے تو، بڑے چرچے ہیں اس شہر میں تیری بارشائی کے؟"  
 "طنز نہیں کر جلالی! مجھ پر تجھ جیسے آدمی کو قوت نہیں  
 پہنچتا مجھ پر انگلی اٹھانے کا، زبان بند ہی رکھ تو تو اپنی۔"  
 "اب آپ لوگ آپس میں تو نہ لڑیں ختم کریں اس قصے  
 نو اور ان کا کچھ بندوبست کریں جو پیچھے آپس میں جارہے۔"  
 لڑی بولی۔  
 "ان سے جان چھڑانے کی کوشش کرو ڈرائیور! شرافت علی  
 لڑی کی بات سن کر اپنے ڈرائیور کو ہدایت کی۔  
 "کیسے جان چھڑائے گا ان سے ہماری؟" میں نے  
 نہ صرف علی سے پوچھا، "کیا مقابلہ کرے گا یہ ان سے؟"  
 نہیں جیسی، یہ لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہے ڈانچ

بڑھادی۔  
اس اثناء میں ہم کپری ہینا کے سامنے پہنچ چکے تھے۔  
ایک ہی منٹ بعد مزار قائد پر جانچنے مزار کی خدمت ختم ہوتے ہی  
دائیں ہاتھ والی سرک پر ڈرائیور نے گاڑی ڈال دی۔ یہ علاقہ  
بیرادیکھا ہوا تھا۔ یہاں قریب ہی وہ جنگل تھا جہاں شرافت علی  
نے ہمیں ٹھہرایا ہوا تھا لیکن ڈرائیور ادھر جانے کے بجائے گاڑی  
سیاحی نکال لے گیا۔ جلد ہی ہماری گاڑی جیل کے برابر سے گزرتی  
ہوئی سبزی منڈی والی سرک پر جا پڑھی۔ پیلے رنگ کی منڈا جو  
برابر ہمارے تعاقب میں چلی آ رہی تھی اب نظر نہیں آ رہی تھی۔  
سبزی منڈی میں اچھی خاصی چل پھل نظر آ رہی تھی اس سے۔  
پھر اچانک ڈرائیور نے رفتار کم کی۔ تین سو گاڑیوں کو دائیں جانب  
موڑ دیا۔ یہ سرک بالکل ویران نظر آ رہی تھی۔ یہاں آبادی بھی  
نہ تھی۔ ہمارے بائیں ہاتھ میں ٹال سٹیڈیم تھا۔ عین اسٹیڈیم کے

نظر عقب کا منتظر بن کر نہ دے دوسری طرف سے آیا۔ ایک بار  
تمام روشنی اٹھ جائے تو پوری زندگی سے ہماری طرف  
وہ ہمارے بہت قریب آچکے تھے اور اس سے پہلے  
دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتا، وہ ہماری کالے نقاد  
برابر لگتی۔ دوسرے ہی لمحے اس کار کے ڈرائیور نے  
کو ہماری گاڑی کے ساتھ گرٹے تہہ بٹے اُسے دانا  
کار کے ڈرائیور نے پوری قوت کے ساتھ بریک ل  
روک دی۔ دوسری جانب اس کے ساتھ ہی سا  
لوگ بہت تیزی سے دوسری جانب کے دروازے  
سے باہر نکلے اور کار کے پیچھے سے گھوم کر اس دور  
بڑھے اس کار سے بھی چار افراد نکلے ہماری طرف  
مڑے۔

اس کی بات ختم ہوئی تھی کہ پیچھے سے لڑی نے لات چلا  
نہیں دیا اور ان کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا وہ اوندھے  
دوڑنے کی طرف جا رہے تھے میرے قریب ہوا تو میں نے اس کے  
پلٹ کر گئے تاکہ دم اچھل کر اس میں گرنے والے پر جھا پڑا اس میں  
گرنے والے نے مکمل غور کر کے سہجائیہ و صبح بھل کر یہاں  
آ گیا اس وقت اس میں اس کی ریٹ میں لات مار کر اسے پھر زمین پر  
پیش قدم گیری کی لات کا گر ہی گئی تھی نیچے گرنے کے بعد  
ظفروں یا نگوں سے اپنا سپرٹ پاگلے گھڑی بن گیا تھا مگر وہ  
کے کمر پہ اس نے گھٹنے مارا تھا بہت تیزی کے ساتھ  
جدا تھا، اس نے اپنے تئیں لیٹول مجھ پر سدھا کر کے

Courtesy www.pak

”چپ کر اوڑھے راوی عزیز! اٹھ جاتا نہیں ہے اسے بھی علم  
جیلان کو معلوم ہوتا ہے تجھے میری طرف بھیجنے والے نے میرے  
نام کے سوا اور کچھ نہیں بتایا ہے ... پورا قوت تو حاصل  
کر لے پھلے یہ کہہ کر میں نے اس چپ چلچل لگا دی۔  
اس کے تو دم و گمان میں دور دورہ کہیں کہیں بات نہ  
ہوگی کہ کوئی شخص اسٹین گن جیسے خطرناک مچھڑا کو نظر انداز کر



کے بھی حملہ کرنے کی جرات کر سکتا ہے موت کو انکھوں کے سامنے دیکھ کر تو بڑے سے بڑے غورما کے قدم اٹھنے سے لگا کر ہو جاتے ہیں میں نے اس کے قریب پہنچتے ہی پوری قوت سے اس کی ٹخڑی ٹوکی نیچے مڑا مارا۔ وہ اس اچانک حملے سے پہلے ہی ہولکھلا ہوا تھا۔ مگر کھانکھار کے قدم کو لگا گئے میں غور آ اٹھیں مگر اس کے ہاتھ سے بھپٹ لی اور اسے اس کی طرف سدھا کر کے کشت لچھے میں لٹکا کر خبردار اوٹے کتے کے پتھر اب اگر حرکت کی کوئی کسی نے تو مجھوں کے رکھ دوں گا۔ مگر کرو یہ تماشا، تمہاری باری ختم ہو گئی ہے چلے ہاتھ اٹھا کے کھڑے ہو جاؤ ویدہ۔“

میرے مقابل نے بازی ہٹتے دیکھ کر فوراً ہی ہاتھ بلند کر دیے تھے۔ وہ دونوں خفیں لڑی نے نبھال کھاتھا ہم سے خاصے دور ہو گئے تھے انھیں لڑی دیکھتے ہوئے دور تک لے گئی تھی لیکن ان کے لڑائی کے دوران ہاتھوں سے نکل چکے تھے اور دست بدست جنگ میں لڑی ان پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ اس کے مقابل ہی مدد سے کھڑے نہیں ہو پا رہے تھے تو اسٹین گن کے سامنے کھینچے جاتے میری آواز سن کر لڑی نے پلٹ کے میری طرف دیکھا تو فرست کا یہ لمحہ انھیں بہت غمیت معلوم ہوا۔ انھوں نے ایک لمحے کا توقف کیے بغیر اپنے کمر پر پوری رفتار سے سبزی منڈی کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ بلاخیز رفتار سے پیچھے ہٹ کر دیکھتے بغیر دوڑتے چلے گئے موت کو بالکل سامنے دیکھ کر آدمی میں جان بچانے کے لیے جو غیر معمولی قوت اچانک عود کر آتی ہے وہ اس سے ایسے ہی کام لیتی ہے جو عام حالات میں اس شخص کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہوتے۔ ایسا ہی ان دونوں کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ وہ اس تیزی سے بھاگے تھے کہ ہم میں سے کسی کا ان تک پہنچنا ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ میرا سٹین گن سے غائر کر کے انھیں گرا سکتا تھا لیکن میں نے ایسا کر کے خطرات کو مدد دینا مناسب نہیں جانا۔ رات کے اس کچھ نہانے میں اسٹین گن سے گولیاں چلنے کی آواز نہ جانے کہاں کہاں سے کسی کمرے کی طرف کھینچ لائی۔ میں نے شرافت علی سے کہا۔ گاڑی الگ کر دو ان ذیلیوں کی گاڑی سے میں اسے انھی کی گاڑی میں ڈال کے چلوں گا۔“

شرافت علی بولا۔ کیا کرو گے تم اسے اپنے ساتھ لے جا کر دفع کر دیا۔ اور کھیں ٹھنڈا کر کے لٹا دو۔ اس کے لئے خوفناک کی مصیبت کھڑی نہ کر لینا اسے ساتھ لے جا کر پتا نہیں کس کا پتا تو جانو رہے۔“

”میں تو پتا کرنا ہے اسے اپنے ساتھ لے جا کر معلوم تو کرنا چاہیے کہ کس کے خانے پر دوڑا گیا ہے یہ ہمارے پیچھے۔“

”اس کے لیے ساتھ لے کر پھرنے کی ضرورت نہیں۔“

”یہیں پوچھ لو جو کچھ پوچھنا ہے۔“

”کتنے تو توڑ ٹھیک ہی ہے میرے بار اگر یہ ہیں۔“

”سے بتا دے اپنے نام کا نام اور پتا تو بہت سی آؤ تو نہ نجات مل جائے گی اسے اور ہم بھی شققت اٹھانے سے رہیں گے کیوں بھی کیا خیال ہے تیرے؟“

”میں اسے بدو سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں۔ جو اسٹین گن کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر۔“

”جانو کہ خون پس نہیں آئے گا تمھے جیلان الگ۔“

”پہلے گئے ہمارے ہاتھوں سے تو اس مہلت کو غنیمت ہی اپنے لیے لیکن ایک بات میں تجھے بتا دوں کہ اس بار تو کوئی چلتی سالوں کے ساتھ واپس نہیں جائے گا۔“

”اوہ تو تو مجھیں اس نظیر احمدی کا پتا کتا ہے مگر ہے مجھے تیرے اس آقا پر نام تو اس کا پڑا ہے اس شہر اس نے سارے ہی جھوٹے والے کتے پال رکھے ہیں۔“

”والا ایک بھی نہیں ملا اسے؟“

”نہ ایک نہ دیکھو تو انہاں کو لگا کر۔“

”تو جلد ہی پتا چل جائے گا تجھے کہ جھوٹے والے لاکون ہے اور والاکون ہے۔“

”اوہ مجھ کو کیا بند نہیں کر کے گتو؟“ میں نے آگے آئے ہاتھ کا ایک جھپٹکا لگا کر اس کے منہ پر۔

”میرا ہاتھ کچھ زیادہ ہی زور سے پڑا تھا اس کے کمرے پہچانے میں تیزی سے بھاگ کر اس کی گردن پر دیا اور پھر اسے دیا سے غافل ہونے میں اس کی لمبی اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہو گئے وہ میرے ہاتھ میں بھول گیا۔ شرافت علی نے لپک کر میرے قریب آتے ہوئے یاد کیا بالکل ہی ختم کر دیا اسے؟“

”انتا غیرت مند کہاں ہے یہ گیدڑ کی اولاد؟“

”ہاتھ میں جان سے چلا جائے ابھی تو اسے بہت کچھ لپکنے ہاتھ کے دیکھو تو وہیں مٹا سکتا ہے۔ اوہ۔“

”لکھنے والے نے کیا کیا کچھ دیا ہے اس کے لیے؟“

”میں نے اسے پیچھے ڈال دیا۔ شرافت علی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ بے ہوش ہو گیا ہے یہ۔ کمال ہے یہ۔ جلد ہی ہاتھ میں نشے سے بے مدد ہو گیا تو تیرا ہاتھ ہے۔“

”وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ میرے بھائی پر مارنے سے ہو گیا ہے اسی لیے وہ اس قدر حیران کا اظہار کر رہا تھا۔“

”کیا معلوم تھا کہ کمال میرے مارنے کا نہیں تھا بلکہ یہ۔“

”میرا اس انگل کا تھا جو آدمی کی گردن پر پہنچتے ہی اسے رگ رگ اس تلاش کرتی تھی اور اب تو اس نے۔“

طاق ہو چکی تھی وہ کر غلطی کا ایک فیصد بھی امکان نہیں رہا تھا۔ گردن پر پہنچتے ہی وہ ٹھیک اس جگہ جا رہی تھی جہاں آدمی کی وہ کلنک کی ہولت تھی اس کے خالق نے جسے دیا ہے ہی اچھے چلے انسان کے سارے کل پرزے ڈھیلے ہو جاتے تھے اور وہ کھڑے کھڑے کسی بے بنیاد سکون کی طرح ڈھے جاتا تھا۔ میں نے شرافت علی کی بات کا کوئی جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی اور اس کی طرف مڑ گیا جس کا ایک ہاتھ میں نے کسی سے اٹھا کر نا کاہ کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی جگہ پڑا جھوٹے ہوئے ہاتھ کو راتوں میں دیا کیسے کیسے کیسے کیسے کرنے کی کوشش کر رہا ہوگا لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے اس کی تلاش میں اور اچھر اچھر نظریں دوڑائیں مگر اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ لڑی نے میرے قریب آ کر پوچھا کیا تماشا کر رہے ہیں جناب عالی؟“

”میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر نگاہیں چاروں طرف دوڑاتے ہوئے جواب دیا۔ میں اس دوسرے دشمن کو دیکھ رہا ہوں جس کا ہاتھ اٹھ گیا تھا۔ تعجب ہے وہ اچانک کہاں غائب ہو گیا ہے؟“

”میں نے اسے اپنی کار میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ ابھی چند لمحوں پہنچتا میرا خیال ہے وہ وہاں چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔“

”اسی وقت میں نے اس کے اشارے ہونے کی آواز سنی اور اس سے پہلے کہ میں نے اندازہ کیا کہ کون سی کار اشارے ہوئی ہے، دشمن کی کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھی اور شرافت علی کی کار سے ٹکرائی گئی تھی تیزی سے آگے نکل کر ٹرک پر بڑھی دوڑنے لگی۔ شرافت علی اور اس کا ڈرائیور کو بھلائے سے اسے اسے اڑے کرتے کچھ دواں اس کے پیچھے دوڑے تھے مگر جب میں نے انھیں آواز دے کر بتایا کہ اب اس کا اتفاق کرنا ہے کہ وہ وہ دونوں ٹھیک کر کھڑے ہو گئے چند لمحوں شرافت علی کھڑا اور ہوتی ہوئی کار کو بھٹکا۔ پھر میری طرف مڑ کر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

”بھاگ گیا بزدل۔“

”میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ نہیں یاد آیا نہیں کو اسے۔“

”وہ جس حالت میں کا چلا رہا ہے بزدلی میں کہا جاسکتا۔“

”نہیں، میرا خیال ہے اسے ہوا کچھ نہیں تھا، یوں ہی مگر کمر ہاتھ اور بھاگنے کا موقع حاصل کرنے کی خاطر۔“

”کیسے سمجھ لیا تم نے؟“

”اس سے تو اندازہ ہوتا ہے۔ وہ ہاتھ کی تکلیف کا بہانہ کرتا تھا۔“

”آج تک ایسا نہیں ہوا شرافت علی انعام جیلانی کے ساتھ میں جس شخص کی کلانی ایک بار آجاتی ہے اس کا ہاتھ حرکت کرتا۔“

”میں سمجھا نہیں۔“ شرافت علی بولا۔ کیسی پریشانی کھڑی کر کے گیا ہے جا رہے۔“

”تعجب ہے یا؟ یہ سیدھی سی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تمہارے کیا ہوش میں آئے کہ پور پولیس کو یہ نہیں بتائے گا کہ اسے کون لوگ اس حالت میں پھنپا کر میاں ڈال گئے ہیں؟ اور اس کے بیان پر پولیس ہمارے پیچھے نہیں آئے گی؟“

”کیسی باتیں کرتا ہے یا جیلانی تو مجھ سے ایسا کوئی بیان نہ کر خود کیسے نیچے کا چھپر؟ اسے یہ بھی تو بتانا پڑے گا پولیس کو کہ آخر ہم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا ہے اس سے ہماری کیا دشمنی ہے اور یہ اتنی رات گئے یہاں پہنچا کس طرح؟ کیوں آتا تھا یہاں؟ پولیس سب سے پہلے تو خود اسی کے پیچھے اٹھنا شروع کرے گی۔ ایسے بھولے بادشاہ تو نہیں ہوتے پولیس والے کہ کسی کا بیان سنتے ہی اس پر یقین کر لیں اور اس کے بتائے ہوئے آدمیوں کے پیچھے دوڑ پڑیں۔ تیرا تو بڑا بامعاذربا ہے پولیس سے تو جانتا نہیں ہے انھیں کیا؟ جو اس باتیں کر رہا ہے؟“

”بات اس کی بھی بڑی حد تک معقول اور مناسب ہے۔“

کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس کے ایک ہاتھ کی کسی کھڑی ہوئی ہے۔ یہ اس کی جی داری ہے کہ اس کے باوجود وہ اس تیزی سے گاڑی دوڑاتا ہوا ہے۔ ایک ہاتھ سے اسٹین گن نبھاتا آسان کام نہیں ہے جبکہ دوسرے ہاتھ میں شدید تکلیف میں ہو رہی ہو۔ اسے اپنے کھڑے ہوئے ہاتھ کو بھی نبھانا پڑ رہا ہوگا۔“

”چلو خبر ہو گا خاک ڈالو اب اس پر چلو واپس چلیں ہم لوگ بھی مگر اس کا کیا کرو گے؟ اس نے بے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔“

”اسے بھی ڈال لو گاڑی میں اپنی گھل کر معلوم کریں گے اس سے حدود اور اس کا۔“

”یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ انھیں نظیر احمد نے تمہارے پیچھے چھوڑا ہوا ہے۔ پھر اور کیا معلوم کرو گے تم اس سے؟“

”لڑی بولی۔“ ہاں جناب عالی شرافت علی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ جب یہ معلوم ہو ہی چکا ہے میں کہ یہ لوگ کس کے اشارے پر ہمارے پیچھے آئے تھے تو پھر اس مصیبت کو ساتھ لیے پیچھے ہٹنے کی ضرورت ہے۔ یہیں پڑا ہوا ہے اسے ہوش میں آنے کے بعد خود ہی چلا جائے گا جہاں جانا ہوگا۔ میں نے کہا۔ وہ ٹھیک ہے لیکن یہ بھی تو سوچو اگر اپنی بے ہوشی کے دوران گشت پر نکل ہوئی کسی پولیس پارٹی کے ہاتھ گھٹ گیا تو ہمارے لیے پریشانیوں میں کھڑی کر دے گا۔“

”میں سمجھا نہیں۔“ شرافت علی بولا۔ کیسی پریشانی کھڑی کر کے گیا ہے جا رہے۔“

”تعجب ہے یا؟ یہ سیدھی سی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تمہارے کیا ہوش میں آئے کہ پور پولیس کو یہ نہیں بتائے گا کہ اسے کون لوگ اس حالت میں پھنپا کر میاں ڈال گئے ہیں؟ اور اس کے بیان پر پولیس ہمارے پیچھے نہیں آئے گی؟“

”کیسی باتیں کرتا ہے یا جیلانی تو مجھ سے ایسا کوئی بیان نہ کر خود کیسے نیچے کا چھپر؟ اسے یہ بھی تو بتانا پڑے گا پولیس کو کہ آخر ہم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا ہے اس سے ہماری کیا دشمنی ہے اور یہ اتنی رات گئے یہاں پہنچا کس طرح؟ کیوں آتا تھا یہاں؟ پولیس سب سے پہلے تو خود اسی کے پیچھے اٹھنا شروع کرے گی۔ ایسے بھولے بادشاہ تو نہیں ہوتے پولیس والے کہ کسی کا بیان سنتے ہی اس پر یقین کر لیں اور اس کے بتائے ہوئے آدمیوں کے پیچھے دوڑ پڑیں۔ تیرا تو بڑا بامعاذربا ہے پولیس سے تو جانتا نہیں ہے انھیں کیا؟ جو اس باتیں کر رہا ہے؟“

”بات اس کی بھی بڑی حد تک معقول اور مناسب ہے۔“

چنانچہ ہم نے اسے دوپٹا اور دوبارہ کار میں سوار ہو کر شرافت علی کے اس ہمان خانے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں اس نے بیٹھ کر رکھا تھا۔

”آج میں ایک ہی ان لوگوں کی تلاش میں نکلوں گا جو میں ان پورٹ سے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے ان ہی دونوں میں سے کسی ایک نے اڑائے ہیں۔“

”یہ بات اتنے یقین کے ساتھ کہنے کہ وہ ہیں آپ؟ کیا کوئی خاص بات یاد آئی ہے آپ کو؟“

”نہیں، ایسی کوئی بات مجھے یاد نہیں ہے جس سے ان کے جرم ہونے کا ثبوت مل سکے لیکن اس معاملے میں ان کے سوا کسی اور کو جرم ٹھہرایا بھی نہیں جاسکتا میرے ذہن میں بار بار ایک ہی سوال گردش کرتا رہتا ہے اگر وہ میرے ہتھیار نہیں جانتے تھے یا انھیں ہمارے پاس ان کی موجودگی کا علم نہیں تھا تو پھر وہ ہمیں دھوکا دے کر اپنے ہمراہیوں کو لے گئے تھے؟ کون لوگ تھے وہ اور انھیں ہم سے کیا دلچسپی تھی جو انھوں نے یہ سب کچھ کر لیا تھا؟“

”ہاں یہ بات غوطلم ہے میں بھی اس مسئلے پر اکثر غور کرتی رہی ہوں مگر یہ بات میرے دل کو نہیں لگتی کہ انھوں نے محض پیروں کی خاطر یہ سب کچھ کیا تھا۔ اگر میرے ہی حاصل کرنا ہوتے انھیں تو وہ اتنی خاطر داری نہیں کرتے ہمارے یہ تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ میرے حاصل کرنا کا مقصد نہیں تھا اور یہ بات بھی کسی طرح میرے حلق سے نیچے نہیں اترتی تھی کہ میرے ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک نے بھی اڑائے ہیں۔ وہ ایک سپر پاور کے لیے کام کر رہے تھے چنانچہ وہ ایسے نکال یا ایسے نہیں ہو سکتے تھے کہ چند لاکھ کے ہیرے دیکھ کر ان کی یتیم بدل جاتی انھیں شاید گرگیزی نے میرے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں دی تھی۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ انھیں کب اور کس طرح خود کو مجھ سے متعارف کرالیں چنانچہ ان سے ایک غلطی ہو گئی وہ وقت سے بہت پہلے میرے سامنے آ گئے تھے۔ انھوں نے یہ سمجھا ہو گا کہ انھیں یہاں پہنچنے کے بعد میری حفاظت کرنا ہے اور ان لوگوں سے دور لے جانا ہے جو کسی براہم پیشہ تنظیم سے متعلق ہیں۔ لہذا انھوں نے ان پورٹ پر ہی میرے استقبال کی تیاری کر ڈالی۔ مجھے امید تھی وہ لوگ اگر دوبارہ مجھ سے مل گئے تو ان ہیوں کو کوئی سراغ ان سے ضرور مل جائے گا لیکن اس وقت میں ان کی تلاش میں نہیں نکلا رہا تھا۔ یہ تو صرف ایک ہمان ہی تھا۔ اصل میں تو مجھے لڑی

اور شرافت علی نے اسے انجیل اپنی جان چھڑانے کی تاکہ دوپٹا بارہ بجے مل پارک میں گرگیزی سے مل سکوں۔ مجھے حیرت تھی آخر حالات نے انجیل ایسا کون سا رخ اختیار کر لیا تھا مگر گرگیزی کو بذات خود ہمان آنا پڑ گیا اور اس نے مجھے ملنے کے لیے یوں بلایا ہے؟

میں نے لڑی سے کہا تم ان کے بارے میں سوچی کرو خود کو بلکان نہ کرو میں انھیں جلد ہی ڈھونڈ نکالوں گا۔ اس سمندر میں انھیں تلاش کر لینا مشکل ضرور ہے تاہم نہیں اور جس دن وہ مجھ سے ملے ان کے تمام اعزازات و فرائض معلوم ہو جائیں گے میں میرے سامنے زیادہ دیر پوشیدہ نہ رکھ سکوں گے وہ اپنے دروں بروں کو فر فر بولتے چلے جائیں گے۔ مجھے یقین ہے جناب عالی کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں اس کے درست ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ آپ کالات سے تو اب میں اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں۔ ہر مقابل اگر ہتھیار لیے ہوں جو اس کے آگے کی توینیت ہی کیا ہے ایک بار تیسے چڑھ جائیں وہ آپ پھر ان کی زبانیں سارا کارا سا راجہ اگل دیں گی آپ کے لیے ایک بات ہے لڑی بیکر انکارہ تو تم بھی جھوٹی موٹی نہیں ہو۔ بڑے ہنر چھپا رکھے ہیں تم نے اپنے ارے نہیں جناب عالی آپ سے جھگڑا کرنا آپ ایک مضبوط سسٹم ہیں اور میں ایک معمولی جھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنا سیکھ لے تو خود اس کے لیے بھی مفید بنے کوئی بھی راہ گیر چلتے چلتے ٹھوکر مارا کر ادھر سے ادھر بہتا ہے۔ بہت سی انھوں سے بچا رہتا ہے وہ ادھر کسی سے بے بڑا فرق ہے میرے اور آپ کے مقام اور خصلتات بھی نہیں بگڑتے پریسکون اور خوشگوار زندگی گزارنے کے ہم کرتی معمولی ہوئے تو مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا کہ وہ کون سا جگہ میں ایک ہونا بہت ضروری ہے۔

جب تم نے جاؤ تو کمرہ جو بکے طرح گھبرا کر رہا تھا۔ ایک ہی ضرب میں اس پچھتے خان کی گردن کاٹ دیا۔ دھوکا گاس بات کا میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اب میں جارہا گئی تھی۔ دوبارہ سانس لینا بھول گیا تھا وہ ساڈا۔ ”اوہ“ وہ ہنس کر بولی۔ ”وہ تو بس اتفاق تھا۔ اس ٹانگیں ہاتھ میں آگئی تھیں میرے اسے کوئی اہمیت نہ تھی۔“ ”اور وہ کیڈے جیسا ڈھان من کا آدمی جس طرح چلا گیا تھا زمین سے وہ بھی اتفاق ہی ہو گا۔ کیوں ٹھیک وہ تمہارا کہ ہنس بولی۔“ ”ارے آپ بھی کیوں میں بڑے گئے ہیں جناب عالی! آپ کی شہ پر تو غور کر لیں۔“ ”ہاں یہ تم نے ٹھیک کہا ہے تم بھی میری ہی شہ پر غور کرو۔“ ”کیوں نہیں گئی تھیں اس وقت میں نے کوئی شہر چھوڑ دیا۔“ ”تم نے آج دن بھر گھر سے غائب نہیں گئے۔“

اتنی میں وقت برباد کر رہے ہیں یا نہیں اسے تو مجھے آپ کے بارے میں ایسا نہیں نہیں کہیں۔ آپ کی صلاحیتوں پر اور ت سنے واقعات بھی یہی تعجب کا اظہار کیا کہ آپ سے والائے کے پھر آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ بھول جائیں سب کچھ اور صرف اتنا یاد رکھیں کہ ہر دونوں جو کچھ بھی ہیں۔ مجھے بھی ہیں ایک دوسرے کے بعد اور یہی خواہش ہے کہ قہر خاندانی گرگیزی تو دشمنوں کے لیے ہیں ایک دوسرے کے لیے تو رحمت خداوندی ہیں۔ مجسمہ خصوص و جنت میں اور میں یہی تمام صلاحیتیں ساری شہ زوری آپ کے نام ہے۔ وہ خلوص و وفا کی تصویر نظر آگئے تھے۔ اس کے رد میں روئیں سے محبت کے سوتے چھوٹے کھانے دینے لگے تھے اس ٹھوکی اسے دیکھنے والے کو یہ گمان بھی نہیں گزر سکتا تھا کہ وہ فریب اور دیا کے نام سے آشنا ہو گا۔ اس کی آواز میں جو شہرینی تھی، خوشہ بھرا ہوا تھا اس کے لیے میں وہ تو چہرہ دلوں کو بھی موم کر سکتا تھا۔ میرا دل بھی اس کی اس وقت کی کیفیت کے فریب میں آئے لگا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ اس کی حقیقت کو فراموش کر کے اس کی جانب کھینچنے لگا تھا لیکن عقل نے اسے کی توینیت ہی کیا ہے ایک بار تیسے چڑھ جائیں وہ آپ پھر ان کی زبانیں سارا کارا سا راجہ اگل دیں گی آپ کے لیے ایک بات ہے لڑی بیکر انکارہ تو تم بھی جھوٹی موٹی نہیں ہو۔ بڑے ہنر چھپا رکھے ہیں تم نے اپنے ارے نہیں جناب عالی آپ سے جھگڑا کرنا آپ ایک مضبوط سسٹم ہیں اور میں ایک معمولی جھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنا سیکھ لے تو خود اس کے لیے بھی مفید بنے کوئی بھی راہ گیر چلتے چلتے ٹھوکر مارا کر ادھر سے ادھر بہتا ہے۔ بہت سی انھوں سے بچا رہتا ہے وہ ادھر کسی سے بے بڑا فرق ہے میرے اور آپ کے مقام اور خصلتات بھی نہیں بگڑتے پریسکون اور خوشگوار زندگی گزارنے کے ہم کرتی معمولی ہوئے تو مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا کہ وہ کون سا جگہ میں ایک ہونا بہت ضروری ہے۔

”ہاں یہ بات جی کو لگتی ہے تمہاری آئندہ میں خیال مارا تھا۔ ایک ہی ضرب میں اس پچھتے خان کی گردن کاٹ دیا۔ دھوکا گاس بات کا میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اب میں جارہا گئی تھی۔ دوبارہ سانس لینا بھول گیا تھا وہ ساڈا۔ ”اوہ“ وہ ہنس کر بولی۔ ”وہ تو بس اتفاق تھا۔ اس ٹانگیں ہاتھ میں آگئی تھیں میرے اسے کوئی اہمیت نہ تھی۔“ ”اور وہ کیڈے جیسا ڈھان من کا آدمی جس طرح چلا گیا تھا زمین سے وہ بھی اتفاق ہی ہو گا۔ کیوں ٹھیک وہ تمہارا کہ ہنس بولی۔“ ”ارے آپ بھی کیوں میں بڑے گئے ہیں جناب عالی! آپ کی شہ پر تو غور کر لیں۔“ ”ہاں یہ تم نے ٹھیک کہا ہے تم بھی میری ہی شہ پر غور کرو۔“ ”کیوں نہیں گئی تھیں اس وقت میں نے کوئی شہر چھوڑ دیا۔“ ”تم نے آج دن بھر گھر سے غائب نہیں گئے۔“

”ہاں اسے ضرور بتادیں آپ اور باہر نکلتے ہوئے یہ اطمینان بھی کر لیں کہ کوئی آپ کی گھات نہیں۔ تو نہیں بیٹھا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ باہر نکلتے کے بعد کسی اور جھیلے میں الجھ جائیں اور اصل کام وہ ہی جائے۔“

”ہاں یہ معلوم کر لینا چاہیے ویسا تو نہیں ہے مجھے جاننے کے عبرت ناک انجام اور رات کے واقعے کے بعد اب کوئی اندھا دھند اقدام کر لے کر گزرتی ہے کہ وہ غلیہ احمد پھر بھی ہمیں اپنی طرف سے احتیاط ہی کرنا چاہیے۔ تم ایسا کر دو گاڑی لے کر باہر نکل جاؤ اور یہ دیکھو کوئی تمہارا قاتل کتا رہا ہے یا نہیں مگر کوئی گاڑی تمہارے پیچھے آئے تو اسے اپنے ساتھ لگا کر لے جانا۔ میں پانچ منٹ بعد گھر سے نکلوں گا اور کوئی ٹیکسی بڑھ کر چلا جاؤں گا۔ تم دس منٹ اسے ادھر ادھر چھوڑ دے کر واپس آ جانا۔ اس طرح مجھے ان سے بچ کر نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔ گھر آ کے تم شرافت علی کو قاتل قاتل کر دے والے کے بارے میں فون کر کے بتا دینا پھر وہ کوئی بندوبست کر دے گا اس کا۔“

”یہ تجویز اچھی ہے آپ کی۔ میں جارہی ہوں پھر۔ آپ شرافت علی کو یہ بھی بتا دیں کہ وہ گھر میں موجود رہ کر بندہ نہیں منٹ انتظار کرے۔ شاید مجھے اس کی ضرورت پیش آئی جائے۔“

”وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اور میں شرافت علی سے بات کرنے کے لیے فون اٹھا کر..... غیہ ڈال کر لے لگا۔ لڑی کے جانے کے ٹھیک پانچ منٹ بعد میں گھر سے نکل آیا۔ شرافت علی نے میرے لیے دوسری کار بھیجے کہ وہ گھر میں آئے اسے منع کر دیا میں نے ٹیکسی میں ہل پارک پہنچنے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ ایک تو مجھے ہل پارک کا راستہ نہیں معلوم تھا، دوسرے میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ شرافت علی کو میرے ہل پارک جا کر گرگیزی سے ملنے کی خبر ہو۔ اگر میں اس کا استعمال کرتا تو اس کے پاس کے کسی کارڈمنے کی نظر میں آسکتا تھا۔ وہ لوگ جن کا شرافت علی سے تعلق تھا، اس کی کار پیچان کے اسے یہ بتا سکتے تھے کہ انھوں نے اس کا کار کماں دیکھا تھا۔ بات اگر دیکھنے کی حد تک ہوتی تو ٹھیک کوئی بات نہیں تھی۔ میں جن لوگوں کی تلاش میں گھر سے نکل رہا تھا انھیں ڈھونڈنا تو باہر کے کسی بھی قریبی مقام پر پہنچ سکتا تھا۔ صرف یہ تھا کہ گرگیزی سے ملاقات کے دوران کوئی مجھے یا میری گاڑی کو نہ پہچان لے۔

میں روڈ پر آ کے میں دیر تک کسی غالی ٹیکسی کی تلاش میں ادھر ادھر نظر میں دوڑاتا رہا لیکن مجھے کوئی ایسی ٹیکسی نظر نہ آسکی جسے میں اپنے لیے روک سکتا۔ اس وقت ایک بس آکر مجھے ذرا فاصلہ پر ٹوک گئی۔ اس میں آدمی بیٹھ کر لوگوں کی طرح بھرے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود بس کو کڑکڑا چلا چلا کر





ہوتا۔ تیرے کی قیمت لگانے کے بجائے تیرے سینے پر تمغہ  
 سجانے ہوتے، تمگہ جو مجھ نہیں میرا دکھاتا۔  
 کیا سوچتے تھے ہو جیوان؟ مگر خیالوں نے ابھیرا ہے  
 تمہیں؟ کیا پڑ نہیں آئے ہیں یہ لوگ؟  
 "نہیں یاد نہیں یوں ہی ذرا موازہ کرنے لگا تھا ان  
 عظیم لوگوں سے اپنا۔"  
 "خوب واقعی یہ بہت عظیم لوگ ہیں لیکن تمہاری طرح نامور  
 نہیں ہیں اور تم سے متاثر بھی بہت ہیں۔"  
 "نہیں بھائی! کیوں شرمندہ کرتا ہے سمجھ۔ مجھ میں  
 کون سی خوبی ہے جس سے یہ لوگ متاثر ہو سکتے ہیں۔ نامور  
 بھی میری ایسی تو نہیں ہے جس پر فخر کیا جاسکے۔ گردن ہی جھک  
 جاتی ہے مجھ سے نام رکھنے والوں کی۔"  
 "نہیں بھائی غلام جیلانی! ایسی بات تو نہ کریں آپ۔ ہم  
 جانتے ہیں سائیں آپ کو۔ بلا غلط ہولہ آپ کے ساتھ۔  
 حالات کی ستم خیزی ہے یہ کہ آپ جیسا جو اصول آدمیوں کو ملتا  
 پھر لے لے۔ آپ کا تو زیادہ قصور نہیں ہے نا اس میں۔ جس  
 حالات سے آپ گزر رہے ہیں، کوئی اور ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا  
 ان حالات میں جو آپ نے کیا ہے۔ دوست محمد یہی بددیہی  
 سے بولا۔  
 "ہاں ادا سائیں! دوست محمد ٹھیک کہتا ہے۔ آپ  
 کا قصور تو نہیں ہے اس میں۔ علی احمد نے اپنے ساتھی کی  
 تائید کی۔  
 "یہ تو تم لوگوں کی محبت ہے یاد! جو تم ایسا سوچتے  
 ہو۔ درد گناہ جھوٹا ہوا بڑا، خوشی سے کیا جانتے یا جھوٹ  
 سے، وہ ہونا گناہ ہی ہے۔ فریاد کی کوئی ہی مدد ملت  
 تمہاری اس دلیل تو تسلیم نہیں کرے گی۔ میں جب بھی عدالت  
 میں پیش کیا جاؤں گا، اپنے تمام اعمال کی جواب دہی تو کرنا  
 ہی ہوگی مجھے۔ اور سزا بھی وہی ملے گی جو ان جرائم کے لیے  
 مقرر کر دی گئی ہے۔  
 "میں جب کوئی بدی کی راہ ترک کر کے توبہ کر لیتا ہے  
 اور نیکی کی راہ پر آتا ہے تو خدا بھی اسے معاف کر دیتا ہے۔  
 سائیں! ہمارے ساتھ ملک و قوم کے دشمنوں کے خلاف  
 صف بستہ ہو کر آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ اپنی گزشتہ  
 زندگی کے تائب ہو چکے ہیں اور اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب  
 ہو گئے تو آپ کے پیچھے سارے جرائم معاف ہو جائیں گے۔ یہ  
 یقین رکھیں آپ۔" علی احمد بولا۔  
 "خیر، دیکھا جائے گا۔ کہ جسے خیر ہے کس کے ساتھ کیا جائے

والا ہے اور یہ اچھا ہی ہے کہ آدمی اپنے اپنے دل کے بلے  
 میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ بے خبری جینے کا حوصلہ عطا کرتی ہے انسان  
 کو۔ بہتر ہی کی امید اسے تھک کر لپیٹنے نہیں دیتی۔  
 "ہاں دل درست کہا ہے آپ نے جیلانی! اختلاف نہیں  
 کیا جاسکتا آپ کی اس بات سے؟" فیروز نے کہا۔  
 "میں نے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے جو  
 "وہ میرا یاد! میرا دہر، گر جی کدھر ہے، اسے بلاؤ نا؟"  
 "گر جی؟" فیروز نے قدرے حیرانی سے مجھے دیکھا۔  
 "مستر گر جی یہاں کہاں ہیں؟ یہ کس نے بتایا آپ کو؟"  
 "میں بھی اس کی بات سن کر حیران ہوئے بغیر نہ رہا۔  
 "کیا کہہ رہے ہو؟ گر جی یہاں نہیں ہے مگر مجھے تو...  
 "آپ ٹھیک کہتے ہیں سائیں! یہ جیانی فیروز کو خبر  
 نہیں ہے۔ آپ کو یہاں بلانے کے لیے جو پیغام بھیجا گیا  
 تھا، وہ مسٹر گر جی ہی کی طرف سے تھا۔ ایسا اس لیے کیا  
 گیا تھا کہ آپ آنے میں پچھلی ہفت روزہ سوئیں کریں۔ ہمارا  
 ابھی آپ سے براہ راست تعلق تو قائم نہیں ہوا ہے نا۔  
 پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے تو آپ ہمارے پاس کیوں آئے؟  
 دوست محمد بولا۔  
 "اوہ! تو یہ بات سمجھی۔ مجھے بھی یہی حیرانی تھی کہ  
 گر جی میرے پیچھے ہی پیچھے یہاں کیوں آ گیا ہے؟ ایسے  
 کہا حالات پیدا ہو گئے ہیں جو اسے خود ناچار کیا ہے بیمار  
 خیر اب آپ لوگ بتائیں مجھے کیوں بلا یا ہے آپ نے؟"  
 "سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ آپ سے باقاعدہ تعارف  
 نہیں ہو سکا تھا۔ آپ کو یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں کون  
 لوگ آپ کے دوست ہیں۔ ہمارے آدمی مستقل طور پر آپ  
 کے ساتھ رہتے ہیں تاکہ ضرورت پڑنے پر مدد کر سکیں آپ  
 کی۔ ہمیں معلوم ہے کہ گزشتہ رات ہول سے روانگی کے بعد  
 نیشنل سٹیج سے قریب آپ کو گھیر لیا گیا تھا مگر آپ نے انہیں  
 اچھا سبق دیا ہے۔ اس سے پہلے ظہیر احمد نامی بوجھان نے  
 اپنے دست راست جان کو، مدر سے آپ کو اغوا کیا تھا۔ وہ  
 سے بھی آپ ہمارے پیچھے سے پہلے ہی نکل آئے تھے اور  
 جانور کے ساتھ جو مگر لا نہ دھم کے صنعتی علاقے سے آئے؟  
 تھا، ہمیں اس کی بھی خبر ہے۔ ان حالات میں یہ نہ وری ہو کہ  
 ہوا کہ کسی وقت دشمن سمجھ کر آپ اپنے ہی آدمیوں سے  
 اچھے بیٹھیں۔"  
 "ہاں یہ بہت اچھا کیا ہے آپ لوگوں نے۔ درد!  
 بھی ہو سکتا تھا کسی وقت۔ میرے پیچھے چلنے والا کوئی شخص نا

ہیں آجانا میری، تو میں اسے دوبارہ اپنے تعاقب میں آنے کے  
 قابل نہیں سمجھتا۔"  
 "میں خوف پیدا ہو گیا تھا نہیں جی۔ اسی لیے ہم نے آج  
 کی اس میٹنگ کا بندوبست کیا ہے۔ ہمارے آدمی پہلے رنگ  
 کی مزد کار استعمال کرتے ہیں ہمیشہ، یہ خیال رکھیں آپ۔ اگر  
 کبھی مدد کی ضرورت پیش آجائے تو اپنے اس پاس میں مزد  
 کار کو تلاش کریں اور اپنے سب کے بابوں میں ہاتھ نہیں۔ وہ  
 سامنے آئے بغیر کسی ممکن طرح آپ کی مدد کریں گے۔ کوئی  
 پیغام دیا ہو یا کوئی غائب خبر فوٹ کریں۔ اس نمبر پر یہ بروہی  
 صاحب میں گئے انہیں۔ تب جیوانا ہو۔  
 "تو وہ پہلے رنگ کی مزد کار جسے میں نے کل رات  
 جیل سے بچنے کے لیے اپنے پیچھے آتے دیکھا تھا۔ وہی تھی،  
 جو آپ بتا رہے ہیں؟"  
 "تو آپ نے دیکھا ہے؟" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم  
 نے بہت بروقت آپ سے ملاقات کر لی ہے؟  
 "ہاں یہ بہت ہی اچھا کام کیا ہے آپ لوگوں نے۔  
 حقیقت تو یہ ہے کہ ہم رات کو اسٹیشن پر کم کی طرف گئے ہی  
 اس لیے۔ تھے کسی مناسب جگہ پر اس میں کارروائیوں سے ٹکڑ  
 ہیں، لیکن یہ خوش قسمتی تھی ان کی کہ وہاں اصل دشمن ٹھکانے  
 اسے۔"  
 "اوہ! دیکھا آپ لوگوں نے۔ رات اگر وہ لوگ اس  
 دوسری کار کو دیکھ کر اس کے پیچھے نہ ہو جاتے تو کیا زبردست  
 فساد ہو جاتا نا سنگی ہیں۔ سب سے وہ ظہیر احمد کے غمزدے، انہیں گن  
 لہ لوگوں سے ملے تھے۔" علی احمد نے کہا۔  
 "ہاں ایسی ہی تیاریوں سے آئے تھے وہ۔ وہ تو خبر یہ ہوئی،  
 نہیں ہتھیاروں کے استعمال کا موقع نہیں مل سکا۔  
 "ایسی جرات ہم نے کسی میں نہیں دیکھی تھی۔ یہ تو مال ہی کر بیٹھے  
 مل جاتا تھا۔ ایسے ٹھکانے ہتھیاروں سے ذرا بھی تو فائدہ نہیں  
 ملتا۔ انہیں نظر انداز کر کے فوٹ پرستے ہیں دشمن پر تیرے حوصلے کی  
 بات ہے۔ یہ دوست تمہارے کہا۔  
 "ہاں جی، یہ تو تھوڑی بڑی دیر کی بات ہے۔ موت کے  
 رنگ کا گھٹنا معمولی بات تو نہیں ہے۔ علی احمد نے کہا۔  
 "ہاں کوئی غیر معمولی بات بھی نہیں ہے۔ یہ میں نے مسکراتے  
 ہوئے کہا تھا۔ اس قدر احمق دماغی کی ضرورت ہے۔ دشمن کے ہتھیار  
 پر گزشتہ صوبہ کو کرنے سے پہلے ہی فوٹ پر اس پر تو ہمارے صرف  
 اپنے ہتھیار کی کراہی ہو جاتی ہے اور اس کو کش میں اس کا دھیان  
 ہتھیار فوٹ سے ہٹ جاتا ہے۔ یہی وقت ہوتا ہے ہتھیار اس  
 کے فوٹ سے نکال دینے کا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے جیانی تیرے لنگر اس کے لیے بھی جینے کی  
 سی پھرتی اور یہ خوف نہ دکھا رہی تھی جس آدمی میں نہیں ہوتی۔  
 اگر شوگ تو انہیں اسکو دیکھتے ہی سست قبول کر لیتے ہیں۔"  
 اندیشہ جو کیوں نہ مجھے تعریفی نغزوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "میں نے ہنس کر کہا، یاد! تعریفیں کر کے میرا دماغ ہی  
 خواب کرتے دھمکے، باؤ کی کام کی بات بھی کر دے؟"  
 فیروز نے کہا۔ "در اصل یہ لوگ اخلاقیات میں تو تھوڑے بارے  
 پر ہیستے ہی رہتے تھے مگر گزشتہ دنوں یہاں ان کی یہ ہتھیار سے  
 پیش آنے والے واقعات کی جو بردباری ان میں کچھ نہیں تھی۔ انہوں نے  
 انہیں سمجھا کر وہ بد کردار ہے۔ لہذا تم سے ملنے کے بعد انہیں اب  
 تمہارے سوا کچھ یاد نہیں رہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ۔ ان لوگوں کا کل  
 اعتماد حاصل ہے تمہیں؟"  
 "کن لوگوں کی بات کر رہے ہو تم؟ کن کا اعتماد حاصل ہوئے  
 کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو تم؟"  
 "اور کن لوگوں کی بات کر دوں گا۔ شرافت اور الزبتھ وغیرہ کا  
 ذکر کر رہے ہوں میں۔"  
 "اچھا، اچھا، لنگر اس کی ضرورت کیوں پیش آتی تھیں جو کیا نہیں  
 کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہے جن سے ان کی عدم اعتمادی کا پتہ  
 چلتا ہو؟ ویسے ملنے والے تو ابھی محسوس نہیں کیا۔"  
 "نہیں، ہمیں ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی۔ اسی لیے  
 میں نے معلوم کیا ہے کیونکہ تم ہی زیادہ بہتر جانتے ہو اس سلسلے  
 میں۔ ہمیں شہریوں ہوا تھا کہ گزشتہ دنوں قیامی ہفتے کے قریب ان لوگوں  
 کی سرگرمیاں موقوف رہیں۔"  
 "جو سکتا ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہو۔ مجھے علم نہیں ہے  
 اس سلسلے میں کچھ بھی۔ ویسے ابھی میں ان کی سرگرمیوں سے پوری طرح  
 واقف بھی نہیں ہوا ہوں۔ لڑی کے ذریعے وہ بھی آدمیوں سے من  
 ملنے کی وجہ سے متعلق ہی تم ہو رہے۔"  
 "ایک طرح من صنعت کا لایگزٹور کے بارے میں تو معلوم ہوا تھا  
 نہیں۔ وہ تو دنوں کو اپنے ساتھ گھوم کر یہاں بیٹھیں یا اسحاق  
 کے آستانے کے ساتھ بیٹھیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ وہاں کیوں  
 لے گیا تھا۔ ہمیں یہ کہ تم نے خود خواہش کی تھی یا باحساب کے آستانے  
 پر حاضری دینے کی؟ بہت مشہور بزرگ ہیں وہ۔ بڑی دودھ دہرے  
 لوگ ان کے دہار کے لیے آتے اور دعائیں حاصل کرتے ہیں ان کی۔  
 بہت عقیدت ہے یہاں کے لوگوں کو ان سے؟"  
 "کیا علی بھی آتے ہیں ان آستانے پر۔ کبھی یہ معلوم کیا تم  
 نے، زیادہ تو دیکھو اس علاقہ کے لوگوں کی ہوتی ہے؟"  
 "اس پر تو کبھی تو تمہیں ہی ہمارے۔ ویسے اکثر غیر ملکی بھی  
 آتے ہیں وہاں۔ مگر یہ تو کم یوں پوچھ رہے ہو؟"

”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم لوگوں کا طریقہ کار کیا ہے۔“  
 کیسے کیسے لوگوں پر نظر رکھتے ہو تم؟“  
 بابا صاحب کے آستانے پر آنے والے حاجت مند ہوتے ہیں۔ ان پر نظر رکھنے کی کامرمت ہے، میں نے  
 ”ہم لوگوں کا واسطہ نہیں لوگوں سے ہے وہ نیکو نظر کو یہ چھ  
 چھوڑ گئے ہیں، سکری اور عیاری میں۔ جہاں وہ اطمینان دہاں  
 نہیں ہو سکتا، وہاں بھی گھسی جاتے ہیں یہ لوگ۔ کوئی جھگڑا نہیں  
 ہے ان سے۔ یہ بات نہیں بتاتی ہے تبھی کسی نے ان کی خفاشوں  
 سے محفوظ رکھا چاہتے ہوئے ایک ملک کو تو ہر اس نگاہ اور اس شخص پر  
 نگاہ رکھو جس پر تم بھی شبہ نہیں کر سکتے ہو۔ یہ ایسی ہی جگہوں پر  
 چھپے ہوئے ہیں ان کی کامیابی کا راز یہی ہے۔  
 ”وہ تو ٹھیک ہے مگر بابا صاحب جیسے پیچھے ہونے شخص  
 کو دھوکا دینا آسان نہیں ہے۔ ان کی نظروں سے بچ نہیں  
 سکتا کوئی۔“  
 ”اور اگر وہ مختار بابا صاحب خود ہی اطمینان زادہ ہو تو؟  
 یہ بھی سوچا ہے کبھی تم نے؟“  
 ”ایسی بات نہیں کرو سائیں! بابا صاحب دلی آدمی ہیں۔  
 ان کے بارے میں غلط افواہیں نہ لکھنا زبان سے ایسا عملی احمد  
 نے کیا۔  
 ”ہاں، بہت پہنچا ہوا، ولی کامل ہے وہ۔ میں نے تبھی  
 بتایا تھا کہ لڑی نے مجھے یہاں آئینک دوا لیے ہوہوں سے طلبا  
 ہے جو ہمارے ملک میں صہیونیوں کے عوام کی تکمیل کے لیے کرم  
 عمل ہیں اور بہت خاص لوگ ہیں وہ۔ تم جانتے ہو انہیں؟“  
 ”اس جرم صنعت کار کو جانتے ہیں ہم، اور اس کی نگرانی  
 بھی کرتے رہتے ہیں مگر دوسرا کون ہے؟ اسے نہیں جانتے ہم۔  
 ”وہ دوسرا یہی مختار دلی کامل ہے۔ آئوگ نام ہے اس کا۔  
 کسی نے بتایا تو نہیں ہے مجھے لیکن میرا اندازہ ہے کہ یہی سرغنہ ہے  
 یہاں ان سب کا۔ اسی لیے وہ لوگ مجھے اس سے ملوانے لے  
 گئے تھے۔“  
 ”یہ کیا کہہ رہے ہو غلام جیلانی! اس آستانے کے بارے  
 میں ایسی دلی کوئی بات تو سوچی بھی نہیں جاسکتی۔“ فرید جیرانی  
 سے بولا۔  
 ”اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں تم سے۔ یہ اسرائیل زادہ  
 ایسی ہی جگہ پر ہوتے ہیں، جہاں ان کے بارے میں کتبہ بھی  
 نہ ہو سکی کو۔“  
 ”یہ تو سائیں بڑی عجیب بات بتاتی ہے آپ نے۔ یقین نہیں  
 آتا۔ اے والی اللہ... زبان نہ ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے  
 آپ کو۔“

”میں نے اچھا خاصا وقت گزارا ہے وہاں اس کے  
 ڈرائنگ روم میں، اور بہت سی باتیں بھی کہیں اس سے، پھر  
 بھی غلط فہمی ہے مجھے؟“  
 ”ڈرائنگ روم میں! تو کیا کسی مکان میں ملے تھے تم ان پر  
 پھر تضرور کسی اور آدمی سے ملے ہو گے تم؟“  
 ”ادبار! کیا عجیب آدمی ہے تو۔ یقین نہیں کرتا یہ  
 بات کا۔ میرے بھائی! اس سے اسی پہاڑی غامضی ملتا ہے۔  
 کسی مکان میں نہیں ملا ہوں۔ وہیں ہی آستانے میں اس کے  
 اپنے ڈرائنگ روم ہیں۔ آپ کی کچھ سمجھ؟“  
 میری بات سن کر وہ چاروں حیرت سے ایک دوسرے  
 کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر دوست محمد لولا کہ کچھ میں نہیں آتا  
 سائیں! ہم بھی وہاں جاتے رہتے ہیں اکثر۔ ایک چھوٹا سا خانہ  
 وہ ہیں۔ اس کے ایک حصے میں حاجت منداں آستانے کے ملکہ  
 بیٹھے ہوتے ہیں۔ دوسرے حصے میں بابا صاحب عبادت میں مشغول  
 رہتے ہیں۔ بالکل چھوٹا سا خانہ ہے جس میں ہر دم تارکی رہتی  
 ہے۔ کچھ بھی تو دکھائی نہیں دیتا ہے وہاں اور آپ کہتے  
 آؤ ڈرائنگ روم بھی ہے۔“  
 مجھے مہنتی لگتی تھی میں نے کہا اسے اس چھوٹے سے حجرے  
 دیواروں پر سیاہ رنگ کیا ہوا ہے اور جس چیز سے پر ہوا تھا  
 بیچتا ہوا ہے، اس کے بالکل پیچھے دیواروں ہی کے رنگ کا سیا  
 دیز پر پردہ پڑا ہوا ہے اس پر دے کے کچھ نہایت راستہ صید  
 کا خوبصورت ڈرائنگ روم ہے۔ جس میں انسانی ضرورت کی ہر  
 موجود ہے۔ کبھی تم نے اپنے بابا صاحب کے چہرے کے  
 جاکر دیکھا ہے؟“  
 ”نہیں، چوتھے کے دیکھنا تو بہت بڑی بات ہے  
 اس کے قریب نہیں جاسکتا کوئی۔ جسے میں جاکر تو بابا صاحب  
 کے رعب سے پاؤں اٹھانا بھی مشکل ہو جاتا ہے آدمی کے لیے  
 نظر نہیں اٹھانی جاتی اور پھر اندھیرا آتا ہوتا ہے کہ کچھ دکھانا  
 نہیں دیتا وہاں۔“  
 ”لیکن جب میں لڑی اور الیگزینڈر کے ساتھ گیا تھا، وہاں تو  
 اس وقت اتنی تاریکی نہیں تھی اس حجرے میں۔ ایک عیب روشنی  
 تھا وہاں جس کی روشنی میں جسے کا اچھی طرح جائزہ لیا جاسکتا  
 وہ درمیان پر پردہ ہٹا کر اس راستہ کو بے میں ہی ہم سے ملاقات  
 تھی اس ہر وہ پیچہ یہودی نے۔ اس کے پاس جانے سے پہلے  
 نے مجھے بتایا تھا کہ میں آج شام پانچ بجے آیا آؤں گے اسے ملنے  
 ہے۔ پھر الیگزینڈر نے کہا کہ اس نے فون کر کے سہراؤں  
 سے پانچ بجے کا وقت لے لیا ہے اس کا تو مطلب ہے جو  
 شیدھوں بھی موجود ہے۔“

”یہ تو بہت اہم انکشاف کیا ہے تم نے جیلانی! یہاں ان  
 کے تقریباً تمام ہی گھر کے نظریں ہیں ہماری۔ اس ایک سرغنہ ہی کے  
 بارے میں کچھ بتائیں جتنا غامض۔ ایک ایک آدمی کی دن رات  
 نگرانی کی ہے ہم نے، مگر کسی بھی طرح سرغنہ ہم نہیں پہنچ سکتے تھے۔“  
 ”اگر آپ کے کہنے کے مطابق وہی سرغنہ ہے تو اب ان میں  
 سے کوئی بچ نہیں سکتا کہ ہم سے یہ تو براہ راست کام کیا ہے آپ  
 نے سائیں غلام جیلانی! آپ تو بہت کام کے آدمی ثابت ہوئے ہیں  
 علی احمد مجھے تو یقینی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔  
 ”کیسا بگڑا جھگڑا ہے وہ بابا باحق! ایک خلقت کو تو ہونا  
 رکھا ہے اس نے اتنے برسوں سے پیچھے سائیں نے اپنا جانشین  
 ہزار کیا تھا اسے باقاعدہ دستار بندی کی تھی اس کی۔ مجھے یاد  
 ہے ابھی طرح! اللہ بخش ہو کیونکہ بتایا! کتنے عرصے خدمت  
 کی ہوگی اس نے سچے سائیں کی عبادت و ریاضت کے ذریعے دل  
 میں جگہ بنائی ہوگی ان کے تب کہیں یہ مقام عطا ہوا ہوگا اس کو! اب تو  
 کو۔ اور اب یہ اس آستانے کو اسرائیل کا ہیہ کو لارڈ بن گئے ہوئے  
 ہے پاکستان میں۔“  
 ”ہاں لہذا یہی ہی بلا ٹنگ کرتے ہیں یہ لوگ۔ برسوں ملکہ بعض  
 اوقات تو ہندو ملکہ سکون کے ساتھ اپنے منصوبے پر خاموشی  
 سے کام کرتے رہتے ہیں۔ ہمت نہیں ہارتے کبھی اور نہ ہی ٹھک  
 ہاسے جتنے بھی کہیں کامیابی کا راز نہی ہے ان کی۔“  
 ”ٹھیک کہتے ہیں آپ بھائی غلام جیلانی! انھیں محنت اور جان  
 فشانی کے بغیر قوموں کے ترقی کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ محنت اور  
 گل کو بہت اہمیت حاصل ہے اور سب سے زیادہ اہم چیز اتحاد  
 ہے۔ متحد قوموں کو کبھی طاقتور ترین دشمن بھی شکست نہیں دے سکا۔  
 ہماری بدقسمتی یہی ہے کہ دشمن نے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے  
 کی کوشش کی ہے اس لیے اسے نوبے لوگ ان شروع کر دیے  
 ہیں تبھی اگر ابھی سے روکنے کی کوشش نہیں کی گئی تو یہ ملت کا  
 شیرازہ بچھ کر رکھ دیں گے۔ آج کی نوجوان نسل اپنی تاریخ بے یار  
 اور کم فہمی کی بنا پر ان نعروں سے متاثر ہو رہی ہے۔ اب وہ کھلم  
 کھلا چارو قینوں چاروہوں، قحاقی اور غیر قحاقی کی باتیں کرتے  
 چھڑے ہیں اور کوئی انھیں روکنے کو نہیں دانتا۔ صوبائی  
 خود مختاری کے نام پر مرکز کو کھڑک دینے کی باتیں کی جا رہی ہیں۔  
 مرکز کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ لوگ۔ تاریخ شاید ہے جب بھی  
 کسی قوم نے مرکز سے رشتہ کوڑ کیا یا تو اتوارا، وہ برباد کر دی گئی  
 ہے۔ مگر کسی نئی طاقت میں کہ ہم صوبائیت اور علاقائیت کا شکار  
 ہو جائیں مرکز سے دور ہو جائیں، صوبوں میں بڑ کر اپنی متحدہ  
 قوت کو ختم کر دیں تاکہ وہ ایک ایک کر کے ہمیں بے آسانی ٹپڑ کر لیں  
 تو پھر وہ جنگ کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتے، اسے یہ عقل کے

دشمن خود اپنے ہاتھوں سے انھیں پیش کر دینے کے لیے آمادہ نظر  
 آتے ہیں۔ یہ دنیا کے کونے کونے میں بکھرے ہوئے یہودی تواریک  
 قوم ہیں اور متحد ہو کر اسرائیل کی بقا اور اس کی ترقی کے لیے کوشاں  
 رہتے ہیں لیکن ہمیں جو ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم کے افراد  
 ہیں، مامولوں میں تقسیم کر کے چاروہیں ہونے کا سبق بڑھا باجاریا  
 ہے۔ ان کی پروپیگنڈہ مشینری اسلام کے خلاف جواز ہر ملکتی ہے ہم  
 اس کا جواب دینے کے بجائے اسلام سے بے زاری اور اپنے سلمان  
 ہونے پر شرمندگی محسوس کرنے لگے ہیں۔ ہمارے زعماء انھیں اس  
 پر پروپیگنڈے کا جواب دینا چاہتے، انھیں اقتدار و اختیار اور عزت  
 میرے جھگڑوں سے ہی فرصت نہیں ہے۔ وہ اقتدار حاصل کیے  
 بغیر کچھ کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور جب اقتدار ہاتھ آجاتا ہے تو  
 اپنی تمام توجہ اسے محفوظ رکھنے اور طول دینے پر صرف کرتے ہیں۔  
 انھیں یہ سوچنے کی بھی فرصت نہیں ہے کہ جب یہ آزادی نہیں  
 رہے گی، یہ ملک ہمیں رہے گا تو وہ اپنا حکومت کرنے کا شوق  
 بڑا کرنے کہاں جائیں گے؟ دوست محمد جذبات کی رو میں بہا چلا  
 جا رہا تھا۔  
 ”میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرے بھائی! باتیں تو بخاری  
 جی کو لگتی ہیں۔ مگر ایک ٹوٹو لڑی یہ بھی تو ہے ہمارے ساتھ کہ ہم  
 گزشتہ برسوں میں باتیں کرنے کا فن ہی سیکھ سکے ہیں، انھیں عملی جامہ  
 پہنانا نہیں سکھا پاسی نے ہمیں۔“  
 ”ہاں سائیں غلام جیلانی! بخاری اس بات کو بھی جھٹلاؤں  
 گائیں میں۔ میں تسلیم کرتا ہوں اسے۔ بالکل درست کہتے ہو تم۔  
 یہ بھی ہماری قوم کا مزاج بن گیا ہے۔ حقائق سے نظروں پر آکر  
 اپنی زبان سے ساری دنیا کو سرخوں کر لیتے ہیں لوگ خیالوں ہی  
 خیالوں میں۔ ہاں یا کرکٹ کی ٹیم بار جائے حریف ملک سے تو فوجی  
 غیرت جوش کھانے لگتی ہے۔ ہم کے غیر ہر قوم کو مل چڑھانے کے  
 مطالبے ہوتے ہیں۔ اخبارات سیاہ ہو جاتے ہیں انکو تواریکوں  
 کی نفرت سے، لیکن جب کوئی من پسند ہزارا نت نئے کتب  
 دکھا کر انھیں فریب دینے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اسے  
 قوی ہر پروہا لیتے ہیں۔ اس کا ہر عیب ہنر لگنے لگتا ہے اور وہ  
 کھلا دشمن بھی جو اس کی حمایت کرے تب تک لگتا ہے۔ ہم نے  
 اسی لعنت کو ملنے کا عزم کیا ہے، ہم ان چند قوم فروغوں کو اس  
 کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہماری آزادی کا سودا کر لیں مول  
 چک لیں ان خشیوں کے لہو کا جنھوں نے آزادی کی راہ میں اپنا  
 حق من و حق سب کچھ قربان کر دیا، جنھوں نے خود مٹ کر ہمیں زندگی  
 عطا کی۔ ہم ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔“  
 ”میں تھا جسے جذبات کی تودہ کرتا ہوں میرے بھائی! ہر  
 محبت وطن کے یہی جذبات ہوتے ہیں۔ مجھے بھی جب لڑی کی



زبانی یہودیوں کے عوام کا علم ہوا تھا تو اسی طرح میرا سید بھی جانتا تھا۔ آگ لگ گئی تھی تو بدن میں میرے اوٹھنا ان زبوں سے اپنے لک کو غصہ نہ کہنے کی خاطر ہی گر پڑی کہ ساتھ دینے کا وعدہ کرنا تھا۔ تم لوگوں سے مل کر مجھے خوشی بھی ہوئی ہے اور میرا حوصلہ بھی بڑھ چاہے۔ یہ اطمینان بھی حاصل ہوا ہے مجھے کہ ابھی میرے ملک میں زندہ لوگ موجود ہیں لیکن میرے عزیز اس کام کا بیڑا لے رہے ہیں اٹھا ہائے یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ نہ ہی ہم چار پانچ آدمی اسے پایہ تکمیل کو پہنچا سکتے ہیں حکومت کو بھی اس طرف توجہ دینا چاہیے۔

”ہاں بیشک حکومت کو توجہ دینا چاہیے اس طرف لیکن ہمیں بھی اپنا فرض یاد رکھنا چاہیے۔ ہر کام صرف حکومت کے لیے ہی نہیں چھوڑ دینا چاہیے اور پھر جب مسئلہ قومی سلامتی کا بہت بڑا ہمارا دھڑلے دار ہوا اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ جیانی غلام جیلانی! یہ مت دیکھو کون کیا کر رہا ہے نہ یہ حساب کرو کہ اس نے کیا کیا ہے۔ صرف اور صرف اپنے اعمال پر نظر رکھو۔ صرف اس کا حساب کرو کہ ہم نے اپنے حق کا کتنا کام کیا ہے؟ علی احمد نے مجھے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

”یاد رہے میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس راوی پر خطر میں جس کا میں مافر ہوں، تم جیسے وطن دوست ہم غرضیں جالیں گے۔ میں غلام جیلانی ایک بے راہ رو شخص جسے اپنی ہی کے سوا کچھ یاد نہیں تھا، ابھی اتنے غفیم تصدد کی طرف بھی قدم اٹھا سکوں گا یا میری آواز بھڑکنے لگی تھی۔ کچھ بڑے بڑے آدمی ہونے لگا۔ ہتھیار میں بے اختیار دو دلوں ہاتھوں سے منہ چپا کر سسک پڑا میرا سید شق ہوا چار ہاتھ، آنکھوں میں آنسو سیل رواں کی طرح اڑتے چلے آ رہے تھے۔ وہ خمدور، خمدور، خمدور غلام جیلانی ٹھکانا سے متاثر کرتے ہوئے جس کی پیشانی کبھی شقین آلود نہیں ہوتی تھی، چاروں طرف سے ملنا کر تے ہوئے مصائب کے ہجوم میں جس کی سیکھ بھی تم نہیں ہوتی تھی، اس کی آنکھوں سے آج چشمے ابل پڑے تھے۔ اور وہ کسی غلطی شہر خوار کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔

وہ چاروں میری اس کیفیت کو دیکھ کر پریشان ہو گئے اور مجھے چاروں طرف سے گھیر کر تلتان اور دلا سے بیٹے لگے۔ کچھ دیر رو بیٹے سے دل کا غبار حاف ہو گیا تو میں اٹھ کر فیروزیگر رہنمائی میں باقاعدہ پہنچا اور نہایت دھوکہ واپس ان کے پاس آ بیٹھا۔ یارو! انسان بھی غیب مخلوق ہے خدا کی اسے کسی طرح ثبات نہیں ہے۔ یکساں حالت میں تو زیادہ دن رہ ہی نہیں سکتا۔ وہ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آدمی کو خود پر مکمل اختیار حاصل ہی نہیں ہوتا

ہے کبھی۔ حالات کے ریلے میں اذھر سے اذھر ہوتا رہتا رہتا کبھی وہ وقت کے سیلاب کے سامنے چٹان کی طرح سینہ تان کر ہوتا ہے اور کبھی حالات کی ایک جھوٹی سی لہریں تلکے کا منہ بٹا جاتا ہے۔ یہ لہریں بھی اسے اتنا ادراختا جیتی ہیں کہ اس نے بالابند کوئی نظر نہیں آتا اور کبھی اتنا پیچھے جاتی ہیں کہ لہروں کے ہجوم میں اسے دیکھنا بھی ممکن نہیں رہتا۔ میرے ساتھ اب ایسا ہی ہو رہا تھا۔ ان دنوں میری حالت لہروں کے رحم و کرم پر چلتے ہوئے ایک تلکے کی مانند تھی۔ تقدیر شوخیوں کرتی رہتی تھی میرے ساتھ اب تک اور اس نے مجھے جس راہ پر لانا تھا اگر میں اسے گنوا نہیں دیتا تو وہ مجھے منزل پر پہنچا سکتی تھی چنانچہ میں نے اب اس راہ پر چل کر زندگی کا بقیہ سفر طے کر کا فیصلہ کر لیا تھا۔

دوست محمد نے میری حالت درست ہونے کے بعد ”آپ نے بالاسحاق کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے سائیں!“ سے معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ وہ آستانہ مرکز بنا ہوا ہے ان کو اس کی طرف پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

”مگر اس ہروپے کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اگر منصوبہ بندی کرنا ہوگی، ہائیں۔ اور بہت دیکھ بھال کے کام ہوگا اس کی طرف۔ بڑے لائحہ رود وسائل کے مالک ہیں۔ نہ جانے کیسے کیسے جدید ترین آلات موجود ہوں گے وہاں۔“

”ہاں، کوئی بڑا اور فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے پوری پوری معلومات حاصل کرنا ہوں گی اس جگہ کے بارے میں۔ اس کے چپے چپے سے واقفیت حاصل کرنا ہوگی۔ اور ایسے انتظامات کرنے ہوں گے کہ کسی صورت میں ہمارا نہ ہو۔ اگر ایک بار نامی ہوئی ہمیں تو دوبارہ فوجی کارروائی کے بغیر آن پرقابو حاصل کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ اللہ نے کہا۔

”اس کے علاوہ یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی اتنا بڑا نہ ہو وہاں، جس کے بارے میں اخبارات شریاں جھماکے کر دیں۔ عام لوگوں کا ان سنگین معاملات سے بے خبر ہی بہتر ہے۔ علی احمد نے کہا۔ ورنہ شہر کے لوگوں کی خوف و ہراس پھیلنے کا اور گنگہ گنگہ بیٹھکوں ہونے لگیں گی۔ سیدھی افواہیں پھیلنے لگیں گی۔ دو گھنٹے تک اس مسئلہ کے ایک ایک پہلو پر غور ہوتا رہا۔ یہ تو سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ یہودیوں نے اپنے اس خفیہ منصوبہ کو رکر کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ یقیناً بہت سخت انتظامات کر رکھے ہوں گے۔

جدید ترین ہتھیار اور دیکھ بھال کے لیے حساس ترین آلات نصب ہوں گے وہاں۔ لہذا بیٹے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری تھا اور یہ کام میرے ہی ذمے لگا دیا گیا کیونکہ اس گروپ میں صرف میں ہی وہ واحد آدمی تھا، جسے وہاں تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی تھی۔

میں وہاں سے رخصت ہوا تو فریڈ نے کہا: ”میرے ساتھ میری کامیں آج جیلانی اساتے میں کوئی ٹیکسی مل جائے گی تو اس میں چلے جانا۔ یہاں سے کوئی سواری نہیں ملے گی تمھیں۔“

میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا اس کو ٹیسی سے نکل کر اس نے کار ایک طرف دوڑتے ہوئے کہا: ”تمھارے لیے ایک خبر ہے میرے پاس۔ میں نے ان دنوں کے سامنے تم سے اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔“

”کیسی خبر ہے؟ ایسی بات ہے جس کا ذکر ان لوگوں کے سامنے مناسب نہیں جاتا تم سے؟“

”طارق روڈ پر کوئی فردوسی بیگم رہتی ہے اُسے جانتے ہو تم؟“

”ہاں، ہاں، کیا ہوا ہے فردوسی بیگم کو؟“ میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”گھبرائے کیوں ہوا، کچھ ہوا نہیں ہے تمھاری اس فردوسی بیگم کو“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”پھر کیا بات ہے؟ تم نے پوچھا کیوں تھا اس کے بارے میں؟ اور تم اُسے کیسے جانتے ہو؟“

”یہ بہت پوچھو، میں نے کیسے جانتا ہوں۔ میں ہر اس شخص سے واقف ہوں جس سے تمھارا ذرا بھی تعلق ہے میں نے اس کے بارے میں اس لیے پوچھا تھا تم سے کہ وہاں ایک شخص آیا ہو ہے۔ تم وہاں جا کر اُس سے مل لو۔ مجھے یقین ہے اس سے مل کر تمھیں بہت خوشی ہوگی۔“

”کون سے وہ؟“ میں نے تھوڑی سی پوچھا۔

”یہ تو میں نہیں جانتا۔ مجھے جو کچھ بتایا گیا تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا ہے۔“

”اچھا۔“ تمھیں کس نے بتایا ہے اس کے بارے میں؟“

”اس سے تمھیں کیا غرض ہے میرے یار۔ تمہارے کام سے غرض رکھو۔ میں طارق روڈ مل رہا ہوں تمھیں، بیٹے لہریں کے پاس آتا رہا گا۔ پھر تم خود جا کر دیکھ لینا فردوسی بیگم کے بارے میں کون شخص ہے وہ؟“

اس نے مجھے عجیب عجیب مسکراہٹیں ڈال دیا تھا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ اس شخص کو جانتا ہے مگر کسی وجہ سے مجھے بتانا نہیں چاہتا۔ میں نے ذہن پر زور دے کر اپنے ملنے والوں کو یاد کرنے لگا مگر کوئی ایسا شخص مجھے یاد نہیں آسکا جو میرا اور فردوسی کا اشتراک نہ تھا۔ ہر دے کے ایک ہی تھا مگر وہ فردوسی و چھوڑ کر لاہور چلا گیا تھا اور وہاں اُسے جو حالات پیش آئے تھے اس کے بعد اس کی واپس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ میں اسی اچھی ہوئی کبھی کوئی سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ فریڈ نے مجھے مخاطب کیا: ”لو کبھی بتایا کیسے لہریں۔ اب تم خود جا کر دیکھ لو فردوسی بیگم کے ہاں کون آیا ہوا ہے؟“

میں اس سے کہنے کے بغیر چپ چاپ اس کی کار سے اتر گیا۔ اور سیدھا فردوسی بیگم کے فلیٹ کی طرف چل دیا۔ پہلی ہی گھنٹی پر فردوسی نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا مجھ پر نظر پڑے ہی اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ ”اود، جیلانی! تم آؤ، آؤ، اندر آ جاؤ۔ مجھے معلوم ہوا تھا تم ایک بار پہلے ہی آئے تھے یہاں۔“

میں نے دروازے میں قدم رکھتے ہوئے اس سے آنے والے کے بارے میں پوچھنا چاہا مگر اسی وقت ایک آواز نے مجھے چونکادیا: ”کون ہے کبھی جیگم! کون آیا ہے؟“ اس کے ساتھ ہی وہ اندرونی کمرے سے نکل کر سامنے آ گیا۔

میرے قدم اپنی جگہ جگم کر رہ گئے۔ حیرت سے آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ بے اختیار میرے منہ سے نکلا: ”اود، آبی! تو! یہ کیا دیکھ رہا ہوں میں۔ اودے میرے یار! یہ تو ہی ہے نہ؟“

وہ بھی مجھے دیکھ کر بے اختیار ہلکا ہلکا اس نے بڑے زور سے غوردارا: ”اودے جیلانی! میرے یار! آ گیا تو؟“

اس کے ساتھ ہی ہم دونوں بے تابانہ دیکھ کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

شہر ہر رنگ و بھونٹ سے تہمت چڑی اور اندر سے بھر پور ہے

انجریوں کی عجیب کیسیان

نک ویوٹ کی چوہاں

رہا کہیں نہ کہیں کیسیان

کتابیات سپیکٹر

پوسٹ بکس نمبر ۲۳ کراچی ۱

۱۱۵ ۱۱۵ ۱۱۵

۱۱۵ ۱۱۵ ۱۱۵

وہ میرا بھائی یا، میرے سینے سے لگا تھا۔ فطرتاً سے میرے دل کی دھڑکیاں بے تالا ہوئی جاتی تھیں۔ اس گھڑی میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ یہ بات تو دور دور تک میرے تصور میں کہیں بھی نہیں تھی کہ آبی یوں ایک دم اچانک میرے سامنے آکھڑا ہوگا۔ اس آبی اور آبیہ کی رانی کے لیے میں نے کیا کیا متنب نہیں کیے تھے کہس کس کے در پر جہیں نہیں تھو کی تھی کیکن ہر ایک جگہ سے ایک ہی جانب ملاحظہ کیا ناممکن ہے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ان دونوں پر جو الزامات عائد کیے گئے تھے اور جتنے سنگین پرول میں انہیں لگایا گیا تھا، اس کے پیش نظر ان کی آزادی کا تصور بھی محال تھا۔ ان کے لیے میں نے حصن اور گرجا کی سے مدد کی درخواست کی تھی اور انہی صل ہی رات سبھتھ قائم کرنا اپنے ذرائع استعمال کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اسے دیکھ کر اور سینے میں جذب کر کے مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ میرا یا اسلم آبادی ہی ہے۔ کیسے کیسے باثر اور با اختیار لوگ کانوں کو ہاتھ لگا کر الگ ہو گئے تھے۔ اس کی منظور نظر اس ملک میں کوئی بھی نہ تھی۔ جس طرح ایک ہاتھ کی فیرنے مجھے اس ملک پہنچایا تھا یہ میرے لگان میں بھی نہ تھا۔ اس لیے بے پائدا بناسط کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے دوسرے بھی میرے دل میں سر اٹھا رہے تھے۔ میں اس سے الگ ہو کر بڑے غور سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔ کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی اس کے چہرے پر سب کچھ وہی تھا، بالکل، جو ہو۔ اس کے نقش و نگار میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس پر فک کیا جاسکتا۔ بس ایک ذرا صفت اس کی پیٹے سے گری ہوئی تھی تھی، مگر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ جن آدمی سے وہ گذر تار تھا۔ مناجات کو جو تجربے کا رعبور کر کے آیا تھا وہ اس کے بعد اس کا سلامت ہونا ایسی کسی مجر سے تم سے نہیں تھا۔

میری آنکھوں کو اپنے چہرے پر ٹکے دیکھ کر وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا: "اے ڈیلائی! تو اس طرح کیوں دیکھ رہا ہے مجھے؟ کوئی سیگنل شینگ تو نہیں منکل آئے ہیں سرسریں میرے؟"

اس کے اس انداز خطاب نے مجھے یقین دلادیا کہ وہ آبی ہی تھا۔ اگر تیرنگ میں مجھ جیلائی کے بجائے ڈیلائی یا ایسے ہی دوسرے انقلاب سے نوازا کرتا تھا لیکن اس کے اس انداز میں خاص اور محبت کی ایسی پاشنی تھی کہ میرا دل خنوم خنوم اٹھتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ اسے آبی مشتابی! تو کس کا چہنسا تھا خالے؟ میری توینید میں حرام ہو کر وہ گئی نہیں سارا کا۔ راجین مکان لے گئے تھے تم دونوں اپنے ساتھ اس سرکاری عقوبت خانے میں۔ کیسے گھوغلنا صی ہوئی ہے وہاں سے

تیری؟ اور وہ آسید کہاں ہے؟ وہ میری نصیبوں جلی من۔ کچھ بتا تو؟ میں نے ایک ہی سانس میں سوالوں کی بھر مار کر دی اس پر۔ "چل ادھر آرام سے بیٹھ کر سوچو۔ جو کچھ پوچھنا ہے تجھے۔" تو نے تو یہاں کھڑے ہی کھڑے سوالات آند لینا شروع کر دیے ہیں میرے اوپر؟ آبی مجھے چھوڑ کر اس کمرے میں واپس جاتے ہوئے بولا، "جہاں سے وہ تیرا رہا ہوا تھا۔"

میں اندر داخل ہوئے تو در دوسری جگہ بھی ہمارے ساتھ ہی ساتھ وہاں جلی آئی۔ کمرے میں دروازے کے ساتھ ہی دیوار سے لگا ہوا ایک پنگ پنگ تھا اور اس پر پھیلا ہوا بستر پر ڈھانچا کر آبی اجنبی اجنبی وہیں سے آٹھ کر آیا تھا۔ وہ میرا تو تھا وہ دیوار سے ہر جگہ۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ فروری یکم بولی تو ناب سردار کریم نواز صاحب! کیا خدمت کی جائے اس وقت آپ کی؟ کچھ خوش جاں فرما لینا کہیں آپ؟

"یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے جنتی یکم! بڑے کھنوی انداز میں گفتگو فرما رہی ہیں آپ۔ خیر تو ہے نا؟" میں نے کہا۔

"آپ کی سرداری کا لحاظ تو دکھائی ہو گا نا میں اب آپ سے گفتگو کرتے ہوئے نا وہ خوشی ہے بولی۔"

"ہاں، تو میں نے غور ہی نہیں کیا۔ یہ تم مجھے کس نام سے مخاطب کر رہی ہو؟"

"کیوں کیا آپ کا نام سردار کریم نواز نہیں ہے؟" وہ بولی اس کی آنکھوں میں شرارت ناز رہی تھی۔

میں نے اسے کچھ کہنے کے بجائے آبی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ہمدلی سے بولا: "ہاں! میں نے تیرا نام نہیں۔ کوئی غیر تو نہیں ہیں نا یہ؟ کوئی سی بات چھپی ہے ان سے ہماری؟"

"تم کب سے آئے ہوئے ہو میرا؟" میں نے آبی سے سوال کیا۔

"پرسوں رات کو پہنچا تھا میں کراچی۔ اور تو کوئی ٹھکانا تھا نہیں میری نظر میں، اس لیے سیدھا میں چلا آیا۔ حالانکہ پیٹے ہی ہمارے کچھ کم تو پریشان نہیں کیا تھا انہیں۔ میرا خیال تھا اگر تم یہاں نہیں ہوئے تو وہ دروازے سے ہی لوٹا دیں گی مجھے۔ مگر اب بڑی ہی بامروت اور با اخلاق خاتون ہیں یہاں انھوں نے ایک بار پھر اپنے گھر کے دروازے سے آکر دیے مجھ پر۔"

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں آپ کی صاحب آپ مجھے گھر آنے والے زمانہ ان کو کون دھنکار سکتا ہے؟ کو کفران ہے؟ تو؟"

"مجھ راجی غلوس تو ہے فروری یکم! جو میں کچھ کہوں اے آتا ہے وہ رازدار کیا کشش ہے یہاں؟ یا اس تحریک اوجھاگ کچھ علم ہے نہیں۔ واپس نہیں آیا وہ دوبارہ دھر؟"

"نہیں جی، چھوڑیں کس کا ذکر لے بیٹھے ہیں آپ بھی جہانے دالے واپس آتے ہیں کبھی جودہ آئے گا؟"

"دیکھیں، دیکھیں میں نہیں۔ ہماری مثال سامنے ہے کتنی بار جاکے واپس آئے ہیں ہم؟" آبی نے کہا۔

"ہری ہاں، لیکن اگر کوئی وعدہ کر رکھا ہوتا آپ نے مجھ سے تو آپ بھی واپس کا راستہ متبول چکے ہوتے؟"

"اچھا، تو ایسا سمجھتی ہو تم ہیں؟ ایسے ہی بڑا دل اور کذاب نظر آتے ہیں ہم نہیں؟" میرے جیسے میں زہر کھل گیا۔

"ارے اے! آپ تو بڑا ہی مان گئے۔ میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ آپ کی دل شکستی تو نہیں کرنا چاہتی تھی میں؟"

"اؤئے دشمن کر یار! کیا کواں شروع کر دی ہے یہ تو نے؟ وہ خواتین سے بات کرنے کا سلیقہ بھی گنوا بیٹھتا ہے تو۔ اس طرح بات کی جاتی ہے صنف نانک سے؟ ہماری میران کے ہر سے کی ساری شگفتگی غارت کر کے دکھ دی ہے؟ آبی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جائیں جی فروری یکم آپ۔ چلے بنا کرے آئیں ہمارے لیے، وراں کی باتوں کو زیادہ نہیں کر سکتے آپ۔ ایسے ہی کھوپڑی الٹ جاتی ہے کبھی کبھی اس ذلیلانی کی؟"

"ہاں بی بی! سعادت کر دینا مجھے۔ نہ جانے کیوں اس گھڑی یہ کواں کر بیٹھائیں۔ ورنہ میرے دل میں بڑی عزت ہے تمہاری۔ اگر ایسا نہ جوتا تو کراچی آتے ہی در پر حاضری کے لیے دھڑا نہ چلا آتا۔ بنایا ہو گا میں نے نہیں۔ وہ... کیا نام ہے اس کا...؟" میں دانا پزیر درد سے کراں لڑکی کا نام یاد کرنے لگا جس سے چند دن قبل ہوا تھا میں یہاں۔

"ہاں، بتایا تھا نا میں نے ابھی آپ کو معلوم ہوا تھا۔ مجھے آپ کی آمد کے بارے میں۔ مگر انہ نے بتایا تھا۔"

"ہاں، ہاں۔ وہی... یاد آ گیا مجھے یہی نام بتایا تھا اس نے اپنا؟"

"اچھا، آپ لوگ باتیں کروں، میں چائے بنا کر لاتی ہوں آپ کے لیے۔ ناشتے کے لیے بھی لادوں نا کچھ؟"

"نہیں نہیں، اور کچھ نہ لانا چائے کے سوا، ابھی کچھ ہی دیر پہلے کھا کیا ہے میں نے؟"

وہ کہیں کی طرف چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی آبی مجھ پر برس پڑا۔ اُسے کیسا نا بخیر ہو گیا ہے تو جیلائی! ہماری کچھ شکستی تو نہیں ہے کہ وہ کر ممان نوازی بھی کرے اور باتیں بھی سنے ہماری زبان کو سکام ہی نہیں ہے تیری۔

"اے ٹوٹے بیچھ نا اب اس پر کہہ کر تو دیا غلطی ہو گئی معافی بھی مانگ لی ہے میں نے اس سے؟"

"یہ اچھا کیا تو نے، ورنہ بھاری کے دل میں گرہ پڑ کر وہ جاتی کتنا خیال رکھتی ہے وہ جہاں؟"

"اسی لیے مندر کر لی ہے اس سے کمر لے۔ تو بتایا ہے تجھے رانی کیسے دے دی ان قانون کے بندوں نے؟"

"کیا بات کرتا ہے تو؟ کسی کو تو فی شکلیوں میں کس کے بعد انھوں نے رانی دی ہے کبھی؟ لحاظ موت نام کی تو کوئی چیز ان کے قریب سے نہیں گزری کبھی۔ میرے اور آبیہ کے معاملے میں تو رشوت اور خاٹراں بھی بڑی تھی ان سے۔ جڑا سنگین کس بنایا تھا انھوں نے ہمارے خلاف۔ گورانی وہ ہیں جس نے امریکے آکر یہ سالا فساد برپا کیا تھا بہت ہی لمبے لمحوں اور فدا کاٹھ والی عورت سے یار! وہ آبیہ صیغہ اندازہ نہیں کر سکتی تھی اس کے بارے میں؟"

"وہ تو میں پہلے ہی کتا تھا۔ اس نے جوارہ اختیار کی تھی، وہ کسی ایسی عورت کے لیے بنائی ہی نہیں گئی ہے۔ یہ یقین تھا مجھے کہ کسی دن اس کی بازیابی مات ہوگی کہ اسے پناہ نہ مل سکے گی کہیں۔ اب کہاں ہے وہ؟ کیا ہے بھی آزادی نصیب ہوئی ہے یا تو اکیلا ہی لکل آیا ہے، اور تو نکلا کیسے دال سے؟"

"پتا نہیں یار! کون لوگ تھے وہ، اور کس طرح انہیں ہم سے اتنی بھار دی پیدا ہو گئی تھی۔ ایک روز جب جیل کی گاڑی میں ہمیں عدالت میں پیش کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا تو ہمارے ان نامعلوم چہرہ دونوں نے ہمارے طرف سے لینا کر دی اس گاڑی پر۔ محافظوں کو ہتھیار سنبھالنے تک کی ہمدت میں مل سکی تھی۔ انہوں نے چند لمحوں میں جیل سے ہماری گاڑی کے ساتھ آنے والے مسلح محافظوں کو بے بس کر کے مجھے اور آبیہ کو باہر نکال دیا۔"

"یہ اندازہ تم نے کیسے لگا لیا کہ وہ تمہیں ہی رانی دلا لے آئے تھے؟ وہ ممکن ہے وہ کسی اور کو چھوڑنے آئے ہوں اور محض اتفاقاً تم دونوں بھی اکی گاڑی میں ہونے کی وجہ سے رانی پا گئے ہو؟"

میں نے سوال کیا۔

"نہیں جی! ایسی بات نہیں ہے۔ انھوں نے آواز سے کر مجھے اور آبیہ کو باہر آنے کے لیے کہا تھا کسی اور قیدی کو تو بھگتے نہیں دیا انھوں نے۔ ہمارے ساتھ دس اور قیدی بھی تھے۔ وہ چاہتے تو گاڑی کا دروازہ کھول کر ان سب کو نکال سکتے تھے مگر انھوں نے صاف کر دیا تھا کہ میرے اور آبیہ کے علاوہ جو بھی باہر نکلا اسے کوئی سارہ دیں گے وہ؟"

میرے ذہن میں لگ چکی کا نام گھٹنے لگے۔ یقیناً اسی کے ابا پر یہاں موجود اس کے ماتحت یا انکھنوں نے ہی یہ کارروائی کی تھی۔

92

ہوں گی ہی نہیں گھر پر آؤں گا، تم نے کیا آپ کا؟  
 وہاں میں اس وقت آؤں گی ہوں۔ آپ سے اس وقت تو ملاقات نہیں ہو سکے گی میری وہ بولے۔  
 چلیں کوئی بات نہیں ہے، میں جیسے تو میرے زادہ کو ساتھ لے جاؤں گا اپنے۔ چھر شام کو واپس پتا ہے سبھی ملاقات، ہوتا گئے گا۔  
 وہاں یہ ٹھیک ہے۔ بلکہ آپ رات کا کھانا بھی نہیں ہمارے ساتھ کھاؤ گے؟ فردوسی بگڑے خوش دلی سے کہا۔  
 ”بالکل بالکل، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کل رات آپ کی دعوت کھانے ضرور آؤں گا میں۔“ میں نے فوراً کہا۔  
 فردوسی کے غیث سے منکر کر دینے کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے ملکہ دار کے غیث کی طرف نگرانی کرنا کادور وادہ نہ تھا۔ ایک ٹراسا مضبوط ٹالہ اس کے دروازے پر رکھا۔ ہاتھ وہ دروازہ دیکھ کر کھینچا، یہاں سے گنا تھا جیسے کہی بڑا جوبہ میرے سر سے اتر گیا ہے یا اس کی سر پر خطر راہ گزرے یہ حافیت کوڑا کیا ہوں۔ عمارت سے باہر نکل کر میں کیڑے لڑی کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن راستے میں ہی مجھے ایک خانی میکس مل گئی۔ میں نے میکسی کی بقیہ نشست میں کس کر ڈرا، میکس کو جھینڈ روڈ چلنے کا کہہ کر پشنتہ گاؤں پر سرنگا دیا۔ میرے سینے میں اس گڑی پھل ہی جی ہوئی تھی، اپنے بار آئی سے میں مل کر ہی آ رہا تھا۔ اس نے مجھے آسیر کی آدائی کا بھی مڑوہ نہ دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میری تیرہ بخت میں بارہ لوگوں نے قانون کے نام پر جس کی قرب پر وار چھین لی تھی اور میرے ہاکر نفس نشین کر دیا تھا۔ اب آتا ہوں کہ تم کی پناہ میں جا بیٹھی ہو۔ اسے ہا کر مال کی بھی نہال ہوئی ہوں گی۔ ان کے وجود میں پناہ ہوا مٹا ہوا کھنڈا ہو گیا ہوگا اسے سنے سے لگا کر دل میں شیس دیتے ہوئے سارے کے سارے زخم سکون پا گئے ہوں گے، مکتبی بے جا بن گئیں وہ اس آسیر کے لیے۔ گھر گڑی اس کی نگرانی رہتی تھی انہیں۔ ان کے چہرے زاریات میں ایس دوری تو پھول کھلے تھے۔ انہیں بھی گردش زمانہ نہیں لینے دیتی تھی، چہرے پر جوش آنہاں اور ادھر اڑانے پھرتی تھیں۔ ہا کر کھینچتے ہی نہیں دیتی تھیں کہیں کمال جی کے کیچے کو دو گڑھی بھی جھنڈک محسوس ہو سکتی۔ ایک زمانہ بیت گیا ہم دونوں بن جانی ایک ساتھ ماں جی کے پاس نہیں بیٹھ کے تھے کہ ان کی منہ قرار آئے وہ بخت گزیرہ بے قرار رہتی تھی تم میں سے کسی ایک نہ ایک کے لیے۔ میں قریب ہوتا آسیر کی نگر سنا گئی رہتی تھی اور آسیر مل جاتی تھی تو میرے لیے سیرت نہ رہتا تھا۔ اب آسیر ماں جی کی آنکھوں کا کھان بن گئی تھی تو وہ آنکھیں مجھے تلاش کر رہی ہوں گی۔ میرے سینے میں ایک ہوک کی آٹھی بچھا ہوا تھا اگر کچھ بچھو ان کے پاس لیکن خواہشوں کی تکمیل اتنی آسان کب ہوتی ہے؟ ایسا ہو جائے تو سارے دکھ دور نہ ہو جائیں ان کی زندگی سے، آدمی مصائب

کی جتنی میں کیوں جتنا رہے۔ افسوس کہ یہ آدمی کے اختیار میں نہیں ہے، اس خانی کائنات سے آنا تھا نہیں بلکہ ہے اسے۔ تقدیر کے ہاتھ میں تھادی ہیں اس کی باگیں اور وہ بدھ جی ہوتی ہے، کیلے پھرتی ہے ابن آدم کو اور اسے تقدیر کی اہمیت کا یقین دلانے کے لیے ہی شاید اسے لہان کی بناوی شرائط میں تقدیر پر ایمان رکھنے کی ضرورت بھی رکھدی ہے۔ میں جی ہی اسی تقدیر کے ہاتھوں میں کھنڈا ہوا پھر رہا تھا زمانے بھر میں آدمی کی ہڈی میں نہیں چل رہی تھی، مجھے کسی طرح اجازت ہی نہیں ملے تھی لاہور ہا کر مال جی کی قسم آدمی کی کہ جمشید روڈ پر چھ کر میں نے کسی جھوڑی اور پیرل ہی اپنی جانے سکونت کی طرف چل دیا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہاں دشمن کے آدمی کس کس گوشے میں میری گت لگاتے بیٹھے ہیں۔ لیکن تمام راستے میں کوئی بھی ایسا شخص نظر نہ آ سکا جس پر میں شبہ بھی کر سکتا دشمن ہونے کا شگے کے میں گیش میں داخل ہوتے ہوئے دشمن نے دربان سے پوچھا، وہ میرا صاحب واپس آئی ہیں یا نہیں؟ ”نہیں صاحب! وہ تو ابھی نہیں آئی ہیں۔“ البتہ بڑے صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں اندر۔ دربان نے میرے پوچھنے پر جواب دیا۔  
 ”جسے صاحب کو ہیں بھائی؟ کس کو کہہ رہا ہے تو؟“  
 ”وہ اس جگہ کے مالک شرافت صاحب کی بات کر رہا ہوں میں۔ وہی بیٹھے ہیں اندر۔“  
 ”اچھا اچھا، تو لوں ہم لے کر آنا بھائی۔ مجھے کچھ معلوم تھا۔“  
 ”جسے صاحب کو ان ہے، کب کے آئے ہوئے ہیں وہ؟“  
 ”کوئی اوجھا کھنڈا ہوا ہے جی اس نے جواب دیا۔  
 ”میں سیدھا ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا۔ وہاں شرافت علی ایک موٹے پریم وارا زار کا مڑا ادا کرنے میں مصروف تھا۔ آہٹ سن کر اس نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا اور اخبار الگ کر کے رکھ کر مجھے بولے بولا، ہا کر مالک غائب ہو گئے تھے تم؟ کب سے یہاں آئے؟  
 ”خفا کر رہا ہوں میں مختار۔ آئے سے پہلے میں بارون کر کے مسلم کیا تھا کہ وہاں آئے انہیں؟“  
 ”مگر کیوں میرے یار! ایسا کھنڈی کام پوچھا ہے؟“  
 ”تمہیں؟ کوئی کام ضرورت پڑی ہے تمہیں میری؟“  
 ”یہ دیکھو۔“ اس نے اخبار اٹھا کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ”یہ اخبار دیکھنا ہے تمہیں؟“  
 ”کیوں کی خاص خبر چھپی ہے؟ میں تو بس کبھی دیکھ لینا ہوں۔ اخبار شہباز۔“  
 ”نہ تو تمہارا بنے ہو یا میرے بھائی! مجھے فرحت کہاں ہوتی ہے ان چیزوں کو دیکھنے کی۔ دیکھا دیکھا ہے اس میں؟“  
 ”نہ آگے بڑھ کر اس کے ساتھ ہی صوفے میں دوھنٹے ہوئے ہا۔“

”یہ دیکھو یہ خبر چھپی ہے اس میں۔“ مختار نے لیے تو خوشخبری ہے۔ اس نے اخبار میرے سامنے رکھ کر ایک خبر پر اٹھ کھڑی۔  
 آسیر اور آبی کے بارے میں تین کاٹھی خبر لگی ہوئی تھی وہاں۔ میں نے شرافت علی کے ہاتھ سے اخبار لے کر پوری خبر پڑھ ڈالی۔ پوری کہانی میں طرح چھاپی تھی اس اخبار کے میوزن پریشر نے جس طرح آبی نے مجھے سنا تھا۔ بس آنا آنا خفا دیکھا کہ پولیس کے ذرائع کے مطابق مفروضات اور ان کو ذرائع مدد دینے والوں کو جلد ہی گرفتار کر لیا جائے گا۔ پولیس کا خیال ہے کہ یہ کارروائی پرنام اشتہاری مجرم غلام جیلانی نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے کی ہے۔ اسلم آبی جیلانی کا کھانا آتا تھا ہے اور اس کے ساتھ بے شمار تیل اور دھان کا زلی دار اتوں میں شریک رہا ہے جبکہ آسیر غلام جیلانی کی بہن ہے، اس پر قتل اور لوٹ مار کے متعدد الزامات ہیں۔ اسلم آبی اور آسیر دونوں کو جاگیر دار مکرم علی گوریا کو قتل کر کے اس کی جائیداد قبضہ کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ان کا مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے۔ اس مقدمے کی کارروائی کے سلسلے میں انہیں عدالت لے جایا جاتا تھا۔ جب راستے میں غلام جیلانی اور اس کے ساتھیوں نے جیل کی گاڑی پر حملہ کر کے انہیں پولیس کی تحویل سے چھڑا دیا۔ پولیس پوری سرگرمی سے انہیں تلاش کر رہی ہے۔ امید ہے کہ ملزمان جلد ہی دوبارہ گرفتار ہو جائیں گے۔  
 اس کے بعد مختصر طور پر اخبار کے فرائض کو مجھ سے متعارف کرایا تھا۔ اس تعداد میں میرے خاتم کی فرمت بھی شامل کی گئی تھی۔ غالباً اسے پڑھنے والوں کو یہ بتانا مقصود تھا کہ وہاں کتنا خطرناک آدمی ہوں اور ہماری فرقت شناس پولیس میں کام کیسے خفناک عناصر سے مخدوم کر گئے کے لیے کس قدر کوشاں ہے۔ خبر پڑ کر میرے دھڑکنے لگا، اسکا ہوش بنگلے کی شرافت علی بولا۔  
 ”ہے خوشخبری، مگر کمال کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ اسے بھی قتل کرنا نہیں سمجھ رہے ہیں۔“  
 ”اب یہ واقعہ حیرت انگیز بات ہے۔ یار لوگو! وجہ۔ کوئی معتدل بات نہ تو چھپی تو اسے میرے نام سے منسوب کر دیا۔ دیکھ میں تمہیں بتا دوں شرافت علی اسے تمہارے باپ جیسی اینڈ کر کے کھاتے ہیں ڈالنے کی کوشش کر رہا ہیں جانتا ہوں یہ کام کن لوگوں نے انجام دیا ہے۔ یہ اطلاع بھی میرے لیے نئی نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے پہلے ہی سب کچھ۔“  
 ”تمہیں کسے معلوم ہوا؟ اور تم؟“ کیلے کہ کتنے ہو کر یہ کام کھانا نہ انجام دیا ہے؟“ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔  
 ”میں خوشخبری میں شرافت علی! میرے پہلے ذرائع ہیں۔“

”کچھ ایسے حال شاید میرے بھی جو میری اود میرے دوستوں کی خبر گیری رکھتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو اس ایک لمحے کا خاک میں مل چکا ہوتا۔“  
 ”لیکن تمہارا کچھ میں بڑے بات کس طرح کر سکتے ہو کہ۔۔۔ میں پیش آنے والے کسی واقعے کی حقیقت کیا ہے؟“  
 ”تیرا کیا خیال ہے شرافت علی! کیا میں کرنا چاہتا ہوں انہیں بند کرنے چھٹا ہوں بالکل؟ مجھے اپنے لوگوں کی کچھ خبری نہیں ہے؟ تو نے تو خبر اخبار میں پڑھی ہے نا؟ جب کہ میرے آج کا سارا دن اپنے یار آبی کے ساتھ گزرا ہے۔ سمجھا تو؟“  
 ”کیا۔ کیا کہہ رہا ہے جیلانی؟ یہ کیلے ہو سکتا ہے؟ آبی اتنی جلدی کرنا چاہی تھی کچھ سنا ہے؟“ اس کی آنکھیں حیرت کی زبانی کے باعث پوری کھلی کھلی تھیں اور مجھے میں حیرت کے ساتھ ساتھ بے یقینی بھی نمایاں تھی۔  
 ”یہ واقعہ جو تو نے آج اس اخبار میں پڑھا ہے، آج کا نہیں ہے میرے بھائی! کئی دن ہو چکے ہیں اسے۔ آبی اور آسیر رٹائی ملتے می سیدھے لاہور پہنچے تھے۔ وہاں سے انہیں معلوم ہوا تھا کہ ان دونوں کچھ میں ہوں لہذا آبی مجھے تلاش کرتا ہوا کراچی آگیا۔ اسے یہاں آئے ہوئے دو دن ہو چکے ہیں۔ مجھے جیسے ہی اس کے آنے کی خبر ملی اس کے پاس پہنچ گیا۔“  
 ”اچھا، تعجب ہے، نہیں اس کی کوئی خبری نہیں ہو سکتی۔ آج اگر اخبار میں اس واقعے کی روداد پہنچتی تو اب بھی میں کچھ پتا نہیں چلتا تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا جیلانی! کیا اب بھی تمہیں ہماری دوستی پر اعتبار نہیں ہے؟“  
 ”یہ بات نہیں ہے یار! خواہ مخواہ کی بگڑائیوں کو مجھ نے دوسرے دل میں۔ تو نے پڑے پڑے وقت میں ساتھ دیا ہے میرا، بڑی خدمت کی ہے تو نے میری، تیرا یہ احسان قبول نہ سکوں گا میں کبھی۔ دراصل وہ جیسے مجھے کچھ بتانے کی کوششیں اطلاع دینے والے نے ہی نہیں بتایا تھا کہ آبی کیا ہے۔ اس نے صرف یہ خبر دی تھی کہ میرا ایک دوست یہاں آیا ہوا ہے اور ایک مشہور دوست کے ہاں مقیم ہے۔ میں وہاں چلا ہوا ہوں۔ چنانچہ میں یہاں آنے کے لیے دوڑا چلا گیا کہ وہ کتنے شخص ہے۔ وہاں پہنچ کر میں نے آبی کو دیکھا تو خود میری آنکھیں حیرت سے چھری رہ گئیں۔“  
 ”خیر چلو کوئی بات نہیں، اصل مسئلہ تو ان کی رہائی کا تھا جو صل ہو گیا۔ اب تو ہم اس شہر خان سے مل لو۔ اس نے بہت پریشان کر رکھا ہے مجھے۔ خود ڈاکٹر حسن کا بھی کہنا ہے کہ میں ہیروں کو جیل جانوں اور تمہیں جلد از جیل مال کے ساتھ فرانسیکو روانہ کر دوں۔ آج صبح بھی فون کیا تھا انہوں نے مجھے۔ کہتے تھے انہوں نے ولسن کو ہدایت کر دی ہے جس طرح بھی ہو سکے ایک

دودن میں آئی اور اس پر کو آزادی و واسطہ کہ جس جیلانی ہمارا کام کر کے "اوت" مختارے و حسن چمن کو سہم اپنے ہی معاملات کی فکر رہتی ہے اور کسی بات سے غرض نہیں ہے اسے؟ میں نے کشمیر خان کا مال لے جانے کا وعدہ اسی صورت میں کیا تھا اس سے کہ جب وہ آسپہ اور آئی کو مارنے میں مدد کر تاہم میری آپ جب کہ وہ لوگ اسکی خوش کے بغیر ہی آزاد ہو گئے ہیں تو وہ مجھے کس طرح کیجور کر سکتا ہے اس کام کے لیے؟

"کیا مطلب؟ تو کیا بات تم مال کے کر نہیں باقی ان کا؟ وہ وہ غلامی کر دے ان سے؟"

"وہ غلامی کیسے ہوئی یہ میرے ویرا یہ توصات صاف باہمی افہام و تفہیم کا معاملہ ہے۔ اس نے میرے کام آئے کا وعدہ کیا تھا تو میں نے بھی وہی بھری تھی اس کے کام کرنے کی مہکاب تو یہ معاملہ ہی باقی نہیں رہا ہے۔ سچ تو کیوں بھرتا ہے؟"

"میں بھرتا نہیں ہوتا ہوں۔ میں تو تمہیں سمجھا چاہتا ہوں تم اس طرح انکار کر کے اچھا نہیں کر رہے ہو؟ وہ نرمی سے بولا۔

"کیوں؟ کیوں کہ وہ ہے تو تم ایسا کیا نقصان ہے میرا اس کا؟" میں نے تھکے لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"تم جانتے ہو تمہارا انکار دیکھ کر کسی کی بنیادیں جائے گا ایک بار پھر وہی باتیں جائے گی ڈاکٹر جمن سے اور یہ تو تم نے دیکھی ہے کہ وہ آپ سے پہلے سے کہیں زیادہ دماغی کے مالک ہیں۔ امریکا میں یہ سچے سچے انھوں نے تعلیم اچھا کر کے پڑھا دیا۔ وہ دوبارہ بھی ایسا کر سکتے ہیں اور اس بار صورت حال پہلے جیسی نہیں ہوگی۔ کچھ بھی کر سکتے ہیں وہ تمہارے ساتھ"

میں نے محسوس کیا شرافت علی مجھے سمجھا بھگا کہ جمن کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو کر رہے گردل سے وہ بھی چاہتا ہے۔ یہ کام نہ کروں، اس کا کچھ اس کے جذبات و خیالات کی مکمل رعایت کر رہا تھا۔ اسی سے مجھے پوری ہوا احساس ہو کہ حالات کے دیکھنے پر ہم کو کبھی مقام پر آٹھرا ہے؟ وہ اسے خود بھی پسند نہیں ہے۔ آدمی اگر فطرتاً جو تہو وہ اپنے دماغ پر زیادہ موصوفہ غفلت برداشت نہیں کرتا۔ چاہتا وہ یہی ہے کہ اوداشت کی کمی یا مجبور اس نے جو راہ اختیار کر لی ہے اس سے جتنی جلدی ممکن ہو سکے کر کر کے مدھی اور تھری راہ پر آگئے۔ وہ شرافت علی بھی مجھے اس کی طرح ہی سمجھتا ہوں۔ وہ جمن کے شہنشاہ سے آزاد ہو جانا چاہتا تھا۔ اس خدشہ سے اب رہا جانا چاہتا تھا وہ یہ کہ جمن نے اسے آزاد کیا تھا مگر اس کی ہمت نہیں کر پاتا تھا۔ وہ ایک نیم نور اور اطاعت گزار آدمی کا یہ نہ تھا کہ سرکشی یا شہ زوری اس کے

لوگوں شامل ہیں یہی جمن کی گئی تھی۔ عجیب کہ یہ صفت کچھ کا آدمی تھا چاہتا ہے کہ اس کو فی خجالت و جندہ اگر اس سے اس مذاہب انک زندگی سے نہجات و لاد سے۔ خود ذرا باجھتا ہے بلکہ اس کے بھی جرات نہیں تھی اس میں۔

"ایک بار وہ مجھے دھوکے سے باز دے گئے تھے اور یہ دھوکا بھی میں اس وجہ سے کھایا تھا کہ یہ ایک کران دونوں ذوق اس پر اور آئی میں میری طرح آگیا وہ اپنا اپنے گروہ پیش کر کے جمن کی فرصت ہی نہیں تھی۔ ورنہ اتنا ہی ہمارا دھوکہ ہی نہیں ہوتا کہ جو رہا ہے اپنی حسب مشابہت کہ جتنا ہے مجھے۔ ایسا ہوتا تو وہ جمن پرل بھاگا کچھ کا کچھ پھر تائی نکو کو ساتھ لے کر۔ میرے ہی خوف نے اسے امریکا میں ڈور دراز ملک میں جلائے پر مجبور کیا تھا۔ جانتا نہیں ہے تو؟"

"جانتا ہوں اچھی طرح سب کچھ پھر میرا مشورہ تھا اسے لیے یہی ہے جیلانی! دشمنی مول مت لو اس سے"

"اوتے پب کہ یار! مجھ کو یاد کر دو اسے دینے لگے مجھے تیری زبان شکستہ ہی نہیں ہے اس کی حمایت نہ ہونے سے۔"

عجیب شش و پنج کی کیفیت سے دوچار ہو گیا تھا وہ۔ اس کے چہرے سے غم پر ہونے کی تھی۔ ہنسکوں وہ بولا۔

"جیلانی! تیرے خون میں جراثیم ہاں ہاں ہے ابھی تک۔ عالم بڑا ہی بعض نون کا قسم کی حقیقت پر افواش کر جیتا ہے تو۔"

"مثلاً؟ ذرا وضاحت تو کر یا بات ان تھیلیوں کی جن کو طرف توجہ منور کرنا چاہتا ہے تو میری؟"

"میرے بار سب کچھ جراثیم چکاسے تو؟ ذرا بھی غبار نہیں ہے تجھے کسی بات کا۔ ایسا تو کہ وہ نہ ناظر نہیں آتا تو؟"

درمیان میں وہ آگے بڑھا کہ بات کرنا۔ تیار نہ تھے کہ کہیں اس سے صرف نظر کر رہا ہوں یا؟ کچھ پتا تو پہلے مجھے بھی تھا۔

"ہوں؟ وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جندہ تھے مجھے دیکھتا رہا۔ چہرہ لہو جیلانی! بیٹے بھائی کا واقعی مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ فی کثرت و حسن اور اس کی بیوی عالیہ آج کل کن لوگوں کے لیے کام کر رہے ہیں؟ اور لڑکیوں آئی ہے تیرے ساتھ؟"

اس کی بات سن کر میں چونک گیا۔ میں تو اب تک سمجھتا رہا تھا کہ شرافت علی کو جمن اور میر دوں کے تعلقات علم نہیں ہے۔ وہ صرف یہ جانتا ہے کہ جمن اور عالیہ غرق فانی کاہر میں ملوث ہیں اور ان دونوں میں شادی منسلک ہے۔ جی کہ رہے ہیں۔ یہاں سے منشیات امریکا منگواتے ہیں۔ اور امریکا سے چوری کے جواہرات سستے داموں خرید کر پاکستان پہنچا دیتے ہیں یہاں اس کے شرافت علی جیسے کا نام نہ لیا جائے کو عرب شیوخ کے ہاتھوں اچھی قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں لیکن

اس وقت اس کی باتوں سے میری ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اتنا بے خبر نہیں ہے حالات کا پورا پورا علم رکھتا ہے مگر میں ابھی اس پر یہ خیال نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں بھی اس کی طرح سب کچھ جانتا ہوں۔ ایک خیال یہ بھی تھا مجھے کہ میں وہ مجھ سے کچھ اگوانے کی خوش نوا رہا ہو، ورنہ اور اس کے آقاؤں کے گٹھ جوڑ کے بارے میں میری زبان سے کوئی ایسی بات نکولنا چاہتا ہو جس سے یہ اندازہ لگا سکا کہ اس کی اصلیت سے واقف ہوں یا نہیں۔ مجھے اتنی جگہ کے اپنے ساتھ پاکستان آنے کی اصل وجہ کا بھی علم ہو سکا ہے یا میں اب تک اس کے بارے میں اسی خوش گمانی کا شکار ہوں کہ وہ بنت بیوہ محسن میری چاہت میں بندھی چلائی ہے۔ چنانچہ میں بے سوچے سمجھے شرافت علی کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا تھا۔ میں نے استعجاب یہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا کہ یہی عجیب باتیں کر رہا ہے جہاں شرافت علی نو؟ دھمن اور عالیہ کا اپنا ہی کردار ادا کرنا چاہتا ہوا ہے جس کی آمدنی ان سے سنبھالی نہیں جاتی۔ پھر انہیں کسی کے لیے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور وہاں تک لڑکی کا تعلق ہے تو شاید یہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم دونوں امریکا واپس جانے کے بعد شادی کریں گے۔ وہ اسی لیے میرے ساتھ آئی ہے کہ کچھ عرصہ جمن دونوں ایک ساتھ گزار کر ایک درمے کو اچھی طرح سمجھیں۔ ویسے اس کے باپ آخر نے ہمیں شادی کرنے کی اجازت پہلے ہی دے دی ہے؟"

وہ حیرت سے منہ چاڑھے میری باتیں سن رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا میں نے اسے جو کچھ بتا دیا وہ اس کے لیے ایک بالکل نئی اور انوکھی بات تھی۔ وہ بولا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اسے ایسا سیدھا ہوا تو نہیں سمجھتا تھا جیلانی! تو نے سارا اس کیخبر کر دیا اپنا میری نظریں؟"

"کیوں؟ ایسی کوئی بات اپنے کئی کہیں ہونے کی دلیل پیش کر دی ہے میں نے جس سے اسے اس خبر پر ہوا ہے؟"

وہ کچھ دیر مجھے ٹوٹے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے یقین ہے وہ تجھے سے شادی کرے گی؟"

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ مجھے تو دکھائی نہیں دیتی۔ تجھے اس میں شبہ کیوں ہے؟ ایسا کیوں کہ رہا ہے تو؟"

"لیکن مجھے یقین ہے وہ ایسا نہیں کرے گی۔ وہ لوگ اپنا کام نکالنے کے لیے تجھے بھونک رہا ہے۔ اس جیلانی؟"

"اتنے اعتماد کے ساتھ کیوں کہ رہا ہے تو؟ بات یہ کیا تو پہلے سے جانتا ہے اسے؟"

"میں نے قدرے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"پہلے سے میں اسے تو نہیں جانتا ہوں لیکن یہاں جن لوگوں سے وہ ملتی رہتی ہے ان میں میں خوب جانتا ہوں۔"

"وہ کون لوگ ہیں؟ تم ان لوگوں کو کس طرح جانتے ہو؟"

میں نے سوال کیا۔

"ایک تو وہی جمن صنعت کار ایگزیکٹو ریٹائر ہوئے کس کے ساتھ تم اور لڑکی بابا اہا حق کے آستانے پر گئے تھے؟ وہ بولا۔

"ایگزیکٹو ریٹائر؟ میں نے یہ نام دوسرا یاد کیا، ہی مجھے خیال آیا تھا کہ فیروز وغیرہ بھی لنگتو کے دربار میں نام لے رہے تھے اس وجہ سے شخص کا۔ اس وقت میں نے وہ بیان نہیں دیا تھا انہوں نے اس فرق پر لیکن اس وقت جب شرافت علی نے یہ نام لیا تو مجھے خیال آیا، لڑکی نے اسے جبرائیل کے نام سے متعارف کرایا تھا مجھے۔ میں نے شرافت علی سے کہا کہ تمہیں کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے، ایسا ہی لگتا ہے مجھے۔ وہ شخص جو میں بابا صاحب کے آستانے پر لے گیا تھا اس کا نام ایگزیکٹو ریٹائر نہیں ہے، اس نام کے کسی شخص کو تو میں نے دیکھا تھا کہ نہیں ہے۔ میں پہلے ہی سمجھ رہا تھا کہ میں مذکور کی غلط فہمی ہوئی ہے؟"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" وہ حیرت سے بولا۔

"ایگزیکٹو ریٹائر ہے اس کا نام تو پھر کیا نام ہے اس کا؟"

"ہے تو وہ جمن کی گمراہی کا نام جبرائیل ہے۔ یہی نام بتایا تھا لڑکی نے مجھے اس کا۔ اچھی طرح یاد ہے مجھے؟"

"ہوں؟ وہ پھر سچ میں گم ہو گیا۔ تو جبرائیل منٹ سوچنے کے بعد وہ بولا۔ وہ دو باتیں سمجھ کر آئی تھیں میری، تو لڑکی نے کسی مصلحت کے تحت تمہیں اس کا غلط نام بتایا ہے یا پھر وہ یہاں اب تک خود کو غلط نام سے متعارف کرا رہا ہے؟"

"لیکن اسے غلط نام اختیار کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ یا لڑکی کے پیش نظر کو کسی مصلحت ہو سکتی ہے؟ نہیں بارہم تیری بات نہیں مان سکتا۔ ایک بار پھر میں کول کا تجھے ضرور کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے؟"

پھر وہ خاموش ہو کر میری صورت دیکھنے لگا۔ منہ مڑ رہا تھا جیسے اندر ہی اندر اپنے آپ سے جنگ کر رہا ہو۔ کچھ کہنا چاہتا ہو اور کہنے کی ہمت نہیں کر پاتا ہو۔ اس وقت اس کی اس لنگتو سے یہ بات تو واضح ہو گئی تھی کہ وہ واقعی مجھے دھمن وغیرہ کے لیے کام کرنے سے روکنا چاہتا ہے۔ وہ ایسا کیوں چاہتا ہے یہ بات مجھے بھی معلوم نہیں ہو سکتی تھی اور اب جب تک وہ میرے سامنے پوری طرح کھل نہیں جاتا اس پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی باتوں کو مسترد کرنے کا مفہم ہی یہ تھا میرا کہ وہ مجھ کو لڑکیوں کے سامنے پوری طرح ظاہر کر دے۔ اپنا دل کھول کر رکھ دے میرے آگے۔ تاہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکیں۔

اسے زبان کھولتے ہوئے جھجکتے دیکھ کر میں نے کہا۔

"شرافت علی! اگر تم کوئی ایسی بات جانتے ہو جو میرے مفاد میں نہیں ہے اور مجھے اس سے نقصان پہنچے گا اسکاں؟ تو مجھے تفصیل کے ساتھ صاف صاف بتا دو ورنہ یقین رکھو کہ اگر مجھے

مختاری بات پرچ نہیں معلوم ہوئی تاہم جو کچھ بتاؤ گے وہ درست ثابت نہ ہوتا تھا بھی ہمارے درمیان جو ملے والی کوئی بات کسی تیسرے شخص کے کانوں تک نہیں پہنچ سکے گی۔ جو کچھ کہتے ہوئے ڈر رہے ہوئے خوف ہو کر کہہ ڈالو۔

وہ بولا: "جیلانی! داناؤں کا گناہ ہے، گمان سے نکلے ہوئے تیرا اور زبان سے نکلے ہوئی بات پر آدمی کو کوئی اختیار نہیں رہتا اور اس کے نتیجے کا بھی کچھ علم نہیں ہوتا کسی کو۔ بعض اوقات آدمی کے امان سے بہت ہی غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔"

"ہاں، یہ تم نے ٹھیک کہا ہے مگر کبھی کبھی آدمی کو سخت کچ سے بے پردا ہو کر بھی کوئی جرات مندانہ قدم اٹھالینا چاہیے۔ مجھ سے کچھ کہتے ہوئے تمہیں خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ تم نے میرے ساتھ جو جیلانی کہا ہے اس کے بعد کبھی کسی بھی قسم کا کوئی نقصان پہنچانے کا تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اساطوطا جہلسم نہیں ہوں میں شرافت علی، تم مجھ پر آنکھ بند کر کے اعتبار کر سکتے ہو۔"

وہ بولا: "جیلانی! میں ایک شریف خاندان کا فرد ہوں، دشمن نے میرے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے دھوکے ستائے مجھے ایک گروہ سے محروم کر دیا۔ میں نے اس پر پشور شرا کیا تو اس نے مجھ کو پے کی پیش کش کر دی۔ چند کہیں ایک غریب آدمی تھا اور جی جی عمر کی زندگی گزار رہا تھا اس لیے آنا بہت سا روپیہ دیکھ کر میرے قدم ڈگمگانے لگے۔ طمع نے مجھے گھیر لیا اور میں نے اس خاندان کے دشواریوں کا اندازہ کیے بغیر اس میں قدم دھر دیا۔ اب تیار ہیں مجھے یہ زندگی بہت اچھی لگی۔ دولت کی دلیلیں ملنے لگی ہیں۔ کچھ پیدا ہوئی تھیں، کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ آنکھیں بند کر کے دھڑکنا ہی چلا جا رہا تھا لیکن آخر تک ایک آنکھیں بند کر سکتا تھا، ایک ایک دن تو نکلنا ہی تھا، اور جب تنہا کر سٹانے کے لیے بیٹھا تو آنکھیں کھول کر اپنے گرد و پیش کو بھی دیکھا۔ اہاں وقت یہ احساس ہوا مجھے کہ میں اپنے مقام سے بہت دور نکلی آیا ہوں، اور گرد کی تمام چیزیں سارا ماحول نا آشنا اور سب سے اذیت ناک بات یہ تھی کہ یہاں میں آزادی اور سکون کا ایک سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ یہ جان کر مجھے دھشت ہونے لگی، اس ماحول میں، اپنا وہ گھٹنا ہوا محسوس ہونے لگا۔ جی چاہا سب کچھ تہیت کر دوں اور نکل جاؤں یہاں سے مگر یہ اب کسی طرح بھی ہے۔ پہلے مکین نہیں رہا تھا۔ جس میں دلہن ہیں اگرچہ ہوں وہاں سے بہ سلامت واپسی کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ تم بھی کوئی ایسی راہ مستقیم کے مسافر تو نہیں ہو، زندگی مختاری بھی بہت پرہنگام رہی ہے، تم نے اپنے لیے قدم قدم پر مہاسب کے پھاڑ کھڑے

کر رکھے ہیں۔ زمین پر پیر تر جھکنے کی جگہ بہت کم رہ گئی ہے۔ تیار پاس مگر تمہیں کچھ پر برتری اب بھی حاصل ہے کہ تم میری طرف غلام نہیں ہو سکتے، کسی انسان کے احکامات کی باندی ضرور نہیں ہوتی ہے تم پر، اور یہ ایک بہت بڑی نعمت ماحول سے تمہیں۔ میں چاہتا ہوں اسے نتائج نہ کرو۔ دشمن یا اس کے آقاؤں کے ساتھ اس تاریک غار میں نہ آؤ جو اس سے واپس ہا کوئی راستہ نہیں ہے آدمی کے لیے۔ وہ لوگ جو تک کی طرح جھٹک لیا، گے تمہیں اور تمہارے لوگ سارا ہی پھس لیا گے۔"

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا: "تو اندر سے کچھ اور ہی ثابت ہو رہا ہے، بڑا ہی شفاف دل سیلے پھر تیرے نوپسے سینے میں۔ میں تجھے ایسا بالکل نہیں سمجھتا تھا۔ تیرا کہا ہے کسی نے، آدمی اگر غلط نہ ہو تو میری کی راہ پر نہ آوے۔ نیکی صل سکتا مجھے خوشی ہے میرے عزیز، تیرا ضمیر زندہ ہے اچھے جو تجھے کچھ کے دیکھ رہا ہے اندر۔"

"ہاں ہاں! بڑا احسان ہے اس رب العالی کا کہ اس نے میرے ضمیر کو موت کی نیند نہیں سلا دیا ورنہ کیا ممکن ہی برابر ہو جاتا۔"

"میں تجھے شکر گزار رہنا چاہیے اس کا۔ وہی تو ہمارا ہے۔ تم سب کا اور یہ تو دشمن کے ان آقاؤں کا ذکر رہا تھا یہ تو بڑا۔"

"یہ تیری ہی بات ہے جو ہے نا، اس کا اب آرٹھر نہیں وہاں اور کیا بات سان فرانسسکو میں منشیات کے اسٹوروں کا سرغنہ ہے۔ ڈاکٹر دشمن آؤ کل، ان کے لیے کیا کر رہا ہے۔ دشمن! وہاں آؤ گے یہ منشیات اسمگل کر آئے، اسے غوراً پھر اسے اوپر کے کالے دھندوں کو حفظ فراہم کر لے۔ یوں وہ دونوں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں مگر دشمن کی حیثیت اس کے ایک محکم کی سی ہے۔ آرتھر کی اجازت کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کر سکتا ہے۔ ہر بات کی پیشگی اطلاع دینا ہی ہے آرتھر کو۔ تم جو میرے لیے کر آئے تھے ان کی خبر ہے اسے اور جو آرتھر کو میری روانگی کی کھپ ہلدا زلزلہ طلب ہے اس لیے دشمن میری دل کی گمشدگی کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہا ہے ورنہ طوفان کھڑا کر دیا ہوتا اس نے اب تک۔ وہ اسی بات پر زور دے رہا ہے زیادہ سے زیادہ کہ تمہیں ہیر و رن دے کر خود آروانہ کیا جائے۔ وہ تمام کاوشیں جو مختاری راہ میں حاصل ہیں، جہاز جہاز دھوکہ دی جائیں۔ چنانچہ پٹی میں اس کے تمام کارڈز مختاری ہیں اس لیے وہ اس راہ میں آئی کی رائے کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔ اکیلے میں نے سمجھا تھا شاید ان دونوں کی آزادی کوئی ایسی صورت ہو رہی ہے مگر تم کہتے ہو کہ انہیں کسی اور نے ہی رہائی دلائی ہے۔"

"ہاں، سچ ہی ہے جو میں نے تمہیں بتایا ہے۔ ان لوگوں کا کوئی دخل نہیں ہے اس میں سے میں نے فوراً کہا۔"

"مجھے یقین ہے مختاری بات پر، تم جیسا شروع و شخص جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں یہ یقین بتاتا ہوں، لڑی یہاں کے اسٹور کے لیے ایک خاص جانی پہچانی لڑکی ہے۔ وہ یہاں مختاری سے ساتھ اسی لیے آئی ہے کہ ان لوگوں میں تمہیں اچھی طرح روشناس کر دے تاکہ وہ لوگ وقت ضرورت تمہیں کمریہ کے طور پر استعمال کرتے رہیں اسٹوروں کو نہ چڑوں کی حیثیت ضرورت رہتی ہے۔ دشمن نے تم سے صرف ایک بار اپنا مال سان فرانسسکو پہنچانے کا وعدہ لیا ہے لیکن ان لوگوں یا اس ایسا انجام کرنے میں مصروف ہے کہ تم جب بھی ان کے ہاتھوں سے نکلنے کی کوشش کرو گے، ان سے الگ ہونا باجوے یا ان کے کام آئے سے انکار کر گے، وہ تمہیں مختلف ہتھکنڈے استعمال کر کے اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

"وہ کون کون سے ہتھکنڈے استعمال کر سکتے ہیں میرے خلاف؟ کچھ ان کے بارے میں بھی بتا دو۔ میں نے کہا۔"

"مختاری دنیا میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا پر بے رحم مزہ اور شریف ہیں۔ اپنی اس حیثیت میں وہ غلے اور دھوکے کے مالک ہیں۔ وہ تمہیں ان سے بھی متاثر کرنا چاہتی ہے۔ وہ لوگ تمہیں کبھی بھی اس دنیا سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرنے دیں گے۔ اگر تم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو وہ پہلے تو اپنے ذرائع استعمال کریں گے، دھوکا دیکھ کر آرتھر کو کے کام سے متعلق کسی شخص کو نقصان پہنچانے کی تمہیں روکنا چاہیں گے۔ اس میں بھی ناکامی ہوئی تو پولیس کو بھیجے گا دیکھانے کا پتہ دے۔ غرض زندگی اجیرن کر دیں گے وہ مختاری۔"

"فرق کر دو آخری حربے کے طور پر انہوں نے پولیس کے کھالے کر دیا مجھے تو اس سے انہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟"

"اگر پولیس سے نجات حاصل کرنے کے لیے تم نے ان کی بات مان لی تو وہ تمہیں آزاد کرالیں گے اور یہ ان کے لیے مشکل کام نہیں ہے۔"

"لیکن یہ آنا آسان بھی نہیں ہے پیارے بھائی! میں ایک سزا یافتہ ہوں تو کسے چاکا ہوا اشتہاری مجرم ہوں۔ ایک بار بھی پولیس کے ہاتھ لگاؤ تو دوبارہ کوئی میری شکل بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ لہذا اس طرح تو میں باقوتہ اسٹور کا ان کے پولیس کے خلاف کر کے وہ ایک طرح کا انتقامی کارروائی کر سکتے ہیں میرے خلاف، کوئی فائدہ مجھ سے حاصل نہیں کر سکتے۔"

"یہ تو تمہارا خیال ہے جیلانی! تم جانتے نہیں ہو ان۔"

لوگوں کو اس لیے ایسا کہہ رہے ہو۔ ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ان کے ایک اشارے پر پانچا بھلا شریف آدمی پاؤں کال کو کھڑی ہو جاتا ہے اور کان کو کھڑی میں بڑا بھلا قیدی آزادانہ سفر میں گھومتا پھرتا ہے۔ وہ ان کا مال ادھر سے ادھر کر کے یہ صرف رہتا ہے اور نہ کچھ جانتی رہتی ہے کہ وہ اپنی سزا کے دن پورے کر رہا ہے۔"

"دیکھو! شرافت علی! کسی دھوکے کے چور اچکے کا نام تو۔۔۔"

غلام جیلانی نہیں ہے۔ میرا واسطہ اب اس سے نہیں رہا ہے، میں نے نزدیک انسانی زندگی کی کوئی اہمیت ہی نہیں دیکھی ہے کبھی۔ قتل و غارتگری، شہنشاہی کا۔ میں نے جتنے قتل کیے ہیں ان میں سے کم ہی ایسے ہوں گے جو میرے اپنے حساب میں والے جا سکیں، بیشتر تو انھی ذی حیثیت لوگوں کے کھاتے میں جاتے ہیں۔ میرے یوں آزادانہ دھڑکتے چہرے کو دیکھ بھی یہی ہے کہ میرے اور ان کے خیال کا بھی ناواں کا مشہور ہر شہر قائم رہا ہے۔ یہ رشتہ میں ان اسٹوروں کے ساتھ نہیں بڑھ سکتا۔ یہ ملک اور قوم کے دشمن ہیں۔ میرے ملک کی زبانیں کھولیں۔ رہے ہیں، کسی ایک یا دس بیس تیس لوگوں کو مار دینا کوئی ذمی انسان نہیں ہے۔ جب کہ یہ لوگ میری پوری قوم کا قتل نام کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اس کام پر بدینہ ان کی مدد کرے۔ میں ان کے کر سکتا ہوں۔ میرے پاس تو سوتھ توڑ دیا کام لینا چاہتے ہیں یہ مجھ سے اور کیا میں تجھے ایسا ہی وطن فروش نظر آتا ہوں؟ میں اپنے سونے وطن کی مٹی کو ان کے اہوسے اہل زور بن سکا ہوں ان کے ناپاک عزائم کی تکمیل میں ان کا سامان کسی قیمت پر نہ دے گا۔ اب جب کہ تم نے مجھ پر اعتبار کر کے اپنے دروں بروں کو میرے سامنے الٹا ہی دیا ہے تو میں بھی مجھ سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ تیرے لیے بھی میرا یہ مشورہ ہے شرافت علی کہ اپنے شر لفظ نام کی لاج رکھو، اچھو وہاں کالے دھندوں کو اور لعنت بیچنے والے اس مال و دولت پر جو ایک دن قبر میں تجھے ساتھ ساتھ پھونک دے گا آجائے گی۔ میری بات مان پیارے بھائی! دیکھ اپنی طاقت سوزانے کے کام بھی کر لے۔ ٹیکیاں بھی شامل کر لے کچھ اپنے اعمال نامے میں، ان کی بھی ضرورت پڑے گی مجھے ایک دن۔"

اس نے جیوش انداز میں میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ چہو اس کا جذبات کی فراوانی کے سبب تھکا جاتا تھا وہ سنا، وہ جیلانی! میرے عزیز، میرے دوست، تو نے تو میرے دل کا سارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ میں تو خواہ وہ ہی کون ہو جو رہتا تھا دن سے مجھے کیا معلوم تھا کہ تو اندر سے کتنا اقبال ہے، کیا احسان باطن شخص ہے۔"





ہیں کہ وہ خوش رہیں، پر وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ سے اس جوگتی ہیں۔ آپ ذرا سلیکٹ دے دیں انہیں۔

”ہاں مارو یہ بہت ضرور ہے، میری آواز سن کر ان کے دل کو ڈھارس لگے گی۔ ذرا کچھ کچھ کہہ دیجیے۔ وہ میری بات کر ان سے۔“

”ابھی میں صاحب ڈیو، یہ فون انٹارکٹا کے پاس ہی لے جاتا ہوں، وہ کہے ہیں۔ اپنے۔“

چند منٹ فون پر خاموشی رہی پھر مجھے حیدر کی آواز سنائی دی۔ وہ ماں جی سے کہہ رہا تھا۔ ”میں ماں جی! یہ فون پر بات کریں، آپ کے پٹر نے کراچی سے فون کیا ہے اور آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں وہ۔“

دوسرے ہی لمحے ماں جی کی آواز میرے کان میں پڑی۔

”پٹر غم جیانی! ٹھیک تو سہ تو آؤ؟“

میں نے انہیں سلام کر کے کہا کہ آپ کے دعا میں میرے ساتھ رہتی ہیں ماں جی! پھر مجھے کیا ہو سکتا ہے؟ آپ تین آپ تو ٹھیک ہیں؟ یہ حیدر ٹھیک ٹھاک خدمت کر رہا ہے آپ کی، پریشان تو نہیں کرتا؟

”نہیں پٹر! یہ دونوں ہی بڑا خیال رکھتے ہیں میرا بہت خدمت گزار ہیں، اب انہیں جانی دے، دعا میں جڑی پیتے ہیں۔ اسکل اولاد کی طرح خدمت کرتے ہیں میری۔“

”ماں جی! یہ آپ نے آسہ کو کیوں جانے دیا؟ بڑی مشکل سے تو جان چوٹی تھی اس کی، اب پھر کوئی مصیبت لگا لے گی۔“

”بیٹا! میں نے تو بڑی کوشش کی، پر اس کے منہ کو اب خون لگ چکا ہے، اب گھر میں بیٹھنے کی عادت نہیں رہی ہے اسے، کتنی سختی اور سختی کوئی دوسرے لاکھول شادی، اس کی طرف کچھ پرانا قرضہ لگتا ہے اس کا۔ وہی وصول کرنے جا رہی ہے۔“

”ہاں۔ وہ مجھے بتا ہے۔ اس کا حساب کتاب باقی ہے لاکھول شادی کی طرف، پرانا جھگڑا چلا آرہا ہے ان دونوں کا۔“

”کیسا جھگڑا چل رہا ہے اس کا؟ بیٹا! تو جانتا ہے اس لاکھول شادی کو کوئی گڑبڑ والی بات تو نہیں ہے؟“

”نہیں ماں جی! آپ فخر نہ ہوں۔ بہت اچھا بندہ ہے وہ بے حد چاہتا ہے وہ آپ کی بیٹی کو اور دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی وہ اسے اپنی مگر وہ آسہ کے لیے راضی نہیں ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ قہر واپس نہیں کر رہا ہے اور وہ دیوانی دشمن بن چو رہی ہے اسے۔“

میرا تو دل ہول رہا ہے بیٹا! رات دن اسی کی خبر مانگتی رہتی ہوں اپنے سب سے۔“

”ماں جی! آپ کی دعاؤں کی تو ہمیں بہت ضرورت رہی ہے ہر گز نہ۔“ دعا میں ضرور کرتی رہیں آپ ہمارے لیے۔“

”وہ تو پٹر نے کرتی ہی رہتی ہوں، پر تم دونوں کی تقدیر میں پس لگنا ہے کچھ چین کچھ ہی نہیں گیا۔ اپنے گھر کی چھت پر تھیں اچھی لگتی ہی نہیں ہے۔ جب تھے یہاں رہنا ہی نہیں تھی تو بیٹا! تو نے آنا بڑا محل جیسا مکان خرید کیوں لیا تھا۔ اتنی ذخیر ساری آسائشیں یہاں جمع کر دی ہیں تو نے اور خود پتہ نہیں کہاں با بیٹھا ہے، واپس آنے کا نام ہی نہیں لیتا ہے۔“

”ماں جی! ایسی باتیں نہ کیا کریں آپ۔ اس مکان میں اگر تو بیٹھی ہیں نا اور ان ساری آسائشوں سے بہرہ ور ہو چکی ہیں، بڑی کتنی بڑی ضرورت پوری کر رہا ہے یہ مکان۔ یہ مقصد نہیں ہے کیا؟ میری ماں جی اس مکان میں ہیں، یہ کیا کہہ رہے؟“

”وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! لیکن تو بھی اگر یہیں رہتا ہر سہ ساتھ، میری آنکھوں کے سامنے افروزہ نصیبوں کی ماری آسہ بھی ہوتی تو میں کون سے مرقعے اس غم میں بیٹا! ماں کی یہی ایک آرزو تو ہوتی ہے کہ جب دم نکلے تو اس کی اولاد خوش و خرم اس کے سامنے موجود ہو۔ اپنے بچے کے چھوٹے ماں کی آنکھوں کے سامنے نہ ہوں، تو اس کا دم بھی آسانی سے نہیں نکلتا پٹر! ”رب آپ کا بچہ گمان ہوا اور آپ کو ہمارے لیے دعا کیے کرنے کے لیے سلامت رکھے۔ میرے دل سے دے دے کہ بائیں نہ کریں ماں جی! کیا اتنی ہی بے زار ہو چکی ہیں آپ ہم سے کہ اب اپنا سایہ بھی ہمارے سرد سے اٹھا لینا چاہتی ہیں، اپنی دعاؤں۔“

مخوش کرنا چاہتی ہیں۔“

”ایسے نہ سوچو گا! جو اس دنیا میں آتا ہے اسے واپس بھی جانا ہوتا ہے ایک دن، اور یہی عمر ہوتی ہے جب آدمی کے پاس اپنے دنیاوی معاملات سے فراغت پاک موت کا انتظار کر کے سوا کوئی کام نہیں رہتا۔ میری بھی یہی آرزو تھی پٹر! اس دنیا سے جاتے ہوئے کوئی فخر نہ بے باقی ساتھ۔ تم دونوں بہن بھائی اپنے اپنے گھر بار سنبھال کے بیٹھ جاتے میرے سامنے تو چاہتا تھا۔ پر آپ تو یوں لگتا ہے مجھے، یہ آرزو میں ساتھ لے جاؤں گی اپنے تم دونوں کو کچھ خیال ہی نہیں ہے اس ”دل چھوڑا نہ کریں ماں جی! اللہ کی ذات سے ناایب نہ ہوں۔ یہ دن بھی ضرور دکھائے گا وہ آپ کو۔ وقت تو آئے گا۔ اس آسہ کو اب میں جلد ہی باہر دوں گا کسی کوٹھے سے۔ ان یوں پھرنا مجھ سے بھی نہیں دیکھنا چاہتا ہے اب۔“

”خدا کو اسے تو اپنے ارادے میں کامیاب ہو جائے۔“ مجھے تو اس دلی کے تو رعبت ہی خراب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ میری وہ آسہ تو لگتی ہی نہیں ہے، جسے میں نے اب پس کر جان کیا تھا، کچھ کچھ نہیں آتی پٹا کر کیا ہی گئی ہے وہ۔“

”فخر نہ کریں آپ۔ سب سمجھ آجائے گی رنجے ذرا لاہور آجائے دیں، سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔ دل آکر۔“

”ٹھیک ہے گا! میں انتظار کر رہی ہوں تیرا۔ کب آجائے تو؟ تیرا کام ختم ہو گیا وہاں باقی ہے ابھی؟“

”بس مختصر سے دن اور انتظار کر لیں ماں جی! اب اس آسہ نے ایک کام اور اڑھا دیا ہے میرے لیے۔ اب مجھے سکھر بھی جانا پڑے گا اس کی تلاش میں۔ دعا کریں جلدی مل جائے وہ مجھے۔ میں سمجھتا تھا یہ روزہ جانی میں اس کی خوشی میں۔“

”رب تھے کامیابی دے پٹر! بہت پریشان کیا ہے تجھے اس بد بخت میں نے، مجھے احسان ہے تیری تکلیفوں کا بیٹا! کاٹھ اس نے میرے دل ختم ہی نہ کیا ہوتا، پاپا پیدا ہوئے ہی مر گئی ہوتی وہ۔ کیا سکو دیا ہے اس نے تمہیں؟“

”ماں جی! بس کریں، ایسی بڑی باتیں نہ نکالیں زبان سے۔ یہ فرضی ہے سوچنے رب کی۔ وہ جس حال میں چاہے رکھے میں، ہم اس کی مرضی میں دخل دینے والے کون ہیں۔ ہم تو مخلوق ہیں ماں جی! اپنے خالق کی جیسا اچھا لگنا دیا اس نے۔“

”ٹھیک کہتا ہے بیٹا تو۔ اس کائنات کے مالک سے شکوہ کرنے کا نہیں کوئی حق نہیں ہے۔ ہمیں تو اس کی رضائیں ہی رضی رہنا چاہیے۔“

”میری مطلب تھا میرا بھی۔ اچھا، اب اجازت دیں ماں جی! اللہ نے چاہا تو اگلے بار اپنے پیچھے کی اطلاع ہی دوں گا فون پر۔“

”اچھا گا! میں انتظار کر دوں گی تیرے اس فون کا۔“

رب رکھا۔“

”رب رکھا تیرا بھی ماں جی!“ میں نے جواباً کہا اور ریسپورڈ کر پڑا پر حال دیا۔

فون سے فارغ ہو کر میں شرافت علی کی طرف پٹا تو لڑی کو اس کے ساتھ بیٹھنے دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا کہ واپس آگئیں لڑی گیم! تم نے تو ساری دن باہر گزار دیا آج۔ کہاں کہاں ہو آئی ہو؟ کوئی جگہ بھی چھوڑی ہے کھل کے لیے۔“

”کیوں کیل کیل تم ماں آپ کا غائب رہنے کا ارادہ ہے؟“

”میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔“

”جس جگہ! میں تو ساری بات سوچ بھی نہیں سکتا میری زندگی میں فرصت کے اتنے لمحے کہاں ہیں۔ میں جلد از جلد یہاں کے

معاملات منسٹر لاہور پہنچنا چاہتا ہوں لڑی گیم! وہاں میری ماں جی میرے لیے پریشان ہو رہی ہیں۔ دوسرے وہ کثیر خان بھی بہت بے چین ہے، بار بار فون کر رہا ہے شرافت علی کو۔ اس کا کام بھی جلد ہی منسٹر چاہتا ہوں میں۔“

”ہاں، یہ صحیح فیصلہ کیا ہے آپ نے جناب عالی! ہمیں یہاں کراچی میں زیادہ وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔“

شرافت علی نے کہا کہ تم نے ان لوگوں کے بارے میں بھی کچھ سوچا تو تم دونوں کو اپنے ساتھ ایئر پورٹ سے لے گئے تھے۔“

”آج ہم وہاں انہیں تلاش کرنے چلیں گے۔ میں نے کہا کہ تم نے یہاں کو کہاں کو کھنچی ہیں اب کون لوگ آسے ہیں؟“

”کس کو کھنچی کے بارے میں کہہ رہے ہو تم؟“ شرافت علی نے فخر سے میری طرف سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اسی کو کھنچی کی میرے بار جس میں وہ لوگ ایئر پورٹ سے اپنے ساتھ لے گئے تھے ہیں۔ میں نے وضاحت کی۔“

”ادھ، ہاں۔ وہ تو میں تھیں بتا بیٹو لی گئی۔ اس کو کھنچی میں ایک سفارت خانے کا کوئی افسر کر رہا ہو گیا ہے۔“

”کیا کہا سفارت خانے کا افسر؟ میں نے کہا کہ کیا کوئی بہت ہی آدمی آگیا ہے وہ؟“

”نہیں، ایک بہت معمولی سا افسر ہے وہ کوئی خاص اہمیت کا آدمی نہیں ہے۔ مکان کا کرایہ وہ خود ہی دیتا ہے۔“

”ہوں، تو اب اس کو کھنچی سے ان لوگوں نے اپنا تعلق بالکل ختم کر لیا ہے، وہاں سے کچھ معلوم ہونے کا امکان نہیں رہا۔“

”ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے، اب تو وہ متقی ہیں گری ہوئی سوئی ہوئے ہیں ہمارے لیے، مگر یہ یقین ہے مجھے کہ وہ ملیں گے ضرور۔“

”کیوں، یہ بات تم اتنے یقین سے کس لیے کہہ رہے ہو؟“

”کیا کوئی سبب ہے ان کے لیے؟“

”نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ہر انسان کو نہیں ملا لیں اس یقین کی ایک وجہ ہے، ذہن پر زور دے کر حالات کا جائزہ لوگ تو یہ بھی ہی بات متفاری سمجھ میں بھی آجائے گی۔ بالکل سامنے کی بات ہے، دو اور دو چادر کی طرح سیدھی۔“

”پہلیاں نہ بھڑا بار کچھ تو نے سمجھا ہے، مجھے بھی سمجھ دے۔ کیوں میرا دم اس طرح خراب کرنے پر تل گیا ہے؟“

”وہ ہنس کر ہلکا۔ اچھا میرے بار! تو مت کہ فخر خیز اپنا دماغ نہیں سمجھتا ہوں تھے۔ تو جانا اور سمجھتا ہے نا تو کر انہوں نے کسی چھوٹے موٹے وقتی فائدے کے لیے ہمیں ایئر پورٹ سے نہیں اٹھا لیا تھا، کوئی بڑا مقصد ہی حاصل کرنا تھا انہیں اس طرح

جو ہماری بروقت کی مداخلت کی وجہ سے وہ حامل نہیں کر سکے۔ ہے نا یہی بات؟

”ہاں، یہی میرا بھی خیال ہے مگر اس سے ان کے دوبارہ جنم ملنے کا یقین کیسے کیا جاسکتا ہے پیارے بھائی؟“

”دیکھو، وہ جو جنم اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں اس لیے بظاہر انہوں نے خود کو ہماری نگاہوں سے اوجھل کر لیا ہے اور وہ سران بھی مٹا دیا ہے جس کے ذریعے ہم ان تک پہنچ سکتے تھے لیکن تم لوگوں کو وہ اتنی آسانی سے گم نہیں ہونے دیں گے۔ خود وہ چاہے سات پردوں میں چھپے بیٹھے ہوں مگر تم دونوں کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیں گے۔“

”متھارا مطلب ہے کہ وہ ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ یا ان کا کوئی آدمی ہر دم ہمارے ساتھ لگا پھرتا ہے؟“

”بالکل ٹھیک سمجھا ہے تم نے۔ یہی بتانا چاہتا تھا میں تمہیں۔ اب ان کا سران لگانے کے لیے میں گھر سے نکلے وقت اپنے گرد و پیش پر پوری طرح نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ کہیں جانتے ہوئے تمام راستے کسی ایسی کار یا موٹر سائیکل وغیرہ کو تلاش کرنا ہے جو مستقل طور پر ہمتھارے پیچھے یا قرب و جوار میں نظر آتی ہو۔ اگر تم نے اس میں کامیابی حاصل کر لی تو اس نگران کی نگرانی کرتے ہوئے ہم ہمتھارا اپنے مطلوبہ شخص تک پہنچنے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔“

”یہ تو مال کی بات تو سچی ہے یا شرافت علی تھے۔ بالکل ملنے کی بات ہے اور میں نہیں سوچ سکتا ہے حیرت ہے!“

”اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ہے جناب عالی؟ لڑی نے کہا۔ اب ہوا چلتا ہے کبھی بھی۔ آدمی کسی چیز کو ادھر ادھر تلاش کرتا ہے۔ حالانکہ وہ چیز ان کے پاس ہی کہیں موجود ہوتی ہے، بس نظر نہیں پڑتی اس پر۔“

”آپ کی بات بالکل درست ہے داماد! ایسا اتفاق اکثر ہوتا ہے لوگوں کے ساتھ۔ مجھے بھی آج اس اچانک ہی یہ خیال آ گیا تھا شرافت علی نے لڑی سے کہا، پھر مجھے سے مخاطب ہوا۔ کیا خیال ہے جیلانی! پہل کر دیکھیں ہمارے؟“

”ابھی نہیں یار! اور ابھی اب تو رات ہونے والی ہے اس وقت یہ اندازہ کیسے ہو سکے گا کہ کون سی گاڑی مستقل ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔ میرا خیال ہے یہ کام دن کی روشنی میں زیادہ بہتر نظر پڑے گا۔“

”وہ لڑی کے سامنے اس مسئلے کو چھڑ بیٹھا تھا۔ اس وقت میں اسے اس کا کہہ رہا تھا کہ میں نہیں بتا سکتا تھا جس کا ذکر فیروز نے مجھ سے کیا تھا۔ میں بھی میں ابھی اسے یہ بات بتانا نہیں چاہتا

تھا۔ پر کچھ بغیر اپنے سر راز میں اس کو شریک کرنے کی حاجت کرنا نہیں چاہتا تھا میں۔ گو گفتگو کے دوران اس نے خود کو میرا ہم خیال ثابت کر دیا تھا اور ہم ایک دوسرے پر اپنا اپنا اعتماد قائم کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے تھے مگر یہ سب کچھ ابھی صرف گفتگو کی ہی حد تک تھا۔ عملی طور پر ابھی ہم ایک دوسرے کو مطمئن نہیں کر سکے تھے۔ مکمل اعتماد کے لیے آدمی کو عمل کی کسوٹی پر کھانسی ضروری ہوتا ہے، آدمی کی اصیت عمل کے میدان میں ہی نکلتی ہے۔

لڑی نے کہا ”آپ درست کہہ رہے ہیں جناب عالی! رات کے وقت یہ اندازہ کرنا واقعی دشوار کام ہے۔ دن کی روشنی ہی اس کے لیے مناسب اور مقبول ہے۔“ پھر وہ موضوع بدلتے ہوئے بولی ”آپ شاید مال جی سے بات کر رہے تھے انہیں فائر“

”ہاں، لڑی! تم نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ آج کا اخبار اتنا تو دیکھا ہو گا تم نے؟ ایک اخبار خیر پڑھی ہے آج۔“

”اوہ، تو آپ نے بھی پڑھ لی ہے وہ خبر؟ میں تو آپ کو سر پر نذر دینا چاہتی تھی اس وقت۔“

”پھر تو بہت بڑا ہوا لڑی! بھئی! تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ مجھے افسوس ہے اس کا۔“

”ایسے خوشی کے موقع پر اتنی سی بات کا افسوس نہ کرنا۔ آپ جناب عالی! اور مبارکباد قبول کروں میری۔“

”ابھی مبارکباد دینے کا وقت نہیں آیا ہے لڑی! آزادی سن جیل سے نکل کر ایک دوسری دلدل میں جا آئی ہے۔ آزادی راس نہیں آئی ہے اسے۔ ایک بار پھر اس کی تلاش میں زمین کی پیمائش کا کام کرنا پڑے گا مجھے۔“

لڑی نے حیران حیران نظروں سے مجھ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیوں؟ اب کہاں چلی گئی ہے وہ؟ کیا ہوا ہے اسے؟“

شرافت علی بھی ایک دم چونک اٹھا تھا۔ بولا ”کیا وہ اور میں ناں جی کے پاس نہیں پہنچی مگر تم تو...؟“

”وہ مال جی کے پاس لا جوڑ پڑی تھی مگر وہاں کی زمین فوراً ہی وہاں سے چلی گئی ہے۔ اس نے بھی یہی طرح کچھ دسے بڑے مسال میں لٹھا یا ہے اپنے آپ کو، اور تقریر اسے بھی کسی پہلو پر چلنے سے نہیں بیٹھنے دے رہی ہے۔“

”ہو اکیلا ہے جناب عالی! کچھ بتائیں تو آپ ہمیں؟ لیکن ہے اس مسئلے میں بھی ہم کچھ مدد کر سکیں آپ کی؟“

”وہ کچھ بولی گئی ہے۔ اپنے ایک غیب دشمن سے پڑنا حساب ہے باقی کرنے لنگھی ہے وہ گھر سے۔“

”غیب دشمن سے کیا مراد ہے آپ کی؟ دشمن تو بس دشمن ہی ہوتا ہے، اس میں عجیب بات کیا ہے بھلا؟“

”عجیب میں اس لیے کہ راز میں اس کے دشمن بھی مرنے والے ہیں۔ وہ دیر بالکل دشمن نہیں رکھتا ہے اس سے۔ بلکہ اس کے دل میں اس لیے اتنی محبت ہے کہ اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہے جبکہ اس سے اس کے خون کی پیاسی ہے۔ اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے گولی مار کے ختم کرے گی۔“

”اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے آپ کے ساتھ کوئی بڑی زیادتی کی ہے البتہ زیادتی جس کی مراد اس سے نزدیک صرف موت ہی ہے جبکہ وہ اپنی زندگی بچانے کے لیے اس کا بڑے سے بڑا مطالبہ بھی کر رہا ہے کہ تو تیار رہے۔ لڑی نے کہا۔“

”کسی حد تک متھارا اندازہ ٹھیک ہے لڑی! زیادتی تو اس نے کی ہے مگر وہ اپنی غلطی پر سخت تادم ہے اور اس مذمت ہی نے اسے اس سے آگے سر نہ جاننے پر مجبور کر دیا ہے، ورنہ وہ بڑا شرور شخص ہے، مگر تھکانے کی عادت نہیں ہے اسے۔“

”تو اب تم اپنی بن کے پیچھے کھ جاؤ گے؟ اس کے اس شوکن کر اس سے کہتوں سے بچانے کے لیے؟“ شرافت علی بولا۔

”ہاں، یہ بہت ضروری ہے شرافت علی! اگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئی تو اس کے کھلنے میں ایک اور قتل کچھ دیا جائے گا اور اگر کام نہ رہی تب بھی اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس کی زندگی سخت خطرے میں ہے میرے بھائی! وہ دزدوں کے غار میں جا آئی ہے یہاں سے صیج سلامت نکل آنا ایک بہت دشوار کام ہے۔“

”کب جانے کا ارادہ ہے متھارا؟ اور کیا اکیلے ہی جانا چاہتے ہو؟“ شرافت علی نے پوچھا۔

”ہاں، اکیلا ہی جاؤں گا میں، چاہتا ہوں میں کہ اتنی جلدی ملے ہو کے وہاں پہنچ جاؤں، دیر بالکل مناسب نہیں ہے۔“

”ہاں جناب عالی! جب وہ اتنے خوفناک ارادے سے لگتی ہے دلاں تو آپ کا ہندرا جلد پہنچنے کے حضور ہی ہے۔ مگر اس نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا دیا یا کسی مصیبت میں ڈال دیا ہے آپ کو تو پھر مشکل پیدا ہو جائے گی۔“

”میں بھی نہیں چاہتا ہوں کہ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے وہی میں پہنچ جاؤں تاکہ اسے بروقت روکا جاسکے۔“

”پھر تو آپ کو ابھی روانہ ہونا چاہیے میں بھی آپ کے ساتھ جیل رہی ہوں، تنہا نہیں جانے دوں گی آپ کو۔ لڑی بولی۔“

”اور میں بھی چلوں گا متھارے ساتھ۔ ایسے کام کے لیے تنہا نہیں جانا چاہیے تمہیں۔ ایک دو آدمی اور بھی ساتھ لے لوں گا میں۔“

”نہیں یار! زیادہ بھیڑ بھاؤ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی عسکر کر سکرے تو نہیں جا رہے ہیں۔ کسی سے زیادہ بڑا

تو نہیں ہے۔“

”کچھ بھی ہو جیلانی! ہم دونوں تو مغرور ہی جا رہے ہیں۔ متھارے ساتھ۔ میں ڈرا بیورو سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ گاڑی کی ٹھیک ٹھیک کرالائے جا کر اور کچھ فاضل چڑوں بھی رکھ لے۔ اتنی دیر میں ہم لوگ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو بیٹھے ہیں۔“

”ٹھیک ہے، اگر تم نہیں مانتے تو چلے جاؤ میرے ساتھ، طارق روڑے ہم آبی کو بھی ساتھ لے کر لے گئے۔“

”آئی! لڑی نے چونک کر کچھ دیکھا۔ یہ تو آپ کا دبی دوست ہے شاید جو اس سے کچھ ساتھ چلے سے فرار ہوا ہے؟“

”ہاں، ٹھیک پہچانے تم نے، یہ وہی میرا داماد اسم آبی ہے، جو مجھے جاتیوں کی طرح عزیز ہے۔“

”مگر وہ یہاں کہاں سے آ گیا؟ ان لوگوں کو جیل سے نکلے آج دوسرا ہی دن ہے شہر اتنی جلدی وہ کر چکی ہو گیا؟“

”نہیں لڑی! یہاں سے نکلے ہوئے تو کوئی دن ہو چکے ہیں انہیں۔ لاؤ پونڈی سے جہاں کہ وہ دونوں لا جوڑ پڑے تھے وہاں بین دن رو کر آئی کرانی روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے دوسرے روز اس پر کچھ جیل سے لیے نکل گئی۔ آبی پر سوس رات سے یہاں ہے۔“

”اوہ، اس کا مطلب ہے اخبار میں ان کے فرار کی خبر بہت بڑی شائع ہوئی ہے اور آپ کو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا سب کچھ، آپ کو آپ کے کراچی پیڑھ جانے کی بھی خبر لگ چکی تھی، انہیں کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا آپ نے۔ کیوں جناب عالی؟“

”نہیں بھئی، ایسی بات نہیں ہے، غلط اندازے قائم کر رہی ہو تم لڑی! یہ وقت بہت کچھ بھی آج ہی معلوم ہوا ہے۔ آج وہ ہر کے بعد ایک بڑے دوست کے گھر چلا گیا تھا۔ وہاں آبی کو کچھ کرشمے خود دیران رو گیا تھا۔“

”اوہ، سوری جناب عالی! اپنے غلط اندازوں کے لیے معذرت چاہتی ہوں آپ سے۔ میں بھی تھی آپ کو پہلے سے معلوم تھا سب کچھ، مگر آپ نے ہمیں متھارے قال میں سمجھا شاید۔ بہر حال ایک بار پھر معذرت قبول کر میں جناب عالی!“

”معذرت کی کوئی بات نہیں ہے لڑی! میں تمہاری جگہ ہوتا تو میرے دل میں بھی یہی ہو گا نہ پیدل ہو سکتی تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ میں نے پھر لڑی سے کہا۔“

”باتوں باتوں میں وقت کافی گزر چکا ہے۔ اب میں روانہ ہو جانا چاہیے۔ دیر ہمارے لیے سو دن نہیں ہو گی شرافت علی! گھر پر فون کر کے اطلاع دے دو تم۔“

”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ میں فون کر دیتا ہوں گھر پر۔ کھانا ہم

”یہ بھی دیکھ لو، اسلمہ وغیرہ ٹھیک ٹھاک حالت میں موت پائی۔“

کر کے کار سے اتر گیا۔

اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا "کیا کہہ رہا ہوں؟ تو مجھے یہ کس دم تجھ سے کہا؟" ادا کا گیسو، حضرت قمرؑ سے؟

نئے اتنا دے رکھا ہے بھر بھی بدلتی سے باز نہیں آسکتا تو؟ ابی  
نئے واپس آکر ہماری باتوں میں ٹانگ بھنساتے ہوئے کہا۔

انکا علی دوسنے	اقبال علی دوسنے	غلام زحیر
تہذیب نمبر ۲۰۱۰، کلاں ۲۰۱۰ء	تہذیب نمبر ۲۰۱۰، کلاں ۲۰۱۰ء	تہذیب نمبر ۲۰۱۰، کلاں ۲۰۱۰ء

کتاب پکارتی ہے

109

”اے ماں، دہری ہیں یہ۔ چوتھے پیر دل کے خاندان سے تعلق ہے ان کا، اس لیے کہلاتے یہ پیر زادہ، میں۔“

شرافت علی کو اس کا اصل نام لینے سے روکنے کے لیے میں نے

کے اسی جھٹ میں یکتی ویر مقابلہ کر سکے گی وہ اُن کا  
 ”اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ یہ اچھا نہیں کیا ہے  
 اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ اُبی فخر مندی سے بولا۔

لوٹے ہی نہیں دی گئی تھی۔ ہرگز سے ہرگز سب سے سب سے۔  
 لمبا کرنے کا فن اس جیسی لڑکیوں کو خوب آتا ہے۔  
 باہر آکر آبلے مجھ سے پوچھا: کیا تو نے ماں جی سے غوغا  
 پر بات کی تھی، میرے پاس سے جانے کے بعد؟

ہے۔

”کس زمانے کی بات کرتا ہے بھائی تو؟ وقت کا تو کام ہی آگے بڑھتے چلے جاتا ہے۔ اسے کبھی جھٹکتے دیکھا ہے کسی نے اور یہ درجہ بندی بھی ہم نے تو نہیں کی ہے نا، یہ ازل سے چلی آ رہی ہے اسی طرح۔ جھوٹا بڑا، اعلیٰ ادنیٰ کب نہیں رہا اس دنیا میں۔ کچھ عیاروں نے مساوات کا لغو رکھا لوگوں کو اتو نہایا ہے۔ ورنہ تو نے یہ مساوات دیکھی بھی ہے کہیں؟ خود یہ غور لگائے والے انسانوں کو دو طبقوں میں تقسیم کیے ہوئے ہیں۔ ایک طبقے میں انھوں نے تم کو جیسے لوگوں کو رکھ کر اسے عوام کا نام دے دیا ہے، دوسرے طبقے میں اپنے جیسے لوگوں کو شامل کر کے خواص کہلاتے ہیں وہ خود کو کیا خاص و عام کی اس تقسیم کا نام مساوات ہے؟ درجہ بندی تو اس خالق کائنات کی طرف سے کی گئی ہے۔ اس نے انسان کو دو ایک جیسے بنائے ہیں مگر ان کے دماغ ان کی صلاحیتیں ایک جیسی نہیں رکھیں۔ کوئی اعلیٰ منصب کا اہل ٹھہرایا گیا اور کسی کو ادنیٰ کاموں پر مامور کیا گیا ہے۔ پھر ہم اس تفریق کو کیسے ختم کر سکتے ہیں۔ کبھی تو نے مساوات کا درس دینے والے کسی لیڈر کو اپنے گھر میں بھی جھاڑ لگاتے دیکھا ہے؟ کبھی کسی ہوش میں اسے لوگوں کی یہ زول پر کھانا لگاتے یا ان کے تھوٹے برتن اٹھاتے دیکھا ہے؟ کیا وہ خود بھی ہوش میں بیٹھ کر میرے سے کھانا نہیں منگواتے؟ کیا وہ اپنے گھر میں لوگ چاکر رکھ کر ان سے خدمت نہیں لیتے؟ پھر تو وہ کس مساوات کی بات کرتے ہیں؟ کہاں ہے وہ مساوات؟ کس مساوات سے کام لیتے ہیں وہ؟ میرے بھائی! یہ سب راجح صرف لوگوں سے دوٹو حاصل کرنے کے لیے انھیں دکھائے جاتے ہیں۔ ورنہ حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ مالک ملازم، افراتحت، ادنیٰ اور اعلیٰ کی یہ درجہ بندی ہی اس دینکے نظام کو چلا رہی ہے۔ اسے ختم کر دیا گیا تو یہ عبادت کس بنیاد پر کھڑی رہ سکے گی؟ کس طرح چل سکے گا یہ نظام دنیا۔ جھوٹے کو بڑے کا لحاظ نہ رہے، کمزور کو طاقت ور کا خوف نہ رہے تو یہ انسان درندہ نہیں بن جائے گا؟“

”ٹھیک ہے کھانا کھاؤ جلدی سے۔“ وہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”ایسی باتیں نہ کیا کر مجھ سے بڑے میرے لیے نہیں برداشت کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔“

”سی لگا دیتی ہیں میرے اندر یہ منافقوں اور عیاروں و باتیں۔“

”چل ٹھیک ہے بار، دفع کر لعنت بھیجی اب اس کھانا کھا چپ کر کے۔“

”ہاں اور شرافت علی خاموش ہو کر کھانے پر ٹوٹ پڑے آبی خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک اس نے مجھ سے ”سکھ ہم بیٹوں ہی جاہل گے یا ڈرا بیورو بھی جاگے گا ہمارا ساتھ؟“

”وہ کیوں نہیں جاگے گا بھی؟ اسے نہیں لے جائیں؟ تو گاڑی کون چلائے گا؟“ ”میسرہ بولنے سے پہلے ہی شرافت بول پڑا۔

”گاڑی چلانا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کوئی بکرہ سکتا ہے اسے۔ میرا تو خیال ہے اسے اس معاملے میں پر نہیں کرنا چاہیے۔“

”اُس کی آپ فکر نہ کریں پیرزادہ صاحب! اسے ساتھ جانے کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بہت وفادار۔“

”بات یہ نہیں ہے بھائی شرافت علی! اصل میں یہ جارہے ہیں وہاں اس کا جانا سمجھنا مناسب نہیں لگ رہا ہے کچھ کام نہیں جاسکتا کہ وہاں کس قسم کے حالات پیش آئیں ہوں۔ لیکن ہے ہمارے میزبان اسے پسند نہ کریں۔ میں جا کر صرف میں اور سردار صاحب ہی ہوا میں وہاں زیادہ وا کو دیکھ کر وہ دنگ بھی سکتے ہیں۔“

”ٹھیک کر رہے ہیں شرافت علی یہ پیرزادہ صاحب! ان کی بات مان لینا چاہیے ہمیں۔“ میں نے آبی کی تائید کی۔

”بہت اچھا بھائی! اگر آپ دونوں ہی متفق ہیں بات پر تو پھر ٹھیک ہے۔ میں اسے یہیں سے واپس دوں گا۔“

کھانا کھا کر ہم باہر نکلے تو شرافت علی کا ڈرائیور کا ساتھ وہاں موجود تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ جلدی سے گاڑی اترا اور ہمارے لیے عقبی نشست کا دروازہ کھولا ہو گیا۔ میں نے شرافت علی کے ساتھ عقبی نشست میں بیٹھ کر آبی سے کہا۔ ”بھائی پیرزادہ! ذرا سی رحمت کر۔“

”یہ ڈرائیور کی خالی سیٹ آپ سنبھال لیں۔“

”واہ بیٹے! جواب نہیں ہے تیرا بھی۔ شرافت علی۔“

”ساتھ بیٹھ کر تجھ پر بھی شرافت کا سایہ ہو گیا ہے۔“ وہ گھوم کر ڈرائیور کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ”اچھی بات ہے یہ تیری زبان کا چال چلن تو بدلا کسی طرح۔ اللہ نے چاہا تو تیرا چلن بھی بدل جائے گا۔“

شرافت علی نے زوردار قہقہہ لگایا۔ ”بہت خوب پیرزادہ صاحب! جی خوش کر دیا اس وقت تو آپ نے۔ ماشاء اللہ بڑے زندہ دل آدمی ہیں آپ۔ ایسے لوگوں سے مل کر مجھے دلی خوشی ہوتی ہے۔ زبان کا چال چلن، واہ کیا بات کہی ہے آپ نے؟ پھر اس نے ڈرائیور سے کہا۔ ”تم کوئی کرشنا یا نیکی پکڑ لو اور گھر واپس چلے جاؤ۔ بیگم سے کہ دو ناکل شام تک فائیں آؤں گا میں۔“

”جی بہت اچھا جناب! گاڑی کی ٹانگی قفل کرادی ہے میں نے۔“ ڈرائیور اجماعت گزاری کے انداز میں بولا۔

آبی نے ڈرائیور کو سیٹ سنبھال کر کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہاں بھائی! اجا تو آرام کر گھر جا کہنا ہمارے ساتھ رہتا ہے۔“

”اوسے تیرا دشمن کے پرتا تیرا بولنا ضروری ہے ہر معاملے میں، اپنی زبان کو روک کر نہیں دیکھ سکتا تو؟“

”اگیا اپنی اوقات پر آ کر نہ ناولیڈانی! دومنٹ بھی اپنی زبانی شرافت پر قائم نہیں رہ سکا۔“

”بگ نہیں اوسے شرافت خان کی اولاد! گاڑی آگے بڑھا جلدی سے تیری زبان چلتی ہے تو رکے گا نام ہی نہیں دیتی کسی طرح۔“

”نیشنل ہائی وے پر ہماری کار ستر اور اسی میل کی رفتار سے خڑے بھرتی چلی جا رہی تھی۔ ہم بیٹوں ہی اپنے اپنے خیالات میں کھوئے خاموش بیٹھے تھے۔ لاندھی سے آگے نکلنے کے بعد میں نے شرافت علی سے کہا۔ ”تم نے سنا تھا کہ اس بہت یہود اسنے ہمارے ساتھ آئے سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے حیران دہی کا نام لیا تھا خبر اللہ کی فون وصول کیا تھا نا اُس نے اس گھڑی؟“

”یہ تم کس بہت یہود کی بات کر رہے ہو؟ تمہاری راد الزبیر سے تو نہیں ہے؟ ہمارے ساتھ تو وہی آدمی تھی۔“

”ہاں ہاں! اسی کی بات کر رہا ہوں میں! اور کس نے فون نہ ہو کیا تھا خبر اللہ کا؟“ میں نے آہستہ میں سر ہلا کر کہا۔

”یار! ایک تو یہ تم لوگوں کو نشتہ نشتہ القابات اس قدر دیتے ہو کہ کچھ پتا ہی نہیں چلتا کس کا ذکر کرنے لگے ہو سیدھا سیدھا ہم نام لے کر نہیں بتا سکتے کسی کے بارے میں اور نہ تم نے الزبیر کو بہت یہود اس سے میں کہنا شروع کر دیا ہے؟“

”اوکیں اس یہودی کی اولاد کو تمہاری بیٹی کہنے لگوں؟ تمہارا نام لکھ دوں اس کی ولدیت کے خانے میں؟ ہو تو منظور ہے؟“

”یہودی کی اولاد! یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ کس نے بتایا ہے تمہیں کہ ان تیرہ کسی یہودی کی اولاد ہے؟ شرافت علی نے حیرانی سے پوچھا۔

”تم نہیں جانتے نا یہ بات؟ پھر بھی دعویٰ کرتے ہو کہ تم ان لوگوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ میرے بھائی! مجھے اندازہ ہی نہیں کچھ ان لوگوں کے بارے میں۔ مجھے بھی اگر لوگ امریکا نہ اٹھائے گئے ہوتے تو میں بھی زندگی بھر ان کی حقیقت نہ جان سکتا۔ اس اعتبار سے تو انھوں نے مجھے امریکائے جاکر سیکھی کی ہے میرے ساتھ۔ ایسے ایسے راز ہائے سر بہتہ کا اظہار ہوا ہے وہاں مجھ پر کہ یہاں رہ کر بھی اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بالکل کایا کھپ کر دی ہے انھوں نے میری دہاں لے جا کر۔“

”اوسے یہ کیا سن رہا ہوں میں؟ امریکا تک ہو آیا ہے تو اس دوران کیا اُس ڈاکٹر دھمن کے پیچھے وہاں گیا تھا تو؟“

آبی بولا۔

”نہیں یار! اس ذلیل دھمن کے آدمیوں نے مجھے ہانہ کر پارسل کر دیا تھا یہاں سے۔ بیرون بھر کے لئے گئے وہ میرے اندر۔“

اس کی حیرت دیدنی تھی۔ اس نے اپنے سامنے لگے اپنے میں مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا کر رہا ہے میرے یار! کسی ٹوٹیل کی تیار کر دہوری تو نہیں ہے تو؟ کوہ میرے اندر ہیر وں بھی غیظ و خروش ہے۔ اور تو نے مجھ لینے دی انھیں خاموشی سے؟“

”ہاں بھائی! ایسا ہی ہو گیا تھا میں اس سے۔ جوٹ کی پوری ہی بن گیا تھا اس گھڑی۔ اس قابل ہی نہیں پھوٹا تھا انھوں نے مجھے کوئی مدافعت کر سکتا میں۔ ایسا ہی بے دست و پا کر کے ڈال رکھا تھا انھوں نے مجھے۔ بڑی گنتی شے ہیں یار یہ لوگ۔“

”عجیب بات ہے یار تو۔ اس بار تو یہ دنیا کچھ بدلی بدلی نظر آ رہی ہے مجھے۔ تو بھی مجھ وہ جیلانی نہیں لگتا ہے اب؟“

”جن حالات سے میں گذر رہا ہوں اس دوران، اور جیسے جیسے انکشافات مجھ پر ہوئے ہیں، اس کے بعد میری سوچ کا رخ بدل گیا ہے آبی! یہ ٹھیک کہا ہے تو نے! میں بہت بدل گیا ہوں اب۔ پہلے کوئی منزل نہیں تھی میری، کوئی مقصد نہیں تھا زندہ رہنے کے لیے۔ بس ہواؤں کے دوش پر اڑنا پھر رہا تھا میں۔ وہ جہرے جاتی تھیں، دوڑا چلا جاتا تھا۔ صرف ایک اسیر

ہی مرکز نگاہ تھی۔ اسی کی خاطر خرابات کی اس دلدل میں اترنا تھا اور اترنا دھشت جلا گیا تھا کہ باہر نکلنے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تھی۔ شکر ہے اس سوختے رب کا۔ جس ڈاکٹر وحق کے ہاتھوں میں بر باد ہو کر اپنی راہ گم کر بیٹھا تھا، اسی دھن کے ذریعے سے میرے رب نے مجھے صحیح راہ بھی دکھادی۔ میری منزل جو خرابات میں گم ہو گئی تھی اب نظر آئے لگی ہے۔

پھر میں نے اسے سب کچھ پوری تفصیل کے ساتھ بتا دیا۔ وہ تمام حالات جن سے میں اس دوران دوچار رہا تھا اس کے گوش گزار کر دیے۔ ایسا میں نے اس لیے کیا تھا اس وقت کہ ایک تو ہمارے پاس اس طویل غرض میں نے زاری سے پچھنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ خاموش بیٹھے بیٹھے کیا کھٹ کا شکار ہو جاتے ہم لوگ۔ میری اس داستان کے دوران کافی سارے ملے ہو گیا اور ہمیں اس کا بالکل احساس نہ ہو سکا تھا، دوسرے میں یہ بھی جا چتا تھا کہ یہ ساری باتیں شرافت علی کو بھی معلوم ہو جائیں مگر وہ یہ اچھی طرح جان لے کہ جن لوگوں کے لیے وہ اب تک کام کر رہا ہے، ان کے عزائم کیا ہیں اور نااہلی میں وہ اسی شام کو کالے ڈال رہا ہے جس پر اس نے اپنا آئینہ بنا رکھا ہے۔ میں نے اس میں زندگی کی تواتر محسوس کی تھی، اسے منہ پر کچھ نہیں سے لیے عین ہوتے دیکھا تھا۔ اس لیے مجھے یہ یقین تھا کہ حالات کا صحیح علم ہونے کے بعد وہ ضرور تائب ہو جائے گا۔ اس کا اختیار بھی مرا نہیں تھا۔ اس کے مصائب اور ضرورتوں نے اسے تھک چکا تھا کہ کسلا دیا تھا اور جب آدمی کا ضمیر زندہ ہو تو وہ کسی وقت بھی راہ راست اختیار کر سکتا ہے۔ پس ذرا اُسے بچانے کے لیے جدوجہد کرنا پڑتی تھی غور ہی۔ اور میں نے اس شرافت علی کے سسے میں اپنی کسی کوشش کر ڈال تھی۔ میرا خیال تھا اگر وہ خصوص دل آور تک نہیں سے میرا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہو جائے تو ہم زیادہ آسانی کے ساتھ یہاں موجود ہوئی ایکٹوں کا خاکہ کر سکیں گے۔

آبی اور شرافت علی دونوں ہی حیرت سے گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کی زبانیں ساتھ نہیں دے رہی تھیں ان کا۔ پوری کہانی سننے کے دوران ان میں سے کسی نے بھی کوئی سوال نہ کیا تھا۔ حیرت سے انکھیں پھاڑے، خاموش بیٹھے سستے ہی رہے تھے۔ میں خاموش ہوا تو آبی نے لگا کر مڑکے ایک کنارے لگا کر روک دیا۔ میں نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ ہمارے کیوں روک دی تم نے؟

”جسے کہ جا رہا، کیسی بولناک باتیں بتائی ہیں تو نے بول گئے مگر بے کویے میں میرے۔ میرا پورا بدن پسینے میں شرابور ہو

گیا ہے۔“ انگریز کی منہ بھرے رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ بار بار ہجر جارہا ہے ہاتھ سے۔ آبی نے دعوای سے ہاتھ صاف کر کے کہا۔ ”مجھے حیرت اس بات پہ ہے کہ ایسے خوف ناک لوگوں کے درمیان تیرے ہوش حواس کس طرح قائم رہے۔ جیلانی اور تو نہیں سمجھتا تھا میں تجھے یار، چھوٹے موٹے پولیس مقابلے تو اور ڈاکے اور چڑیاں۔ ان میں زندہ بقاء کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ نہ منصوبہ بندی کی، ہمیں جہاں جو اوقات چیل گیا استعمال کرنا، مگر ایسے تربیت یافتہ، منظم اور جانبدارہ لوگوں کے مقابلے لیے تو بڑی سوجھ بوجھ درکار ہوتی ہے۔ کس طرح ڈان دینے میں کامیاب ہو گیا تو نہیں؟“ کوئی سی گیدڑ سنگتی نکلتی تھی، نے انھیں کہ نہ صرف وہ تیری آزادی پر آمادہ ہو گئے بلکہ انھوں نے اپنی آخری اکم کارکن بھی ساتھ کر دی تھے؟

”یہ سب میرے سوچنے رب کی مرافی سے ہو گیا ہے۔ آبی! میری نا تجربہ کاری اور ناڈی پن ہی خفاں بن گئے۔ میرے۔ وہ مجھے تربیت کے مراحل سے گزارا کرتے سہانچے میرے ڈھلنے کی آرزو میں مات کھائے مجھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ خدایا کو میری بہتری منظور تھی جو اس نے میرے لیے کوشش نہ رحمت بنا کر رکھ دیا تھا۔ اگر وہ مجھے نہ ملا تو آزادا نے میرے سہنے ان کا کچھ چھٹا نہ رکھ دیا ہوتا تو انھوں نے اندھیرے میں رکھا۔ اس الزبحہ کی زخموں میں بڑھ کر جکڑ دیا تھا مجھے۔ جس انداز سے وہ آخر کار تھی محبت اور مصروفانہ انداز میں اس نے جال ڈالا اور مجھ پر اس سے کچھ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا میرے لیے۔“

”ہاں یہ اللہ نے بڑا کرم کیا ہے ہم سب پر جیلانی! میں تو سوچا بھی نہیں تھا کہ کسی کے جسے میں ایک مٹولی سا اختیار کی اسمگلنگ کا کام سمجھ کر ٹوٹ ہو گیا ہوں، اس کے لیے یہ اتنا خوف ناک اور تباہ کن منصوبہ بنا کر تکلیف پہنچا جا رہا ہے کسی ذلیل قوم پر یہ اپنی بڑی کے لیے ساری دنیا کو تباہ کر کے لیے تیار ہو گئی ہے۔ ایسے سیاہ دیا ہوئے ہیں یہ۔“ شرافت علی نے کہا۔

”اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کی نافرمان قوم کیوں کہلاتی، ہی لعنتی ہیں یہ، انسانوں والی تو کوئی بات ہے، یہ نہیں آبی نے کہا۔

”ہاں یار! کچھ جیلانی نے بتایا ہے، اے میں کہ تو نے قائم کی جا سکتی ہے ان کے لیے۔“ شرافت علی نے کہا۔

”اب آگے بھی چل بھائی! یہ ساری باتیں میں نے لیے تو نہیں بتائی ہیں تمھیں، کرم گاڑی روک کر رات ا

میں ہی گزارنے کا پروگرام بنا لو۔ یہ بھی یاد رکھ میرے ویر کر ہیں جلد از حد تھیل گاؤں کی اس حویلی پر پہنچنا ہے، جہاں لاکھو لاش کی قیام پزیر ہے۔“

”اوہ۔“ آبی نے جلدی سے کاراٹھارٹ کر کے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”تو نے تو ہوش ہی گم کر کے رکھ دیے ہیں میرے۔“ شرافت علی نے بڑے ہی جذباتی انداز میں میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دباتے ہوئے کہا۔ ”جیلانی! میرے جیلانی! میں سخت شرمندگی محسوس کر رہا ہوں، میرا سینہ پھٹا جا رہا ہے اس خیال سے کہ میں اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے آرام و آسائش کے لیے اب تک اپنے ملک کی بڑی کھوکھلی کرتار رہا ہوں۔ اپنے اس پیارے وطن کی جس کی بنیادوں میں میرے اہلداد کو مشاغل ہے۔ جسے ہم نے لاکھوں سمندر عبور کر کے حاصل کیا تھا۔ کتنا ذلیل ہوں میں کیسی بیچ کرکت کی ہے میں نے اپنے بزرگوں کا، اپنی ان ماؤں اور بہنوں کا مونچہ تار ہوا ہوں۔“ جنھوں نے خود کو اس لیے خاک کر دیا تھا کہ سب آزادی کی فضا میں سانس لے سکیں۔ دنیا کی دوسری آزاد اور خود مختار قوموں کی طرح ہادی بھی کوئی شناخت ہو، کوئی پیمان ہو ہماری، زمین کا ایک خطا ایسا بھی ہو جسے برصغیر کے مسلمان اپنا ملک سکیں، اور اس کے نام سے اپنا تعارف کر سکیں، اقوام عالم کے سامنے۔ اسی عظیم مقصد کی خاطر آتی قربانیاں دی تھیں انھوں نے۔ اور اب جب کہ پاکستان ہماری پیمان بن چکا ہے۔ دنیا میں پاکستانی کی کمرہ پرکھانے لگی ہے، مجھ جیسے ناقبیت نا اندیش دے کے بجا دینے کے لئے غصے سے خاکے کے لیے اس ملک کو تباہ کر دینے کی جگہ دو میں لگ گئے ہیں۔ کیسے ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن ہو گئے ہم یار، ہوس زمین مبتلا ہو کر رنگ نہیں سوچتے کہ ہم کر کیا ہیں؟

”ہاں بھائی! ایسی توبہ مستی ہے ہماری، کسی کی کوئی اچھی بات سمجھ ہی نہیں آتی ہے ہماری۔“ سب الوطنی اور قوی بھرتی لگا رہی دیا نے کی بڑھنے لگی ہیں ہمیں کچھ لوگ اپنی غریبوں کو ہلکا بنا کر اس ملک کی آزادی کو نیلام کر دینے کے دہلے ہیں اور کچھ اپنی بڑائی کے زعم میں اس کی بنیادوں پر فرائض لگانے میں مصروف ہیں۔ ایسا لگتا ہے ٹوٹ چکی ہیں، کچھ جس کے ہاتھ لگ جاتے حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ پتا نہیں کل کیا ہو، کچھ کپاتی ہی ہے یا نہ رہے۔ ہر شخص اپنا حال درست کر لینا چاہتا ہے مستقبل کی کسی کو کچھ غور نہیں ہے۔ عجیب فرائض کا عالم ہے یار! میدان شتر کا سامنظر ہے کچھ۔“

”جیلانی! یہ باتیں کہاں سے بھیجی ہیں تو نے؟ کس درس گاہ میں جا بیٹھا تھا جھانی تو؟“ پسینے میں کبھی تیرے منہ سے ایسی باتیں نہیں سنیں۔ سچ بتاؤ تو میرا یار غلام جیلانی ہی ہے نا؟“ آبی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

”یوں حیرت کا اظہار نہ کر میرے یار! جو کچھ میں دیکھ آیا ہوں امریکا جا کر جو علم حاصل ہوا ہے مجھے وہاں، اگر کوئی بھی وہ سب کچھ دیکھ اور جان لیا ہوتا تو تو بھی ایسی ہی باتیں کر رہا ہوتا اس گھڑی۔“

”میں تو تیری زبانی ساری باتیں سن کر ہی جوش کھلنے لگا ہوں، میں اگر وہاں تیری جگہ ہوتا تو میرا دماغ ہی اُلٹ جاتا۔ میں تیری طرح گمراہی میں اتر کر نہیں سوچ سکتا تھا۔ غضب ناک ہو کر تمام کی پروا کیے بغیر چار چٹاناں رڈیوں پر، بوٹیاں کر دیتا ان سور کے بچوں کی یا غلام جھانی آبی بہت ہی خوشوار لہجے میں بولا۔

”یہ تو کوئی سمجھو داری کا کام نہیں ہوتا آبی! اس سے ان کی وہ ریشہ دوانیاں جو ہمارے ملک میں جاری ہیں ختم نہیں ہو سکتی تھیں۔ نہ ہی ان میں کسی طرح کا کوئی تعطل پیدا ہو سکتا تھا۔ تم اگر وہاں ان کے دس بیس آدمی بھی مار کر مرنے جاؤ تو اس سے ہمارے ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہاں کسی کو پتا بھی نہیں چلتا ان کے عزائم کا۔ تیری قربانی راہیگاں ہی جاتی پیارے بھائی! اب ہم یہاں ایک بڑی عظیم قائم کر سکتے ہیں ان کے خلاف، ایسا انتظام کر سکتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کے ایک یا دس بیس آدمیوں کو مار کر بھی وہ یہاں آزادی سے کام نہ کر سکیں۔ بڑے تحمل کی ضرورت ہے آبی! ہمیں جوش میں آکر اگر کوئی قدم اٹھا بھی لیا ہم نے تو اس سے ان کا کوئی بڑا نقصان نہیں ہوگا۔ ہم چند آدمیوں کو ٹھکانے لگا کر وہ پھر پوری سندھ سے اپنے کام میں مصروف ہو جائیں گے، کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی انہیں اس کام میں۔“

”جیلانی! ٹھیک کر رہا ہے آبی۔“ شرافت علی نے بھی میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”اتنی بڑی تنظیم کا مقابلہ ہم دوچار آدمی نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے کوئی ایسی ہی تنظیم ہونا چاہیے ایسی منظم اور مضبوط تنظیم جس کے کارکن شہر شہر، قصبہ قصبہ اور گاؤں گاؤں میں موجود ہوں اور ہر جگہ ہمارا پران کو شکست دے کہ یہاں سے بھگتے پر مجبور کر دیں۔ اس کے لیے ہمیں محب وطن لوگوں کو تلاش کر کے انہیں وطن پر، بڑی سلامتی کے لیے اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کرنا ہوگا۔ ایسے لوگوں کی

113

نہیں ہے ہمارے ملک میں جو پاکستان کی بقا کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ہمیں تو انہیں دشمن کے ارادوں سے باخبر ہی کرنا ہوگا۔ یہ معلوم ہوتے ہی ہر شخص ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے گا لیکن لوگوں کو اپنی صف میں شامل کرتے ہوئے ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی کالی بھیڑ ہم میں نہ گھس آئے۔

”تو نے تو میرے بھائی! اپنی خامی منصوبہ بندی کر ڈالی بیٹھے ہی بیٹھے۔ یہ باتیں سوچنا جتنا آسان ہے، اس عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ کسے کے یہ داستان سننا کبیرے کا ادرکس کس کو اس کی سچائی کا یقین دلانے کا تو؟ میں نے پوچھا۔

”اس کی تم حکمت ذکر وجہائی! وہ کسی دانائے کلمہ ہے ناگ چار آدمی اگر ہر خیال ہو جائیں تو انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ اب ہم تین آدمی تو ہو رہے ہیں؟ ایک کو اور سا نڈھ ملا لیں گے۔ سپریم ہم جارمل کر اپنے اپنے حلقے احباب میں جا کر دعوتیں ہوتا بنانے کی کوشش کریں گے اور دھن سے شامل ہونے والے اس سے آگے جا کر کام کریں، اسی طرح ایک سے دوسرے تک رسائی ہوتی جائے گی اور بہت جلد ہمارا منصوبہ عملی شکل اختیار کرے گا۔ کام مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔

”ہوں۔ کتنا تو ٹھیک ہے تو بھی، تیری بات دل کو گنتی ہے۔ میرے ذہن میں اسی لمحے سیٹھ قاسم کا نام آجھرا۔ وہ بھی شرافت علی کی طرح تو بہرے کے راہ راست اختیار کرنے کی بات کر رہا تھا مجھ سے۔ میں نے شرافت علی سے کہا: ایک اور نام یاد آیا ہے مجھے اس لمحے تیری ہی طرح کے ایک اور شخص نے بھی اس راہ پر تکرار کرنے کی بات کی تھی مجھ سے۔ وہ بھی بہت بیزار بیزار سا تھا اس کام سے۔ کہہ رہا تھا اب وہ تو یہ کر لینا چاہتا ہے ہمیشہ کے لیے۔

”نہوں ہے وہ؟ کس کا ذکر کر رہے ہو تم؟ کیا میں بھی جانتا ہوں؟

”ہاں، تم نے ہی تو ملایا تھا، اس سے مجھے۔ وہ اپنے سیٹھ قاسم کی بات کر رہا ہوں میں۔

”کیا کہہ رہے ہو جیو جیو! تمہیں دھوکا تو نہیں بولے کہیں؟ وہ ایسی بات کہہ سکتا ہے، یہ تو سوچا جا بھی نہیں جاسکتا کہیں؟

”نہیں پرانے بھائی! مجھے بالکل دھوکا نہیں ہوا ہے۔ میرے کان بہت صاف تھے اس وقت اور سماعت کی قوت بھی پوری طرح بحال تھی۔ اس نے مجھے تنہائی میں یہ باتیں کہیں اس لیے تم لوگوں کو اٹھا دیا تھا وہاں سے۔

”کیا کہہ رہے ہو؟ اس رات دوڑ کے لے جیو ہی بات کی تھی اس

خاص تھا اور اس کے شہنشاہی کا غذات انتفاخ اس کے ہاتھ سے تھے جن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے میرے پاکستان بچنے کا انتظام کر دیا تھا۔

”یعنی تم جن کا غذات کے ذریعے پاکستان واپس آئے ہو وہ سی شاہ کے تھے؟ قاسم کے بیٹے شاہ کے؟

”ہاں تمہیں میں معلوم تھا کیا جو تم اس طرح جبرست کا نظما کر رہے ہو؟ میں نے اسے حیران ہوتے دیکھ کر کہا۔

”میں تو معلوم تھا مجھے کہ تم کسی شاہ حسین کے پاس پورٹ روڈ آئے ہو لیکن وہ سیٹھ قاسم کا بیٹا شاہ ہے، یہ نہیں جانتا تھا میں۔ اور یہ سوچا بھی کیسے جاسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنا سپورٹ وغیرہ تمہیں دے کر پاکستان بھیج دے گا۔ درود وہیں کہیں رو پڑو، جو جانے گا۔ اس کی وجہ بھی مجھ میں نہیں آتی ہے کوئی۔ آخر اسے ایسا کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ اگر لکھائے کہ وہ چند لاکھ کی رقم جو اسے دھن سے وصول کرنا تھی، ہم کر کے کی خاطر غائب رہا ہے تو یہ بڑی احمقانہ بات ہوگی۔ وہ بیٹھ قاسم کی روڈوں کی جائداد اور تمام دولت کا وارث ہو کر ایسی باتیں سوچے گا؟

”تو تمہارا خیال ہے کہ وہ کسی وجہ سے خود ہی غائب ہو گیا ہے؟

”کیوں؟ میں نے سوال کیا۔

”لوگ ایسا کہتے ہیں، مگر یہ بات میرے صحن سے نہیں نکلے۔ میرا اب شک تو یہ خیال تھا کہ اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ پتے نہیں خیال تھا یہ تمہارا، اب خیال بدل گیا ہے کیا؟ میں نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں اب خیال بدل گیا ہے میرا، اب میں پورے فرقے سے کہہ سکتا ہوں کہ دھن نے اسے بے دست دیا لے کے ڈال دیا ہے کہیں۔ اور اس کے کا غذات پر تمہیں انسان بھیج کر سرکاری کا غذات میں اس کے واپس چلے جانے کا پورے وراہم کر دیا ہے۔ اب اگر وہ دھن کے چنگل سے آزاد بھی ہو گیا تو واپس پاکستان نہیں آسکے گا۔ وہیں جگمگا ہونے لگا۔ سانا فرانسکو حبیبی دراز راز سیاست بل اس کے لیے کا غذات کے بغیر اپنی شناخت کرنا آسان نہیں ہوگا۔

”تم سنا اپنی داشت میں بالکل صحیح اندازہ قائم کیا ہے لیکن تم لوگوں کو دھن کی ذرہ فصاحت سے واقف نہیں ہو پوری طرح۔ تمہارے اس انداز سے کہیں دھوکا نہیں آتی ہے۔ اس نے دھن کو کافی شہنشاہی تھا اب میں اسے بالکل درست طریقے پر سمجھ گیا۔ اس کی ساری حقیقت عیاں ہو گئی ہے جو مجھ سے اس کے لئے کوئی سے زیادہ میں جانتے شرافت علی۔

”کیا سمجھا ہے تم نے؟ مجھے بھی بتاؤ تاکہ میں بھی جان سکوں کہ اس کے بارے میں؟ شرافت علی نے کہا۔

”اس نے تو مجھے بتایا تھا کہ شاہ پاکستان سے یہ فرقہ فوج کی خدمت سے امریکا آیا تھا۔ وہ نیویارک کے لیکن ہول میں جھپٹا ہوا تھا یہاں دو امریکی نو جوانوں سے اس کی دوستی ہو گئی۔ وہ دونوں اسے اپنے ساتھ سان فرانسسکو لے آئے، یہاں آکر سرورگ بار کر کے ہوئے وہ گاڑی کی زبردستی کرنا شروع ہو گیا سانس کے دونوں ساتھیوں نے اسے زخمی حالت میں دھن کے کھونک پہنچا دیا اور خود کہیں غائب ہو گئے۔ شاہ کی حالت اتنی نازک تھی کہ دھن کو اس کے کھینچنے کی ایک فصد بھی امید نہیں تھی، پھر دھن اس نے اس کی جان بچانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ شاہ کے مرنے کے بعد دھن نے اس کے کا غذات سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں، تو اس کے داغ میں یہ بات آئی کہ ان کا غذات کو مجھے پاکستان بھیجنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے پانچ اس نے وہ تمام چیزیں جسے شاہ کی شناخت ہو سکتی تھی حاصل کر کے چھپا دیں اور وہ لوہیس کو اس کے زخمی حالت میں کھونک پہنچائے جانے کی اطلاع دے دی۔

”... پولیس جب کا پیجاگ دوڑ کے باوجود اس کے بارے میں کچھ نہ جان سکی تو اس نے شاہ کو لاوارث قرار دے کر اس کی تدفین کر دی اور یوں اس کا قبضہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا، لیکن جو ہر کی بیٹی پر پہنچا ہوں کہ نیویارک کے لیکن ہول سے شاہ نے کہا ہے دھن سے رابطہ قائم کیا ہوگا کبھی اس کیسے نے شاہ کو آدھا پڑنا لگانے کا منصوبہ بنایا ہوگا۔ اسی منصوبے کے تحت اس شاہ کو نیویارک سے لے کر آئے تھے۔ چنانچہ پاس بلکر انسدادی رہ کے اس پر واری نے دھوکے سے اس کے گرو سے نکال کر بیچ لکھا ہوں گے اور پھر کی لاش کو کی جگہ ڈال کر اسے ایک ہیڈنٹ کا کیس بنایا اور اپنے کھونک میں واپس منگوا کر اس کے حادثے میں ہلاک ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا۔ پولیس بے چاری اس ذلیل آدمی کو آٹا ہری شرافت سے دھوکا کھا گئی اور اسے لاوارث قرار دے کر دفن کر دیا۔ اس طرح اس کے لئے ایک تیسرے تین شکار کر لیے۔ یعنی سیٹھ قاسم کا روبرو ہضم کیا، شاہ حسین کے گرو سے بیچ کر مزید لایا، کیا اور اس کے کا غذات کے ذریعے مجھے یہاں بھیج کر وہ میرے بھی اسنگل کر دیے۔ دیکھا کیسا سور کا بچہ ہے وہ بیویوں کا زہر خیر غلام!

”یعنی وہ... سیٹھ قاسم کا بیٹا... قتل ہو چکا ہے؟ ہر جگہ ہے وہ۔ یہی کہہ رہے تھنا تم؟

”ہاں بھائی! یہی کہہ رہے ہیں کہ اسے قتل کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ اسے دھن ہی نے قتل کیا ہے۔



جانتے تھے۔ بیشتر ممالک سے نکالے گئے کئی ملکوں میں ان کا داخلہ بند کیا گیا مگر یہ.... لوگ تنہا کے نہیں بیٹھے کبھی اولڈلٹر اپنے لیے ایک ملک حاصل کر ہی لیا اس مقصد کو حاصل کرنے کے بعد بھی وہ سکون سے نہیں بیٹھے ہیں۔ اب اقوام عالم پر برتری حاصل کرنے کے لیے ملک و دوکر رہے ہیں۔ دوسروں کو زور و خود کو طاقت و رہنمائی کے لیے سارے حربے، سارے وسائل استعمال کر رہے ہیں اور اگر جہاز ہی حال رہا تو انھیں کھول کر اپنے اطراف ہونے والے تماشوں کو کھنسنے کے بجائے یوں ہی بند باندھتے ہیں مصروف رہے تم تو، ایک روز وہ اپنے اس مقصد میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ ملا مراد اقبال نے بالکل درست کہا ہے۔ جس قوم کو اپنی حالت بدلنے کا خود ہی خیال نہ ہو، خدا اس کی حالت بھی نہیں بدلتا۔

”بڑی دانشوروں جیسی باتیں کرنے لگا ہے جیلانی! تیرا تو یار علیہ بدل گیا ہے بالکل۔ کیا یہ کیا ہے تو؟“

”میری انھیں کھل گئی ہیں آبی! اینڈرٹوٹ گئی ہے میری۔ اور جب آدمی انھیں کھول کر دیکھنے اور احوال کو سمجھنے لگتا ہے تو خود بخود دانش بھی آجاتی ہے اس میں، اور لوگ دانشور کہنے لگتے ہیں اُسے۔“

اسی لمحے ہماری کار اس سڑک کے موڑ پر جا پہنچی جو نہری طرف ہوتی تھی۔ آبی نے کار کو اس سڑک پر ڈالتے ہوئے کہا: ”جہاں! آگئے ہم اب منزل کے قریب۔ بس یہی کوئی آدھا پونہ گھنٹہ اور لگے گا ہمیں۔“

میں نے گھڑی دیکھی۔ تین بجنے میں چند ہی منٹ باقی رہ گئے تھے لیکن صبح ہونے میں ابھی غامض دیر تھی۔ میں نے آبی سے کہا: ”یار! ابھی تو دن کا آجالا پھیلنے میں بہت دیر ہے۔ میں کھتا ہوں رات کے اس پہر میں لاکھوں لاشوں کی توبلی کا بو ہا کھڑا کیا کچھ مناسب نہیں ہوگا۔ دن کی روشنی میں ہی پہچاننا چاہیے میں وہاں۔“



”اور جو باتیں کی ہیں وہ غلط نہیں ہیں۔ وقت آنے پر سب سے پہلے اسی کی گردن اڑانا ہے مجھے۔ وہ ہر دیکھتا ہی یہاں ڈوریل ہار رہے بیٹھا ہوا۔ اصل آدمی تو دی ہے۔“

”کیا دیکھتا تھا تم نے وہاں؟ اور کیا باتیں کی تھیں یا با صاحب نے؟“

”ہر اونیوال ہے کہ وہ کوئی اور ہوگا جس سے تم ملے ہو گے۔“

”دیکھو شرافت علی! میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا ہوں کہ تم میری ہر بات کو بے چون و چرا تسلیم کر سکتے جاؤ۔ اگر تمہیں یقین نہیں ہے میری کسی بات پر تو اچھا یہی ہے تم خود معلومات حاصل کر دو اس کے بارے میں اپنا اطمینان کرنے کے لیے۔ ویسے مجھے پورا اطمینان ہے اس سلسلے میں۔ لڑی اور جبرائیل سے مزار ترک کر کر مخاطب کر رہے تھے۔ مجھ سے انھوں نے اس کا تعاون ترک ہی کی حیثیت سے کرایا تھا۔ انھیں اگر یہ معلوم ہوتا کہ میں ان سب کی اصیت سے آگاہ ہو چکا ہوں، اور انہیں صرف نیکیات کے اسمکھوں کی کسی چری تنظیم سے وابستہ ہی نہیں سمجھتا بلکہ ان کے خلاف سے بھی پوری آگاہی رکھتا ہوں تو وہ بھی میرے سامنے اسے اس کے اصلی نام سے مخاطب کرنے کی غلطی نہیں کرتے اور نہ ہی مجھ پر اس درجہ اعتماد کرتے۔ یہاں انہیں اختیار ہے کہ میری جو بات تمہیں مشکوک معلوم ہو، اس کی حقیقت جاننے بغیر اس پر یقین مت کرو۔ آدمی کو کسی طرف سے ٹک دیشے میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے۔“

”میں شک نہیں کر رہا ہوں تم پر، یہ خیال ہے میرے دل کی کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو گے۔ بات صرف اتنی ہے بیان کرنا اب اسحاق کو عام میں جو مقام حاصل ہے اور جو شہرت ہے ان کی تمہاری باتیں اس سے بالکل ہی متضاد ہیں۔ بات ذہن بول نہیں کر رہا ہے کہ ایک ایسا ایک نام اور دین دار شخص فراڈی نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کی بے ساری عبادت و ریاضت، سارا زہد تقویٰ عمل دکھا رہا ہے اور وہ شخص حقیقت میں مسلمان ہی نہیں ہے۔“

”ایسا ہی جوتہ ہے میرے بھائی! تو میں یوں ہی گورہیے اور پھر ملنے لپہے خروج حاصل نہیں کر لیتی ہیں۔ بڑی محنت کرنا پڑتا ہے الزام کو خود کو فنا کر دینا پڑتا ہے، مٹی میں ملا دینا پڑتا ہے، نکات کو سادے عیش و آرام سے بے غماشی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بس کہیں کہیں لٹیر گزرنے کے بعد سر ہندی نصیب ہوتی ہے۔ اسے جسے تن آسان لوگ جنھیں دوسروں پر تنقید کرنے اور ان کے عیب لگانے کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہے کبھی کوئی مقام اس تک نہیں کر سکتا۔ اب یہی دیکھو! یہ بیوہ ایک قوم کی حیثیت سے ان کو نمونہ اور اپنے لیے ایک ملک حاصل کرنے کے لیے فخریوں سے جہد و جہد کر رہے تھے۔ جہاں جاتے تھے دھتکار

کے کو جی ہائے لگاتے تیرا؟“

”اے چپ کر جاؤ جیلانی! غصہ دلانے کا مجھے تو رکھ ابھی اسٹیجنگ ہاتھ میں ہی ہے میرے۔“

”تایمر سے بچتے! انا۔ ایسی باتیں نہ کر بیٹھے! ابھی تو ہر کام کرنا میں نہیں سمجھتا سادہ رکھ کر تو کر گیا تو میں! کیسے کیسے! آگے سے سارے کام۔ جہاں شرافت علی! تو ہی سمجھا یا اسکر اتشن زیر پا کو۔“

”چپ ہو جا یا! تو نے مجھے اٹھا کے رکھ دیا ہے ہر طرح سے کیسی غفلت کی نیند میں ڈوبا ہوا تھا میں۔ یہ باتیں کوشش ہی نہیں کی کبھی کہ دولت حاصل کرنے کی دھن بڑی میں جا آ رہا ہوں میں اور یہ جو الٹو تیرے ساتھ لگا کر آ رہا ہے یہاں تک اور جس طرح اپنے خاص خاص آدمیوں سے متاثر کر رہی ہے مجھے، اس کے پس پشت کوئی بہت ہی اہم کار فرما نظر آتا ہے مجھے۔ یہ لوگ بہت زیادہ ہی اعتماد کر رہے ہیں تجھ پر۔ جیسی تو اس چیز کو بے نقاب کر دیا ہے تجھ پر۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس کا اصل نام جبرائیل ہے۔ ر ایکو نڈر ہی کے نام سے جانتے ہیں اسے اور جبرائیل کے طور پر پہچانا جاتا ہے وہ۔ ایک بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔“

”اب کیا بات رہی گئی ہے سمجھنے کے لیے؟ کوئی سبب سمجھنا چاہتا ہے بڑے بھائی! تو میں نے پوچھا۔“

”وہ جبرائیل یا الیکو نڈر جو جی ہے وہ تمہیں اد کو اب اس کے آستانے پر کیوں لے گیا تھا؟“

”تیرے اس بابا صاحب عامل کامل کی اصیت سے کرنے کے لیے۔ آئی مجھ؟“ میں نے جواب دیا۔

”ابا صاحب کی اصیت! کیا مطلب ہے تیرا؟“

”کا؟ اب کوئی اور انکشاف کرنا چاہتا ہے کیا؟ اس حیران فانی سے پوچھا۔“

”اے انکشاف کے بیٹے! تیرا وہ بابا اسحاق بہت دیکھتا آدمی ایک دم منہ ڈاڑھے، بے تباہا ہوتا ہوں میں۔“

”کیا کر رہا ہے غلام جیلانی! تو بکر دل سے۔ معافی! ایسے کامل بزرگ پر ہتھان باندھ رہا ہے۔ کون لیتیں کر۔ اس بات پر اور کسی کے سامنے ایسی بات کی تو نے توان عقیدہ مند زندہ نہیں چھوڑیں گے مجھے۔“

”مجھے ضرورت، یہی کیسے کسی سے کہنے کی تیرا حق تو میں نے بتایا ہے تجھ۔ یقین نہیں آتا تو کہ مجھ؟ فرق نہیں پڑے گا اس سے۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے

”یہ تو بہت بڑا ہوا ہے جیلانی! برباد ہو گیا ہے وہ بیٹھ قاسم تو۔ ایک ہی بیٹا تھا اس کا اسے اس قاسم نے یوں چھین لیا اس سے صرف چند ٹوکوں کی خاطر جان لے لی ہے اس نے اس عزیز کی۔ کیا کیا ہے اس عزیز کو دولت کی دیکھ کے لیے لگا رہا ہے وہ دولت کے بہنار؟ آفت خدایا! ایسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں تو نے اس دنیا میں۔“

”ہاں، بیا شرافت علی! ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں دنیا میں۔ رڈیوں کو جب اختیار مل جاتا ہے تو ایسے ہی ہو جاتے ہیں وہ۔ رزق حرام آدمی کو انسان نہیں سمجھتے دینہ ہے میرے سار! اور وہ کچھ تو مجھے حرام ہی حرام ہے۔“

”ہاں بھائی! اگر وہ میں امدھ لے یہ بات اور عہد حاصل کرتا رہا اس سے۔ اس لیے بار بار حرام سے بچنے کی کوششیں کی جاتی ہیں ہم لوگ سمجھتے نہیں ہیں ان باتوں کو اور انہیں معمولی سمجھ کر نظر انداز کرتے رہتے ہیں لیکن تم نے دیکھا یہی مولیٰ سی بات آدمی کو درد نہ بنا دیتی ہے ایک دن؟ آئی نے نام نہان اڑانیں کمال۔“

”میں نے نہیں کر کہا۔ تو تو چپ بیٹھارہ و اعظمی اولاد! تو نے تو مجھے زندگی میں کبھی حرام کے مل کو لکھتے نہیں لگایا ہے۔ بڑے پاپا کے لیے کمان کا تھار ہے نا تو اسی لیے تو پولیس بھی پھرتی

میرے ذہن کے نہیں اڈے ذلیلانی! سارا ذوق خواب کر دیا اسے کی طرح تو بک نہیں اڈے ذلیلانی! سارا ذوق خواب کر دیا اسے۔ میں نے کہا تو بس انھیں بند کر کے سیدھی دوڑائے چلا جا رہا مجھے اس کا ڈیڑھ کچھ ہوش بھی ہے مجھے۔ آہ! اس نے گئے ہیں؟“

”دفتر کھلتے کرتے! مجھے تو میں نے سیدھا دیا ہے سندھ میں لے جا کر غوطہ دینا ہے۔ نیچے انھیں کھلیں گی تیری۔ ایسے خنجرانی نظر آئے گا مجھے کچھ۔ دیکھنا نہیں ہے شکار پوہ کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں ہم اور آگے و سڑک آئے والی ہے جو ہمیں سیدھی لگاڑی خنجر لے جانے لگی۔ اور خنجر ہی ڈال دیا گا لیں گاڑی کو اور خنجر بھونک کر کے سیدھے مٹھل گاڑیں گے ہم۔ بالکل اسی جگہ کا گھر ہیں گے جہاں اس لاکھوں لاشوں نے توبلی کھڑی کر رکھی ہے۔“

”اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ سارا راستہ کٹ گیا اور زمین باتوں میں کچھ بتا ہی نہیں چل سکا۔“

”باتیں بھی تو ابھی ہی شروع کر دی تھیں تو نے جنھوں نے ہوش کم کر کے رکھ دیا ہے مجھے ہمارے سڑک کر منزل پر بغیر ریت سے چھڑا رہے ہوں مجھے، درد کئی بار ہی چاہتا تھا کہ کسی تار و رخت سے دے ارون گاڑی کو۔“

”آنا غیرت مند کہ سے ہو گیا ہے تو کہ ایسی باتوں پر غصہ کشتی

رات کے اکر بہر میں دروازہ نہیں کھولیں گے ہمارے لیے ۔  
 ” نہیں ۔ یہ بات نہیں ہے ۔ سمجھنے کی کوشش کر یاد رہیں  
 ابھی وہاں کے حالات کا کچھ بھی علم نہیں ہے ۔ اس حیدر سے یہی  
 تو معلوم ہو چکا کہ اسیر گھوڑی ہے لاکھوں لاشوں کی طرف ، لیکن یہ تو بتا  
 نہیں ہے ابھی کہ وہ وہاں پہنچی بھی ہے یا نہیں ۔ اگر وہ ابھی نہیں  
 پہنچی ہوگی تو ہم خواہ مخواہ ہی جا بیٹھیں گے ان کے ۔ اور ایک ناکوہ  
 سنگہ کی مزاح سے ڈالیں گے ان کو اور اگر اس نے وہاں پہنچ کر  
 کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے تو وہ پہلے ہی سے تیار ہوں گے اور ہمارے  
 پہنچنے ہی سے غلغلے کا موقع دے دیں ۔ چپ چاپ لیں گے یہیں ۔ اس لیے  
 میں چاہتا ہوں کہ راستے میں کہیں ٹوک کر پہلے ہمیں لاکھوں کی جوبلی  
 کے حالات معلوم کرنا چاہئیں ۔ پوری آگاہی کے بغیر قدم نہیں دھرنے  
 چاہیے اس جوبلی کے اندر ۔  
 ” ہاں ، یہ تم نے ٹھیک سوچا ہے جیلانی ! پوری طرح  
 معلومات حاصل کیے بغیر نہیں گھسنا چاہیے یہیں وہاں ۔ شرافتیں  
 نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا : ” اندھیرے میں کہیں ہم مارے  
 ہی نہ جا جائیں وہاں جا کر ۔  
 ” پھر ایسا کرنا آئی ! راستے میں ادھر ادھر نظر سے دوڑتے  
 چلتے ہیں ۔ کہیں کوئی مرنے یا مسافر خاندان قسم کی کوئی جگہ نظر آئے تو  
 ادھر ہی سے چلنا پڑے گی ۔ رات کا بقیہ حصہ تو وہیں گزار لیں گے تم  
 میں نے آئی ہے ۔ کہا ۔  
 ” ٹھیک ہے ، مجھے یاد پڑتا ہے کچھلی بار جب ہم ادھر  
 آئے تھے تو میں فلاں سڑک کے ساتھ ہی ایک ایسی جگہ دیکھی تھی جہاں  
 مسافروں کے آرام اور دیگر چیز جو کوئی مونی ضروریات کا کچھ انتظام کر رکھا  
 تھا کسی نے مارا بھجوا بھی تھا مگر وہ تو وہیں ٹوک جاتے ہیں ہم ۔  
 ذرا غور سے دیکھتے ہوئے چلا ، رات کے اندھیرے میں یہ شکل ہی  
 سے نظر آئے گی وہ جگہ ۔  
 ” ٹھیک ہے ہم دیکھتے چلتے ہیں ، تو گاڑی کی رفتار دھیمی  
 کر دے ۔ پس آرام آرام سے غلغلے کے انداز میں چلتا رہو ۔  
 آئی نے گاڑی کی رفتار بہت کم کر دی ، اور اسے دیکھنے کے  
 انداز میں آہستہ آہستہ آگے بڑھانے لگا ۔ شرافت علی نے کہا : ” دیکھو  
 بھائی ! امر وادنا کی ہیں ۔ جہاں بھی ٹوکے ، اطمینان کر لینا پہلے کہ وہ  
 کوئی ایسی ویسی جگہ نہ ہو ۔ یہ علاقہ بہت ہی خدوش معلوم ہو رہا  
 ہے مجھے ۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں آرام ہی کرتے رہ جائیں قیمت  
 ملک کے لیے ۔  
 ” کیسی سڑی کی باتیں کر رہا ہے بھائی تو ! اگر اتنی ہی  
 جان بچتی اپنی تو ہمارے ساتھ گھرے کیوں نکل آیا پتے ؟  
 مجھے پتہ نہیں کچھ ، ہم تو یوں ہی زندگی سے عاجز آئے ہوئے

لوگ ، چاہتے ہیں کہ کسی نیک مقصد میں استعمال ہو جائیں  
 عاقبت سبھی جلتے ہماری اور جنت میں کوئی بھی بھڑکی ڈالنے  
 جگہ ہی اللہ ہوجائے یہیں ۔ آئی نے کہا ۔  
 ” اوسے چپ ہو جا یا ! لگام دے اپنی زبان کو ۔  
 انہی میڈیوں کے ہر وقت اچھی نہیں لگتی ہے ۔ کبھی آدمی کو بڑا  
 بھی اختیار کر لینا چاہیے ۔ پھر میں نے شرافت علی کو سمجھا دیا کہ  
 کہا : ” خضرے والی کوئی بات نہیں ہے بھائی یہیں ۔ تم شرافت  
 جانتے نہیں جو سندھ کے لوگوں کو اچھی طرح سے ۔ بڑے سہانہ  
 ہوتے ہیں یہ ۔ خصوصاً وہ لوگ جو سندھ کے دیہاتوں میں رہتے  
 وہ مسافروں کا بلا تخصیص بے حد خیال رکھتے ہیں ۔ اس کو  
 میں جس کے گھر چا ہوئے مگر جو کہ لمبی تان کے سو جاؤ ۔ مثلاً  
 آرام کا پورا پورا خیال رکھو گا وہ اور کوئی نقصان نہیں پہنچے  
 گا تمہیں ۔ اگر خضرے والی بات سنی بھی کوئی تو رات بھر  
 باگ کر بہرہ دے گا مگر خضرے آرام میں خلل نہیں  
 دے گا ۔ اگر کسی ڈاکو کے گھر میں تم جا پھرتو وہ بھی ایسا  
 کرے گا ۔  
 ” یہ مطلب نہیں تھا یا ! میرا ان کی شرافت اور سخاوت  
 سے تو میں بھی واقف ہوں اچھی طرح سے ۔ میں تو یہ کہنا  
 تھا کہ اگر ہم کسی ایسی جگہ یا گھوڑوں جہاں اور بھی مسافر ہوں  
 صورت میں ہیں تو درجہ چار چار رہنے کی ضرورت ہوگی ۔ ان دوسرے  
 مسافروں میں کچھ غلط قسم کے لوگ بھی ہو سکتے ہیں ۔  
 ” ہاں ، یہ بات ٹھیک ہے تمہاری ۔ اس کا تو یقیناً  
 رکھنا ہوگا کہیں ، لیکن پہلے کوئی جگہ تو مل جائے ۔ یہ تو اس  
 پہنچنے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ ان لوگوں سے واسطہ پڑے  
 ہوا ۔ میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ۔  
 میں اسی لمحے آئی کی آواز سنائی دی ۔ ” وہ دیکھو جیلانی  
 وہ سامنے سڑک کے بائیں جانب ذرا فاصلے پر کچھ دیے گئے  
 دکھائی دے رہے ہیں نامیرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو  
 جگہ ہے جس کا میں تذکرہ کر رہا تھا ۔  
 اس کے بتانے پر میں نے اور شرافت علی نے ایک  
 اس طرف دیکھی مگر آئی نے اشارہ کر کے دیکھنے کو کہا  
 جس سڑک پر آگے بڑھو یہ تھے ، اس سے ذرا بائیں  
 بائیں طرف میں چراغ سے جلتے دکھائی دے رہے تھے ۔  
 انہیں دیکھنے کے بعد گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی ۔ جیتے  
 چراغوں کی روشنی تیزی سے ہمارے قریب آتی جا رہی تھی  
 کوئی دو منٹ بعد ہی ہم اس جگہ کے بائیں سامنے جاتے  
 عام شاہ راہ سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر ایک میدان

چھڑا تھا ۔ جس کے نیچے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین روشن  
 انہیں دیکھی ہوئی تھیں ۔ جن کی دھم روشنی میں چھپرے کے نیچے بہت  
 سی چار پائیاں بھی نظر آ رہی تھیں ۔ ایک جانب ایک اونچی سی  
 جگہ پر کچھ برتن اور چائے بنانے کی ایک بڑی سی ٹوکری کھڑی  
 رہی تھی مختصر یہی ہوتا تھا کہ وہ سارا انتظام وہاں کسی نے ادھر  
 سے گزرنے والے مسافروں کی سہولت کے لیے ہی کر رکھا ہے  
 سڑک سے چھپرے کے اس سامان تک ایک صاف ستھرا میدان  
 تھا آگے کے کار اس میدان میں اتاری تو کار کے بندھنوں کی  
 روشنی میں وہ سامان اور اس میں موجود چیزیں واضح ہو کر صاف  
 نظر آنے لگی ۔ وہاں موجود ساری ہی چار پائیاں خالی تھیں ۔  
 اس جگہ سے جو برتن کے ساتھ جس پر چلے کی کیستی اور  
 کچھ پیشے وغیرہ دھڑے تختے ایک جگہ گسی چار پائی پر کوئی ٹھہری  
 بنا تھا ۔ آئی نے کار کو سامان کے ساتھ روک کر ہان بجا یا  
 زانی ٹھہری میں حرکت ہوئی اور بے خبر سو یا ہوا وہ شخص اپنے  
 در سے چادر ہینک کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا ۔ وہ چندھائی  
 ہٹی آنکھوں سے ہماری کار کو دیکھتا رہا ۔ شاید کمری نیند سے  
 جاگ بیدار ہوئے اور کار کی تیز روشنی کے باعث اسے  
 کچھ نہیں آ رہی تھی اسی لیے وہ ایک ہاتھ کی اوٹ کر کے  
 بندھیا دینے والی تیز روشنی سے آنکھوں کو جکڑتے ہوئے  
 گاڑی کی طرف بڑھنے لگا ۔ میں اور شرافت علی بھی اپنی اپنی طرف  
 اور دروازہ کھول کر کار سے باہر نکل آئے ۔ آئی نے کار کا انجن  
 درہ خیرہ کو روشنی بند کر دی ۔ میں نے سامان کی طرف  
 سے آئے والے شخص کو مخاطب کر کے کہا : ” السلام علیکم یا میں !  
 مسافر لوگ ہیں ہم ، ادھر تھوڑی دیر سنا تے کو جگہ مل جائے  
 لیجا ۔“  
 وہ خوش دلی کے ساتھ میرے سلام کا جواب دے کر  
 لاہ نور ضرور ادا سامیں ! آپ لوگوں کی خدمت کے واسطے  
 لاہ نور خیرہ ڈال رکھا ہے تمہیں ۔ شوق سے آرام کرو  
 ادھر اور کوئی خدمت و دہمت ہو تو وہ بھی ہو لو ہم کو ۔  
 آواز سے انہی دو کوئی بڑا ہی جان وچہ بد جوان معلوم  
 نا تھا جب وہ اٹھا تھا تو کار کی روشنی اس پر پوری طرح  
 پڑی تھی مگر اس گھڑی میں نے اس کی طرف کچھ دھیان نہیں  
 دیا ۔ اسی لمحے مجھے سے آکر آئی میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر  
 لاہ نور کے ہاتھ میں خان اپنا ہاتھ نہیں تو نے اسے یہ تو اپنا یاد  
 رہے ۔ وہ جس نے پہلی بار میں لاکھوں پہنچا تھا  
 آئی کی بات سن کر کچھ تیزی سے آگے بڑھا اور گھوڑی  
 سارے ہاتھ تمام کر بولا : ” سامیں باغرخان ! اسے آپ میں یہ

اور آپ کے ساتھ یہ پیر زادہ سامیں ہیں ۔ کمال ہے انھوں  
 نے پہچان لیا مجھے مگر آپ نہیں پہچان سکے ۔“  
 میں نے کھینچ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا : ” پہچانتا  
 کیسے یا جی ! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرا باریکل یہاں  
 اس دیر لسنے میں آ بیٹھا ہوگا ۔ بڑی خوشی ہو رہی ہے بھائی جی !  
 تجھے یوں اپنے ملنے پا کر ۔  
 ” خوش تو میں جی بہت ہو رہا ہوں ۔ بڑی خواہش تھی میری  
 آپ لوگوں سے دوبارہ ملنے کی ۔ فائدہ کی دھم سے آج میری  
 خواہش پوری ہو چکی تھی ۔ فائدہ لسنے آج آپ کو بھر اس راستے  
 پر ڈال دیا جو میری طرف آتا تھا ۔  
 ” ابھی کیا خاص خوبی ہے بھائی ہم میں کہ تو ہم سے دوبارہ  
 ملنے کی دعا میں کرتے دکھاتا تھا ۔“ آئی نے سن کر کہا ۔  
 ” خیر مرد ہیں سامیں آپ لوگ ، اور کچھ ایسے لوگوں کی  
 بڑی قدر کرتا ہے ۔ مجھلا نہیں سکتا میں کبھی آپ دونوں کو وہ بڑی  
 محبت سے بولا ۔ پھر میرا ہاتھ تمام کر سامان کے نیچے مجھے  
 ہوئی چار پائیوں کی طرف بڑھتے ہوئے بولا : ” ادھر آئیں سامیں !  
 آرام سے بیٹھیں ۔ میں آپ کے لیے کھانے پیئے کا بندوبست کرتا  
 ہوں ۔ جو کچھ ملے ہوگی آپ لوگوں کو ۔“  
 ” نہیں بھئی سامیں اکلانے والے کی ضرورت بالکل نہیں  
 ہے اس وقت ۔ رات کا کھانا ہم کھا کے چلے تھے ۔ البتہ چھڑا  
 پانی اور ایک ایک کپ چائے ہونے کو بلا دو ۔ اس کے ہوا  
 کوئی چیز نہیں چاہیے ہمیں ۔ میں نے اسے روکے ہوئے کہا ۔  
 ” جو حکم سامیں ! چائے تو اچھی دو منٹ میں تیار کر دیتا ہوں  
 میں ۔ خاص دو دو پتی کی چائے پلاؤں گا آپ کو ۔“  
 وہ اٹھ کر اس طرف چلا گیا جہاں میں نے رتن وغیرہ رکھے  
 چھپتے ہم تینوں چار پائیوں پر بیٹھ گئے ۔ شرافت علی بولا : ” حیرت  
 ہے یا جیلانی ! یہاں اس دیر لسنے میں بھی تھکا جاسنے والا نکل  
 آیا ۔ زمین کا کوئی کونا محفوظ بھی رہا ہے تمہارے قدموں سے ۔“  
 ” بس یا ! ایسے ہی جنت کے مارے ہوئے لوگ ہیں ہم ۔  
 ہماری یہ عمر بارہ نقد پر نہ جانے کہاں کیسے پھر رہی ہے ،  
 البتہ جہاں جاتے ہیں مجھ جیسے ہی ایک دو مہر یا ضرورت مل جاتے  
 ہیں جین ایسے ہی لوگ ہمارا زندگی کی گاڑی کو آگے دھکا دیتے  
 ہیں ۔ اسی وجہ سے یہ گاڑی اب تک رواں دواں نظر آ رہی  
 ہے مجھے ۔“  
 ” یہ تو سب کتنے کی باتیں میں بھائی ! اور نہ جب تک کی  
 زندگی کھو کر لایا ہے آدمی اس دنیا میں ، اس وقت تک تو اسے  
 رہنا ہی ہے یہاں ۔ یہ آدمی کے اختیار میں کہاں ہے کہ وہ کسی کی

زندگی چھین لے یا حیات بخش دے کسی کو؟ شرافت علی بولا۔  
 آنی بولا: "جیلانی! تجھے حیرت نہیں ہوئی اس بات پر کہ یہ  
 سبیل اپنے گاؤں، اپنے گھر سے سیلوں دور یہاں کیوں آ بیٹھا ہے  
 آخر؟ یہ علاقہ تو اس کے دشمنوں سے جا پڑا ہے۔ میرن شاہ  
 کا مدار نظامانی اور لاکھو لاشاری کی بیٹیوں کی نوک و نمونہ بنا رکھا تھا،  
 اس نے اور اب یہ ان دشمنوں کے ہاتھوں درمیان آ بیٹھا ہے کہیں  
 دوستی تو نہیں کر لی اس نے ان لوگوں سے؟"

"یہ تو نہ بہت اچھی بات کہی ہے آئی! چائے لے کر  
 آئے گا تو چھین گئے اس سے ایسا کیوں ہوا ہے۔ اگر یہ ان کے  
 ساتھ دوستی کر کے ان میں شامل ہو گیا ہے تو میں اس کی طرف سے  
 ہوشیار رہنے کی ضرورت ہوگی۔ میں نے آئی سے اتفاق کرتے  
 ہوئے کہا۔"

"ہاں یہ بہت ضروری ہے۔ اس کی طرف سے اطمینان  
 تو حاصل ہونا ہی چاہیے ہیں۔" شرافت علی نے بھی تائید کی۔  
 میں نے سبیل کو آواز دے کر کہا: "کیا تو اس سائباں میں اکیلا  
 پڑا رہتا ہے جو ان سے تو اچھی بات نہیں ہے؟"

"کیوں سائباں! ان کی خرابی دلی بات نظر آتی ہے آپ کو میرے  
 یہاں اکیلے رہنے میں؟" سبیل کیتلی کے نیچے آگ جلاتے ہوئے بولا۔  
 "خرابی نہیں ہے کوئی تیرے نزدیک اس میں؟ اپنے  
 گھر بار سے آگ ہو کر یہاں آ پڑے ہیں کوئی خطرے دلی بات  
 نہیں تیرے لیے؟"

"یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا سائباں کہ میں اپنے گھر بار سے  
 آگ ہو کر پڑا ہوں یہاں؟ میرا اصلی گھر تو یہی ہے، ہوشیار سائباں!  
 تیری بات سمجھ میں نہیں آئی بارجی! تو میں اپنے جس گھر  
 میں لے گیا تھا جلی باز کیا وہ تیرا گھر نہیں تھا۔ تیری بیوی بھی تو  
 تھی وہاں؟"

"اچھا! اچھا۔ یہ بات ہے۔ گھر میں چائے بنا لاؤں  
 پھر آپ کو بناؤں گا ساری بات۔ وہ گھر تو میرا چاہیے  
 تھا سائباں! یہی عورت کے باپ کا گھر تھا وہ اور ہر مرد ایسی  
 طرح جا گھر سے تھے جیسے ادھر سے گورنے والے مسافر دم لینے  
 کو آ گھر تھے ہیں ہمارے اس جیسے کہیے۔ ان کے یہاں دو گھڑی  
 آرام کر لینے سے یہ ملکیت تو نہیں بن جاتا ان کی۔ اصل ملک تو  
 ہم ہی رہتے ہیں نا پھر بھی؟"

"ہاں یہ تو ہے بھائی! اب میں کیا معلوم کرو کہ مکان تیرا  
 اپنا نہیں تھا۔ میں تو نے اس روز کچھ بتا بھی تو نہیں تھا۔"  
 "موتیج ہی کہاں لانا تھا جی اس کا۔ آپ لوگ بھی جلدی میں  
 تھے دن او میں بھی لکھا ہوا تھا۔ آپ کو تو بتا ہی ہے سائباں!"

چائے کی کیتلی کے نیچے پوری طرح آگ جلاتے  
 بعد وہ تین گلاس اور پانی کی ایک چھوٹی سی شکی لے کر سارے  
 پاس آ گیا۔ اس نے شکی سے گلاسوں میں پانی ڈال ڈال کر  
 باری باری پی کر دیا۔ ہم بیٹوں ہی لے سکرے مارے اور  
 بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ اس گھڑی وہ بھٹکا پانی  
 مزہ دے رہا تھا۔ ہم نے دو دو گلاس پانی پی کر وہیں بیٹھ کر  
 اس پانی کو حلوں میں لے کر نہ اور آنکھوں پر چھیکے مارے اور  
 جلتی ہوئی آنکھیں سکون پائیں۔ تھوڑی ہی دیر میں سبیل  
 گرم گرم بھاپ دیتی خوشبو دار چائے سے لباب بھری بڑ  
 لاکر ہمارے سامنے دھو دھو اور کیا پکایا خود اپنے  
 کچرہ کر کے ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

میں نے اپنے سامنے دھری پیالی اٹھاتے ہوئے  
 "ہاں بھائی! اب بتا کیا کہ رہا تھا تو۔ ادھر تیرے پور میں  
 تھا تیرا؟"

"نہیں جی! وہ میرے سسر کا مکان ہے۔ اس کی  
 ہیں وہاں۔ رہتا وہ شکار پور میں ہے غریبوں کی دیکھ کر  
 کے لیے تیرے پور آتا ہے تو اس مکان میں رہتا ہے۔ اور  
 ہم بیٹے میں، یہ میری زمین کٹاؤں کی ضرورت ہے ملکیت  
 نہیں جب بہت چھوٹا تھا اب کسی ضرورت کے تحت میرے  
 باپ نے میرن شاہ سے کچھ قرض لیا تھا جسے وہ وعدے  
 مطابق ادا نہیں کر سکا تو میرن شاہ کے اس بدعاش کا  
 کا مدار نظامانی نے ان زمینوں پر قبضہ کر کے ہمیں بے دخل

تھا یہاں سے۔ جب تم مجھے ملے تھے یہ اس سے چند ماہ  
 کی بات ہے۔ میرے چچا نے اپنے بھائی کا ساتھ دیا  
 نے اس کے گھر کا ڈکوا دیا۔ اس غریب آدمی کو۔۔۔ برا  
 سے سبیل نے کیے ہم شکار مار کو نہ نہ ہزار روپے  
 ادا کر کے چھا مال واپس لیا تھا اس سے۔ میں نے جب  
 کبھی سیدھی آنکھی سے شکایت بہت مشکل ہے تو میں نے  
 راستہ اپنا لیا، جس پر چل کر کا مدار نظامانی اور لاکھو لاش  
 اس پورے علاقے کے مالک بن بیٹھے تھے۔ لاکھو  
 ایسی کوئی بخش نہیں تھی۔ میں نے اسے چھوٹا نامنا سب  
 البتہ کا مدار نظامانی کو میں نے کئی بار ٹوکا اور ایک دن  
 اس کا کام تم کر دیا۔ کا مدار نظامانی کی موت نے یہ  
 کا بھی زور تو دیا۔ اب اس میں وہ پہلے جیسا دم نہیں  
 اس وقت میں نے اس سے یہ مطالبہ کر دیا کہ وہ اپنا  
 واپس لے کر میرے باپ کی زمینیں میرے حوالے کر دے  
 میرن شاہ خود تو کچھ نہیں کر سکا۔ اس نے لاکھو لاش

خلاف کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ مگر لاکھو نے اس کا ساتھ  
 دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے تو اپنی پچھلی زندگی کو  
 ہاتھ ہی خیر یاد رکھا تھا۔ سارے بڑے کاموں سے تو یہ  
 لڑی بھی اس نے۔ پھر وہ میرن شاہ کے کہنے سے دوبارہ  
 کے یہ زندگی اپنا لیا۔ اس کی طرف سے مایوس ہونے کے  
 بعد آخر میرن شاہ کے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی  
 پارہ ہی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی رقم لے کر یہ زمینیں  
 واپس کر دیں ہیں۔ اب میں اور میرا بھائی دوبارہ اپنے گھر میں  
 آباد ہو گئے ہیں۔ یہ پھر کا سا سائباں جسے آپ سسر لے ہوئے، یا  
 سرفراخ جی بھی کہیں، ہمارے باپ نے ہی قائم کیا تھا یہاں اب  
 میں دیکھتا ہوں اسے۔"

"مگر لاکھو لاشاری نے میرن شاہ کا ساتھ دینے سے  
 انکار کیوں کر دیا تھا؟ میرن شاہ ہی کی وجہ سے تو وہ بیٹھا ہے  
 اپنی حویلی میں، وہ اگر نہیں بنا دیتا لاکھو کو تو کب کا پھانسی چڑھ گیا  
 ہوتا وہ۔ یا کسی پولیس مقابلے میں مارا گیا ہوتا۔ میں نے بوجھا۔  
 "وہ سائباں بتایا تو ہے میں نے آپ کو، اس نے تو یہ  
 کر لی تھی، بدعاشی اور خون خرابے کی زندگی سے۔" سبیل نے  
 جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھائی جی! مگر اس کی بھی کوئی وجہ  
 تو ہوگی نا۔ یہی تو بیشک جیسے خدا کا خوف نہیں کھا گیا ہو  
 گا وہ؟"

"ہاں سائباں! یہ ٹھیک کہا آپ نے۔ وہ تو غرور ہے  
 اس کی مگر اس میں کتنی سچائی ہے یہ معلوم نہیں ہے مجھے۔ اس  
 نے کہا اس کے ایک آدمی نے ہی بتایا تھا مجھے۔ ادھر  
 بنجاب کے کسی شہر میں کوئی شب خیر نامی طوائف ہوتی تھی، پتا  
 نہیں اب بھی ہے یا نہیں، اس سے ایک بچہ خریدا ہے لاکھو  
 لاشاری نے بچا ہزار روپے کے عوض۔ جب سے وہ بچہ  
 اس کی حویلی میں آیا ہے لاکھو نے بچے کی حفاظت کے علاوہ  
 کسی اور معاملے میں ہتھیار نہیں اٹھائے ہیں۔ وہ کہتا ہے اس  
 بچے پر وہ بدعاش یا لٹیرے کا مایوس نہیں بڑے دے گا۔  
 اسے بالکل صاف اور سیدھی راہ پر چلائے گا وہ۔ کسی ڈاکو  
 کا نام نہیں لگنے دے گا اس کے نام کے ساتھ؟"

"تو اس بچے کے لیے ہتھیار اٹھائے تھے اس نے۔  
 مگر اس بچے سے کسی کوئی دشمنی ہو سکتی ہے؟" میں نے بوجھا۔  
 "ایک بار کچھ آدمی آئے تھے اس بچے کو اٹھانے کے  
 لیے۔ سب نے بنجاب ہی کے کسی علاقے کی ایک جاگیر دارانی  
 نے ہتھیار اٹھائے۔"

"اچھا، حیرت ہے یا! کسی جاگیر دارانی کو کیا دلچسپی پڑا  
 ہو گئی تھی اس بچے سے۔ نام کیا ہے اس جاگیر دارانی کا؟"  
 "اس کے بنی آدمیوں کو پکڑا تھا لاکھو لاشاری نے، وہ  
 ہنس جی کہتے تھے اسے۔ نام تو انھیں بھی معلوم نہیں تھا اس کا۔  
 میں خود جی ہوں سائباں اس بات پر! آخر ایک جاگیر دارانی کو  
 کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کسی طوائف کے بچے سے جو اس نے اتنی  
 دور اپنے آدمی دوڑا دیے اس کے پیچھے؟ اور خواہ مخواہ اسے  
 غریبوں کو اتھ دھونا پڑے اپنی جانوں سے؟"

"اچھا تو لاکھو لاشاری نے ان آدمیوں کو مار دیا تھا؟ یہ  
 تو اچھا نہیں کیا اس نے تھا کیا خیال ہے سبیل سائباں؟"  
 "اس نے کیا اچھا کیا اور کیا برا، اس بات سے مجھے کیا  
 مطلب ہے سائباں! ہوشیار! اس نے اپنے لیے جو ٹھیک  
 سمجھا وہی کر دیا۔ ایک بات البتہ جانتا ہوں، اس واقعے کے  
 بعد پھر کوئی آدمی اس بچے کے لیے آیا نہیں ادھر؟"  
 "جیو چھوڑو مٹی ڈلو یا! اس قصے پر۔ میں کیا لیتا اس  
 سے۔ مگر سبیل بھائی! یہ میرن شاہ کا کتنا قرض تھا ہمارے  
 باپ جس کے بدلے میں اس نے اتنی ساری زمین ہتھیالیا تھی؟  
 تم لوگوں کی؟"

"ڈیڑھ لاکھ روپہ تھا سائباں! جو میرے باپ نے پھر تو اٹھوڑا  
 کر کے لیا تھا اس سے اپنی ضرورت کے وقت؟"  
 "ڈیڑھ لاکھ روپہ، اور وہ سارا کا سارا اسے ٹوکا دیا ہے  
 تم نے؟ اناروہ میرے تھا ہمارے پاس؟"

"وہ ہنس دیا بولا: "اپنے پاس اناروہ میرے ہوتا میں تو یہ  
 زمینیں جاتی ہی کیوں؟"  
 "پھر اتنی ساری رقم کا بندوبست کہاں سے کیا تھا تم نے؟  
 کیا کسی اور سے قرض لیا تھا؟" مجھے اس پر ترس آنے لگا تھا  
 اور یہ سوال میں نے اس سے اس لیے کیا تھا کہ میں جانتا  
 تھا کہ میرن شاہ کے بعد وہ شخص جس سے اس نے قرض لیا ان  
 کی زمینوں پر قابض ہو کر دوبارہ انھیں لے گھر کر دے یہ خیال  
 تھا میں اسے ڈیڑھ لاکھ روپے دے کر یہ قرض ہمیشہ کے لیے  
 اتار دوں گا اس کے سر سے۔ ناروہ پھر کسی اور ڈیڑھ لاکھ  
 ہاتھوں رسوا نہ ہو سکے۔

"سبیل نے کہا: بس جی ہو ہی گیا تھا اس کا انتظام بھی۔  
 قرض نہیں لینا پڑا تھا مجھے کسی سے۔"  
 "بات سمجھ میں نہیں آئی پھل! صاف صاف بتاؤ مجھے۔  
 تمہارے پاس روپہ تھا نہیں اور قرض بھی نہیں لیا تھا تم نے کسی  
 سے، پھر اتنا سارا روپہ کیسے ادا کر دیا تم نے؟ اس میرن شاہ کو؟"

”جھوٹیں سائیں! آپ بھی کس جگر میں بڑ گئے ہیں۔ ہماری زمین ہل گئی جس ہی بہت ہے ہمارے لیے۔“  
 ”دیکھو تیل غلط مدت سمجھو مجھے، جہم کی کوئی شرط مستقیم پر چلنے والے لوگ نہیں ہیں۔ مگر تم جیسے آدمیوں کے لیے جڑی بکڑ ہے ہمارے دل میں۔ تم سے ہمدردی ہو گئی ہے مجھے اسی لیے میں یہ نہیں جانتا کہ ایک کا قرض ادا کر کے تم دوسرے کے جال میں جا چکے ہو۔ صاف صاف بتا دو ساری بات، میں کام آنا چاہتا ہوں تمہارے۔ اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہوں تمہیں۔“

”آپ بہت اچھے آدمی ہیں سائیں باختم خان! فخر کرنا چاہیے مجھے آپ جیسے آدمی کی دوستی پر۔ آپ پریشان نہ ہوں میرے لیے۔ میں نے بتایا تھا نا کہ اس کا مدار نظامی کو نوٹس دیا تھا میں۔ اسی سے حاصل کیا تھا میں نے وہ روپیہ۔ دوسرے لفظوں میں میں کہہ لوں کہ اس کا مال اس کے حوالے کر کے اپنی زمینیں واپس لے لی ہیں میں نے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ جنگ میں ہی ہیں یہ مجھے۔ یہ لوگ بھی ڈاکے مار مار کے بھگت موصول کرتے رہے ہیں۔ میں نے بھی انہی کا حربہ استعمال کر لیا ان پر۔“  
 ”واہ بھتیجے! واہ! جی نہیں کرو یا یا اس گھڑی تو تونے۔ اس کا مطلب ہے اب مجھے کا ڈھنگ آ گیا ہے تجھے۔۔۔“  
 آبی بولا۔

”نہیں پر زادہ سائیں! ایسا نہ کہیں جناب! دوسروں سے زندہ رہنے کا حق چین کر زندہ رہنا کوئی زندگی تو نہیں ہے۔ وہ ان دہلیوں نے نہیں بہت ہی مجبور کروا دیا تھا اور دینی طور پر تو بھی جذباتی ہو گئے تھے۔ یہ اپنی زمین حاصل کرنے کے واسطے اس کا مدار نظامی کے مال سے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا ہے میں نے۔ جتنا روپیہ اور دوسرا سامان نوٹا تھا میں نے اس کا وہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جنہیں وہ کوٹسٹا تھا۔ اصل حق دار تو وہی تھے نہ سائیں! اس سال کے۔ پھر میں کیوں اسے اپنے پاس رکھ لیتا ہوں؟“  
 ”یہ تو تم نے بہت ہی اچھا کیا ہے بھائی! میں سلام کرتا ہوں تمہارے اس جذبہ کے کوثر شرافت علی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

”اچھا سائیں! اب آپ لوگ آرام کریں۔ صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں رہی ہے اب۔ کچھ دیر نیند لیں تو آزاد دم ہو کر دوبارہ سفر شروع کر سکیں گے۔ رات بھر کی جگا تو تھوہاں کو کے رکھ دیتی ہے آدمی کو، رات کی ایک گھنٹہ کی نیند بھی بہت ہوتی ہے۔“  
 ”ہاں یا! ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ اسی لیے چلے آئے

تھے ادھر۔“ میں نے انگریزی لیتے ہوئے کہا۔  
 سچل نے اٹھتے ہوئے کہا: ”میں بستر ٹھیک کر دیا ہوں آپ تینوں کے لیے۔ آرام سے سوئیں، اپنا ہی گھر سمجھیں اسے۔“  
 اس نے جلدی جلدی میں جا رہا یوں پر بستر لگا دیے۔ ہم جوتے کھول کر ان بستروں میں جا گئے۔ نیند تو جیسے تاک لگائے بیٹھی تھی۔ لیکن ہی اس نے ہمیں آکر درج کیا تھا۔  
 بہت سے لوگوں کے ایک ساتھ ہونے کی آوازیں سن کر میری آنکھ کھل گئی مگر میں چپ چاپ دم سا دھیر لٹا رہا۔ اٹھنے سے پہلے میں یہ اندازہ کر لیتا جانتا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو وہاں بیٹھے اپنی زور زور سے باتیں کر رہے ہیں۔ ایک دوا بھاری سی آواز سنائی دی، کوئی سنہری زبان میں سچل سے کہہ رہا تھا: ”میں نے پوچھا نہیں ان لوگوں سے کہ کون لوگ ہیں یہ کہاں سے آئے ہیں اور کھر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“  
 ”یہ کتنے تھکے کراچی سے چلے ہیں اور لاہور جانے والے انہیں۔ رات زیادہ ہو گئی تو آرام کے خیال سے ادھر پہلے آئے ہیں۔“

”ہاں آگئے تو کراچی کے ہی ہیں۔ ان کی کار پر نمبر پٹ بھی کراچی ہی کی ہے۔ پھر بھی جگہ جگہ ڈان کو، میں بات کروں گا ان سے۔“

”نہیں تمہارا راز سائیں! ایسا نہیں ہو سکتا ابھی۔ کسی کو نیند سے جگا نا سچل کبھی پسند نہیں کرتا۔ آپ کو کچھ پوچھنا ہے ان سے تو بیٹھ کر انتظار کریں، جب اٹھ جائیں تو پوچھ لیتا ہوں۔“  
 ویسے مسافروں کے آرام کا تو آپ کو بھی خیال رکھنا چاہیے۔“  
 ”اچھا، تمہیں یقین ہے کہ یہ میں ہی آدمی آئے تھے۔ ان کے ساتھ کوئی اور تو نہیں تھا؟“

”نہیں جی! ادھر تو یہ میں ہی آئے تھے۔ اور جب سے سوئے ہیں کوئی ایک منٹ کے لیے بھی نہیں اٹھا ہے۔ اگلے ہی بے خبر سو رہے ہیں۔ میں تو ان کے سونے کے بعد ہی جاگتا ہی رہا ہوں۔ ذرا آنکھ بند نہیں کی ہے۔ ان کی کار کی ٹھکانی کرتا رہا ہوں۔“

”معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے لاٹاری کے ہاں ہونے والی واردات سے۔ پھر بھی تم ذرا خیال رکھنا اس بات کا۔ اگر کوئی اور ساٹھی ان کا آجائے ادھر تو کسی بہانے سے اس کو ادھر ہی روک کے یہیں خیر کر دینا۔“  
 ”آپ بالکل بے فکر ہیں سائیں! ایسی کوئی بات ہوتی تو میں انہیں باندھ کر لے آؤں گا آپ کے پاس۔“ سچل کے آواز ابھری۔

”ہاں، مجھے تم سے ہی امید ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ہے۔“  
 اجنبی عورت نظر آئے نہیں اس علاقے میں تو اسے جانے نہ دینا۔ اس کی ضرورت نہ تھی۔ وہ سیف علی کھتا تھا، وہ گھوڑے پر بٹھکے ہے جوتی سے۔ سیاہ شکی گھوڑا ہے جولا کو کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے اس علاقے میں۔ دیکھا ہو گا تم نے بھی اسے۔ بہت مشہور گھوڑا ہے وہ تو۔“

”ہاں سائیں! ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ لاٹھو سائیں کے شکی کو کون نہیں پہچانتا ہے۔ اچھا ہوا یہ آپ نے بتا دیا مجھے۔ ان کی آوازیں دور ہوتے ہوئے آہستہ آہستہ بالکل معلوم ہو گئیں۔ چلنے کے بعد کچھ واسطے برسی گاڑی کے اشارت ہونے کی آواز سنائی دی۔ اور پھر اس کی آواز بھی دور ہوتی چلی گئی میں نے آہستہ آہستہ انہیں کھول کر دیکھا۔ میرے ساتھ والی چار بائی پر آبی انہیں کھولے لیٹا تھا، جی ٹک رہا تھا۔ اس کے ساتھ والی چار بائی پر شرافت علی لیٹا تھا مگر اس کی پشت میری طرف ہونے کی وجہ سے میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ وہ بھی جاگ گیا ہے یا نہیں۔ میری آنکھیں کھلی دیکھ کر آئی نے انہیں ہی آنکھوں میں مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے آنکھوں ہی کے ذریعے اسے سمجھا یا کہ ابھی لیٹا رہے۔ میرا خیال تھا کہ ان لوگوں کے چلے جانے کا اطمینان ہونے کے بعد میں خود آکر میں اٹھائے گا تاکہ حالات سے باخبر کر سکے وہ ہم لوگوں کو۔ میرا خیال غلط نہیں تھا۔ بخیر ہی دیر بعد سچل نے ہمارے قریب آکر کہا: ”چلے گئے ہیں وہ سائیں! اب اٹھ جائیں آپ لوگ۔ مجھے بتا ہے سوئیں رہے ہیں آپ۔“  
 ”اوئے بار! تو تو بڑا بے فکر قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے مجھے۔ بند آنکھوں کے پیچھے بھی دیکھ لیتا ہے تو۔“ آبی اٹھنے ہوئے بولا۔

سچل آبی کی بات سن کر سنسنے لگا۔ میں نے پوچھا: ”یہ کیا قصہ ہے سچل! اس عورت کی بات کر رہے تھے یہ لوگ؟ اور کون سی واردات ہو گئی ہے لاٹھو لاٹاری کی حویلی میں؟“  
 ”وہ سائیں! رات کو میں نے بتایا تھا نا آپ کو کہ لاٹھو لاٹاری نے کسی شب خیر نامی طوائف سے ایک بچہ لیا ہے جس کا نام روپے میں۔ اور اس بچے کو جناب کے کسی علاقے کی کوئی جاگروانی بھی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس نے اپنے آدمی بھی بھیجے تھے لاٹھو لاٹاری کے پاس جنہیں اس نے قتل کر کے کھا دی نہ میں بھلا دیتا تھا۔ وہی قصہ پھر کھڑا ہو گیا ہے شاید، رات کو کسی عورت نے گولی جلا دی تھی، لاٹھو لاٹاری پر۔ اس کا ایک بازو زخمی ہو گیا ہے۔“

”اچھا! اجرت، ہے یا راب! اب عورتیں بھی ایسے کر رہی ہیں۔ مگر وہ عورت لاٹھو کی بیوی میں داخل کیسے ہو گئی تھی؟ اسے روکا نہیں تھا کسی۔ لاٹھو کے آدمی تو بڑی سخت دیکھ بھال کرتے ہیں، ہر دم ہتھیاروں سے لیس ہو کر نگہبانی کرتے ہیں اس کی۔“

”عورتی کے اندر نہیں ہوتی ہے یہ واردات۔ ادھر غوث پور گیا ہوا تھا وہ لاٹھو لاٹاری۔ اور رات واپس آیا تھا، جیسے ہی منتقل کے قریب پہنچا وہ ایک عورت نے ایک ہاتھ ملنے آکر لگائیں جلا تا شروع کر دیں اس پر۔ دو آدمی اور تھے اس کے ساتھ۔ وہ دونوں اسی وقت ڈھیر ہو گئے تھے۔ لاٹھو کو لے لکھا کہ گھوڑے سے کود گیا اور بھاگ کر ایک کھیت میں جا بھا گیا۔ وہ عورت اسے کھیت میں تلاش کر رہی تھی کہ لوگوں کی آواز سن کر گاؤں کے لوگ اس طرف دوڑ پڑے۔ لوگوں کو کہتے دیکھ کہ عورت لاٹھو کی شکی گھوڑے پر بٹھ کر کھل گئی وہاں سے اور اب پولیس تلاش کرتی پھر رہی ہے اسے۔“

”کمال ہے بھائی! بڑی حیرت کی بات ہے یہ تو۔ ایسی عورتیں بھی ہیں ادھر اپنے ملک میں؟ آبی نے بھی جانی کا اظہار کرتے ہوئے شرافت علی سے کہا: ”کیوں بھائی شرافت علی! یہ تو بالکل فلموں والا سین ہو گیا۔ میں نے اپنے یہاں فلموں میں ہی دیکھی ہیں ایسی جی دار لوگ! ان کے علاوہ تو نہیں دیکھیں گے۔ کمین۔ تم نے دیکھی ہیں کبھی؟“

شرافت علی مسکرا کر بولا: ”ٹھیک کہتے ہو یہ زادہ سائیں! دیکھی تو میں نے بھی نہیں ہے۔ ایسی کوئی عورت آج تک۔“

سچل نے کہا: ”آپ لوگ منہ باندھو کہ خارجی ہو لیں سائیں! میں آپ لوگوں کے لیے ناشتہ کر آتا ہوں گھر سے۔“  
 ”ہاں بھائی! آج تو ناشتہ آج رہا ہے۔ جلد ہی سچل جانا چاہتے ہیں ہم یہاں سے۔ خواہ مخواہ کسی سیالے میں پھنسا نہیں چاہتے۔ اس تھا ننداری کی باتوں سے مدہم ہوتا تھا کہ میں مشکوک سمجھ رہا ہے وہ۔ یہ کار دیکھ کر اس کی نیت میں فتور آ گیا ہے شاید خیال یہی ہے اس کا، اس کیس میں پھنسا کر وہ ہم سے کوئی لمبی رقم حاصل کرنا چاہتا ہے۔“

”میں نے بھی یہی اندازہ کیا ہے اس کی باتوں سے۔ اصل جرم ہم کے تو قریب بھی نہیں جاسکے گا وہ۔ البتہ اس کی آڑ میں آپ جیسے کسی شریف آدمی سے چاندی بنالے گا وہ یہی کرتے ہیں جی یہاں یہ قانون کے رکھوالے، سچل نے کہا اور ناشتہ لینے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد آبی بولا: بھائی! دلکھانی! وہ تو ہم سے پہلے ہی پہنچ چکی ہے یہاں۔ اور کام بھی کر دیا تھا اس نے تو انیاں!

”ہاں یاد! اسی بات سے ڈر رہا تھا میں۔ مگر یہ اچھا نہیں ہوا یا بھائی! اس نے زخمی کر کے چھوڑ دیا ہے اس کو لاکھوں۔ اب تو وہ بہت ہی خطرناک ہو جائے گا۔ اس کے بچے کو اپنے پاس رکھنے کے لیے سب کچھ کر گزرے گا۔ بچے کو کسی اور کے پاس نہیں جانے دے گا کبھی!“

”ہاں، جانتا ہوں میں، اور اس کیسے کیڑے بھی ناقص نہیں ہوں، دیوانی ہو رہی ہے وہ بچے کے لیے!“

”یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آتی ہے یا بھائی! بچے کو تو اس قدر چاہتی ہے وہ اور اس کے باپ سے نفرت کرتی ہے اتنی ہی شدید! اس کی طبیعت کا یہ تضاد سمجھنے سے قاصر ہوں یا راجا! کیا نہیں کیسی ضد ہے یہ اس کی؟“ میں نے افسردگی سے کہا۔

”تو ٹھیک کہتا ہے میرے بار! یہ تضاد تو میری بھی سمجھ میں نہیں آسکا ہے۔ میں نے بہت سمجھا یا ہے اسے، اس ضد سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی ہے مگر وہ اپنی قسم توڑنے کو تیار نہیں ہوتی کسی طرح بھی۔ لاکھوں لاکھوں شکاری کو اپنے ہاتھ سے گولی مارنے کی قسم ہر حالت میں پوری کرنا چاہتی ہے وہ! اور بچے سے دستبردار ہونے کو بھی تیار نہیں ہے کسی طرح بھی!“

”بھیرا بک کیا کریں؟ اس نے تو اچھا کے رکھ دیا ہے یا راجا! ہم اگر اپنے آگے ہوتے تو کسی نہ کسی طرح نشانے کی کوشش کرتے اس معاملے کو مگر اب تو بات اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ان حالات میں تو لاکھوں لاکھوں شکاری ہماری شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا!“

”ایک صورت آئی ہے میرے ذہن میں!“ شرافت علی بولا۔

”شاید اس طرح کوئی حل نکلی آئے مسئلے کا!“

”کون سی صورت نظر آئی ہے تمہیں؟“ تباہ یا راجا! کچھ مدد کرو ہماری تم بھی!“ آبی جلدی سے بولا۔

”یہ جو تمہارا یا راجا! یہ ہے! یہ مجھے آدھی بہت کھرا معلوم ہوتا ہے۔ کیا تم اسے اعتماد میں لینا پسند کرو گے؟“ شرافت علی نے پوچھا۔

”ہاں کیوں نہیں۔ آدھی تو وہ بے حد قابل اعتماد ہے۔ آکھنہ ندر کر کے بھروسہ کیا جاسکتا ہے اس پر۔ مگر تم کس معاملے میں اعتماد میں لینا چاہتے ہو اسے؟ ذرا صاف صاف بات کرو بھائی! یہ سب کیا سمجھوانے کا وقت نہیں ہے ہمارے پاس!“

”صاف ہی بات کی ہے یا راجا! میں نے تو اب تم نہ سمجھ سکو

تو میرا کیا قصور ہے اس میں؟“

”کیوں ادھر ادھر کی باتوں میں وقت برباد کر رہے ہو یا راجا! میں مان لیا میں نے بہت گندہ زن آدمی ہوں میں۔ اب ذرا جلدی سے وضاحت بھی کر دے کہ کیا بات سمجھانے کی کوشش کر رہے تو مجھے؟“

”میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس سبیل کو ساری بات جاکر اس سے کہو کہ وہ خود جانے اپنے کسی آدمی کو لاکھوں لاکھوں شکاری حویلی میں بھیج کر وہاں کی صحیح صورت حال سے باخبر کرے ہیں۔ پہلے تو صحیح طور پر لاکھوں کے اخراجات معلوم ہونے چاہئیں مگر اندازوں پر ہی مبنی کھڑے کرتے رہو۔ اطلاع صرف یہی ہے کہ اس پر ایک عورت نے گولیاں چلائی تھیں، جس کے نتیجے میں اس کے دو آدمی مارے گئے ہیں اور وہ خود زخمی ہو گیا ہے۔ یہ بھی تو معلوم کرو یا راجا کہ وہ عورت تمہاری بہن آسیہ بھی نہیں ہے؟“

”تیرا کیا خیال ہے میرے دیر! کیا وہ لاکھوں لاکھوں شکاری کے بہن ہو گی جس نے اس کی جان لینے کی کوشش کر ڈالی تھی؟ اگر اس کے سوا اور کون عورت اس کے خون کی پیاسی ہے؟ اور کس کی پیاسی ہے؟ میں یہ کیا ہوں؟“ آبی نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”میری بات کا براست مالو آئی بھائی! کبھی ایسے عجیب غریب واقعات بھی ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں لاکھوں شکاری جس قبیل کا آدمی ہے اسے ذہن میں رکھو۔ اس قبیلے لوگوں کے دشمنوں سے تو زمین بھری ہوتی ہے۔ زندگی بھر دشمنیاں ہی کاشت کرتے اور انہی کی فصلیں کاتے ہیں ایسے لوگ۔ پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس کے سوا کوئی اور عورت اپنے سینے میں انتقام کی آگ بھری ہو گی؟“

”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے آبی! ہمیں اس پہلو کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ سبیل کو تباہ کرنا چاہیے ساری بات تاکہ وہ صحیح صورت حال معلوم کر کے تباہ نہ ہوں۔ ورنہ ہمارے اس خطہ ڈوڑے کرنے کا تو مقصد ہی فوت ہو کر رہ گیا ہے بھائی! جاکر!“

”ٹھیک ہے! اگر تیری بھی یہی رائے ہے تو بات کر لیا!“

”سبیل سے۔ خدا کرے تو لوگوں کی بات ہی سچ ثابت ہو!“ آبی بولا۔

اسی وقت سبیل واپس آ گیا۔ وہ ہمارے ناشتے کے اصرار گئی کے ترترانے پر اپنے ادا دناٹے لے کر آیا تھا۔ اس نے وہ ہمارے سامنے رکھتے ہوئے کہا: ”لیں جی ناشا کریں! آج جلدی سے انتہے میں چلے بھی لے کر آ رہے ہوں۔“

میں نے کہا: ”اچھا لے گی چائے بھی یا راجا! تم ذرا ادھر جا۔“

پس بیٹھو، تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں مجھے!“

”ہر ضرور سامیں! حکم کریں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بے جھجک تباہیں مجھے؟“ وہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر بولا۔

”ہاں تمہاری مدد کی ضرورت ہے سبیل! مرنے پر تیار ہو جاؤ۔“

”میں نے اس سے پوچھا۔“

”مدد کی بات نہ کریں باغتم خان سامیں! آپ تو بس حکم کریں اس خادم کو۔ جان دے رکھی تعین کر دوں گا آپ کے حکم کی تعمیل تو باروں کا یا رہے سامیں! اور یاری کی کوئی حد مقرر نہیں ہوتی ہے اب تک!“

”ہوں، یہ تو تم نے ٹھیک کہا ہے۔ دغا اور غلو میں کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے، اور یہ ممکن بھی نہیں ہے کسی طرح۔ مگر پھر بھی میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں تم سے، اس کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تم پر کس حد تک بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟“

”جہاں تک آپ چاہیں بھروسہ کر سکتے ہیں۔ یہ اطمینان رکھیں آپ کہ میری طرف سے مالوس نہیں ہو گی آپ کو!“

”ٹھیک ہے، اب یہ تباہ کر لاکھوں لاکھوں شکاری سے بچا کر مول لے سکتے ہو ہماری خاطر؟“ میں براہ راست بات کر کے پوچھنا چاہتا تھا اسے۔

”وہ یوں مسکرا دیا جیسے میری بات اس کی توقع کے عین مطابق رہی ہو اور میں نے کوئی اونٹنی اور چوڑا کینے والی بات کہی ہی نہ ہو۔ وہ بولا۔“

”کیا بات کرتے ہیں سامیں! آپ، میری دوستی ہی کب ہے لاکھوں لاکھوں شکاری سے جو اس میں کجاڑ پیدا ہو گا کوئی؟“

”یہ مطلب نہیں ہے میرا، میں تو یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر میں کوئی ایسا کام سرور دوں تمہارے جس کی تعمیل کے دن میں لاکھوں لاکھوں شکاری تمہارا دشمن بن جائے تو کیا تم وہ کام کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاؤ گے؟“

”میں نے کہا سامیں! باغتم خان! ان کے کارخیالوں میں وقت نہ برباد کریں آپ۔ بس حکم کریں اپنے اس سبیل یا راجا! نتیجے کی پروا بالکل نہ کریں آپ۔ دشمنی کی میں نے کبھی پروا نہیں کی۔ میں تو اس کا ملدار نظامانی پر بھی بے خوف ہو کر جا چڑھا۔ اس کے سینے میں سوراخ کرتے ہوئے کچھ نہیں سوچا میں نے تو لاکھوں کے معاملے میں کیا سوچوں گا سامیں؟“

”یہی بات ہے سبیل سامیں! اسی لیے تو میں نے تم سے مدد لینے کے بارے میں سوچا ہے۔ غلط تو نہیں سوچا تھا میں نے؟“

”بالکل نہیں جناب! کوئی غلطی نہیں کی ہے آپ نے۔“

ایسا تو خیال ہی نہ آنے دلیں میں اپنے۔ یہ ناشتا ٹھنڈا ہو جائے گا، پہلے ناشتا کر لیں آپ لوگ، پھر اطمینان سے کہیں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں!“ اس نے ہماری توجہ ناشتے کی طرف دلائی۔

”ہاں ہاں، ناشتا بھی کرتے رہیں گے ساتھ ہی ساتھ آئیں شرافت علی اور پیر زادہ! شروعات کریں ناشتا!“ میں نے چارپائی پر بیٹھی مار کے بیٹھنے ہوئے آبی اور شرافت علی سے کہا۔

شرافت علی بولا: ”یارو! ایسی بھی کچھ جلدی ہے۔ منہ ہاتھ تو دھو لو۔ باسی منہ ناشتے پر پڑے ہوئے۔“

آبی بھی چارپائی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا: ”ہاں بھائی! آؤ ہم دونوں تو دھو لی ہیں اپنے اپنے منہ۔ یہ باغتم خان تو شیر کتا ہے اپنے آپ کو۔ اور کتنا اس کا یہ ہے کہ شیر منہ ہاتھ دھوئے میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ مگر میں اس سے متفق نہیں ہوں۔“

میرا خیال کچھ اور ہے اس سلسلے میں!“

شرافت علی نے ہنستے ہوئے پوچھا: ”اور آپ کا کیا خیال ہے جناب پیر زادہ صاحب؟“

”میرا خیال یہ ہے کہ آدراہ پھرنے والی بیابان اور کتنے ہی اسٹے کاہل ہوتے ہیں کہ منہ دھونے سے جان چڑھتے ہیں، بعض اپنی کاہلی کے باعث۔ اور انہی کے ہم مزاج لوگوں نے شیر پیر چارے کو مقام کرنا شروع کر دیا ہے ورنہ جنگل کا بادشاہ اتنا گندہ تو نہیں ہو سکتا!“

”بک نہیں اوسے غیر زادہ! اسالے جھواری اولاد واجب بھی بولتے ہیں کہ بھائی کے ہی بولنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کسی انوکھی کی روح صلوات کر گئی ہے تیرے اندر۔ ہنستے بولتے انسان اچھے نہیں لگتے ہیں مجھے!“

”لے بھائی شرافت علی! دیکھ لے اچھی طرح سے۔ ایک ہی جھجک میں شیر سے انسان بنا دیا ہے سالے کو!“

”یارو! تم دو دنوں کی لوگ جھوٹک جاری ہی رہتی ہے جو عورت موقع ملتی ہی شروع ہو جاتے ہو!“ شرافت علی مسکراتے ہوئے بولا۔

”شرافت! اسے سمجھ نہیں ہوتی ہے بھائی! اٹھوڑی کی بھی شریفانہ گفتگو کرنا پڑتی ہے اسے تو پڑھ چھوڑ چھوڑا ہے اس کا۔ نظام باغتم گڑھے رہ جاتا ہے۔ دیکھا نہیں ہے تم نے تمہارا نام لینے ہوئے کیسے بڑے بڑے منہ بنا لیا ہے یہ؟ میں نے شرافت علی سے کہا۔

وہ نقشے لگنے لگا۔ آبی بولا: ”اوسے اس شریف آدمی کے اچھے بھلے نام کو حال گونا کیوں بنانے پر تکیا گیا ہے تو؟“

شرافت علی بولا: ”مجھے تو سمات ہی لکھو یا راجا! یہاں بولنا

منہ ہاتھ دھو کر تم منوں ناشتے پر بیٹھے تھیں نے کہا! میں باغی خان! پہلی بار جب آپ لوگ قیروں میں تھے مجھے تب بھی آپ اسی لاکھولاشاری کو دھو کر رہے تھے۔ دھو آپ نے مجھے یہ بتائی تھی کہ وہ آپ کا کچھ دیر پہلے آیا ہے جسے والیں لینے آئے ہیں آپ دونوں میں نے آپ کو لاکھولک پہنچا تو دیا تھا مگر مجھے یقین نہیں آیا تھا آپ کی بات کا

”کیوں بھائی! کیوں یقین نہیں آیا تھا تمہیں؟“ میں نے ذرا حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اس لیے سائیں! کہ لاکھولاشاری جس آدمی کو کہتے ہیں وہ چھین تو سکتا ہے لوگوں سے گھر کسی سے مانگ نہیں سکتا کبھی ادھ قرض مانگنا تو گالٹی سمجھتا ہے وہ۔ یہ سرشت ہی نہیں ہے اس کی۔ آپ کو پتا نہیں تھا یہ اسی لیے ابی بات کہہ دی تھی آپ نے“

”ہاں ہاں! سچ کہتا ہے تو۔ اس کا علم نہیں تھا مجھے مگر تو نے اسی وقت جھٹکنا لیا کیوں نہیں تھا مجھے؟“

”بس جی! وہ میں نے یہ سوچا کہ آپ صحیح بات بتانا نہیں جانتے ہیں مجھے“ اسی لیے خاموش ہو گیا تھا میں۔ جب تک کوئی خود ہی نہ بتائے کسی کے رازوں کو گریہ کرنے کی عادت نہیں مجھے۔ خاموشی ہی بہتر سمجھتا ہوں میں ایسے موقعوں پر۔

”ہاں یہ بہت اچھی عادت ہے تجلی سائیں تمہاری۔ بہت مہیبتیں ایسے آدمی کے دروازے سے ہی واپس جلی جاتی ہیں! آبی بولا۔

میں نے کہا: بات تو یہ بہت اچھی ہے۔ مگر بھراؤ تم کیوں اس بات کو دہرا رہے ہو؟“

”دکرتو آج بھی نہیں کرتا میں اس بات کا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اب خود ہی ساری بات صاف صاف بتا دینا چاہتے ہیں مجھے۔ اب اعتبار کرنے لگے ہیں آپ مجھ پر اور جب اعتبار قائم ہو جائے تو آدمی کو دل میں کوئی بات رکھنا نہیں چاہیے۔“

”حیرت ہے یا سمجھ رہے ہیں! ایا تو نہیں سمجھتا تھا میں مجھے۔ ایسی بھی باتیں کر سکتا ہے تو تجلی یاد! میں نے کہا۔

”کیوں بھائی جی! میں کیوں نہیں کر سکتا ایسی باتیں؟ چوٹ آن پڑھ تو نہیں ہوں میں۔ میرے کپڑے ہیں“

”اوسنے سچ کہتا ہے تو؟ یہ یار کیوں حیرتوں کے بہاؤ میں دھلے جا رہے ہیں آج مجھے۔ لگتا تو نہیں ہے کہ تو نے اسٹول کی دیوار بھی دیکھی ہو کبھی۔ مگر تو کتنا ہے تو نہیں تو کرنا ہی پڑے گا جیسے بھائی! انحراب مزید کوئی انکشاف نہ کر دیتا“

وہ ہنستے ہوئے بولا: رات کو آپ لوگوں کے سوجانے کے بعد میں یہ تک یہی سوچتا رہا تھا کہ آج بھی لاکھولاشاری ہی کی کشش کھینچ لانی ہے آپ لوگوں کو ادھر۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ لوگوں کے درمیان تعلق کیا ہے؟

”اچھا! پھر اب سمجھ میں آگیا کی تعلق ہے ہمارے درمیان؟ رات بھر سوچ کر کے یہ عقدہ بھی حل کر لیا تم نے؟“

”صبح جب پولیس اس عورت کو تلاش کرتی جونی آئی تھی تب یہ خیال آیا تھا مجھے کہ وہ عورت بھی آپ ہی کی ساتھی ہے کوئی آپ نے اس کے درمیان تھکانے لگانے کی کوشش کی تھی لاکھولاشاری کو۔ مگر زندگی اس سے بے وفائی پر آمادہ نہیں ہے ابھی“

”یہ کیسے سمجھ لیا تو نے؟ یہ کیا ہم ایسے ہی نظر آتے ہیں تجھے عورتوں کو آگے بڑھا کر دشمنوں سے لڑانے والے؟“ آؤ بول اٹھا۔

”کیوں جناب! ہر جگہ کیا ہے اسی میں؟ اکثر ہی دار لوگ دشمن کو ذلیل کرنے کے لیے، اسے حقیر ثابت کرنے کے لیے معمولی درجے کی عورتوں سے لڑا دیتے ہیں یا پھر بے بارائیں عورت سے جوتے گواہ دیتے ہیں“ تجلی جلدی سے بولا۔

”ہوتے ہوں گے میرے بھائی! اس دنیا میں ایسے لوگ بھی مگر ہم ان میں سے نہیں ہیں“ میں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا: ”وہی وہ عورت ہمارے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ بہن ہے وہ میری، بالکل سچی بہن، میری ماں جانی“

وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کے مجھے دیکھتے ہوئے بولا: ”وہ بہن ہے آپ کی سائیں باغی خان؟“

”ہاں بھائی! جھوٹ نہیں ہے اس میں ذرا بھی اور یہ بتا ہے کہ وہ ہماری جائز سے نہیں آئی ہے یہاں۔ میں تو بہت بعد میں معلوم ہو سکا کہ وہ ادھر کی ہے۔ اطلاع ملے ہی تم ددھ چلے آئے، یہی دُر لگتا تھا مجھے کہ وہ قتل نہ کر دے لاکھولک“

”حیرت ہے! آپ ابھی بہن کے ہاتھوں مرنے سے بچانے کے لیے آئے تھے لاکھولک، مگر کیوں؟ وہ کیوں مارا چاہتی ہے اسے؟“

”یہ بڑی دردناک کہانی ہے تجلی! اس نے بڑا گہرا راز لگا لیا ہے اس معصوم کو۔ ذلیل کر دیا ہے اسے اور اب اس پر بچہ بھی اٹھا کر لے آیا ہے۔ میری اس مخلوق میں یہ قسم کھا کر ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے گولی مارے گی اس لاکھولاشاری کو اور جب تک وہ ایسا نہیں کرے گی اس کے اندر انقنا“

جہنم دیکھا ہی رہے گا۔ اس جہنم کو سرد کرنے کے لیے ہی لاکھولک کا دور کا ہے اسے“

”یہ تو جہنم جہاں ہے سائیں! اس غریب کے ساتھ۔ پھر آپ کیوں روکنا چاہتے ہیں اسے؟ اس کے انتقام کی آگ کو سرد کیوں نہیں ہونے دینا چاہتے ہیں آپ؟ یہ تو اچھا نہیں کر رہے ہیں آپ اس کے ساتھ! پچھل کا سینہ بھر دی کے بذات ہے پھر گیا تھا۔

”نہیں یاد! یہ کام عورتوں کے کرنے کے نہیں ہوتے۔ وہ ایک ہی بہن ہے میری۔ میں اس سے محروم ہونا نہیں چاہتا۔ تین بیٹے تھے بھائی! میں نے کیسے کیسے غراب جھیلے ہیں اس کی زندگی میں لنگھ بھرنے کے لیے۔ دھکوں کے کیسے کیسے سمندر عبور کیے ہیں، اور وہ یوں بریادیوں کے پاتال میں اترنا چاہتی ہے۔ میں اس کی اجازت کیسے دے دوں اسے؟“

میری آواز بھرا گئی۔ تجلی بھی سر جھکا کر پوچھا: ”اس کے سینے میں بھی دردناک کٹھا تھا شاید۔ اور شرافت علی بھی تیرے سے نہ کٹا رہ گیا تھا۔ مجھ سے اب مزید کچھ اٹھانا مشکل ہو گیا تھا، لہذا میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور گلاس بھر پانی پی کر اُٹھ لیا وہاں سے۔ چند سائیکلوں کے لیے فضا میں ایک سو گوارا کسی خاموشی چٹائی۔ میں ہاتھ دھو کر اپنی جگہ واپس آیا تو پچھل نے اس خاموشی کو توڑا: آپ کو سا کام میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں سائیں باغی خان؟“

میں نے دم بجھے میں کہا: اگر تم کر سکو تو میں اتنا کام کر دو۔ میرا کسی طرح یہ معلوم کر دو کسی سے کہ رات کو لاکھولاشاری پر جو نالودہ حملہ ہوا تھا، اس سلسلے میں لاکھولاشاری کس کا نام لے رہا ہے؟

یہی نہیں لپوڑا لیتا میں ہے کہ یہ کام آسید ہی کا ہے، لیکن ایک ہندوستان اس بات کا بھی ہے کہ وہ ہماری سچائی کے لیے کوئی اور محنت ہو اور آسید بھی سچائی میں ہو سہل۔ اگر وہ نہیں سچائی ہے اور یہ کام یہی دیکھ کر تو عجب لاکھولاشاری کے پاس جا کر اس کے کٹے کوٹھنے کی کوشش کریں گے مگر حالات کا صحیح علم حاصل کیے بغیر مارا لاکھولک کے سامنے جانا شیک نہیں ہے۔ انجانے میں مار بھی کھا سکتا ہے آدمی“

”یہ کوئی ایسا کام نہیں ہے سائیں! آپ تو کہتے تھے اس کام پر لاکھولک دشمنی بھی ہوتی ہے میری؟“

”وہ میں نے اس خیال سے کہا تھا کہ ممکن ہے تمہارا یا تمہارے آدمی کا دل ان جانا معمول کے خلاف بات نہ جو تجلی والوں کے لیے اور جب ان سے لاکھولک بے کسے جانے والے تھے یا تو اُس کے پاس سے میں پوچھا جائے تو وہ لوگ مٹ کر۔“

”میں نہیں اس کی بات کر رہا ہوں۔ اگر ذرا بھی شک ہو گیا تو وہ کڑیاں

ملتے ہوئے ہم تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارے ساتھ ساتھ تم بھی ان کے دشمنوں کی نفرت میں شامل ہو جاؤ گے۔ یہ خیال غلط تو نہیں ہے ہمارا؟“

”ہاں جی! یہ تو بالکل ٹھیک سوچا ہے آپ نے، مگر آپ فکریہ کریں، میں آپ کی مطلوبہ معلومات حاصل کروں گا“

وہ ہاتھ کر رہا ہے لیے چلے لیے چلے چلا گیا۔ حالانکہ چلنے کا سامان وہاں بھی موجود تھا لیکن اس نے ہم لوگوں کے لیے خصوصی طور پر گھر میں چلنے کی جوتی تھی۔ رات بھر کے سفر کی تھکان کی وجہ سے ہم لوگ خامدادن چڑھے تک سو تے رہے تھے۔ اگر وہ تھکا ہوا دل ان گزر زور زور سے باتیں نہ کرتا تو اس وقت بھی ہم سو ہی رہے ہوتے۔ سچل پانچ منٹ میں واپس آ گیا۔ اس نے پہلے سے وہاں موجود بایاں دھو کر ان میں ہمارے لیے چائے لٹائی اور ایک ایک پیالی ہم بیٹوں کو تھا کر بولا: آپ لوگ چائے پیئیں۔ یہی کسی آدمی کو آپ کے کام سے لاکھولاشاری کی حیرت کی طرف متوجہ کرنا چاہوں“

وہ دوبارہ چلا گیا۔ ہم لوگ آہستہ آہستہ گرم چائے کے گھونٹ، حلقے سے اُٹاتے ہیں مشغول ہو گئے۔ ایک ایک بکاوٹی ہنر کی طرف سے ابھرنے والی گھڑوں کی ٹپوں نے ہمیں چونکا دیا ہم بیٹوں کی نگاہیں ایک طرف اٹھ گئیں۔ چار سواری تیزی سے گھر سے دوڑتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ آبی نے انھیں دیکھ کر کہا۔

”یہ لوگ اس حملہ اور عورت کی تلاش میں نکلے ہیں شاید۔“

”ہاں، لگتا تو ایسا ہی ہے“ میں نے اس کی تائید کی اور آتے والوں کو غور سے دیکھنے لگا۔

کچھ اور قریب آئے یہ معلوم ہوا وہ چار بیٹیں اپنی ہیں۔ ایک سب سے آگے ہے اور چار اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ آگے والا گھوڑا کبھی کبھی اس طرح سارے آجاتا تھا کہ وہ پانچ کے بدلے چار زلفز آنے لگتے تھے۔ آہستہ آہستہ سواروں کے خردناں واضح ہونے لگے۔ جلد ہی میں نے سب سے آگے آنے والے سوار کو پہچان لیا۔ وہ بیت علی تھا۔ لاکھولاشاری کا۔ خاص آدمی۔ اس کے ساتھ آتے والے آدمیوں کو بھی میں لاکھولاشاری کی تحریک میں دیکھ چکا تھا۔۔۔۔۔ گوان کے نام مجھے یاد نہیں رہے تھے مگر میرے خوب اچھی طرح محفوظ تھے میرے ذہن میں۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ لوگ آسید کی تلاش میں نکلے ہیں اور میرے سوک پر آگے بڑھتے چلے جائیں گے، مگر ہمارا خیال درست ثابت نہیں ہوا۔ قریب آکر انھوں نے اپنے گھوڑوں کی بالیں ہماری طرف موڑیں اور پک چپکتے ہیں ہمارے سامنے اُٹھ رہے۔

سیف علی اور اس کے چاروں ساتھی مسلح تھے۔ ان سب کے شانوں سے ندرتیں مٹی ہوئی تھیں اور کارٹروں کی پیمائش انھوں نے اپنی ہی کمرے باندھ رکھی تھیں۔ انہیں یوں چابک اپنے سامان دیکھ کر بے حیرت کھڑے جھٹکا لگا تھا۔ میرا تو خیال تھا کہ لاکھولاشاری یا اس کے کسی آدمی کو ہماری یہاں موجودگی کے بارے میں مطلع علم نہیں ہے۔ ہم رات کے بالکل آخری پہر میں یہاں پہنچے تھے اور پتیل کے سوا اس علاقے کے کسی بھی شخص نے ابھی تک ہماری شکل نہیں دیکھی تھی چھٹی تھوڑی دیر پہلے جو تھانیدار یہاں آیا تھا، مجھے پورے یقین تھا کہ وہ بھی ہماری شکل دیکھنے میں ناکام ہی رہا تھا کیوں کہ ہم بیٹوں ہی سر سے ہر تک چادریں لپیٹے سو رہے تھے اور ان میں سے کسی نے ہمیں اٹھانے یا ہمارے پیرے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وجہ اس کی اس کے سوا کہ انہیں قحی کر سائیاں کے سامنے ہی وہ کارٹروں کی تھی جس میں ہم طویل سفر کر کے یہاں تک آئے تھے۔ وہ جہاں دیدہ تھانیدار خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ کارڈوں میں سفر کرنے والے کوئی معمولی دہیے کے لوگ نہیں ہوتے۔ وہ یا تو خود خاصے یا اختیار ہوتے ہیں یا انہیں آتا اثر و رسوخ حاصل ہوتا ہے کہ تھانیدار جسے چھوٹے موٹے اہل کارڈوں کی ناراضگی کے تحمل نہیں ہو سکتے۔ اگر کار ہمارے ساتھ نہ ہوتی تو وہ یوں پتیل سے ہمارے پاسے میں پوچھ پچھا کر کے نہیں چلے جاتے۔ وہ تو ایسے لاوارثوں کی ہمیشہ تلاش میں رہتے ہیں جن پر کسی سنگین واردات کا بوجھ ڈال کر اپنی ادوی آمدنی میں کچھ اضافہ کر سکیں۔

میرے دل میں فوراً اس بدگمانی نے سر اُٹھا کر کہیں بچلنے تو ہماری یہاں موجودگی کی خبر نہیں دی ہے ان لوگوں کو کیونکر موجودہ حالات ہیں وہی ایک ایسا شخص تھا جس کے ذریعے ہمارے بارے میں لاکھولاشاری کی حوالہ تک کوئی غصہ پہنچ سکتی تھی۔ حالانکہ دل اس خیال کو قبول نہیں کر رہا تھا کہ وہ ہمارا رد۔ چہرے خوں جوان کسی کے ساتھ دفعا بھی کر سکتا ہے لیکن میرا واسطہ اب تک جن بڑے بڑے گھائیوں اور دھرم کاٹوں سے رہا تھا اور میں نے ان کے جیسے دُوب دیکھے تھے، اس کے بعد کسی کے ظاہر پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ مجھے اپنے گشتہ بحر بات کی روشنی میں مجھے سب سے پہلے پتیل کا چہرہ دکھائی دیا تھا۔ سب سے پہلے اسی کا نام آیا تھا میرے ذہن میں اور میں دل ہی دل میں اس کی دغا بازی پر کھول کر رہ گیا تھا۔ اس وقت اس کے ہولناں کی بھی کیا سکتا تھا۔ اب تو بازی ہمارے ہاتھ سے نکلی، پتیل بھی تھی۔ وہ لوگ بے خبری میں یوں اچانک ہم پر

آپڑے تھے کہ ہمیں سوچنے سمجھنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ سارے مختیار جن کے بارے میں شرافت علی کے ڈرائیور نے بتایا تھا کہ وہ کار کے خفیہ اسلحہ خانے میں موجود ہیں اس بھی کار کے اسی خانے میں پڑے تھے اور اس گھڑی ہمارے کسی کام نہیں آ سکتے تھے۔ البتہ میری دشمنی خا دوست اور اس رزقین دشمن کی نصف ہمت عالیہ کی دی ہوئی وہ طبعی انگوٹھی جسے اہر کے کچھ سامنا رانوں نے نہ جانے کن کن مراحل سے گزار کر ایسی طاقت بخش دی تھی کہ اس کے سامنے انٹینس سائے کی زبائیں لنگ ہو کر رہ جاتی تھیں، اب بھی میری انگلی میں ہونے لگی اور اس انگوٹھی کی موجودگی میں مجھے یہ کامل یقین تھا کہ سیف علی اور اس کے پرستار ساتھی ہمارے خلاف اپنا اسلحہ استعمال نہیں کر سکیں گے۔ اگر بات مجبوری تو مقابلا نہیں بھی خالی ہاتھ میں کرنا پڑے گا، یا زیادہ سے زیادہ وہ اپنی ہتھکڑیوں کی طرح استعمال کر سکتے تھے اور اس طرح مقابلہ کر کے وہ ہمیں شکست نہیں دے سکتے تھے۔

سیف علی چند لمحوں کے لیے بڑھا، ہمیں دیکھتا رہا۔ سب سے پہلے اس کی نظر شرافت علی پر گئی تھی۔ جھپکڑی کر دیکھ کر اس کی پیشانی پر شکنیں ابھرا آئیں، دوسرے ہی لمحے اس کی نظر بڑھ آئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں سے حیرت جھلنے لگی۔ وہ تیزی سے گھوڑے سے کود کر ہماری طرف بڑھتے ہوئے بولا کہ اسے ہاتھم خان سائیں! آپ ادھر بڑھ رہے ہوئے ہیں۔ بڑی حیرت کی بات ہے سائیں یہ تو ایسی کی خطا ہو گئی ہم سے؟ کیا غلطی کی ہے ہم نے؟ کیا لاشاری سائیں کی حوالہ اب اس قابل نہیں رہی ہے کہ آپ وہاں ٹھہریں؟ اس کا یہ سخت بھراوا لمانا انداز دیکھ کر میرا بھی چہرہ کھل اٹھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ کر سیف علی سے بڑی گرمجوش سے بات چلاتے ہوئے کہا، تیس تیس، ایسی کوئی بات نہیں ہے سیف علی۔ دراصل ہم لوگ رات تین بجے کے قریب پہنچے تھے یہاں۔ اس لیے ہم نے اتنی رات کو حوالہ جاکر تم لوگوں کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا اور صبح کے انتظار میں یہاں تک لگے۔ بس اتنی سی بات ہے جانی۔ اس کے سوا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ کسی بدگمانی کو کچھ نہ دینا اپنے دل میں۔

”یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہوتی سائیں۔ اپنے تو بڑی حیرت برتی ہے ہم سے۔ حالانکہ لاشاری سائیں اپنے بھائی کہتے ہیں آپ کو، ان کے مکمل کے مطابق حوالہ کے دروازے آپ کے لیے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ مالک ہیں سائیں آپ حوالہ کے اور مالکوں کے گھر میں آنے جانے کا کوئی وقت تو نہ

میں ہوتا۔ یہ کیسے سوچ لیا آپ نے کوئی پریشان ہو گا آپ کے اس وقت آنے سے؟“ بڑی عجیب باتیں کر رہا تھا وہ یہیں علی کی باتوں نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ سارے دوسرے ہمارے تمام کے تمام اندیشے اس نے یکجہٹ مٹا ڈالے تھے۔ ساری باطنی اشد دی تھی اس نے ہماری۔ میں نے معذرت کرنے والے انداز میں اس سے کہا، مجھے نہیں معلوم تھا یا کہ تم لوگ اس چھوٹی سی بات کو اس قدر محسوس کر دے گے۔ میں بھی ہرگز نہ کہتا تھا افسوس ہے جانی کہ میں نے دل دکھایا تم لوگوں کا میں دبا ہوں کہ لاکھولاشاری سے بھی معافی مانگ لوں گا یاد رہے۔“

”لاشاری سائیں سے ایسی کوئی بات نہ کریں آپ۔ انہیں یہ بات دکھ ہو گا یہ سن کر میں بھی کوئی ذکر نہیں کر دوں گا ان سے اس کا بدلہ بھی اس وقت ان کی حالت ایسی نہیں ہے کہ ان سے کوئی ایسی ویسی بات کہی جائے۔“ سیف علی نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنے چہرے پر حیرت طاری کر کے پوچھا کیوں کیوں کیا ہوا ہے اسے؟ کیسی حالت ہے اس کی؟“

”آپ تو جانتے ہیں سائیں کہ وہ یوں اور زینداروں کے دوست کو اور دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔ کسی دشمن نے اندر جہر میں گولی چلا دی تھی ان کے اوپر۔ دو آدمی مارے گئے ہیں اور لاشاری سائیں کا ایک بازو شدید زخمی ہو گیا ہے۔ لاشا امداد ملنے سے پہلے زخم سے بہت خون بہہ گیا ہے جس کی وجہ سے کمزوری ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے مکمل آرام کرنے کو کہا ہے۔“

”اچھا، حیرت ہے یا؟ یہ سب کچھ ہو گیا ہے اس کے ساتھ۔ بس نے چلا دی تھی گولی؟ وہ بچو نہ کیا گیا ہے انہیں؟“

”نہیں جی، بچو نہ ہی تو نہیں جاسکتا ہے۔ لاشاری سائیں کے منگی پر فرزا ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ سپنا بھی نہیں جا سکا ہے وہ۔ لاشاری سائیں کا کہنا ہے کہ وہ کوئی عورت تھی، سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں بنی، بالکل تاریکی کا ایک حصہ لگی تھی۔“

”کمال ہے۔ ایک عورت اس حال کو پہنچا گئی ہے اس لاشا کی شہر کو۔ یقین کرنے کو بھی نہیں چاہتا سیف علی!“

”ہاں جی یقین تو کسی کو بھی نہیں آتا کہ اپنے لاشاری سائیں یہی کہتے ہیں۔ ان کی بات سمجھتی ہی نہیں جاسکتی۔“

”تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم لوگ یہاں موجود ہیں؟“ میں نے اچانک بات بدل کر سوال کر ڈالا۔

”وہ اس علاقے کے تھانیدار نے بتایا تھا مجھے کہ پتیل کے

دویرے پر تین مسافر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس کا خیال تھا شاید آپ لوگ اس عورت کے ساتھی ہیں جس نے سائیں کو زخمی کیا ہے۔ ہم یہی دیکھنے آئے تھے کہ یہاں سائیں کے دشمنوں میں سے تو کوئی نہیں آ رہا ہے۔ مجھے کیا پتا تھا سائیں کہ یہاں آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔ اب آئیں آپ لوگ ہمیں ہمارے ساتھ۔“

اس کے جواب نے میرے دل سے پتیل کے خلاف پیدا ہونے والی بدگمانی دھو دالی۔ اپنے سینے سے ایک بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا تھا مجھے۔ میں نے کہا، کچھ دیر بٹھراؤ یا رہا۔ ذرا پتیل کو واپس آ لینے دو بے جا ہے۔ بڑی خاطر دلات کی ہے ہماری، یوں اچانک اس سے ملے بغیر چلے جانا بھی تو عجیب نہیں ہے۔ کیا سوچے گا وہ؟“

”ہاں، یہ عجیب کہہ رہے ہیں آپ۔ اس سے اجازت لینا بہت ضروری ہے۔ آپ اس سے رخصت ہو کر آئیں آدھر، میں جا کر سائیں کو آپ کے آنے کی خوشخبری سنادوں۔ اس موقع پر آپ کی آمد انہیں حوصلہ دے گی سائیں، مگر خیاں رکھنا سائیں، آپ انہیں یہاں ٹھہرنے کا نہ بتانا۔ میں ان سے کہہ دوں گا کہ رشتے میں ملاقات ہو گئی تھی آپ سے۔ سائیں کو خبر کرنے کی خاطر میں جلدی آ گیا ہوں۔“

”عجیب ہے، تم جاؤ تم بھی مختار سے پیچھے ہی پیچھے آ رہے ہیں بس یہی کہنے لگا۔“

”وہ ہم جتنوں سے باری باری ہاتھ مل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ وہ لوگ سڑک تک ہی پہنچے تھے کہ پتیل واپس آ گیا۔ اس نے ان لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھا تو کھڑے ہو کر حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔“

”میں نے مسکرا کر پوچھا، کیا دیکھ رہے ہو سائیں؟“

”یہ... یہاں آتے تھے سائیں ہاتھم خان؟ یہ تو لاکھو کا خاص آدمی سیف علی ہے، پتیل بولا۔“

”ہاں، وہی ہے۔ ادھر ہمارے پاس ہی آیا تھا وہ۔“ میں نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”مگر کیوں؟ یہاں کیوں آیا تھا یہ؟ پتیل کی حیرت میں اور اضافہ ہو گیا۔“

”اسے تھانیدار نے خبر دی تھی کہ تم نے یہاں لاکھولاشاری پر قاتلانہ حملہ کرنے والی کے ساتھ لاشاری کے دشمنوں کو اپنے ہاں.... چناہ دے رکھی ہے؟“ میں نے اسے بتایا۔

”پھر وہ مجھے بات کیے بغیر واپس کیوں چلا گیا؟ اسے بات تو کرنا چاہیے تھی مجھ سے اس سلسلے میں!“

”واپس اس لیے چلا گیا ہے کہ ہم سے ملنے کے بعد



تم سے ملنے کی ضرورت نہیں رہی تھی اسے۔ وہ دشمنوں کی یہاں موجودگی کی اطلاع پر آیا تھا مگر یہاں کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی اس کی وہ دشمن نہیں تھے ان کے۔ اب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا ہے یا رہی۔ وہ عورت جس نے لاشاری پر حملہ کیا تھا کوئی بھی رہی ہو، لاشاری اسے پہچان نہیں سکا اس لیے اس نے کسی پر بھی اپنے شک کا اظہار نہیں کیا ہے اور بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔ اب بے خوف ہو کر وہاں جا سکتے ہیں ہم۔ تم نے اپنے کسی آدمی کو بھیجا تو نہیں ہے اور؟ ”میں نے اس سے پوچھا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے سائیں؟ میں تو اس وقت گیا ہی اسی کام کے لیے تھا۔ اپنے بھائی کو بھیجا ہے میں نے اور؟ ”اچھا، پھر اب اگر تم بھی ہمارے ساتھ ہی بیچھاؤ گاڑی میں ابھی زیادہ دور نہیں گیا ہوگا وہ۔ تم اسے راستے ہی سے واپس لے آؤ۔ جو کچھ ہم معلوم کرنا چاہتے تھے وہ تو ہمیں معلوم ہو ہی گیا ہے نا، مگر کا ضرورت ہے اسے پریشان کرنے کی؟ ”نہیں جی، اس میں پریشان ہونے کی تو بات ہی نہیں ہے، کوئی۔ یوں بھی ہمیں سے کسی نہ کسی کو تو جاننا ہی ہے وہاں اس لاکھو لاشاری کی عبادت کے لیے اور کچھ نہیں تو یہی فرض ادا کر آئے گا وہ؟ ”پچل نے جواب دیا۔

”اگر اب اسے تو بھر ٹھیک ہے۔ جانے دو اسے اور اب ہمیں اجازت دو میرے بھائی۔ ہمیں بھی جلد از جلد پہنچ جانا چاہیے، سیف علی جو علی پہنچ کر لاکھو لاشاری کو یہاں موجودگی کی اطلاع دے دے گا۔ ایسی صورت میں ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہیے اسے اس موقع پر ہیں اسے اپنی طرف سے ذرا بھی پروا نہ کرنا چاہتا ”میں نے پچل سے کہا۔

”ٹھیک ہے سائیں۔ ان حالات میں آپ کو مزید روکنے پر اصرار نہیں کروں گا میں ”پچل نے مجھ سے اتفاق کر لیا۔

”ہم اس سے رخصت ہو کر جلد ہی حیدری کا رہیں جا گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ اس بار بھی آئی نے ہی سنبھالی تھی اس نے لاشاری کے سڑک کی طرف دوڑا دی۔ سڑک پر پیسیج کر شرافت علی نے کہا ”یہ جیلانی! ہمیں ایسا تو نہیں کر سکتے وہاں بولنے کے لیے، وہ سیف علی جھوٹ بول گیا جو تم سے لاشاری جلد از عورت کو پہچان نہیں سکا تھا۔ ”انہیں ٹھیک رکھنا بھائی۔ یوں انہما دھند مت گھس پڑنا وہاں“

”سے نہ ہوتا آئی دھوکا نہیں کھاتا کبھی۔ اس کی عقل تو بس رہی ہے آجکل کی ہول کے آگے نہیں حضری؟ حسینوں کی مسکان العبدہ اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہے“

”اوستے تو چپ نہیں رہ سکتا.....؟ سا، زاہد غشک ثابت کرنا چاہ رہا ہے اپنے آپ کو؟ آئی ترخ کر بولا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا ”دیکھا شرافت علی! اس کا سبب نازک مسانوج لب بختا میں نے۔ کیا کھانے کو دروڑ رہا ہے اب؟ ویسے یہ غلط نہیں کہا ہے میں نے۔ اس نے دھوکا ہمیشہ حسین صورتوں ہی سے کھایا ہے۔ ایک وہ اس کی منظور نظر تھی اماں کی وہی بار جو غلموں میں کام کرتی ہے۔ اس نے شادی بھی یہی کر لی تھی اس سے مگر جب یہ اور اور ولایتی جیل میں پڑا سبک رہا تھا اور کوئی امید نہیں رہی تھی اس کے باہر تے کی تو اس نے ایسی آنکھیں پھیری تھیں کہ بتائیں سکتا میں کچھ! اس کے ایک شناسا نے تو پندرہ جیل سے معلومات کرنے کے بعد یہ اطلاع سبم پہنچائی تھی میں کہ جیل سے باہر آنا اب آئی کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ بہت سیکنگ الزامات لگائے گئے ہیں جیل میں بڑی سختی ہو رہی ہے اس پر اودان غفلتوں کی تاب نہ لے کر وہ اپنی بیانی کھول بیٹھا ہے۔ کیوں آئی! کتنی صداقت تھی اس غمیر میں؟ مجھے تو تیری آنکھوں کے دونوں دیے روشن لگتے ہیں“

آئی نے حلق پہنا کر قہقہہ لگایا۔ پھر بولا ”کیا بات یاد دلادی ہے تو نے اس گھڑی بارجی! تو آئی کی ہنرمندوں کو جانتا نہیں کیا؟ وہ سالے یہی کچھ کر پشیمان رہتے لگے تھے کہ ان کی طرف سے دی جانے والی اذیتوں کے باعث میری آنکھیں قوت بصارت سے محروم ہو گئی ہیں۔ حالانکہ کثرت امتی تھی کہیں نے اپنی آنکھوں پر چڑھے ہوئے لینس آٹار کر رکھ لیے تھے اور ڈراما کر دیا تھا کہ تشدد کی وجہ سے آنکھوں سے محروم ہو گیا ہوں۔ بڑی چمیل بچ گئی تھی وہاں۔ جیہڑ اور اس کا ڈپٹی دونوں میرے آگے پیچھے ہوئے لگے۔ بتا نہیں کہاں کہاں سے ہلا کر ڈاکٹروں سے میری آنکھوں کا معائنہ کرایا جاتا تھا“

”کیسے ڈاکٹر تھے یا روہ جو تیری بیانی کھو جانے کا راز نہیں معلوم کر سکے؟“ میں نے ذرا تیرت سے کہا۔

”ڈاکٹر بھی انصاف ہوتے ہیں بار۔ وہ ان پلسیوں کی طرح ڈھوڑو ٹکڑ توئیں ہوتے آج بھی بر اثر یہ نہیں ہوتا کسی کے ڈکھو در وکھ۔ جب تک اچھے گھٹے میں چھنڈا پڑنے کی نوبت نہ آجائے، یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ بندہ ان کے مارے پیچھے کے لیے مکر کر رہا ہے جتنے جتنے ایسے ڈاکٹر اسے حقیقت کو بولنے میں کامیاب ہو گئے، انہیں میں نے پولیس کے مظالم کی ایسی داستان

سنائی جس نے ان کے دل موم کر دیے میرے لیے اور ان سب لے ہی رپورٹ دی کہ تشدد کی وجہ سے میری بیسنائی شرافت ہوئی ہے“

”اچھا..... کہاں کر دیا بھی تو نے تو یہ معلوم ہوتا ہے ملاں کے۔ اتھار کر تو نے اداکاری خوب سیکھ لی ہے“

”لعنت بھیج بار! اس سفلی عورت پر۔ نفرت ہو گئی ہے مجھے اس کے نام سے بھی۔ وہ کتنی مجھے زمیندار کچھ کر میرے ماں پر ہتھ صاف کرنے کے لیے میرے پیچھے دم ہلانے لگی تھی۔ سمجھتی ہے تھی کہ میں آٹو کا پٹر ہوں، ایک دم سیدھا سا دہائی جو اس کی رہنمائی زلفوں کے سلسلے میں آنکھیں بند کر کے پڑا رہے گا اور وہ میرا ایک ایک تھکا حاصل کرنے کے بعد اپنی زلفوں کا بادل سمیٹ کر چلتی پھرتی ہے اور میں یوں اپنی پتی دھوپ میں پڑا ستر ہوں گا۔ وہ جانتی ہی نہیں غلی کو وہ شخص جس کا نام اسم آئی ہے، کتنے گھر سے پانی میں رہتا ہے اور جب یہ عقدہ کھلاں پر بھیج دیا آؤ گی پھر سے“

”لو بھیجی جیلانی! یہ تو بات ہی اٹھتی ہو گئی ساری۔ تم تو کہہ رہے تھے حسینوں کے ہاتھوں آٹو بن جاتے ہیں جب کہ ان کے بیان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہاتھوں نے آئی بڑی اداکارہ کو بھی بے وقوف بنا ڈالا ہے“ شرافت علی شرافت سے بولا۔

”جھوٹ بولتا ہے بوجھاں اس کی آنکھوں پر پولیس چڑھے ہوئے ہیں یہ بھی دو لڑکیوں ہی نے چڑھوائے ہیں۔ تم نے سنا ہوگا لوگ دل نکال کر قدوں میں رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس نے آنکھیں نکال کے رکھ دی تھیں ان کے قدوں میں“

”کیوں بھیجی آئی! ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ جیلانی؟“ شرافت علی نے شرف نظر سے آئی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آدمی تو یاد تو بھی کچھ زیادہ ہی کھڑے بیٹھا لگتا ہے۔ بات سے بات لگائے چلا جاتا ہے۔ میں کتا ہوں چپ نہیں رہ سکتا ہے تو؟ اتنی ہی خارش ہے زبان میں تیری تو کوئی کام کی بات کر، پر کیا بے کار کی بسک بک لگا رکھی ہے؟ آئی سمجھنے لگا تھا کچھ تھا۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا ”شیر زخمی ہے بھائی شرافت! غیرت اسی میں ہے کہ زبانیں بند رکھیں ہم اپنی ورنہ پر گاڑی کو نہیں نہ غوطہ دے دے کہیں اور ہاں بار! ہم وہ اپنے خفیہ اسلحہ غانے سے ایک ایک پستول تو نکال کر تھما دوئیں۔ شرافت ضرورت پڑ جائے اس کی۔ یوں بھی کسی مشتعل ہو جاتے ہوئے اپنی حفاظت کا انتظام ضرور کر لینا چاہیے“

”ہاں، یہ ٹھیک کہہ رہے ہوں۔ اس کا خیال مجھے اس وقت بھی آیا تھا جب وہ سیف علی اسلحہ جاتے! چاہا کہ سنبھالنا سر پر“ شرافت علی نے کہا اور آئی سے بولا ”آئی بھائی! ذرا گھڑی رد کوئیں آگے آنا چاہتا ہوں“

آئی نے کار کو سڑک کے ایک طرف کر کے روکتے ہوئے کہا۔

”ہاں آگے ہی جاؤ ہم وہاں یہ ذیلی سکون سے نہیں بیٹھنے دے گا نہیں“

گھڑی کی تو شرافت علی نیچے آگیا اور آگے سے گھوم کر آئی کے ساتھ والی نالی نشست پر جا بیٹھا۔ اس کے پیچھے کے بھائی نے کار پر آگے بڑھا دی۔ شرافت علی کار چلتے ہی اپنی سیٹ سے اٹھا اور سیٹ کے نیچے جا بیٹھا۔ جا کر نہ جانے کیا کیا کر سبٹ کوئی ایک ڈک کے قریب اوپر اٹھ کر پیچھے سر گئی۔ آئی نے گردن موڑ کر اس کی کار کو دیکھا یہاں سے سیٹ مٹی تھی۔ میں بھی ایک دم آگے ٹھک کر دیکھنے لگا۔ وہاں اب ایک کس کھلا ہوا انصر آ رہا تھا جس کی گہرائی بمشکل آٹھ یا دس انچ ہو گی۔ وہ کس نیچے سے ایک نالی کی شکل میں عقبی نشست تک چلا گیا تھا۔ ہمارے سامنے کے کھلے حصے میں چار پستول پڑے تھے اور ان کے ساتھ اسٹین گن کی نالیں نظر آ رہی تھیں۔ شرافت علی نے تین پستول نکال لیے اور سیٹ کی پیچ کر اپنی جگہ لانے کے بعد پوری قوت سے نیچے دایا۔ سیٹ نیچے ہوئی تو کئی سی جھک کی آواز سنائی دی۔ شرافت علی دوبارہ اس پر بیٹھا گیا اور ایک ایک پستول لگے اور آئی کو تھمتاے ہوئے بولا ”انہیں رکھ لو۔ لوڈ ہیں یہ“

آئی نے پستول ہاتھ میں لے کر قہقہہ لگایا اور بولنے لگی ”میں تو خائف نہ ہوں تھمتا دیکھتے تھے مگر یہ کار میں تو خدا آج پہنچا ہوا ہی دیکھا ہے۔ پہلے سے موجود تھا یا تم نے اپنی ضرورت کے تحت تعمیر کرائی ہے اس کی؟“

”ایسی چیزیں کاروں میں کہاں ہوتی ہیں میرے بھائی۔ یہ میں نے ضرورت کے تحت ہی بنوایا ہے اس میں“

اس آٹا میں ہماری کار نے لگاری نر کے اس بیل کو چاچھا تھا جس کے دوسری طرف لاکھو لاشاری کی جوتی تھی۔ یہ بیل ہموار کرنے کے چند منٹ بعد ہی ہم لاکھو لاشاری کی عالی شان کچی چوٹی کے بچا لک کے سامنے جا ٹھہرے۔ وہاں سیف علی ہمارے استقبال کے لیے پہلے پہلے ہی موجود تھا۔ اس نے ہانک کھڑا کر آئی کو کار اندر لے جانے کا اشارہ کیا۔ جوتی میں داخل ہو کر ہم تینوں کار سے باہر نکل آئے۔ سیف علی نے ہمیں سیدھا لاکھو لاشاری کے کھانے لے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک بڑی سی مہری پر آرام دہ بستر میں لیٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ دو گئی۔ میں نے اس کے قریب جا کر کہا ”اٹو! آٹو نے یہ کیا کر بیٹھا ہے میرے بار!“

”تو نے تو لگتا ہے اپنا سارا خون ہی پیوڑ والا ہے؟“  
وہ بے جان جیسی ہنس کر کیفیت آواز میں بولا، کوئی خاص بات نہیں ہے، ادا سائیں، مردوں کو ایسے حادثات بھی پیش آتے رہنا چاہئیں۔ مرو کی شان اسی سے ملتی ہے، بھائی جی! آپ سائیں، کیسے ہیں آپ؟ میری یاد کیسے لگتی آپ کو؟“  
”تو بھی کوئی بھولنے والی ہے؟ بارہ بھولا ہی کب تھا میں تجھے جواب داتا ہی ہے تیری؟“ میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”اچھا یاد رکھا ہے۔ کچھ تپا ہے کتنے عرصے بعد ادھر قدم آئے ہیں آپ لوگوں کے؟“ وہ مسکراتے ہوئے میرا ہاتھ ختم کر لولا۔  
”ہاں جھپک کھتے ہو تم۔ بہت دن بعد آنا ہوا ہے ادھر وجہ یہ ہے اس کی کہ مجھے بہت ہی افزائش میں امریکا جانا پڑ گیا تھا اور یہ اپنا بار بھی کچھ دنوں کے لیے سرکاری ممان خانے میں جا بیٹھا تھا۔ اس کے لیے بھی بہت خوار چہرا ہوں میں۔“  
”پتا ہے مجھے ان کے بارے میں تو خبر مل گئی تھی سائیں ان کے ساتھ وہ آپ کی بہن امیر بھی تھی نا؟ وہ کہاں ہے اب؟“  
”تمیں معلوم ہے یہ؟“ میں نے حیرانی سے کہا، ”کہاں ہے بھئی؟ تو ایسے معلوم ہوا اتنی ہی سب کچھ؟“

لاکھو لاشاری نے جواب دیتے کے بجائے آہستہ سے میرا ہاتھ دایا اور سیف علی کو دیکھتے ہوئے بولا، ”سیف علی! تم ان دونوں مہمانوں کو ممان خانے میں پہنچا دو اور ان کی ضرورت کا خیال رکھو۔ میں ذرا تھوڑی سی باتیں کروں گا جب سیلائی سائیں کے ساتھ۔“  
”جو حکم سائیں۔“ سیف علی تابعدار انداز میں بولا۔ پھر اس نے آئی اور شرافت علی کو مخاطب کیا، ”آئی آپ لوگ! میرے ساتھ آئیں۔ لیے سفر نے تھا کچھ دیا ہوگا آپ کو کچھ کر غسل وغیرہ کر لیں۔“

میں نے شرافت علی کی طرف اشارہ کر کے کہا، ”یہ میرے سنے دوست ہیں لاکھو۔۔۔۔۔! بڑے سنے دوستوں میں کام آنے والے آدمی ہیں۔ کراچی میں رہتے ہیں، اور نام ان کا۔۔۔ شرافت علی ہے۔ آدمی بھی نام ہی کی طرح شریف ہیں۔ لاکھو نے سکراتی نفروں سے شرافت علی کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ شرافت علی نے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔ لاکھو بولا، ”بڑی خوشی ہوئی ہے آپ سے مل کر۔ یہ خوش نصیبی ہے ہماری کہ آپ جیسے لوگ بھی اس خوشی میں شریک نہ لائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سائیں مجھ جیسے گناہگار بندوں پر بھی اپنی رحمتوں کے نزول سے ہاتھ نہیں روکتا بھی۔“

”یہ جیلانی کی محبت ہے کہ اتنی عزت دیتے ہیں مجھے۔ درنہیں تو یہ ہے کہ میں بس نام ہی کا شرافت علی ہوں۔ آنا اچھا آدمی نہیں ہوں میں کو کوئی مجھے رحمت خداوندی سمجھنے کے۔ شرمندہ نہ کر رہی بھائی لاکھو آپ مجھے۔“  
”نہیں سائیں! شرمندہ کرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے اس میں۔ سائیں جیلانی جس کی عزت کرتے ہیں وہ بڑے بڑے اہل قابل ہیں۔ بڑے سچے بھی۔ ایسا کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں انہیں جھوٹ نہیں بولتے ہیں۔ اور آدمی پر اس کے نام کا بھی کچھ اثر تو ہوتا ہی ہے۔“

”ہاں، پر نہیں بالکل ٹھیک کہا ہے لاکھو! پہلے میں یہی سمجھا تھا کہ اس شخص نے اپنے نام کے اثرات ذرا بھی قبول نہیں کیے ہیں۔ ضد ہے یہ اپنے نام کی نیکن جب واسطہ پڑا پتا چلا کہ میرا اندازہ غلط تھا۔ آدمی کو کسے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کرنا چاہیے۔“  
شرافت نے گھنگو کا فرش موڑ دیا، بولا، ”لاکھو سائیں! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کسی شتی القاب عورت نے آپ پر گولی چلا دی تھی کل رات! اگون بھی وہ؟ حیرت ہے مجھے۔ آج کل عورتیں بھی ایسے کام کرنے لگی ہیں!“  
”ایسی دوسرے سائیں۔ عورتیں تو آج بڑے بڑے کام کر رہی ہیں۔ اس کی تو کچھ حیثیت ہی نہیں رہی ہے اب! لاکھو نے جواب دیا۔

وہ بڑی خوبصورتی سے شرافت علی کے سوال کو گول کر گیا تھا۔ اندازہ یہی ہوتا تھا اس سے کہ وہ اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتا ہے۔ چنانچہ میں نے کہا، ”اچھا اب تم دونوں سیف علی کے ساتھ جاؤ۔ میں بھی آؤں ہوں دو گھنٹہ لاکھو کے ساتھ بیٹھ کر۔ پھر سیف علی سے کہا، ”سیف علی! کھانے پینے کے چکر میں نہ پڑنا بھی۔ ہم ناشتا کر چکے ہیں۔“  
سیف علی ان دونوں کو ساتھ لے کر چلا گیا حیرت مجھے آئی پر جو رہی تھی۔ وہ اتنی دیر تک خلاف عادت بالکل ہی خاموش کھڑا رہا تھا۔ ذرا بھی زبان نہیں ہلاتی تھی اس نے دیا لگتا تھا جیسے وہ لاکھو کی باتوں سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی۔ کوشش کرتا رہا۔ یہ اندازہ تو مجھے بھی ہو گیا تھا کہ لاکھو اکیلے میں مجھ سے اپنے اوپر ہونے والے حملے کے بارے میں ہی باتیں کرنا چاہتا ہے۔ وہ مجھے کچھ بتانا چاہتا ہے اس سلسلے میں وہ سب کچھ جو اس نے ابھی تک کسی کو نہیں بتایا تھا۔ ایسی کوئی بات ہو سکتی تھی جو اس نے اپنے خاص آدمیوں سے بھی چھپائی تھی مگر مجھ سے نہیں چھپائی جا سکتی تھی۔ لہذا اس کا اتفاق میری ذات سے بھی تھا اور یہ اندازہ لگانا میرے ادا کیے لیے

کچھ دشوار نہیں تھا کہ اس نے حملہ آور کو پہچان لیا تھا۔ وہ اسے پہچاننے میں جس نے اسے اس حال کو پہچاننا اور یہ اسے اسے اس کی وجہ تھی جس نے لاکھو کی زبان روک رکھی تھی۔ وہ اپنے آدمیوں سے اس کا نام اچھا رہا تھا۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد لاکھو میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے خالی خالی نفروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر دم آواز میں کہا، ”جیلانی! آپ یہاں کیوں آ گئے ہیں؟ نہیں آنا چاہیے تھا آپ کو یہاں، نہیں آنا چاہیے تھا۔“  
”کیوں؟ ایسا کیوں کہ رہے ہو لاکھو؟ کیا تم مجھ سے سب رکھنا پسند نہیں کرتے؟ یا کوئی خطرے کی بات ہے یہاں میرے لیے؟“

”میل چل۔۔۔۔۔ اس نے ادا کی سے کہا، ”میں تو سائیں آپ سے باز ہو کر رہتا ہوں اپنے آپ کو مگر صرف میرے چاہنے سے ہی تو کچھ نہیں ہوتا۔ آپ لوگ بھی اگر چاہیں تو کچھ ہو سکتا ہے، افسوس تو یہ ہے جیلانی کہ آپ نے تو ایسا نہیں چاہا۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو لاکھو؟ یہ کس نے کہہ دیا تم سے کہ میں نہیں چاہتا تم سے کوئی تعلق رکھوں؟ اگر ایسا ہوتا تو آج میں یہاں کیوں آتا؟ کیا ضرورت تھی مجھے تھل آنے کی؟ اور کون ہے ایسا یہاں جس کی کشش یہاں کھینچ کر لے آئی ہے مجھے؟“

وہ خاموش ہو کر کچھ متلاطم۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے پھرے کو پڑھ کر میری بات کو پرکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ چند ثانیے بعد وہ میرے اپنے آپ سے مخاطب ہو کر بولا، ”کچھ نہیں آتا، آدمی کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ لگانا ممکن ہی نہیں ہے۔“

”کیا بات ہے لاکھو؟ صاف صاف بات کیوں نہیں کرتے، آخر معاملہ کیا ہے؟ کیا تمنا چاہتے ہو تم؟ کھل کر بات کر دیجھ سے۔“  
”کیا بات کروں جیلانی سائیں! میری تو فعل کام نہیں کر رہی ہے۔ جب تک کسی بات کا صحیح صحیح علم نہ ہو، آدمی کو زبان نہیں کھولنا چاہیے۔ شکوک و شبہات کے سہارے کی گئی باتیں آدمی کو اپنیوں سے دور کر دیتی ہیں، بغض و بددینی میں دونوں میں فاصلے پیدا کر کے دواہیں کھڑی کر دیتی ہیں دشمنی کی، اس لیے زبان کھولتے ہوئے ڈر رہا ہوں۔“

”لیکن شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی دل کی بات زبان پر لے آئے۔ کسی مصیبت سے خاموشی اختیار کر لینے سے بھی تو یہ گناہیں جنم لیتی ہیں دل میں اور ایک

روز وہ بڑے کوشش میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔“  
”ہاں، یہ بھی جھپک ہی کھتے ہیں سائیں! آپ۔۔۔۔۔ جو کچھ بھی کہوں، آپ۔۔۔۔۔ جی صاف اور کیلے دل سے اگل کا جواب دےں جیلانی۔ لیکن کر لیں کہ میں کسی بددینی سے کام نہیں لے رہا ہوں۔ بس ایک خلص دور کرنا چاہتا ہوں اپنے دل کی۔“

”تمیں جو کچھ کہنا ہے، بے فکر ہو کر کہو۔ میں بھی تم سے غلطیاتی نہیں کروں گا، یہ اطمینان رکھو تم۔ میں نے اسے تو صبر دیا۔

وہ پھر خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ شاید بولنے سے پہلے مناسب الفاظ کا انتخاب کرنا تھا، جو کچھ کہنے جا رہا تھا اس کے رد و عمل پر غور کرنا تھا، چند لمحوں کے سکوت کے بعد آخر اس کے من سے آواز نکلی۔ وہ بولا، ”جیلانی سائیں! ایک بار پھر میں کہہ رہا ہوں آپ سے، اگر میری کوئی بات بری لگے تو مجھے ممان کر دینا۔ میں دشمنی نہیں کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔ بھائی! کہا ہے میں نے اور بیٹھنا پنا پڑا، بھائی! ہی سمجھا ہے آپ کو۔ شکوک اور بدگمانی بھائیوں کے دلوں میں بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ یہ وہ دوسرا ہے جو اپنوں ہی کے دل میں بڑ پکڑتا ہے۔۔۔۔۔“

”میرے بھائی! میں بھی جانتا ہوں یہ سب کچھ، تجھے جو کہنا ہے جلدی سے کہہ دے، زیادہ بھن میں نہ رکھ مجھے۔“  
”بات یہ ہے جیلانی کہ یہ تو تمہیں بتا ہی دیا ہوگا اس سیف علی نے کہ کچھ پردات کے اندر سے میں کسی عورت نے گویاں چلائی تھیں جس کے نتیجے میں میرا یہ بازو زخمی ہو گیا اور میرے دو بہترین آدمی زندگی سے گر گئے ہیں؟“

”ہاں، یہ بتا تھا مجھے سیف علی نے۔ یہ بھی کہتا تھا وہ کہ تم اس عورت کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ میں نے کہا۔“  
”ہاں، ان لوگوں سے یہی کہا ہے میں نے مگر حقیقت یہ نہیں ہے جیلانی۔ یعنی باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں آدمی کسی اپنے بہت ہی قریبی ساتھی کو بھی نہیں بتا سکتا، بلکہ خود کو بھی نہیں بتا سکتا، اپنے آپ کو جھٹلانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ یہی سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اپنے آپ کو کہ خواب تھا جو کچھ بھی دیکھا، جو سنا افسانہ تھا۔ کچھ لوگوں کے بارے میں آدمی ہمیشہ خوش فہم ہوتا ہی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس عورت کو پہچان لیا تھا۔ یہی بتانا چاہتے ہو نا تم مجھے؟ میں نے نہیں پوچھا کہ اگر تم نے اپنے خاص آدمیوں سے یہ بات کیوں چھپائی تھی۔ البتہ میں یہ ضرور معلوم کر دوں گا کہ یہ بات تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟“

”یہ بھی بتا دیا کہ میں آپ کو۔ پچھلے مجھے آپ یہ بتا دیں کہ کیا بچہ سب مجھ سے ملنے کے خیال سے آئے ہیں یہاں یا کوئی اور ہی خیال لے آیا ہے آپ کو یہاں تک کہ کسی کے متعلقہ کا خیال یا کوئی .... کوئی اور .... ہی بات ....“ اس کے اس سوال میں وہ سب کچھ تھا جو میں جانتا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اس پر صدر کرنے والی آسیہ بی بی تھی۔ لاکھو لاشاری نے اسے پہچان لیا تھا مگر وہ جسمیں لیا تھا اس کے اس وار کو۔ اس کے ہاتھوں نرم کھانے اور اپنے دو بہترین آدمی گنوا دینے کے باوجود وہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں تھا۔ اتنی بگڑھی آسیہ کے لیے اس کے دل میں، اس کا تو بہن تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کبھی! کچھ ملتا تو ان میں یہ تو معلوم ہو گیا تھا مجھے کہ وہ آسیہ کو اپنی شریک زندگی بنانا چاہتا ہے مگر اس کی وجہ بھی مجھ رہا تھا میں کہ وہ اس طرح اس کے ساتھ گئی راوی کا کاوان اور ادا کرنا چاہتا ہے یا شاید اپنے بچے کے وجہ سے وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس نے بتایا تھا مجھے کہ لاشاری خاندان کا خون گھر سے باہر نہیں جانا کبھی۔ مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے اب اس کا ازالہ بھی کر دوں گا میں اور میری حالت میں اس بچے کو اپنے ہی گھر میں دیکھنا پسند کر دوں گا لہذا آسیہ کو اپنی شریک جات بنانے کی اس خواہش کو میں اس کی مجبوراً مصلحت ہی سمجھتا رہا تھا۔ آسیہ نے میرا خیال تھا کہ آسیہ اس کی بیوی بن کر کھائے میں نہیں رہے گی۔ اس کے گھر میں اسے وہی مقام مل سکتا تھا جو کسی عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں ہوتا ہے مگر یہاں تو بات ہی کچھ اور نکلی تھی۔ لاکھو لاشاری تو بچہ آسیہ کے لیے دیوانہ ہو رہا تھا۔ آسیہ جس قدر شدید نفرت کا اظہار کرتی تھی اس سے، اسی قدر لاکھو کی دیوانگی میں اس کی جاہلیت میں شدت آتی جاتی تھی ایسا صادق عشق تھا اس کا! میں حیران رہ گیا تھا اس کے اس جذبے کو دیکھ کر میرا دل اس کی ہمدردی سے بھر گیا اور مجھے اس سے کوئی بات چنپانے نہ رہا۔ اچھا نہیں معلوم ہوا۔

میں نے کہا ”میں نہیں جانتا کہ تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا لیکن میں تم سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔ تم ایک بھائی کی طرح عزیز ہو اور یہ حقیقت ہے کہ میں تمہاری حفاظت ہی کے خیال سے آیا ہوں یہاں۔ میں نے کل شام کو کراچی سے فون کے ذریعے بات کی تھی لاہور، اپنی ماں جی سے۔ کل ہی مجھے آئی اور آسیہ کے جیل سے فرار کی خبر ملی تھی۔ یہ آئی کراچی آ گیا تھا مجھے ڈھونڈنا ہوا آسیہ سے پتا چلا تھا کہ آسیہ لاہور میں ماں جی کے پاس ہے۔ کاش مجھے پہلے معلوم ہو گیا ہوتا تو شاید یہ فریت نہیں آنے پاتی۔ ماں جی نے مجھے

بتا دیا کہ وہ سمجھ رہی تھی کہ کسی لاکھو لاشاری سے اپنا کچھ پرانا حسد صاف کرنے کے لیے۔ یہ معلوم ہوتے ہی ہم لوگ کراچی اور لاہور پر خیال بھی تھا میرا کہ اگر آسیہ ابھی نہیں پہنچی ہے یہاں تو میں نہیں اس کی طرف سے ہوشیار کر دوں اور جب وہ آئے تو اسے بھی سمجھا کر اپنے غلط ارادوں سے باز رکھنے کی کوشش کر دوں گا۔ بارہا تیر کو کون بات دے سکتا ہے۔ وہ میرے پیچھے سے پہلے ہی وار کرتی تھی۔ کاش یہ خبر مجھے ایک دن پہلے مل گئی ہوتی۔ لاکھو لاشاری کے چہرے پر میری باتیں سن کر تازگی کا ہرٹ گیا ہوا اور وہ بہت ہکا بھکا محسوس کر رہا ہوا ہے آپ کو۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا ”مجھے یہ حد خوشی محسوس ہو رہی ہے سائیں۔ ساری گرد و صاف کر دی ہے آپ نے میرے دل کی۔ کتنا سکون ملا ہے اس وقت مجھے“

”میرا خیال صحیح ہے نا کہ تم پر اس مذہبی اور بد فیہ آسیہ بی بی نے گولی چلائی تھی؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”ہاں، بالکل صحیح اندازہ قائم کیے۔ لیکن اس کو بڑے الفاظ سے یاد نہ کروں آپ۔ میں مجرم ہوں اس کا، بہت بڑا جرم کیا ہے میں نے۔ وہ مجھے بھی بڑی سزا اس کی مجھے دینا چاہتی تھی ہے اس کا! میں ہر طرح تیار ہوں اس کے لیے۔ مجھے تو اس کا بھی افسوس ہے کہ رات اس کی کوئی گولی میرا کام تمام کیوں نہیں کر گئی۔ وہ میرے دونوں آدمی میرے سامنے ڈھال کیوں بن گئے۔ انھوں نے اس کا سیدھا ٹھنڈا کیوں نہیں ہونے دیا۔ آپ سے بھی میری یہی درخواست ہے جیلانی! اسے روکنے کی کوشش نہ کریں آپ۔ میں نے اُسے اپنا کر بے جرم کا ایک طرح سے قصاص دینے کی کوشش کی تھی اُسے لیکن اس نے منظور نہیں کیا۔ وہ مجھ پر اپنا خون صاف کرنے کو آمادہ نہیں ہے سائیں تو اسے سو ادے لینے دیں۔ بچہ پر بھی بڑا بوجھ ہے اپنے خیر کا، یہ بوجھ آٹھا کر اب مجھ سے چلا نہیں جاتا جیلانی! آپ برٹ جاتیں درمیان سے، میں آپ کی بہن پر آپ کو نہیں آنے دوں گا کوئی“

اس کی باتیں حیران کر دیتی تھیں مجھے۔ بڑا عجیب آدمی ثابت ہو رہا تھا وہ کتنا مختلف تھا اس کا باطن اس کے ظاہر سے، یہ تضاد تو میں آج آدمی میں قدم پر نظر آتا ہے۔ اس دور میں ایسے لوگ کہاں ہیں جن کا دردوں بروں بالکل یکساں ہو مگر وہ متضاد شخصیت رکھنے والے لوگ ایسے کہاں ہوتے ہیں۔ وہ تو بڑے باطن ہوتے ہیں۔ اپنے چہروں پر بار بار اس کی نقاب ڈالے چھپتے ہیں۔ پیشانیوں پر سحر کے نشان سبھا کر نکلتے ہیں گھروں سے مگر اندر سے بڑے سیاحان

ہوتے ہیں۔ جس کو دس لیتے ہیں پانی نہیں مانگتا ہوا وہ بیٹھ کے ایسے ہی کشش مانگ ہوتے ہیں یہ لوگ مگر لاکھو لاشاری تو توشتے ہی کچھ اور تھی۔ اس کے اندر سے جو انسان برآمد ہو رہا تھا آج، ایسا انسان تو میں نے اب تک دیکھا ہی نہیں تھا۔ پیش اس کا لوٹ مار اور قتل وغارتگری رہا تھا اور کوئی نیک نانی اس کے حصے میں نہیں آئی تھی کبھی مگر اندر سے وہ کیسا بے لڑا برآمد ہوا تھا! اس کا صاف صاف اُجلا اُجلا۔ ایسے اُچلے اور صاف باطن لوگ ہی آتے ہیں اس دنیا میں اور جو آتے ہیں اس دنیا میں انھیں دریافت کرنا بھی ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ اگر دریافت ہو جاتے ہیں تو دل کا ٹھنڈا جاتے ہیں اور اللہ کے محبوب بندوں میں شمار ہوتا ہے ان کا۔ یہ لاکھو لاشاری بھی کوئی ایسا ہی ہو تھا ایک گناہ کر کے وہ جتنا بچھا رہا تھا، جس قدر وہ پشیمان تھا۔ اپنے اس گناہ پر۔ ”اور جس طرح اپنی جان دے کبھی اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہتا تھا، ایسا میں نے پہلے تو کسی کو کرتے نہیں دیکھا تھا۔ داشتہ یا نداشتہ سرزد ہو جاتے والے گناہوں پر ایسی بے گناہی تو بھی تو ہوتی ہے جو اللہ سے خوفزدہ رہتے ہیں اور جنھیں یہ یقین ہوتا ہے کہ انھیں بالآخر اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے اور ایک دن اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے اس رب کا نشانہ نہ ٹھیک ہے کہ اس کی زندگی کا بڑا حصہ ٹوٹ مار میں گزارا تھا مگر آدمی کے نائب ہو کر راہ راست پر آنے کی کوئی عزم و مقصد نہیں ہے۔ جب بھی اس کا دل پھر جائے، جب بھی ہدایت مل جائے اسے اس کی زندگی کا رخ صراطِ مستقیم کی طرف نہ مڑتا ہے اور شاید لاکھو ہدایت پا گیا تھا۔

میں نے کہا ”لاکھو! تو مجھے بے حد مزے۔ میں تجھے کھانا نہیں چاہتا۔ اسی لیے ڈر آیا ہوں ادھر جانا نہیں ہے تو اس آسیہ کو ضد کی لڑائی ہے۔ اپنی ذلت کے احساس نے مار رکھا ہے اسے، اس نے قسم کھائی ہے مجھے اپنے ہاتھ سے گولی مارنے کی“

”میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں، اسے تم پوری کر لینے دیں اپنی۔ مجھے بالکل دکھ نہ ہوگا۔ میں تیار ہوں اس کے لیے“

”مگر میں بالکل تیار نہیں ہوں میرے بار! تو سمجھتا کیوں نہیں ہے؟ وہ بیک وقت جان لے لے گی تیری“ میں نے زہن ہو کر کہا۔

”میں جانتا ہوں، رات کے واقعے کے بعد تو اس میں شک شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی ہے کوئی اور بات بھی نہیں چاہتا ہوں کہ اگر وہ مجھے معاف نہیں کر سکتی تو میری جان لے کر اپنا دل ٹھنڈا کر لے۔ شاید مجھ پر کچھ صبر ہو سکتا ہے، لیکن ذلیل حرکت سرزد ہوئی ہے مجھ سے جو خود میرے سینے

کی چھاس بن کر رہ گئی ہے۔ کیا معلوم تھا مجھ کہ ایسی غیرت مند لڑکی ہے وہ۔ یہ سوچا بھی نہیں تھا میں نے کبھی کہ جیل کی چار دیواری میں ایسی بھی کوئی لڑکی قلم دھڑکتی ہے۔ کاش مجھے پہلے سے معلوم ہوتا اس بارے میں تو اپنی جان دے کر کبھی حفاظت کرتا اس کی۔ ایسی جی دار اور متحرک لڑکیوں میں مجھ جیسے کمینوں کے ہاتھوں مر سوا ہونے کے لیے تو نہیں ہوتی“

”اور وہ بچہ کہاں ہے تمہارا؟ اسے کیوں اٹھوا لیا تم نے اس شب خبر کے پاس سے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”وہ میں ہے میرے پاس لاشا کی کاخوں ہے وہ۔ بھلا کسی طوائف کے پاس کیسے چھوڑ دینا؟ اُسے“ اس نے جواب دیا۔

”یہ تو ٹھیک کہلے تم نے مگر میرا خیال ہے وہ بچہ اگر آسیہ کے حوالے کر دیتے تو شاید بات اتنی نہ بڑھتی۔ پچھلے کو پاکر آسیہ تمھیں بھول جاتی۔ تم نے بچے کو چھین کر اسے اور بھی بھڑکا دیا ہے۔ اس کے سینے میں دبی آگ کو ہوا دی ہے“

”میں ماننا ہوں آپ کی بات کو جیلانی۔ غلط نہیں کہا ہے آپ نے یہ، لیکن میری یہی تو ہمدردی ہے کچھ۔ میں اپنے اجداد کی قائم کی ہوئی روایات سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ اس کی خاطر جان دینے کو تیار ہوں میں۔ میرے گناہ کی جو بھی بڑی سے بڑی سزا چاہے دے لے مجھے، ہر سزا جتنے کو تیار ہوں مگر بچہ کو نہ مانگے مجھ سے۔ یہ سزا ہوں گا میں“

لاکھو لولا۔

”ہوں“ میں سوچ میں پڑ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ آسیہ اگر میرے سامنے ہوتی تو میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا مگر وہ نہ چلنے کہاں اس کی کھات لگاٹے بیٹھی تھی اسے تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ یہ بھی ڈر تھا مجھے کہ میں اسے تلاش کرنے کے لیے لاکھو کی حوصلے سے نکلا تو کہیں وہ میری غیر موجودگی میں اس کا کام ہی تمام نہ کر جائے میں لاکھو کو اس کے ہاتھوں مرنے سے بچانا چاہتا تھا میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ زمین پر اپنے لیے جگہ تنگ کر تی چلی جائے میں اُسے دھرتی کے سینے پر چلتے پھرتے دیکھنا چاہتا تھا پھولتے پھولتے دیکھنا چاہتا تھا اور میرے خیال میں لاکھو لاشاری کی جی میں اس کی لہیر، بڑے آرام سے گزرتی تھی۔ جن حالات سے وہ گزر کر آئی تھی، اس کے بعد اگر جلد ہی اسے کوئی گوشہ عافیت میسر نہ آتا تو اس کے لیے زیادہ دن کھلی فضا میں سانس لینا دشوار ہو جاتا۔ پولیس کو اس کی تلاش تھی، اس پر جن سنگین الزامات کے تحت مقدمہ چلایا جا رہا تھا، انہیں کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی صورت میں لاہور اس کے

پلے محفوظ نگاہ کا نہیں بن سکتا تھا۔ اسے کسی ایسی ہی گلام جگہ رہنا چاہیے تھا جہاں کسی کا تصور بھی نہ پہنچ سکے اور ایسی جگہ میری نظر میں لاکھوں کی چوٹی کے سوا کوئی نہ تھی۔

میں نے لاکھوں سے پوچھا "تمہارے خیال میں اس وقت آسیر کہاں ہوگی؟ کچھ اندازہ ہے تمہیں اس کے بارے میں؟"

"نہیں، میں اس مسئلے میں کچھ نہیں جانتا۔ ویسے میں اگر معلوم کرنا چاہوں تو یہ مشکل نہیں ہے۔ وہ میرا گھوڑا لے کر گئی ہے۔ اگر میں اس کے خلاف قدم اٹھانا چاہتا تو اس کی اس غلطی سے فائدہ اٹھا کر اسے نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اسے خبر نہیں ہے کہ وہ اس گھوڑے کے ساتھ کہاں بھی جائے گی، سندھ کی جس شاہراہ اور جس بستی سے گزرے گی مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی۔ میرا مشکلی پورے سندھ میں پھانا جاتا ہے۔ اس نسل کا کوئی اور گھوڑا کم از کم سندھ میں تو کسی کے پاس نہیں ہے۔ اپنے علاقے کے کئی مقاموں میں میرے مشکلی نے افہام جیتے ہیں۔ پتہ چڑھتا ہے اسے۔"

"بچہ تیرا کرو، وہ کہاں ہے اس وقت؟ میں اس سے مل کر اسے ایک بار پھر تمہارے کی کوشش کروں گا۔"

"نہیں جیلانی، ایسا غضب کر بھی نہ دینا۔ میری چوٹی کے لوگوں کو ابھی پتا نہیں ہے کہ وہ میرا گھوڑا لے گئی ہے۔ انہیں میں نے یہ بتایا ہے کہ خود میرے زخمی ہو کر گرنے کے بعد گھوڑا بھاگ گیا ہے کہیں؟ لاکھوں نے جلدی سے کہا۔ میں نے نہیں کر کہا۔ کس خیال میں ہے تو جھانی؟ یہاں سب جانتے ہیں کہ تیرا گھوڑا آسیر لے گئی ہے۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔ آپ کیسے کہہ رہے ہیں؟ جب کہ میں نے کسی کو بتایا ہی نہیں ہے؟" وہ بے یقینی سے بولا۔

"اگر تم نے نہیں بتایا ہے تو شاید انہوں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ گھوڑا آسیر لے گئی ہے کیونکہ مجھے سیف علی نے یہی کہا تھا کہ تم پر جس عورت نے حمل کیا تھا وہ تمہارے مشکلی پر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی ہے۔" میں نے اُسے بتایا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھرا آئیں۔ وہ گھبرا کر بولا "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ ایسا کہا ہے اس سیف علی نے؟"

"ہاں، یہی کہا تھا اس نے مجھے اور اس میں کسی بھی قسم کے شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا تھا اس نے بالکل بھی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انہیں پختہ یقین ہے کہ تمہارا گھوڑا آسیر لے گئی ہے یا شاید میں نے اسے اس گھوڑے پر جلتے دیکھ لیا ہے۔"

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔ نہ مکن نہیں ہے یہ ممکن ہے۔" کی بات یہ ہے کسی نے بھی مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

"مکن ہے تمہاری حالت کے پیش نظر انہوں نے تمہیں بتانا مناسب نہ سمجھا ہو یا وہ اپنے طور پر اسے گھیر کر بچرنا چاہتے ہوں تاکہ کسی مناسب موقع پر اسے تمہارے قدموں میں لا ڈالیں۔ ان کا خیال ہو گا کہ تم ان کے اس عمل سے خوش ہو جاؤ گے۔"

"ہو سکتا ہے، یہ ہو سکتا ہے جیلانی، بہت مکن ہے۔" یہی سوچ رکھا ہوا اس سین علی نے۔ وہ اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو بہت بڑا جوا بھجلائی! یہ لوگ.... یہ لوگ کس طرح بھی معاف نہیں کریں گے اسے۔ اس معاملے میں وہ میری بھی کوئی بات نہیں سنیں گے۔ کچھ کر رہا جیلانی، خدا کے لیے کچھ کر۔ اس انہیں روکیں، اس تک نہ پہنچنے دیں انہیں؟ وہ اداں ہو کر بولا۔

"وہ میں انہیں کیسے روک سکتا ہوں لاکھو! یہ لوگ جب تمہاری بات نہیں سنیں گے تو میری بات کس طرح اثر انداز ہوگی ان پر؟"

"پتا نہیں، کچھ کچھ پتا نہیں جیلانی! میں کچھ نہیں جانتا، کس طرح روکیں گے آپ انہیں۔ بس روک لیں کسی طرح بھی کچھ بھی کریں۔ خون میں منڈا دیں ان سب کو مگر اس تک پہنچنے نہ دیں انہیں۔ وہ ادھر ادھر دھکیے پر مار رہے ہوں۔ یہ جیلانی انداز میں بولا "عاش جیلانی! میرے بھائی ٹولری جا رہی، وقت نہ برباد کریں، اگر وہ پہنچ گئے اس تک تو آپ آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکیں گے۔"

میں نے اس وقت اس کے پاس سے اٹھ جانا ہی مناسب جانا۔ لاکھو میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا کہ اگر سیف علی نے آسیر کے مسئلے میں کوئی قدم اٹھا ہی لیا ہے تو اسے کیسے روک سکیں گے۔ میں نے لاکھو کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا میرے بھائی، جانا ہوں میں اور دیکھتا ہوں تاکہ کہیں اس بد نصیب کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"جلدی جاؤ جیلانی! اور اپنے اس بار آتی سے شورو کریں اس مسئلے میں، میرا خیال ہے وہ ضرور رو کر نہ کھالے گا۔"

"ہاں، اسی کے پاس جا رہا ہوں میں میں ہے وہ کوئی صبح مشورہ دے دے۔" میں تیزی سے سر دھڑی دھڑانے کی طرف بڑھ گیا۔

چوٹی کا سماں خانہ میں نے دیکھا ہوا تھا، وہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے کسی راہنمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ لاکھو کے کمرے تک میں سیدھا سماں خانے کے سامنے جا پہنچا۔ آبی اس گھڑی شرف علی کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول تھا۔ وہ کسی بہت ہی اہم مسئلے پر سرگرم تھے۔

بٹھے تھے مجھے دیکھ کر دونوں نے اپنی اپنی جگہاں سوا بہ انداز میں جیر چھپا چڑیں۔ میں آبی کے ساتھ اسی کی چارپائی پر بیٹھنے ہوئے بولا۔

"یہاں تو معاملہ ہی اتنا اٹکا ہے بارہماری نورساری سوچیں غلط بات کر دی ہیں اس لاشاری نے؟"

"کیوں کہا کرتا ہے وہ مرنے کی پھر؟" آبی نے لاکھو کو ایک نیا لقب دیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ جو کچھ بتائے اس سے ہمارے سارے اندازے منہ بڑھتے ہیں۔ معلوم ہو رہے ہیں مجھے۔" میں نے کہا۔

"اوتے کچھ بھی تو اصل بات تو بتائے اس کی کس بات نے عقل راہی ہے تیری؟ جوں اتنا حزن پریشان ہو رہا ہے تو؟"

"وہ بارہ اس پر جس عورت نے حمل کیا تھا وہ آسیر ہی تھی، اس نے بچان لیا تھا اسے۔ یہی بنیاد اس نے مجھے۔"

"اوتے بیڑ عزن، یہ تو بارہ چھ ہوش گم کر دینے والی بات ہے۔ وہ سیف علی سلا دھوکے سے پیچھے لایا ہے یہیں یہاں؟"

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے، اگر کیا ہوتا تو وہ چوٹی میں داخل ہوتے ہی ہماری مشکلیں باندھ لینے کی کوشش ضرور کرتے۔"

"کیا مطلب ہے تیرا جیلانی، کہنا کیا چاہتا ہے تو، ذرا صاف صاف کھل کے بات کر میرے بارہ۔ ایک ایک کیوں جانتا ہے بارہ؟"

"تو تو یہی جو اس شروع کر دیتا ہے درمیان میں پوری بات بتائے کہاں سے رہا ہے تو۔ مٹھوڑی زبان کو لگا دم دے کہ رکھ اپنی اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے پوری توجہ سے سن لے۔ پھر جتنی دل چاہے بھائی کر رہتا۔"

"اچھا، آئیں بولوں گا اب میں، بتا کیا بات ہے۔ یہ تقریر اور یہ ختم کر دے تو میری اپنی؟" آبی بولا۔

"لاکھو نے آسیر کو بچان لیا تھا۔ میں یہ بتا رہا تھا تمہیں پھر میں نے ان دونوں کو وہ ساری باتیں بتا دیں جو لاکھو نے مجھ سے کی تھیں پھر کہا۔ مگر اب آبی ایک بات سمجھیں میں کہ ہے میری اس نے مجھے اٹھا دیا ہے۔"

"کیا بات ہے؟ کون سی بات نہیں سمجھ رہا بارہ تو بھگے جتا شاید میں سمجھ لوں اسے؟" آبی نے کہا۔

"وہ کہتا ہے کہ اس نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی ہے کہ وہ خود عورت اس کے مشکلی گھوڑے پر فرار ہوئی ہے سچ ہے تو سیف علی کو یہ یہ معلوم ہو گا کہ وہ لاکھو کا مشکلی گھوڑا لے گئی ہے۔"

"یہ تو تو نے بالکل صحیح بولا تھا وہ بارہ... کہیں وہ سا فریب تو نہیں کر رہا ہے مجھ سے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ میں اندھیرے میں ٹھنڈے ہمارے درجہ میں رہا ہو وہ آدمی وہ بھی لاشری سے تم کیا کہہ نہیں گئے تھے۔"

"نہیں بارہ! اتنے تسلسل سے جھوٹ بولنا آسان کام نہیں

ہے۔ ایسا آدمی بالکل نہیں ہے وہ جو لوگ اس طرح جھوٹ بولنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ اپنے بیان میں کیوں اور کیسے کی گنجائش نہیں دیتے دیتے، ہر شے کا ہر ہونے میں وہ۔"

"تو نے اس سے نہیں پوچھا کہ اس کے بتائے بغیر سیف علی کو کیسے معلوم ہو گئی یہ بات؟" آبی نے پوچھا۔

"پوچھا تھا میں نے اس سے بھی اور اس بات پر اس نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا۔ یہ چوٹی ہو گیا تھا وہ یہ سن کر۔ اس نے اس خندے کا اظہار بھی کیا تھا کہ ہم سیف علی اور اس کے آدمیوں کو اگر اس گھوڑے کی تلاش سے روک سکے تو وہ وہ لوگ گھوڑے کے ساتھ ساتھ آسیر کو بھی پکڑ لیں گے۔ اس گھوڑے کے ساتھ وہ دم میں سر جھکا کر ان نظروں میں ہوگی اور اگر وہ باخدا آبی ان کے تو یہ لوگ لاکھو کو پورا پورا انتقام لیں گے اس سے اس وقت لاکھو بھی نہیں بچا سکے گا۔"

"یہ تو بہت غلط بات ہو گئی ہے بارہ! میں فوراً کچھ کرنا چاہیے اس مسئلے میں، شرف علی کو ہمدردی سے بولا۔

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ میں کچھ کرنا چاہیے اس مسئلے میں مگر کرنا کیا چاہیے؟ اصل مسئلہ تو یہ ہے میرے بھائی کچھ سمجھ میں آتا ہے تمہاری؟"

"ایک بات آتی ہے میری سمجھ میں جیلانی، آبی بولا "ہم سیف علی سے اپنے طور پر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس نے اب تک اس معاملے میں کیا کچھ کیا ہے۔ اگر اچھی نگاہ سے نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ علمہ اور کون تھی تو وہ ہم سے کوئی بات چپانے کی کوشش نہیں کرے گا پھر ہم اس کے بیان کی روشنی میں کچھ سمجھیں گے۔"

"ہاں، میرے چوٹی ہے۔" شرف علی، آبی کی تائید کرتے ہوئے بولا۔ "اگر اسے آسیر کے بارے میں علم نہیں ہے تو ہم اس کی مدد کرنے کے ہمارے خود بھی اس کی تلاش میں نکل جائیں گے۔ خبر اگر بات بگڑی بھی تو اس چوٹی سے باہر وہ ہم پر آئی آسانی سے تا لو نہیں پاسکیں گے بھلی جگہ پر تو ہم انہیں بھی طرح طرح پھنسا دیں گے۔"

"ہاں، بات تو ہم دونوں کی تحیک ہی معلوم ہوتی ہے، اچھا تھوڑے دن میں بلانا ہوں اس سیف علی کو۔"

میں اٹھ کر باہر گیا میرا کمرے چوٹی کے میں گیت کی طرف تھا۔ سماں خانہ چوٹی کے بالکل عقبی حصے میں تھا۔ میں گیت پہنچنے کے لیے پوری عمارت کا کچھ گنا پڑنا تھا۔ میں گھوم کر کسی سے سامنے میری نظر گیت میں داخل ہوئی ہوئی پائیس جیب پر پڑی جس کے پیچھے ایک عربی نسل کا چمکدار سیاہ گھوڑا چلا آ رہا تھا۔ اسے پیچھے میں تیری سے واپس پٹنا اور دوڑتا جاو وہ بارہ سماں خانے میں جاگھ۔ "اوتے آبی! غضب ہو گیا بارہ! میرا خیال ہے، منوں نے آسیر کو پکڑ لیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تیرا بارہ اس نے بتایا ہے یہ مجھے؟" آبی نے سی

پھرتی سے اٹھ کر میرے پاس آگیا۔

”بتاؤ کبھی نے نہیں، میں نے بھی ابھی ایک پولیس کی جیب کو جوبلی میں داخل ہونے دیکھا ہے، اس کے ساتھ لاکھوادہ مشکلی گھوڑا بھی ہے جس کے ہارے میں لاکھونے بتایا تھا کہ اسے آسیرے لگ گئی ہے، اس گھوڑے کے منے کا مطلب تو یہی ہے کہ آسیرہ بھی ہاتھ لگ گئی ہے ان کے اتنا موقع نہیں تھا اس وقت کہ جیب کا تفصیلی جائزہ لے سکتا، ورنہ یہ بھی معلوم کر لیتا۔“

”یہ معلوم کرنا تو بہت ضروری ہے، بتا کر دیکھیے، اگر اسے بھی پکڑ لائے ہیں یہ پھیلے تو ان سے دودھ ہاتھ کرنا پڑیں گے نہیں؟“ اچانک باہر سے بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں، میں نے آئی سے کہا: ”جلدی سے جاؤ اور ڈھک کر لپٹ جاؤ اور بہتوں ہاتھ میں رکھنا اپنے، شاید ضرورت پڑ جائے ہمیں اس کی،“ کہہ کر میں جلدی سے چار پانی پر بیٹھ کر اپنے جوتے کھولنے لگا۔

آئی اور شرف علی میری ہدایت کے مطابق تیزی سے اپنے اپنے بستروں میں جا بیٹھے، میں نے پستول اپنے ہاتھ کی پہنچ میں کر لیا تھا، دوسرے ہی لمحے سیف علی ایک پولیس افسر اور دو سپاہیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا، میں نے جوتے چھوڑ کر سیدھا ہوتے ہوئے بولا، ”آؤ سیف علی اخیر تو بے نا کیا ان لوگوں نے حملہ آور کو پکڑ لیا ہے؟“

”نہیں سائیں! وہ تو ہاتھ نہیں آسکی ان کے مگر لاشاری سائیں کا گھوڑے آئے ہیں یہ“ چہرہ اپنے ساتھ آئے دے تھا بنابر سے بولا، ”لیں جناب! میں اس آپ ان سے یہ باشم خان پنجاب کے ایک زمین دار ہیں اور اپنے سائیں کے اچھے دوستوں میں سے ہیں آتے جاتے رہتے ہیں اکثر یہاں، انہیں ہی دیکھا تھا آپ نے صبح سچل کے ڈیرے پر“

بڑی پالتو قسم کا سا ہاتھ تھا وہ تھا بنابر سیدھے سادے غریب دیہاتیوں پر دھبہ کاٹھنے کے لیے اس نے کوئی ایک ایک باشت لمبی و نکھیں بال بھی نہیں چہرے پر مگر مال مفت نے اس کا پیٹ اتنا بڑھا دیا تھا کہ... سنبھان مشکل ہو رہا تھا اسے گوشت کی ایسی فراوانی تھی اس کے جسم پر جسے دیکھ کر کسی جنگلی جھینگے کا تصور ابھر آتا تھا ذہن میں وہ کچھ دیر بہت غور سے مجھے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر میری طرف بڑھتے ہوئے بولا: ”جی خوشی ہوئی ہے آپ سے یہاں مل کر خان جی، گئے تو آپ سچج کسی علاقے کے زمیندار ہی ہیں، کون سا علاقہ ہے جناب آپ کا؟“ اس نے میرا ہاتھ ختم لیا۔

”ایسا کوئی مشہور علاقہ تو نہیں ہے جی مگر شاید نام سنا ہو آپ نے،“ دھرجھاری سرحد کے قریب چوکھو نامی جگہ ہے وہ۔

”اوہو چوکھو، جانتا ہوں میں، اخباروں میں نام پڑھا ہے اس جگہ کا میں نے مگر وہاں کے زمیندار کا نام تو شاید وہاں پڑھا

تھا میں نے، ہاں شاید کیا وہاں ہی نام ہے، ان کا سیاسی آدمی ہو دیا واکیا مجھے“

”ہاں بالکل جھٹک کہہ رہے ہیں تھا بنابر صاحب آپ خبر پڑھا ہوگا ان کا نام آپ نے، بہت چھینٹا رہا ہے یہ نام اخباروں میں مگر حیرت کی بات ہے آپ نے ان کے قتل کی خبر اخباروں میں نہیں پڑھی یا یاد نہیں رہی آپ کو؟“

”قتل ان کو کیا قتل ہو گیا ہے ان کا؟“ پھر پھر تو نظر سے نہیں گزرا میری کب کا واقعہ ہے یہ؟“ وہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا، ”کانی برائی خبر ہے یہ تھا بنابر جیبرت ہے آپ کی نظر سے اتنے جیسے کیس کی خبر اچھل ہو گئی، چچا تھے وہ میرے اور اولاد کو نہیں تھی ان کی اس لیے ان کی کھلی جامداد مجھے مل گئی، ورنہ ہم تو کبھی نہیں کر سکتے تھے زمینداری کا“ میں نے کہا۔

”ہاں جی تھیں تقدیر کی بات ہے ساری وار آپ جیسے آدمی لیے تو یوں بھی ایک چوکھو کے ہونے نہ ہونے سے کفر پڑتا ہے آپ پہلے ہی پورے پنجاب کے مالک ہیں، آپ کے قدموں کو تو خراب کا پچھ پچھنا ہے جناب غلام جیلانی صاحب!“

اس نے یوں اچانک میرا نام لے کر مجھے حیران کر دیا تھا، کوئی ایسا ہی پرانا بانی تھا جس نے اپنے ذہن میں میری تصویر بنائی کے ساتھ محفوظ رکھی تھی اور مجھے دیکھتے ہی اس نے وہ تصویر نکال، میری صورت سے ملانی تھی، کچھ جرات کا شہد، جھٹکا سا لگا تھا اور میں ابھی سمجھ ہی نہیں سکا تھا اس شخص کے کہ اس نے اپنے ساتھ کون سے عجیبوں کو کچھ دیا، باندھ لو اس ڈگریٹ کو، سالہا تیس بار خاں بنا پھرتا ہے، جانتا نہیں کہ اور تھا بنابر افضل بیگ کا بھی علاقہ پڑتا ہے، پچھ پچھان ہے مجھے کبھی طرح سے، بڑے بڑے نامی گرمی ڈاکو ڈر کو پہنچا دیا ہے میں نے اندر پوچھ لیا اور حیران میں اگرم مل جانے کوئی تو اس کا حکم سننے ہی اس کے ساتھ آئے وائے دونوں سپاہ

تیزی سے میری طرف پکے، میں نے پھرتی سے اٹھنا چاہا مگر اس گشت کے بہانے میرے ہاتھ پر اپنی گزرت بہت مضبوط کر رکھی تھی، میرا ذرا سا تھکے ہی اس نے زور سے جھٹکا دے کر مجھے چار پانی پر بٹھا، ال کار روٹی کے دوران وہ آئی اور شرف علی کو بالکل فروغوش کر رہا تھے یا شاید انہیں سوتا ہوا جان کر اس نے یہ سوچا ہو کہ مجھے قالا کرنے کے بعد ان سوتے ہوئے آدمیوں کو باندھ لینا اس کے بے زیادہ مشکل نہیں ہوگا مگر اس بڑبڑے کی یہ غفلت ہی اس کے گتے میں آچری تھی، وہ تینوں مجھے باندھنے کی کوشش ہی کر رہے

کہ آئی اچانک ان پر آ پڑا، اس نے اپنا پستول تھا بنابر کی گردن رکھ کر ایک سپاہی کے منہ پر اٹھا ہاتھ مار کے کہا: ”برے ہو گئے،“ اگر ذرا بھی چوچ چوچاں تو اس تھا بنابر کی دم کا کمرہ کمرہ گردن وہ دونوں ایک دم کھل کر پیچھے ہٹ گئے، سیف علی جا رہا

جی خاموش رہتا تھا، ہاتھ اٹھا، پانسہ پٹتے دیکھ کر تیزی سے دروازے کی طرف مڑا، مگر شرافت علی نے اس سے پہلے ہی جت کر کے دروازے سے باہر جانے کی راہ مسدود کر دی تھی، اس نے ایک ہاتھ سے پستول سیف علی کی طرف سیدھا کر کے دوسرے ہاتھ سے دروازہ بند کر کے اندر سے زنجیر چڑھا دی۔

میں نے ایک جھٹکا دے کر تھا بنابر افضل بیگ سے اپنا ہاتھ چھوڑنے کو کہنا، ”افضل بیگ! ابھی واسطہ پڑے پڑے ڈاکوؤں سے سے پڑے ہو، تم کوئی مجھ جیسا پہلی بار ہی مکر سے، میں جاہوں تو تم سب کی قبریں اس کمرے میں تیار ہو سکتی ہیں مگر یہ میرا کام نہیں ہے، میں کشت و خون پسند نہیں کرتا، جتنا کہیں جتنا ہے بچنے کی کوشش کرنا، یوں اس سے ورنہ تمہیں حرام تو میری نظر میں قابل گردن زدنی ہیں، کبھی بچ سکتے تھے،“ پھر میں نے اپنا پستول نکال کر سیدھا کر کے جوئے آئی سے کہا: ”آئی! انہیں باندھ کر ڈال دے، دھری، بھرم دیکھتے ہیں اس رد و بدل لاکھو کچل کر، دھوکا کیا ہے اس کیلئے، تمہارے ساتھ ساتھ مکاری آگئی ہے، اس میں، میزبان کی کے آدب بھلا بیٹھا ہے وہ“

سیف علی نے گھٹکیا ہے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ میرے آگے کر کے جڑوے اور بولا، ”ایسا نہیں سائیں! ان کا کوئی قصور نہیں ہے، اس میں، انہیں تو کچھ پتا بھی نہیں ہے سائیں، رسد انصوریہا ہے، صرف میں جرم ہوں آپ کا، مجھے آپ جیسی جاہیں سزا دے نہیں مگر لاشاری سائیں کو نہیں کچھ بھی، شہزادہ قندری قسم سائیں جیلانی وہ قصور ہیں؟“

”اوتے لاشاری کے گتے، تو نے کیوں کیا تھا ایسا؟ ہم نے کون سی زمینیں دہل ہیں میں تیری ذلیل آدمی؟“

”اندھا کر دیا تھا مجھے انتقام کی آگ نے، لاشاری سائیں نے کچھ نہیں بتایا تھا جی، مگر مجھے پتا چل گیا تھا کہ ان پر حملہ آپ کی کہیں نے کیا تھا، بس اسی کا انتقام میں نے آپ سے لینے کی کوشش کی تھی، آپ میرے گھوڑے گردن چاہتے تو اسے بوٹیاں پھوڑاؤں میری مگر آپ کو لاکھ واسطہ لاشاری سائیں سے نہ کہیں کچھ بھی، وہ پہلے ہی بہت تکلیف میں ہیں“

اسی دوران آئی نے تھا بنابر کو چار پانی کی پائنتی سے رستی نکال کر باندھ دیا تھا اور ایک چادر چار پانچ اس کا پٹرا اس کے منہ میں ٹھونس کر منہ پر چوڑی سی پٹی باندھ دی تھی، دونوں سپاہی اس صورت حال سے بے حد خوف زدہ نظر آ رہے تھے، انہیں شرافت علی سے دھمکی دے کر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا، آئی تھا بنابر افضل بیگ سے گتے کے بعد ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا اور باری باری انہیں بھی باندھ کر ڈال دیا پھر وہ سیف علی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا، ”اوتے باندھ کر ڈالیں،“ میرا تو انہیں ہے اس ذلیل کی

گردن اڑا دینا چاہیے“

”جی تو میری جی چاہتا ہے یار مگر اسے مار کے میں کھانڈہ کیا بیچنے کا لاکھو کے حوالے کر دیں گے ہم اسے، وہ جیسا چاہے ملک کرے اس کے ساتھ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا،“ پھر میں نے سیف علی کو مخاطب کیا، ”ایک اوتے کھوتے دے پٹنڑا، دیکھ کر سچ بتا دے میں، کیا آسیرہ کبھی پکڑ لائے ہیں یہ لوگ؟“

سیف علی نے کہا، ”اب جھوٹ بولنے کا کوئی نامہ نہیں ہے جیلانی سائیں، آپ کی کہیں پولیس کے ہاتھ آگئی ہے؟“

”کہاں ہے وہ؟ کیا یہ لوگ ساتھ لائے ہیں اسے؟“ لاکھو کا گھوڑا تو میں نے دیکھا ہے ان کے ساتھ“

”ہاں، وہ ساتھ ہی ہے ان کے، باہر چپ میں بیٹھا کھا ہے اسے، یہاں یہ لوگ لاشاری سائیں سے شناخت کرانے کے لیے لائے ہیں اسے، سچ پوچھیں تو اسے دیکھ کر میری دہل میں آپ کے خلاف نفرت جاگ اٹھی تھی“

”تھیک ہے، آؤ باہر چلو، ہم تمہارے ساتھ ہی اس جیب تک جلیں گے اور پھر دروازہ کی کسی وی حرکت کی تو بہت برا ہوگا،“ میں نے اسے دروازے کی طرف دھکا دیتے ہوئے کہا، وہ میرے آگے آگے چلنے لگا، شرافت علی نے دروازہ کھول کر اسے راستہ دے دیا۔

آئی اور شرف علی بھی ہمارے پیچھے چھ باہر نکل آئے، میں نے اپنا پستول جیب میں رکھتے ہوئے ان دونوں سے کہا، ”اپنے اپنے پستول اس طرح رکھو کہ نظر نہ آئیں کسی کو مگر تم ضرورت کے وقت انہیں فوری طور پر استعمال کر سکاؤ، ورنہ دروازہ باہر سے بند کر دو، آج کچھ دیر تک کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے اس کمرے میں پڑے ہوئے لوگوں کے بارے میں“

آئی نے دروازہ بند کر کے کٹدی چڑھائی اور تیزی سے پکب کر سیف علی کے بالکل ساتھ ساتھ چلنے لگا، پستول اس نے اپنی شہرہ کی جیب میں ڈال لیا تھا اور چلتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول کی نال سیف علی کی کمرے لگا دی تھی، یوں ہم تینوں اسے اپنے جلو میں لیے جوبلی کے مین گیٹ کی طرف چل دیے، پولیس کی جیب میں گیٹ کے اندر جوبلی کی عمارت کے سامنے کھڑی تھی، اس کی عقبی نشست پر دو سپاہی آسیرہ کو اپنے درمیان لیے بیٹھے تھے، آج میں نے اپنی اس تیرو بخت بہن کو کانی دنوں کے بعد دیکھا تھا، اس کی حالت دیکھ کر میرا کچھ رشتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا مجھے، صحت اس کی بالکل تیار ہو کر گئی تھی، اولینڈی ہیل میں اس نے جو صو تیں برداشت کی تھیں، آؤ تئیں کے جو سمندر عبور کر کے آئی تھی وہ، اس کی تمام علامتیں اس کے چہرے پر نمایاں تھیں، اس کی وہ دودھ سے غسل کیے ہوئے گلاب جیسی رنگت کڑی دھوپ میں تپے ہوئے تانے کی مانند ہو چکی تھی، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بن گئے تھے، چہرے کی



یہ پھر ناٹھیک نہیں ہے۔

”آپ دونوں کس طرح یہاں پہنچ گئے جہاں جان؟ آپ کو کس نے بنایا میرے بارے میں؟“ آئیسہ نے اس لمحے میں پوچھا۔  
 ”ماں جی نے بتایا تھا مجھے، کل شام کو فون پر بات کی تھی میں ان سے کہنے کے لیے ان کا بہت دل دکھایا ہے آئیسہ۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے پہلے ہی وہ بات تھی میں اس سلامتی کی دعا میں مانگا کرتی تھی رب سے ہمارے لیے آئیسہ! تو سوچا ہوتا تو کہ ہم دونوں نے انہیں زندگی میں دکھوں کے سوا دوسری کیا ہے؟“  
 ”وہ تو ٹھیک ہے جہاں جان مگر حالات نے ہمیں کچھ کرنے کا موقع ہی تک دیا ہے۔ وقت کی یہ خوف ناک آندھیاں جو ہیں دھڑا دھڑا اٹھ اٹھ چھتری ہیں ہمارے اختیار میں تو نہیں ہیں۔ یہ ہمارے قدم جیکے ہیں کہاں رہتی ہیں۔“

”ماں ٹھیک کہتی ہے تو، یہ سب جو ہمارے ساتھ ہوتا رہا ہے اور ہمارے باہر جو ہم کرتے رہے ہیں اس میں ہماری رضا شامل نہیں ہے، ہم تو خود کو حالات سے بچانے کے لیے ہاتھ پیر چلاتے رہے ہیں، بے شک اس میں ارادوں کا ہمارے کوئی دخل نہیں رہا ہے کبھی مگر اب تو مجھے نہیں ٹھکانا چاہیے تھا کمرے سے اب تو میں نے ترسے اور ماں جی کے غمظنہ کے لیے ایک چھت فراہم کر دی ہے۔ تجھے ماں جی کے ساتھ وہاں بیٹھے رہنا چاہیے تھا۔“

یہ سب تو ٹھیک ہے جہاں جان مگر وہ کتنا لاکھولاشاری تو میرے سینے میں کسک دیتا رہتا ہے ہمیشہ، میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دینے کا عہد کیا ہے اور جب تک میں یہ عہد پورا نہیں کروں گی مجھے ایک پل بھی نہیں نصیب نہیں ہو سکے گا۔ مجھے یہ عہد پورا کر لینے دیں آپ، پھر میں آپ کا ہر حکم بے چون چڑا مان لوں گی، کبھی سستی نہیں کروں گی آپ سے۔“

”کیا تو اسے کسی طرح معاف نہیں کر سکتی آئیسہ؟ میں نے پہلے ہی بتایا تھا تجھے کہ وہ بہت ایشیاں ہے، اپنی اس غلطی پر اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنا لینا چاہتا ہے وہ جن حالات سے گزرتی رہی ہے تو اس کے بعد اس سے ہنر کھانا یا بستر آسکتا ہے تجھے کوئی؟ یہ بھی سوچا ہے کبھی تو نے؟ میں تو سمجھتا ہوں بہتر تو کیا اس سے بدتر کچھ ملنا ہی ممکن ہے تیرے لیے اب۔“

”ایسی باتیں نہ کرں آپ، میں بتا چکی ہوں آپ کو، اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی گی میں اور اس رڈل کتے کی پناہ حاصل کرنے کے بجائے میں قبر کی بنا کو ترجیح دیتی ہوں۔ یہ خیال بھی دل میں نہیں لاسکتی تیں۔“ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔  
 ”آئی اور شرف علی نے باہر کل کر دروازے کی کڑی چڑھا دی، آئی بولا۔“ اس میں فوراً مکمل چپنا چپنا ہے یہاں سے۔“  
 آئیسہ نے سخت لمحے میں کہا۔ ”آپ لوگ جائیں۔ میں اس

کتے کے پتے کا حساب برابر کیے بغیر نہیں جاؤں گی۔“

وہ تیزی سے پلٹ کر لاکھولاشاری کی خوب گاہ کی طرف دیکھ کر اس نے اس کو یہی چند دن گزارے تھے اور یہاں کے پہنچنے سے واقف تھی وہ اس سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ لاکھولاشاری مل سکتے گا اس وقت، میں حیرت سے منہ چھڑا رہا تھا۔ اس نے خود فیصلہ کر کے ایک دم قدم بڑھا دیا تھا اس کے لیے میں اس گھڑی بائبل تیار نہیں اور اب میری آنکھیں میں نہیں آ رہی تھیں کہ اس طرح اپنے ارادے سے باز رکھوں، آئی نے اس کی طرف پچھتے ہوئے کہا۔ ”اؤں! بار بار تک رہا ہے منہ چھڑا کر، آگے بڑھ کر روک اسے عجیب سی بات نہ کہنے کی جگہ گنتی ہی نہیں ہے ذرا دیر بھی۔“

اس کے کہنے پر مجھے بھی جیسے ہوش آ گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے تیزی سے لپکا، لاکھولاشاری کا زیادہ دور نہیں تھی وہاں سے۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی آئیسہ کو روک سکتا، وہ چھڑا کر اس کے کمرے میں داخل ہو گئی، اس نے اندر جاتے ہی دروازہ بند کرنا یا مگر آئی جو میرے آگے آگے جا کر جا رہا تھا تیزی سے دھڑلے میں داخل ہو گیا۔ آئیسہ اس سحر سے کوئی نہ تھا کہ اسے نہیں دینا چاہتی تھی، اسے کوئی اندازہ تھا کہ اس وقت اگر فراہم تساہل کا شکار ہو گئی وہ تو پھر کسی اور موافقے کے لیے اسے دوبارہ جانے لکنا انتظار کرنا پڑے اور یہ بھی یقین نہیں تھا کہ اسے اگر انتظار کی محنت بھی مل سکے یا نہیں، چنانچہ اس نے آئی کو اندر آنے سے روکنے کی کوشش میں وقت برباد نہیں کیا، اسے یہ غرض نہ رہا ہوگا کہ اگر اس نے دروازہ بند کرنے کے لیے زور آزمائی کی تو آئی کے مقابلے میں اس کا کامیاب ہونا تو ممکن نہیں تھا۔ یہ ہو سکتا تھا کہ زور آزمائی کے دوران آئی اسے پکڑ کر آگے بڑھے اور ہسپتال کو استعصال کرنے سے روک دے۔ اس نے آئی کو دھڑلے ہی میں چھوڑ دیا اور زخمی اور مڑھال بستر پر پڑے ہوئے لاکھولاشاری کی طرف دوڑ گئی۔

”باگلی مت بھڑا آئیسہ! ہوش سے کام لو۔ ایک نیم جان شخص کی جان کے لئے تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہو سکے گا۔“ آئی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے اسے بچانے کی کوشش کی میری بات سنو آئیسہ! مرگ جا۔ یہ تمہارا نہیں کمرہ ہی ہو۔“

”باگلی میں نہیں تم لوگ ہو گئے جو تم سب جو مجھے ایک ذلیل اور بیچ آدمی کو اپنی زندگی میں شریک کر لینے پر مجبور کر رہے ہو۔ ان حالات میں تو اس کی موت اور بھی ضروری ہو گئی ہے۔“  
 ”آئیسہ نے کہا اور اس سے پہلے کہ آئی بائیں اس کے قریب پہنچتے اس نے ہسپتال والا ہاتھ سیدھا کر کے لاکھولاشاری کی طرف اشارہ کیا۔  
 میں اور آئی دونوں ایک ساتھ اندر گھسنے کی کوشش کر

رہے۔ میں دوسری ایک لچر چھوڑیں سمجھنے میں لگا تھا نصیب لاکھولاشاری کے لیے اہل کا پیاسہ نہ لیا، لاکھولاشاری بستر میں لیٹا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے آئیسہ کے روپ میں موت کو اپنی طرف دھکے دیکھنا تھا مگر اس سے بچنے کی باتیں روکنے کی بائبل کی دشت نہیں کی اس نے، وہ پہلے ہی اپنی زندگی آئیسہ کے نام کر چکا تھا۔ موت کو اپنے اس قدر قریب دیکھ کر اس کے ہاتھوں پر سکھاتے کھینچنے لگی تھی، آئیسہ نے یہ بعد دیکھے دو فائدے تھے اس پر پہلی گولی لاکھولاشاری کے بائیں شانے پر لگی اور وہاں سے ایک چھوٹا سا پلٹا لیکن فوراً ہی دوسری گولی اس کے سینے میں جا گئی۔ دوسری گولی لاکھولاشاری بستر سے کوئی ایک فٹ اچھل کر دوبارہ بستر پر گر کر تو کھینچنے کی شدت سے اس کا جسم اٹھنے لگا، اس کے ہونٹ کھینچ گئے اور وہ جاں کنی کے عالم میں بستر پر پڑا یاں گر گئے لگا، اس کی آنکھوں میں کرب کے ساتھ لہر لہر گئے تھے لیکن اس عالم میں بھی اس کی آنکھیں آئیسہ کے چہرے سے جھٹکتی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آئیسہ ہمیشہ کے لیے بند ہونے سے پہلے آئیسہ کا عکس اپنے اندر محفوظ کر لینا چاہتی تھیں۔

میں اور آئی دونوں ہی جہاں تک پہنچے تھے ایک جھٹکتے سے وہیں ہمارے قدم جم کر رہ گئے۔ دو گولیاں کھانے کے بعد لاکھولاشاری کے جسم میں رہ ہی گیا تھا جسے بچانے کی ہم کوشش کرتے، آئی کی ایک ذرا سی بے اعتنائی اس لاکھولاشاری کی جان گئی تھی جس کے نام کا اس پورے علاقے میں ڈنکا بجاتا تھا کبھی اس نے اپنا ہسپتال آئیسہ کے ہاتھ میں دے کر سخت غلطی کی تھی، بڑا غلط کیا تھا لاکھولاشاری پر۔ وہ کام جو رات کی تاریکی میں آئیسہ کے ساتھ ہو رہا تھا میں نے اس سے اس نے اب دن کی روشنی میں آئی کی وجہ سے پائیہ نکیل کر پونچا دیا تھا۔ ہم نے اسے بچانے کی اپنی اپنی کوشش تو بہت کی تھی لیکن لاکھولاشاری کے نام کا پتہ ابھی ہر چکا تھا، اس کے ہتھ کی ساری سانسیں ہی مگ جی تھیں اور اس کی زندگی کی ڈور کاٹنے کا کام آئیسہ ہی کے سپرد تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ تھا نیندا فضل بیگ اس کے کمرے سیدھا ہمارے نہ چلا آتا کہ پلٹ لینی، تیرا کام ابھی پورا نہیں ہو سکا ہے۔ رات کو تاریکی کی وجہ سے تو اپنا کام بائبل چھوڑ آئی تھی۔ دو آدمی تو تو نے روانہ کر دیے ہیں عدم آباد کی طرف لیکن ابھی اس تیسرے کے حوصلے آدمی نے گئے ہیں کچھ سانسیں باقی رہ گئی ہیں۔ تو ہمارے ساتھ وہاں چل اور جب وہ اپنی سانسیں پوری کرے تو تو بھی اپنی قسم پوری کر لینا، کوئی نہیں روک سکے گا تجھے۔ کیونکہ یہ کام تو تیرے ہی ہاتھوں انجام پانا ہے۔ اور ایسا ہی ہوتا تھا، اپنی انتہائی کوشش کے باوجود میں اور آئی لاکھولاشاری کی زندگی بے برقرار رکھنے میں ناکام رہے تھے۔

پہلی تو اس سوچنے رت کی غفلت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ جب کسی جاندار کی خدائی طرف سے مقرر کردہ عمر تمام ہو جاتی ہے تو دنیا کا کوئی شخص بھی اس میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ انسان کی ساری تدبیریں دھڑکی دھڑکی رہ جاتی ہیں، دنیا کے کسی ڈاکٹر یا جینم کے پاس اب تک کوئی ایسی دوا نہیں پہنچ سکی جو رب و جہاں کی طرف سے مقرر کی جانے والی زندگی کی مدت میں ایک پل کا اضافہ کر سکے۔ ایسی کوئی دوا تو وہ دنیا جینم کھانا بھی دریافت نہیں کر سکا تھا جس کے بارے میں یہ مشورہ ہے کہ جنگل کی جڑی بوٹیوں اسے مخاطب کر کے خود بتا کر ہی تھیں کہ وہ کس کس مرض میں کام آتی ہیں۔

آئیسہ نے یہ بعد دیکھے دو گولیاں چلائی تھیں وارن کو پلٹ کر آواز دے تو یہی میں موجود ہر شخص کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا پوری حویلی میں بیک بیک پلچ سی بج رہی تھی، ہر طرف سے لوگوں کے کھانے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں، شاید وہ یہ نہیں جان سکتے تھے کہ گولیاں کی آواز حویلی کے کس حصے سے سنائی دے رہی تھیں، یہ اندازہ لگانے میں دشواری ہو رہی تھی، اسی لیے وہ اندر دھڑکھا جسے بھاگے پھر رہے تھے، اچانک دو ٹریل جوان ہاتھوں میں ریفلیکس تھامے دوڑتے ہوئے اس کمرے میں کھس گئے جہاں میں ٹریل لاکھولاشاری کے خون میں ڈوبے بے جان جسم کے ساتھ موجود تھے اندر داخل ہوئے ہی انہوں نے سب سے پہلے لاکھولاشاری پر نظر ڈالی تھی اور اسے دیکھتے ہی وہ ٹھٹھک کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں چند ثانیہ کے لیے وہیں جم کر رہ گئیں، لاکھولاشاری کے خون میں لٹ پڑے بے سحر چہرے دیکھ کر انہوں نے فوراً ہی حالت کا اندازہ لگا لیا اور نہایت تیزی سے ساتھ اپنی ریفلیکس سیرس کر کے ہم پر تان لیں۔ ان کی نظریں آئیسہ کے چہرے پر ٹپک کر رہ گئی تھیں۔

ان دونوں میں سے ایک کو میں پہچانتا تھا، اسے میں لاکھولاشاری کے ساتھ اس حویلی میں پہنچے ہی دیکھ چکا تھا۔ وہ لاکھولاشاری کے دست راست تھا اور نام اس کا ممتاز بتایا تھا مجھے لاکھولاشاری نے، آدمی وہ بڑا جی دھڑا اور ہر دم لاکھولاشاری کے پسینے پر اپنا خون گرانے کو تیار رہتا تھا، دوسرا جو قد کاٹھ اور سببت میں کسی طرح بھی ممتاز سے کم نہیں تھا، میرے لیے بائبل جینی تھا۔ پہلے جب میں یہاں آیا تھا تو وہ میرے سامنے نہیں پڑا تھا یا شاید کہیں گیا ہوتا تھا ان دونوں کے اس لیے نظر میں آیا تھا مجھے لاکھولاشاری کے اپنے اندر دگر دگر لوگ جمع کر رکھے تھے وہ تقریباً سارے ہی اپنے اپنے فن میں ملاق تھے اور جان دینے کو تیار رہتے تھے لاکھولاشاری کو ان کے معاملے میں تو بہت حساس تھے، مگر جس پر اعتبار کرتے تھے انکھیں بند کر لیتے تھے اس کی طرف سے۔ یہی ایک کمزوری تھی ان میں، اسی کمزوری نے اس وقت لاکھولاشاری کی جان لے



لی تھی۔ ہم پر ایسا ہی اٹھا اٹھا کر لیا تھا انہوں نے۔ جس کی وجہ سے ہم پر نظر رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، ورنہ اتنی آسانی سے لاکھو لاشیہ نہ ہو جانا آسید کا۔

ہمیں اپنی رافٹوں کی زد پر رکھ کر مارتاڑنے کو کہہ کر کہا: جو جہاں بٹہ ڈھل کھڑا ہے، اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے کوئی ورنہ ہم اس کے جسم میں روشندان کھولنے میں ڈراور نہیں کریں گے اور یہ ہتھیار زمین پر ڈال دیتے ہیں۔

میں نے جلدی سے کہا: کیا کرتے ہو متاڑا! دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ جلدی سے اہر جا کر اسے پکڑنے کی کوشش کرو، وہ جس نے لاکھو کو گولی ماری ہے۔ ابھی ابھی باہر نکلا ہے یہاں سے۔ جلدی کرو وہ نکل نہ جلتے کہیں؟

مگر وہ دونوں بڑے ہی سدھائے ہوئے تہیت یافتہ تھے۔ کوئی اور ان کی جگہ ہوتا تو سوچے مجھے بغیر میری بات سننے ہی آئے قدموں پٹاٹ کا باہر دوڑ پڑتا مگر ان پر تو جیسے اثر ہی نہیں ہوا تھا میری بات کا۔ وہ ہنوز باہر ہی بکھرے جیسے کھڑے رہے۔ متاڑا بولا: اس کی تم بائیں نکر دو، چوٹی کے چپے چپے کی نگرانی ہو رہی ہے اس وقت۔ ہمارے سارے آدمی چوٹا ہیں اور ان کی ٹانگیں شکاری کتوں کی طرح اپنے شکار کی پوچھنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ان کی نظروں سے بچ کر اس وقت چھوٹی جی جی جی سے باہر نہیں جاسکتی۔ نہیں جی ہم اطمینان کیے بغیر اس کمرے سے باہر نہیں چلنے دیں گے؟

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو ہماری طرف سے؟ تم چلنے ہو تم مہمان ہیں لاکھو لاشیہ کے۔ کیا تم ہمارے ساتھ چروں جیسا سلوک کرنا چاہتے ہو؟“ میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

”غصہ مت دکھاؤ جیلائی! یہ فرض ہے ہمارا کہ ہم چوٹی میں موجود ہر آدمی کو چیک کریں اس واقعے کے بعد یہاں موجود ہمارا ہر آدمی مشکوک ہو گیا ہے۔ اسے اپنے بے گناہ ہونے کا ثبوت تو دینا ہی ہو گا۔ اب مجھے یہ بتاؤ تم کہ یہاں تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ اور یہ پستول کیوں اٹھا رکھے ہیں تم نے اور ہتھکڑی بہن نے اپنے ہاتھوں میں؟“ متاڑا نے پرسکون انداز میں کہا۔

”ہم بھی ہتھکڑی طرح گولیاں چلنے کی آواز سن کر ہی آئے تھے اور۔ اس کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر ہم نے ایک شخص کو پستول اٹھ میں لیے کمرے سے نکلنے دیکھا تھا، اس نے ہم پر نظر پڑتے ہی جلدی سے کہا: لاشاری سائی کو کسی نے گولی مار دی ہے، تم لوگ خیال رکھو ان کا، میں باہر جا کر دیکھتا ہوں کس کی حرکت ہے یہ اور کہہ کر گیا ہے وہ؟ یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف دوڑنا چلا گیا ہم نے اندر آکر لاکھو لاشیہ

کی یہ حالت دیکھی تو ہمارے ہوش اڑ گئے۔ ہمیں فوری طور پر یہی خیال آیا تھا کہ ہم سے پہلے جو شخص یہاں سے گیا ہے اسی کی گھنٹی کی حرکت ہے۔ قاتل وہی شخص ہے، ابھی چکر کرے کہ نکل گیا ہے وہ۔ ہم اپنے پستول سنبھال کر اس کے پیچھے چلنے والے تھے کہ وہ دونوں آگے سے میں نے جلدی سے ایک چھوٹی سی کمانی کھڑی۔

میرے خاموش ہوتے ہی آئی نے چھپت کر آسید کا ہاتھ تھاما اور اسے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔

”ہاں بار! اب جلدی کرو اس ذیل آدمی کو چوٹی سے باہر جانے کا موقع نہیں دینا چاہیے نہیں۔ وہ ہماری طرح دوسروں کو بھی دھوکا دے سکتا ہے۔“

متاڑا آئی پر اپنی رافٹوں میں گر جا کر خبردار ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا۔ بچے نہیں ہیں ہم چوٹھاری ان باتوں میں آجائیں گے۔ میں نے کہا ہے نا آئی نے کہا ہی کہ یقین دلانے بغیر تم میں سے کوئی اس کمرے کا دروازہ پار نہیں کر سکتا۔ چلو جلدی کرو، خیریت چاہتے ہو تو اپنے یہ پستول زمین پر ڈال کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ؟

وہ متاڑا دھڑکی کی اولاد ہماری کسی چال میں آنے کو تیار ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ہماری کوئی بات اس کے دل کو چھو نہ نہیں رہی تھی، کوئی خیرہ کارگر ہی نہیں ہونے دیتا تھا وہ۔ اس کی نظروں میں آسید پر بھی بولی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آسید کے ارادوں سے پوری طرح باخبر تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ہم جب لاکھو کی چوٹی میں آئے تھے تو آسید ہمارے ساتھ نہیں تھی، ہوتی کہ وہ لوگ جنہوں نے ہمیں آسید کو پولیس کی تحویل سے آزاد کرتے دیکھا تھا اسے اس کے بارے میں بتا چکے تھے۔ اسے معلوم ہی تھا کہ رات کی تاریکی میں لاکھو پر ایک عورت نے حملہ کیا تھا جس کی تلاش میں علاقے کی پولیس سرگرداں ہے اور پولیس جس عورت کو قریب دو چار کے کسی علاقے سے پکڑ کر لائی تھی، وہ وہی عورت ہو سکتی ہے۔ حالات کی گولیاں ملنا اس جیسے آدمی کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ آسید اور لاکھو کے جھگڑے سے بے خبر نہیں تھا وہ آسید جب جب دن یہاں رہی تھی تو اس نے دیکھا بھی تھا اسے اس طرح وہ اسے بچاتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ لاکھو کے ہاتھوں میں آسید کو کتنا اور کس کس طرح کا نقصان پہنچا تھا اب تک۔ اس کی نظر میں آسید کی حیثیت لاکھو کے ایک ایسے دشمن کی تھی جو لاکھو کی جان لینے کے لیے تیار تھا اور جب ایک کھلا دشمن سامنے موجود ہو تو کوئی کسی مغزوئے کے غائب میں کیسے دوڑ سکتا ہے؟ اس کی باتوں سے میں نے یہ انداز

رکھا تھا کہ وہ ہمیں آسانی سے چھوڑنے والا نہیں ہے۔ آسید اگر اس کھڑی ہمارے ساتھ نہ ہوتی تو وہ ہم پر شک بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بات آسید کی موجودگی نے بکڑ دی تھی، اسی کو دیکھ کر جھجکا تھا تھا وہ اور اب اس کے ہوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ میں اپنے کرتب دکھائے بغیر اس سے بنات باصل کو سکوں۔ اس کے ساتھ ہی مجھے شرافت علی کا خیال آگیا۔ وہ ہمارے ساتھ ہی ادھر آیا تھا مگر اب وہ اس کمرے میں نہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ تو وہ آسید کے گولی چلا تے ہی حالت کے رخ کا اندازہ کر کے نکل گیا تھا وہاں سے یا پھر ان دونوں کے کمرے میں آنے کے بعد موقع پا کر میں روشنی بکھڑا تھا۔ اس کی مجھے اس سے بائیں توقع نہیں تھی کہ وہ کبھی مشکل صورت حال میں میرا ساتھ چھوڑ جائے گا۔ اس نے اب تک اپنے کسی عمل سے یہ شک بھی نہیں ہونے دیا تھا مجھے کہ وہ موقع پرست اور بڑبڑل شخص ہے لہذا دوسری بات ہی درست معلوم ہوئی تھی، وہ یقیناً ان دونوں... کو ہماری طرف متوجہ پا کر مناسب موقع کے انتظار میں کہیں محکومہٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

آئی جو آسید کا ہاتھ پکڑ کر باہر چلنے کے لیے قدم اٹھا چکا تھا، متاڑا کی ہڈی کی ٹکڑی لگا گیا تھا مگر میں دیکھ رہا تھا کہ وہ موقع ملنے ہی کچھ گڑبگڑنے کے لیے پڑتوں رہا تھا۔ یہ بات اس کے ہی نہیں، ہم سب کے لیے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ وہ دونوں جو ہم پر اپنی رافٹیں لٹے، ہمیں قراؤن نظروں سے دیکھتے ہوئے دھکا دے تھے حکوئی سیدھے سامنے ٹھونک اور بے غور لوگ نہیں تھے اور یہ وہ اپنے جسموں پر سرکاری بلو نظام سجا کر محض اپنی توجہیں سیدھی کرنے کی خاطر کسی دکھاوے کے مقابلے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے ہمارے سامنے۔ وہ رگے تیار لوگ اپنی جائیں ہتھیلیوں پر چلنے پھرتے تھے، ہر گھڑی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے لٹکا کر تے تھے۔ آدمی کی زندگی کی انکے نزدیک کوئی قیمت تھی نہ کوئی اہمیت جبکہ انہوں نے اپنی جان کی پروا کرنا نہیں سیکھا تھا کسی اور کی زبانت سے کیا دل چاہی ہو سکتی تھیں۔ بے خطر سانب کے دلی میں دھند ڈال کر اس کو موزی کو باہر کھینچ لانے کی جرات رکھتے تھے وہ، ایسے ہی ہاتھ پر سجا کر مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر وقت اور موقع کی مناسبت سے کام کرنے والے ہوتے وہ تو اس مقام تک کبھی نہ پہنچ پاتے۔ اس متاڑا کو لاکھو لاشیہ نے ایسے ہی تو اپنا دوست راست نہیں بنایا تھا۔ کچھ ایسی غیر معمولی صلاحیتیں تھے ضرور نظر آتی ہوں گی اس میں جو سردی میں نہیں ہوا کرتیں۔ وہ خود بھی کچھ کم صلاحیتوں کا مالک نہیں

تھا۔ بس دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ... جس کا نام لاکھو لاشیہ تھا، کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ بڑے معرکے سرگرداں تھے اس نے، طوفانی بولتا تھا اس کا منہ اور پنجاب کے خاصے وسیع علاقے میں۔ اس سارے علاقے میں ایک طرح کی حکومت قائم تھی ال۔ بڑے بڑے معرکے سرگرداں تھے اس کے سامنے مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اسے سواروں کا انجام ہمیشہ عبرت ناک ہی ہوتا ہے۔ ایسے قتل مست قسم کے لوگوں کو اپنے انجام سے دوچار کرنے کا کام قدرت کسی چوٹی جیسے حقیر بندے سے کیا کرتی ہے، تاکہ جو طاقت کے نشے میں مرست ہو کر اپنا پسند کھودیتے ہیں اور سینہ چھڑا کر اور گردن اٹھا کر چلا سیکھ لیتے ہیں اس زمین پر اور دھرتی کے سینے پر ہم بچ بچ کر دھماکے کرتے چلتے ہوئے یہ بقول ہی جاتے ہیں کہ اس سے بڑی جیسے ایک طاقت ہے، ایک ایسی عظیم طاقت جسے ہر شے پر مکمل اختیار حاصل ہے، اسے اپنے بندوں کا غور بائیں ناپسند ہے اور جو اس کی عطا پر اس شکر ادا کرنے کے بجائے اپنے زور یا زور نازاں بہتے ہیں، ان کے انجام سے عبرت پزیر ہیں لیکن اس دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں رہتی کبھی، جو ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں کسی شخص کے بوجھ تک انجام پر اسے تحقیر سے دیکھتے ہوئے کہتے ہیں، بڑا بے وقوف تھا ایک کمرہ دار تو اس سے شکست کھا گیا۔ ہم ایسے ہرگز نہیں ہیں، ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا، ہمیں تو کوئی جوان رہی نہیں کر سکتا اور پھر یہی رسم، یہی غور انہیں بھی چاہا جاتا ہے کسی روز اور انھیں اپنے قابل عبرت انجام پر انھوں نے کامیابی سے نہیں ملتا اور وہ متاڑا بھی ایسے ہی کوتاہ بین، گندہ من اور عاقبت ناانیش لوگوں میں سے تھا۔ وہ اپنے سر پرست یا سردار لاکھو لاشیہ کے انجام سے سبق حاصل کرنے کے بجائے ہمارے سامنے سیدھے سامنے کھڑا تحقیر آمیز ننگا ہوں سے آسید کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہ میں تجھے کبھی نہیں بھول سکتا آسید! کسی رنگ، کسی روپ میں بھی میری آنکھیں تجھے پہچانے میں غلط نہیں کر سکتیں۔ تو پہلے بھی اس حویلی کو دو کر دینا شیر جوانوں سے خرم کر گئی تھی اور آج تو تو نے اسے بائیں ہی دیوان کر دیے گا بندوبست کر دلیہ تیری خوش قسمتی تھی کہ اس روز میں یہاں موجود نہیں تھا اور یہ لاشیہ، ہمارا شیر سردار یہ وہی ہے تیرے سامنے گئے۔ نہ جانا تھا، اس کی اس کمرہ داری نے آج اسے اس



میں نے نیچے جھکے ہی جھکے گردن موڑ کر دروازے کی سمت دیکھا۔ اندر دو آدمی اسٹیشن گن میری طرف سیدھی کیے کھڑے تھے۔ وہ جہاں کھڑے تھے وہاں انھیں میں تو دیکھ سکتا تھا مگر شرافت علی اور آسیہ کی نظروں اس انک نہ نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ وہ دونوں بھی شاید اس باہر پڑے ہوئے شخص کے پیچھے ہی پیچھے وہاں پہنچے تھے۔ وہ اپنے آگے چلنے والے کا حضور دیکھ کر باہر رک گئے تھے۔ بڑے بڑے ہوئے سوڑھے وہ دونوں اور جہڑن سے ان کے ہیبت برستی نظر آتی تھی۔ سر پر سندھی انداز کے بڑے بڑے پگولہ پیٹ رکھے تھے انھوں نے اور اچھے ناک اور آنکھوں کے سروا پورے پھر کے لکھنی دھاری اور مونچھوں نے۔ جیسار کھا تھا میں نے ان کی جسمی کو نظر انداز کر کے اسٹیشن گن اٹھائی اور اسے ہاتھوں میں سمیٹا لے کر اس کی طرف بڑھنے لگا۔ میری اس بے وفائی نے انھیں بوکھلا کر رکھ دیا۔ انھوں نے یکسر زبان ایک باہر مجھے تنبیہ کی کہ ترک جا ہواں! کیوں اپنی جان دینے پر چل گیا ہے؟ فوراً یہ اسٹیشن گن پھینک دے!

کامنان ہوں غلام جیلانی! ”جانتے ہیں ہم مجھے بھی دلتیری بہن کو بھی، ہوا بھی ابھی باہر نکلی ہے اور اس نے ہمارے اس آدمی کو گولی ماری ہے۔“ اس نے باہر پڑے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم نے جوئی کے اندر بھی گولیاں جلنے کی آوازیں سنی تھیں۔“ وہ بھی شاید اسی نے چلائی تھیں، اس میں متاثر کیا ہے دیکھئے۔“ میں نے دروازے کے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا، ہوا میری بات مانو! اس خون خرابے سے کسی کو بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا، جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ جو جس کے لیے لکھا دیا گیا تھا وہ پورا ہوا، اب جمبول جاؤ اس بات کو مدھی ڈالو یا ردا! اس پر بات مت چھو ڈالو۔“ ”کیا مطلب ہے تیرا جیلانی! کیا کتنا چاہتا ہے تو؟ کس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے؟ کھل کے بات کر؟ اُن کے پھرے تاریک ہو گئے۔“

”میرا مطلب اس واقعے سے ہے ہوا اس کوئی میں لکھو پیر ہو چکا ہے۔ جس کی آجانی ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا یا ردا ہونی کو مانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ کدورت دھوڑا لو اپنے دلوں سے اور مان لو کہ اس سوہنے رب کو ہی منظور تھا!“ وہ دونوں حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے یک رست تھے، ان کے داغ جیسے منہ پر کدھر گئے تھے۔ وہ یا تو سچ ش میری باتوں کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھے یا جان بوجھ کر سمجھنا

نہیں چاہ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ میں اب ہم ختم کر کے لاشا کے ہمارے میں بالکل سیدھ اور صاف الفاظوں بات کر دے کھل کر بتاؤں، انھیں کہہ دو اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ ان میں ایک نے کہا کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہماری سمجھ میں بالکل نہیں کہ آپ کہہ کر ہماری میں کوئی شک نہیں واقع ہوا ہے کیا آسیہ نے لاشا کی ہاں میں کہہ دیا ہو میں تم سے۔ ان دونوں کا جھگڑا منٹ گپا ہے آج آسیہ نے تانہ بند کر لیا ہے۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا، ”حالانکہ میں نے بہت کوشش کی ہے کہ اس کا انجام بہ ہر جوہر مگر تقدیر سے کون لو سکا ہے آج تک۔“ تو اس نے لاشا کی ساتیں کو مار دیا یہ اور اسے بھلا کر چاہتے ہو ہمارے ہاتھوں سے، ہر ہت چاہا ہے۔ سامنے سے میرا یہ کیسے ممکن ہے کہ شہر کی کچھار میں کھس کر کوئی اس کا شکار کرے اور سلامت نکل جائے۔ ہم اسے زندہ نہیں جانے دیں گے۔“ ”ایسا نہ کہو یا ردا! جوش میں مت آؤ، خون کا آباں آؤ! بربادی کی طرف ہی ہے جاتا ہے۔ گرم خون کبھی صحت میں رہا نہیں کرتا۔ اسے ٹھنڈا ہونے دو، چھوڑ کر فیصلہ کرنا، جلد بازی سے کام نہ لو اور جو کچھ بچ گیا ہے اسے بچا ہی رہنے دو۔“

”اے تو بڑی دل کا سبق پڑھانے آیا ہے ہیں باہی ہیں! بچانے کے لیے، ہیں گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم تیری باتوں میں آنے والے نہیں ہیں اور سلامت تو ہم مجھے بھی نہیں جانا دیں گے۔ پولیس سے تو تو نے ہی چھیڑا یا تھا اسے۔ پتہ تیرا؟ قصہ ختم کر دیتے ہیں ہم!“ انھوں نے اپنی اپنی اسٹیشن گنیں سیدھی کر کے مجھے زد لے لیا مگر وہ خوف ناک گنیں میرے سامنے زبان کھولنے کو کہ طرح آمادہ ہو سکتی تھیں، وہ دونوں ان سے اٹھ رہے تھے؟ گولیاں اگلنے پر مجبور کر رہے تھے مگر انھیں تو جیسے بالاکا زبانی لنگ لنگ ہو کر رہ گئیں تھیں ان کی، ساری گنیں گرج بھول تھیں وہ۔ میں نے ہنس کر کہا، ”یارو! کیوں اپنی توانائیاں میں کر رہے ہو۔ میری موجودگی میں یہ تمہارا کوئی اشارہ نہیں ہوگا، ان کے گلے پر زے رنگ آؤد ہو چکے ہیں۔ اس گھڑی!“

”میرا مطلب اس واقعے سے ہے ہوا اس کوئی میں لکھو پیر ہو چکا ہے۔ جس کی آجانی ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا یا ردا ہونی کو مانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ کدورت دھوڑا لو اپنے دلوں سے اور مان لو کہ اس سوہنے رب کو ہی منظور تھا!“ وہ دونوں حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے یک رست تھے، ان کے داغ جیسے منہ پر کدھر گئے تھے۔ وہ یا تو سچ ش میری باتوں کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھے یا جان بوجھ کر سمجھنا

اس کی مشتاقی پر جبر ہی ہوتا رہ گیا تھا، اس کے ہوا میں کبھی کیا سکتا تھا۔ اس کے اس طرح چند جانے کے بعد مجھے اندیشوں اور رونا نے اٹھایا۔ وہ پولیس کی سرکاری جیب میں فرار ہوئی تھی، جسے وہ ہی سے دیکھ کر سہا انا سکتا تھا۔ راستے میں کہیں بھی اسے ہوا پولیس یا پانی مل سکتی تھی۔ عام گارگا ہوں پر پولیس کی گاڑیاں سرگشت برہمن ہیں۔ ان میں سے کسی کی نظر اس پر پڑ جاتی تو اسے مجھے کی جیب میں ایک تھوڑا سا کو جانے دیکھ کر وہ خاموش تھا۔ نہیں نہانہ سکتا تھا، ایسی صورت میں اس کو کسی محفوظ مقام تک پہنچنے سے پہلے ہی دھریا جانا ناممکن نہیں تھا۔ ابھی اسے موت کے منہ سے نکل کر گئے ہوئے دن ہی گئے ہوئے تھے۔ ابھی تو قانون کے بندوں کی آنکھوں میں اس کی تصویر دھندلانی بھی نہیں ہوئی۔ ابھی تو وہ پورے شہر کے ساتھ سے توشہ ہر ہوں گے، ملک بھر کی پولیس کو اس کی اور آئی کی تصویر پر فراہم ان دونوں کو مدعو کرنے کا کام سونپ دیا گیا ہوگا کوئی حشر لے الزامات نہیں تھے ان پر کہ انھیں نظر، ماز کر دیا جاتا اور یوں پولیس ایسے لوگوں کو نظر انداز کرنے کی عادی نہیں ہوتی جو اس کے کھوٹے کو کاٹ کر نکل جاسکیں۔ اس سے وہ نہ جانے کہاں اس کے لیے ہم رنگ رہیں جاں بچا ہے بیٹھے ہوں گے اور عموماً نہیں کہہ کر دھران دونوں کی تو گھونٹتے پھر رہے ہوں گے۔ تجربے نے مجھے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرادی تھی کہ قانون کے ہر بندے اگر کسی مجرم کو پکڑنا چاہیں تو اسے بال بال سے بھی کھونچ نکالتے ہیں۔ بڑے سے بڑا مالک اور جبر مجرم ان کی نظروں سے زیادہ دن او جھیل نہیں رہ سکتا، زمین کی سات تمہوں کے اندر اس کی نظروں اپنے مطلوبہ شخص کو پکڑ لیتی ہیں۔ شہر وہی ہے کہ وہ شخص اسے پکڑنا چاہیں اور دنیا متلاشی کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا چاہیں۔ لیکن فراموش کی انجام دہی کے سلسلے میں اس مجھے سے دیانت کی توقع ایسی ہی ہے جیسے جیل کے گھونٹنے سے ماس برآمد کرنے کی کوشش۔ اگر بڑے لیے اقتدار کی عورتاں کے لیے کی خاطر اس مجھے کی تعمیر ایسی دنیا دہوں پر کی تھی کہ اس میں کوئی اینٹ سیدھی لگ ہی نہیں سکتی، ان بنیادوں پر جیسے بھی نئی نمائندگی کھڑی کی جائے گی، پہلی سے زیادہ طرہی ہوگی اور اترا تیرا کوئی نہیں کر سکا کہ اس کی بنیادیں اکھاڑ کر وقت اور موسم کے تقاضوں کے مطابق مٹی بنا ڈالے۔ یہ بڑا محنت طلب اور صبر آزمایا کام ہے۔ اسے ہر کوئی کبھی نہیں سکتا، اس کے لیے تو قیاس ہی جذبے اور لگن کی ضرورت ہے جس جذبے اور لگن نے پاکستان کی بنا ڈالی تھی۔ اس کے لیے ابھی ترس کو اور نہ جانے کتنے سالیانے بے نوری کا ماتم کرنا ہوگا۔ یہ لوگ جنہیں قایت نامہ لائیں لوگوں نے آج ویران بنا کر قرقونی

سریک وقت دونوں گنیں کھانڈ کر گئی تھیں۔ انھوں نے گھبرا کر میری طرف دیکھا۔ ان کا خیال ہوگا کہ اس وقت سے فائدہ اٹھا رہی ہے انھیں اپنے ہتھیاروں کے نشانے پر رکھ لیا ہوگا، مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ ان کے خلاف میں کسی بھی قسم کی جوابی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا، اس وقت تک جب تک کہ وہ مجھے ایسا کرے ہر مجبور ہی نہ کر دیتے۔ میں اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اسٹیشن گن کی نال زمین کی جانب جھکا کر مسکراتی نظروں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے یہ موقع غنیمت جانا اور ایک ساتھ بلٹ کر اس دروازے کی جانب چھلانگیں لگا دیں ہوا اندر ایک اور کرے میں گھٹتا تھا۔ میں نے بھی انھیں روکنا مناسب نہیں جانا اور ان کے جانے کے بعد اگے ٹھہر کر وہ دروازہ بند کر کے گنڈی بڑھا دی۔ پھر باہر آکر وہ دروازہ بھی باہر سے بند کر دیا جو اس طرف میں ہی آمد رفت کا واحد دروازہ تھا۔ اب اس طرف سے کسی کے باہر آکر کھل کر کے کا امکان نہیں رہا تھا۔ اس کام سے منٹ کر میں شرافت علی کی جانب مڑا تو میری نظر آسیہ پر پڑی۔ وہ شرافت علی کی کار کے عقب سے نکل کر اس طرف دروٹی چل جا رہی تھی جہاں پولیس کی جیب کھڑی تھی۔ اسے اس طرح دوڑتے دیکھ کر کسی نے تو میری کی جانب سے اس کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ یکے بعد دیگرے اس پر دو گولیاں چلائی گئی تھیں مگر ابھی اس کی زندگی کے دن تمام نہیں ہوئے تھے، ان دونوں میں سے ایک گولی بھی اسے چھو نہ تھیں کسی تھی۔ شرافت علی نے جلدی سے اپنی اسٹیشن گن کا رخ اس طرف کر کے جہاں سے آسیہ پر گولیاں چلائی گئی تھیں، فائرنگ شروع کر دی۔ اس کی اس کاروں کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا تھا، پھر کسی آسیہ پر گولی چلانے کی برأت نہیں کی تھی اور آسیہ بھلائی پولیس کی جیب تک پہنچ گئی شرافت علی کا مقصد بھی اسے محفوظ فرام کرنا ہی تھا، وہ آسیہ کو قتل سے نکل جانے کا موقع دینا چاہتا تھا اور اسے اپنے مقصد میں لاکھا نہیں ہوئی تھی۔ آسیہ جگ جھپکے میں پولیس کی جیب پر ہاتھ پڑا اور اسٹیشن گن سبٹ سمیٹا لے کر جیب کو اسٹارٹ کر دیا۔ اس کی چال ایسی ہی میں موجود تھی۔ آسیہ نے جیب اسٹارٹ کر کے باہر گریش ڈالی اور اسے تیزی سے دوڑانے ہوئے گاڑی کے آگے بھاگنے سے بچھا کر باؤنچ دیوار میں نصب تھا۔ ایک ہی منٹ میں ایک آکر باہر جاگا، اس کے ساتھ ہی دونوں طرف کے دونوں کچھ جھپکے کر گیا تھا عموماً آسیہ کو اس بربادی پر توجہ نہیں دیتے۔ انھیں ہی وہ لگے ہوئے پھانک کے اوپر سے اتر کر جیب کو باہر سے چل گئی۔ باہر تھے ہی اس نے عبادت کے ساتھ جیب کا رخ تبدیل کیا اور پھر اسے پورے رفتار سے دوڑانے ہوئے ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میں اپنی جگہ خاوش کھڑا

تختہ فراہم کر دیا ہے، کبھی جرائم پیشہ افراد پر بے سوچے سمجھے قاتل کی سر بلندی کی خاطر ہاتھ نہیں ڈالا کرتے۔ ان کے ریکارڈ میں صرف ان لوگوں کے ہی نام درج ہوتے ہیں جن کی ہمت پر کوئی مضبوط ہاتھ نہیں ہوتا، یا جن سے انہیں کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں ہوتی۔ خود میری مثال سامنے ہے، پولیس کے جھگے کا ایک ایک فرد مجھے سے واقف ہے، میری گرفتاری پر پچاس ہزار روپے کا انعام بھی مقرر ہے۔ پولیس کے درجنوں افراد میرے ہاتھوں عدم کو سدھار چکے ہیں، مگر پوچھو مجھے بڑے صاحب کی آغوش و احاطہ ہی تھی، اس لیے اس جھگے کے ذمے دار افراد ان میری حفاظت بھی کرتے رہے تھے، کیوں سیاست دان تھے جنہیں اپنی کرسیاں مضبوط رکھنے کے لیے مجھ جیسے لوگوں کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے لیکن آسیر کو ایسے کی ضرورت مند کا تعاون حاصل نہیں تھا، اس کے برعکس اس نے جن لوگوں سے دشمنی مول لی ہوئی تھی، ان کی بڑیاں بہت گہری تھیں اور اس حقیقت سے سارے ہی وقت تھے کہ اس سیاہ بخت آسیر کے سر پر نہ کوئی سایہ ہے اور نہ ہی اسے کسی بڑے یا چھوٹے صاحب کی آغوش و احاطہ حاصل ہے چنانچہ وہ کسی رعایت کی مستحق نہیں ٹھہرتی۔ اسے اس طرح نہیں جانا چاہیے تھا۔ پتا نہیں اس انداز سے سوچنے کی غمی وہ اور میرا سا تھا چھوڑ کر کیوں جھگڑ رہی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، آخر اسے مجھ سے جھگڑنے کی کیا ضرورت تھی، میں اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا سکتا تھا، اسے لاکھوں شکاری کے آدیموں کے حوالے تو نہیں کر سکتا تھا یہ ٹھیک ہے کہ میں اسے لاکھوں شکاری نہ کھونٹے سے باندھ دینے کی کوشش کرتا رہا تھا اور اسے سمجھا بچھا کر میں اس سے لاکھوں معافی دلانے کی کئی کوشش کی تھی مگر اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں تھا کہ اب جب کہ اس نے میری ہر تجویز کو رکے لاشاری کا پتہ کاٹ ہی دیا تھا تو میں اسے موت کے منڈیں تو نہیں دے سکتا تھا۔ یہی کر رہا تھا میں تو اس کا بچہ وہ کس بات سے خوف زدہ تھی؟ جنہوں اس طرح میرا ساتھ چھوڑ کر چل گئی تھی، ایسی کیا بات تھی اس کے پیش نظر؟

میں عجیب سی انجمن عوس کہنے لگا تھا۔ آسیر میری سمجھ سے باہر ہوتی باری تھی۔ بیک وقت کئی جھگڑے ہوئے قدموں کی آواز نے مجھے مزید اس کے بارے میں سوچنے کی مہلت نہیں دی۔ میں نے چونک کر شرافت علی کو دیکھا۔ وہ جو علی کے کسی حصے کی جانب صبر جمائے کھڑا تھا جہاں سے کچھ دیر قبل میں اودھڑا ہوا تھا۔ جھگڑتے ہوئے قدموں کی آواز اس کی طرف سے آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ہماری طرف ہی آ رہے ہوں۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے سامنے کا دروازہ بند کر کے جن لوگوں کو باہر

آنے سے روکنا چاہا تھا وہ اب عقبی دروازے سے نکل کر اودھ آسے تھے اور شاید وہ ہم سے ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کے ارادے سے باہر نکلتے ہیں۔ وہ باتوں کے سردار لاکھوں شکاری کے حوض میں نا بوجہ کر دیں گے یا خوف ہو جائیں گے۔ میں نے شرافت علی کو آواز دے کر کہا: "شرافت علی! اودھ میرے پاس ہیں یہ دروازہ کھول رہا ہوں۔ ہم دونوں اس کمرے میں موجود بنائیتے ہیں۔"

شرافت علی نے جواب دیا: "اب اس کا وقت نہیں رہا۔ میں کا کہہ چکے جا رہا ہوں کہ اندر چلے جاؤ۔"

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا..... اب اس کے پاس انز وقت نہیں رہا تھا کہ وہ کچھ ٹیک بیٹھ سکتا۔ وہ جس جگہ کھڑا ہوا تھا اس سے آنے والوں کو دور ہی سے دیکھ سکتا تھا اور اس نے انہیں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ متاز جیسے ایک لاشاز کے مردہ جسم کے ساتھ کمرے میں بند کر دیا تھا، اسٹین گن کے دوڑنا ہوا ہمارے مقابل آگیا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے سبقت علی اور تنہا نے دارا فضل بیگ بھی تھے۔ ان دونوں نے رافضیوں کو رکھی تھیں۔ میں چونکہ پولی کے دروازے کے ساتھ کھڑا تھا، اس لیے کھلی جگہ پر ہونے کے باوجود وہ گردنوں سے بغیر مجھے صبر دیکھ سکتے تھے، شرافت علی ان کے بالکل سامنے تھا، اندازہ آ کر اس کی طرف تو جرتے۔ متاز نے سامنے اسے ہی شرافت علی پر گولا چلا دیا، مگر وہ بھی کوئی نا آموز نہیں تھا۔ اس نے ان لوگوں کو گولا ہی میری بات کا جواب دے کر کہ اسے عقب میں چھلانگ لگا دی تھی، چنانچہ متاز کی چلائی ہوئی گولی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا وہ تینوں میری موجودگی سے بے خبر شرافت علی کی کار کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ شرافت علی کو دیکھ لینے کے بعد انہیں لینے بائیں کسی اور کی موجودگی کا خیال نہیں آیا تھا۔ ان کی پوری توجہ سامنے ہی کی جانب تھی۔ متاز اندھا دھند گولیاں برساتا ہوا بڑھتا چلا جا رہا تھا اور شرافت علی کو سہاڑا کر جانی کا زوال کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔ سبقت علی اور افضل بیگ بھی سیدھی کیے اس کے پیچھے پیچھے بڑھتے باہر تھے یہ صورت حال نے کے لیے بے حد خطر کا محسوس تھا۔ اس طرح تو وہ شرافت علی کے بالکل سر پر جا پہنچتے اور اسے اپنے دفاع میں ایک بھی گولی چلا دے موقع نہیں ملتا۔ لہذا میں نے ان کی اس بے خط بین کوئی کے لیے پستول نکال کر ایک گولی متاز کے سر پر سے گزار دی۔ میری اس کارروائی کے نتیجے میں وہ تینوں ایک دم زمین پر جا جا کرے اور گر گئے۔ بی سب کی طرح مل کھا کر میری طرف آئے۔ میں چند قدم ادا کر کے بڑھ آیا تھا۔ مجھ پر نظر پڑے تھے

نے غصے سے دانت کچکا کچکا کر کہا۔

"تو اودھ چھپا ہوا تھا تو میری کی اولاد! تیری ہی تو مجھے تلاش تھی، اب دیکھتا ہوں تو کیسے بچے جاتا ہے مجھ سے۔" اس نے اپنی اسٹین گن سیدھی کے میرا نشانہ لیا اور فائر کرنے کے لیے اس کے ساتھ دو تار زلزل کرنے لگا۔ وہ اس کی آگ لگتی ہوئی اسٹین گن جس کے سینے میں تھری سیسے کی گولیوں نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی تھی، میری جانب اٹھتے ہی گولیاں اگلنے بھول گئی۔ متاز نے حیران ہو کر اسٹین گن کو دیکھا، اور دوبارہ اس سے اٹھنے لگا۔ میں چند لمحوں خاموش کھڑا اس کی اس انجمن امیر جراتی سے نصف اندازہ ہوتا رہا، پھر نہتے ہوئے بولا: "بھول جائیے، اسے اب۔ بہت دیر سے اشاروں پر حرکت کر رہی ہے، لیکن اب تیرا ساتھ نہیں دے گی، ایسی ہی یوفا ہوتی ہیں یہ سائنس دانوں کی تخلیق کی ہوئی چیزیں، کبھی کبھی تو اپنے مالکوں ہی کو بھل جاتی ہیں اور وقت پڑنے پر تو اکثر میں نے انہیں اسی طرح ہر جانی ثابت ہوتے دیکھا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہوئی ہے تیرے ساتھ۔"

"چپ کر جا اودھ! شرف علی کی اولاد! اپنے ہتھیار پھینک کر ہتھ اور اٹھا لے۔ یہ تو میں بتاؤں گا تجھے کہ ہر جانی کیا ہوتا ہے؟" تنہا اندرا فضل بیگ نے متاز کی اسٹین گن کو کا۔ سمجھ کر اپنی رافضی میری طرف تانے ہوئے ڈپٹ کر کہا۔

"بھٹے بھٹے، صدقہ جاواں تیریاں اداواں توں۔ بہت خوش فہمی سے تجھے اپنے ہاتھ میں، مگر یقین کر لے میرے بار! یہ بے جان انسان کسی پولیس والے کا عیب نہیں مانتی ہیں۔ یہیں جانتا ہوں تو میری کوئی بات ماننے والا نہیں ہے، لہذا بہتر یہی ہے کہ تو بھی اپنے دل کی کر کے دیکھ لے، نکال لے یا سچی تو بھی اپنی صورت، ہاتھیں بعد میں تجھے پچھانے کا موقع بھی ملے گا نہیں۔" میں نے ہنسنے کے اڑانے والے انداز میں یہ کہہ کر بڑی زہریلی مسکراہٹ اپنے ہاتھوں پر سجائی۔

میری اس بات نے اس کی کھوپڑی میں آگ لگادی تھی۔ وہ بڑی قوت سے جلتی چھڑا کر دھاڑا: "مجھو ننھا بند کر اڑے کتے! زندگیاں چاہتا ہے تو سیدھی طرح ہتھیار پھینک کر گرفتاری دے! اپنی تیرے جیسے بہت دیکھے ہیں میں نے، دانت کوستے والے! ہاں تنہا تیری، ٹھیک کہتے ہو، جزو دیکھے ہوں گے تم نے میرے لیے۔ آج مجھے بھی دیکھ لو اچھی طرح۔"

"مجھے تو ایسا دیکھوں گا میں کہ کوئی اور دیکھ ہی نہیں سکے گا۔" چنانچہ اس نے ہاتھوں کو پولیس منڈیلے میں مرنے والوں کی لافریاد نہیں ہوتی کہیں۔

"ہاں جی، بہت اچھی طرح جانتا ہوں میں یہ بات مگر کھوج کیا ہے ہو، چلاؤ ناگو کی مجھ پر! میں نے اسے پیش دلانے والے انداز میں کہا۔

اس نے غضب ناک ہو کر میرا نشانہ لے کر رافضی کی لمبی پر زور ڈالنا شروع کر دیا مگر اسے اسی طرح اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ رافضی کی لمبی حرکت کرنے کو ہی آمادہ نہیں ہو رہی تھی، میں نے ہنس کر کہا۔

"تم تینوں کوشش کر دو مل کر، شاید یہ کسی کو کامیابی نصیب ہو ہی جائے اور جب تم تک جاؤ تو مجھے بتا دینا، پھر میں بھی ایک کوشش کروں گا لیکن میری کوشش کا نتیجہ ذرا مختلف ہو گا۔"

میں نے اودھ نظر اٹھائی تھان شرافت علی چھپا ہوا تھا۔ وہ اب اپنی جگہ پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور حیرت سے اسٹین گن پھاڑے سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لیے یہ ایک بالکل ہی ناگہانی بات تھی۔ دو رافضیوں اور ایک اسٹین گن میری طرف اٹھتی ہوئی تھیں مگر ایسا لگتا تھا جیسے وہ بچوں کے لیے مزرے سے کھولنے ہوں، میں ان سے خوف زدہ تھا اور نہ ہی وہ خوفناک ہتھیار اپنا فرض ادا کر لے کر تیار ہوتے تھے۔ اس دیکھ کر مجھے اپنی کا خیال آگیا، اسے میں اپنے پیچھے چھوڑا یا تھا، بلکہ وہ خود ہی میرے پیچھے رہ گیا تھا، تاکہ اگر عقب سے کوئی مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو وہ میرا دفاع کر سکے حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ جب تک مالیری دی ہوئی وہ طلسمی انگوٹھی میری انگوٹھی میں موجود تھی کوئی مجھے اتھیں اسٹین سے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا اور اگر کوئی قریب آ کر جواز خیر بالا تھی وغیرہ سے ہم پر حملہ آور ہوتا تو وہ فوراً ہماری نظروں میں آ جاتا اور ہم اس سے اچھی طرح نمٹ سکتے تھے لیکن یہ سب باتیں میں آتی کو بتا نہیں سکتا تھا، اگر میں اسے اپنے عقب کی حفاظت سے منع کرتا تو وہ مجھ سے اس کی وجہ ضرور معلوم کرتا۔

پوری طرح اطمینان کیے بغیر وہ میری کوئی بات کبھی نہیں مانتا تھا، اس کے مجھے اتنی فرصت نہیں تھی کہ اس کے مظاہر کرنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا میں نے اس کی بات مان لینے میں ہی عافیت جانی تھی اور اودھ چلا آتا تھا۔ اب مجھے خیال آ رہا تھا کہ یہ لوگ بھی اسی راستے سے گزر کر آتے تھے جس سے میں کیا تھا۔ اس صورت میں یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ انہیں آتی نہ ملا ہو۔ اس میں تو شک و شبہ کی کوئی گنجائش

مطلوبہ کے امتحان کے لئے ادا دلت بھانے والے ایک بے حد اہم کتاب

ملک بھر کی فہرست ابوسٹیکس نمبر ۹۹۴/۱۱/۱۱

قیمت ۱۵ روپے ۱۰ روپے

ہی نہیں رہی تھی کہ وہ باتوں کی کوکبیں لیے بس کر کے ڈال اُسے تجھے  
 باہر اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کیا تھا انھوں نے کہیں کی دہر  
 وہ دن کی راہ روکنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا اس خیال نے بس  
 اپنے تئیں برق سی وادری میری رگوں میں جیسے لاوا دوڑنے لگا  
 میں نے عالم غیظ میں گر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”اوسے سنگ زانو! تو تم لوگ میرے یار کی کو کیا کر اُسے  
 ہو؟ کہاں ہے وہ؟ اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا ہے تم نے؟“  
 ”نقصان ابھی تک تو کوئی نہیں پہنچا ہے اُسے لیکن اگر  
 تم نے ہمارے ساتھ کوئی زیادتی کی تو وہ زندہ نہیں مل سکے گا  
 تمہیں سیف علی بولا۔

”تم لوگ بھی اگر اپنی سلامتی چاہتے ہو تو سوچ سچ بتا دو اب  
 کہاں ہے اوکس حال میں ہے؟ میں نے ان کے قریب پہنچ  
 کر کہا۔

”کل نہ پھاڑا اُسے شنگے! سیدھا ہو جاؤ ورنہ ایک منٹ میں  
 تکتے کی دم کی طرح لپیٹ کے رکھ دوں گا سالے کو“ تجھانے دار  
 افضل بیگ غصے سے بولا اور افضل ایک طرف پھینک کر اٹھ  
 کھڑا ہوا۔ اس نے شاید وہ بدو مجھ سے مقابلہ کر کے مجھے زیر کرنے  
 کی تھان لی تھی۔

”بک بک نہ کرو اُسے پڑی کے غلام! ہند کیر پڑا اور مجھے

بتا میرا یار کی کہاں ہے؟ میں نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔  
 ”میں کتا ہوں جو اس بندہ کر کے خود کو گرفتاری کے لیے پیش  
 کر دے۔ اس کے ہوا کوئی دوسری بات نہیں سنا جاتا ہوں بلکہ میں  
 میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تیرے جیسے  
 کہ اس بچوں کو اتنا نہیں ابلنا چاہیے۔ تو تو یا گندے پانی کے  
 گڑ کی طرح ابلتا ہی جا رہا ہے۔ مان لے میری بات میرے بچے!  
 میرے بیٹے! آرام سے بناوے مجھے ایک کو کیا کر اُسے تو کم لو؟  
 ”جتم سید کر تے ہیں ہم اُسے سمجھا؟ اور مجھے بھی اس کے پاس  
 بھیج دیتے ہیں“ تجھانیدار بولا۔

میں اس کے بہت قریب پہنچ کر تھا کھتا خون تو میرا اپنے  
 ہی ہوش کھار تھا“ تجھانے دار کی بات نے مجھے آپسے سے باہر  
 کر دیا۔ میں نے ہاتھ کھاکر لوری قوت سے اس کے منہ پر کھینچ  
 رسید کیا۔ ایسے نہیں مانے گا تو، تجھ سے تیری ہی زبان میں بات  
 کرنا ہوگی مجھے؟

میرا ہاتھ زور سے چڑھا کہ وہ ہٹ کر پیچھے جاگلا اور  
 ایک ہاتھ سے اپنا گال سلاتے ہوئے میرا حیران نظروں سے  
 مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ شاید کسی نے آج تک ایسا سلوک  
 نہیں کیا تھا۔ وہ حیران بھی غالباً اسی وجہ سے ہورہا تھا کہ میں

نے اس کی کسی دھمکی یا اس کی حیثیت سے متاثر نہ ہونے  
 اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا۔ اسے اپنے باسے میں لے  
 تھا کہ اس کے بدن پر مٹھی ہوئی سرکاری یونیفارم پر  
 اس سے سر تابی کی برأت نہیں رکھتا، بڑے سے بڑا مگر  
 کے سامنے سر خم کرنے پر مجبور ہے۔ میرے ایک ہی چہرے  
 سمجھا دیا تھا کہ سارے لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ انہوں  
 جیسے سرخم سے بھی ہونے میں جو کسی کو خاطر میں نہیں لائے۔

ممتاز ابھی تک اپنی اسٹین گن سے ہی اٹھتا ہوا تھا  
 نے ہر ممکن طریقے سے اسے چپک کر کے دیکھ لیا تھا اور  
 کوئی خرابی دریافت نہیں کر سکا تھا۔ وہ مجھ دل ہی دل پر  
 بات پر حیران ہو رہا ہو گا کہ اچھی خاصی جاتی ہوئی اسٹین گن  
 اچانک ساکت کیسے ہو گئی تھی۔ ابھی چند سیکنڈ پہلے تک  
 گرجتی رہتی تھی مگر میرا نشانہ لیتے ہی وہ کسی ریلوں کی  
 خوردہ دار ناکارہ گن کی طرح جام ہو گئی تھی، اس کا ٹریگر اور  
 ہی نہیں کرتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا۔

”اسے چپک کر دے ممتاز بچے! اس بات تیرے لیے  
 اُس کی اور اُس کے لیے تو بڑے کسی ایسے نا قابل اعتبار  
 بھروسہ کرنا اب کبھی بھی“

میری بات سن کر اس نے ایک لمبے کو نوخوار لگا ہو  
 مجھے دیکھا پھر ایک دم پھیل کر کھڑا ہو گیا اور اسٹین گن  
 کر منہ پر چھینک مارنا چاہی لیکن جیسے ہی اس نے ہاتھ  
 میں جسٹ لگا کر اس پر جا پڑا اور اپنے ہاتھ میں دلی اسٹن  
 نال سے اس کے اٹھے ہوئے ہاتھوں پر ضرب لگائی اس  
 میرا کھٹنا اس کے پیٹ میں گھسا میرا حملہ اتنا اچانک  
 تھا کہ اس کے ہاتھوں سے اسٹین گن کل کر دو جگہ اڑ  
 ”او“ کی آواز کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے پیٹ پر  
 جھٹکتا چلا گیا۔ میں نے اپنی اسٹین گن اور پستول شرافت علی  
 پھینک کر کماتیر شرافت علی! یہ چھپا رہی تھی اور دونوں کا خیال  
 میں اس ممتاز سے منٹ لوں! اسے شاید اپنی شہزادی  
 ہی زیادہ مان ہے۔ میں اسے مقابلہ کرنے کا پورا موقع  
 چاہتا ہوں“

شرافت علی نے تیزی سے میری اور ممتاز کی  
 اور پستول اٹھا کر اپنی کار میں رکھ دیے اور اپنی اسٹین  
 کر تجھانے دار افضل بیگ اور سیف علی کو کور کر کے  
 اس نے ان دونوں کو تنہا کر دی تھی کہ اگر ان میں سے  
 ممتاز کی مدد کے لیے آگے بڑھا تو وہ اس کے بدن میں  
 روشن دان کھول دے گا۔ وہ دونوں حشرات سے

ہونے ایک طرف ہو گئے۔ وہ میرے اس فیصلے سے بہت  
 مطمئن نظر آ رہے تھے۔ شاید ان کا خیال تھا کہ میں نے ممتاز سے  
 بغیر ہتھیاروں کے دوبارہ مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر کے اپنے حق  
 میں بہت بڑی غلطی کی ہے ممتاز اس غلطی میں مجھے بڑی تنگنا  
 شکست سے دوچار کرے گا۔

میں الگ کھڑا ممتاز کے سینے کا انتظار کرتا رہا۔ میں اُسے  
 اپنے اوپر حملہ آور ہونے کا موقع دے کر ایک پھر پور مقابلے کے  
 بعد اُسے زیر کرنا چاہتا تھا کیونکہ اُسے زیر کرنے کے بعد ہی میں  
 سیف علی سے اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کر سکتا تھا۔ یوں بھی  
 کشت خون سے بچنے کا یہ مناسب ترین راستہ تھا کیونکہ  
 کا تدارک کر کے دس میں اُس کیوں کو جان سے مار دینے کے مقابلے  
 میں یہ زیادہ بہتر تھا کہ... ان میں سے سب سے زیادہ طاقتور  
 اور جنگجو شخص کو شکست دے کر انہیں ہتھیار چھینک دینے  
 پر مجبور کر دینے۔ وہ ان پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، وہ  
 اسے میری کمزوری سمجھتے، یہ قتل و غارت گری کے عادی لوگ،  
 طاقت ہی کے سامنے سر جھکا تے ہیں، وعظا نصیحتیں اور لالچ  
 ان پر بالکل اثر نہیں کرتے۔

چند سیکنڈ کے انتظار کے بعد ممتاز سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔  
 اُس نے قمر کو نظروں سے مجھے کھوٹے ہوئے کہا۔ ”مجھے اپنی  
 طاقت پر بہت ناز ہے، میں نے بھی بڑے پورے شعلے تیرے،  
 تیرے ہاتھوں میں فناقت کی بات نہیں ہوئی“

میں نے کہا اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میرے ہاتھوں مارا جائے  
 گا تو میں تجھے موقع دیتا ہوں، مقابلے سے دست بردار ہو کر میری  
 اطاعت قبول کر لے تجھ جیسے جوان مردوں کی میں بہت قدر  
 کرتا ہوں ممتاز! بول کیا کہتا ہے تو؟“  
 ”اطاعت قبول کروں میں تیری؟ میں نے تو کبھی لاشٹاری  
 کی اطاعت بھی قبول نہیں کی۔ پھر تو کیا چیز ہے؟“ اُس نے  
 کہا اور اچانک مجھ پر چھانک لگا دی۔ اس کا انداز سیدہ خون فگ  
 اور جارحانہ تھا۔

اس کا خیال ہو گا کہ میں اس سے باتوں کے دوران اس  
 کی طرف سے کسی غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہیں ہوں گا اور  
 وہ اچانک حملہ کر کے مجھے کوئی شدید ضرب لگائے میں کامیاب  
 ہو جائے گا مگر میں اس سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں  
 ہوا تھا۔ میری نظر میں اس کی ہر حرکت کا بغور جائزہ لے رہی تھیں  
 ہونا چاہیے ہی اس نے میری طرف جھپٹا لگا، میں نے بھی  
 اپنے بائیں جانب جست کر کے وہ جگہ چھوڑ دی۔ وہ پورے اعتماد  
 کے ساتھ میری طرف آیا تھا چنانچہ میری کسی اچانک اور غیر متوقع

حرکت کے لیے وہ بالکل تیار نہیں تھا۔ لہذا صاحب اس کے قدم  
 وہاں ملے جہاں ایک لمبے قتل میں کھڑا تھا تو اس کے لیے اپنا تونل  
 برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔ وہ جھپٹک میں لمبی طرح بڑھا ہوا  
 چند قدم آگے بڑھ چکا تھا کہ میں چاہتا تھا اس موقع سے فائدہ اٹھا  
 کر اس پر تار پڑاؤ ٹوڑنے کے لیے اسے زمین سے لگا دیتا، مگر اُسے  
 اپنے سارے حریف، تمام بڑا آزمائے کی کھلی چھوٹ دینا چاہتا  
 تھا۔ میں اس میں شک نہیں کروہ لڑنے کا فن خوب جانتا  
 ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اتنا شدید درخالی جلنے کی وجہ  
 سے اپنی ہی جھوٹک میں اوندھے منہ گرنا اور دو رنگ زمین پر  
 گھسٹنا جلا جانا لیکن اس نے چند قدم بڑھنے کے بعد اپنے  
 آپ کو سنبھال کر گرنے سے بچا لیا تھا۔ وہ سنبھل کر میری طرف  
 پٹا تو میں اُس سے ذرا فاصلے پر دونوں ہاتھ کر میرے کھڑا  
 مسکرا رہا تھا۔ اس نے ایک لمحہ مجھے دیکھا اور دوسرے لمحے  
 میں اُڑتا ہوا میری طرف آیا۔ میں نے پھر بائیں جانب ہی جست  
 کی اور وہ جگہ چھوڑ دی۔ اس بار وہ پوری طرح تیار تھا، چنانچہ  
 اس مرتبہ اس کے پیر زمین پر ٹپکے تو مجھے ایسا لگا جیسے اُس کے  
 پیروں کے نیچے سے مٹن سرک ٹپکے اسے اور وہ سر کے بل چپٹ  
 نیچے گرے مگر میری نظر کا قریب تھا وہ جان بوجھ کر اس طرح  
 گرنا تھا، زمین کے قریب پہنچتے ہی اس کا ایک ہاتھ زمین پر  
 لگا اور وہ اسی ہاتھ پر اپنا پورا بوجھ ڈال کر تیزی سے لٹو کی  
 طرح گھوم گیا۔ یہ میرے لیے ایک بالکل نیا انداز تھا، اس سے  
 پہلے کہ میں اس کی اس حرکت کو سمجھ سکتا، اس کے دونوں پیر  
 رکی چھاری گڑ کی طرح میری ہڈیوں پر پڑے اور میں اچھل کے  
 پشت کے بل زمین پر آ رہا۔ میرے گرتے ہی ممتاز چپتے کی سنی  
 چھری سے اٹھا اور میرے اوپر جست لگا دی۔ اس کی پستی اور  
 پھرتی قابل ستائش تھی، وہ نوخوار جیتے کی طرح پٹٹا اور بارگہ طرح  
 جھپٹتا تھا، ایسے شخص سے مقابلہ کرنے کے لیے اس کی ہر حرکت  
 پر نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا بھی نظر چوک جائے تو آدمی  
 کو دیکھتا ہے یا غلطی کا راز اس کے ہاتھوں میں ملتا اور ممتاز زو  
 موٹری کی طرح چالاک اور عیار بھی تھا، وہ تو ہم زندگی میں  
 اخلاقیات کو اپنے معاملات میں حاصل نہیں ہونے دیتا تھا تو  
 دشمن سے مقابلے کے وقت وہ اخلاق کو درمیان میں کیسے آنے  
 دیتا، وہ تو پچھلے مائے دہم کے اصول پر کار بند تھا اور اس  
 اصول پر سختی سے عمل کرتا تھا۔ گو میں نے اسے بعد سنبھل کر  
 اٹھنے میں ایک لمحے سے زیادہ دیر نہیں کی تھی، اس کے باوجود نظر آتا  
 ہی مجھے یوں لگا تھا جیسے کوئی بڑی سی چٹان اُڑتی ہوئی میرے  
 اوپر چلا آ رہی ہو۔ میں کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھے ہی بیٹھے ٹو

کی طرح گھومتا ہوا ایک طرف ہو گیا اور اس جگہ سے کافی دور جا کر گرا۔ میرے ہاتھ ہی متا زبرد کی اور زوردار آواز کے ساتھ اوندھے زمین سے اسی جگہ گرا تھا جہاں بل بھر بیٹے میں موجود تھا۔ اس کے گرتے ہی میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ متانت سے اس طرح اور جتنے دے گئے تھا اس کے پیش نظر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے پر سخت چوٹ آئی ہوگی اور جب نہیں کر سائے کے ایک حالت بھی ٹوٹ گئے ہوں اس کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا ہے اپنے خاص قلم کہن مشکل ہو جاؤ۔ ہوتا زبانی سے پناہ قوت برداشت اور فدا جیسے عزم و حوصلے کا مالک تھا۔ وہ ایک ثانیہ کے لیے بھی اس جگہ نہیں ٹھہرا، اگر تیری سے کسی چوٹ کھائے ہوئے سناپ کی طرح پٹا اور ٹوئیں لگتا ہوا مجھ سے اتنی دیر چلا گیا کہ اگر میں اسے گرتے دیکھ کر اس پر جوانی نہ لے کر اس کی حماقت کو میرا جی حشر اس سے مختلف نہیں تھا۔ اس کی طرح میں بھی اپنا مزاد دیکھ کر بھڑکنے کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکتا تھا لیکن میں نے اس جیسی حماقت نہیں کی۔ اس کی پرہیزشیں، ایک تو یہ کہ میں ابھی اس کے خلاف جوابی کارروائی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں اسے خوب تھکا کر دینا چاہتا تھا، دوسرے میں لڑنے کے دوران عقل و ہوش سے کام لیتا تھا۔ دماغ کو ٹھنڈا رکھ کر خوب سوچ سمجھ کے موقع و محل دیکھ کر حملہ کرتا تھا۔ کوئی ادھیڑا کر کے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچانے یا جذبات میں اوندھے ہو کر نتائج کی پروا کیے بغیر اندھا دھند مخالفت پر ٹوٹ پڑنے کا قائل نہیں تھا۔ وہ لوگ جو طاقت کے نشے میں بلا مست یا تھکی کی طرح دشمن کو حقیر جان کر اس پر جا گرتے ہیں، وہ ایک دن کسی بہت ہی کمزور مگر حاضر دماغ دشمن کے ہاتھوں نہایت عبرت ناک انجام سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

منازادو بارہ کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا، اس کا چہرہ لمو میں نہایا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ، ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا مگر اسے اس کی ذرا بھی پروا نہیں تھی، وہ اب بھی سیدھے تانے میرے مقابل کھڑا خون خوار نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا میں نے اس سے کہا۔

”اور ممتاز! ابھی تو میں نے تجھے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے اور ہر حالت ہوئی ہے تیری۔ جا بے، جا ہٹ جا میرے سامنے سے تو میرے مقابلے کا آدمی نہیں لگتا مجھے۔“

وہ جواب دینے کے بجائے خون آشام لگا ہوں سے مجھے گھورتے ہوئے آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگا۔ اس بار وہ کوئی بہت ہی خوف ناک دافو مجھ پر کرنا چاہتا تھا مگر اس کی حالت پر مجھے ترس آنے لگا تھا۔ وہ شکست مان کر پیچھے ہٹ

جانے والوں میں سے نہیں تھا اس کے تصور تیار ہے تھک کر اپنی جان دے دے گا مجھے صفر ہستی سے نیست و نابود کرے گا۔ اس سے کسی بات کو تسلیم کرنے کے لیے وہ ہرگز ہرجا ہوگا۔ عمر کے جس طوفان دور سے وہ گزر رہا تھا، اس دور کا تقاضا ہی یہ ہوتا ہے۔ رگوں میں گھومتا بولا دودھ پوز ان دنوں جو ذرا سی حرارت پاکر آدمی کو ہوش و خرد سے پر کر دیتا ہے۔ ان دنوں آدمی کا دل خواہ خواہ ہی چٹا ہونے لگتا ہے۔ اسے کو چاہتا رہتا ہے، ایسے میں کوئی گراستہ لگا رہیٹے وہ اپنے آپ سے نہیں رہتا۔ یہی حال اس گھڑی ممتاز کا تھا اس کی جوانی بھون کی دوہرے کے سورج کی طرح سب کچھ بھون دینے کے درپے تھی۔ بڑا گرو اور بارہا جوان تھا وہ، مگر میں اس کے عجیبان تڑپتی معلوم ہوتی تھیں۔ ایسے عالم میں تو کون کو زندگی کی زیادہ ہی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اپنی اس ضرورت کا خیال ہی نہیں کر رہا تھا۔ ایک ذرا سی ان کی خاطر میرے ہاتھ کے گھٹا اترنا چاہتا تھا، زندگی اور موت کے درمیان کئی تڑپتی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ میرے لیے یہ خیال تھا کہ زبردست محسوس کے بعد تھوڑی سی مار کھائے گا، کچھ ٹوٹ پھوٹ ہوگی اس کی تو یہ تڑپ تیزی جاتی رہے گی، اور وہ تو ہی سمٹ کر ایک طرف ہولے گا۔ اب اس کے تھوڑے سے اندازہ ہوگا کہ وہ پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ دم دم میرے قریب ہوتا جا رہا تھا اور جب میرے اور اس کے درمیان میں جا قدم کا فاصلہ نہ لگتا تو اس نے ہچکچاہٹ کر بھرم میرے ہاتھوں میں بہت بھری۔ اس نے دیکھا تھا کہ میں اسے حرکت میں آتے دیکھ کر ہاتھوں میں ہی ہٹا تھا چاہے یہ یقین ہوگا کہ اس بار بھی ہاتھوں کا مگر اس مرتبہ میں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑے کھڑے ڈاسا دیا، ہو کر اس کی کلاں پر ہاتھ ڈال دیا۔ وہ ایک جھٹکا کھانڈا ہوئے بیٹا مگر میں نے کلاں ہاتھ میں آتے ہی اپنے مخصوص انداز اس پر زور ڈال دیا تھا، نتیجے کے طور پر وہ ابھی پوری طرح میری طرف مڑ بھی نہیں سکتا تھا کچھ آج کی جلی سی آواز کے ساتھ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ میں اس کی کلاں چھوڑ کر فوراً پیچھے ہٹا اور وہ اپنی ساری تندرستی بھول کر دوسرے ہاتھ سے اپنا گلا ہاتھ تھام کر پیچھے ہٹ گیا۔ تکلیف کی شدت سے اس کے ہونٹ پھینک گئے، آنکھوں سے کرب و اذیت کے ساتھ ساتھ جھپٹ جھپٹ رہی تھی۔

میں نے کہا۔ ”اب تو آرام سے یہاں بیٹھا رہ میرے بار کیوں جان دینے پر تڑپ گیا تھا؟ یہ عمر مرنے کی تو نہیں ہوتی

اس کا یہ حشر دیکھ کر سب علی سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ زراحت علی کی اسٹین گن کی بڑا کیے بغیر اچھل کر مجھ پر بڑا میں اس کی بات سے غافل ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ زراحت علی سے حکم سے تڑپتی کی بہت نہیں کر سکے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے مجھے دو چکر پوری قوت سے اپنے سر سے میری ناک پر ٹھوکر مارا چا۔ غیر ارادی طور پر اس کا ناک ہی ..... میرا سر آپ سے تپ پیچھے جھک گیا اور اس کا سر میرے سر سے ٹک گیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے جس قوت کے ساتھ ٹھوکر ماری تھی مگر وہ میرے منیاک پر پڑ جاتی تو میری حالت بھی بہت زیادہ بگڑ گئی ہوتی۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل کر اسے روکتا، اس نے دو اور محسوس میرے سر پر دے مارے۔ اس کی ٹھوکروں سے میرا دماغ بل کر رہ گیا تھا۔ میں نے اسے مزید محسوس مارنے سے روکنے کے لیے اپنا گلا اس کے پیٹ میں دے مارا اور جیسے ہی وہ چوٹ کھا کر نیچے پھینک میں نے اسے دو دنوں ہاتھوں پر اٹھا کر دوڑا چھال دیا میرا سر پڑی طرح گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ اگر اس نعمیت کو دو ٹوک اور مارنے کی مہلت مل جاتی تو میرے لیے اپنے پیروں پر کھڑے رہنا ممکن نہ رہتا۔

اس کے مجھ سے الگ ہو کر گتے ہی شرافت علی نے تیرہ کر۔ ”خدا دار اب اگر بیانی کی طرف بڑھا تو گولی مار دوں گا میں“ میں نے اپنے سر کو دائیں بائیں دو تین بار جھٹک کر غصہ ناک نظروں سے سیف علی کو دیکھا۔ وہ آٹھ کھڑا ہو گیا اور بے حد کیز نور نظروں سے شرافت علی کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھوں میں دلی ہوئی اسٹین گن نے اس کے قدم روک رکھے تھے۔ میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”تو اپنی اسٹین گن کی گولیاں اس پر ضائع نہ کرنا اس گتے کے میں یوں ہی اپنے خبر توڑ کے ڈال دیتا ہوں۔“

میں نے بڑھ کر سب علی کا ہاتھ اپنی گرفت میں لینا چاہا تو وہ اچھل کر یکدم یوں پیچھے ہٹ گیا جیسے ایک لمبے بھی فاصلے کھڑا ہو تو فوراً اصل اس کی دھجک سے لے جائے گا۔ میں اسے یوں ہاتھ سے پکڑنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ لاکھوں گتے تڑپتی اور بے حد معتاد آدمی تھا۔ اس کی کوئی بات لاکھوں سے جھپی ہوتی نہیں تھی، وہ اس کے بارے میں جانتا جانتا تھا اتنا کوئی اور نہیں جانتا تھا اس لیے لاکھوں شکاری کا فتنہ تو ختم کر دیا تھا لیکن وہ اپنے نیچے کو حاصل نہیں کر سکی تھی اور نہ ہی اب تک یہیں ہوئی میں اس بچے کی موجودگی کا کچھ تاجیل سکتا تھا۔ اگر وہ اس کو علی میں نہیں تھا تو اس کے بارے میں یہ سب علی ہی بنا سکتا تھا کہ اسے کہاں رکھا گیا ہے۔ یہ معلوم کرنا میرے لیے چند ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک بچہ اس

کو نہیں مل جاتا تو وہ ان درندوں کے مسکن کو بھول نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنے بچے کی تلاش میں اس کے ارد گرد ہی متلاشی رہتی اور بار بار اس کو علی میں گھسنے کی کوشش کرتی رہتی۔ جب تک لاکھوں شکاری زندہ تھا، اس کی ہر زیادتی سہرے ہی اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا، وہ ہر صورت میں اس کا دل بہت لینے کا خواہشمند تھا۔ اس نے اسے کوئی گتہ نہیں پہنچا تھا لیکن اب صورت حال مختلف ہو گئی تھی۔ اب یہاں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اسے اسے ساتھ ڈرا سی رعایت سے بھی کام لیتا۔ اب یہاں سب کے سب خونخوار درندے ہی رہ گئے تھے جو معافی اور درگزر جیسے شریفانہ الفاظ کے آشنا ہی نہیں تھے۔ اسیر جب بھی ادھر کا رخ کرتی، وہ اسے گھیر کر اس کی کچھ بولی کر ڈالتے۔ ان درندہ صفت لوگوں سے وہ تو کبھی جیت نہیں سکتی تھی۔ اگر میں اسے یہاں آنے سے روکتا یا ہٹا تھا تو اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ اس کے نیچے کو حاصل کر کے اس کی کچھ چا دیا جاتا۔ یہ کام میں سب علی کے تعاون کے بغیر نہیں کر سکتا تھا اگر وہ اس وقت میرے ہاتھ سے نکل جاتا تو نہ جانے کس عجیبان جا بیٹھا، کس روزن سے گزر کر کہاں جا جاتا۔ وہ اس علاقے کا اس کو علی کا باسی تھا، یہاں کا ایک ایک ذہن سے پہچانتا تھا، اس خطہ زمین کے سارے دروں بڑوں سے وہ واقف تھا، کوئی گوشہ اس کی آنکھ سے اوجھل نہیں تھا، یہاں کے سارے بھید عیاں تھے اس پر انداز اسے تھا کہ کچھ کہیں تیری سے اس پر چھاپا اور جھگڑے ہوئے اس کی ٹانگ میں ٹانگ اڑا دی۔ وہ دھڑکا، اوندھے منہ نیچے گرا تو میں نے فوراً اسے دبوچ لیا۔ اس کی قمیض کا کار کا پیچھے سے پکڑ کے ایک جھٹکے کے ساتھ اسے اوپر اٹھاتے ہوئے کہا، جانتا کہاں ہے بچہ؟ تجھے تو بڑے کام میں ابھی مجھے!

اس کے بارے میں اندازہ لگاتے میں مجھے غلط ہو گئی تھی۔ وہ ایسا ہرگز نہیں تھا جیسے اس کو علی کے دوسرے لوگ تھے۔ اس کی ساری کڑوئیوں، ساری تیزی طراری اسی وقت تک تھی جب تک اس کی پشت مضبوط تھی۔ نتیجہ وہ تمام بزدلوں کی طرح جلد جبار اور خوف شناس شخص تھا۔ اب جو مجھ پر تلے بھاری تھ اور اسے میرے ہاتھوں سے اپنی جان چھوٹی نظر نہیں آ رہی تھی چنانچہ اس نے فوراً گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا۔ حالانکہ گرتے کی وجہ سے اس کا دایاں زخماں پیٹ چکا تھا اور اس سے خون بہہ رہا تھا مگر وہ اپنے زخم کو بھول کر میرے آگے دونوں ہاتھ بڑھ کر پڑی سے بولا۔

”جیلانی سائیں! رحم، رحم کرو مجھ پر سائیں! میرے بہت چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔“

گتے کے بچے، اوندھے پیچھے سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ اب بولی تیرا

کیا مشرکوں یا مسلمانوں کے جتنی جوتے ہوئے پوجھا۔  
 "غلطی ہوگئی سامیں مجھ سے۔ اس سارے تھانے دار نے  
 ور غلبا تھا مجھے۔ نو بہ کرنا جوں سامیں؛ کان پکڑتا ہوں اپنے،  
 آئندہ کبھی ایسی نصیحتیں نہیں کروں گا آپ کے حکم کے ذرا بھی خلاف  
 پکڑوں تو بے شک گولی مار دیں آپ مجھے؟ وہ گھٹکیا تے  
 ہوئے بولا۔

"جولوہ: میں نے اسے شرافت علی کا کرک طرف دھکا دے  
 کر کہا: اور دیکھنا ڈرا بھی گزری تو جان سے ماروں گا؟  
 میرا سے دیکھ دیتے ہوئے واپس لایا اور کار کے ساتھ  
 کھڑا کے تھلنے دار نسل تک سے پوجھا: آپ کیا کہتے ہیں؟  
 جناب قید و محرم تھا تھاندا افسر بیک صاحب! وہ آپ کے دوسرے  
 سامنے کیاں ہیں؟ انہیں کیوں نہیں لائے اپنے ساتھ آپ؟  
 "وہ مردہ سی آواز میں بولا: یہ تو کچھ کم کہہ رہا ہوں، اچھا  
 نہیں کر رہے ہو چلنے پھرنے میں۔ تم نے ایک ڈنٹے دار پولیس افسر کی  
 خدمت میں بدلیل کی ہے کی میری انکھوں کے سامنے ایسے جرم کیسے  
 ہیں کہ جرم پتہ سن سو دو کے تحت مقدمہ بن سکتا ہے لیکن اگر تم مجھے  
 اور میرے آدمیوں کو کوئی نقصان پہنچانے بغیر جانے دو وہاں سے  
 تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ انکھیں اس علاقے سے سلامتی کے ساتھ نکل  
 جانے کا موقع دوں گا۔ ورنہ آج نہیں آئے گی تم پلورن ہی کوئی تھاندا  
 راستہ روکے گا۔

"اور جناب ڈنٹے دار افسر صاحب! اگر میں تم سب کو اس  
 نوع میں جرم کا قصور و دفع کر چاہوں تب کیا ہوگا؟ پھر کون ہوا  
 راستہ روک سکتا گا اور کون میرے خلاف دفع بین سودو کے  
 تحت مقدمہ بنائے گا؟ میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے  
 ہوئے پوجھا۔

"یہ خیال دل سے نکال دو، پتہ نہیں سچو کے تم کسی طرف  
 بھی، قانون کے ہتھ بہت لمبے ہوتے ہیں، تمہیں اندازہ نہیں  
 ہے اس کا۔  
 "مجھے تمہارا اور تمہارے لیے ہاتھوں کا ڈاکٹر بھر ہے  
 مان ڈیڑ پولیس افسر! البتہ تمہیں غلام جیلانی کے بارے میں  
 کچھ بتا نہیں ہے۔

"پوری قابل ہو چو ہے میرے پاس تھانے میں، تمہارے  
 براہی ایک ایک تفصیل درج ہے اس میں۔ اور تمہارا طریقہ  
 واردات کا بھی ذکر ہے۔"  
 "ہاں، مذکور ہوگا ان باتوں کا، لیکن اس میں کسی نے  
 یہ نہیں لکھا ہوگا کہ میرے ہاتھوں میں وہاں میں پچھتر ہی سند  
 واپس والے شاس میں، اور نہ ہی یہ لکھا ہوگا کہ تیرے نام۔ اور  
 مشن خدائے نام تو حقوں پہنچنے خفا ظرا ہم کر کے دل سے بھی پولیس

والے ہی ہیں۔ اپنی معلومات میں اتنا اور اتنا ڈرا ہو رہا ہوں  
 تمہیں قانون میں نہیں مل سکتی اور اب مجھے بتا دو کہ آپ  
 کہاں ہے؟  
 "مجھے نہیں معلوم، ہمیں وہ راستہ میں کہیں نظر نہیں  
 آیا تھا۔ اگر مل جاتا تو ہمارے اپنے ساتھ ادھر ہی لے کر آتے،  
 "ہوں، اور تمہارے دوسرے ساتھی؟ انہیں کہاں چھوڑا  
 ہے تم نے؟ میں نے دوسرا سوال کیا۔

"وہ ادھر لکھو لاشاری کی لاش کی حفاظت کر رہے ہیں  
 انہیں یہ لاشاری کے کمرے کی طرف بھیج کر ادھر آگے تھے،  
 "زندہ لاشاری جیسے حفاظت کی ضرورت تھی، اس کی  
 تو تم حفاظت کر نہیں سکے، اب اس کی لاش پر پھر بٹھانے  
 کا کیا فائدہ؟  
 وہ سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔ شرافت علی بولا: "ان پر  
 وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟ اندر چلو، ہم خود تلاش کرتے  
 ہیں آپ کی کوئل کر۔ ان کی بات کا کوئی پھر دوسرا نہیں ہے۔ یہ  
 ہمیں دھوکا دے رہے ہیں۔ انھوں نے آپ کو پکڑ لیا ہے  
 شاید۔"

"یہ خیال تجھے کیسے آیا میرے بھائی! اور یہ تو نے کیے  
 جان لیا کہ یہ ہمیں دھوکا دے رہا ہے؟ میں نے سوال کیا۔  
 "سیدھی سہی بات ہے، ہمارے پاس پہنچ چکا ہوتا ہے اس سے جواب  
 "ہاں، یہ تیری بات ماننے والی ہے۔ پھر یوں کر کوئی  
 رستی وغیرہ تلاش کر کے انہیں باندھ کے ڈال دو، پھر ہم اللہ  
 جل کر اپنے باپ کی کوئلے کی کوشش کرتے ہیں ان کے شیعہ  
 بڑے ذلیل ہیں یہ تو یاد رکھی رہے ہوتے ہی نہیں ہیں۔"

"یہ تھانے دار بھی ٹھیک کر رہے ہیں جیلانی، ان کے  
 بات پر شک نہ کرو، تمہارا دوست آپ ہی ہیں راستے میں نہیں  
 ملا، اور تم ہمیں باندھنے کو کیوں کر رہے ہو؟ پھر برا اعتبار  
 ہم اب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، سیف علی بولا۔

"اس کی بات سن کر تمنا نے غراتے ہوئے سنجہ زبان  
 کچھ کہا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ غصے سے سرخ آنکھوں  
 سے سیف علی کو گھورتے ہوئے ہوتوں ہی ہوتوں میں کچھ  
 رہا تھا۔ یقیناً وہ اسے دیکھ کر اور گلاباں دے رہا ہوگا۔  
 مسخا کر اس سے کہا: یہ کیا بات ہے جان، تیرے بل نہیں  
 ہیں ابھی، کیا دوسرا بھی تھا؟ ابھی اٹھو وانا چاہتا ہے؟

"میں تجھے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں جیلانی! تیرے دل کی  
 میں نرم تو تھکے ہی رہتے ہیں، مگر اس دو غلی ذات کے شتر  
 پر پھر دوسرا کرنا کبھی، یہ بتا دینا ہوں میں تجھے۔ یہ بالکل اعتبار

کے قاتل نہیں ہے۔ یہ لاشاری سامیں کے پر چاٹنے  
 والے، سامیں کی آنکھیں بند ہوتے ہی غدار پر اتر آتا ہے۔  
 اپنی جان بچانے کے لیے یہ سب تیرے پر چاٹنا چاہتا ہے۔  
 میں نے سیف علی کی پشت چھوئے ہوئے کہا: البتہ  
 بارے یہ تو بڑا وفادار اور مردانہ نواز آدمی ہے۔ یہ میرے  
 ساتھ ایسے ہی تعاون کر رہا ہے کہ یہاں میں لکھو لاشاری کا  
 مہمان ہی ہوں۔ یہ خود ملا کے لایا تھا مجھے۔  
 "ہاں، یہ ٹھیک کر رہے ہیں جیلانی سامیں۔ جو روٹ  
 نہیں کہا ہے انھوں نے کچھ بھی۔ مجھے بتا نہیں ہے، سامیں  
 ان کا کتنا خیال رکھتے تھے؟ کتنی تعریفیں کرتے رہتے تھے وہ ان  
 کی بالکل بھائی۔ سمجھتے تھے انھیں اپنا؟ سیف علی جلدی  
 سے بولا۔

"اس اثنا میں شرافت علی کار کی ڈکی کھول کر اس میں سے  
 رسی نکال لایا تھا۔ میں نے اسے رسی کے ٹریف علی کی طرف  
 بڑھتے ہوئے دیکھ کر اچانک ہنسی کی وہ باندھنے کا فیصلہ تبدیل کر دیا۔  
 اور شرافت علی سے بولا: سیف علی کو باندھنے کی ضرورت نہیں  
 ہے اور اس کی ضمانت پر تھانے دار صاحب کو معاف کر دیا ہے  
 میں نے اس اس متاثرہ لپٹ کے ڈال دو ادھر تاکہ یہ جگہ نہ  
 سکے یہاں سے التماس کے اکھڑے ہوئے ہاتھ کا خیال رکھنا ہے  
 نہ بھانہ۔ میں اسے بھی تکلیف دینا نہیں چاہتا کئی۔"

شرافت علی نے جلدی جلدی متاثرہ رستی سے اس طرح  
 جلدو کر اس کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں کو بندھ دینا ممکن نہیں  
 رہا۔ اسے اچھی طرح باندھ کر اس نے زمین پر ڈال دیا تو میں نے  
 کہا: آؤ اب ہم جو بھی کے اندر چلتے ہیں، تم اور افضل بیگ  
 آگے آگے چلو۔ میں سیف علی کے ساتھ تم دونوں کے پیچھے  
 چل رہا ہوں۔ کیوں سیف علی بڑھیک ہے نا؟ اس طرح کسی کو  
 پکڑ نہیں ہوگا۔

"جیسا آپ مناسبت سمجھیں سامیں! شہر تو آپ کو ہمارے  
 ساتھ دیکھ کر کوئی یوں بھی نہیں کہے گا۔ سیف علی نے  
 جواب دیا۔

تھانے دار افضل بیگ کو لیے چوں و تیرا میری باتوں  
 پر عمل کرنے میں ہی غافیت نظر آ رہی تھی۔ وہ ایک لمحہ بہ کار  
 پولیس افسر تھا، ہوا کے رخ کو بھیانے کی صلاحیت رکھتا تھا  
 اس نے میرے بارے میں اندازہ کر لیا تھا کہ میں اس کے عہدے  
 اور منصب کے عجب میں آئے والے آدمی نہیں ہوں۔ تلخ کلامی  
 باز حکماں مجھے متاثر نہیں کر سکتیں۔ ان سے آگے کوئی فائدہ  
 حاصل ہونے کے بجائے اس نقصان ہی پہنچ سکتا ہے چنانچہ  
 نوک کہ بغیر غنا و غنی سے شرافت علی کے ساتھ آگے آگے چلنے

لگا۔ میں نے سیف علی کے کاندھے پر نہایت دوستانہ انداز میں  
 ہاتھ رکھ کر آگے بڑھنے سے کہا۔  
 "انہیں کچھ درکار جانے دو، مجھے تم سے کچھ اہم باتیں کرنا  
 ہیں، ہم دھیرے دھیرے چلیں گے۔  
 "جی اچھا سامیں! اس نے کہا اور جیسے پر اس کے  
 تازگی سے نظر آگئی۔ میرے اس انداز نے اسے خاصا مطمئن  
 کر دیا تھا۔

شرافت علی اور تھانے دار افضل ہم سے آگے نکل گئے  
 اور ہمارے درمیان فاصلہ بڑھ گیا تو میں نے سیف علی کے شانے  
 پر ہاتھ رکھ کر آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا: دیکھو سیف علی!  
 میں نے تمہیں دوست کہہ کر تم پر اعتبار کیا ہے تو اب تم اس  
 اعتبار کو قائم بھی رکھنا۔

"کیسی بات کرتے ہیں جیلانی سامیں! خادم ہوں میں آپ  
 کا، لاشاری آپ کی غفنی عزت کرتے تھے، میں اس سے بھی  
 واقف ہوں، میں پہلے بھی بتا چکا ہوں، وہ اپنا بڑا بھائی کہتے  
 تھے آپ کو۔ اس رشتے سے بھی اب آپ ہی مالک ہیں ہمارے  
 سامیں! وہ بولا۔

"پھر کئی تم نے حملہ کیا تھا مجھے پر۔ ایسا ہی کرتے تو ہمارے مالک  
 کے ساتھ؟ میں نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 "اب زیادہ شرمندہ و کمریں نا سامیں! اس ذلیل خاندان  
 کی باتوں میں آکر برا اوچی حرکت کر بیٹھا تھا میں، اب معافی لے  
 دیں مجھے۔"

"وہ تو میں نے تمہیں اس وقت دے دی تھی۔ اب یہ تہذیب  
 کر تم لاشاری اور اسیر کی جھگڑے کی دیر بھی جانتے ہو یا نہیں؟  
 "ہاں، لاشاری سامیں نے بتایا تھا مجھے۔ ایک بار جیل  
 میں ان سے کچھ گستاخی ہو گئی تھی ان کے خلاف اس گھڑی ان  
 کا یہی خیال تھا کہ جیل میں آئے والی دوسری عورتوں کی طرح  
 اسیر لی لی بھی کوئی بڑی عورت ہے۔ بس اسی غلط فہمی نے انہیں  
 گستاخ بنا دیا تھا مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ انھوں نے اسیر  
 لی کی کے بارے میں اندازہ لگائے میں غلطی کی تھی تو وہ بہت  
 نادم ہوئے تھے۔ اپنے آپ کو اسیر لی کا خرم مجھے لگے تھے۔  
 ان کے سامنے نظر اٹھا کر بات نہیں کرتے تھے کبھی۔ ان کی  
 دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے جرم کو اپنے ہی دامن میں چھپا لیں اور کسی  
 کو اسیر لی پر انکلی اٹھانے کا موقع نہ دیں، مگر وہ بھی بڑی  
 غیور عورت تھیں لاشاری سامیں کی عاثر بنی، ایک ہی اور خواہ  
 کان پر بالکل اثر نہیں ہوا تھا اور انہیں کسی قیدت پر بھی  
 معاف کرنے کو تیار نہیں تھیں وہ کتنی تھیں! جب تک میں  
 لاشاری کو اپنے ہاتھ سے موت کی نیند نہیں سلا دوں گی میرا سبب



مٹھنڈا نہیں ہوگا، ایک جبرم کو زندگی کا مالک بنالے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور آخر آج انھوں نے اپنی بات پوری کی دکھادی۔ انھوں نے لاشاری سائیں کو اپنے ہاتھ سے ختم کر دیا۔ یہ بات سائیں بھی جانتے تھے کہ ان کا انجام ایک دن ہی ہوگا وہ اس کے لیے پہلے ہی سے تیار بھی تھے۔ انھوں نے ہمیں ہدایت کی ہوئی تھی کہ اگر آسیدان کی زندگی کا چراغ بجھانے میں کبھی کامیاب ہو جائے تو ہم میں سے کوئی اُس سے انتقام لینے کے بارے میں نہ سوچے، اسے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ چاہے وہ ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھیل کوڑوں کو کھلا دے۔

”ہاں میں جانتا ہوں، مجھے یقین ہے اس نے ایسا ہی کیا ہوگا مگر پھر بھی ممتاز اس سے انتقام لینے پر تیار کیا تھا؟ کیوں؟“

”اس لیے کہ وہ لاشاری سائیں کی اس ہدایت کو کبھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ وہ انہیں سمجھانا تھا کہ وہ ایک معمولی سے واقعے کو خواہ خواہ دل پر لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ وہ ایک عورت کی خاطر بہت زیادہ ہستی میں چلے گئے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ایسا کوئی اہم واقعہ نہیں تھا جو اس سے پہلے کسی کے ساتھ پیش آیا ہو۔ وہ کتنا تھا اس سے پہلے کہ ہمیں سنا کر کوئی اتنی سی بات کے لیے کسی سے زندگی ہار گیا ہو، لاشاری سائیں تو خواہ خواہ جنوں کا جانشین بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے لاشاری سائیں سے صاف صاف کہہ دیا تھا اگر کبھی آسیدان نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا چاہے غلام جیلانی اس کے عوض اس کے سارے خاندان کو براہ کیوں نہ کرے۔ ہاں سائیں! ایسا ہی کیا کرتا تھا وہ لاشاری سائیں سے۔“

”اچھا! اور لاشاری نے سُننے کے بعد اسے کچھ نہیں کہتا تھا؟ میں نے قدر سے حیرت سے پوچھا۔“

”وہ اُسے یہی کہتا تھا سائیں کہ تو اس کی گردھی نہیں پاسکے گا کبھی، وہ ایسی ہی شیرنی ہے۔ اگر تو نے میری بات نہیں مانی اور اس سے اُچھٹنے کی کوشش کی تو وہ تیرے جی ٹھوسے کر کے نکل جائے گی اور تیرے قابو میں نہیں آئے گی وہ۔“ سیف علی نے جواب دیا۔

”اب تیرا کیا خیال ہے سیف علی! لاکھ لاشاری کی موت کے بعد یہ جنگ ختم ہو گیا ہے؟ آسیدان تو ادھر نہیں آئے تھی کبھی؟“

”اس سلسلے میں کیا کہا جاسکتا ہے سائیں! ویلے لگتا تو ایسا ہی کہ اب وہ ادھر نہیں آئیں گی۔ بظاہر کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی اس کی۔“

”تجھے وجہ نظر نہیں آتی لیکن مجھے نظر آتی ہے۔ جڑی منقول

وجہ ہے اس کی، ایک بہت اہم کام ابھی باقی رہ گیا ہے اگر تک وہ کام پورا نہیں ہو جاتا وہ ادھر ہی منڈلاتی رہے گی اور بار بار اس کے ہاتھوں اس حویلی کے دو ایک افراد مارے جاتے رہیں گے۔ میں نے کہا۔“

”وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔“

”کیوں؟ وہ ایسا کیوں کہوں گی؟ کون سا خاص کام رہ گیا ہے اب ان کا؟“

”تو نہیں جانتا میرے یار! حیرت ہے اتنی اہم بات کو تو بھولوا ہوا ہے۔“

”وہ چند ثانیے پیشانی پر دل دالے غور کرتا رہا۔ پھر پوچھا۔“

”نہیں سائیں! مجھے یاد نہیں آتی کوئی ایسی بات۔ آپ جانتے تو بتا دیں مجھے بھی۔“

”حیرت ہے یار! تجھے وہ آسید کا بچہ یاد نہیں ہے جسے لاکھ لاشاری نے ادھر شب خیر سے پچاس ہزار میں حاصل کیا؟“

”اوہ وہ بچہ! ہاں اسے یہ ممتاز ہی تو لایا تھا مگر میں نے وہ تو لاشاری سائیں کا بیٹا ہے۔“ سیف علی حیرانی سے بولا۔

”ہاں اسی کا بچہ ہے وہ مگر تم لوگ یہ کیوں سمجھ جاتے ہو کہ آسید سبھی اس کی ماں ہے۔ وہ اس سے کیسے دست بردار ہو سکتی ہے؟“

”کیا کہہ رہے ہیں سائیں آپ؟ اس کا منہ حیرت کی زبانی کے باعث کھلا کھلا رہ گیا۔ اسے لاشاری نے یہ بات نہیں بتائی تھی۔“

”ہاں! جھٹک کہہ رہا ہوں میں۔ تعجب ہے نہیں لاکھ لاشاری نے یہ بات نہیں بتائی؟ میں نے اسے حیران دیکھ کر کہا۔“

”میں خود بھی حیران ہوں۔ لاشاری سائیں نے مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی پھر اس معاملے میں ایسا کیوں کیا انھوں نے؟“

”ممکن ہے اس نے اس سلسلے میں آسید کا نام اپنا منہ اب سمجھا دیا ہو، یہ اس کے لیے کوئی قابل فرات تو نہیں تھی نا۔ اور لاکھ کی آنکھ میں بڑی شرم تھی۔ بے حد شریف النفس انسان تھا وہ، پھر بتائیں کیوں ان غلام دھندوں میں جا پڑا تھا؟ کوئی ایسی مجبوری ہوگی جو اسے کچھ کر اس دلدل میں لے آئی ہوگی۔ ورنہ آدمی ایسا بالکل نہیں تھا وہ۔ بڑا درمند دل رکھتا تھا سب سے میں اپنے۔“

”ہاں سائیں! یہ مجبوریوں ہی تو ہیں جو آدمی کو انسان بن رہنے دیتی ہیں۔ یہ نہ ہوں تو کوئی ان کا نمٹو جیسے رسول اللہ قدم ہی کیوں رکھے۔ کون اپنے پاؤں خوشی سے زخمی کرنا پسند کرتا ہے جیلانی سائیں؟ آپ کو کبھی کوئی مجبوری ہی گھیر کر لائی ہوگی؟“

”ہاں یار! جھٹک یہی کہتا ہے تو میں کوئی اپنے ہاتھوں

سے اپنے گلے میں چھائی کا پھندا ڈالنا پسند نہیں کرتا مگر مجبوری سب کچھ کر لیتی ہے۔“

”یہ آپ نے بالکل سچ کہا ہے۔ لاشاری سائیں بے حد شریف اور ہمدرد آدمی تھے۔ چند سال پہلے تک وہ ایک میدھی سادی پہلے مانسوں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔ کچھ زمینیں تھیں ان کے پاس اور کچھ کویش پال رکھے تھے انھوں نے۔ ایک گزراہ ہو رہا تھا ان کا۔ بہت چھوٹی عمر میں ماں باپ اللہ کو پیار سے ہو گئے تھے۔ بس ایک بہن تھی جسے انھوں نے کبھی ماں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ عزیزوں، رشتے داروں نے ان کی مدد کرنا چاہی مگر سائیں نے کبھی کسی کی مدد قبول نہیں کی۔ وہ کہتے تھے بس اللہ سائیں کے سوا کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔ بڑے خوش اور مطمئن تھے وہ دونوں بہن بھائی۔ بستی کے لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے مگر تقدیر کا کھلا کھلا کھانا کھانا کھانا ایک دن ڈیرا چھٹی بخش نے ان کی ہستی کھیتی زندگی میں انکسے بھر دیے۔ اس ذلیل انسان نے ان کی غربت اور شرافت کی وجہ سے انھیں مجبور جان کر ان سے بہن کا مول چھانا چاہا۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر اس کا کہنا تھا کہ شادی کے بعد لاشاری سائیں بہن سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا کبھی نہ اس سے ملے گا نہ اس کا نام لے گا۔ اس کے لیے وہ انھیں میں ہزار روپے تک دینے کو تیار تھا مگر لاشاری سائیں نے اس کو صاف جواب دے دیا کہ اس کی بہن کوئی بکا مال نہیں ہے۔ ان شرائط پر انھیں یہ رشتہ کبھی منظور نہیں ہو سکتا۔ ڈیرا دھنی بخش بہت کینہ آدمی تھا۔ جیلانی سائیں اس نے اسے اپنی آن کا مسئلہ بنالیا۔ ایک رات جب زبردست بارش اور گھٹن گرج میں کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی، ڈیرے کے آدمیوں نے لاشاری سائیں کی کھجلی میں کھس کر انھیں مار مار کے بے ہوش کر دیا اور ان کی بہن کو اٹھا کر لے گئے۔ غریب آدمی کے پاس عزت کے سوا ہوتا ہی کیا ہے سائیں؟ وہ کوئی ڈیرا لوٹ لے تو آدمی شریف، بہن کرکس طرح رہ سکتا ہے۔ لاشاری سائیں نے پہل بار ڈیرا دھنی بخش کے خلاف اپنی بہن کی خاطر بندوبست اٹھائی تھی۔ اس کے بعد پھر ان کے ہاتھ سے بندوبست چھوٹ نہیں سکی کبھی بہن کا انتقام لینے کے لیے بلکہ داروں کے لیے عذاب ہی بن کر رہ گئے تھے۔“

”ہاں یار سیف علی! یہ بہن بھائی کا رشتہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے بہن کے لیے آدمی جہنم میں چھلنا تک لگا دیتا ہے۔ بغیر سوچے سمجھے فوٹو فوٹو سے لگا جاتا ہے اور ایسی دلدل میں جا کر رہتا ہے جہاں سے باہر آنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہتا۔ میں بھی ایک رات اپنی بہن آسید کے لیے زندگی لینے نکلا تھا مگر بے بہرہ و بارہ لوٹیں جانا نصیب نہیں ہو سکا۔ آج تک اس راہ کو تلاش کر رہا

ہوں جس سے گزر کر ادھر آیا تھا۔ وہ لاشاری کی بہن کہاں ہے اب۔ وہ تو کہیں سکون سے بیٹھی ہے نا؟“

”نہیں سائیں! اس شرماں والی نے تو اسی رات کو کنوئیں میں کود کر جان دے دی تھی اپنی۔“ سیف علی نے جواب دیا۔

”میرے سارے بدن میں سنسنی دوڑ گئی، رتوں رتوں لرزنا تھا میرا جتنے جتنے قدم زمین سے چپک کر رہ گئے تھے۔ سینے میں عجیب کی گھٹن ہونے لگی تھی اور منہ سے آواز نکالنا مشکل ہو گیا تھا۔ تقریباً ایک منٹ تک میں یوں ہی کھم کھم کرتا رہا تھا۔ پھر سیف علی نے، ہی مجھے آواز دے کر کمر شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔“ کیا بات ہے جیلانی سائیں؟ یہ اچانک کیا ہوا ہے آپ کو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟ وہ میری کیفیت دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔“

”میں نے مشکل اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔“ کچھ نہیں، کچھ نہیں۔۔۔۔۔ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔۔۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔ سیف علی! چلو آگے چلو آگے تم ترک کیوں گئے ہو؟“

”میں چل رہا تھا، ارک تو اب خود ہی گئے تھے۔“ اس نے مجھے استعجاب سے دیکھا۔

”ہاں، وہ تو نے بات ہی ایسی کہہ دی تھی۔ کیا گڑی ہوگی اس غریب لاکھ پر؟ کیسے زخم دل پر لیے پھر تھا وہ۔ اس کی اور میری زندگی میں کتنی کمی نہ تھی۔ وہ بھی اپنی بہن کی خاطر جرائم کی راہ پر اپڑا تھا اور میں بھی اپنی آسید کی خاطر بھٹکا پھر رہا ہوں۔ یار سیف علی! کچھ بتا سکتا ہے تو یہ غریب کی بہن اور بیٹی کس تک ذلیل کی جاتی ہے؟ کبھی آسمان ان پر بھی مہربان ہو گیا یا نہیں؟“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں سائیں اس سلسلے میں۔ یہ تو انڈیا میں کے عہد ہیں، وہی جانتا ہے اس کے بارے میں۔“

”ہاں میرے بھائی! یہ جھٹک کہہ رہا ہے۔ تو اصل مالک تو وہی ہے اس پوری کائنات کا عزت اور ذلت سب اسی کے اختیار میں ہیں، وہ جسے جو چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ ہم اس کی مرضی میں دخل دینے والے کوئی ہیں، ہم تو صرف اطاعت کے لیے ہیں اس کی۔“

”ہم باتیں کرتے ہوئے اس کمرے کے دروازے تک جا



پہنچے جہاں لاکھوں لاشوں کی لاش پڑی تھی۔ پولیس کے وہ سپاہی  
 جنہیں ہم نے باندھ کر ممان خانے میں ڈال دیا تھا، بندہ وہیں  
 اٹھائے دروازے کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھے  
 دیکھتے ہی اپنی اپنی بندو قیں مجھ پر تان دیں اور ان میں سے ایک  
 نے کوک دارا واز میں کہا: "خبردار! ایک دم آگے نہ بڑھا، اپنے  
 ہاتھ اوپر اٹھا لو اور جہاں ہو وہیں کھڑے ہو جاؤ۔"  
 میں نے چونک کر اسے دیکھا پھر سیف علی کو دیکھ کر پوچھا:  
 "یہ کیا ہے سیف علی؟ یہ... یہ تھا نیدر افضل بیگ نے دھوکا  
 کیا ہے ہمارے ساتھ۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا اب۔"  
 "نہیں سائیں! ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کو ضرور  
 کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یا شاید نیدر افضل بدایت کرنا چاہوں  
 گیا ہو گا۔ ٹھہر جائیں آپ میں دیکھتا ہوں یہ معاملہ کیا ہے۔" سیف نے  
 مجھے اطمینان دلاتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کا نشانہ لے جس نے  
 ہمیں لٹکا رہا تھا پوچھا: "تھانیدار صاحب کہاں ہیں؟ انھوں نے  
 تمہیں بتایا نہیں کہ ان کی ان سے بات ہو چکی ہے؟"  
 "وہ اس کے دوسرے ساتھی کو لے کر اندر گئے ہیں۔ انھوں  
 نے ہمیں کئی بات و ات کے بارے میں نہیں بتایا۔" کا نشانہ لے  
 جواب دیا۔

"اچھا ٹھہرو، میں پوچھتا ہوں اس سے" اس نے کہا اور  
 آگے بڑھ کر کمرے کے دروازے سے اندر چلا گیا۔  
 اس کے جانے کے بعد ایک لمحے میں احساس ہوا کہ میں  
 نے سیف علی کو تنہا اندر جانے کی اجازت دے کر اچھا نہیں کیا۔  
 اگر ان دونوں نے واقعی مجھے قریب دینے کی کوشش کی تھی تو اب  
 وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے۔ شرافت علی، تھانیدار  
 افضل بیگ کے ہمراہ تھا اس لیے کہ اس کے باندھ لینا ان کے لیے  
 مشکل نہیں ہوا ہو گا۔ آئی کو وہ شاید پہلے ہی قاتل ہو چکے تھے اور  
 اب مجھے بھی گھیرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں وہ کیہ تھیک ہے  
 کہ ان کی بندو قیں میری کھینچ نہیں سکتی ہیں مگر اتنے سارے لوگ  
 اگر ان بندو قوں کو لایا جھپوں کی طرح استعمال کرنے لگیں یا ان سے  
 مجھے دست بردست جنگ کرنا پڑے تو میرے لیے ان سب سے  
 بیک وقت مقابلہ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ اسی لمحے میں نے  
 شرافت علی کو دیکھا، وہ آہستہ آہستہ منہ ہٹاتے ہوئے کمرے سے باہر  
 نکل رہا تھا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے آئی بھی باہر آ گیا۔ ان دونوں  
 کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے تھانیدار افضل بیگ  
 اور سیف علی تھے۔ ان دونوں کے چہروں پر فاقہ نما نہ مل سکا۔  
 تھی۔ تھانیدار افضل بیگ نے مجھے دیکھ کر غصہ لگایا اور بولا:  
 "دیکھا سیف علی! میں نے آخر تو تجھے اس کے شیکو بچے کے  
 میں پہنچا دیا۔ ناپاب دیکھو گا میں اس میں کتنا زور ہے کیوں

جناب غلام جیلانی صاحب! دیکھا آپ نے قانون کے ہاتھ  
 لیے ہیں؟ پھر وہ اپنے ماتحتوں سے بولا: "کھڑے نہ رہو،  
 رہے ہو میرا باندھ دو سالے کو۔"  
 بار پھر میری غم بارہ اقدار  
 گھیر کر اس مقام پر سنا  
 ایک  
 جس میں کترا کر نکل جانے کوشش کرتا ہوں۔ میں  
 خوزیری کو پسند نہیں کیا، انسان کی جان لینا میرے نزدیک  
 کبھی اچھا فعل قرار نہیں یا یا کین دے جانے کیوں حالات  
 یہ پسندیدہ کام لینے پر کمر بستہ رہتے تھے۔ گردش زمانہ  
 اس مقام پر لا کھڑا کرتی تھی جہاں سے آگے جانے کے لیے  
 انسانی لاشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ ہر مرتبہ بہت معمولی سا  
 کے ساتھ ایک ہی جیسی صورت حال درپیش ہوتی تھی۔ ہمارے  
 اپنی زندگی کا سفر تمام کر لوں یا اپنا راستہ صاف کر کے  
 چلا جاؤں اور اپنی جان کے بھاری ہوتی ہے، کوں چاہا  
 کہ وہ بے شمار تمام حسرتوں کو سینے سے لگا سکے جو ہمیں  
 جانے؟ اس حقیقت کو کوں تسلیم نہیں کرتا کہ زندگی ایک  
 انمول اور کرباب شے ہے کہ ایک بار بھی میں دل جانے  
 بعد دوبارہ کبھی کسی قیمت پر بھی دستیاب نہیں ہوتی۔ چاہا  
 اس کی حفاظت سب پر مقدم ہے۔ اخلاقیات کا سارا  
 انسانیت کا تمام درس اس وقت تک یاد رہتا ہے جب  
 آدمی کی جان پر نہ ملے۔ بات اپنی بقا ہی ہو تو کچھ بچا  
 رہتا، اپنی جان بچانے کے ہوا کسی کی پروا نہیں رہتی۔ آد  
 کی ساری کی ساری جدوجہد تمام تر زندگی کا مقصد اس کا احاطہ  
 ہی تو ہے۔ یہ ٹھیک تھا، ارے، راکٹ، منرل اور اٹوم بم  
 بنائے گئے ہیں کہ ضرورت پڑنے پر انسان اپنی زندگی کی حفاظت کی خاطر  
 نیست و نابود کر سکے جو اس کی جان کے دشمن ہیں۔ سلامتی سب  
 عزیز ہے تو یہ چاہے فرد یا قوم سب زندہ رہنا چاہتے ہیں  
 میں ایسا چاہتا تھا تو اس میں غلط کیا تھا؟ اس تھا نیدر افضل  
 سے میں نے یہ تو نہیں کیا تھا کہ کوئی بلا توں کو لے کر خوش  
 نیت سے میری راہ میں آ کھڑا ہو۔ میں نے تو اس کی جانب  
 کا ہاتھ بڑھا یا تھا، وہ منافقت پر آملا تھا تو اس سے جو  
 کیے کستا تھا اور وہ مجھے اتنی مہلت ہی کہاں دے گا؟  
 میں اس سے کچھ کہہ سکوں۔  
 پولیس کے چار جوان اس کے حکم کی تعمیل میں میری  
 بڑھے چلے آ رہے تھے۔ میری جانب اپنی بندو قیں تان کر  
 نے بیٹھ لیا تھا کہ وہ غلام جیلانی کو بے بس کر کے باندھ لے  
 کامیاب ہو چکے ہیں۔ چنانچہ وہ بے خوف و خطر میری طرف  
 تھے۔ ان کے سوچنے سمجھنے کا یہ انداز کچھ ایسا غلط بھی نہیں  
 کا بیک کا تجربہ ہی بتا رہا تھا انھیں کہ جب چاروں طرف

کسی شخص کو بندو قوں کی سیدھ میں رکھ لیا جائے تو وہ مجبوراً بعض  
 کر ہی رہ جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر شیر کا دل سینے میں لیے پھرتے  
 دال بڑے سے بڑا سرکش اور نہ زخمی گدہ بن جاتا ہے۔ یہ  
 اعتماد ہی انھیں دم بدم میرے نزدیک کرنا چاہتا تھا۔ ان کے دہم  
 کان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کن ہنگ آگئے والی بندو قوں پر جو دوسرا  
 کیے وہ میرے نزدیک آنے کی غلطی کے متکب ہو رہے ہیں، وہ  
 میرے سامنے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے سے قاصر ہو جاتی  
 ہیں، ان کے دہانے خاموش ہو کر رہ جاتے ہیں، زبانیں گنگ ہو جاتی  
 ہیں، ان کے لیے میں وہ ان کی کوئی مدد کرنے کے قابل نہیں رہتی ہیں۔  
 البتہ وہ عاقبت نا انصاف تھا نیدر افضل بیگ اس کے لیے نا شاد  
 کرچکا تھا۔ وہ بھی چند منٹ پہلے ہی مٹاڑی اسٹین گن اور سیف علی  
 کی بندو ق کو میرے سامنے توڑوں میری طرح گم گم دیکھ چکا تھا  
 غصے سے اس نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا تھا۔ وہ شاید اسے  
 کوئی ذہنی خرابی ہی سمجھتا رہا تھا اب ایک گمنام صحیح اور سچی بات  
 ہے یہ کہ آدمی کی بربادی کا وقت قریب آ جاتا ہے تو سب سے  
 پہلے اس کی عقل ساتھ چھوڑ جاتی ہے اس کا۔ صحیح فیصلے کرنے  
 کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے وہ۔ یہ نہیں بلکہ اچھے خوشے  
 بھی پسند نہیں آتے ہیں اسے۔ ایسا ہی حال اس گھڑی تھا نیدر  
 افضل بیگ اور سیف علی کا تھا۔ وہ دونوں ہی مجھے اپنے ننگینے  
 میں بے دست و پا سمجھ کر خوش ہو رہے تھے۔ میں نے انھیں  
 حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "افضل بیگ! یہ تمہارے اچھا نہیں کیا ہے اپنے حق میں غلام  
 جیلانی کو سمجھنے میں غلطی کر کے ہو قہ؟"  
 "یہ تو مجھے ابھی بتا چل جائے گا کہ کس نے کس کو سمجھنے کے  
 غلطی کی تھی۔ افضل بیگ! نام ہے میرا بیٹے! اچھے اچھوں کی سمجھ  
 ٹھکانے لگا دی ہے میں نے، تو تو جیسے ہی کیا ہے بہت میں مار  
 خال بھجھتا تھا اپنے آپ کو؟"  
 "ٹھیک ہے پھر تو ہی دتے دار ہے اپنے اچھا تم کا؟"  
 یہ کہ کوں نے اپنے شانے سے ٹپکی ہوئی اسٹین گن پر ہاتھ  
 رکھ دیا۔  
 "ہر بار ہاتھ اسٹین گن سے بٹالے جیلانی! یاد رکھ تھنی  
 دریں تو اسے شانے سے اتارے گا، اتنی درمیں تو آدھی درج  
 گولیاں تیرے سینے میں آ رہی ہوں گی۔" تھا نیدر افضل بیگ نے  
 مجھے منہ دیا۔  
 "مٹانے اس کی تنبیہ کی بروا کیے بغیر اطمینان سے اسٹین  
 شانے سے اتار کر سیدھی کر لی۔ پھر برائی بات کا کوئی اثر نہ  
 دیکھ کر تھا نیدر افضل بیگ بری طرح بول کھلا کر چیخا: "دیکھتے کیا ہو  
 کہ تھو! مار دو جان سے سالے کو۔ دیکھ لوں گا میں۔" مجھ  
 اس کے ماتحتوں نے اس کا حکم لینے سے پہلے ہی، مجھ

پر گولیاں داغنے کے لیے اپنی اپنی بندو قوں سے زور آنا ہی شروع  
 کر دی تھی۔ گولیاں میں سے کسی کی بندو ق بھی گولی پڑنے پر آملا نہیں  
 ہو رہی تھی۔ وہ بار بار کوشش کرتے تھے۔ بندو قوں کو جھٹکتے  
 اور زور دے گئے تھے گھر کسی بندو ق سے کوئی آواز نہ گونجی تھی  
 رہی تھی۔ چن تھا نیدر افضل بیگ کے بیرون کا نشانہ لے کر گولی  
 چلا دی جس کی بیڈل کی کوادھیر تھی ہوئی نکل گئی۔ وہ لڑکھڑا کر  
 غرا تو اس کے ماتحت اپنی اپنی بندو قوں کو لایا انھیں کی طرح  
 اٹھا کر میری طرف کیے۔ میں نے ان کی ٹانگوں پر تاثر توڑ  
 گولیاں برسنا شروع کر دیں۔ تین جا رہے گئے تو باقی  
 ایک دم ہلٹ کر بھاگے اور کمرے میں گھس کر دروازہ بند  
 کرنے کی کوشش کرنے لگے مگر دروازے کے بیچوں بیچ  
 تھا نیدر افضل بیگ پڑا دونوں ہاتھوں سے اپنی زخمی ٹانگ  
 تھامے تڑپ تڑپ کر گرا رہا تھا۔ آئی نے ان لوگوں کی حالت  
 دیکھ کر زوردار قہقہہ لگایا اور حقارت سے ان کی طرف ٹھوک  
 کر بولا: "اوسے بھاگ گئے سالے بزدل۔ کئی ساری فون ٹا  
 سالوں کی۔"  
 میں نے آئی کی طرف دیکھ کر کہا: "کیوں خون حلالا ہے  
 اپنا؟ لعنت بھیجے کیلنوں پر۔ ادھر آ میرے پاس یہ بیکہ بند  
 کھول دوں میں تیرے۔" سالوں نے دنگر سمجھ کر باندھ لیا تھا  
 کیا تم دونوں کو؟"  
 آئی اور شرافت علی دونوں کے ہاتھ پیچھے کر کے ایک ہی  
 رشتے سے باندھ رکھے تھے انھوں نے۔ وہ دونوں میرے قریب  
 آ گئے، میں نے انھیں آنا کر کے کہا: "اب جلدی سے نکل چلو  
 یا رہا ہوں۔ پھر کوئی فنی آفت آدہ آگیرے ہیں ان کا بھڑسا  
 نہیں ہے کوئی؟"  
 جتنی دیر میں، میں نے آئی اور شرافت علی کو بندو قوں سے  
 آزاد کیا تھا، وہ لوگ وقت سے فائدہ اٹھا کر زخمی افضل بیگ کو  
 کمرے میں بھیج کر دروازہ بند کر چکے تھے۔ آئی نے تیزی سے  
 آگے بڑھ کر باہر سے دروازے کی کنڈی چڑھا کر کہا: "چل یا  
 کھلی رہا ہوں، ان رزموں کو بند کر دیا ہے میں نے، جب تک  
 یہ باہر نکلیں گے یہاں سے ہم بہت دور نکلے ہوں گے۔"  
 ہم دونوں بھاگے ہوئے باہر نکلے اور حویلی کا چکر کاٹ  
 کر شرافت علی کی کار تک جا پہنچے۔ میں نے فوراً ڈرائونگ  
 سیٹ میں سنبھال کر کار اسٹارٹ کر دی۔ چالی اس کی آگشش میں  
 موجود تھی۔ شاید شرافت علی نے یہاں آ کر کار کو اسٹارٹ کرنے  
 کی کوشش کی تھی مگر ان لوگوں نے گولیاں برس کر اسے ایسا  
 کرنے سے روک دیا تھا جس کی وجہ سے وہ کار سے نکل کر اس  
 کی آڑ میں مورچا بند ہو گیا تھا۔ آئی اور شرافت علی کے عقب سے  
 فشت پر پہنچتے ہی میں نے کار ڈیوس میں باہر کی طرف دوڑا

دی۔ گرسے ہوئے دروازے کے اوپر سے گزر کر باہر نکلنے کے بعد میں نے کان کو اسی طرف موڑ دیا جہاں آسمان کی تھی۔ کئی ٹرک پر کار کو دوڑاتے ہوئے میں نے شرافت علی سے پوچھا، تم یہیں لاکھولا شاری کے کمرے میں چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے تھے شرافت علی؟

یہ سوال میں نے اس سے اس لیے کیا تھا کہ میرا خیال تھا وہ اس خطرناک صورت حال میں نہیں چھوڑ کر فرار ہونا چاہتا تھا۔ وہ میرے اس سوال کا مطلب سمجھ گیا تھا، بولا، تم غلط سمجھ رہے ہو جیلائی! میرا تھیں چھوڑ کے بھاگنے کے لیے کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آسمان کے لاکھولا شاری کو ہلاک کر دینے کے بعد میں باہر اس لیے نکل گیا تھا کہ اب ہمیں فوری طور پر جرحی سے نکلنا ہوگا۔ یہ تو مجھے اتنی ہی خبر کہ اندر جو حالات بھی پیش آئیں گے، تم لوگ ان سے بخوبی مرٹ لو گے جتنا مجھ میں چاہتا تھا، جرحی سے نکلنے کے لیے کار اسٹارٹ کر کے تیار رکھوں، تاکہ اگر تم لوگ لاشاری کے آدمیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے باہر آؤ تو تمہیں ایک لمحے بھی وہاں رکتا نہ پڑے۔ ایسے موقعوں پر ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ ذرا سی غفلت بازی ہٹ دیتی ہے؟

آبی جلدی سے بولا، یہ تو نے بالکل ٹھیک کام کیا تھا، تجھے تو بار بار تجربہ معلوم ہوتا ہے ایسے کاموں کا؟

”ابھی زندگی بھی اتنی ہنگاموں میں گزر رہی ہے میرے یار! میں کوئی شمشیر لیت آدمی تو نہیں ہوں“ شرافت علی بولا۔

”حالانکہ شکل سے بالکل ایسا ہی لگتا ہے جیسے ابھی ابھی وہ غفلت ختم کر کے بس چلا جا رہا ہے کسی مسجد سے“ آبی نے سکراتے ہوئے شرافت سے کہا۔ اس کا طبیعت کی خوشی کسی موقع پر اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی تھی۔

شرافت علی اس کی بات پر ہنسنے لگا۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ میں نے کہا، تجھے غلط فہمی ہو جاتی ہے اس کی مصحوم صورت دیکھ کر حقیقت یہ ہے تو کیا کیسی سمجھ رہا ہے وہ اس کے نام کا اثر ہے جو اشراف ناما رہتا ہے اس کے چہرے پر۔ کوئی یوں ہی تو شرافت علی نام نہیں رکھ دیا گیا ہے اس کا؟

”ہاں یار! اس کا تو نام بھی ایسا ہے کہ آدمی بھٹک جاتا ہے سنتے ہی۔ سوچ ہی نہیں سکتا کوئی کہ ایسے صاف مست ہے نام کے پیچھے میونسپلٹی کا کوڑا اٹھانے والا ٹرک کھڑا نظر آئے گا“

”اوئے چپ کر سالے دریا کی ٹھوڑے ار کے بغیر کیا ہی چاہا جاتا ہے جو منہ میں آتا ہے“ میں نے آبی کو ڈانٹا۔

”ٹھیک ہے اسے بھی اپنی بے ہودہ گوئی کا احساس تھا۔ اس نے فوراً شرافت علی سے کہا، یار! معاف کر دو میرے بھائی سالی جو اس نہیں کرنا چاہے تھی مجھے خبر نہ تھی۔ گھر گیا کروں یار! میری زبان کا ٹانکا اس سالے ڈیلائی توڑ دیا ہے۔“

شرافت علی خاصا کشادہ دل آدمی تھا اور اس نے دیر سا تھہر کر کہانی کے مزاج کو بھی سمجھ لیا تھا لہذا اس نے اس بات کا بڑا نشانے کے بجائے سکراتے ہوئے کہا کہ بات نہیں باجی! یاروں کے درساں ایسی ہی سے نکلنے لگی ہیں انبائیت اور غلوں پر تلبہ اس میں۔ مجھے تمہارا یہ انداز پسند آیا ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے میرے لیے کہ تم مجھے بھی جیلائی کی طرح اپنا سمجھاؤ

”اب یار! زیادہ سرنہ چڑھا اسے اور لغت بھی ان تفصیلات پر یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے“ میں نے ”تو پھر کن باتوں کا وقت ہے یہ؟“ یہ بھی فرما دیا۔ غلام جیلائی المعروف برہاشم خان صاحب! آبی نے ہنسنے سے کہا۔

”میں کتنا ہوں کیواس نہ کر ذلیل آدمی! کبھی دن بھی دیکھ لیا کہ زبان کو کلام دے کے رکھ اور دماغ نہ کرنے ڈرا سا“

”زبان چلانے کے لیے بھی تو دماغ ہی ہے کام لانا ہے باجی! اس کے بغیر زبان بھی کیسے چلائی جاسکتی ہے؟“ مجھے تو سالے! یہ غائب دماغ لوگ جن کو میں مجھوے کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں ہے جس کی وجہ سے کوجوں میں غلاظت کے ڈھیروں پر بھی بسیرہ کر لیتے ہیں یا محسوس کرتے کوئی، اور پھر اٹھانے کے بچوں کے پیچھے بھاگتے انہیں کچھ احساس نہیں ہوتا“ زبانیں تو وہ بھی خوب چلائے بلکہ تیری طرح زمان ہی وہ چلاتے ہیں“ میں نے ہنس کر ایک دم پیچھے سے اٹھ کر کہا، کیا مطلب ہے تم ثابت کرنا چاہتا ہے؟

”جس سالے آگے ہے۔ کل جگہ۔ ساتھ غلوں اور محبت سے۔“ وہ ہلکی سی بھینکے گئے۔

”لیکن یار! آبی! جیلائی نے تمہیں پاگل تو نہیں کیا ہے شرافت علی نے مصحومیت سے کہا۔

”قرآن جاذب تیری اس مصحومیت اور سادگی بھولا بننا ہے۔ ادھے ہوش دی گئی کہ کھنڈن نہ کر کوئی فام نہیں کھول رکھا ہے تو نے۔ بڑا تازہ تازہ کھنڈن ہے“

”ہاں تو، آبی نے طنز پر انداز میں کہا۔

”میں باڑیڑ مار کوئی قسیر فام ہے اور نہ ہی کھنڈن رکھا ہوں میں کسی کو۔ تو خود جتا جوتا بات میں نے سننی نہیں اس کا عزت کیسے کروں؟“

”اچھا میرے بھولے بادشاہ ڈرا رہا تو بتا۔ اس نے جو کچھ میں غلاظت کے ڈھیروں پر بسیرہ کر کے اور بچوں کے پیچھے بھاگنے کے ڈھیروں کی جوشاں دی تھی ابھی، تیرے خیال میں اس کا مطلب کیا تھا؟“ آبی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”اس کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ خدا خواستہ اللہ نہ کرے۔“

”بے مزہ منہ خاک تم پاگل ہو“

”اچھا تو ادھر کی مطلب تھا؟ یہ بھی تو ارشاد فرما دیجیے“ آبی نے اس کا منہ کھٹکے اڑانے والے انداز میں کہا۔

”یہ تو کائنات کو کیوں دوڑ رہا ہے اس غریب شرافت علی کو؟ اس نے تیرے کیا جتا رہا ہے بھائی آخر؟“ میں نے آبی سے کہا۔

”اب تو خود دیکھ لے اپنے اس پار کو۔ اٹھا ٹرک لے میں کتا کہ رہا ہے مجھے بھائی کا رشتہ بھی ظاہر کر رہا ہے، اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ جو میں ہوں وہی یہ بھی ہے۔ یہ خودی تسلیم کر رہا ہے تو اب میں کیا کہوں اسے؟“ آبی جلدی سے بولا۔

”اچھا بہت ہونگی، اب بس بھی کر رکھائی جی! تجھ سے تو کچھ کہہ کر مضیبت میں ہی پھنس جاتا ہے آدمی، بالکل ہی کمل ہو جاتا ہے تو جان ہی نہیں چھوڑتا کسی طرح۔ میں کتا ہوں“ ذرا سنجیدہ ہو کر سوچ میرے بھائی وہ آسمان پولیس کی جیب لے کر بھاگے، راتے میں کسی کی نظر میں آگئی تو مضیبت میں گزرا ہوجائے گی“ میں نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

میری بات سن کر اس کی ساری شوقی ہوا ہو گئی۔ آنکھیں اس کی ایک دم حیرت سے دا ہو گئیں۔ ”اچھا! پولیس کی جیب لے جاتی ہے وہ آکاں سے بار! حد کر دی تیری اس بہن نے تو۔ اسے خضر ضرورت کیا پیش آگئی تھی“ رح بھاگنے کی؟ ہمارے ساتھ نہیں جاسکتی تھی کیا وہ؟ تو نے جاننے ہی کیوں دیا اسے اس طرح؟“ آبی حیرانی سے بولتا جا رہا تھا۔

”یہ تو میری سمجھ میں بھی نہیں آیا“ اسے ایسا کرنے کی ضرورت کون محسوس ہوئی؟ آخر ہم اسے ان لوگوں کے جن کرم بڑھ کر تو نہیں چلے آتے۔ اسی کی خاطر تو دوڑے آئے تھے کم مبالغہ وار ضرورت کیا تھی میں یوں آئے کی؟ میں نے جواب دیا۔

”مٹا دیا اس نے یہ سوچا ہو کہ ہم لوگوں کا لاشاری کی قوت سے بچ کر نکل آنا ممکن نہیں ہے۔ اپنے چادر مل طرف

خظرات کو دیکھ کر وہ اپنی جان بچا کر نکل گئی ہے۔ شرافت علی نے کہا۔

”نہیں یار! اس طرح نہ سوچ اس کے بارے میں۔ ایسی موقع پرست بندی نہیں ہے وہ۔ تو جانتا نہیں ہے اسے بھائی! جیلائی کی بہن کسی طرح بھی جیلائی سے کم نہیں ہے، شیریں فہم شیرینی، بالکل اسی طرح چھپتی ہے آدمی پر آبی جلدی سے بولا۔

”میں نے کہا“ آبی! ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے میری۔ وہ ہاں بالکل ہی بات ہو سکتی ہے“

”کیا بات سمجھ میں نہیں آ رہی تیری؟ کس بات کا ذکر رہا ہے تو؟ ذرا صاف صاف بات کہ، ایک تو تو نے بتا دیا کہ کتا ہے مجھ سے، یہ بہت بُری عادت چڑھ گئی تھی میں آبی تائے مجھے بتاتے ہوئے بولا۔

”اوئے دماغ ٹھنڈا رکھ! اتنا ذرا عقل سے بات سن میری۔ ہم میں سے کسی نے بھی غور نہیں کیا اس بڑا حال کہ لاکھولا شاری کی حویلی میں اچھا خاصا وقت گزار کر کتے ہیں ہم اور ہنگامہ بھی خوب ہوا ہے وہاں۔“

”وہ تو ہوا ہی، ہم میں سے کون نہیں جانتا یہ بات؟“ اس میں خود کرنے والی کیا بات ہے؟“ آبی نے میری بات کاٹ کر کہا۔

”اوئے جٹ بھادرا پوری بات تو سن لیا کر پٹیلے ہی ہے۔“

”اچھا اچھا، کتے نہیں زیادہ۔ بتا کیا کہہ رہا تھا تو؟ وہ مجھ کو طلب بات کون سی ہے تیری؟“

”وہ بات یہ ہے کہ اس سالے وقت میں میں کوئی علامت نظر نہیں آئی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس حویلی میں کبیں کوئی بھی موجود ہے۔ حالانکہ اگر وہاں کوئی بچہ ہوتا تو اتنے ہنگامے کے بعد خاموش نہیں رہتا۔ درود کے پوری حویلی سر بر اٹھائی ہوتی اس نے“ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی

”لے بھائی شرافت علی! اب دیکھ لے تو خود ہی۔ باجی تو یہ مجھے ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا حالانکہ دماغ خود اس کا آٹا گھوم رہا ہے۔ اچھی خاصی آسمان کے بارے میں باتیں کرتے کرتے یہ پتہ...“ آبی بولنے لگے اچانک یوں خاموش ہو گیا جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات ایک دم یاد آگئی ہو۔

”ہاں ہاں، کتے ناب، چپ کیوں ہو گیا ہے؟ پاگل ہو گیا ہوں میں۔ یہی کتنا چاہ رہا ہے نا تو؟“ میں بخوبی سے بولا۔

”اوسے جیلانی! یہ تو اُسیر کے بچے کی بات تو نہیں کر رہا ہے کہیں؟“ آبی نے میرے لمبے کی تلخی کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

”اور کیا تیری اس ہر دھن الماس کے کسی کم شدہ پتے کی بات کر رہا تھا میں؟ جو تو یوں بڑبڑکا اٹھا تھا اچانک ہے؟“ اس غلط فہمی کا نام نہ لے رہا جی! میرے سامنے۔ اس سالی سفید باؤڈر کی ہر جانی بچہ یا کوکنا سے گھسٹ لایا اور درمیان میں وہ بچہ میرے ذہن میں نہیں تھا اس گھڑی بالکل ہی بھول گیا تھا میں اسے۔ یہ ٹھیک کہہ رہا ہے تو، ذرا گمان تک نہیں ہوا تھا اس کا وہاں۔ وہ بچہ اس حویلی میں نہیں ہے شاید۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے بچہ حویلی میں نہیں ہے تو کھیر کہاں ہے؟“

”یہ واقعی سوچنے کی بات ہے۔ اس کا سراغ تو حضور لگنا چاہیے ہیں۔ جب تک بچہ نہیں ملے گا اُسیر اس حویلی کی تھا نہیں چھوڑے گی، وہ بار بار جڑھ کر آتی رہے گی یہاں یہ تو بڑی تشویش ناک بات ہے یارا۔“

”پھر کیا خیال ہے اب تیرا؟ کیا ہم واپس چلیں حویلی کی طرف؟ اُس بچے کو تو نہیں حاصل کرنا ہی ہے کسی نہ کسی طرح؟“

”مگر حویلی جا کر یہ کیسے معلوم ہو سکے گا کہ بچہ حویلی میں نہیں ہے تو کھیر کہاں رکھا گیا ہے؟“ آبی نے سوال کیا۔

”چلتے تو ہم اسے حویلی میں ہی تلاش کریں گے۔ وہاں نہیں ملا تو کھیر متناز یا سیف علی سے معلوم کریں گے۔ انھیں ضرور بتا ہو گا کہ بچہ کہاں رکھا ہوا ہے لاکھولا شادی نے سے معلوم ہو سکتی ہے یہ بات؟“ میں نے۔

”معلوم تو ہو گا انھیں۔“ تیرے پنے پر آسانی سے بتا دیں گے اس کے بارے۔

”بچے تو ہم اسے کڑی کی رفتار کم کر کے اس کو روکتے ہوئے کہاں کیوں نہیں بتائیں گے وہ؟ اب انھیں دلچسپی کیا رہ گئی ہے بچے سے؟“

”انھیں بچے سے کوئی دلچسپی ہو یا نہ ہو مگر وہ ہیں اس کے بارے میں بتائیں گے کچھ نہیں۔ انھیں کیا ہمدردی ہے آخر ہم سے؟“

”اگر وہ یوں نہیں بتائیں گے تو ہم انھیں بتانے پر مجبور کر دیں گے۔ اور تو یہ کیا کچھ اس کرنے رکھا ہے؟ کیا جانتا نہیں ہے تو، ہم نے تو مردوں کو بولنے پر مجبور کر دیا ہے؟ ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ وہ سیف علی تو بیٹوں میں فر ضرر بولنا نظر آئے

گا تھے۔“

”وہ تو تم سب کچھ ٹھیک کہہ رہے ہو جیلانی! اگر تم ہر پورے یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ اب تک کسی کمرے میں بند ہوں گے جس طرح ہم انھیں بند کر سکتے تو اب واپسی پر کیا حالات پیش آئیں گے، ان کے بارے میں کما جاسکتا ہے۔ یہ توقع تو نہیں کی جاسکتی ان سے کہ وہ بار بھی ہمارے قابو آجائیں گے؟ شرافت علی نے خضر کا اظہار کیا۔

”وہ وہاں بند نہیں ہوں گے تو کہاں چلے گئے ہوں؟ بھائی جی! کیا اس کمرے سے نکلنے کا کوئی اور بھی راستہ تھا؟ یہ بات سن کر خیر خیال آیا کہ لاکھولا شادی کے اس مخصوص کمرے سے جس میں وہ بستر رکھنے لگتا تھا ملحق ایک اور کمرہ تھا جس کی دو کھڑکیاں عمارت کے کچھ حصے میں نکلتی تھیں۔ اس کے علاوہ لاشاری کے کمرے کے بیرونی دروازے کے دائیں بائیں بھی دو کھڑکیاں تھیں جن میں سے وہ چونکہ اس وقت بند تھیں، اس لیے ہم سے کسی نے بھی ان کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ وہ کھڑکیاں اتنی ٹری تھیں کہ ان میں سے آدمی آسانی گزر سکتا تھا۔ میں نے آبی کو مخاطب کر کے کہا: ”یہ شرافت علی ٹھیک ہی کہہ رہا ہے آبی! تم نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا مگر کھڑکیاں ہم بیٹوں میں سے کسی نے بھی کھڑکیوں کا خیال نہیں کیا۔ وہ چار کھڑکیاں موجود ہیں جن میں سے گزر کر وہ عمارت سے آسکتے ہیں۔ دو کھڑکیاں تو سامنے ہی ہیں اور دوساتھ ولسے کمرے میں ہیں، وہ دونوں حویلی کے عقبی حصے میں نکلتی ہیں۔“

اب تک تو کمرے سے نکل آئے ہوں گے۔

”اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمیں جلد از جلد حویلی سے نکل آئے کے سوا کوئی اور خیال ہی نہیں تھا اس وقت۔ چنانچہ ہمیں نکلنے کا موقع ملا مگر فوری طور پر نکل بھاگے وہاں سے۔“

میں سے کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ ہمیں واپس بھی جانا پڑے گا۔ شرافت علی نے کہا: ”اگر وہیں یہ خیال آجاتا تو اسے

فادرش ہو کر ہی نکلتے تھے۔“

”ہاں بار! یہ ٹھیک کہہ رہا ہے تو۔ اگر حویلی میں کسی کا خیال آجاتا تو ہم اسی وقت یہ کام بھی کر لیتے، پھر وہاں جلتے کی ضرورت پیش نہ آتی تھیں۔ حالانکہ میں اس وقت سے ہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب تھانہ ایک دم بازی پڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے پہلے کہ

یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی بس۔“ میں نے کہا۔

”ہاں یہ حالات ہی ایسا رخ اختیار کر گئے تھے اچانک سالوں نے ایک دم ہی بازی پلٹ کر رکھ دی تھی۔ کیا سب یا دکھا تھا اس کے پتھر افضل کیسے۔ یہ خبری میں پیچھے سے آکر ششیں کس کی غصہ یہی۔ مگر یہ شرافت علی کیسے آگیا تھا اس کے پیچھے میں؟ یہ تو اس کے لاشاری کو گولی مارنے ہی چلی گیا تھا کہ وہ پھر یہ کہاں ل گیا انھیں؟ کیوں بھائی شرافت علی؟“

شرافت علی کے بھانے میں نے کہا: ”وہ باغی مجھ سے جو تھی تھی دراصل۔ یہ بات بھول گیا تھا میں کہ وہ سالوں سے کما کما ہوا ہوا شاطر بن ماس ہے۔ چال چل گیا تھا وہ مجھ سے پولیس والی۔ ایسا کہہ سکتیں بن گیا تھا وہ کریں مجھا، اب اس کے برزے کا وہ ہو گئے ہیں۔ یہی سوچ کر میں

زرا سا غافل ہو گیا تھا اس کی طرف سے۔ میری اسی غفلت سے فائدہ اٹھا کے اس نے شرافت علی کو باندھ لیا تھا سالوں کی طرح بن پل رگ بدلتا ہے۔“

”ہاں یار! ایسے ہی شاطر ہوتے ہیں یہ، ان کے ظاہر پر تو جانتا ہی نہیں چاہیے کبھی۔ موقع ملے ہی مخالفت کی بساط پیرٹ کے رکھ دیتے ہیں مگر ایک بات تو تائیں حضرت

غلام جیلانی! ظلم یہ آپ کے حصے میں کس پر کیا کال کی عبادہ شہنی آگئی ہے کس نے خلافت عطا کی ہے آپ کو؟“

”اوسے دماغ تو ٹھیک ہے نہ تیرا؟ یہ ایک دم تیری کون سے رگ پریشان کرنے لگی ہے تجھے؟ کیا کب رہا ہے تو؟“

”کب نہیں سالے! سچ سچ بتا دے مجھے، یہ تجھ میں ہیں نفیروں والی صفات کہاں سے نکل رہی ہیں۔ کس پینے ہوئے لوگوں کے جوڑے میں جا گھسا تھا تو، کون سا چیلر کاٹ کے اٹھا ہے

تو ان کے درمیان بیٹھ کر؟“

”میں نے سکراتے ہوئے کہا: ”چپ کر جا ذلیل آدمی! کیوں اللہ کے نیک بندوں کو مذاق کا نشانہ بنا رہا ہے۔ جہنم کی ایک کھٹی تو تجھے پہلے ہی لاث ہو چکی ہے، اب کیا پوچھتا ہے اپنے نام کا ناجائز ہے جو تجھ جیسے گناہ کار اور دنیا کی دلدل میں گم گئے نیک دھتے ہوئے شخص کو ان عابد و زاہد لوگوں کی صف میں کھڑا کر رہا ہے۔ سالے میرے گناہوں کا بھی بوجھ بڑھا رہا ہے۔“

”جہنم کا اندھن تو بیاہرے تجھے بھی بننا ہے۔ ہم جیسے لوگوں سے ہی بہت بھرا جائے گا اس کا۔ چاہے کتنے جسے رنگ بدلے مگر اپنے اعمال کی سیاہی پھر بھی صاف نہیں کر سکے گا تو۔ چاہے مجھ اسے بار جن بدل کے اٹھا ہے تو کہیں سے۔ ایسا بائیں اچھی نہیں لگتی ہیں تجھے اب، لیکن ذرا مجھ ہی

تو بڑا سہرا ہے تھک گیا ہے آخر؟ کون سا عمل کرنے لگا ہے تو،

”جہنم کا اندھن تو بیاہرے تجھے بھی بننا ہے۔ ہم جیسے لوگوں سے ہی بہت بھرا جائے گا اس کا۔ چاہے کتنے جسے رنگ بدلے مگر اپنے اعمال کی سیاہی پھر بھی صاف نہیں کر سکے گا تو۔ چاہے مجھ اسے بار جن بدل کے اٹھا ہے تو کہیں سے۔ ایسا بائیں اچھی نہیں لگتی ہیں تجھے اب، لیکن ذرا مجھ ہی

تو بڑا سہرا ہے تھک گیا ہے آخر؟ کون سا عمل کرنے لگا ہے تو،

یا کوئی گناہ شراصل گیا ہے تجھے کہیں سے؟“

”کون سا قصہ راجی! کس کی بات کر رہا ہے تو؟ میری سمجھ میں نہیں آتی تیری بات۔ بتائیں کیا سما گیا ہے دل میں تیرے۔“

میں نے اسے ٹانے کے لیے انجان بن کر کہا تھا۔ حالانکہ میں سمجھ رہا تھا کہ اس سلسلے میں خلیان میں مبتلا ہو گیا ہے، اس کے لیے جینی کا سبب کہ ہے۔ میں جانتا تھا کہ وہ موقع ملے ہی مجھ سے اس سلسلے میں ضرور استفسار کرے گا مگر یہ توقع نہیں تھی کہ اس کی بے چینی اور غصہ اب اس درجہ بڑھے گا کہ وہ شرافت علی کی موجودگی میں ہی میرے قصہ چھڑ پڑے گا۔ ممکن ہے اس نے سوچا

ہو، اب شرافت علی کوئی غیر نہیں رہا ہے، ہماری کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں رہی ہے چنانچہ اس کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بسے شک وہ ہمارے حالات میں نہرک ہو کر ہمارا ہم راز اور درست بن گیا تھا لیکن جو ربط مجھے آبی سے

یا آبی کو مجھ سے تھا وہ شرافت علی کو اتنی جلدی تو حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اور آبی تو ایک طویل عرصے سے ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چل رہے تھے۔ زندگی کا اچھا خاصا سفر ہم نے

ایک ساتھ طے کیا تھا اور ایک دوسرے کی ماہوں سے کانٹے پھینٹے آئے تھے۔ ہمارے درمیان دھن کا تو قوت تک نہیں رہا تھا، ایسے یکساں و دو قالب تھے ہم۔ آبی کے بغیر جیلانی اور

جیلانی کے بغیر آبی نامکمل سے لگتے تھے۔ یہ مقام شرافت علی کو تو حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور وہ بغیر سوچے سمجھے اس فتنے کو

چھڑ پڑھا تھا۔ اور دل کو تو میں اب تک مختلف تادیلوں سے قاتل رہا تھا مگر آبی ایک خدی اور منہ زور شخص تھا۔ اس پر میری کوئی ایسی ویسی بات تو اثر کر ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن میں بھی اس

گھڑی مجبور تھا۔ شرافت علی کے سامنے صحیح بات منہ سے نکال ہی نہیں سکتا تھا۔

وہ بھی اپنی بات کا جواب لیے بغیر باز آئے کو تیار نہیں تھا، بولا: ”کب نہیں جیلانی! تو جانتا ہے میں کیا بوجھ رہا ہوں۔ آگے کی کوشش نہ کر مجھ سے سچ سچ بتا دے، ان سب کی بندوبست تیرے اوپر کر لیا کیوں نہیں آگلی رہی تھیں؟“

میں نے کا دربارہ حویلی کی طرف موڑتے ہوئے کہا: ”اوتے تیرا دماغ بالکل ہی الٹ گیا ہے کیا؟ یہ بات کیسے ساگتی تیرے

دماغ میں؟ کیا مجھے کوئی جادو کر سمجھ لیا ہے تو نے کہ میں بند و دل میں گولیاں جام کر دتا ہوں، جادو کے زور پر؟“

”اچھا تو کھیر کا وجہ تھی تیرے خیال میں؟ کیوں نہیں چل سکتی تھیں گولیاں اس وقت؟“ آبی نے نیچے انداز میں پوچھا۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں اس سلسلے میں؟ ہو گیا ہو گا تو فتنے ایسا ہی اقص ان میں، میں کوئی اسلے کا سام تو نہیں ہوں۔“

شرافت علی بھی بول اٹھا۔ یہ بات حلقے سے اُتر نہیں رہی ہے جیلانہ کسی ایک ادھ ہتھار کی بات ہوئی تو سمجھ لیا جاتا، اس میں اجانک کوئی خرابی ہوگئی ہوگی۔ ادھر کار کے پاس متاز کی اسٹین گن، افضل بیگ اور سیف علی کی رائفلیں نہیں چل سکی تھیں جس کے نتیجے میں تم نے متاز کو مغرب کر کے کمان دونوں کو اپنے ساتھ بچھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر لاشاری کے کمرے کے باہر بیک وقت کئی رائفلیں ایک دم ناکارہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ کوئی بھید سے ضرور اس میں، تجھے بھی حیران کر رکھا ہے ان واقعات نے۔

میں نے قدرے ناگوار سے کہا، اگر تو لوگوں کو بھید نظر آ رہا ہے کوئی تو پھر خود ہی کھول لو اس بھید کو۔ مجھے تو ایسی کوئی بات سمجھ نہیں آتی میرا خیال تو یہی ہے کہ میں جس اعتماد کے ساتھ ان پر چڑھ دوڑا تھا، اس نے انھیں بوکھلا کر رکھ دیا تھا اور اسی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں وہ اپنے ہتھیار استعمال نہیں کر سکے تھے پھر بر۔

”ہو سکتا ہے جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہی درست ہو محض برقم سے اس لیے نہیں کر سکتا کہ اس کی کوئی وجہ نظر بھی نہیں آتی تھی۔ یہ کوئی جاو یا ٹوٹا ٹوک کا بھی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اسے کوئی اور نام دے سکتا ہوں۔ شرافت علی نے کہا۔

آئی بولا، ”میری سمجھ میں آ گیا ہے شرافت علی! بالکل یہی بات ہے۔ جبھی تو خود اسے بھی مقدم نہیں ہے کچھ؟“

”اچھا! کیا سمجھا ہے بھائی آئی! تم نے کچھ بھی سمجھا تو نہ کہ میں کبھی مطمئن ہو جاؤں۔ شرافت علی نے کہا۔

”وہ بات یوں ہے یا کہہ اپنے اس جیلانہ پر ہتھوں کے بازوؤں کی بیٹی عاشق ہو گئی ہے اور وہ اسے ہر مہذبت سے بچا رہتی ہے۔ کسی کا کوئی داؤ کا گر نہیں ہونے دیتی اس پر اندیشوں اور اسٹین گنیں کیا ہیں بھائی! وہ تو تو قیں تک جام کر سکتی ہے۔“

شرافت علی نے ہنستے ہوئے کہا، ”ہاں، ایسا ہی لگتا ہے مجھے بھی، بالکل ٹھیک سمجھا ہے تم نے آئی!“

”ہاں یا شرافت علی! اسی لیے تو یہ بتا نہیں سکتے ہیں۔ آئی نے کد رکھا ہوگا اگر کسی کو بھی بتایا تو اس نے سب تک یعنی بھی گولیاں جام کر کے روک دی تھیں، ان سب کو آزاد کر دے گی ایک ساتھ۔ اب تو خود سمجھ لے، اس کے بعد اس بچارے کا کیا حشر ہوگا۔“

میں نے کہا، ”اوئے لٹنگ، سالے بکواس بند نہیں کرے گا اپنی زبان چلاتے وقت ذرا بھی خیال کرے کہ گاڑی کا اسٹیرنگ میرے ہاتھوں میں ہے اس گھڑی۔ اگر جنوں کی

اس شہزادی نے جہازمان کے اس کا مخرج کسی متاثرہ شہزادہ یا کسی اور خوف ناک مقام کی طرف کر دیا تو شہزادہ شہزادہ ہوگا۔ گاہم جنوں کا وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو کر رہ جائے گا۔ تیری زبان۔“

”اوہاں یا شرافت علی! ہمیں اس کے بارے میں اب باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔ بڑے نازک مزارع ہو رہے ہیں بڑے انھیں ناراض نہیں کرنا چاہیے۔ آئی نے خوف زدہ ہونے والا انداز میں اس طرح کہا کہ میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔

شرافت علی بھی ہنس چڑھا تھا، پھر وہ بولا، ”جیلانہ! اگر سچ چوٹی کی طرف واپس چل رہے ہو؟“

”ہاں، چل کے دیکھتے ہیں ادھر، ممکن ہے وہ لوگ اب باہر نہ نکلے ہوں کر۔“ اس خیال سے بندہ بول اٹھا کہ کہ ہم چوٹی سے گئے نہیں ہیں، باہر کہیں ان کی ناک میں بیٹھیں ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ہمیں چوٹی کا جائزہ لینے کا موقع مل جائے گا۔ میں نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے، جو دیکھتے ہیں چل کر۔ یہ کام بھی ابھی منٹ جاتے تو اچھا ہے ورنہ جن معاملات میں ہم نے ٹاپر پھنسا رکھی ہیں، ان سے نجات ملنا آسان نہیں ہے۔ چنانچہ دوبارہ آسید ادھر آئے تو ہم بر وقت اس کی مدد کو پہنچ سکیں یا نہیں۔ آئی بولا۔

”کوشش یہ کرنا ہے کہ جیلانہ، پیلے یا نہ لے، آسید کو، کر کے ضرور ساتھ لے چلیں۔ اسے چھوڑ کر جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ وہ دیوانی کسی دن ماری ہو، نہ جانے بچے کے پیچھے ہم چوٹی کے قریب پہنچے تو ہم نے دس بارہ سو ادا تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے بگاڑی تھر کے اس بلی کی طرف جاتے دیکھا خدہ ہرے ہم آئے تھے۔ گردوغبار کا بادل تھا جسے وہ اپنے پیچھے چھوڑے جا رہے تھے اور غبار ہی کی وجہ سے وہ ہماری کار کو دیکھ نہیں سکے تھے شاید آئی بولا، ”لے بھی جیلانہ! یہ نوگ ہمارے ہی تعاقب سے دوڑے ہیں ادھر۔ یہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم جس راستے سے تھے ادھر ہی سے واپس گئے ہیں۔ یہ حال موقع اچھا ہے لوگوں کے لیے۔“

”ہاں، مگر بھی احتیاط سے قدم دھنا چوٹی کے اندر۔ یہ مت سمجھ لینا کہ وہ چوٹی کو بالکل ہی خالی چھوڑے ہوں گے۔“

میں نے کار دوبارہ چوٹی میں داخل کر کے، عمارت کے بالکل قریب لے جا کر روک دی اور اپنی بندکرت ہوئے بولا، ”تم دونوں ابھی قدم نہ دھرنا گاڑی سے اترتے

میں نیچے اتر کے دیکھ لوں، یہاں کون کون موجود ہے۔“

”نہیں راجی! اب ایسا بھی بزدل نہ سمجھ میں.... آئی بولے بولے اچانک خاموش ہو گیا۔

اس نے بھی..... افضل بیگ اور سیف علی کو کمرے سے باہر آتے دیکھ لیا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بندوق دے ہوئے تھے۔ میں انھیں دیکھتے ہی نہایت تیزی سے ساتھ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آ گیا، کمرے سے اترنے کے لیے اپنے ساتھ سیٹ پر رکھی ہوئی اپنی اسٹین گن اٹھانا نہیں بھولا تھا میں۔ باہر نکلتے ہی میں نے اسٹین گن ان کی طرف کر کے کہا، ”بندوق پھینک دو تم دونوں۔“

مجھے دوبارہ اپنے سامنے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی کے باعث داؤ ہو گئیں، انھوں نے جلدی سے بندوق زمین پر پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ میں نے آئی سے کہا۔ ”آئی! بندوق اٹھا لے، اگر وہ بندوق اس سے روکنے آدھی رہ گئی ہے تو چوٹی کے اندر۔“

آئی جلدی سے کار سے اتر کر ان کی طرف بڑھا۔ میں نے ان دونوں کو لگا کر تھمتے ہوئے کہا، ”تم دونوں چار جادو گن کے پیچھے ہٹ جاؤ، خبردار اگر کچھ گانے کے اندر گھسنے کی کوشش کی تو دروازے تک بھی پہنچنا نصیب نہیں ہوگا۔“

وہ میرے حکم کی تعمیل میں چار جادو گن پیچھے چلے گئے۔ میں انھیں نشانے پر رکھ کر کے آگے بڑھتے ہوئے ان کے قریب جا کر دونوں کے غاصب پر پٹھر گرا۔ آئی بھی دونوں کے بندوق اٹھا کر میرے ساتھ اکھڑا ہوا۔ اس نے کہا، ”تم تو پہلے ہی گئے تھے یا رو! اگر شاید اس سوچنے رب کو یہی منظور نہیں تھا کہ تم انھیں اس طرح چھوڑ کے چلے جائیں۔ اسی لیے وہ دوبارہ واپس لے آیا ہے، شاید تم دونوں کی موت بھی اس نے ہمارے ہی کھاتے میں ڈال دی ہے، اس کا حساب بھی وہ ہم سے ہی لے گا۔“

آئی کا کھوٹا سا خوف ناک تھا کہ سیف علی کے پر کاٹنے لگے تھے۔ وہ لٹکیا تے ہوئے بولا، ”مجھے معاف کر دو سائیں! میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھیم ہو جائیں گے، میں بہت غریب آدمی ہوں، میرے بعد میرے بیٹوں کا کوئی سہارا نہیں ہے۔“

”یہ بات اب یاد آئی ہے تجھے کتنے۔ اس وقت کیوں نکال نہیں آیا تھا اپنے بچوں کا جب اس موٹے کا پلٹا اڑا رہا تھا، یہ دیکھ کر اپنے سامنے قول و قرار بھلا رہا تھا۔ کیسی غارتھی تھی اس گھڑی تیری نظروں میں میرے لیے؟“ میں نے گرتے گرتے کہا۔

”تم.... تم.... مجھ سے بھول ہو گئی تھی.... سائیں!....“

میں.... مجھوں سے.... جی چڑھ گئی تھی۔“

آئی نے آگے بڑھ کر کھائے ہاتھ کا ایک چھاپٹر اس کے منہ پر مار کے کہا، ”اتو کے بچے! ادھو کا کرتا ہے ہم سے اور کتنا ہے بھول ہو گئی تھی۔ تیرے جیسے بدسل کتوں کو زندہ چھوڑنا ہی نہیں چاہیے کبھی۔ آئی نے ایک اور چھاپٹر رسید کر کے افضل بیگ غصے سے دانت پیستے ہوئے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس سے برداشت نہیں ہو سکا۔ وہ بولا۔

”اک ذرتے دارا فسر۔۔۔ کے سامنے یہ بدماش کر کے پیچ نہیں سکو گے تم لوگ۔“

آئی نے فحش میں آکر اس پر ہاتھ بٹھا دیا۔ چارخ کے آواز کے ساتھ اس کا بھر پور ہاتھ افضل بیگ کے منہ پر پڑا۔ وہ لٹک لٹک کر دو قدم پیچھے جا گیا۔ آئی بولا، ”سالے! بدعاشی تو میں اب دکھاؤں گا کچھ۔ اور دیکھوں گا کہ تو کتنا جلا فسر ہے۔“

میں نے کہا، ”افت بھیج یا راجی! کیوں وقت برابر کر رہے ہیں پراچا۔“

آئی نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، ”گناہ تو میں اس پر بہت اچھی طرح سمجھوں گا، پسند اس سیف علی کو جھگڑوں میں، تیرے سیف علی کی طرف مڑ کر بولا، ”ہاں جھگڑے، مٹھو پیٹے! اور اب تو جلدی جلدی کون کون ہے چوٹی کے اندر۔“

”ہم دونوں کے سوا بس ایک متاز ہے سائیں! اس کا ایک بازو جیلانہ سائیں نے پہلے ہی اکھاڑا ہے۔“

”ہوں۔ میں بولا، ”اگر اس میں ذرا بھی جھوٹ ہو اسے! تو سمجھ لے تیری جان لیے بغیر نہیں جاؤں گا اس بار میں۔“

”بالکل جھوٹ نہیں بول رہا ہوں میں سائیں! آپ جیسے چاہیں اطمینان کر لیں اپنا جھوٹ مکے تو بے شک گولی مار دیں گے۔“

”ٹھیک ہے، اندر چلو تم دونوں۔ میں نے انھیں کہا۔

وہ دونوں فوراً مڑ کر دروازے کی طرف ٹھٹھنے لگے۔ آئی کے ایک ہی ہاتھ نے اس افضل بیگ کی عقل ٹھکانے کر دی تھی۔ انھیں آگے بڑھتے دیکھ کر آئی نے جانا کر کہا، ”ٹھٹھو! رک جاؤ ابھی۔ ایسے کیسے بڑھتے گئے ہو ادھر۔“

وہ دونوں رک کر آئی کو سوا لہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں نے بھی اسے دیکھا اور پوچھا، کیا بات ہے یہ کیوں سے روکا ہے انھیں؟

آئی آگے بڑھتے ہوئے بولا، ”ان ذلیل غریب بیکاروں سے ایک بار ادھو کا کھا کے بھی ان پر اعتبار کر رہا ہے تو؟ پتہ ہے مجھے جانے دے اندر وہ نہ سالے اندر گھسنے ہی دروازہ بند کرنے کی کوشش کریں گے۔ یا بھگا کے کسی اور کتے میں

آئی کا دماغ اپنے موعول پر خوب کام کرنا تھا سلت بہت بروقت یہ بات کو بھی تھی اور بالکل ٹھیک کو بھی تھی۔ وہ ہم سے چند قدم آگے آگے چل رہے تھے۔ دروازے میں قدم کھٹے سی تیزی سے دروازہ بند کر کے ہیں اپنے پیچھے اندر داخل ہونے سے روک سکتے تھے۔ وہ آئی تیز تیز دم اٹھاتا اُن سے آگے نکل کر دروازے کے پاس پہنچ گیا تو میں نے ان دونوں کو دوبارہ آگے بڑھنے کو کہا۔ اس دوران شرافت ہی بھی میرے پاس پہنچ گیا تھا۔ اندر جا کر میں نے آئی سے کہا: "آئی! اس مونسے کی دم کو تو باندھ کر کسی کمرے میں ڈال دے یا راس کا کوئی مجبور سامن ہے، کسی وقت بھی اس پر تھانیداری کا شہرت سوار ہو گیا تو خواہ مخواہ کی مصیبت گھڑی کر دے سکا ہمارے لیے۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اس کے خون کا الزام لینا پڑے گا اپنے سر"۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے تو۔ میں بھی ایسا ہی سوچ رہا تھا اس کے بارے میں"۔ آئی نے جواب دیا۔ پھر ان دونوں سے بولا۔ "ذرا کسی دیر اور دھیر ہی کھڑے ہو جاؤ جو اہل کو میں کوئی دشمنی تلاش کروں تمہارے لیے"۔

آئی نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ ایک جانب دیوار کے ساتھ ایک چار پائی کی گھڑی تھی۔ آئی بڑھ کر اس کی پائنتی سے رہتی کھول کر آئی۔ پھر اس نے شرافت علی کی مدد سے..... افضل بیگ کو باندھ کر ایک کمرے میں ڈال دیا اور باہر سے اس کی کنڈی چڑھا کر لولا۔ "لے بھائی ذستے دار اشرافو تو کیاں آرام کر یار! ہمیں بڑے کام نشانہا میں ابھی تو کہاں رہنا پھرے گا ہمارے ساتھ"۔

میں نے سیف علی سے کہا: "چل بھئی اب ذرا میں حویلی کی سیر کرادے۔ ہم بھی تو دیکھیں تیرے مالک کا لکھوالا شادی نے کیا کیا بنا رکھا ہے یہاں۔ سننا ہے غیرت کے سلسلے میں بڑا شہسوار اور اعلیٰ ذوق رکھتا تھا وہ؟"

سیف علی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا: "سائیں! آپ کو کسی خاص چیز یا مال کی تلاش ہے تو آپ مجھے بتادیں۔ میں سیدھا آپ کی مطلوبہ جگہ پر لے جاؤں گا آپ کو یوں حویلی میں کہاں کہاں دیکھتے پھریں گے آپ؟"

"یہ تو نے کیسے اندازہ لگایا کہ ہم یہاں مال لینے آئے ہیں؟ مال کی کمی نہیں ہے ہمارے پاس۔ ہم جیج حویلی کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو میں اتنا ہی کر دے ہمارے لیے، ایک ایک کمرہ ایک ایک جگہ دکھا دے ہیں یہاں کی"

"جو علم سامیں! مجھ کو کوئی اعتراض نہیں ہے آئیں آپ

لوگ میرے ساتھ۔ ایک ایک کمرہ دکھاؤں گا میں آپ کو۔ دلیے اگر آپ مجھ کو ٹھیک بات بتا دیتے سائیں تو اچھا ہے۔ ادھر پہلے ہی بہت نقصان ہو چکا ہے۔ لاشاری سائیں! لاشاری متاڑ کا بازو اکھڑا دیا ہے آپ نے، میں چاہتا تھا اور نہ زیادہ نہیں جو میں اس لیے کہتا تھا آپ کو کہ...."

"کیا مطلب ہے تیرا اس بات سے۔ اور کیسی گڑبگڑ سکتی ہے اب ہمارے لوگ تو جا چکے ہیں یہاں سے بھر گڑبگڑ کیسے ہو گی؟"

"لوگ گئے ہیں پڑوہ واپس بھی آسکتے ہیں سائیں! کوئی میرے کے واسطے تو نہیں چلے گئے ہیں ناوہ۔ کیا تیار واپسی پر وہ اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی لیتے آئیں، ان کے ساتھ پولیس کر جان بھی ہیں۔ وہ بھی تھکے پیچ کر مزید پولیس والے اپنے لائے ہیں"

"یہ ٹھیک کہتا ہے یا ر آئی! میرا تو خیال ہے اس سے میرے حاصل کرنے کی کوشش کر لی جائے"۔ میں نے آئی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، ایسا ہی کر کے دیکھتے ہیں"۔ آئی نے جواب دیا۔ پھر وہ سیف علی سے بولا: "ایک بات یہ کہ تیرا سیف علی یوں مجھ کے میرے سوال کے صحیح جواب پر ہی تیری موت زندگی کا دار و مدار ہے، سچ بول دیا تو جان بچ سکتی ہے تیری۔" پولیس سائیں! جو کچھ مجھے معلوم ہے ضرور بتا دوں گا۔ کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے، پھر ہمیں بتاؤ لاشاری نے آئی سے اس کے کونساں چھپایا ہے؟ کیا وہ اس حویلی میں ہے؟"

"اوہ، تو آپ اس کے لیے کی خاطر واپس آئے ہیں۔ یہ تو آپ آتے ہی پوچھ لیتے مجھ سے، اسی وقت بتا دیتا میں"

"بجواس نہ کر سیف علی! جلدی سے بتا دے کہاں ہے وہ؟"۔ آئی نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ادھر نہیں ہے سائیں وہ، لاشاری سائیں! اس کا بول میں تو لائے ملک نہیں دیتا تھا"

"جھوٹ نہیں بیک اوئے سیف علی کے بچے! مفرکوں کا گمان، جانتا نہیں ہے تو مجھے۔ جیلانی کی طرح میرے دل پر ذرا بھی صاف کر دینے یا رحم کھانے کا جذبہ نہیں ہے۔ یہ اچھی طرح ذہن میں بٹھالے اپنے۔ آئی نے سچ دیا تھا کہ ہونے کہا۔"

"جھوٹ میں بالکل نہیں بول رہا ہوں سائیں آپ سے میری بات کا یقین کر لیں۔ بچہ یہاں نہیں لایا گیا کبھی لاشاری سائیں! کا کہنا تھا اس بچے پر اس حویلی کا۔ یہ بھی نہیں چلے۔ اُسے درہی رکھو اس۔ نہ سیف علی نے مجھ

ہندی جلدی کہا۔"

"اچھا! کیا کہتا تھا وہ؟ خود تو یہاں رہتا تھا اور بچے واپس سے دور رکھنا چاہتا تھا اس جگہ سے ایسا کیوں نہ جانتا تھا وہ، یہ بھی کبھی بتا جاتا تھا اس نے تم سے کسی کو؟ کم از کم مجھے تو ضرور بتا یا ہو گا! میں نے حیرانی سے کہا۔"

"ہاں جی! میرے پوچھنے پر بتا جاتا تھا اس نے مجھے۔ اس کہنا تھا یہ جگہ بھلے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ یہاں تو میں روٹ مار کرنے والے ہی رہ سکتے ہیں، ایسے لوگ یہاں لانے جاتے ہیں جنہیں ڈاکو اور قاتل بنانا مقصود ہو۔ بھلے لوگوں کو تو ابھی چھو کر نہیں گزرا جاوے اس پر سے علاقے کی سیوف علی نے بتایا۔"

"اچھا تو وہ اس بچے کو قاتل اور ڈاکو نہیں بنانا چاہتا تھا؟ مگر اس کی پرورش جہاں بھی رکھ کر کرنا چاہتا تھا اس پر پیہ زنا یا خراب کرنا ناوہ۔ اور یہی رکھ رہا ہو گا۔ بچے کے سارے اخراجات وہ اس ڈاکے اور لوٹ مار کی حرام کافٹی سے ہی پورے کر رہا ہے، یہی رزق حرام جاتا ہے اس کے پیٹ میں بھی یا اس نے کی اور بندوبست کیلئے اس نے؟"

"وہ تو بھروسہ ہے سائیں! ہم لوگوں کا دھندا یہی ہے، اس کے سا کوئی اور ذریعہ تو نہیں ہے ہماری آمدنی کا بھر پور بچوں کے لیے حلال روزی کماں سے حاصل کر سکتے ہیں ہم؟ ہر بچہ ہر فرد رکھتے ہیں کہ بچے ہمارے بچنے کے بارے میں نہ جان سکیں اور بھلے لوگوں کے درمیان اچھے انسانوں کی طرح عزت سے رہیں، سیف علی نے عاجزی سے کہا۔"

"اچھا! استدلال ہے یہ تم لوگوں کا۔ بچوں کو حرام کھلاتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ اچھے انسان بن کر رہیں۔ تعین کسی نے نہیں بتا یا سیف علی! کچھ انسان بننے کے لیے آدمی کی رگوں میں گردش کرنے والے لہو کا صاف ستھرا، ہر قسم کی آلودگی سے پاک و باہت ضروری ہے۔ آدمی کے کردار کا تمام مردار و مدار اس رزق پر ہی ہوتا ہے سیف علی! جس سے پرورش ہوتی ہے ہم، رزق حرام سے پرورش پانے والے بچے کبھی اچھے انسان نہیں بن سکتے"

"الساؤ دیکھ سائیں! ایسی بدوحا تو مرد میں بچوں کو ہمارے حالات سے جس ماہ پر ڈال دیا ہے، یہ مجبور ہی ہے جاری۔ فورم بچے تو اس ماحول میں کھینٹا بالکل پسند نہیں کرتے۔ خیر بچے تم نہیں اس گندے کے بارے میں جب انہیں کچھ معلوم نہیں ہوگا، وہ اس ماہ کو جانتے ہی نہیں ہوں گے تو ادھر گناہوں کریں گے؟"

"خیال ہے یہ تمہارا۔ اور یہی سوچ تو آج ہماری بربادی

کا باعث بنی ہوئی ہے۔ محنت مشقت کر کے نہکا نہکا جوڑنے کے بجائے ہر آدمی پر جاتا ہے کہ ایک با حرام حلال کے فرق کو نظر انداز کر کے دولت مند بن جائے، اس کے بعد پھر زندگی بھر سیدھے راستے پر چلتا رہے گا اور اپنے بچوں کو برائی کے قریب تک نہیں پھینکے دے گا عمر یہ نادان لوگ یہ نہیں جانتے کہ ایک بار دلدل میں اگر تیرے بعد دوبارہ زمین پر پاؤں دھرنے اپنے اختیار میں نہیں رہتا۔ پھر آدمی اندر ہی اندر جھنسا جلا جاتا ہے بس۔ اور جس اولاد کی بہتری کی خاطر وہ یہ جہنم قبول کرتا ہے، وہ اولاد بھی اس آگ سے بچا نہیں باقی اپنے آپ کو۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، میرے سوتے رب کے بھیجے ہوئے پیغمبر کتے اور سمجھانے آئے میں دنیا والوں کو کہ رزق حرام آدمی کو نیکی کے خوب جی نہیں جانتے دیتا۔ دل کو سخت اور ضمیر کو مڑوہ کر دیتا ہے کچھوں کا پانی خشک کر کے انسان کو بے غیرت اور بے حیاء بنا دیتا ہے۔ یوں مجھ کو انسانیت کے لیے ہم قاتل ہے یہ۔ پھر کوئی دیکھے سمجھ لیتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو حرام مال سے پروان چڑھانے کے بعد اچھا انسان بھی بننے ہوئے دیکھ کے گا۔ وہ ان سے بھلائی کی امیدیں باندھ کر کیوں بیٹھ جاتا ہے؟ یا ر! اس طرح جوان ہونے والی اولاد تو خود تمہارا بڑھا یا عذاب بنا دے گی...."

آئی نے میری بات کاٹ دی۔ وہ بولا: "بس... میں بھائی۔ غلام جیلانی! بس کر یا تو تونے تو رزق حرام کے موضوع پر باندھ نقد پر شروع کر دی۔ میرے بار! اور غلط کئے لگے تو غلط تو نہیں کیا تھا میں نے کہ تو نے ضرور مردوں نفیر کی صحبت میں بیٹھنا اٹھنا شروع کر دیا ہے آج کل، یقین ہو گیا ہے اب تو مجھے یوں ہی نہیں بدل کیا ہے یہ نیرا حال چلن؟"

میں نے کہا: "فضول نہ کیا کر آئی! کیوں میرے گناہوں کا بوجھ بڑھا نا چلا جاتا ہے؟ کبھی کوئی نیک کام بھی کر لیتے دیا کر مجھے"

"اچھا تو یہ نیک کام کر رہا تھا تو اس گھڑی؟ مجھے کیا بتا تھا یا ر! بتا دیا ہوتا تو نہ تو گناہیں مجھے۔ میرا تو خیال تھا کہ تو نے اس کام کے لیے بہت غلط وقت کا انتخاب کر لیا ہے۔ یہ وقت اس کام کے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ آئی ہنستے ہوئے بولا: "اور کیا تو حق سیف علی کو یہ بائیں بتانے کے لیے ہی واپس لے کر آیا ہے ہیں؟"

"ہاں، کسی کم کردہ ماہ کو حراط مستقیم کا بتانا ثابت بڑی نیکی ہے آئی، تو جانتا نہیں ہے یہ بات۔ اور ایسے کاموں کے لیے کوئی موقع نہیں ڈھونڈنا چاہتا، کوئی وقت مقرر نہیں ہے اس کے لیے، اس کا موقع تو وقت خود فراہم کر دیتا ہے آدمی کو"

آئی قدر سے طنز کرنے کے انداز میں بولا: "اوئے چُپ

کر جواب ملے نیم ملاحظہ ایمان! تجھے یہ نہیں بتایا کسی نے کہ عالمی عمل کی کسی بات میں اثر نہیں ہوتا کبھی کسی دولہے کی بجواس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ایسے آدمی کی کوئی نصیحت بھی تیرا نہیں لوگ دوسروں کے حسب گنہاتے ہوئے اپنے اعمال کو کیوں بھول جاتے ہیں اپنی کوئی برائی یا بدی نہیں رہتی ہے انھیں کیوں بھائی شرافت علی! تو کچھ روشنی ڈالنا پسند کرتے گا اس معاملے پر؟ اس نے شرافت علی کی طرف رخ کر لیا۔

وہ جلدی سے بولا۔ "بس جی، بھائی جی! مجھے تو معاف ہی کہیں آپ۔ میری مٹی کیوں خراب کرنا چاہتے ہیں۔" "لے سنی لے جیلانی! کیا کہہ رہا ہے تیرا یا شرافت علی؟ اس کی مٹی خراب ہو جائے گی تیری ان باتوں سے! آبی نے بات کاٹ کر کہا۔

شرافت علی ہنس کر بولا "میری مائو تو جس کام کے لیے ہم دوبارہ آئے ہیں یہاں، اسے نشانہ کر جلد سے جلد یہاں سے نکلنے والی بات کرو بھائی۔ اس عالمانہ گفتگو میں چھین گئے تو دایب کا راستہ ملنا مشکل ہو جائے گا۔"

"ہاں، بار! دیکھنا نام بھی یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں اس کو اتنی دیر سے۔ مگر اس پر جبر جاہل پر تو بندہ نصائح کا دورہ پڑا ہوا ہے اس گھڑی۔ سالامان کے ہی نہیں دے رہا ہے کسی طرح! پھر وہ سیف علی سے مخاطب ہوا "ہاں بھئی کیا نام ہے تیرا سیف علی! تو میں یہ تیرا دے میرے درمیان کہیں نام ہے تو مخفورا لاکھولا لاشاری نے آسیہ بی بی کے اس نظر نظر لخت جگر کو اس حویلی میں نہیں رکھا ہے تو پھر اور کہاں رکھا ہے؟ اُسے اگر ہم حاصل کرنا چاہیں تو ہمیں کہاں جانا ہوگا اس کے لیے؟ کس آستانے پر چوبیس کھانا ہوگی؟ کس کا بوا کھڑا کرنا ہوگا ہمیں پیارے بھائی؟"

"یہ تو میں آپ کو بتا رہی ہوں گا سائیں! لیکن یہ جاننے کے بعد بھی کہہ کر کہاں اور کس کے پاس ہے، آپ حاصل نہیں کر سکیں گے اُسے۔ بلکہ زیادہ امکان تو اس بات کا ہے کہ شاید پہنچ بھی نہ پائیں آپ اس تک "سیف علی نے کہا۔ "اچھا! ایسی بات ہے کوئی؟ پھر تو یہ ضرور بتا دیں تو۔" "چنانچہ وہ کون سا مقام ہے جہاں ہمارے قدم نہیں پہنچ سکتے؟"

"کراچی میں لاشاری سائیں کے کچھ رشتے دار رہتے ہیں وہ بچہ امی میں سے ہی کسی کے پاس ہے "سیف نے بتایا۔ "کہاں رہتے ہیں وہ؟ میرا مطلب ہے کراچی میں کس جگہ ہیں وہ رشتے دار لاشاری کے؟ اور بچہ ان میں سے کس کے

پاس ہے؟" "یہ تو مجھے بتانا نہیں ہے سائیں! میں کبھی گیا نہیں۔" "بس سنا ہی ہے ان کے بارے میں؟" "بکن نہیں اوچھڑتے؟ آبی نے طیش میں آ کر اس کے منہ پر مارا۔ "تھیک تھیک بتا دے کہ کہاں مل سکتا وہ لوگ؟"

اس کا ہاتھ اتنے زور سے پڑا تھا سیف علی کے وہ لکڑ کے پیچھے جا پڑا تھا گرتے ہی اس نے سنبھل کر ہوئے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گھسیاتے ہوئے کہا "سائیں! میں جھوٹ نہیں بول رہا آپ سے مجھے بتا دے کہ تو ضرور بتا دیتا میں۔ جو کچھ مجھے معلوم تھا میں نے بتا دیا آپ کو۔"

"میں کت، ہوں سیدھی طرح کہنے میں عیب کی اور میرے ہاتھوں مرنا چاہتا ہے؟" آبی نے اس کی کمر بھرا مار کر کہا۔

"آپ مالک میں سائیں! اگر مارنا ہی چاہتے ہیں تو مرضی ہے آپ کی۔ مجھے جو کچھ بتا تھا بتا دیا میں نے۔ سہلاتے ہوئے عاجزی سے بولا۔

"میں نے آبی کا بازو کپڑے اسے الگ بٹا دیا وہ مجھے بات کرنے دے اس سے؟" میں نے سیف علی کے سارے ہونے کہا۔ "تو خواہ مخواہ وقت برباد کر دے گا اپنا، یہ پوچھ کر بچے کا کچھ بھی۔ مجھے غصہ لینے دے اس سے جیلانی؟" "نہیں یار! مانا بھی کر کبھی، بال بچوں والا آدمی ہے بچے چل جائیں گے غریب کے۔ تو گھڑ پڑے یہ تیرا میں نے اس سے سہار دی کا اظہار کرتے ہوئے آبی درجہ کرنے کے لیے کہا۔

آبی غصے سے دانت بھینچتا ہوا دور جا کر کھڑا "میری بات لکھ لے جیلانی! یہ لالوں کا بھوت ہے! انہیں سالے کا کبھی؟"

"اچھا اچھا، چپ کر جواب "میں نے اسے ہوئے سیف علی سے پوچھا "ہاں تو بھائی سیف علی! یہ ذرا گرم مزاج آدمی ہے۔ اس کی کھوپڑی جلدی سا ہے۔ سالامان ہو جاتا ہے بالکل۔ آپ تو مجھے تو وہ پھر عاجزی سے بولا "جیلانی سائیں! یقین بات کا، میں نے جھوٹ ایک لفظ نہیں بولا ہے۔" "اچھا تو میرے کچھ بتانا میں ہے ان کے نام تو سنے ہی ہوں گے نا ان کے خوشے، وہی تیرے

"وہ جی لاشاری سائیں نے اس کا نام پیر دیتا تھا اس ناگ۔" پیر محمد نام ہو گا اس کا "سیف علی بولا۔ "اوہو! تو یہ ممتاز پہنچا کے آیا تھا اسے پیر کے پاس، میں سیف علی تھیک ہے نا؟" میں نے پوچھا۔ "ہاں جی! اس کو بھیجا تھا لاشاری سائیں نے اُدھر۔ اس کے کچھ معلوم ہے مگر اس سے کچھ اگلا نا آسان کام نہیں ہے۔" "چلی جی! آبی دیکھتے ہیں اسے بھی جیل کر سکتی دیر منہ بند ہونا ہے وہ ہمارے سالنے "میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں جی، تو بھی اٹھ جا سیف علی! اور آگے لگ جا ہمارے بچے جی ہم یوں چھوڑ کے نہیں جا سکتے! آبی بولا۔

میں نے بھی اسکی تائید کی "ہاں یار! تجھے ہمارے ساتھ ہی رہنا ہے جب تک اس حویلی میں ہم فیصلہ تیرا یہاں سے ہونے ہی کر سکیں گے، ورنہ یہ اطمینان رکھنا اگر تو نے یوں ہی تعاون جاری رکھا تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تجھے۔" وہ سہمی خوش فہم لگا ہوں سے آبی کو دیکھتے ہوئے اٹھا اور ہمارے آگے آگے چلنے لگا۔ میں نے شرافت علی سے کہا۔ "یاد رہی! ابھی کاٹھی کا بھی خیال رکھنا، غافل نہ ہو جانا اس کی طرف سے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اُدھر لوچ کچھ ہی کرتے ہیں اور کوئی ہماری اس سواری کو غائب ہی کر دے پھر تو پیل ہی دیکھتے کھاتے پھر گئے سب ہم۔"

"میں اسے لاک کر کے آجاتا ہوں۔ ویسے اسکان کمر ہی ہے ابھی کسی بات کا شرافت علی بیرونی دروازے کا طرف مڑ کر لولا۔

اس خالی میں مردنا، یہاں جو کچھ ہونے کا امکان، دُور دور نظر نہیں آتا، وہاں کام ہو جاتا ہے محلوں میں اور آدمی کوہر کے اندر ایک کام شروع نہیں ملتا۔ حویلی کے تمام ہی لوگ باہر ہیں اس وقت اور وہ کسی بھی لمحے واپس آ سکتے ہیں! شرافت علی کا گھر ڈی دیکھ کر انھیں اندر کے حالات کا اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگے گی، پھر وہ ہمیں گھر نہ کے لیے سب سے پہلے ہمارے رنج کھنے کے راستے بند کر دیں گے۔"

"ہاں، یہ تو بالکل ٹھیک کہا ہے تم نے جیلانی! کھوپڑی خدائی قیوم کا کام کر رہی ہے۔ تمھارے اب تک محفوظ رہنے کا راز یہی ہے تو کوئی کام کرتے وقت یا کسی معاملے سے متشتت ہو کر کسی کام کو نہیں رہ جاتے۔ اپنے گرد و پیش پر پوری غور رکھو اور ہر قسم کی صورت حال سے مقابلے کے لیے ہر شرافت علی میری نصیحت یہی ہو جاتی ہے چلا جا رہا تھا اس نے لکھنا اور اندازے میرے لیے بڑی محنت اور بے پناہ

خصوص کا اظہار ہوتا تھا۔ اس نے میرے ساتھ کر رہا تھا جو کچھ دیکھا تھا اس نے پیرا گرویدہ بنا دیا تھا اسے مگر ابھی میرے پاس اس کے اس اظہار بحیثیت سے نصف اندازہ کرنے کا وقت بالکل نہیں تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں اسے جیلوں کے اظہار کی پوری پوری آزادی دے دیتا، اسے روکنے کی بالکل بھی کوشش نہیں کرتا لیکن اس نے اس کام کے لیے بڑے غلط وقت کا انتخاب کیا تھا۔ یہ وقت اس کام کے لیے مناسب نہیں تھا چنانچہ میں نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ میں نے کہا "جھوٹا ریا! اب باتوں کو اور جا کر گارڈی سنبھال اپنی اس کار خیر باہر نکلنے کے راستے کی طرف کر کے بہت ہوشیاری سے دیکھنا۔ ہتھیار بالکل تیار رکھنا اپنے، ذرا بھی لگ بڑ کا اسکان نظر آئے تو بھونک کر رکھ دینا سالوں کو، گولیاں چلنے کی آواز دینے ہی ہم تیرے پاس پہنچ جائیں گے۔ ہماری فکر نہیں کرنا تو!"

"ٹھیک ہے، تم جاؤ، میں خیال رکھوں گا ادھر کا کسی کو اس راستے سے تم تک نہیں پہنچنے دوں گا شرافت علی بولا۔ وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔ اور میں نے تیزی سے ادھر قدم اٹھانا شروع کر دیا۔ وہ جلد ہی سیف علی کا نام کر لے گیا تھا۔ وہ دونوں مجھے اسی کمرے میں لے گئے جہاں لاکھولا لاشاری کی خون میں لخت پت بے لاکھولا لاش پڑی تھی اب تک جڑوت تو اس بات کی بھی کفری الحال وہ میں سمجھتی کہ اسے اس سرپرست کو پورے عزت و احترام کے ساتھ زیر زمین پہنچانے کا بندوبست کرتے۔ مگر وہ لاشوں پر کھڑے ہو کر شادیاں دے جانے والے منتقم مزاج لوگ مجھ سے، آسیہ سے اور میرے ساتھیوں سے لاشاری کا انتقام لینے کے لیے ایسے دیوانے ہو رہے تھے کہ انھوں نے اس غریب کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا اور ہماری تلاش میں خاک چھانٹنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ممتاز بھی وہاں موجود تھا۔ وہ لاشاری کی چارپائی کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے بہت ہی بڑا سامنے بنایا۔ معلوم نہ ہوتا تھا اُسے دیکھ کر اس کے ہاتھ ہیٹھ کسی حد تک ہلکے ہو گئے تھے، مگر وہ اپنے اگڑے ہوئے ہاتھ ہمارے منہ میں لے سکتا تھا اور نہ ہی ہم سے زور آزمائی کی غلطی نہ کرتا تھا کیونکہ طاقت کے مظاہرے کے دوران اس کا ہاتھ ہاتھ اٹھانے کھاتا تو اس سے درد کی میسیں اٹھانے کر لے لے حال کر دیتیں۔ میرے کمرے میں قدم دھرنے کے بعد آبی نے ممتاز کو مخاطب کیا۔

"ہاں بھئی ممتاز جی! اب تمہاں ہمیشہ متاثر رہے اس جہاں میں، پیر بادشاہ کو ایک بات تو بتا دو ہمیں۔"



ممتاز دیوار سے پشت لگا کر کھڑا تھا۔ آبی نے ہاتھ مارا تو اس کا سر ایک دھماکے سے دیوار کے ساتھ ٹکرایا اور اس کی ہاجیوں سے بہتے ہوئے خون کی کیریں بننے لگیں۔ اس نے اپنے صیغہ ہاتھ کی پشت سے بہتا ہوا خون صاف کرتے ہوئے خود بخود زخموں سے آبی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے محسوس ہوتے تھے۔ آبی اس کے نزدیک ہی کھڑا کر کے جواب کا منتظر تھا کہ جواب ممتاز نے آبی کو دیا تھا اس کی

جیسے لگا۔ آپ نے فاتحانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”یہ مجھ کا پتا بنائے سائے لاشاری کے کتے اور“  
 ٹانگے بھی توڑ کے اپنا بیج کر دوں گا زندگی بھر کے لیے“  
 سیف علی اس کی حالت دیکھ کر تھکے تھکے کانپنے لگا۔  
 جلدی سے لولاڑتا دوسے ممتاز زبیدہ کو ان سے

”ہاں اب ہم مجھے ذلیل نظر آنے لگے ہیں، ظلم کر رہے ہیں۔ مجبور بہ حال لاگو میں پئے ہیں ہی تجھے سمجھایا تھا کہ جو ہو گیا، اس پر بھراغ ڈال دے۔ میں خود بھی لاشاری کا یہ انجام پسند نہیں کرتا تھا، میں نے اسے آخر وقت تک بچانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جیسے کی زندگی کا بچانا چھک چکا ہو، کسی کا

آبی بولا "جیسا! انوقت برباد کر رہا ہے اپنا بیاس  
 طرح نہیں بتائے گا کچھ بھی۔" میں کہتا ہوں تو ہٹ جا اس کے  
 پاس سے، میں ابھی اسے غمخور دیکھتا ہوں زبان کھولنے پر۔  
 ایسے لوگوں سے بات کرنے کا ڈھنگ آتا ہے مجھے۔  
 مجھے ممتاز کی حالت پر ترس آنے لگا تھا۔ بڑا بانگ  
 ادا کر رہا تھا وہ اس کے ساتھ سی ٹیوی اور فون کا ایک ک

بھی تھا۔ آج کے دور میں ایسے لوگ ملتے کہاں ہیں۔ ریاکاروں کے اس جھوم میں وہ نہ جلتے کہاں سے آکر خاص ہو گیا تھا۔ یوں وہ کوئی نیک نام شخص بھی نہیں تھا۔ اور نہ ان لوگوں کا شمار بھلے آدمیوں میں کیا جاسکتا تھا جن کے ساتھ وہ رہ رہا تھا۔ اس کے باوجود اس کا ایک انداز فکر تھا، ایک طریقہ حیات اور زندگی کے کچھ اصول بتا رکھے تھے اس نے جنہیں وہ کسی وقت، کسی قیمت پر بھی فراموش کرنے کو تیار نہ تھا۔ مجھے اس کی بس یہی ادا ادا گئی تھی، اس کے انداز سے میرے دل میں ہر روز کی کاہلہ ریاکار دیا تھا اس کے لیے ایسا بے بدل شخص ضائع نہیں ہونا چاہیے تھا۔

میں نے اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے آبی کو مخاطب کیا: ”آبی، لعنت بھیج یا اس پر بددفع کر سائل کو، ہمیں ضرورت ہی کیا ہے اس پر پناہ دے اور ارجی ضائع کرنے کی مدد پر مجھ اور ہر کراچی جی میں تو رہتا ہے نا، ہم تو سارے کونین سے بھی کھونٹے نکال لیں گے۔ یہ نہیں بتانا چاہتا، نہ بتائے، اس کے بغیر ہی ہم ڈھونڈیں گے اسے اور دکھا دیں گے اس متنازعہ کو دیکھ کر تیرے بعد بھی دنیا کا کاروبار چل سکتا ہے“

آبی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: ”مگر اسے یوں زندہ تو نہیں چھوڑ کر جائیں گے ہم۔ اس کا بوجھ تو بہکا کر ہی جائیں گے اس زمین کے سینے سے“

وہ جھپٹ کر اسے روک ڈالنا چاہتا تھا۔ اس کا سینہ پھید ڈالنا چاہتا تھا پتلیوں کی گولیوں سے۔ مگر میں نے تیزی سے اس کے سامنے آکر اسے روکتے ہوئے کہا: ”اوتے میں دسیا نہیں تینوں ہارٹ برے مٹی یا ایسے آتے“

سیف علی نے جلدی سے آبی کے ہیکر چڑھ لیا۔ جھک کر اور بولا: ”معاف کر دیں سائیں! غصہ تھوڑا کر دیں اب، دیکھیں نایاب دینی سائیں بھی معاف کر دیتے ہیں اسے، یوں بھی اب اس میں رہا ہی کیا ہے۔ ایک ہاتھ اور ایک پیر تو آپ نے ناکارہ ہی کر دیا ہے اس کا کھڑا ہٹ تو نہیں سکتا اب یہ“

وہ تیزی سے کمرے کے دروازے کی طرف مڑا اور لمبے ڈگ بھڑتا باہر کی جانب بڑھتے ہوئے بولا: ”اب جل کر کھنک چل یہاں سے جیلانی! ایسا نہ ہو کہ میں اپنا ارادہ نہ کر دوں“

میں اس کے پیچھے لپکتے ہوئے بولا: ”نہیں جان! چل رہا ہوں میں تیرے ساتھ، تورا وہ تبدیل نہیں کر بس اب نکلی جی چل یہاں سے“

ہم دونوں تقریباً جھلگتے ہوئے باہر نکلے اور سرکار کی عقیقہ نشست میں جا دھنئے۔ شرافت علی اسٹریٹ پر کار اسٹارٹ کر کے کسی بھی قسم کی ہنگامی صورت حال میں نہ لے کر بھاگنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ ہمارے پیش رو نے ایک جھنگے سے کار کو آگے بڑھا دیا۔ مجھے اس سے کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ حویلی سے نکلی کار اس راستے پر ڈال دی جو گاڑی نہر کے اس کی طرف جاتا تھا جسے عبور کر کے ہم ادھر آئے تھے۔ آبی غلام بیٹھا تھا۔ یقیناً وہ اندر ہی اندر اس بات پر بل کھانا دے میں نے ممتاز کو زندہ کیوں چھوڑ دیا۔ میں نے اسے اپنے بھر پور آتش انتقام پر قابو پانے کے لیے چھوڑ دیا اور چھپرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس گھڑی اگر میں اس سے باز کرنے کی کوشش کرتا تو میرے لیے اس سے جان بچنا ہوتا تھا۔

نہر عبور کرنے کے بعد شرافت علی نے خاموشی کا طالع ٹوڑا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: ”اب کیا پروگرام ہے؟“

”سدا ہر کراچی جی نکل چل بار! یہ تو ساری درویشی بے مقصد ہی ہو کر رہ گئی ہماری۔ نہ اسی میری کو روکنا، نہ غریب لاشاری کی جان بچ سکے۔ یا یہ زندگی کتنی بے وقوف ہے۔ مشکل گھڑی میں کس طرح ساتھ چھوڑ دیتی ہے آدمی اور ہم کتنے بے وقوف، کیسے اندھے ہیں کہ ہمیشہ اسے اپنا کوہر جیسے زیادہ حفاظت کرتے رہتے ہیں اس کی اور کیسی آسائشیں فراہم کرتے ہیں اس کے لیے کہ کسی وقت تیرے یہ خیال آج یا ہے شرافت علی؟ تو نے بھی سوچا ہے کبھی؟“

میں نے شرافت علی سے سوال کیا۔

”نہیں بھائی! ایسا کوئی لمحہ مجھ پر نہیں گزرا ابھی تک اور نہ ہی آج سے پہلے کسی نے توجہ دلائی تھی اس طرف شرافت علی بولا۔

”آگاہ کرنا“

”ابھی بات ہے تم کہتے ہو تو ضرور کروں گا غور دیکھیں وقت تو مناسب نہیں ہے اس کام کے لیے“

”ابھی نہیں میرے یا ر! یہ تو نہیں کہا میں نے کہ ابھی سے غور کرنا شروع کر دے۔ ابھی تو میں اپنی اپنی جان کراچی کے صحیح سلامت لے جانے کی فکر کرنا چاہتا ہوں۔ لاکھ جاتی ہیں مگر ابھی تو میں ضرورت ہے نا اس زندگی کی۔ بڑے کام نکلتے ہیں ابھی تو میں“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لاکھ بے وفائے مر و مت سہی اور وہ ہماری ضرورت سے کہنا ہی انکار کرتی ہو مگر میں اس کی ضرورت ہے۔ اور جب ہمیں ضرورت ہے تو ہم اس کی ناز و بار دیاں بھی ضرور کریں گے۔ کیوں ٹھیک کہا میں نے؟“

”اوتے بڑا ذلیل آدمی ہے بھی تو تو۔ لمحوں میں کھال آمانا نذر کر دیتا ہے آدمی کی۔ ابن نقاب تو نہیں ہے؟ کیا پیشہ تھا تیرے آبا کا؟“

”میرے آبا کا پیشہ تو سب گری ہوا کرتا تھا بھائی جیلانی! گوشت کبھی نہیں کھا میرے خاندان میں کسی نے بھی نہ“

”بات ایک جی ہے پیارے بھائی! گوشت پیچیں یا نہ پیچیں کھانے پینے کا کام تو کرتے ہی رہے ہیں نا وہ بھی“

”آبی! جس نہم سے بچا رہا ہے مجھ تو دست ہی ہے کچھ“

شرافت علی کھانسی کی ہنسی نہں کر لولا۔

آبی کا مونہ بھی شاید ہماری باتوں سے بحال ہو گیا تھا۔ وہ فوراً بول اٹھا: ”مجھ نہ کہہ بھائی! بالکل فٹ بیٹھتا ہے وہ نام اس پر“

میں نے اسے گھونٹے ہوئے کہا: ”اوتے تیرے مونگ کا پیر پڑ ختم ہو گیا جو چھپ چکے لگتا ہے تو؟“

”ہاں، ایسا ہی سمجھ لے، خلوص اور دانا کاروشن ستارہ دکھائی دیا تھا مجھے اس کی آنکھوں میں۔ بڑا شرفدار انسان ہے وہ اس دور میں بار بار ایسے انسان نظر نہیں آتے آبی! اس کی قدر کرنا چاہیے یا تمہیں اور زیادہ سے زیادہ عرصہ اس دنیا میں رہنے کا موقع دینا چاہیے۔ ایسے خلوص و وفا کے پیکر کو کبھی میں نہیں ملانا چاہیے میرے بھائی! میرے دوست، میرے عزیز! سمجھا کچھ؟“

”ہاں، سمجھا، خوب، ابھی طرح سمجھ گیا۔ آج کل تیرے اندر کوئی بہت ہی نیک اور پارسا روح حلول کر گئی ہے۔ سچ بتایا دیکھا تو وہی غلام جیلانی ہے جس سے میرا راز نہ خفا ہے جو میرے جیل جانے سے پہلے شائے سے شانے ملا کر چلا کرتا تھا؟“ آبی بولا۔

”مجھے یہ خیال کیسے آیا آبی؟ کہ کون سی خامی دکھائی دی ہے مجھے کچھ میں جس نے اس خیال کو تیرے دل میں جگہ دی ہے؟“

”خامی ہی تو کوئی نظر نہیں آئی ہے تجھ میں۔ حیرت تو اسی پر ہے۔ ایسا تو چھوڑ کر نہیں گیا تھا میں تجھے رجم کے ایسے دریا میرے سینے میں پہلے تو کبھی موجزن نہیں رہا کرتے تھے اسی لیے مجھے شبہ ہونے لگا ہے تیری اصلیت پر“ آبی نے جواب دیا۔

”میں نے بے وجہ تو پہلے بھی کسی کو نہیں ستایا تھا کبھی بھائی جی! میرے ہاتھوں سے وہی لوگ نقصان اٹھاتے رہے ہیں جنہوں نے خود بڑھ کے ہیل کی، یا میرے لیے مشکلات پیدا کر کے مجھے بے دست دیا کرنے کی کوشش کی“ میں نے کہا: ”ایسے لوگوں کو میں اب بھی معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ اور نہ ہی میں نے کسی کے ساتھ کوئی رعایت کی ہے اب تک“

”اور یہ جو تو متنازعے سے باؤلے کتے کو یوں کھلا چھوڑ آیا ہے۔ اس کی بھی کوئی معقول وجہ ہے تیرے پاس؟“

”بتایا تو ہے میں نے تجھے، اس کے اندر ایک اچھا انسان دکھائی دیا تھا مجھے۔ سچا، مخلص اور قول کا پکا انسان۔ اور تو جانتا ہے ایسے لوگ میری کمزوری ہوتے ہیں۔ تیری میری دوستی کی ابتدا ابھی تو اسی طرح ہوئی تھی بھول گیا ہے کیا اس بات کو؟“

”اچھا تو کیا اب اس سے بھی یاری بڑھانے کا ارادہ کر رہا ہے؟ مگر وہ ہاتھ نہیں آکے گا تیرے، یہ بات بلکھ لے میری“

”کوئی خاص بات دیکھی ہے کیا تو نے جو اس قدر تعین اور اعتماد کے ساتھ یہ... کہہ رہا ہے تو؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”دیکھی تو نہیں ہے کچھ۔ بس اپنے تجربے کی روشنی میں کہی ہے یہ بات میں نے جس کے غلط ہونے کا امکان کم ہی ہے۔“

”مکن ہے ٹھیک ہی کہتا ہو۔ لیکن کوشش کرنے میں ہرج ی کیا ہے آخر؟ نقصان کیا ہے اس میں اپنا؟“

”میں اور آبی باتوں میں ایسے محو ہونے کہ اپنے گرد پیش کو بھلا بیٹھے تھے۔ کچھ یا دہی نہیں رہا تھا کہ ہم کہاں ہیں، کدھر جا رہے ہیں اور کن حالات کا سامنا ہے۔ لیکن غرض علی ہماری طرح کھویا ہوا نہیں تھا۔ اس نے اپنا یک ہیں خلبے سے آگاہ کر کے ہونے لگا۔ جیلائی! ایسا معلوم ہوتا ہے ان لوگوں نے ہماری تلاش میں نام کام ہو کر اس غریب سہیل کو سب گھیرا ہے اور اس سے ہمارے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے چہرے کے سامنے جھوم نظر آ رہے تھے۔“

میں نے اور آبی نے ایک ساتھ جبکہ کرا دھر دیکھا۔ شرافت علی نے گاڑی بھڑائی تھی۔ سہیل کے مسافر خانے کا فاصلہ اس جگہ سے اچھا خاصا تھا۔ وہاں بہت لوگ نظر آ رہے تھے۔ ان کے ساتھ گھوڑے بھی تھے۔ گوان کی شکلیں یہاں سے صاف طور پر دکھائی دے رہی تھیں لیکن ہمارے لیے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں تھا کہ وہ سب وہی لوگ تھے جو لاشاری کی حویلی سے ہمارے ناقاب میں روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ وہاں کیوں جا پہنچے تھے، شاید شرافت علی کا اندازہ درست تھا اور اگر ایسا تھا تو غریب سہیل کے ساتھ انھوں نے چنانچہ کیا سلوک کیا تھا۔ وہ اس سے خوش تو پہلے بھی نہیں تھے مگر اس پر ہاتھ ڈالنے کا شاید کبھی کوئی مناسب جواز ہاتھ نہیں آ سکا تھا ان کے۔ آج ضرور وہ اس پر ہماری مدد کرنے کا الزام لے کر جا چڑھ تھے۔ شرافت علی بولا: ”کیا کہتے ہو جیلائی! گاڑی کو واپس موڑ کر کسی اور راستے سے نکلنے کی کوشش کریں؟“

”نہیں یا راکھی موقع پرستوں والی باتیں کرنا ہے تو؟ ایک ذرا سی ہوا مخالف دیکھ کر منہ پھیر لیتا چاہتا ہے اس غریب آدمی سے؟ ہاں کی خدمت اور محبت کا یہ صلہ دینا جاہ رہا ہے اسے؟ چل آگے بڑھا گاڑی! ہم دیکھتے ہیں چل کر انھیں!“

شرافت علی گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا: ”وہ بہت سے لوگ ہیں اور علاقے کی پولیس کا تعاون بھی حاصل ہے۔“

اس لیے ایسا کیا تھا میں نے، ورنہ میں جیسے وقت میں ساتھ بھڑ

جالتے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یہ نہ سمجھ لیتا تم۔“

”سمجھتا ہوں میرے بار میں یہ بات کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے تجھے اس سے میں۔ وہ ہتھیار سنبھال کے کیڑے چبک کر لو۔“

وہ بولا: ”تینوں اسٹین گنیں چبک کر چبکا ہوں میں اور سپتول بھی لوڑیں۔ ان کی نگر نہ کرو تم۔“

”یہ تو نے بہت اچھا کیا ہے۔ میں نے نوٹ کیا ہے۔“

ہتھیاروں کو ہر وقت پوری طرح تیار رکھنے کا عادی ہونے لگا۔

سپتول تو ہمارے پاس پہلے ہی موجود تھے۔ میں نے اسے ایک ایک اسٹین گن اٹھائی۔ شرافت علی تیزی سے دوڑا تا ہوا منٹوں، سیکنڈوں میں ان لوگوں کے سر پر جا کر لگا لگا آواز سننے ہی وہ سب کے سب چونک کر کار کو متوجہ ہو گئے تھے اور حیرت سے انھیں دیکھنے لگے۔

ان کے دم و گم گمان میں بھی یہ بات نہیں رہی ہوگی۔ تلاش میں وہ دیوں سرگرداں ہیں اور ساری دوزخوں پر باوجود وہ جن کی گرد بھی نہیں پاسکے تھے، وہ اچانک ان سامنے پہنچ جائیں گے۔ میں نے انھیں دیکھتے ہی پہچان لاکھولاشاری کے ہی آدمی تھے۔ ان میں سے کئی کو میں نے کی حویلی میں دیکھا تھا۔ کار کرتے ہی میں، آبی اور شرافت علی چپکے میں اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر اسٹین گن اٹھا کر باہر نکلے اور ان سب کو نشانے پر رکھ کر کھڑے ہو شرافت علی نے انھیں فوراً لٹکا کر خبردار! اگر کسی نے حرکت کی تو بھونکے کر دھو دیں گے ہم۔“

وہ سب ایک دم شیشی انداز میں ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا: ”تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”کچھ نہیں سامیں! ہم ذرا سہیل سے کچھ باتیں کرنے تھے ادھر آپ لوگ...“ ایک شخص نے صفائی کی کوشش کی۔

آبی نے اس کی بات کاٹ کر سخت اور سرد بولے: ”چپ کر جا اوسے جو طرے! تم لوگوں نے یہ کیا کیا ہے؟ ساتھ ہٹو، گتے کے پتھر! اس کے پاس سے ہٹا۔“

ادھر چھپر کی دیوار کی طرف منہ کر کے دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔“

آبی کا حکم سن کر انھوں نے پریشان ہو کر ایک کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ان کے عمل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے۔ انھیں اس

کثرت میں دھکے کر مجھے فوراً خیال آیا کہ ان لوگوں نے یقیناً جیل کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ وہ اس طرح کھڑے تھے کہ ان کے درمیان سہیل مجھے نظری نہیں آتا تھا اب ہر گز شاہی آبی نے اسے دیکھ لیا تھا یا اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ اب تک سہیل کے ساتھ کوئی زیادتی کرتے ہوئے ہیں۔ بندو تھیں ان کے شانوں سے ٹکی ہوئی تھیں، کچھ لوگ چھپر کے باہر اُدھر اُدھر بکھڑے تھے البتہ دس بارہ آدمی ایک ٹھکانے کھڑے تھے۔ ان کی بندو تھیں انکے چار یا پلوں کی طرف تھیں۔ ان کے کھڑے ہونے کے انداز سے ایسا ہی تھا جیسے کسی کو اپنے درمیان گھیرے کھڑے ہیں میں نے انہیں اٹالنے والوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: ”رستہ نہیں تم نے۔ جیلو جلدی جلدی اُدھر دیوار کے ساتھ جاگورو رہو ایک ایک مسافر باہر چلا کر آجی!“

مجھے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ برا سامنے بناتے ہوئے ایک ایک کر کے وہاں سے ہٹ گئے۔ ان میں وہ جوان بھی موجود تھا جو تازے کے ساتھ لاشاری کے کمرے میں گھس کر ہماری راہ میں حائل ہو گیا تھا۔ وہ کینٹونز لنگا ہوں۔ بے مجھے دیکھتے ہوئے بولا: ”یہ بات کان کھول کے سن لے جان! تو ہمارے ہاتھوں سے بڑا کرشن نکل کے گا اس علاقے سے۔ اچھا یہی ہے بات زیادہ بڑھا۔“

آبی کو لگا بولا: ”اوسے تو بیٹے کا اُدھر سے باہر لہو کے جیسے جادی کر دوں تیرے سینے سے؟ کیا چاہتا ہے مجھے تو؟“

”پھنساؤ تم گے...“ اس نے غصہ ناک ہو کر کہا۔ اور خفا سے ہین گھومتے ہوئے آہستہ آہستہ گھاس پھوس کی دیوار کی طرف مڑنے لگا۔

آبی سے اس کا یہ انداز برداشت نہ ہو سکا، وہ ایک دم اس کی طرف لپکا اور قریب پہنچتے ہی اسٹین گن کی ٹال اس کے سینے پر رکھ کر دوسرے اسے دھکا دے دیا۔ وہ لڑکھڑا کر دوڑ پڑھنے لگا مگر اس کی آنکھوں سے اب بھی شیشے لگے رہے۔ آبی نے دایاں ہاتھ اور اٹھا کر دو داغ لگائے سپر ہی کے اس کے منہ کے سامنے لے جاتے ہوئے کہا: ”آنکھیں نیچے کر لے لو! اٹلا، ادرے پچھڑوں کا سالہ کے۔“

وہ بھی پیچھے ہٹتے والوں میں سے نہیں تھا۔ اسی خونخوار مجھ پر لڑا۔ چھپر کے شیر نے لگتا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رہی کہ یہ کالی سننے کی عادت نہیں ہے مجھے اب اگر کالی لڑو تو نہ تو میں زبان کھینچ لوں گا تیرے یہ نہ جاننا کہ اسٹین گن کے بارے میں ہاکھی بی بی میں ہو گیا ہوں میں۔ شیروں کے جیسے جیروں یا کرتا ہوں میں خالی ہاتھوں سے، یوں ہی رستم

نام نہیں پڑ گیا ہے میرا۔“

”پتھر تو میں پھنساؤ معلوم کر دوں گا آخر لوگوں نے ایسا جواں مردوں والا نام کیوں دے دیا ہے مجھے؟ جو تجھے پرست ہی نہیں رہا ہے کسی طرح بھی۔ یہ کیا سوچتی ہے یا ران لوگوں کو؟“

بچارے رستم کے مرنے کے بعد اس سے ایسا مذاق کرنے کی؟ آبی مٹھکی خیر انداز میں بولا۔

وہ اسے طیش دلا کر لڑا مرنے کے لیے اکسار ہاتھا۔ شاید ممتاز کا حساب اس سے چکا نہ چاہتا تھا۔ جبکہ یہ وقت جھگڑا بڑھانے کا نہیں تھا، اس گھڑی سہیل کو ہماری مدد کی ضرورت تھی، ہمیں فوراً اس کی خبر گیری کرنا چاہیے تھی کیونکہ ان لوگوں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ وہ ایک چار یا پلوں پر بندھا ہوا بڑا تھا اور اس کے رخساروں اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ شاید کوئی دانت ٹوٹ گیا تھا اس کا۔ وہ آنکھیں بند کر کے ہڈھال بڑا تھا۔ اس نے ایک بار بھی آنکھیں کھول کر ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ غالباً ہٹنے کھٹنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی اس میں۔ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں لرز کر رہ گیا تھا۔

میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے آبی سے کہا: ”اے جھوٹا ران! کیوں اس کی جان کو اٹک کر رہ گیا ہے تو؟ ادھر سہیل کو دیکھ اس کی کیا حالت کر دی ہے ان رفیوں نے۔ گتا ہے جان ہی نکال لی ہے انھوں نے اس غریب آدمی کی تو!“

میرے توجہ دلائے پر اس نے بھی گردن موڑ کر سہیل کی طرف دیکھا۔ وہ اس چار یا پلوں کے قریب ہی کھڑا تھا جس پر سہیل بندھا چلا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر آبی بھی پریشان ہو گیا اور اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا: ”اے یہ تو بے ہوش معلوم ہوتا ہے یا ران!“

اس دوران میں تقریباً دوڑتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا اور تیزی سے اس کے جھڑ بندھوٹے ہوئے بولا: ”آبی! جلدی سے کسی برتن میں پانی لا، یہ تو واقعی بے ہوش پڑا ہے باہر پوٹ میں لانے کی کوشش کر اسے۔“

میں فوراً اس طرف لپکا جہاں پانی کے ٹکے رکھے تھے اور ایک برتن میں پانی بھر کے لایا۔ ہم دونوں اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگے۔ میں نے جھوٹے لے کر کھولا اس پانی اس کے حلق میں بھی پہنچانے کی کوشش کی۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد سہیل کے پوتے حرکت میں آ گئے، اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا، چند ثانیہ وہ میرے چہرے پر نگاہیں جمایا رہا، یوں گتا تھا مجھے پہچان نہیں رہا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک نظر آنے لگی۔ میں نے ایک

”ہاں، دوسروں کی شہنشاہی آسان کرنا عادات بن گئی ہے اس کی۔ لیکن یہ میں جانتا ہوں، موت اس کی بہت بُری ہوگئی ہے۔“ نہیں، نہیں، ایسا نہ کہیں سائیں ان کے بارے میں۔ ایسی بددعا تو نہ دیں جی انہیں۔ اللہ سائیں ایسا وقت نہ ڈالے ان پر کبھی۔“  
”تو فکر نہ کر سچیل! اس کی کوئی بات اثر نہیں کھیتی۔ کوؤں کی بددعاؤں سے فکرمگر نہیں جایا کرتے۔“ اُبی جلدی سے بولا۔  
”اچھا سالے فکرمگر! نہ مزیمرا کیا جوڑتا ہے اس سے۔ جتنے دن جیے گا اپنے گناہوں کا بوجھ ہی بڑھا تا رہے گا۔“  
ابجاہم گولی جلنے کی آواز نے نہیں چونکا دیا۔ سچیل کو صمیم سلامت اور باتیں کرتے دیکھ کر ہم اس وقت کی خوشگوار صورت حال کو بالکل ہی بھلا بیٹھے تھے۔ یہ بات یاد ہی نہیں

”نہیں جی! سب کیلئے ہو سکتے ہیں، یہ دس بارہ آدمی پولیس کے ہیں ان میں“ اس نے رسم کے آس پاس کھڑے ہونے ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو اس کے گرد گھیراؤ والے اس کی مرمت کرتے رہے تھے۔

”اچھا تو یہ قانون کے وہ محافظ ہیں جو ڈاکوؤں کے ساتھ من کج تجربے ہیں! پسند اور پسے ضرر لوگوں کو نشانہ بنانے کے لیے یہاں پولیس مقابلے میں مارے جانے والے ڈاکوؤں کے دے کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے غلطی تو ڈاکوؤں سے پاک کر دی ہے۔“

”السانہ کہیں جیلانی سائیں! بڑے پیچھے ہوئے لوگ ہوتے ہیں یہ۔ جس کے بارے میں انھیں معلوم ہوتا ہے کہ شخص ان پر جرم میں موٹ ہوئے کا الزام لگاتا ہے اس کے پاس سے فوراً کوئی چیز برآمد کر لیتے ہیں جس کی پاداش میں اس کی شرافت اور نیک نامی کا سارا ظلم توڑ کر اسے سرکاری سمان بنادیا جاتا ہے۔“ پھل نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

”چھوڑو جیانی پھل! تیری اس بات پر یقین کون کرے گا حالانکہ ان کے کارنامے اب کوئی دھکے چھپے نہیں رہے ہیں کسی سے بھی، بچہ بچہ جانتا ہے ان کے ہتھکنڈوں کو، صرف ان کے اشرانِ اعلیٰ کے سوا کوئی یقین نہیں کرتا ان کی کسی کارروائی پر اور اضرانِ اعلیٰ بھی ہزد و شاہی اٹکا رکھتے ہیں ان بالوں سے نیو کھیر یا مین ان کی سب ٹھیک ہے سر، والی پالیسی کا حصہ ہوتی ہیں۔“

”جیواس نہ کرو اے جیلانی! جانتا نہیں ہے تو ہمیں جس دن بھی ہاتھ آگیا سائے لاک آپ میں ہی جان نکال لیں گے ہم تیری بچے! ہم سے بچنا لے کے کوئی جی نہیں سکتا زیادہ دن تیرے دن پورے ہو گئے ہیں، معلوم تو یہی ہوتا ہے ہیں ان پولیس والوں میں سے ایک نے اپنے پیشینہ ورانہ دعب و دبدبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں یار! ایسے بھی ہے خبر نہیں میں ہم۔ بڑا پانا یا دانہ ہے ہمارا“ تیری ذات برادری کے لوگوں سے۔ ہم سے زیادہ کہنا جانتا ہو گا تم لوگوں کو؟ اسی لیے میں ہمیشہ بچ کر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں پولیس والوں کے راستے سے گزر نہ جانے کیا بات ہے ہر دستہ مجھے کسی نہ کسی طرح تکم لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں ہر ٹھکانے میں موجود تیری خالی موٹی جی ہو جاتی ہے“

”شکر کرو ایک دن ہم تیری خالی نہی کر دیں گے یہ لکھ کر کہ مشورہ تو غلام جیلانی نے پولیس مقابلے میں ہلاک ہو گیا۔“

”یہ تو میں جانتا ہوں، ایک دن ہونا ہی ہے میرے ساتھ جی کر تھی سانی سے نہیں مارا سکو کہ تم مجھے جسامت سے سمجھ کھا

179

ہم ان کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتے تو یہ سچل کے حتیٰ میں بہتر نہ ہوتا۔ ہمیں تو اپنا کام کر کے چلا ہی جانا تھا وہاں سے ہمارے جانے کے بعد وہ اس غریب کی زندگی کو اجیر کر دیتے، نہ جانے کیسے کیسے خوف ناک خدالوں سے گزارتے اسے اور اس کے اہل خاندان کو۔ اس کی دوسو تہیں اور بھی تھیں۔ ہم یہ کر سکتے تھے کہ سچل کو اپنے ساتھ لے جاتے مگر ایسا کرنے سے اس کا خاندان زیرِ غلبہ آجاتا، یہ پتھر دل لوگ ان کا جتنا مشکل کر دیتے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ہم ان سب کو اپنی کشتیوں سے کھینچ کر ایک لائن میں کھڑا کر کے گولیاں بھلا دیتے لیکن یہ بہت ہی المناک کام ہوتا میرے لیے، اتنے سارے لوگوں کا خون ایک ہی وقت میں گرنے پر اڑتا میری، قتل عام ہوتا یہ جسے میں کسی صورت گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہی بات دلی کو لگتی تھی جو سچل نے کسی تھی۔ چنانچہ میں نے انھیں کریم کی طرف بڑھتے ہوئے اس سے کہا کہ "جوان! بات تو تو شیروں کے لہجے میں کرنا ہے اور کام تیرے سردار خورگدھوں جیسے ہیں۔ یہ تم اتنے سارے لوگوں نے مل کر سچل کی یہ حالت کیوں بنائی ہے؟ کچھ بتانا بند کرو گے مجھے۔ اس شریف اور بے ہوش شخص نے آخر کیا کیا کرنا تھا تم لوگوں کا؟"

"ہم اس سے تم لوگوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے مگر یہ کچھ بتانے کی نہیں دیتا تھا کہ کتنا تھا کچھ جتنا نہیں ہے اس خد کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوئی ہے" رستم نے جواب دیا۔

"اور تم سمجھتے تھے یہ جھوٹ بول رہا ہے، اس کی رشتہ داری ہے ہم سے اس لیے ہیں بچا چاہتا ہے یہ کیوں ٹھیک کہا نہیں ہے؟ ہاں اسی لیے تم نے اس کی یہ حالت بنا ڈالی۔ میں پچیس آدمی مل کر اپنا زور دکھانے لگے اور شرم تک نہ آئی کسی کو بھی؟"

"ہم اس سے کسی نے ہاتھ نہیں لگا پایا ہے۔ بلکہ پولیس والوں نے اپنے طریقے سے اس کی زبان کھولنے کی کوشش کی تھی" رستم بولا۔

"اچھا! تو یہ ان بیڑیاں بھٹ لوگوں کی کارگزار ہے۔ انھیں بڑی مشق ہے اس کام کی۔ شریفین کی بچوں کی اچھا لٹنے اور انھیں سے توجہ مشق بنانے کی خصوصی تربیت حاصل کی ہوتی ہے۔ انھوں نے یہ شیہ ہی ہمیشہ بچوں کو دیکھ کر ہوتے ہیں ورنہ شیروں کے تو سامنے جاتے ہوئے بھی ناخنیں لڑتی ہیں ان کی۔ اس میں ان بھاریوں کا قصور بھی کیا ہے۔ ان کے اندر کڑا زہری سمجھا کر بھیجتے ہیں انھیں کہ جس پر بس پھلے اس کے کائے سر جھک کے رہو اور جو باو اچھا ہے اس کا سر سلاطین نہ رہتے دور یہ اصول و ضوابط انگریزوں نے بنائے تھے ان کے لیے۔ اسے ان کے ذریعے بھرتے کے لوگوں کو غلام بناتے رکھنا تھا لہذا وہ انھیں بڑے ناخوشا ہوں پر ملازم رکھ کے غلام کا خون

پینے کی آزادی دے دیتا تھا۔ یہ لوہا اس کے لیے کو ایسا زہر تھا کہ کبھی انگریزوں کے قاعدے تو ان کو پینے سے روکتے تھے۔ میں ایک آزاد قوم کے محافظوں کے رہنا یہ سیکھ ہی نہیں جانتا کہ ان کے بڑوں کے ذہن انگریزوں کی غلامی کے آبی بولا۔ یہ تو اچھا ہی ہوا یا؟ ہم ادھر اس کے بھانے کے بھانے پٹ کر ادھر آگے ورنہ انھوں نے تو خیر فرما دیتا تھا اس کا۔

"ہاں، یہ اچھا ہی ہو گیا آبی یا؟ یہ غریب منہ میرے ہمارے چند گھنٹے میں قیام کی بڑی سخت سزا ہی ہے۔"

"میں کتنا بولتا ہوں مان لے میری ان سب کو لاؤ۔"

مگر گولیاں اتار دیتے ہیں ہم ان کے سینوں میں آبی ان کی نہ طرف ڈال کر میری طرف واپس آتے ہوئے بولا "یوں چھوڑ گئے ہم انھیں تو پھر کوئی مصیبت کھڑی کر دیں گے ہمارے لیے۔"

"بس نہیں اوسے ہم یہاں لاشاری کو اس سے بچا کر غرض سے آئے تھے بربریت ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ کوئی شخص نہیں آئے تھے ہم ادھر انھیں نہتا کر دیا ہے ہم نے یہ بہت ہے ہاں۔ ان سب کی ہندو تہیں ایک جگہ کر کے کھڑا کر دیا۔"

ان کا اور اسے ایک گھوڑے کی پشت سے خوب مضبوط کر کے ان گھوڑوں کو متصل کی طرف بانگ دو۔ یہ لاکھ لاشاری کے گھوڑے ہیں، بھدے، ادھر ہی جا رہے۔ اس کے ذہن انھیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں گے اور یہ پیدل جن کو قرض کسی ایسے مقام تک پہنچیں گے یہاں سے ہمارے خلاف کو کہیں، اتنی دیر میں ہم اس علاقے سے بہت دور چلے جائیں گے۔"

"ہاں، یہ اچھی تجویز پیش کی ہے جیلانی نے۔ بالکل چاہیے ہیں۔ میں تائید کرتا ہوں اس کی۔" شرافت علی نے فوراً "جو پھر پھر کوئی اور تجویز میری بات یاد رکھنا یہ نہیں دے ہی ڈسنے کی کوشش کریں گے تم متیوں کو۔ تیرے جیسے ظفر کا مظاہرہ یہ کبھی نہیں کر سکیں گے بلکہ یہی امکان ہے ہمارے جاتے ہی اس غریب سچل کو پھر باندھ لیں گے۔ بالکل ہندی سے بولا۔

"ایسے بے غیرت نہیں ہیں جیلانی سائیں ہم اب یہ نہ کریں آپ ہمیں سائیں! رستم نے کہا بات سے کما نہ تھا کہ آپ لاشاری سائیں کے ہمدرد ہیں، ہم تو ان کا دشمن تھے آپ لوگوں کو کبھی ماسی غلط فہمی میں یہ کہیں کہ جیلانی نے اہلیان انھیں ہاپ کو کسی اور شکاری کا موقع نہیں دے گا۔ طرف سے، تو بھی معافی دے دے سچل سائیں، بڑی بھول ہم سے، کیسے اندھے ہو گئے تھے ہم بار دوست دشمن کی

دستی ہو گئی، اس نے سچل کے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ آبی ان جہان جہان سارم کو دیکھ کر ہاتھ اسے یقین نہیں آ رہا۔ یہ دوسری رستم ہے جو ابھی چند منٹ قبل ہماری ہڈیاں تک پہنچنے کے لیے چل رہا تھا۔ سچل اپنے زخموں سے اٹھنے والی ہڈیوں کو جیسے بھول گیا تھا۔ اس کے لیے بولا "میں نے تو تم لوگوں کو بچا دیا تھا رستم! جیلانی سائیں! میں نے لاشاری سائیں کو بچا دیا تھا۔ مگر تو نے نہ مانا ہی نہیں؟"

"تو جیک کتنا بھلا تھا! اٹھنے سے میری عقل جھین لی تھی اور جہان جیلانی سائیں نے غیبی میں مجھے اور متا زور کو روکا تھا اس سے میں نے بھی سمجھا تھا کہ لاشاری سائیں انہی کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ رستم نے پشیمانی سے کہا۔

آبی اور شرافت علی نے اس اثناء میں ان سب کی ہندو تہیں ٹوٹی شکل میں باندھ دی تھیں۔ میں نے رستم کو یوں پشیمان دیکھ کر کہہ دیا کہ "آبی! ان کے ہتھیار واپس کر دے، یہ زانیہ! اب ہندو تہیں نہیں ہیں انھیں ہتھ اور پیدل کرنے کی؟"

آبی نے مگر غریب ہی نگاہوں سے مجھے دیکھا، چند ثانیے کے بعد پھر ہاتھ بولا "میری عقل کو کیا ہو گیا ہے جیلانی! ایسا تو نہیں تھا کہ میں نے کبھی بھی۔ ذرا سا نرم کا زہن بولا وہ تو ایک دم بھول گیا۔ میرے نزدیک ایسے زبان کے بچے لوگ ہیں یہ؟"

"ہاں، ایسا ہی سمجھتا ہوں میں اس جوان کو جھوٹ کی آمیزش میں ملوث ہوتی تھی اس کی بالوں میں" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، تو وہ دل چاہے سمجھا رہا، انھوں نے اس پہل کے ساتھ کچھ کہنے کی سزا تو مجھے بھی چاہیے انھیں۔ اگر ان کے دل میں کوئی گھوٹ نہیں رہا ہے تو انھیں متصل تک پیدل جانے دیں گی، اعتراض نہیں ہونا چاہیے کیوں رستم غلط کام میں ہے؟"

"نہی نا! ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے اس میں" رستم جلدی سے بولا "اسے بھی بڑی کوئی سزا چاہی تو دے دیں آپ!"

"بس پھر ٹھیک ہے۔ تو ابی زبان نہ کر لے اس جیلانی! جب ان لوگوں کو اعتراض نہیں ہے تو مجھے بھی جو اس کرنے کی ضرورت تھی ہے اور یہ دوسرے تھیں اس کا کام کسی اور وقت کے لیے اٹھا دے۔ وہ وقت اس کام کے لیے بالکل مناسب نہیں ہے اور نہ ہمارے ہاتھ اس کے لیے موزوں ہے۔ چنانچہ اتنا زہم کہاں سے بھر گیا ہے؟"

"میں پھر ٹھیک ہے۔ تو ابی زبان نہ کر لے اس جیلانی! جب ان لوگوں کو اعتراض نہیں ہے تو مجھے بھی جو اس کرنے کی ضرورت تھی ہے اور یہ دوسرے تھیں اس کا کام کسی اور وقت کے لیے اٹھا دے۔ وہ وقت اس کام کے لیے بالکل مناسب نہیں ہے اور نہ ہمارے ہاتھ اس کے لیے موزوں ہے۔ چنانچہ اتنا زہم کہاں سے بھر گیا ہے؟"

"میں اس کے لیے کوئی سزا چاہی تو دے دیں آپ!"

"میں پھر ٹھیک ہے۔ تو ابی زبان نہ کر لے اس جیلانی! جب ان لوگوں کو اعتراض نہیں ہے تو مجھے بھی جو اس کرنے کی ضرورت تھی ہے اور یہ دوسرے تھیں اس کا کام کسی اور وقت کے لیے اٹھا دے۔ وہ وقت اس کام کے لیے بالکل مناسب نہیں ہے اور نہ ہمارے ہاتھ اس کے لیے موزوں ہے۔ چنانچہ اتنا زہم کہاں سے بھر گیا ہے؟"

"میں اس کے لیے کوئی سزا چاہی تو دے دیں آپ!"

"میں پھر ٹھیک ہے۔ تو ابی زبان نہ کر لے اس جیلانی! جب ان لوگوں کو اعتراض نہیں ہے تو مجھے بھی جو اس کرنے کی ضرورت تھی ہے اور یہ دوسرے تھیں اس کا کام کسی اور وقت کے لیے اٹھا دے۔ وہ وقت اس کام کے لیے بالکل مناسب نہیں ہے اور نہ ہمارے ہاتھ اس کے لیے موزوں ہے۔ چنانچہ اتنا زہم کہاں سے بھر گیا ہے؟"

علم میں تھا کوئی۔ ان کے علاوہ سادہ لباس میں پولیس کے آدمی بھی تھے جن کے لیے موجودہ مسئلہ کچھ بھی حیثیت رکھتا ہو، اس سے قطع نظر ایک سبکی بات بہت اہم تھی کہ میں غلام جیلانی ہوں اور میرے ساتھ اسلم کی بھی ہے۔ ہم دونوں ہی ان کے لیے بے حد مشت رکھتے تھے۔ وہ ہم سے اور ہمارے نامزد اعمال سے متعلق واقفیت رکھتے تھے آخری واقفیت تو خود میں بھی حاصل نہیں تھی۔ پھر وہ کسی کٹر ملی کے کہنے سے یہیں کیے بھول سکتے تھے، کس طرح وہ ہم دونوں کو بچہ خوبی اپنے علاقے سے کر جانے کی اجازت دے دیتے یہ ساری باتیں میرے دماغ سے بالکل ہی نکل گئی تھیں اس گھڑی، مگر وہ آبی بہت گہری نگاہ رکھتا تھا اور ہر لمحے اس کی گھڑی کی کام کرتی رہی تھی۔ اس نے بھی اپنی چوکی سے باعث وہ اس محسوس ساعت کو ٹالنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو میری ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہمیں دہلیز لینے کے لیے دے پاؤں جھٹنے لگی تھی ہماری طرف۔

آبی اور شرافت علی نے مل کر ہندوؤں کا گھڑا اٹھایا اور اسے ایک گھوڑے کی پشت پر لاد کر مضبوطی سے باندھنے کے بعد تمام گھوڑوں کو متصل گاؤں کی طرف بانگ دیا۔ گھوڑا آدمی کی طرح بے وفاموقع شناس اور بڑے وقت میں ساتھ چھوڑ دینے والا ہوتا نہیں ہوتا۔ آبی اور شرافت علی، ان کا رخ متصل گاؤں کی طرف کر کے انھیں بانگتے تھے تو وہ بار بار پٹ کر ان لوگوں کی طرف دیکھتے تھے جنھیں وہ اپنے اوپر سوار کر کے مار مار لاسے تھے۔ ان دونوں نے بڑی مشکل سے مار مار انہیں جانچنے پر مجبور کیا تھا تب کہیں جا کر ملے تھے وہ وہاں سے۔ گھوڑوں کو بھگا دینے کے بعد بھی تم کی کامیابی و ذریعہ وہاں ٹھہرے رہے تھے اور جب ہمیں یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اب وہ لوگ کسی طرح بھی لاشاری کی حریفی پیچھے سے پیچھے ان گھوڑوں کو دلا رہے نہیں پڑ سکتے۔ تب ہم نے چلنے سے زحمت کی اجازت لی اور اس کو یہ یقین دلا دیا کہ اگر یہ لوگ دوبارہ اسے پریشان کرنے کی کوشش کریں گے تو ہم ان کی گرفتاری کے لیے جلدی اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس بار اسے سزا دیں گے انھیں کہ وہ پھر کبھی اس کی طرف کا رخ نہیں کر سکیں گے۔

"نیکس سائیں! اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔۔۔"

آپ کو اب۔ یہ جو کچھ ہوا ہے میرے ساتھ اس فلاسی غلط فہمی میں ہو گیا ہے۔ ایسا کبھی بھی ہو جاتا ہے، انسان خطا کا پتلا ہے سائیں! غلطی کس سے نہیں جوتی ہے۔ ہم گوگ بہاں باپ دادا کے زمانے سے زہم دہیں ہیں اور جہاں انسان رہتے ہیں، تھوڑی بہت آدھ پنج بھی ہو جاتا کرتی ہے۔ ان باتوں کو جتنی جلدی ممکن ہو مخلص ہی کر دینا اچھا ہوتا ہے۔ دل میں رکھ کے

نہیں بیٹھا جاتا، سچل نے کشادہ دلی کا رشتہ ہو کیا تھا۔  
 ستم بولا "آپ بالکل بے فکر ہو جائیں جیلائی، سچل  
 بھائی ہے بہار، ہمارے دل میں تو پہلے ہی اس کی بڑی عزت ہے۔  
 "وہ تو اس کی حالت سے غائب ہے۔ ایسی ہی عزت  
 کرتے ہو تم اس پر وہیں اور دوستوں کی؟ بڑی نے طنز لگایا۔  
 "کیوں نہیں شرمندہ کرتے ہو مارو! میں نے بتایا  
 نہیں، یہ جو کچھ ہوتا ہے سچل کے ساتھ اس میں ہماری مرضی  
 ذرا بھی شامل نہیں تھی۔ یہ ان پولیس کے بندوں کی کارروائی ہے  
 جو انھوں نے اپنے تجربے کی روشنی میں کی ہے۔ ستم نے  
 جواب دیا۔

"تیرا کیا خیال ہے بھائی رستم خان! کیا یہ اب دوبارہ اس  
 کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کریں گے؟ کیا اب ان کے دل صاف  
 ہو گئے ہونگے سچل کی طرف؟ انھیں اس کی بے گناہی پر یقین آ گیا  
 ہوگا؟ یہ تو ان کی فطرت کے بالکل خلاف ہوگا اگر ایسا ہوا۔  
 "اس کی تو فکر ہی نہ کر سکتے تھے اب اگر انھوں نے اتنے بھی  
 لگا یا سچل کو توبہ سیدھا کر دوں گا میں انہیں۔ وہ بولا۔  
 "زیادہ بڑی باتیں نہ کرنا، یہ پولیس والے بڑے ڈرل ٹو  
 ہوتے ہیں۔ اڑ جاتے ہیں تو اپنے باپ کی بھی نہیں سمجھتے۔ بڑا  
 تجربہ ہے یہیں ان کا اپنی زبان سے ان کوئی ایسی بات نہ نکال سکتی  
 جسے پورا کا تیرے اختیار میں نہ ہو۔" آئی نے کہا۔

"بے شک آپ ان پولیس والوں کو اچھی طرح جانتے  
 ہوں گے مگر اگر ستم کو نہیں جان سکے ہیں سائیں آپ۔ ستم جو  
 کچھ کہتا ہے اس پر عمل کرنے کی بھی طاقت رکھتا ہے۔ میری بات  
 زمانی انھوں نے تو پورا تھا نا اٹل کر لکھ دوں گا میں۔ ستم سینہ  
 تان کر بولا۔

"ٹھیک ہے، تو چہرہ اب ہم تیری صفات پر یہاں چھوڑے  
 جا رہے ہیں اس غریب آدمی کو۔ دو بار جب بھی ادھر آئیں  
 اس طرح صلیب سلامت ملنا چاہیے۔" میں نے رستم کچھ کی حاجت  
 کے لیے مزید بچا کرنے کے لیے کہا۔

"ہاں ہاں جی، بالکل۔ آپ جب بھی ادھر آئیں گے،  
 سچل آپ کا ایسا ہی ہے گا۔ ستم نے وعدہ کیا۔  
 ہم تینوں باری باری سچل اور ستم سے ہاتھ مل کر کار میں جا  
 گئے۔ اسٹریٹنگ اس بار بھی شرافت علی ہی کے ہاتھ میں تھا۔ جلد  
 ہی ہماری کار ایک بارچر شاہراہ پر دوڑ رہی تھی، کچھ دور نکل گئے  
 کے بعد آئی بولا "یہ تو ہے بہت اچھا کیا جیلائی! اس رستم کے  
 پتر کو ختم ہونا یاد رکھنا۔"

"ہاں یار! وہ آدمی مجھے اپنے ہی قبیلے کا لگتا تھا۔ مجھے  
 یقین ہے اپنے وعدے پر جان کی بازی لگا دے گا وہ۔ میں

نے کہا۔  
 "ہاں، ایسا ہی ہے وہ۔ جو اسے جگا اور کشادہ  
 ہے، ایسے لوگوں پر اتنے نیکہ بند کر کے اعتبار کیا جاسکتا ہے  
 آئی بولا۔  
 "اور اس متنازعے بارے میں کیا خیال ہے تیرا؟  
 ایسا ہی قابل اعتبار آدمی نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔  
 "ہاں ہے تو وہ بھی ایسا ہی مگر تجربات سے مستند  
 ہے اسے مصلحت کو زیادہ ہو گیا ہے وہ اس کا دل  
 مشکل ہی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر آئی، تو نے اس کے ساتھ  
 نہیں کیا، ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب یہاں  
 دن تک آٹھ نہیں کے گا ستم سے۔ لاکھوں شادی کی رخصت  
 رسومات میں بھی شریک نہیں ہو سکے گا۔ میں ایسا نہیں  
 "اوتے چپ ہو جا یار! تیری تو اب اور ڈانڈ  
 ضرورت محسوس ہونے لگی ہے مجھے۔ سارے ہی بڑے  
 ڈھیلے ہو گئے ہیں۔  
 "مجھے تو تم دونوں ہی کے پرزے ڈھیلے معلوم ہو  
 ہیں۔ اور ہانگ کی ضرورت تم دونوں کو ہے۔" شرافت  
 شرارت سے بولا۔

"اوتے تو بھی... آئی بولا "میرا مطلب ہے  
 بولنا جانتا ہے؟ تیرے نہیں جانتے زبان موجود ہے؟"  
 "متھا کیا خیال ہے؟ کیا اب تک میں تمہارے  
 سے اپنا مطلب بیان کر سکتا ہوں؟" شرافت علی نے  
 ہونے کہا۔

"تھکا تو کچھ ایسا ہی تھا میری نہیں تو کسی اور کی زبان  
 لے کر کام چلاتا رہا جو مجھے۔ دیے یہ تو تاروں پر اور ہانگ  
 تو فنادیں جناب کراچی آپ کو کم دونوں کے پرزے ڈھیلے  
 جانے کی زبردستی دے دی ہے؟"  
 "ایسی باتیں کسی کے تانے سے تو معلوم نہیں ہو  
 دیا جی بھائی! جب پرزے کھڑکی کی آواز دیتے ہیں  
 ہی جانتے ہے۔"

"اوتے کیا کہا تو نے؟ مجھے ہمارے پرزے کھڑ  
 کب سنائی دے گئے تھے اور تو نے کیا کام کیا ہے؟  
 سے کیا مراد ہے تیری؟ کیا مجھے ہانگ میں رہنے والا کو  
 ثابت کرنا چاہتا ہے تو؟" آئی بولا کر بولا۔  
 "ثابت کرنے کی کوئی بات ہے اس میں؟ سارا  
 تمہیں آئی کر بھارتی ہے، اس کا کبھی وہ نہیں فائدہ  
 نے وضاحت سے کہہ دیا تو گرمی دکھا رہے ہو مجھے۔"

میں نے اس کی کہ پرزے کام نہیں کر رہے ہیں تھا ہے؟"  
 میں نے بے ساختہ غصہ لگایا۔ آئی مجھے گھورتے ہوئے  
 بولا "تو کیوں خوش ہو رہا ہے بیٹے؟ تجھے بھی پاگل قرار دے رہا  
 ہے تیرا لڑکھ۔  
 "وہ تو ٹھیک ہے، ممکن ہے اس کا تجربہ ہی بتاتا ہو  
 ہے۔ لیکن یہ آئی کی جو شرافت ہوئی ہے، جو معلوم اس کا آج معلوم  
 ہوئے، اس کا تو پیار سے جواب ہی نہیں کوئی اس پر تو میں  
 نے ایک غور ہی نہیں کیا تھا۔

"اوتے تک نہیں سارے، اگر میرا نام بدلنے کی کوشش  
 کرتے تو بہت بڑا ہوگا۔ آئی بڑی طرح جھوٹ لگاتا تھا۔  
 میں نے اس کی اس کیفیت سے لطف اندوز ہونے  
 پر کما کما چھپا کر خود ہی بتا دے ایسا ہمارے لئے اس میں  
 فائدہ کیا ہے؟ میرا تو خیال ہے کہ اس شرافت علی نے اب بھی رعایت  
 سے کام لیا ہے تیرے ساتھ۔"

"کیا مطلب ہے تیرا؟ کیسی رعایت کی ہے اس نے؟  
 اب اس کا کیا لکھا نا چاہتا ہے تو اس طرح؟"  
 "ہر رعایت نہیں کی ہے اس نے، تجھے ہانگ کا ٹیلہ کھنے  
 کے لئے دیا ہی کر کر عزت پر بھادی ہے تیری؟"  
 "اوتے تک نہیں ذلیلانی! مجھے ہانگ کا ٹیلہ دکھائی دیتا  
 ہوں میں؟"

"میں نے کہا کہ اور کیا مطلب ہوتا ہے آئی کا۔ ذرا غور کر  
 لیا نا نام مسلم آئی ہی ہے نا۔ یعنی مسلمان ہانا چاہو؟"  
 "نہیں ہر جہان آئی اب اتنا بھی نہ گراؤ اس غریب کو، آخر اللہ  
 کی نعمت میں سے ہے اور پانی میں رہنے والی مخلوق کو بھی آئی ہی  
 کا نام ہے، اللہ تو زمین جو پانی دے کر قافان کا منت بنا چاہے،  
 اسے بھی آئی ہی کہا جاتا ہے اور ایک نا آئی ہوتی ہے جو اکثر  
 زمین میں تعمیر کی جاتی ہے..."

"آئی ایک دم غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ شرافت علی کی بات  
 کٹ کر گرجا تو چپ نہیں ہوگا سارے اسے اسٹوری "کھن پھاؤ  
 سے بڑے چٹا ہونے، مگر کھول کے ساری ر دو دوانی باہر  
 نکال کے رکھ دوں گا ابھی۔  
 وہ غصے میں آپے سے باہر ہونے لگا تھا۔ میں نے بات  
 چھوڑنے کے خیال سے اسے ڈرا سونت لیے میں ٹوکا ہنگو اس  
 نے کہ نا آئی کو تو میں رکھ اپنی بار دوسرے اس لیے میں بات  
 سے دل نازی نہیں کرتے ان کی۔"

"اور یہ تو کھن پھاؤ کر رہا ہے وہ مسنائی نہیں دیتی تھی۔  
 مگر ان سے بھول جھڑپے نظر آ رہے ہیں کیا؟"  
 "اوتے مذاق کی باتوں کر فین کرنے لگا ہے تو کیا ہو گیا

ہے مجھے؟ میں نے کچھ برا نہیں مانتا میری بات کا، میں بولا۔  
 "نہیں جیلائی! اسے کچھ نہ کہو تم۔ مجھے دوا ہے جو کچھ  
 کہتا ہے۔ یہ جھڑا تو خود میں نے ہی ہے اور جب ہیل میڈری  
 طرف سے ہوئی ہے تو میں اس کی کسی بات کا برا نہیں مانوں گا۔  
 یہ اگر کوئی صبح میرا سر توڑ دے تب بھی کچھ نہ کہنا اسے۔" شرافت علی  
 نے کہا۔

"میں نے آئی کی طرف اس خیال سے دیکھا کہ وہ جواب میں  
 کچھ کہے گا مگر شاید اسے اپنی غلطی کی احساس ہو گیا تھا۔ یہ بات  
 اس کی سمجھ میں آئی تھی کہ مذاق کی باتوں میں سنجیدہ ہو کر بے قابو  
 نہیں ہونا چاہیے آدمی کہ، لہذا وہ شرافت علی کو کھن کھن کھن کھن  
 منہ چھیر کر بیٹھ گیا اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اپنے مشتعل  
 جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اسے مزید پیشتر  
 مناسب نہیں سمجھا اور میں بھی اپنی جانب کی کھڑکی سے باہر  
 دیکھنے لگا۔

باہر دیکھتے ہوئے مجھے "سید کا خیال آ گیا۔ وہ نہ جانے کس  
 سمت نکل گیا تھی۔ پولیس کی چیپ اس نے چھوڑی تھی تھی یا  
 نہیں، اسے جلد راجا جیپ سے جان چھڑا لینا چاہیے تھا۔  
 میں نے سوچا، کیوں اس جیپ کے ذریعے زیادہ سے زیادہ  
 دور نکل جانے کے خیال سے اب تک اسے ساتھ لیے نہ جیگا  
 پھر ہی ہو، یہ اس کے لیے کی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ میں  
 نے شرافت علی سے پوچھا "شرافت علی! کچھ اندازہ ہو گیا ہے تم کھر  
 جا رہے ہیں؟ یہ راستہ کھر لے جانے کا ہیں؟"

"بس کچھ ہی دور میں شکار پور پہنچ جائیں گے۔ وہاں  
 پہنچ کر میرا خیال ہے بگڑاڑی میں رہو گے والوں کے سپرد کر دیں۔  
 وہ اسے کسی ٹرین میں لا کر کراچی پہنچا دیں گے۔ اس کے بعد ہم  
 لوگ جی ٹرین سے ہی کراچی روانہ ہو جائیں گے۔"

"ہاں، یہ تو نے بالکل ٹھیک سوچا ہے۔ میں بھی یہی  
 کہنا چاہتا تھا۔ ڈی دے پر تو مجھ جگہ پولیس کا سامنا کرنا پڑے  
 گا میں، ہم نے اس افضل بیگ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے  
 وہ اس کا انتقام لینے کے لیے بے جا نہیں ہوگا۔ موقع ملتے ہی  
 وارنٹس کے ذریعے دور دور کر پولیس کو ہمارے بارے  
 میں اطلاع دے دے گا اور وہ لوگ پتا نہیں کہاں کہاں تاکہ  
 بند کر کے بیٹھ جائیں گے۔"

"ہاں، یہی خیال مجھے بھی آیا تھا۔ اسی لیے میں نے ٹرین سے  
 سفر کے بارے میں پروگرام بنالیا ہے۔" شرافت علی نے کہا۔  
 "لیکن یہ خیال بے شک روپے کے بجائے میں سمجھ جا کر  
 ٹرین پر کڑا چاہیے۔ یہ زیادہ ہنر ہوگا ہمارے لیے۔" میں نے کہا  
 "کیوں؟ یہ کیوں ہنر ہوگا؟" سمجھنے میں تو میں

”یہ بہت اچھی بات سوچی ہے تم نے جیانی! میں بھی ان سے اچھے کا فائل نہیں ہوں بالکل بھی مگر اس کے لیے ہمیں کھنک اس گاڑی میں جانے کا ریسک نہیں لینا چاہیے۔ گاڑی کے بیک اور رنگ سے اس کے مالک کا پتا نہیں چل سکتا۔ اصل چیز اس کے تیرہ ہیں۔ ان میں سے جس نے بھی ہمیں اس گاڑی میں دیکھا ہوگا گاڑی کے بغیر وہ یاد کر لے ہوں گے لیکن ان بے چاروں کو یہ بتانا نہیں ہے کہ یہ جعلی ہے۔ ایسے موقعوں پر ہم اپنی گاڑی کی اصل نمبر پلیٹ تبدیل کر دیتے ہیں۔ ہمیشہ۔ خطرناک کاموں میں استعمال ہونے والی گاڑیوں میں یہ نمبر تبدیل کبھی نہیں رہتے دی جاتی ہے۔ اب چونکہ یہ نمبر پولیس کے علم میں آگئے ہیں لہذا شکرا پور پہنچنے سے پہلے ہی انھیں تبدیل کر دوں گا میں۔ اور ایسے خبروں والی پلیٹ کر دوں گا اس پر جس کا رجسٹریشن میرے ایک نہایت قابل اعتبار آدمی کے نام ہے۔ وہ لوگ مختار زبانی میرا نام بھی کئی بار چکے ہیں چنانچہ انھوں نے اس گاڑی کو بدلے سے پیش کر دیا کہ اس کے نمبروں کے ذریعے اس گاڑی سے اس کے مالک کا پتا کرنا بھی چاہا تو وہاں انھیں شرافت علی کا نام نہیں مل سکے گا اور بالآخر وہ ہمارے فراڈ کا کھوج لگنے کی خاطر اس شخص کو بہت تنگ بھی گئے تو وہ ایک بالکل نئے آدمی سے مل کر خود ہی شریز نو ہو جائیں گے۔ انھیں ہم تینوں میں سے کوئی بھی اس گاڑی کے ذریعے نہیں مل سکے گا۔ احتیاطاً شکرا پور پہنچ کر تم اور اب کسی ہوش میں بیٹھ جانا۔ مشین بگ گاڑی میں اکیلا ہی ہے جاؤ گے مگر انھیں یہی پتا چلے گا گاڑی وہاں چھوڑ کر ملنے والا ایک ہی شخص تھا۔ دوسرے ہم لوگ شکرا پور سے ٹرن میں سوار ہونے

”ہاں بھائی! اس لعین ہی کی وجہ سے یونیاں برباد رہی ہیں۔ ذہین لوگ ہی تو نڈیا ہیں اس کی“

شرافت علی نے گاڑی سڑک کے ایک کنارے پر گاڑی کے اس خفیہ خانے سے جہاں ہتھیار وغیرہ چھپا کر اس نے دو نمبر پولیس نکال کر کار کے آگے اور پیچھے دو پولیس منبروں والی پولیس نکال دیں اور ان کی جگہ دو پولیس لکھنے کے بعد دوبارہ کار آگے بڑھا دی۔ وہ ایک جرائم پیشہ تنظیم کا رکن تھا، اس کے پاس وسائل کی کوئی کمی تھی۔ ہر وقت ہر قسم کے حالات سے دوچار ہونے کو وہ تیار رہتے تھے۔ اس معاملے میں اسے ہم پر برتری حاصل ہو سکتی تھی۔ اس نے وہی سیلاب کو روکنے کے لیے سیلاب تیار نہیں کرتے تھے۔ دن اور رات طوفانوں اور سیلاب تیار کر رہے تھے۔

”ہاں، یہ بات ٹھیک کہی ہے تم نے۔ آجائے دو اسے  
مجھ اتنی دیر میں کوئی قسمت واقع نہیں ہو جائے گی ہماری“  
”لڑائی خیل ہے میرا بھی“ آئی نے کہا ”پھر وہ  
لوگ سے بولا ”ہمارا ایک ساتھی اور آ رہا ہے انجی۔ اس  
کے ساتھ ایک ٹھہر جایئے۔ وہ آجائے تو تیرے اس جھول میں  
کھنکھہاتے کھنکھاتے سامان موجود ہے سب لاکر ڈھیر کر دینا  
ہا۔ اسے سچ کہنا“

ہو چل کا ہنگامہ دیکھ کر بولا: "میں سائیں! ایسا نہیں  
 بولو۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ یہ تو خوشی کی بات  
 ہے، ہمارا دل سیل ہوئے گا تو ہم پریشان کیسے ہوئے گا۔ میں جی  
 نہیں، میں بالکل پریشان نہیں ہوتا ہوں اس بات سے۔"  
 میں نے مڑا رہے آبی کو دیکھتے ہوئے کہا: "ابھی تم  
 بہت خوش سمجھ رہے ہو لیکن مال دینے کے بعد جب تمہیں کچھ  
 ملے گا نہیں تب پتا چلے گا تمہیں کہ اس کا کہنا مان کے خوش ہوتا



ہے آدمی یا پیشان ہوتا ہے۔ پیسے نہیں دے گا یہ تمہیں کھانے کے؟  
 ”کیوں جی؟ ایسا کہے ہو کتنا ہے پیسے کیوں نہیں دیں گے؟ اچھے چلے شریف آدمی کتنے ہیں کتنے تو یہ؟“  
 ”آدمی تو یہ بڑے نہیں ہیں مگر اس اٹھارہ کھانے کی عادت پڑ گئی ہے انہیں۔ ان سے پوچھ بیٹھے ہیں ان کے پاس میں نے کہا۔“

”نہیں جی! میں رہنے دیں آپ، چنانچہ لگیا مجھے مذاق کر رہے ہیں آپ، اپنے دوست کو پریشان کرنا چاہتے ہیں؟“  
 ”دیکھا تو نے؟ شام خان؟ سارے لوگ بے وقوف نہیں ہوتے، یہ سمجھ گئے ہیں میرا مطلب کیا ہے، اب پیری باتوں میں نہیں آئیں گے۔ تو کچھ بھی کتا رہا تو ہمیں کھانے کے، اسے ملا دیں گے۔ سہان جو موٹے ہم ان کے؟ آئی نے سینہ پچھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔“

مجھے اس ہوش والے کی حالت پر ہنسی آ رہی تھی۔ بے پردہ عجیب صورت حال سے دوچار تھا اس گھڑی۔ زبان سے وہ آئی کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں نکال رہا تھا جس کیلئے اعتباری بات کا اظہار ہوتا ہو لیکن صورت سے اس کی بے چارگی اور بیوقوفی بیک رہی تھی۔ صاف بتا چل رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر یقین بالکل رکھتا ہے مگر آئی نے جس لمحے میں اس سے بات شروع کی تھی وہ انہیں اس کے دل میں خوف ہی کر رہا تھا، وہ اس سے بڑی طرح غافل دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بظاہر وہ ایسا آدمی دکھائی نہیں دیتا تھا کہ کسی کے سخت لہجے یا بگڑے ہوئے تیور سے خوفزدہ کر سکیں مگر آئی کی ایک ڈانٹ نے اسے بالکل چوہ بنانے لگا تھا۔ یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی اس طرح بھی۔ دو ہی باتیں سمجھ میں آتی تھیں، یا تو وہ لائی جھگڑے سے بہت ہی خوفزدہ بننے والے لوگوں میں سے تھا۔ جھگڑے کے تصور ہی سے اس کے کانچیں کانپنے لگتی تھیں یا پھر وہ ان اعتباری رومری صفت لوگوں میں سے تھا جو بظاہر ایسا ہی اعتبار کر کے دشمن کو اپنے پسندیدہ میلا۔ نہ لے جاتے ہیں اور اس طرح گھیر کر مارتے ہیں اسے کہ چکر لگنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا دشمن کے لیے۔

شرافت عمل کے آتے ہی ہمارے سامنے کھانا لگ گیا۔ گو یہ کہ۔ یہ طاقت نہیں تھی انعام کے ہاتھ بچنے کو تھے۔ اس وقت غموں کیوں میں یا تو کھانا ملتا ہی نہیں ہے اور اگر کہیں مل بھی جائے۔ وہیں کچا ہوا، خشک اور بڑبڑاتا ہوا ہے۔ جسے آدمی شہدہ۔ اس میں ہی ہمارے کرنے پر مجبور ہوتا ہے لیکن اس نے ہمیں مگر فرم اور مہمانیت لہجہ کھانا دیا تھا اس وقت بھی۔ ہم نے

خوب میر جو کھانا کھانے کے بعد چائے پی اور چائے کے بعد آٹھ گھنٹے ہوئے۔ عین اس وقت جب ہم ہوش والے لوگوں کے پیسے دے رہے تھے، ایک جوان رشتہ جو میں دیکھ رہا تھا اور اگر ہمارے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔ آئی نے اپنی بیٹی اور اپنے سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر ہوش والے کو طرف بڑھ کر ہوشے کمانے لیے یا تو بھی کیا یاد کرے گا کوئی اتنی آیتنا ہوش میں تیرے؟

ہوش والے نے نوٹ ہاتھ میں لے کر لڑکے کو رازدار اور بولا لے بیٹا، ذرا سو کا کھانا تو دے کجا بے جلدی سے؟ آئی آگے بڑھتے ہوئے بولا نہ نہیں بھائی! کھانا لڑکے کی ضرورت نہیں ہے۔ رکھ لے یہ نوٹ اس نے پاس ہوش والا ہٹا لگا ہوا کہ آئی کو دیکھنے لگا۔ میں نے غمزہ کر کہا کہ رکھ لے بھائی! اسی زمانہ وہ اور دشمن کر اس نے وہ کرنے کی کوشش نہیں کی تیرے ساتھ شاید اس کی وجہ یہ تھا کہ وہ کھانا جو تو نے نہیں کھلا ہے اس وقت بے حوصلہ بڑھتا ہوش والا ہٹتا ہے ہوئے بولا نہ مگر... مگر... وہ کھانے کے... پیسے صرف... پچیس روپے بنتے ہیں؟

”اوئے کیسا انوکھا چلنے پھرنے والا ہے اگر یہ اپنی خوشی سے پچیس کے بجائے سو روپے دے دے تو کتنے کیا اعتراض ہے اس میں؟ اگر تو نہیں کھانا تو لایا مجھے دے دے؟“ نوادہ بولا نے یہ کہنے ہوئے نوٹ ہوش والے کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ہم غیلوں میں سے کسی نے اب تک تجربہ نہیں دیا کہ اس کی اس حرکت پر میں نے ہلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ کوئی بائیس چوبیس برس کا لمبا ترنگا چھوٹا جوان تھا۔ باؤں کا ٹھکانا خاصا مضبوط لگتا تھا وہ۔ چہرے پر اس نے بڑی گھٹی مٹی کی پال کی تھیں، جن کی وجہ سے وہ بے مبالغہ لگتا تھا۔ ہم نے غصوں سے ڈرا اور ہلک سا ہنسا ہنسا کر رکھا تھا اور اس اور پیارہ رنگ کی بی بڑی سی پاؤں لپیٹ رکھی تھی۔ ہوش والا کے بڑی ہی خوبصورت تھے وہی جوانی تھی۔ مجھے اپنی طرف سے پاکر وہ مسکراتے ہوئے اپنی خوبصورت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ میرا ”تیرا نوٹ اسے تو نہیں ہوتا جوان! یہ بڑا ہی بٹکے خون کا ہے۔ آئی کو کچھ دیتے ہوئے سامنے والے کی اوقات بھی لینا چاہیے؟“

”تیری اوقات کیا ہے پارے بھائی! ذرا قنارت کرنا۔ ہمیں بھی تو تپا چلے کر تپے کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔ تعارف مذہبی پوچھ چڑھا یا یہی بہتر ہے تیرے حق میں تعارف کرنا تو تیرے پیرا نہیں سیکھ گئے زمین سے نہ وہ بولا۔ ”اچھا، پھر تو ہم ضرور واقفیت حاصل کریں گے۔“

یہ جوان کی تو میں بہت تلاش تھی جو باؤں زمین پر چاڑھے ہوئے۔ یا! ہم بھی تنگ آچکے مسلسل سفر کرتے کرتے۔ ایک جگہ کے کھڑے ہو جانا چاہتے ہیں ہم بھی؟  
 ہوش والا جلدی سے بولا کہ ان کے متھے نہ لگو بھائی! یہ ایک میں اس شہر کے۔ حاکم جی جی یہاں کے؟  
 میں نے سرے باؤں تک اس جوان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”حاکم یہ بد معاش ہے اسے اس علاقے کا؟“

”ایک ہی بات ہے بادشاہیہ شہر کے اصل حاکم کو لوگ بد معاش ہی کہتے ہیں، پر حکم اس بد معاش کا سامنے ہیں سب۔ کیوں جانو؟ غلط تو نہیں کہا ہے میں نے؟ حاکم تو سر کوئی۔ میں سمجھا ہے بد معاشی پر ایک کے پس کا لنگ نہیں ہوتی۔ یہ بڑی نہیں کر سکتا۔ بیویں قنارت بھی کر دیتا ہوں اپنا۔ نام میرا اسم آئی ہے۔ مٹا ہو گا کبھی تم نے اخباروں میں بہت آتا رہتا ہے۔ ابھی دھپتے پہلے پڑی کی چیل تو ڈکرا یا ہوں میں غلام جیلانی کی بہن آسیر کے ساتھ؟“

اس کے اس قنارت نے توجہ میرے زیر زمین سے چکادے تھے۔ میرے تو دم و گان میں بھی نہیں تھا کہ منہ کے اس شرکار پر یوں کوئی ایسا جوان بھی ہو گا غلام جیلانی اور آئی کے نام پر اپنا مسکرا چلا رہا ہو گا۔ شرافت علی نے میرا ہاتھ تھام کر لے لے لے لے... یاد یہ کیسا ہے؟ یہ کیا سن رہا ہوں میں؟ تم...“

میں نے اس کی بات کاٹ دی وہ چپ ہو جانا! یہ تو معاملہ ہی کچھ اور نکل آیا ہے۔ یہ تو لڑائی گرا ہی جان ہے؟ پھر میں نے آئی کو آواز دی جو ہوش سے باہر سے دوڑ کھڑا ہمارے نکلے کا انتظار رکھنا تھا۔ وہ ابھی ہی بہرہ زارہ، ادھر تو... ایک ایسے شور مارتا آدمی سے ملے بغیر ہی چلنا جا رہا ہے۔ ذرا ان سے تعلقات تو کرنا کر؟

آئی قسے جھنجھلاتے ہوئے ہماری طرف بڑھا اور بولا۔ ”کیوں فقوں وقت رلا کر رہے ہو یا! ہمارے پاس ٹھوٹل کرنے کا وقت نہیں ہے۔ کیا تم جانتے نہیں ہو یہ بات؟“  
 ”پتہ ہے پتر، پتا ہے سب کچھ مجھے، مگر ادھر آ کے اس جوان سے مل۔ اس سے مل کر وقت ہی وقت نکل آئے گا تیرے پاس بھی۔“

”اچھا! ابی کوئی اس اہم شخصیت ہے یہ ذات شریف، نہ تو جلال مجھے؟ آئی نے قریب آ کر اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”تو نے انہماں میں غلام جیلانی اور اسم آئی کے نام تو پڑھے؟  
 ”نہاں وہی باؤں ہمارے مشہور غنڈے اور ڈکیت بہن کی گرفتاری

کے لیے ملک بھر کی پولیس جگمگ مارتی پھرتی ہے؟“ میں نے آئی کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔  
 ”ہاں ہاں! انہیں کون نہیں جانتا، مگر اس وقت ان کا کیا ذکر نکال لیا ہے تو نے؟ کیا انہیں نظر آئے ہیں وہ مجھے؟“  
 ”ہاں! ایسا ہی ہو گیا ہے۔ یہ جوان جو یہاں کھڑا ہے، اس کو جانتا ہے تو؟“ میں نے جسے آئی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔  
 آئی پھر انہیں بجا بجا کر اسے دیکھنے لگا۔ بولا۔ ”کیوں تو غلام جیلانی تو نہیں سمجھتا ہے؟“

میں نے کہا۔ ”نہیں، غلام جیلانی تو نہیں ہے یہ میرا اس نے اپنا تعارف اسم آئی کے نام سے کر لیا ہے مجھے؟“  
 ”اوئے! شام خان! اچکی تو نہیں ہو گیا ہے تو؟ یہ آئی کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ادھر کہاں سے آجائے گا کیوں جیلانی ہی جھوٹ بول رہا ہے؟  
 ”نہاں! ایسے ہی سالے کا دماغ چل رہا ہے کبھی کبھی تم بڑا ماننا اس کی کسی بات کا؟“

”یہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ میں اسم آئی ہی ہوں تو اس فیض محمد سے پوچھ سکتے ہو؟ اس نے ہوش والے کی طرف اٹھل اٹھا کر کہا۔“ اسے یقین نہیں آ رہا ہے فیض محمد! تو بتا دے اسے کون ہوں میں؟“

فیض محمد بولا۔ ”ہاں کئی ٹھیک کہتے ہیں۔ اسم آئی ہی نام ہے ان کا۔ کچھ لاپرواہ کچھ بچہ جانتا ہے انہیں۔“

”اچھا! تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔ ویسے میری آنکھیں ہی بات آتی نہیں ہے برادر! میں نے تو جی چند روز پہلے ہی کسی اخبار میں پڑھا تھا آئی کے لیے میں کروہ راولپنڈی جیل سے غلام جیلانی کی بہن آسیر کے ساتھ قنارت فرار ہو گیا ہے۔ شاید کسی بہت بڑے آدمی کے قتل کا مقدمہ چل رہا تھا ان دونوں پر کسی خلاف کا زمیندار تھا شاید وہ آئی نے ان سے معصومیت سے کہا۔“

”ہاں! تم ٹھیک کر رہے ہو۔ وہاں سے نکل کر میں اور اسیر سب سے ادھر ہی آئے ہیں، کیونکہ غلام جیلانی اب یہاں شرکار پوری میں آ کر آباد ہو گیا ہے اور اس شہر پر اب اسی کا راج ہے۔ ملک ہے وہ اس شہر کا؟“

آئی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ دھا کر بولا۔ ”بڑی خوشی ہو رہی ہے برادر! اس وقت مجھے۔ میری دل خواہش تھی تم دونوں سے ملنے کا! اور وہ آسیر کہاں ہے؟ اس سے ضرور ملانے بھائی جی مجھے۔ اس شہر کی کو دیکھنے کے لیے بہت دل کرتا ہے۔ میرا۔ کیوں بھائی ملا سکتا ہے اس سے مجھے تو۔ میں ہے نا وہ بھی۔ تمہارے ساتھ ہی اسی شہر میں؟“

”ہاں جی! کیوں نہیں ضرور ملا سکتا ہوں۔ مگر تم ہو کون؟ کہاں سے آئے ہو؟ اس نے آئی سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

آبی نے گرم جوشی کے ساتھ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا: "ہم ہمارے ہیں۔ یہ بار غلام جیلانی کے۔ ہمیں لے تو چل اس کے پاس پہنچا۔ ایک بار غلام سے ہمیں اس سے وہ دیکھتے ہی فوراً پہچان لے گا۔ اپنے مائے کو پہچانتے سے انکار نہیں کرے گا۔" آبی کی بات سن کر اس کے چہرے کا رنگ جھپکا ہو گیا۔ وہ کچھ پریشان سا نظر آئے لگتا تھا۔ "میں نے اس سے کہا کہ گھبراہٹ سے نہ کی کوئی بات نہیں ہے جان! پریشان نہ ہو۔ ہمیں ساتھ لے جانے پر غلام جیلانی اور آسیر باکل ناراض نہیں ہوں گے، بلکہ وہ خوش ہو جائیں گے۔ تو ان کی ناراضی کے ڈر سے ہی پریشان ہونا ہے نا؟ تو اس کی بالکل فکر نہ کر تو!"

"ٹھیک ہے جی جی!.... وہ چانک ناخوش ہو کر مجھے گھونٹے لگا۔ شاید اسے ایک دم ہی احساس ہوا تھا کہ ہم اس کے ساتھ کوئی کیسی کیسی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ایک دم بھوک کر بولا: "اے کیا بھوکا لگا کر بھی ہے تم لوگوں نے؟ ابھی تو واس پر زانے کو سمجھا رہا تھا کہ غلام جیلانی اور آبی لاہور کے ذکیت ہیں! اخبار میں تم نے نام پڑھے ہیں ان کے اور اب یہ پیر زادہ غلام جیلانی کا ماں بن گیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اے کھوتے دانت پر سمجھیا لے کٹساں مینوں؟"

"اس میں سمجھنے والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے بچے! تو خود ہی ثابت کر رہا ہے یہ بات۔ تو نے نوٹ کیوں چھینا تھا اس سے؟ تو کے چنے! تیرے ملے کا ماں ہے یہ جسے یوں جھپٹ لیا ہے تو نے اس کے ہاتھ سے؟ میں نے ایک دم تھوڑا بل کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے تم لوگوں کی موت کچھ چھین لاتی ہے تمہیں ادھر شکار پور میں؟ وہ آستین پڑھاتے ہوئے بولا۔ فیض محمد نے ایک بار پھر دروغ کی "چھوڑیں آبی پہلوں! معافی دے دیں! انھیں سبے چارے مسافر ہیں! جانتے نہیں ہیں آپ کو!"

"تو چپ ہو جا فیض محمد! ابھی جان لیں گے یہ مجھے۔ ایسی پہچان کراؤں گا انھیں کہ زندگی بھر بھول نہیں سکیں گے چھوڑ۔ وہ بولا۔

"تو کہہ رہا ہے کہ ابھی پہچان بھی کرا دیا اپنی مگر پہلے وہ نوٹ داپس کو فٹ لیتے ہیں نے حقیر! میرا انداز میں کہا۔ "نوٹ تو اب میں تجھے ہی دے دوں گا۔ یہ بے سنبھال لے" وہ تیزی سے میری طرف جھپٹا۔

آبی نے اسے مجھ تک پہنچنے کی مہلت نہیں دی اس نے میرے قریب آنے سے پہلے ہی اس کی مڑکڑکے لے ایک طرف جھپٹ کر دیا۔ وہ ایک گرم سی ہمارا کچھ لگا لیکن اس نے دھار اٹھنے میں ایک لمبے کی بھی دیر نہیں کی۔ وہ اچھل کر اٹھا اور غضبناک

انداز میں آبی پر چاڑھا، مگر وہ اپنی تنہا میرا مارا سلم آبی اس سے اُسے اپنے دونوں ہاتھوں پر روک کر کسی ٹکے سے بچنے کی طرف دوڑا۔ اچھا! دیا اس مرتبہ میں وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہ سکا۔ فرش پر جا گرا تھا۔ اب سبھی کچھ قفل آگئی تھی۔ یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے خالی ہاتھوں وہ آبی کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ اس نے سڑک ہی لپٹے شلوار کے نیچے سے شہر نکل کر ہاتھ میں لے لیا۔ نہایت سفاکانہ انداز میں آبی کو گھونٹتے ہوئے اطمینان کے ساتھ اٹھ کر اس کے مقابل آکر بولا: "تیرے تو میں مٹا دے گی کروں! مکتے سمجھا کھائے تو نے؟ لاشیں گرادوں گا میں تم سب کی تمھاری موت ہی اگلی ہے اب!"

وہ خنجر تول کر چپے کیسی چھرتی کے ساتھ آبی پر آیا تھا۔ اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ میں نے حرکت کی تو آبی پر چارہ مارنے کے لیے اس کا ہاتھ اٹھنے سے پہلے ہی بری کر دیں۔ میں اچھا کرتا تھا۔ ہاتھ بکرتے ہی میں نے ایک لمحے میں اپنا مخصوص استعمال کر ڈالا۔ وہ چٹ کھائے ہوئے میں کی طرح ڈھکائیے بیٹھا چلا گیا۔ میں نے اس کا وہ ناکادہ ہوجانے والا ہاتھ فوراً بچھوڑ دیا تھا۔ وہ اس ہاتھ کو اپنی ناکوں کے درمیان ڈاکر بیچ کر اس کے چہرے سے درد و کرب جھپک رہا تھا۔ میں نے فٹنگ ٹو سے کہا: "اگے بڑھ فیض محمد اور اس لشکے کی جیب سے نوٹ نکال لے اپنا۔ سالار! تیرا کٹان سمجھو! ہاتھ اپنے آپ کو۔ آبی کے ہاتھ رعب میں لینا چاہتا تھا جہاں!"

فیض محمد نے اس حال میں دیکھ کر بھی اس کے قریب جا کر اس کی جیب سے نوٹ نکال لینے کی ہمت نہیں کر پاتا تھا۔ بولا۔ "چھوڑیں سائیں! آپ نہ پڑیں اس پتھر میں۔ یہ ہمارا آپ کا معاملہ ہے۔ یہ سسہ کوئی بنا نہیں ہے۔ ان پہلوں کو لوگوں کو خرب تو دینا ہی ہوتا ہے۔ میں اکیلا تو نہیں دیتا ہوں۔ سارا بازار ان کا حقہ لگتا ہے۔ یہ حفاظت بھی تو کرتے ہیں ہمارے کاروبار کی!"

"اچھا تو غنڈہ ٹیکس وصول کر رہے ہیں یہاں! غلام جیلانی نے دھندلا کر شروع کر دیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایسا نہ کہیں جی جی! یہ غنڈہ ٹیکس نہیں ہے، یہ تو پہلوں کا خرچہ ہے۔ یہ خرچہ دیتے ہوئے ہمیں کوئی سال سے زیادہ ہو گیا ہے شروع شروع میں جب یہ لوگ ادھر کتے تھے تو ماچھی نا ہی ہوا۔ کاراج تھا پورے شکار پور پر۔ وہ ہر دوکان دار سے غنڈہ ٹیکس لیتا تھا پھر بھی ہمیں تنگ نہ کرتا رہتا تھا۔ مار پیٹا دھوکا دھاتا تو روز کا معمول تھا اس کا۔ کبھی کسی کو ان میں گھس کے پورا رکھتا تھا کرتا تھا۔ بہت تنگ تھے جی ہر لوگ اس سے بچتا تھا۔ اس کی پس اور آبی پہلوں آگے یہاں ہاتھوں نے باجی اور اس

کے مینوں کو مار مار کے نکال دیا شکار پور سے۔" اچھا! اس کے بعد یہ خود تو لوگوں سے غنڈہ ٹیکس وصول کرنے لگے۔ پہلوؤں کے خرچے کے نام پر، میں نے کہا۔

"دو تین جی! آپ نے غلط سمجھا ہے۔ یہ تو بنا چاہتے تھے یہاں سے لیکن ہم لوگوں نے خود ہی روک لیا۔ انھیں۔ میں نے ڈر تھا کہ ان کے ہاتھ سے بعد اچھا داپس آکر لڑی تا ہی جیسا کہ شہر میں بہنے خود ہی اچھیں پیش کش کی تھی کہ ان کا ہر خرچہ ہم لوگ برداشت کریں گے۔ میں نے ہاتھ کا دربار کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔ بڑی مشکلوں سے گئے تو تیار ہوتے تھے؟"

فیض محمد نے عجیب ہی کمانی مٹائی تھی۔ اس کی باتیں سن کر مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نادار لاشی میں زیادتی کر بیٹھا اس نقل آبی کے ساتھ، محاس میں میرا اتنا زیادہ قصور بھی نہیں تھا۔ اس نے جب آبی کے نام سے اپنا تعارف کرایا تھا تو میرے دل میں بھی خیال آیا تھا کہ ان لوگوں نے میرے ادراک کے نام سے فائدہ اٹھا کر اپنا بدعاشی کا کاروبار جھاکا ہے۔ شکار پور میں۔ یہ جاننے کے بعد میری گول میں خون ابلنے لگا تھا۔ کنپٹیاں جل اٹھی تھیں۔ میری کوئی اپنے اعمال کی سیاہی میرے منہ پر مل دے۔ یہ میں کیسے بدست کر سکتا تھا۔ میرا اپنا اعمال نامہ میری جھپکے کی توار کا ہاتھ کا اس میں دردوں کے بحر انجھی اپنے حساب میں ڈال لیتا تھا۔ میں نے کہا۔

"میرا بیٹا سمجھیں نہیں آتی فیض محمد! اگر تیرا جان درست بیان لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے تیرے ساتھ دماغوں کے انداز میں چھوڑ کیوں کی تھی؟ وہ نوٹ کیوں چھین لیا تھا تیرے ہاتھ سے؟"

"میرا خیال ہے پہلوں نے آپ لوگوں کو ماچھی کا بیچا ہوا سمجھا ہو گا۔ وہ لوگ ابھی کبھی کبھی اگر ان سے اپنے لیے کوکشتش کرتے رہتے ہیں۔ وہ خوف کی ناک میں ہیں، شکار پور والوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے مجھے جیسے جیسے نوٹوں کو واسی طرح نہیں دیتے رہتے ہیں، جس طرح آپ نے مجھے کھائے کے چارگانا دیے تھے۔ پس اسی بات نے پہلوں کو مشکوک کر دیا تھا آپ کی طرف سے۔ آپ نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے سائیں؟ یہ تو بہت تکلیف میں معلوم ہوتا ہے۔ پھر تو نہیں نوٹ گئی ہاتھ کی؟"

"میں میرے بھائی، چڑی شادی بالکل نہیں ٹوٹی ہے، بہن! بڑا بڑا کھل گیا ہے کسی کا، میں نے اسے جواب دے کر کہنے کہا: "میں نے پیر زادہ، یہ تو معاملہ ہی دوسرا نکل آیا ہے اب کیا کہنا ہے تو؟ میرا تو خیال ہے میں ہی ڈال دیں اس فٹے پر!"

"نہیں بار! کیا کہہ رہا ہے تو؟ یہ قصہ مٹی میں دبانے کے

قابل تو نہیں ہے۔ اس کے کچھ سر پر کہ تو جتا کر چاہا ہے یہ نہیں آبی بولا۔

"خواہ خواہ وقت برباد کرنے کا فائدہ کچھ نہیں ہے ادھر ہمیں نقصان بھی کیا پہنچ رہا ہے اس سے؟ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ابھی انگریز پہنچ رہے ہیں کوئی نقصان تو آگے حل کر کبھی پہنچ سکتا ہے۔ یہ بات اگر عام ہوگی، کچھ اور بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے تو ہم تو کہیں کے بھی نہیں ہیں گے یاں در بات کو سمجھنے کی کوشش تو کرنا اور اس کی اہمیت کا اندازہ کر کچھ۔"

"ہاں! یہ تو نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ مرض بڑھ گیا تو جان لے لے گا کہ جاری۔ اس کا علاج تو ضرور کرنا چاہیے۔ میں نے آبی سے اتفاق کیا۔

شرافت علی بولا: "کیا مطلب ہے تمھارا؟ کیا اب تم اس کی مزید خوشامی کرنے کا ارادہ کر رہے ہو؟ مگر اس سے کیا حاصل ہوگا تمھیں؟"

"اس کی خوشامی سے تو واقعی ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا میرے بھائی! اس کے لیے آنا ہی کافی ہے بس۔ یہ ایک ڈور ہی بہت دنوں تک یاد رہے گا۔ آبی کا کہنا ہے کہ کچھ چلتے چلتے ہم اس ذات شریف سے بھی شرف ملاقات، ہم حاصل کرتے چلیں، جس کی پشت بنائی اسے حاصل ہے۔ ہم بھی تو دیکھیں جی! وہ کوئی اللہ کا ایسا نیک بندہ ہے جو شکار پور والوں پر سیاہ کیسے دیکھتا ہے۔ میں نے کہا۔

آبی نے اپنے ذہنی کیٹ کے قریب جا کر کہا: "ہاں تو بار بار کہا تو ہماری آنکھوں کو غلام جیلانی کے دیدار کا شرف بخشنا پسند کرے گا؟"

اس نے آبی کو کڑے بتوں سے گھورتے ہوئے کہا: "کیا چاہتے ہو تم لوگ مجھ سے ذرا سیدھی سی بات، دو دو میں بات کرو!"

"اچھا! ہماری زبان سمجھ میں نہیں آتی ہے تیرے حالانکہ میں نے اردو ہی میں کہا ہے کسی اور زبان کا کیا نہیں لگا پاس ہے۔ خیر تو اگر نہیں سمجھ سکتا ہے تو اس زبان میں یوں سمجھو کہ ہم تیرے بار غلام جیلانی سے ملنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں اس سے پاس لے چل!"

"کیوں؟ کیوں ملنا چاہتے ہو تم جیلانی سے؟ میرے ساتھ یہ سلوک کرنے کے بعد تم سمجھتے ہو تمھارا نا بعد از ہوگا ہوں۔ تو ہر کچھ کو کہو، میں بے ہوش ہوا مگر ان لوگوں کا وہ سب کچھ تم نے غلط انداز لگا پاس ہے میرے ہاتھ میں!"

"تو تو براؤ خواہ ہی زباناں رہا ہے، حالانکہ ساری غلطی

تیری اپنی ہی تھی۔ ٹوٹے اگر وہ بد معاشرے والا انداز اختیار نہیں کیا جو تو اس کی نوبت کبھی نہ آتی، بلکہ ہمیں یہ بہت ہی نہیں چلتا کہ اس چھوٹے سے شہر شکار پور میں دولہے مشہور و معروف شخص بھی رہتے ہیں جن کے تذکرے ہم اکثر اخبار میں پڑھتے رہے ہیں، جیسے کہ تھے دیے ہی خاموشی سے گزر جاتے اس علاقے سے۔ اس اعتبار سے تو یہ محلو سود مند ہی ہوا ہے ہمارے لیے۔ اب دل سے غبار دھو دے برادر۔

”یہ ابھی بات ہی ہے تو نے جان! میرا ہاتھ کھانکے کے کتابے، یہ سود مند ہو اسے اور چاہتا ہی ہے کہ میں دل سے غبار دھو دوں۔“

”چھوٹا یاد دل میں ہمارا کچھ کیسا ہے تو اتنی سی بات کو جو ان مردوں والی باتیں کر جاتی، ایسی گرمی نرمی تو ہوتی ہی رہتی ہے اور یہ چھوٹی موٹی بوئیں تو نوجوانوں کی بہت اور حوصلے کے لیے میسر ہوئی ہیں، جیسے کہ قافزینہ سکھاتی ہیں یہ۔“

وہ جہت سے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے بولا: ”کمال ہے کبھی اتیری تو باتیں ہی عجیب ہیں یاد! تو بندہ کس قبیلے کا ہے؟ میں نے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا: ”تیرا میرا انقبیلہ ایک ہی ہے۔ ہم قبیلہ ہم، ہم دونوں اور اپنوں کی کوئی بات دل میں نہیں رکھی جاتی۔ زیادہ کھڑے بیچ نہ ڈال یار جی، چل لٹھ کھڑا ہو جا اب اور ہمیں اپنے پار کے پاس سے چل، آگھ میرا درنا ہوا ہے! فیض محمد نے بھی بیری ہاں میں ہاں ملائے ہوئے کہا: ”جی نہیں ہوں اب جی! غصہ نہ کر دیں، جیسے لوگ لگتے ہیں یہ، ملا دیں انھیں غلام جیلانی سے! قدر دیاں ہیں یہاں کے۔ نام سننے ہی کے لیے بیٹھیں ہو گئے ہیں ملنے کے لیے۔“

وہ اٹھتے ہوئے بولا: ”ٹھیک ہے، چلو آؤ میرے ساتھ۔ مگر ایک بات تو میری۔ اسے جیب سے معلوم ہو گا کہ تم نے میرا ہاتھ اکٹھا ہے تو وہ تینوں میں کے ہاتھ کٹوا کے کتوں کے آگے ڈالو گے۔“

گافضان پہنچانے والے کو کبھی معاف نہیں کرتا ہے وہ۔

”اچھا! ایسا منتظر مزاج آدمی بھی ہے وہ؟ جیو کوئی بات نہیں، اس سے ملنے کی یہ قیمت بھی دے دیں گے ہم نے۔“

وہ اٹھ کر باہر جانے لگا تو آئی نے اسے روک کر کہا: ”جانے سے پہلے وہ ٹوٹ جی دیتے چلو فیض محمد کو تاکہ جھگڑا ختم نہ ہو جائے۔“

فیض محمد ہلدی سے بولا: ”نہیں جی! اس کی ضرورت نہیں ہے اس بات کو دوبارہ دہرائیں آپ، رہنے دیں گے۔“

”تو عجیب فیض محمد! یہ ہمارا اصول ہے، ہم جہ جھگڑا ختم کرتے ہیں کسی سے تو اس کی بنیادیں تک اکٹھا پھینکتے ہیں۔“

آئی نے کہا۔

”لیکن ہمارا بھی ایک اصول ہے۔ ہم جہ تک اپنے اوپر ہاتھ اٹھانے والے کو ہاتھوں سے محروم نہیں کر دیتے۔“

نہیں ہیں اسے! نقلی آئی نے نفرت سے کہا: ”اوسو کا ٹوٹ کال کر فیض محمد کی طرف پھینکتے ہوئے بولا: ”اسے رکھ لے فیض محمد! میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔“

فیض محمد نے ہلدی سے جھجک کر ٹوٹ اٹھا لیا اور غصے سے اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بولا: ”آپ کی مرضی ہے سہ ماہی آپ خوشی سے دیتے ہیں تو میں رکھ لیتا ہوں خوشی کے ساتھ۔“

نہیں کر دیں گا میں آپ کو اور ان جھیلے لوگوں کو معافی نہ دیں سہ ماہی آپ تو بڑی مہربان ہو گئی۔“

”چپ ہو جا جس بات سے تیرا واسطہ نہ ہو اس میں ہمارے ذرا یا کرنا ہی۔“ پچھتائے کسی دن بہت! وہ ڈھٹکتے ہوئے بولا۔

ہم سب فیض محمد کے ہونے سے نکل کر ڈھکی بٹھکی قیادت میں ایک طرف تیز ترین قدم اٹھانے لگے۔ اسے ہم نے اپنے درمیان لے لیا تھا۔ وہ اپنے صحیح سلامت ہاتھ سے اگلے ہونے ہاتھ کو یوں سمارا دیے جن ہاتھ کھلتے ہوئے اس ہاتھ کو ٹھیس پہنچے۔ کوئی دس منٹ بعد وہ ہمیں لیے ہوئے ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گیا۔ یہاں دو دونوں طرف دو دو تین تین منزلہ مکان تھے جنہیں سرخ رنگٹوں سے بنایا گیا تھا۔ گلی کا فرش بھی انہی رنگٹوں سے پتھر کیا گیا تھا، گلی کے دونوں طرف مکانوں کی دیواروں کے بال ساتھ گندے پانی کی کھاسی کے لیے نالیاں بنائی گئی تھیں۔ پوری گلی نہایت صاف ستھری نظر آ رہی تھی، کوڑے پکڑے گندے گلیاں کہیں نشان تک نہیں تھا۔ گلی کے اندر گلیاں ساتویں یا آٹھویں کے دروازے پر پہنچ کر اس نے دروازے کا کٹھن کھڑکا دیا ایک منٹ سے بھی کم وقت میں دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا یہ نہایت ہی فربہ اور ضعیف العمر شخص تھا۔ اس کے جسم پر ڈھیل ڈھالا لباس تھا اور بدن کی کھال کسی بوڑھے اور کڑواہٹھی کی گلی کی طرح خشکی ہوئی تھی۔ کبھی اس کے جسم پر تانا گوشت ہا ہوا کہ وہ شخص گوشت کا پھل معلوم ہوتا ہو گا یقیناً وہ اپنے زمانے میں پہلوانی کرتار ہا ہو گا اور سب ڈیل ڈول کا وہ مالک تھا اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہ تھا کہ اس نے بٹے بٹے شہر زوروں کی پشت زمین سے لگا دی ہوگی، بڑا نام کیا ہو گا! وقت میں، لیکن اب تو اس کے جسم و جان کی نشاندہ عمارت ہو چکی ہو کر کھنڈر معلوم ہونے لگی تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر ہونے ضعف سے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا: ”کون ہے؟“

کیا بات ہے؟

ڈھکی بٹھکی آئی نے آگے بڑھ کر دروازے میں قیام دھتے ہوئے کہا: ”یہ میں ہوں بابا جی جیلانی تو اندر ہی ہے؟“

”ہاں ہاں... پتھر آئی تو اتنی ہلدی کیسے مڑا،“ خراجہ دھول ہو گیا ہے کیا...؟“

وہ بابا جی کی بات کاٹ کر بولا: ”یہ کچھ پرفتنے آئے ہیں بابا جی! جیلانی نے ملنا چاہتے ہیں یہ۔“ پھر وہ ہم سے بولا: ”آج آؤ، آندر آج آؤ جیلانی اندر موجود ہے۔ بابا جی کے ساتھ چلو تم لوگ، یہ اندر تھیک ٹھیک ملے جا کر ٹھیلے کا ٹھیکیں۔ میں جیلانی کو لانا کہتا ہوں۔“

وہ اندر چلا گیا۔ ہم نینوں بابا جی کے پیچھے ہو لیے۔ اس نے ہمیں ایک کشادہ اور صاف ستھرے کمرے میں پہنچایا اور بولا: ”اگر بیٹھو جانا! اور یہ بتاؤ کچھ کھانے پینے کی حاجت تو نہیں ہے، اگر ہو تو لے جھجک بول دو! اپنا ہی گھر سمجھو لے جی۔“

”آئی بولا: ”نابا جی، مہربانی ہے آپ کی۔ ہم ابھی کھانے کی رہی آئے ہیں ادھر۔ آپ تکلیف نہ کر کوئی۔“

”ماہانوں کی آؤ جھجکت میں تکلیف، ایسی بات کہتے رہے تو جو ان؟ وہاں تو رحمت ہوتے ہیں رب کی، انہیں رحمت سمجھنے والے بڑے بد نصیب ہوتے ہیں بچے! کہاں سے آئے ہو تم لوگ؟ اس شہر کے تو میں لگے ہو مجھے۔“

”آپ نے ٹھیک کہا ہے بابا جی، کراہی سے آئے ہیں ہم۔ ہمیں پہلے بتا ہوا کہ اس شہر میں غلام جیلانی بھی آ سکا ہے تو ہم کہیں اور جانے کے بجائے ادھر ہی آئے اور آپ کو ماہانہ وازی کا موقع ضرور دیتے۔“ میں نے رسائی سے کہا۔

”اچھا اچھا۔ تم لوگ بیٹھو ادھر، کوئی مزدور تو آواز دے کر بلا لینا مجھے۔“ یہ کہہ کر وہ دائیں طرف ایک دروازے میں چلا گیا۔

وہ کہہ کر ہمیں وہ ہمیں پہنچا گیا تھا، اتنا بڑا تھا کہ اس میں ہکاں آئی ایک وقت بیٹھ سکتے تھے۔ پورے کمرے میں سفید پارخ ماندی کا فرش بچھا تھا اور چاروں طرف دیواروں کے ساتھ کھانکے لگے ہوئے تھے۔ ہم اندر داخل ہو کر بیٹھنے کے لیے بیگ کا انتخاب ہی کر رہے تھے کہ دروازے پر باہر میں کر دھڑکے۔ وہ ڈھکی بٹھکی آندر دروازے کے ساتھ کھڑا کھڑا تھا۔ یہ وہ قاتلوں کے بیٹے تھیں نے میرا ہاتھ اکٹھا ہے۔ تینوں سے مل کے بے بسی کو ہاتھ مجھ، درد ایک اکٹھا ہوئی کہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا بے سانس۔

وہ کہہ رہا تھا! اس میں آنکھیں چلائے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جس سے وہ غلبہ تھا۔ وہ جی ان حیران دروازے میں کھڑا ہی رہ گیا تھا اس کی نظریں کبھی آئی پر جانتی تھیں اور کبھی میرے۔ ہم نینوں ہی کے لیے کہ نہایت حیران کیا تھا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اس کے روز میں یوں اس کے دو بڑا کھڑا کرے کہ وہ بڑی جھجکی آئی کو یہ گمان ہوا تھا کہ اس سے ہماری اگلی ملاقات

اس طرح ہوگی چند تانے ہکا ہکا ایک دوسرے کو دیکھتے رہنے کے بعد آئی جہت میں ڈھکی آواز میں بولا: ”اوسے یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟ میری آنکھیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں کہیں؟ یہ تو جی ہے، جیلانی! ہاں وہ جیلانی ہی تھا! آئی کا دوست جیلانی، پورے ایک تانہ اور بھارت کی سرحد پر واقع گاؤں! میری اہلی زرگری کی آڑ میں کھنگل کر نے والا جیلانی، جس کے گھٹیں ہم نے اس وقت پناہ ہی تھی جب میں اور آئی ڈھول صاحبہ رحم کو تلاش کرنے کے لیے بھارت کی سرحد میں گھسنا چاہتے تھے، اس جیلانی نے ٹاسا ساتھ دیا تھا اس وقت ہمارا۔ وہ ایک دم تیزی کے ساتھ آئی کی طرف پکا اور قریب جا کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگاتے ہوئے بولا: ”میرے یاد میرے بھائی! آئی! تو کہاں تھا یار جی! اور کچھ جھجکتا کچھ کھانا کھا ہے تو؟“

وہ ڈھکی بٹھکی آئی جواب تک جیلانی کی گرم ہونٹیں پر ہی رہی۔“

ہو رہا تھا، اس کی زبانی آئی کا نام میں کر رہی طرح ہو گیا تھا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں ہو گا کہ جب وہ کچھ دیر پہلے تک دھکیاں دیتا رہا تھا، وہ اجنبی دراصل دی شخص ہے جس کے نام پر وہ شکار پور میں سراٹھا کر چلا رہا ہے۔ چند لمحوں کی سے بغل گیر رہنے کے بعد جیلانی بھری طرف بڑھا تو میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکنے ہوئے کہا: ”وہیں رک جا جیلانی! میرے قریب آنے سے پہلے یہ بتا دے مجھے کہ تو نے یہاں اپنی کان چکانے کے لیے ہمارا نام کیوں استعمال کیا ہے؟ ہماری رسوائی کا سبب کیوں بنائے تو؟“

وہ میری طرف بڑھتے بڑھتے روک کر کھڑا ہو گیا اور شہر منہ کر کے عالم میں مجھ سے نظریں اُڑاتے ہوئے بولا: ”میں بہت شرمندہ ہیں جیلانی! یہاں اچانک حالات ایسے پیش آ گئے تھے کہ مجھے نہایت عجلت میں یہ فیصلہ کرنا پڑ گیا۔ تم یقین کر دو برادر! میرا ارادہ مستقل طور پر اس نام کو استعمال کرنے کا باطل نہیں تھا مگر ایک بار یہ نام استعمال کرنے کے بعد میں اس کی وجہ میں ایسا پھینسا کہ پھر کل ہی نہیں سکا۔“

آئی نے چوک کر اسے دیکھا اور بولا: ”اوسے ذلیل آدمی! تو یہ تو بے جوہر غلام جیلانی بنایا تھا ہے، یہ جلد دیا ہے تو نے ہمیں یاری کا؟“

”میں نے کہا،“ اس حالات نے مجھ کو دیا تھا مجھے اور پھر یہ بھی اعتماد تھا کہ تم میری اس جہاد کا زیادہ برا نہیں مناؤ گے۔“ وہ بولا۔

”یہ کیسے سمجھ لیا تھا تو نے؟ کیا تیرے خیال میں ہم ایسے ہی آدمی تھے کہ جس کا بھی جی چاہے ہمارے نام سے اپنی بدعاشی کی کان سجالے بیٹھ جائے۔ ہم تو زمین تنگ کر دیں گے ایسے

"جھوٹ بولنے والی کوئی بات ہی نہیں ہے، میں سب

’ابھی‘ میں زرگر کا کام کیا کرتا تھا لیکن اصل میں میرا کام درج ذیل ہے۔

ابھی تک میں پرچم نہیں سکے ہیں اس کے۔ ادھر اس پاس کبھی یاسین، صبیح کوٹ، رستم اور لکھی وغیرہ میں جھنگنا چھڑ رہے اس علاقے میں پہلے ہی بڑے بڑے نوخوار لوگ موجود ہیں۔ ان کے سامنے ماچی کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اتنا ہی دم ہوتا اس میں تو یہاں سے کیوں بھگاؤ؟

”اس کے جانے کے بعد تم نے جگہ بھنگالی اس کی اور پہلوانوں کے خرچ کے نام پر غنڈہ ٹیکس وصول کرنا شروع کر دیا؟“

میں نے کہا۔

”نہیں، ایسا نہیں ہے۔ ماچی کو بھگانے کے بعد میراں کے لوگوں نے جہن شتر ہزار دیے دیے تھے، حالانکہ انھوں نے وعدہ پچاس ہزار کا کیا تھا مگر جب وہ پیسہ جمع کرنے نکلے تو ان کے پاس شتر ہزار دو پیسہ جمع ہو گیا۔ انھوں نے وہ سارا کا سارا لاکھ میرے سامنے ڈال دیا۔ جب مجھے پتا چلا کہ وہ پچاس ہزار کے بجائے شتر ہزار دیے گئے ہیں تو میں نے اپنے کلادو باری اصول کے تحت زیادہ رقم انھیں واپس کرنا چاہی۔ انھوں نے وہ رقم واپس نہیں لی اور میری اس بات سے اتنے متاثر ہوئے کہ میں یہیں رہ جانے پر مجبور کرنے لگے۔ ان کا کہنا تھا اگر ہم چلے گئے تو ماچی دوبارہ میراں آجائے گا اور اس مرتبہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ پریشان کرے گا ان لوگوں کو۔ ان کی یہ بات نہایت مناسب تھی۔

یہ تو یہی جانتا تھا کہ ہمارے شکار پورے علاقے ہی ماچی واپس آجائے گا چنانچہ میں نے یہیں رہ جانے کا فیصلہ کر لیا، یہاں ٹکے میں میرے لیے کوئی خطرہ بھی نہیں تھا، ویسے یہی سوچ لیا تھا میں نے کہ اگر کسی وقت خطرہ محسوس کیا میں نے تو فوراً کراچی کے لیے کوچ کرنا اور کراچی کے ہر بانی سے اب تک اس کی نوبت نہیں اس کی ہے۔ یہاں کے لوگ ہمارا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔ رہنے کے لیے شاندار مکان دے رکھا ہے انھوں نے ہیں۔ اور ضرورت کی ہر چیز خود بخود پہنچا جاتے ہیں۔ یہ باہمی کبھی جرم مشور پہلوان ہو کر آتا تھا۔ اب اپنی عمر کے آخری دن گزارنے میں آج چلا آیا ہے اور میراں کے فوجیوں کو پہلوانی کا فن سکھا رہا ہے تاکہ وہ لوگ غنڈوں اور بدعاشوں سے اپنے علاقے کا تحفظ کر سکیں۔ ماچی نے اپنے زمانے میں سے بھی بہت تنگ کیا ہوا تھا۔ یہاں آنے والوں کو مارنا بیٹھنا تھا جس کی وجہ سے کوئی تنگ نہیں پاتا تھا یہاں۔ اب میں نے انہیں موقع دیا ہے کہ وہ باہجی سے کچھ سکھ کے کسی قابل بن جائیں۔ یہ اپنا فیاد بھی شاکر ہو گیا ہے اب جی کا شہر کے دکان دار میراں پہلوان کیلئے کے لیے آنے والے ہوں گا سارا خرچ اٹھائے ہیں۔ ہر دکان دار پہلوان کے خرچ کے لیے حسب حیثیت جو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ کوئی زور و زبردستی نہیں کی جاتی نہ کوئی رقم مقرر

تھی گئی ہے۔ اس میں جو کچھ بھی وصول ہوتا ہے ان ہی ہوں گے خرچ کر دیا جاتا ہے جو باہجی سے پہلوان کیلئے ہیں۔ اس پر بھی بناؤ جیتا۔ اس میں تمھاری نیک نیت ہی ہے یا رسوائی؟“

”یہ تو نیک نیت ہی ہے کہ کام پر مگر یہیں اتفاق طور پر ہو گیا ہے سب کچھ تم نے جب ہمارا نام استعمال کرنا شروع کیا تھا، اس وقت تمھارے ارادے نیک نہیں تھے۔ تم نے شادی سوچ رکھا تھا کہ ماچی کو میرے نام سے خوف زدہ کر کے یہاں سے کرالینے کے بعد تم خود اپنی جدو جہد ہارٹ کا قلم لکھ گے، اس طرح ایک معقول آمدنی اور بہترین تباہ کاہ مل سکتی تھی۔“

اس دوران ایک لڑکا کھنڈی بوتلیں لاکھیں پھرا لگاتی وہ بوتل سے ٹھنڈے مشروب کے چند گھونٹ لے کر بولا میراں ساری صورت حال میں نے تمھارے سامنے دکھادی ہے جو حالات پیش آئے تھے اس کی ایک ایک تفصیل بیان کر رہا ہوں اب بھی اگر تمھارا اطمینان نہیں ہو سکا ہے تو تم جو سزا چاہو مجھے دے سکتے ہو میں تیار ہوں اس کے لیے لیکن تمھیں وامرطہ سوچنے رہا کہ میری تبت پر مشتبہ نہ کرو یار! میں لاٹوں کے بلے میں کوئی بُرا خیال نہیں لکھتا دل میں۔“

شرافت علی بولا۔ ”جیلانی! اس کی باتوں میں جانی ہے میرا خیال ہے درگزر سے کام لینا چاہیے تمھیں۔ یوں ہی رہو تمھارا دوست ہے، اتفاق تو اسے حاصل ہے کہ نازک وقت میں دوستوں کو از دے۔ اگر وہ قریب نہ ہوں تو ان کے نام سے فائدہ اٹھاؤ۔“

”اوسے شرافت علی! اس کی باتوں میں آگیا ہے تو اب نہیں ہے ابھی تجھے کچھ اس کے بارے، بڑا غصہ تھا ادنی ہے۔“

”اوسے آبی! یہ تو کہہ رہا ہے میرے بلے میں؟ میں نے کیا خیانت کی ہے میرے ساتھ؟“ جھیل جھیل سے بولا۔

وہ آبی کی زبان سے اپنے بلے میں ایسے ریاکس میں لگے لگا تھا اس کا خیال تھا بھگتدے پوری طرح یقین تھا کہ اس کی دوا سن کر میں اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سوں گا یا اس کے ساتھ اس نے اپنی صفائی میں اتنی لمبی داستان سنا لی تھا لیکن آبی کے یہ چند الفاظ اس کے اثرات کو زائل کر سکتے تھے اس کا گھبراہٹا فطری تھا۔ میں نے اسے کسے زیادہ پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ شرافت علی نے درست ہی کہا تھا کہ میرے وقت مشکل گھڑی میں اسے ہمارا نام استعمال کرنے کا حق حاصل تھا۔ کر کے اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا اور پھر اس کے اس عمل ہمیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا تھا۔ لہذا میں نے آبی کو تنگ کر کے انداز میں کہا۔

”بک نہیں اوسے آبی شتابی! یاروں کے بلے میں کیا

نہیں نکالنا چاہیے تھے۔ شرافت علی ٹھیک کہتا ہے۔“ پھر میں نے جیل سے کہا۔ ”اور وہ سب کچھ کیا ہے۔ وہ تو بیوی بھی نا تیری! جیل سے کہیں ہی گئی ہے وہ؟“

”بہن یار! اس عورت ذات کا بھی کوئی سہو سام نہیں ہوتا۔“

میں نے کہا، بن جائے۔ بیوی تو وہ بھی بیٹھے کو تیار ہی نہیں ہوتی میری حالانکہ عثمان میں بڑی محبت میری باتیں کیا کرتی تھی موجب میں اُسے دہاں سے نکال لایا تو نکاح کرنے پر راضی نہیں ہوتی تھی کہتی تھی، پتے میں کم از کم میٹرک کروں۔ اب یار میری عمر سی ایس نے کہ اسکول میں داخلے لوں میں؟ اور وہ اس کے بیکس میں ملتی تھی تھی۔“

”اور ایسا ذلیل آدمی ہے کہ بغیر نکاح کے ہی اسے بیوی خواہ کرنا یا لوگوں کے سامنے۔“ آبی نے کہا۔

”صرف ظاہر ہی کہتا تھا، سمجھا تو نہیں تھا نا کبھی ایسا۔“

”کسی آبادی کے درمیان ایک جوان لڑکی کے ساتھ رہنے کے لیے اس سے کوئی ایسا رشتہ بھی تو ہونا چاہیے جس کی بنا پر لوگ انہیں ساتھ رہنے کا حق دے سکیں۔ اس کے بغیر ہم کہاں کہتے تھے ایک ساتھ؟“

”یہ کوئی ضروری تھا کہ تم لوگوں کے سامنے اسے بیوی ہی ظاہر کر دے، جس کو بتا سکتے تھے اسے اپنی؟“

”ہاں لڑکھائی لیکن اگر وہ مجھ سے نکاح کر لی، تب پھر میں کہا کرتا لوگوں سے۔ یہ کہ میں نے بہن کو بیوی بنا لیا ہے، اسے کچھ تو سوچ سمجھ لیا کہ یار بولنے سے پہلے کیا بالکل ہی جھوٹا سمجھا ہوا ہے کہ کوئی بیوی تیری؟“ جیلانی آبی کا مذاق اڑانے لگا تھا۔

مجھے بھی ہنسی آگئی تھی آبی کی اس بات پر میں نے کہا، ”یار! اپنی جیل میں تھوڑے کے دوران تیرے سر کے اندر وہی تھے لڑکی تھوڑے جوت گھنٹی سے معلوم ہوتا ہے اسی منہ پر شہید کی وجہ سے تو کبھی بھی بچنے لگتا ہے۔“

”اچھا اچھا! کوس نہیں کرنا ہے۔ تپا ہے تیری دماغی حالت کا سمجھ جانا ہوں کہنا فرما دے تو آبی جیل پر کر بولا۔“

میں نے جیل سے کہا۔ ”پھر کیا ہمارا؟ تو بھگتدے، لعنت بھیج اس کی کوس پر۔“

وہ بولا۔ ”میں اسے دلا سے دیتا رہا کہ جلد ہی میٹرک کروں گا۔“

نیا میرا یہ تھا کہ جب بلے والے دین کر مجھ کو میرے ساتھ لانے کے لیے ملے گی آبی سے تو اب جیل کے کمان۔ تنگ کر کے ایک دن تھوڑے سے خود ہی دستبردار ہو کر نکاح کے لیے رضامند ہو جائے گا، اس بلے میں نے کبھی اسے مجبور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اسے کچھ دل وجان سے چاہتا تھا اس لیے کسی بھی صورت

میں اس کی دل آزاری کرنا نہیں چاہتا تھا، اس پر جہز تو میں کرتی نہیں سکتا تھا، چنانچہ ابھی میں اس کی طرح رہتے رہے لیکن جب یہاں شکار پور میں آکر آج وہ جیل سے تو اس نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ مجھے اس بات پر یاد کر دیا کہ یہاں میں اسے لوگوں کے سامنے بیوی کے بجائے بہن ظاہر کروں۔“

”اچھا، کمال ہے! تم جو جیسے لگاؤ آدمی کو بھی بکڑے دیا اس نے، ایسا کیسے کر لیا کبھی؟ بڑی پلٹ باز گئی ہے وہ تو مجھے؟“

آبی سے خاموش نہیں رہا، ”وہ پھر دیران میں بول پڑا تھا۔“

”تو نے کسی سے محبت نہیں کی بیٹے! محبت کرنے کا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ چالاک ترین آدمی بھی ایک بھولی جھالی معصوم صورت لڑکی کے سے کس طرح آؤں گا تاہم یہ عشق میں آدمی کی عقل لگا کر اسے لگتی تھی ہے۔“ جھیل بولا۔

”تم نے اسے سمجھا یا نہیں کہ میں جہاں ظاہر کرنے کے بعد ہم لوگ نکاح کس طرح کریں گے؟“ میں نے پوچھا۔

”کہا تھا میں نے اس سے یہ سب کچھ اور اس کا جواب اس نے جواب دیا تھا، اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔“

”ایسی کیا بات کہ دمی تھی اس نے؟ جس نے تجھے جواب کر کے رکھ دیا تھا؟“ میں نے دریافت کیا۔

”اس نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا میرے سامنے، حنا صاف کر دیا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کے بلے میں سوچ بھی نہیں سکتی ہے کبھی۔ اس نے اپنے لیے جیسے جیون ساتھی کے خواب دیکھے ہیں، ان میں کسی جگہ بھی میں فٹ نہیں ہوتا ہوں، اس نے بنایا۔“

”اچھا! جرت ہے یا ایسا کہہ دیا اس نے۔ پھر وہ میرے ساتھ گھر سے کیوں بھاگ آئی تھی؟“ میں نے سوال کیا۔

”وہ اپنی سوئیلی ماں کے مظالم سے بہت پریشان تھی اور ان پریشانیوں سے نہایت حاصل کرنے کے لیے اس نے مجھ سے دوستی بڑھائی تھی۔ اس کی بات بھی غلط نہیں ہے یار! میں نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی تھی کبھی، سوچا ہی نہیں تھا کہ کچھ اگر وہ میرے ساتھ شادی کر لے کیسے کیوں نہیں کرتی ہے۔ اس نے ہمیشہ اللہ اور رسول کے واسطے دے دے کہ یہی کہا تھا مجھ سے کہ میں کسی بھی طرح اسے اس کے ماں باپ کے گھر سے نکال کر کہیں بھی لے جاؤں۔ میں اگر شادی کی بات کرتا بھی تھا تو خوب صورتی کے ساتھ مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں لگا کر اس قفسے کو گول کر جاتی تھی۔ میں ایسا لگا رہتا تھا یار کہ میں نے کبھی یہ یک سوچنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ اگر مجھ میں ایسی کون سی خوبی ہے جس کی وجہ سے اس جیسی حسین و جمیل لڑکی مجھ پر یوں مڑی ہے۔ صورت شکل میرے پاس نہیں ہے۔ چہرہ میرا بچکے کے لٹاؤں

کی وجہ سے مسخ ہو کر رہ گیا ہے، علمی کی دولت سے بھی محروم ہوں۔ کام میں وہ کرتا ہوں جس میں زندگی ہمیشہ سولی پر لٹنی معلوم ہوتی ہے۔ پس سینے میں ایک محبت بھرا دل ہے جس میں اس کی چاہت کا تیز ذوق تھا۔ اسے میں نکال کر دکھانیں سنا تھا۔ بولنے بولنے اس کی آواز میں لرزش پیدا ہونے لگی تھی۔ میرے اس خلوص اور محبت کے شدید جذبے کی وہ محترف ہے جیلائی! اور اسی کی وجہ سے اس نے مجھے ایک بہن کا یاد دینا منظور کر لیا ہے۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔ کسی بھی شکل میں یہی اس سے تعلق تو قرار ہے نا میرا! اس کے سوا مجھے اور چاہیے بھی کیا ہے؟

”واہ بیٹے! کیا صادق عشق ہے تیرا؟ بات خوب سوچی ہے تجھے، اگر تجھ سے پہلے کرنے والے عشاق کو بھی سوچ گئی ہوتی تو آج پہلی جنوں شیریں فراد، بہر انجھا، مرزا صاحبان اور سو ہیروئینوں میں سے کسی کی بھی داستان عشق یوں زبان در خواص دام نہ ہوتی۔ بڑے بے وقوف تھے وہ جو ایک دوسرے کے لیے مرٹے بہن جیلائی بن جاتے تو یوں غم و اموں کے ہاتھوں غوری سے بچ جاتے۔ آبی تھے ہنسنے ہوئے کہا: خوش قسمت ہے بیٹے تو اگر ذرا جیوگ جاتا تو مستقبل میں کوئی فلسفہ از سہل جیل کے نام سے فلم بنانا لانا۔“ مذاق ذکر آبی تیرے جیسے آدمی کے سمجھنے والی بات نہیں ہے۔ یہ تو سمجھ ہی نہیں سکتا محبت ہے کیا ہے؟ ”جیل بولا۔

”یہ نہ کہہ جیل جیلائی! اس معاملے میں تو آبی کا مقنا نہیں کر سکتے گا۔ تو ایک ہی سے عشق کر کے دل پر بیٹھا ہے جبکہ اپنا بار آبی ایک دن میں دو دو عشق کرنے کے بعد بھی زندگی کو زندگی ہی کی طرح برت رہا ہے اب تک عشق کرنے کی عیسیٰ شوق لے رہا ہے اور کسی کو مشکل ہی سے ہوگی۔ اماں جیسی مشہور اداکارہ ایک دم بلائی پھر تھی اس کے پیچھے پیچھے۔ پس ایک بار ذرا سنی پوٹ ہوئی تھی اس کے ساتھ۔ دو عشق و گردن نے اسے عشق و غزہ و ادا کا ایسا کرشمہ دکھایا تھا کہ بہت دلوں تک دینا امر ہو گئی تھی اس کے لیے۔ دن اور رات کی تمیز اٹھ گئی تھی اس سے۔ مگر محبت اس نے پھر بھی نہیں ہاری پیارے، اچھی صورت دیکھ کر اب بھی جیلائی اٹھتا ہے دل سینے میں اس کے کیوں آبی! غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں نا میں؟ غلط کموں لوٹ کر دینا مجھے؟“

”اوہے بکواس نہیں کر پوڑا! بھول نہیں سکتا سالے تو اُس واقعہ کو؟ بڑی گتھی شے ہے بھئی یہ غلام جیلائی زلیلائی تو اس کی باتوں میں نہ آنا جیل، یہی شراب کو دیتا ہے یہ آدمی کی۔ دور رہی رہنا اس سے؟ آبی نے جیل کو سمجھا یا۔

”تو ٹھوڑی دیر بار بار تیرے حق پر ڈاکا مارنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں تو بس سر پرستی چاہتا ہوں اس کی“ جیل بولا۔

”یہ بکواس کرنے لگے تو؟ سر پرستی حاصل کر سکتا تو اس کی! اسے تو خود گیری و دعاؤں اور تعادوں کی ضرورت ہے سبے بیشیہ۔“

”ہاں بھئی جیل! تو بھی اس کی آئینہ واد حاصل کر سکتا کو شش کر، بڑا سا دھوست قسم کا آدمی ہے یہ گیگ پوڑا سمجھا ہے تو؟“

”زبان بند کر دے اپنی سالے ہندو ناس کر کے اسے تو مجھے حالاکہ خود امریکا سے اپنے عقائد تبدیل کر کے اپنا آبی بولا۔

”اچھا! تو تم اس عرصے میں امریکا تک ہو آئے ہو؟ تو یار وہ تو ہماری شخصیت بین الاقوامی ہو گئی ہے۔ جیل پرست سے بولا۔

”میں نہیں گیا تھا جیلائی! یہ تیرا سیلاب صفت جیلائی! پارسل ہو گیا تھا ادھر۔ سلا سلا سینہ چوڑا کر کے پھر رہا ہے ادھر لوگوں کے دریا بن چکا ہے، چاہے تجھے، ایک عورت بتدل نہ کہ ساو لے گئی اسے امریکا کی ریاست سان فرانسکو تک۔ بڑی شکل سے نجات ملی ہے۔“

”ہیں؟ میں کیا سن رہا ہوں جیلائی! کہیں جھوٹ تو نہیں کہ رہا ہے یہ اس کی سم بات پر اعتبار نہیں آتا ہے مجھے؟“

”نہیں یار! ٹھیک ہی کہہ رہا ہے اس وقت تو یہ کہ لوگوں نے دھوکے سے..... بانڈ لیا تھا مجھے بڑی صورت حال تھی وہ بھی ہمیشہ یاد ہے گی۔“

”اچھا! ہوا کیا تھا یار! کچھ مجھے بھی تو بتاؤ؟ کون لوگ تھے جو تمہیں اس طرح بانڈ لے گئے تھے؟“ جیل نے جھست میں مبتلا ہو کر پوچھا۔

”میں نے جواب دینے ہی جا رہا تھا کہ ایک انسان اواز نہ ہمیں جوڑ کا دیا۔ آبی بھی جان آئے ہیں اور مجھے خبر تک نہیں کہ تم نے جیل؟“

”میں نے جو تک کر دو روز اس کے طرف دیکھا۔ وہاں وہ سرفقامت، شام گل دھنک کے سالے ہی رنگوں سے سج گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دیے سے جلنے دکھائی دے رہے تھے اور لب شیریں ہر شوق مسکان نے غصے سے بھلا کر رکھے اسے دیکھتے ہی میں بے ساختہ اپنی جگر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آبی! آئیں سب دلچسپ، شکر ہے اس سوہنے رب کا آج آپ کا دیدار نصیب ہوا۔“

”واہ جناب! کیا بات کہی ہے آپ نے، کیا حسن ظنیہ کا۔ حالانکہ ادھر ابری سے واپس میں بھی گزر ہوا جو کچھ بڑا ایک بار رخصت ہو جانے کے بعد کبھی خیال نہیں آتا جو کچھ

کو ہمارا میں تو حیران ہوں کہ آج ادھر کیسے قدم اٹھ گئے آپ کے؟“

”ایسا کہیں سنبھ! آپ لوگ بھی کوئی بھولنے والی شے ہیں وہ! میری آپ لوگوں کی گمان نوازی تو کبھی بھولی ہی نہیں سکتا میں۔“

وہ اندر قدم دھرتے ہوئے بولی۔ ”جی ہاں میں بھی وہ آپ کی مرغی بولنے کی ترکیب بھول نہیں سکی ہوں۔ جب بھی مرغی بولنا ہوتی ہے اسی ترکیب سے بڑھتی ہوں، بڑی آسانی سے ہاتھ آجاتا ہے اور مرغی بس سے بھی بوج کاتی ہوں، اسے بکیر پڑھنے کو کہنا بھی بھولتی۔ کیوں جی سر پر زاوہ! آپ نے بکیر یاد کر لی ہے یا اب تک جھٹکے کی مرضیاں ہی کھا رہے ہیں؟ وہ آبی کو دیکھ کر کھلا کھلا کہہ رہی تھی۔

اس کے ہنسنے کا انداز ذرا بھی نہیں بدلتا تھا۔ زندگی ہنسی فوٹی کرانے کی وہ ہمیشہ ہی قائل رہی تھی۔ میں نے ابری میں بھی اسے یوں ہی فضا میں جلتے رنگ کی مٹھرا آداریں بکھرتے دیکھا تھا، جاذبی کی کھنٹیوں کی یہ کھنکھاتا ہٹ وہاں بھی بہت فنی تھی میں نے اس کی ہنسی میں یہ فنی اب بھی موجود تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہاں میں اس نے فنی کے لئے سن کر ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ میں نے بڑانے کے لیے پھر پھر اپنا شروں کر دیے تھے مگر اس غمزدہ پن، فنی کی سن کو سمجھنے میں غلطی کر گیا تھا میں، جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ پورا رے پہلے اس نے پکڑ دیا تھے میرے۔ مجھے میرے ہی کپڑے سے زبرد کر کے پرسمٹ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ آج میں اس کے سر میں یوں گرفتار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ یہاں میں ہوش کھواں میں کھول بھی ہاتھ سے چھڑا نہیں جاتا تھا۔

آبی نے اس کی بات پر زبرد و قہر لگائے کہا۔ ”بڑی زبرد باداشت ہے لی تیری۔ وہ بات ابھی تک یاد رکھی ہے تو نے۔ میرے بھائی، دیئے اس دن کے بعد پھر کبھی میری مرغی زنگ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آسکی ہے۔“

”یہ بہت اچھا ہوا! اس طرح کم از کم بھی جان کا ایک ان تو سلامت رہ گیا ہو گا۔ آپ کے ایمان کا تو مجھے یقین ہے سلامت نہیں رہا ہو گا۔“

”میں بھی جیل! سنبھال کے رکھو اسے عورت ذات کے سامنے مجھے زبان پر کڑوا کر کیسے کہنے دے۔ اسے بھی مشق تہم کے بیٹا ملی رکھائی دیا ہوں؟“

”میں تمہارے درمیان میں نہیں بول سکتا جیلائی! مجھے تو تم معاف ہی کر دھو۔ میں کیا جانوں؟ تم لوگوں کے درمیان کہ کچھ ہونا رہا تھا اس روز۔ تو آج ہی چاہتا ہوں کہ تم نے بکیر بکیر..... بکیر مرغی کو بچ کر رکھی تھی اس روز؟“ جیل نے ہنسنے ہوئے ہنسنے صاف کہا لیا۔

شرافت علی بولا۔ ”یہ آبی! ایک بات مجھے بہت حیران کر رہی ہے۔ یہ آخر کچھ شخص نہیں ہیں کیوں کبھی تیار ہے؟“

”تو آجی جو کچھ بندری رکھ، پتا ہے مجھے؟ کم نہیں ہے تو بھی لی جالو۔ جنگل ڈال کے معصومیت سے پوچھتا ہے؟“

آگ کیسے گئی ہے؟

”میں نے کہا۔ اسے نہ چھوڑ زیادہ جانی شرافت! اپنی عزت کا خیال کر کے خود ہی کیوں کھڑا نہیں پتھر پینک رہا ہے۔“

میری بات پر سب ہی قہقہے لگنے لگے۔ آبی تھی سے بولا۔ ”یار! کی بیٹیوں سے باری لگا بیٹھا ہے آبی تو بھی۔ ایسا ہی صدمہ لگے گا تجھے رزوں کو نہ رنڈ گانے کا۔ اتنا کر گیا ہے تو۔ لڑکیاں بالیاں بھی ہنسی اڑنے لگی ہیں تیری اب!“

جیل جلدی سے بولا۔ ”دل کیوں تھوڑا کر رہے بار! کس میں بہت ہے جو بھلی اڑانے تیری۔ خود کو نہ اڑاؤں گا میں۔“

”میں نے کہا۔“ دفع کرو یار! لعنت بھیجو ایسی باتوں پر جن سے میرے یار کی دل شکنی ہوتی ہے اور جن بھی جیل! اب تو یہاں شکار پور میں پھر دھری بن کے بیٹھ ہی گیا ہے تو ایک کام میرا بھی کرنے بار! آپ بیٹیں نا سنبھال لی۔ میرا خیال ہے آسیر کا ردل آپ ہی کر رہی ہیں یہاں؟“

”آپ بیٹیں بھئی جان! میں آپ لوگوں کے کھانے۔ پینے کا انتظام کروں گا کہ۔ یہ جیل سنبھ تو بس لے دی اہی ہے! اس نے مجھے خبر تک نہیں کی کہ آپ لوگ آئے ہوئے ہیں۔ میرا بیانی کے آداب تک بھلا ہے میں اس نے یہاں اگر؟“

”بیٹیں سنبھ لی! اس کی باغی رحمت ذکر کریں آپ۔ خوب کھا لی کہی یہاں پیچھے مجھے ہم لوگ اور جیل کو کہہ نہ خود ہی منع کر دیا تھا کھانے پینے سے۔ پریشان داخل دھونا یہ گھر ہے ہمارا، جس چیز کی ضرورت ہوگی ہم خود مانگ لیں گے آپ سے۔“ میں نے کہا۔

”یہ تو آپ نے اچھا نہیں کیا بھی جان! جب آپ کو یہاں آنا ہی تھا تو باہر سے کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ سنبھالنا اتنا انداز میں بولی۔

”بات یہ ہے کہ ہمیں آپ لوگوں کی یہاں موجودگی کا پتا ہی اس وقت چلا جب ہم کھانا کھا چکے تھے۔ پہلے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا تو ہم ایسا ہرگز نہیں کرتے۔ آپ کے ہاتھوں کی لذت چھوڑ کر ہم بھول میں کھانا کبھی چھوڑ نہیں کر سکتے تھے۔“

”اچھا ٹھیک ہے رات کو سنی رات کے کھانے میں کیا پسند کریں گے آپ! ابھی سے بتاؤں تاکہ اس کا انتظام کروں میں۔“ وہ بولی۔

”دیکھیں! اب اس پکڑ میں نہ پڑیں! ہم زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔“

گئے یہاں ہمیں جلدی ہے بہت۔ آج ہی کراچی پہنچنا ہے، بس کچھ ضروری باتیں جمیل سے کہے ہم شخصیت جو بائیں گئے، ویسے اب ہم نے یہ کھردر کچھ ہی لیا ہے۔ آئندہ جب بھی ادھر آئے یہیں ٹھہریں گے۔

”اچھا ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی“ یہ کہتے تھے اس کی آنکھوں کے دیرپے بچھے گئے۔

وہ خاموشی سے ٹوٹی اور بوجھل قدموں سے واپس چلی گئی۔ صفات ہی ہر ہوشیار تھا کہ ہاسے دڑنے سے اسے دیکھ نہ تھا۔ میں اگر تنہا ہوتا یا حالات کے تھوڑے بڑے ہوئے نہ ہوتے تو میں اسے یوں اداس بھی نہ کرتا۔ اس کے جانے کے بعد میں دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ میں نے جمیل سے کہا کہ ”بارہ آئے سبھلنے کی کوشش کرنا۔ حالات نے اگر مجبور کر رکھا ہوتا تو ہم نے یہاں کا موقع ضرور دیتے۔ یہ عورتیں ہی نازک مزاج ہوتی ہیں یاد! سمجھو بوجھے بیہر بات کو دل پر رکھ لیتی ہیں۔“

”اس کی ٹھکرہ کر رہا ہوں زیادہ اور اس نہیں رہ سکے گی، اس پر غم کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ ویسے کوئی ہرج تو نہیں تھا اگر آج کی رات قہرمان لگ جاتے۔“ جمیل نے کہا۔

”گمان میں نے، اگر ہرج نہ ہوتا تو ہم ضرور لگ جاتے میرے بھائی! میں نے اسے سمجھایا۔“

”خیر، کوئی بات نہیں، تم کسی کام کی بات کر رہے تھے؟“

”ہاں میں بہک رہا تھا کہ یہاں ہم ایک بہت ہی ضروری کام سے آئے تھے۔ میں نے اسے اپنے آنے کی عرض و غایت سے آگاہ کرنے کے بعد کہا۔“ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ اس سیر اس علاقے کو چھوڑ کر گئی نہیں ہے۔ وہ یہاں سے سکھ کر کہیں نہ کہیں موجود ہوگی اور اس وقت تک یہاں سے نہیں جائے گی جب تک اپنے بچے کو حاصل کرنے کی تمنا ہے۔ دیتے یہ کام لگا اچھا رہا ہوں کہ تم اس کا خیال رکھو اور ضرورت پڑنے پر اس کی مدد اور حفاظت کرو۔“

”یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے کہ میں تمہارے کام آسکوں اس سے بڑی انت اور کیا ہوگی میرے لیے، لیکن میں نے آج تک اس کیسے کو دیکھا نہیں ہے، میں اسے بچان کیسے سکون کا؟“ جمیل نے کہا۔

”اس کی تم فکر نہ کرو۔ لاکھوں لاشوں کی جوہل پر اپنا کوئی قابل اعتماد آدمی لگا دو۔ وہاں جو بھی جوان عورت کھس کر نہ گناہ کرے گی کبھی وہ اس کیسے ہی ہوگی۔ وہ تمہاری نظریں میں آجائے تو تم کی طرح اس سے مل کر اسے میرے حوالے سے یہ بتا دیا کہ اس کا بچہ اس توہین میں نہیں ہے۔ وہ راجہ میں لاکھوں کسی رشتے دار کے پاس ہے جس کا پتا توہین میں کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ وہ خواہ خواہ ان جوہل والوں سے نہ لکھے۔ میں کراچی میں اسے تلاش کرنے کی پوری پوری

کوشش کروں گا۔ وہ لاہور جا کر ماں جی کے پاس سکون سے رہے۔ امیر اس عورتیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔“

”ٹھیک ہے بھائی جی! میں اسے کوشش کروں گا کسی طرح پورا اس سے رابطہ قائم ہو جائے۔ میں اسے سمجھاؤں گا کہ لاہور واپس جانے کے لیے راضی کروں گا۔ اہم سبب یہ ہے کہ وہ اس کی طرف سے۔“

”بس پھر ٹھیک ہے“ اب ہمیں اجازت دے رہا کہ پھر کراچی میں گاڑی بکڑنا ہے کراچی کے لیے۔ میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

”اگر تمہیں ضرورت ہو تو میں اسے سکھ رہا ہوں کہ بددست کر دوں۔“

”نہیں بھائی! تو اس کی تکلیف نہ کرنا کہ اس نے کسی ٹھکرہ والے کو سکھانے کے لیے راضی کرے۔“

”جیسے پھر میرے ساتھ چلیں ماہر سب لوگ۔ میں کوئی ٹھکرہ پکڑوں گا۔ یہاں ٹھیکیاں زیادہ نہیں ہیں جوہل و دہلیس سواہی کی تلاش کرتی ہیں۔“ سکھ، خیر پورا لاڈ کا نہ ہی کی طرف چل پڑا ہوں۔ وہ واپس میں کبھی بھی وہ دن بھی لگ جاتے ہیں انہیں باقی دور سے خالی تو نہیں آسکتے۔ نا کہ جب کوئی سواہی ملتی ہے بھی آتے ہیں واپس۔“

”ہم لوگ اس کے ساتھ باہر گلی میں مل آئے۔ وہ ہمیں ساتھ لے کر بن بازار کی طرف چل دیار۔ مرگ پر کچھ دور چلنے کے بعد ایک دکان کے سامنے ایک فرین کھڑی دیکھ کر اس نے دکان دار سے پوچھا۔“ یہ دین کسی کی ہے؟“

دکان دار جمیل کو دیکھ کر جلدی سے دکان سے باہر نکل آیا۔ بولا۔ ”یہ اخبار والوں کی گاڑی ہے سائیں۔ سکھ سے اخبار فروخت آتے ہیں نا اس میں۔“

”اچھا! تو یہ واپس کھڑے کیجی! ابھی؟“ جمیل نے پوچھا۔

”ہاں ہی بس چلے جائے والی ہے ابھی وہ سامنے گاہوں کی دکان میں کچھ دینے گیا ہے اس کا ڈرائیور۔“ اس نے جواب دیا۔

جمیل تنہا یوں کی دکان کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ”تم لوگ یہیں ٹھہر جاؤ! میں دیکھتا ہوں اگر یہ گاڑی سکھ جارہی ہے تو۔“

میں چلے جا تا م لوگ بھی۔“

وہ گاہوں کی دکان میں جا کر دکان دار سے باتیں کرنے لگا۔ چند منٹ بعد ہی وہ ایک خوش پوش شخص کے ساتھ واپس آیا۔ ”لو کبھی جو انور! یہ اپنے خاں صاحب سکھ جا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی چلے جاؤ تم لوگ بھی۔ یہ سکھ ریلوے اسٹیشن تک چھوڑ دے۔“

”شکر بھائی! یہ بہت اچھا ہو گیا۔ ورنہ پتا نہیں کیسے لیے کتنا عار ہو پتا چڑھا تھا۔“ میں نے کہا۔

عابر صاحب نے دین کا دروازہ کھول کر ہمیں اندر

اور جمیل سے ہاتھ ملا کر اسٹریٹنگ سیٹ پر جا بیٹھے۔ چند ہی لمحوں کے بعد دین سکھ کی طرف آئی جلی جا رہی تھی اور میں دل ہی دل میں اپنے سوچنے سب سے دعا میں کر رہا تھا کہ ہم مزید کسی کھڑکی میں پڑے بغیر خیریت کے ساتھ کراچی پہنچ جائیں۔

اور شکر پور کے درمیان تقریباً بیس میل مسکھ میں جو مرگ بار لوگوں نے بنائی ہے وہ اتنی تنگ ہے کہ اس پر بیک طرف ٹریفک بھی اسی صورت میں تازی رہ سکتی ہے کوئی گاڑی کسی کو اور ٹریفک نہ کرے۔ اس شاہراہ پر دو طرفہ ٹریفک چلانے کی اجازت دینا نہایت سنگ دلی اور بے حس ہے۔ اس مختصر اور خطرناک شاہراہ پر ٹریفک کا جو ازدحام ہے اسے دیکھ کر تو میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ مرگ بنانے والوں اور اس پر دو طرفہ ٹریفک چلانے والوں کا نہ مرگور کنوں کے خاندان سے تعلق ہو گا۔ انھوں نے گورکنوں کے رو پار کو پھینک چھوٹنے کا بہترین موقع فراہم کیا ہے۔ ان ڈرائیوروں کے حوصلے اور ہمت کی داد دینا چاہیے جو اس بل سڑا سے بے خطر اپنی اپنی گاڑیاں دوڑاتے گزر جاتے ہیں۔ یقیناً انہیں اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر چلنے کی بڑی شق ہوگی۔ ہم جس دین میں سفر کر رہے تھے اسے چلانے والا بھی کوئی ایسا شخص تھا۔ اس کا ظاہر دیکھ کر تو سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ کوئی عابد و زاہد مسکھ کا خدا کا انسانیکہ بندہ ہے جس کے شانوں پر گناہوں کا بادل بوجھ نہیں ہے اور وہ اپنے نامہ اعمال میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں درج کرتا رہا ہے اب تک اور ہم جو اس کے ساتھ اس راہ پر سفر کر رہے عاقبت گزر آئے ہیں تو اس مسئلے میں بھی اس کا یہ اعمال نامہ کام آیا ہے ہمارے۔ رات کی سیاہی کا پردہ چاک کرنے کے لیے شہر والوں نے دیا لچکا کا تھانہ حاصل کر لیا۔ تھائیروں کوئی ساڑھے آٹھ کا مکمل ہو گا جب ہمارا وہ عرس ہمیں سکھ کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے آتا کہ شخصیت ہوا۔ گلوں کی نیوٹ کے بعد کراچی سے لیے روانہ ہوئی تھی۔ عملی درجے میں ریزرویشن کرنے کا وقت بائیں نہیں تھا۔ پتا چلتا ہے پتے پتے کی ٹریفک کیلیم فام کا کارٹ کیا۔ ایک مہربان قلمی سے پتے پتے سے ہم بھی ضرورت مندوں کے لیے کچھ بیٹھیں سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔ جہاں اس نے اپنے آدمی بٹھا رکھے تھے۔ اس سے ہم نے ان بیٹھیں خرید کر اپنے قبضے میں کر لیں۔

اب تک دو دو میں گاڑی کی روانگی کا وقت ہو گیا تھا۔ ہائے شکر ہے کہ چند منٹ بعد گاڑی حرکت میں آگئی۔ جس نے دینے میں بیٹھتے تھے اس میں بھڑا اتنی قلمی گاڑی بھڑک رہی کی طرح تھے ہوتے معلوم ہوتے تھے۔ لوگوں کو یہ پتا نہ تھا کہ کھڑے ہوئے ڈرائیور کی شکل سے مل کر بھی اور لیے دو گنا پتے آپ کو خوش نصیب

تصور کر رہے تھے۔ ورنہ ہائیں تو ایسے تھے جو مسلسل دھتکے لگا لگا کر رادھ سے ادھر ہو رہے تھے۔ ان کے لیے کھڑے رہنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ وہ چوٹی کی رفتار سے برابر حرکت میں تھے۔ ہر چند منٹ بعد ان کی جگہ تبدیل ہو جاتی تھی۔ ایک ٹوٹا ہوا ہاسانہ بنا کر ماہر! اور کیا انداز ہے۔ ریلوے سے گاڑی میں سفر کرنے کا مکمل تجربے کے بعد آدمی ان قلمیوں سے ٹھٹھکی جگہ بھی خریدے تو ایسا نہیں کر سکتا وہ راستے بھڑکے گا جاتا ہے۔

”اے بھائی! غریب کو تو لوگ جینے کا حق دے دیتے ہیں، یہی بڑی مہربانی ہے ان کے لیے۔ پیسے اور امتیاز کی اس دوڑ میں جو پیچھے رہ جاتا ہے، وہ اسی طرح بھاگنے والوں کی جھوکوں میں رہتا رہتا ہے۔ ہر آدمی دولت کمانے کی گھن میں اندھا دھند بنا گیا ہے۔ کسی کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ پیچھے رہ جانے والے کو کھڑک پر کھینچے یا گرا جانے والے کو سمارا دے کر کھڑا کر سکے۔ یہ دھڑکا ہوا وقت لگا رہتا ہے کہ کبھی ڈور کا سرا ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ ریلوے اسٹیشن پر یہ قلمی اور ٹرین کے ساتھ چلنے والے یا خود بھی اس دوڑ میں شریک ہیں وہ ٹرین میں سفر کرنے والوں سے ٹرین کی ایک ایک جگہ کی قیمت وصول کر کے اپنی ضرورت کا پتہ نہ کر سکتے ہیں۔ یہ ہمدردی قوی ریلوے ہے اور اس کے کارکن بھی ہمدردی قوی ہی کے ڈرائیور ہیں۔ لہذا انہیں حق پہنچتا ہے کہ ان گاڑیوں میں بیٹھنے، بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی جگہیں عام ہیں فروخت ہو سکتے فروخت کریں۔ آخر وہ بیسہ کمانے کے لیے کھڑے ہیں۔ یہ سب کچھ کمانے کا آنا آسان اور منافع بخش ذریعہ کیوں نہ تھے۔ اسے جانے دیں! ایک بڑا گولہ نے جلے جھٹکے انداز میں نظر پر ڈالی۔

لوگ راستے بھاگنے والی کی جھڑاس ٹھٹھانے میں مصروف رہے۔ وہ اس وقت ریلوے سٹاک میں نا اہلی کی سزا بھگت رہے تھے۔ ہذا انہیں ریلوے والوں کی کوتاہیوں، لوٹ کھسوٹ اور اندھ گردی کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔ ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ جس کے خلاف ایک شخص بولنا شروع کرے سب کے سب اس کے بائیں لینے اپنے اپنے حق و حرات سے دوسروں کو گاد کرنا شروع کر دیتے ہیں کوئی کسی سے یہ نہیں پوچھتا کہ میرے بارے میں تو بغیر کلمے اور فعل اسٹاپ کے اس شخص یا شخص کے خلاف بولنے جیلا جا رہا ہے تو میرے بھائی! کیا تو اتنا ہی بے خطا اور پاک باز ہے کہ تجھے دوسروں کے عیب گناہ کے کا حق حاصل ہو گیا ہے کیا تو بھی بے فرائض ایسی ہی دیانت داری اور بے غرضی سے انجام دیتا ہے جس کی توقع کرنے دوسروں سے ہمارے کبھی ہے یا خیر خدا تیرے ہاتھوں کبھی پریشاں نہیں ہوتی! کیا تو رشوت کو اوپر کی آمدنی قرار دے کر کبھی اپنے اوپر حلال کرنے کی کوشش نہیں کرنا؟ ایسے سوال کوئی کسی سے کہہ نہیں سکتا، کیوں کہ ان سوالات سے۔“



گروں پھنس جانے کا خوف ہوتا ہے۔ پہلا پتھر پھینکنے کے لیے اگر پاک باز ہونے کی شرط قبول کر لی جائے تو کسی ہاتھ میں پتھر نظر ہی نہیں آسکتا۔ اسی لیے لوگ ہیں ہاں ملانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اس طرح کم از کم وقتی طور پر ہی ان کی ذات تنقید کا دھبہ بننے سے محفوظ ہو جاتی ہے اور اس طرح انہیں یہ اطمینان بھی حاصل ہوتا رہتا ہے کہ وہ خود غرض اور ذاتی مفادات کا اس دلدل میں اتارنے والے تنہا آدمی نہیں ہیں بلکہ اور بھی بے شمار لوگ ہیں جو ان کی طرح ملکی مفادات اور قومی ترقی کی راہ میں گڑھے کنودنے میں مصروف ہیں۔

ہمارے پاس بھی بس اتنی ہی نگہ بندی کی جگہ ہے جتنے مسافر سکیں چاہے ہم نے کتنے پتھر پھینکے اس کے اور دوسرے ایک ہی انداز سے بیٹھے بیٹھے صبح سات بجے کے بعد کراچی شہر کو جا چھو۔ کراچی لینڈ ریوس سٹیشن پر ہم نے اس قید باشتقت سے نجات حاصل کی اور سٹیشن کی عمارت سے باہر نکل آئے۔ شرافت علی نے کہا: "یار اشریں کے بچے درجے میں مسافر کرنا بھی سزا ہی ہے۔ میرا تو گھر تخت ہوئی بیٹھے بیٹھے۔"

میں نے ہنس کر کہا: "ہاں تمہارے نازک مزاج اور تعیش پسند لوگوں کے لیے یہ سزا ہے اور غریب محنت کشوں کے لیے ضرورت ہے۔ یہ شکر ادا کر دھڑکا تمہیں بیٹھے ہو جگر تو مل گئی تھی ماں بیچاؤں کا تصور کرنا تو تمام رات کھڑے رہے ہیں۔"

ہاں یار! وہ بے جا ہے تو واقعی قابل رحم ہیں۔ پتا نہیں ہم کب دوسروں کی تکلیف کا احساس کرنا سیکھ سکیں گے۔ "جس روز ہماری ضروریات محدود ہوجائیں گی، ہم تمام نعمت کی خواہشیں گے اور ایسا ہمسایہ زندگی میں تو ممکن نظر نہیں آتا۔" چھوڑا یاد اس قسم کے ہم کہاں کے پاک دامن لوگ ہیں جو دوسروں پر انہی اٹھانے لگے ہیں۔ پہلے اپنے گریبان کی توخ لے، اپنا محاسبہ تو کرے، اپنے اندر کی جڑ تو نکال لے، اوروں کا غم بعد میں کر لینا اور پھر تو اچھا بھی لگے گا ایسی باتیں کرتے ہوئے آئی بولا۔

شرافت علی نے کہا: "ہاں یاد آئی ٹھیک کرتا ہے۔ آؤ، دھرا ایک ذرا معقول سا ہو جائے، ہم وہاں چل کر ناشتہ کرے میں وہیں سے میں گھر پر فون کر کے دوسری گاڑی بھیجنے کے لیے ہر دو گن کا جب تک ہم ناشتے سے فارغ ہوں گے تو رات نو بجوں لے کر آجائے گا۔"

میں نے کہا: "خواہ مخواہ غریب کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں بے شمار کیسیاں موجود ہیں۔ ہم کوئی ٹیکسی پکڑ کر چلے چلیں گے۔ اپنی کار نہیں لوگ تو کیا گھر کا راستہ تبھول جاؤ گے تم؟"

"نہیں یار۔ شرافت علی ہنس کر بولا: "بغیر اگلے دھڑکے تھا سے رہنا چاہیے ہمیشہ۔" بعض اوقات ایک بظاہر معمولی سی غلطی کسی بڑی مصیبت کا سبب بن جاتی ہے۔ ہم جیسے لوگوں کو تو بہت کچھ بگڑا کچھ بگڑا کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"یہ باتیں کون ہیں ان کی شرافت علی نے میں نے کہا: "کونسی میں علی میں کون سی غلط بات ہو سکتی ہے؟" "تم نے یہ بات نظر انداز کر دی یہ بیانیہ کی اس وقت ہمارے حیلے اتنے خراب ہیں کہ اس حیلے میں ہم متوسط طبقے کے افروغ ہیں لگ رہے ہیں۔ اب اگر ہم ٹیکسی کے ذریعے اپنے گھروں پر پہنچے تو یہ بات ٹیکسی ڈرائیور کے لیے بڑی حیران کن ہوگی۔ اس لیے میں وہاں کہیں بھی پہنچانے پر کوئی اعتراض تو نہیں کرے گا لیکن وہ مجھے ایک عالی شان کو ٹھکرا اور دو دنوں کو جدید طرز کے عجب آرائے کے بعد بھی کچھ نہیں سکے گا۔ یہ بات اتنے ہمیشہ ادب کی کہ اس نے عین ایسے آدمیوں کو جس طرح بھی اعلیٰ طبقے سے متعلق نہیں لگتے تھے کہاں پہنچا تھا۔ پھر اگر کوئی ہمارے اندر میں گفتیش کرتا ہوا اس تک پہنچ گیا تو وہ باسانی ہمدردی نشاندہی کر کے کہے کہ ہم کتنے پتھر لڑا ہمارے گریبان کی بات ہانے لیے نقصان دہ نہیں ہو سکتی؟"

اس کی بات سن کر آئی حیران سے بولا: "شرافت علی، تو تو بڑا ہی سمندر صفت آدمی لگتا ہے مجھے۔ آئی گھر لائی میں بھی جا سکتا ہے تو مجھے دیکھ کر اندازہ ہی نہیں کر سکتا ہے کی باتی اندیا واپس ہدی سے چوبیس میں نہیں جاتا تھا میں۔"

"یہ جس دنیا کا پاس ہے وہاں ان باتوں کی تربیت دی جاتی ہے۔ سارے قاعدے، قانون اور مذہب و فرائض سمجھ جاتے ہیں آدمی کو۔ اسے بھی یہ خبر سکھائے گئے ہیں کہ جیسی توڑ کے سمندر میں غوطہ زن کے باوجود اس کا دامن بھیگا ہوا کھال نہیں دباؤ کسی کہیں۔ ایسا صاف اور بے داغ نظر آتا ہے کہ کوئی شے بھی نہیں کر سکتا اس پر۔ ان روزے کے ہم نے بھی واقفیت حاصل کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اسی لیے ہمارے چہرے کی تحریر آسانی سے پڑھ لی جاتی ہے اور ہم منہ چھپاتے پھرتے ہیں نے کہا۔"

"ہاں یار حیرانی! یہ میں بھول گیا تھا کہ اس شرافت علی کا تعلق تیرے وزیرین و مشنوں ڈاکٹر و صحن اور عالیہ سے بہت بلند درجہ پر بند ہے میں وہ دونوں۔ جرائم کی دیکھ کر میں سالے جو کامناؤں میں پروا کرتے ہوئے بھی زمین کے چپے پر گناہ رکھتے ہیں اور جہاں اپنا رتبہ نظر آتا ہے انہوں میں وہاں جا آتے ہیں کسی غلط جگہ تو جا کر بیٹھتے ہی نہیں وہ جیسے اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں ان کے لیے دسترخوان بچھا ہوتا ہے۔"

عزت کرتے ہوئے کہا۔ "میں تو بہت معمولی آدمی ہوں یار! وہ مجھ میں سمندر جیسی زندگی نہیں تلاش کرنے کے لیے ہو یہ تشبہ و ظروف ڈاکٹر و صحن نے لے لے مناسب ہے۔ اس کی گہرائی کا تو اندازہ ہی نہیں لگا با باکتا تم لوگ عرصے سے اس کے خلاف صف آرا ہو، بڑی سلوات جمع کی ہیں تم نے اس کے بارے میں بے شمار تاریک عزتوں کاوش کی ہیں تم نے اس کے اندر لیکن اس کے باوجود میں بوسہ لطف کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اب تک اس کے بارے میں بچاؤ فرسب و فساد حاصل نہیں کر سکے ہو گئے تم میں بھی کئی سال سے اس کے لیے کام کر رہا ہوں اور اب تک ایسا میں بھی نہیں مل سکا ہے جو یہ دعوے کر سکے کہ وہ ڈاکٹر و صحن کے ہر راز اس کے ہر کاروبار اور اس کی طرف جانے والے برائے سے واقف ہے۔ میری طرف کراچی کی حد تک جاتا ہوں کہ اب اس کے کون کون سے کاروبار ہیں اور کون لوگ اس کے لیے کام کر رہے ہیں۔ یہ معلومات بھی نہیں جانتے ہی نے فراہم کی ہیں، مگر کچھ اندیشہ میں ہوں لوگ! میں نے ذرا کچھ جانیں۔ اس کے علاوہ کراچی کے باہر کے چند ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جن سے کچھ نہ کچھ کسی کام کے سلسلے میں واسطہ پڑ چکا ہے۔ یہی دیکھ کر حیرانی نے سان فرانسسکو میں اس کی سرگرمیوں کے بارے میں جو کچھ ہمیں بتایا ہے، اس کی میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی حالانکہ کاروبار وہاں سے مجھے فون کر کے دیتے ہیں دیکھ رہے ہیں۔ تو حیران ہوں اس شخص کی بڑی دنیا کے کسی کس شخص تک پہنچیں ہوں ہیں اور دنیا کی کوئی بڑی کی طرف جانے والوں راستہ اس کی دست برد سے بچا بھی ہے یا نہیں؟"

"میرے یار! میں تو آج تک یہی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں کہ ان فیصلہ کا جسرا ہم ہمیشہ افراد کے کس طبقے سے رشتہ ہوگا۔ ہائے! اس کا تونسب ہی نہیں ملتا کسی سے، ہر جگہ کوئی نہ کوئی بات مختلف ہو جاتی ہے کسی خانے میں فٹ ہی نہیں ہوتا وہاں ہمدردی معمول درجے کا ہو کر نظر آتا ہے کبھی اٹھکرا کر کبھی قہقہے کا زاری تو کبھی بین الاقوامی خزانہ اور کبھی مجلس سازی سے کرنا ایک بڑی بڑی شے۔ اس کے بارے میں کوئی ایک لٹے نہیں دیکھتے ایک شہتی غضب نامہ کے روپ میں ملتا تھا جو انسانی کے لیے ہر گز گرا کر تھا۔ یہاں کراچی میں اختلاف ہو کر وہ گڑوں کے ساتھ انھوں کے قہر سے بھی فروخت کرنا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں کو اور اس قسم کے دوسرے دھندے بھی کر کے ہیں اس نے وہاں سان فرانسسکو میں ایک بائیں ہی مختلف روپ سٹے انھوں کا وہاں وہاں دیکھ کر دھندوں کے ساتھ ساتھ یہ وہاں کے فون انھوں میں میں شریک نظر آتا ہے اور بہت ہی ادنیٰ

دھندے کے شاپ گھڑنے بھی اس کے روا ہوں۔ وہ ان کی کاروبار سے پرانی ہوئی قیمتی اشیاء بھی ٹھکانے لگانے کا کام بناسی سکے ہوئے ہے۔" "چرنے بائیں ٹھیک کہا ہے حیرانی۔ اسے تو میرا خیال ہے، ہر آدمی کا دنیا کا انگوٹوں کا جائزہ یہی مناسب ترین نام ہے، اس کے لیے وہ انگوٹوں کی طرح اپنی بے شمار دھندوں کے ذریعے اپنے گرد و پیش کی تمام اشیاء کو سمیٹ کر اپنے پیٹ میں اٹھا لیتا جاتا ہے پھر بھی اس کا پیٹ بھی نہیں بھرتا، ہاں بھوک کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے ہر دم۔ شرافت علی نے کہا۔

"ہاں یار! تیری یہ تشبیر مناسب ہی لگتی ہے مجھے اور وہ دن دھرم اس کا کوئی ہے نہیں آئی نے اس سے اتفاق کرنے موئے کہا۔

مجموعیوں ایک ہوٹل میں جا بیٹھے۔ شرافت علی برے کو ناشتہ لانے کا نوکر کا فوٹر پر کڑی کے لیے گھر فون کرنے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد آئی بولا: "یار حیرانی! یہ تو نے اپنے آپ کو کس نام میں پھنسا لیا ہے؟ یہ اتنی بڑی بڑی تنظیمیں اور اعلیٰ پیمانے کی بین الاقوامی سازشیں، ہمارے ہنس کی باتیں کہاں ہیں یار جی۔ اتنے بڑے بڑے جگے کے پاؤں کے در بیان ہم پس کر ہی رہے جا رہے ہیں؟"

"تو نے غلط نہیں کہا ہے۔ اس کا امکان تو تو نے فیصد ہے سمجھ لے۔ مگر یہ میرے اختیار کی باتیں تو نہیں ہیں، یہ مصیبت میں نے خود کو اپنے گھر سے نہیں لگائی ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب لگتا ہے کہ اس مصیبت نے خود اسے گھر کر مجھے گھمے لگا لیا ہے اور اب وہ مکمل ہوئی ہے۔"

"ہاں یار! ہم بھی عجیب و غریب قسم سے تعلق رکھتے ہیں انسانوں کی، اوہ بے اختیار ایسے ہیں کہ ہمیں خود اپنی ذات پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ جس کا جڑ ہی چاہتا ہے مکمل بڑے کے ہاتھ لگتا ہے اور ہم اس کے چپے چپے چل رہے ہیں۔" "اس لیے تو میں نے سوچا ہے میرے بھائی کو جب رمدگی یوں ہی آجھ بھولی کھینچے ہوئے بسر کرنا ہے تو اسے کسی بھلائی کی راہ پر کمپوز نہ ڈال دیا جائے۔ بے مقصد ہنگامہ کرائی کوئی مقصد کیوں نہ دھرا ہم کر دیا جائے۔ یہ تو ہم نے جان ہی لیا ہے کہ اب ہم تھک کر ہی گر پڑیں تو اور بات ہے ورنہ کہیں مستانے کے لیے بھی سکون سے بیٹھ نہیں سکیں گے۔ پائے کی طرح ہر دم حرکت میں رہنا ہی مقدر ہے ہمارا۔" "یہ وقت شرافت علی فون کر کے واپس آ گیا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بولا: "کیا کس کا مقصد یہ لگتا ہے؟ کس کا گڑ ہو رہا ہے؟"

"کسی کا نہیں یار! ہمارے پاس بیان کرنے کو اپنے ہی

فہم نے کیا کم ہیں جو ہم دوسروں کی داستانیں سنائیں گے؟ آئی  
نے جواب دیا۔

شرافت علی کو کچھ کنا جانتا تھا لیکن میرے کے آجانے  
کی وجہ سے خفا ہو گیا۔ ناشتے کے دوران ہم نے کوئی گفتگو  
نہیں کی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہوش سے باہر نکل کر روک کر آئے  
تو ایک سفید کردار ہمارے نزدیک آئی۔ اس کی ڈورا ٹونگ  
سیٹ پر لڑی کو بیٹھے دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے داغ ہو گئیں۔  
لڑی نے مسکرا کر شوخ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنے ساتھ  
والی نشست کا دروازہ کھول کر کہا: "آئیں جناب عالی! بیٹھیں  
اندر آجائیں جلدی سے، حیران تو آپ یہاں بیٹھ کر کبھی ہو سکتے  
ہیں منع باہل نہیں کروں گی میں۔"

میں نے اپنی حیران پر قابو پاتے ہوئے کہا: "مگر تم یہاں  
کیسے پہنچ گئیں اس وقت۔ تمہیں کس نے خبر دی ہمارے  
آنے کی؟"

"آپ گاڑی میں تو بیٹھیں جناب عالی! سوالات بیٹھنے  
کے بعد بھی کیے جاسکتے ہیں۔ آپ بھی بیٹھ جائیں آئی صاحب!  
میں نے آپ کو مخاطب کر کے عقبنی نشست کی طرف اشارہ کیا۔  
میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا: "اور  
یہ شرافت علی! کیا اسے یہیں چھوڑ جاؤ گی؟"

"ان کی گاڑی بھی موجود ہے یہاں، آپ ان کی فکر کریں  
یہ بھی آجائیں گے۔ لڑی نے مجھے مطمئن کر کے شرافت علی سے  
کہا: "تم ماراؤ اور پھر گاڑی لے آئیے۔ تم اپنے گھر پہنچو، انہیں  
میں اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔"

"جی بہتر نام دام! آپ لوگ جائیں، میں اب شام کو آپ  
سے منوں گا جیلانی! شرافت علی سعادت مندی سے بولا۔  
لڑی نے کار آئی کے بیٹھتے ہی آگے بڑھادی۔ آئی بولا۔  
"جیلانی! یہ میرا صاحب کون ہے جی؟ تعارف ترکو لے اس  
سے یہاں یار؟"

میں نے ہنسنے ہوئے کہا: "اوئے کیسا کوڑھ مغر ہے تو؟  
میں نے بتایا نہیں تھا تجھے لڑی بیگم کے بارے میں؟"  
"اوہ! اچھا! تو یہاں وہ امریکا ہمارا کی امپوزیٹیری لڑی  
خانم؟ یعنی میری نصف جہانی؟"

لڑی نے نفرتی شکوے نے جیسے خفا میں نغمے بکھیر دیے۔  
وہ بولی: "یہ نصف والی بات آپ نے خوب کہی آئی صاحب مگر  
یہ کونجی کیسے آپ کو؟"

"وہ جی! دیکھیں نا! آپ نے میرے بارے میں اتنی سچی  
نہیں کہا نا! ابھی صرف اقرار ہی کیا ہے، یعنی اس کی نصف بہتر  
بننے کی حاجی ہی بکھری ہے ابھی۔ چنانچہ میرا رشتہ بھی آپ سے  
ابھی ادھورا ہی ہے۔ کچھ غلط تو نہیں کہا ہے نا میں نے؟ آئی بولا۔

"ناجی نا، باہل غلط نہیں کہا ہے آپ نے میں نے  
ہوں، آپ کو رشتہ کی اپنی چھی پہچان ہے؟ لڑی نے منکر  
ہونے کہا۔

میرے ذہن میں ایک ہی سوال پھیر رہا تھا لڑی کو  
کیسے بتا چکا کہ ہم لوگ اس وقت یہاں ہیں؟ وہ میں نے  
پر یہاں کیسے پہنچ گئی۔ میں نے اس سے سوال کیا لڑی کو  
نے بتایا نہیں، تمہیں ہماری اس وقت یہاں موجود ہو؟  
کس طرح ہوا؟"

"اوہو! آپ یہ بات بھول نہیں سکے ہیں اب! کس  
آخر میں نے آپ کو جیون ساتھی کے طور پر منتخب کیا ہے یہ  
آپ کی طرف سے غافل تو نہیں رہ سکتی۔ آپ کی سلامتی کے  
آپ کے بارے میں ہر وقت باخبر رہنا ضروری ہے میرے لیے  
آپ جیسے تلوار کی دھاری چلنے والے آدمی کی زندگی ہر لمحہ  
لگی رہتی ہے۔ ایسے ہی کیا یہ فرض نہیں پتہ کر میں آپ کے ایک  
ایک پل کا حساب رکھوں؟"

"کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میں کہاں کہاں اور کس  
حالات سے دوچار رہا ہوں گزشتہ دنوں؟ میں نے پوچھا۔  
"کیوں نہیں، میرے پاس آپ کے ایک ایک لمحے  
مہر و دیات کا حساب موجود ہے۔" اس نے کہا۔ اور گراچی  
شکار پور تک جو واقعات ہمیں پیش آئے تھے ماں کی پرست  
تفصیل ہمیں سناؤ والی! اب بتائیں کیا میری معلومات غلط  
کوئی کمی رہ گئی ہے نا میں؟"

آئی حیرت سے آنکھیں پھاٹکے بولا: "گمال ہے  
اس سے تو یوں ظاہر ہو رہا ہے جیسے ہمارے اس پاس ہی  
رہی ہوں آپ؟"

میں نے کہا: "میں کسی بھی لمحے یہ احساس تک نہیں  
کر کوئی جاری مسلسل نگرانی کر رہا ہے۔"

لڑی ہنسنے لگی۔ آئی بولا: "کیونہ نہیں اس کی فکری  
کرنا چاہیے۔ آپ کے آدمی اس کی بھی نگرانی کر رہے ہوں  
وہ بولی: "مجھے افسوس ہے ایسا نہ ہو سکا۔ بلا اسباب  
جن لوگوں کو آپ کا خیال رکھنے اور ضرورت کے وقت  
کی ہدایت کی تھی انہیں آسے کے بارے میں کوئی حکم نہیں  
لہذا جب وہ پیپ کے لے کر لائبریری کی عین سے نکلی تو  
اس کا خیال نہیں کیا۔ وہ وہاں سے نکل کر کہاں گئی ہے؟  
علم ہمیں کسی کو بھی نہیں ہے۔"

لڑی ہمیں سچی جھٹیلے ہوئے اس جگہ میں  
شرافت علی نے ہمارے سپرد کر رکھا تھا۔ دربان نے  
داخل ہوتے ہی اطلاع دی کہ چند منٹ پہلے شریف  
آیا تھا۔ اس نے پیغام چھوڑا ہے کہ لڑی جلد از جلد  
"ناجی نا، باہل غلط نہیں کہا ہے آپ نے میں نے  
ہوں، آپ کو رشتہ کی اپنی چھی پہچان ہے؟ لڑی نے منکر  
ہونے کہا۔

میں نے پہنچ جائے۔ یہ پیغام سن کر میں آئی کے ساتھ وہیں  
پرستے آگیا۔ میں نے لڑی سے کہا: "ٹھیک ہے اب تم باہر  
میں نے چلی جاؤ۔"

وہ اسی وقت گاڑی بیک کر کے باہر نکل گئی اس کے چلنے  
کے بعد میں نے دربان کو ہدایت کی کہ وہ ہم لوگ غسل کر کے  
دور سے آکر جب تک نیند پوری کر کے اٹھ نہ جائیں ہمیں  
دوبارہ نہ آئے۔ بلکہ صاحب واپس آئیں تو انہیں بھی بتا دینا کہ ہماری  
نیند غراب کر دی۔ کوئی فون آئے تو کہہ دینا گھر کوئی نہیں ہے۔  
"جی بہت اچھا صاحب جی۔ کل کو فلیور احمد صاحب  
کے بار بار فون پر پوچھتے رہے تھے۔ ان کو میں نے ہی بولا  
فلا صاحب لوگ گھر پر نہیں ہیں، کدھر گئے ہیں؟ کو کچھ پتا نہیں  
رات کو بارہ بجے تک وہ فون کرتا رہا تھا صاحب! دربان  
نے بتایا۔

"اچھا! بلکہ صاحب کو بتا دیا تھا تم نے اس فون کے بارے  
میں؟ میں نے دریافت کیا۔

"ان کو کیسے بتا؟ صاحب۔ وہ تو کل صبح ادھر سے گئی  
تھیں تو کبھی آپ لوگوں کے ساتھ واپس آئی ہیں؟"

"اچھا! تو کل نام دن اور رات بھر وہاں نہیں رہی؟  
کہاں ہے اب کبھی رہی تھی وہ؟" میں نے قدر سے حیرت  
سے کہا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں صاحب۔ وہ عاجزی سے بولا۔  
"میں نے صاحب جی! یہ میرا صاحب لوگ جو بے بڑی  
بے وفائی کرتی ہے۔ اس پر ہمارے لوگوں کو کبھی دوسرا نہیں کرنا  
چاہیے باہل جی۔ یوں آپ مالک ہیں جناب! ہم آپ کو  
کہاں کر سکتا ہے؟"

فلیور احمد سادہ آدمی بیٹھے ہوئے تھا کہ لڑی میری  
پوزی ہے اور وہ میری غیر جانبداری میں مجھ سے بے وفائی کی ٹھیک  
لڑی سے ہے۔ وہ اپنی دانست میں ایسے الفاظ میں مجھے سمجھانے  
کی کوشش کر رہا تھا جن کا میں برا نہ مانا۔ میں نے کہا: "ہاں تم  
ٹھیک کہتے ہو لیکن ایک بات یاد رکھو، تمام لوگ ایک جیسے  
نہیں ہوتے۔ جب تک کسی کو اپنی آجھ سے لڑائی میں مبتلا نہ  
نہیں کرنا اٹھانے لگا کہ اس کے بارے میں کوئی بات منہ سے  
کہے گا نا! ایسے ہی میرے بارے میں بات! اب جاؤ گیٹ بند  
کر کے اپنی جان بچاؤ گیٹھو۔"

میں نے کہا: "اچھا! اچھا! تم تمام کر گئے۔ مجھ میں لے گیا۔ آئی بولا۔  
"ناجی نا، باہل غلط نہیں کہا ہے آپ نے میں نے  
ہوں، آپ کو رشتہ کی اپنی چھی پہچان ہے؟ لڑی نے منکر  
ہونے کہا۔

"اس میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں ہے۔ اس کی جگہ  
جو بھی ہوگا، یہی اندازہ قائم کر کے گاڑی لے کر آئیے۔"

"ہاں یار! چھوڑا لے کر باتوں کو۔ اس رات اور دن  
کی بھگاں دوڑنے مجھے بہت تھکا دیا ہے۔ میں اب غسل کر کے  
سوئے جا رہا ہوں۔ تو میں چلا جا اس ساتھ والے کمرے میں۔ میں  
نے اپنے اپنے کمرے کے برابر والا کمرہ دکھاتے ہوئے کہا: "مگر  
میں ایچ یاچہ ساتھ موجود ہے۔ جا کر غسل کرے اور نیند میں گھس جا  
تو بھی۔ تیری بھی حالت مجھ سے کچھ کم خستہ اور خراب نہیں ہے۔  
وہ بولا: "مجھے تو خوف دوسری شیم کے سر قہر ہی چلا  
جانے دے اب۔ وہاں میں سکھوں سے اپنی نیند پوری کروں  
گا۔"

"اوستے، کیا جگہ ہے؟ کیا اس ٹیم کی جگہ جانشینی  
کے خواب تو نہیں دیکھنے لگا ہے تو؟" میں نے حیرانی سے  
پوچھا۔

"نہیں یار! تو غلط سمجھا ہے۔ ٹیم کی جگہ جانشینی تو  
مجھے ہی زیب دیتی ہے، تیری بڑی باری تھی اس سے  
"اور کچھ کچھ رکھنا ہے وہاں جس کی شش مجھے اپنی طرف  
کھینچ رہی ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"اوستے بڑا بد وقت ہے جی تو۔ سارے وہ گن و گنارنگ  
یاد نہیں رہی تھیں؟ اوستے کوئی اتنی آسانی سے تو نہیں بھول  
سکتا نا۔"

"اچھا تو یہ بات ہے اس کی گل بدلی تیری آنکھوں میں  
بھی سمائی ہوئی ہے، مگر بیٹھنے پر تپا ہے مجھے کیلک بہت بڑے  
فسرے اسے اس غلیظ میں لے جا کر سمایا ہوا ہے۔ اگر اوستے  
بھنگ بھی مل گئی تیری اوستے حشر نشر کرے گا وہ تیرا  
کیا کتاب ہے تو؟ وہ وہاں اپنی ماں کے ساتھ ایسی  
ہی رہتی ہے۔ میں نے تو کسی آدمی کا سایہ تک نہیں دیکھا ان  
کے غلیظ میں۔"

"اچھا! اور دوسری نے بھی کچھ نہیں بتایا مجھے اس کے  
بارے میں؟ حیرت کی بات ہے یہ۔ میرا خیال ہے اس نے  
تیری نگاہوں کے زاویوں کو سمجھا نہیں ہوگا۔ تیری آنکھوں  
میں اس حشر بدامان کا پیکر اسے نظر نہیں آیا ہوگا۔" میں  
نے کہا۔

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے مجھے اس میں  
دلچسپی لینے سے روکنے کی خاطر کوئی کہاں گھڑ دی ہو؟ اس کے  
مارے میں۔"

لے لیا کرنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ یہ خیال کیسے  
آتا ہے کہ دل میں؟"

"اس لیے کہ میں نے اندازہ لگایا ہے، وہ مجھے ٹھیک لگا  
مجھے ٹھیک لگا۔"

کی جگہ دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ "آئی مسکراتے ہوئے بولا۔  
 "ایسی بے وقوف نظر نہیں آتی ہے وہ مجھے جہاں پوچھ کر کوئی بھی نکوئی میں چھلا لگا لگا پائندہ نہیں کرتا۔ یوں بھی تیرا اندازہ درست ہو یا غلط تیرے لیے احتیاط ہر حال میں لازم ہے۔ تجھے ہر اس راستے سے بچ کر گزرنا ہے جہاں تیری آزادی کو خطرہ ہو۔"  
 "ہاں، بہ بات تیری ٹھیک ہے کسی حد تک احتیاط کا دامن ہر حال ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔"  
 "بس تو پھر چل اب ادھر چلا جا اس کمرے میں اور اپنے آپ کو تازہ دم رکھنے کی کوشش کر۔ اس دامن ہمارے مقدر میں کیسے نہیں گئے ہیں ابھی۔ فرصت کا جو لمحہ میرا ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" میں نے اسے کمرے میں دھکا دے کر دروازہ پھیر دیا۔

رستہ ڈال کر کسی کھونٹے سے بازو دوں، پھر پوچھوں اب یہ جنگل کا سچا گواہ کون سا کون سا ہو رہا ہے؟  
 میں نے بہت سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ایک تو تیری کے ہر ایک ہر وقت فیمل رہتے ہیں۔ جب چل پڑی ہے تو کس نام نہیں لیتی۔ میں پوچھتا ہوں کوئی نام بتا دے اس نے اپنی کمرائی کے کچھا بنی؟  
 "نام تو مجھے مکتبہ پر رکھا ہی نہیں کیا ہے اس کا۔ کیا وہ مجھے۔ پچان کے طور پر اپنا تعلق ظہیر احمد سے ظاہر کرتا۔ کتنا بچہ جلدی سے غلام جیلانی کو میرے سامنے کر دہاں میں کراچی شہر کو آٹ کے رکھ دوں گا۔ یہ ظہیر احمد ہی تو ہیں۔ جس نے میری آنکھوں کے دھپے بھانے کے مسئلے میں اپنا ادا کیا تھا جس کی قید سے تو نے نکلا تھا مجھے؟  
 "اس کے سوا کسی اور ظہیر احمد کو میں جانتا تک نہیں۔ اس کا بھیجا ہوا لکنا ہے یہ مجھے۔ وہ کون کے پوچھتا ہے کل دن بھر۔ دربان نے بتایا نہیں تھا جمع۔ آؤ کیوں میرا بے سود۔ لپتول نے لینا اپنا شاید ضرورت پڑے اس کی۔ نیندا اب میری آنکھوں سے بالکل اوجھل تھی اور وہ میں سستی یا کسٹرنڈی بالکل نہیں رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے نیند میرے قریب سے بھی نہ گزری ہو۔ میں اور آئی نے پیچھے ڈرا نگہ دم میں داخل ہوئے۔ وہ کمرے میں ٹھٹھے ہوا میرا انتظار کر رہا تھا۔ قد کا ٹھٹھ میں وہ میرا ہم پڑ کھائی دینا چہرے پر رکھتی سیاہ داڑھی اور لمبی لمبی اور اٹھی ہوئی کوٹھیل پال بھی تھیں اس نے، آنکھیں اس کی بجھکی کپوتر کی طرح سرخ تھیں بن سے شرابے پچھوٹے محسوس ہوتے تھے۔ کمرے میں قدم دھرتے ہی وہ ہنسنے ہنسنے مک کرکری نظروں میں آجائزہ لیتے ہوئے غرتے کے انداز میں بولا۔ تم بے ایمن اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھنگیا اور اس کے سر پر نظر پڑوڑاٹے ہوئے کسی کے انداز میں بولا۔ ہاں ہی غلام جیلانی ہوں؟ تم کون ہو؟ کیا کام ہے تمہیں مجھ سے؟ اس ہندسہ شکل نے بتایا نہیں تم کو ہم کون ہے؟  
 نے آئی کی طرف اٹھا کر کہا۔  
 آئی میرے قریب ہی آٹھرا تھا۔ اس کی اس بات آئی کی کھوپڑی آٹ دی۔ اس نے تیزی سے بڑھ کر اس منہ پر آٹا ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا۔ سامے افروغ بن مجھے ہندسہ شکل کہتا ہے۔ تو اس طرح نہیں مانے گا۔ کی زبان سمجھنے والوں میں سے گستاخی نہیں ہے تو مجھے نے دوسرا اٹھا کر کہا۔  
 وہ جس نے ہماری کچھار میں گھس کر میں لنگارنے کی کوشش کی تھی، ایسا نہیں تھا کہ آئی سے ایک ہاتھ لٹکائے ہوئے

دو ہاتھ رانے کا موقع بھی فراہم کر دیتا چنانچہ اس بار آئی کی صحت اس کی دل میں یہ رہ گئی۔ اس نے جھکا کر آئی کا بازو پکڑ لیا اور بھیگی سی تیزی کے ساتھ اسے اپنی پشت پر لٹا کر آٹ دیا۔ آئی اس کے اوپر سے ہوتا ہوا اس کے سامنے ہرجت گراتھا۔ ہاتھ اس کا اب بھی اس کی گرفت میں تھا۔ آئی کے پس سے نکلتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اپنا دایاں پاؤں اس کی گردن پر رکھ دیا مگر آئی نے اس کی شدید قسم کی کارروائی کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ لیٹے ہی اپنے اپنے دھڑکے اور پھیلنے اور دونوں ماٹھیں اس کی گردن میں ڈال کر اسے زور سے آٹ کر زمین پر بے مارا۔ اس کے گردن پر آئی ٹپ کر اٹھا مگر اس کے مقابل نے دوبارہ اپنے گردن پر کھڑے ہوئے۔ میں ایسی ہی تیزی دھکا ہی دے دوں گے۔ ہی تو غور درنوں کی طرح ایک دوسرے پر پھینچے۔ آئی کا نال تھا وہ نیچے گر ہوا ہے۔ لہذا وہ پوری طرح اٹھنے کے بجائے اٹھنے کی بجائے اس پر جا پڑنے کے ارادے سے اس کی طرف لپکتا اور وہی حکمت عملی اس کے کام آئی۔ اس کا مقابل زیادہ پکڑتا تھا وہ سیدھا کھڑا ہو چکا تھا چنانچہ وہ دونوں اندھا

تھ۔ اپنے اپنے زور میں متصادم ہوتے تو مجھے ہونے کی وجہ سے آئی کا سر پورے زور سے اپنے مقابل کے سینے میں جا گھسا۔ آئی نے کسی جیسے کی طرح رگیدتا ہوا آٹے جھٹکا پکڑا۔ اس دور دراز سے اس کے مقابل کے قدم پیٹنے ہی کیا ڈوبے تھے۔ وہ سنبھلنے کی کوشش میں دونوں ہاتھ فضا میں چڑھا ہوا پیچھے ہٹتے پتھر دار سہاگنا۔ آئی نے دونوں ہاتھوں سے اس کے شانے پر دھار کے ساتھ لگا کر اس کے پیٹ میں دو زوردار ٹکروں اور لگا دیں۔ اس کے مقابل کے شانے سے جھنجھل گئی۔ آئی کے اس حملے نے اسے ڈھال کر دیا تھا۔ آئی نے آٹے سے چھوڑ کر انگ ہوا تو وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ دبا کر دھرا ہو گیا۔  
 آئی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ہاں میرے بچے اب جیلانی کے سوال کا جواب دے دے تو، مگر ایک بات کا خیال رکھنا تیری زبان بالکل سیدھی چلنا چاہیے اگر زور بھی پڑی سے اتنی قوت سے اس کا زبان باہر کھینچنے میں ذرا بھی تاثر نہیں کوں گا یہ کام کر سکتا ہوں یا نہیں۔ تو نے دیکھ ہی لیا ہے نا۔

عین اسی لمحے کسی نے قدم دھرتے ہوئے بولی۔  
 "تمہارے ہاتھ خالی؟ پھر اس کی نظر آئی اور ظہیر احمد کے ہاتھ پر کسی شخص پر پڑی تو وہ چونک کر بولی۔ اہہ ابوں گستا ہے۔ یہاں تمہارا کارن چڑا ہے۔ یہ کیا قہر ہے یہ بے تاب عالی؟  
 "میں نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میرا خیال ہے یہ دو زوردار، اسے تھے۔ دراصل یہ ظہیر احمد کا پانچواں بھتیجہ

بہت دبا تھا اس لیے آئی نے اسے انسانوں کی زبان سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اب دیکھیں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے اسے۔ میں نے جواب دیا۔

"اچھا، مگر یہ جھوٹا کیوں ہا تھا آخر؟ کیا یہ لوگ اپنے اس ستم زماں جانو کے انجام سے کوئی عبرت نہیں پڑا سکتے ہیں؟

"عبرت پڑنے والے دوسری ہی نسل کے ہوتے ہیں۔ ان کی نسل وہ نہیں ہے۔ آئی ہنستے ہوئے بولا۔

"بھوس نہیں کرو گے، تم لوگ جانتے نہیں ہو کہ تم ہمارا ڈسا ہوا تو پانی نہیں مانگتا ہے۔ ایسے ہی تو لوگ ہم کو شدید شیش ناگ نہیں بوئے ہیں۔ جانو کا بدلہ ہم ضرور لے گا تم سے جیلانی کا بچہ، بچ نہیں سکے گا تم ہم سے۔ وہ غصے سے بھڑک کر بولا۔

"تم لوگ جانو کا بدلہ لینے آئے ہو یہاں، وہ بھی جیلانی ہے؟ تمہارا خیال ہے جانو کی جیلانی نے مارا ہے؟ لڑی بولی۔

"اس میں خیال کا کون سا بات ہے تم میرا حساب اسب کو ہٹاؤ جانو کو کس نے مارا ہے؟ شیش ناگ یہ دھا پڑ کر بولا۔

میں نے طنز بے انداز میں کہا۔ اُسے ہوش کی بات کیا یاد ہم لوگ زانیوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے کبھی۔ اس جانو کو میں نے نہیں اس نیم صاحب نے ہی ٹھکانے لگا تھا۔ تجھے کسی نے غلط بتایا ہے۔ جو آدمی اٹھل لگا نے سے مر سکتا ہوتا ہے تم ہی ت۔ نہیں مارا کرتے۔

"تک نہیں آئے، میرا بار آنا کمزور ایسا موم کا بنا ہوا انیس تھا جسے یہ نیم صاحب مار سکے؟ وہ دھڑا۔

"میں تو تیرا بھی جھٹکا کر سکتی ہوں جانو کہ پتھر پتھر، تجھے اگر کوئی زخم ہے اپنے اوپر تو آجائزہ لے اپنی حسرت۔ لڑی بولی۔

"ورنہ خانو سی سے جھلا جا یہاں سے اور آئندہ کبھی ادھر آنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہمیں بار بار محاف کرنے کی عادت نہیں ہے۔ وہ غصے سے لڑی تو گھومتے ہوئے بولا۔ دیکھو نیم صاحب:

ہم تم کو رسائی سے لوتے ہیں تمہارے سچ میں نہ چور عورت ذات کو مرد کو گوں کے جھگڑے میں نہیں بولنا چاہیے۔ ہم لوگ عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ ہم کو عورت نہیں دلاؤ تم۔  
 "میں بات ہی میں بھی سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں تمہیں۔ اب دیکھو نا عورتوں سے لڑنے میں تمہاری نوبت ہے اور مردوں سے تم مقابلہ کر نہیں سکتے۔ پھر کیوں خواہ خواہ اپنی جان کے دشمن ہوتے ہو۔ جو اوجھلے جاؤ یہاں سے اور ظہیر احمد سے کوا کر اس میں ہمت ہے تو خود اسے جیلانی کے مقابل کر لے کے آدمیوں کو مردانے سے کہہ نہیں ملے گا۔

"بھوس نہیں کرو میری بچی، میں نے بہت لمبا ڈاکا سے

تیرا جانو ہارتھ میرا جھکری بار، کر لے گا وہی مدت ہو مجھے میں اس کا بدلہ لینے والی نہیں جاسکتا۔ ابھی تم زیادہ اڑی تڑی کرے گی تو تمہارا بھی فریم ٹیڑھا کر دوں گا میں۔

اس نے یہ کہتی ہے اپنا ایک مجھ پر چھلانگ لگا دی خیال اس کا یہی ہوا جو اس کی گھڑی کر میں اس کی اور لڑی کی نوک جھونک میں جو ہو کر اس کی طرف سے غافل ہو چکا ہوں مگر اس کا یہ انداز غلط ہی تھا۔ میں اس تمام عرصے میں ایک بل کے لیے بھی اس کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ اس کے چھلانگ لگاتے ہی میں نے تیزی سے پیچھے ہٹ کر وہ جگہ چھوڑ دی جہاں اس کے چھلانگ لگاتے وقت کھڑا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب اس نے اس جگہ پہنچ کر اپنے قدم زمین پر چھایا ہے تو وہ اپنا توازن کھو بیٹھا اور جھونک میں آگے بڑھنا چاہا۔ میں نے پیچھے سے اس کی کرپا ایک زوردار لانت رسید کر دی وہ اچھل کر اوندھے منہ نیچے گرا۔ اس کی گھڑی اور تیرت اخیر تھی۔ بے شک وہ ایک تجربے کا شخص تھا اور لڑتے ہوئے خود کو فرس کے حالات کا متبادل کرنے کے لیے تیار رکھتا تھا جس طرح فیروزق طور پر میں نے اس کی کرپا لٹ مار کر اسے زمین پر لٹا دیا تھا اس کی گھڑی اور ہوتا تو اس کا ماتھا، انک اور ہونٹ زمین سے ٹکرا کر زور زخمی ہو جاتے لیکن اس نے اسے گرنے گرنے کا تھکاپہ اپنے دونوں ہاتھ ملنے کر کے اپنا پھر زمین پر گر گئے سے کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ زمین سے لگتے ہی وہ لوٹ لگا کر فوراً اس جگہ سے ہٹ گیا تھا جہاں گرا تھا۔ اگر میں یا کوئی اور لڑے گرنے دیکھ کر اس پر چار لٹنے کی حماقت کر بیٹھتا تو یقیناً اس کی جگہ زمین پر پڑا ہوتا۔ دوسرے ہی لمحے وہ جھپٹے بیرون پر کھڑا کینڈوز نظرؤں سے مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے اسے خستہ دلانے کے خیال سے تعجب کیا۔ آئینہ انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دوبارہ اپنے اوپر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ وہ کسی خوشخوار زور دے کی طرح غڑنے کے انداز میں بولا "ایک بار میرے ہاتھ لگیا پچھتے تو یوں مسکرا نا بھول جائے گا" اس نے اپنے قبضے کے دامن کے نیچے دونوں ہاتھ ڈال لیے اور پیچھے ہٹتے ہوئے دیوار کے ساتھ جا لگا۔ میں ہمت خور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیوار سے پشت لگا کر اس نے ہماری طرف سے تھوڑا سا رخ موڑا۔ اس ایک لمحے کے لیے رخ پھیر کر وہ دوبارہ سیدھا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ بھی باہر نکل آئے تھے۔ اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اب اس کے دامن ہاتھ پر ایک ایسا دستہ پڑھا ہوا تھا جس کی پانچوں انگلیوں میں شیر کے پنجے کی شکل کے کوئی ایک ایک انچ لیے ہوئے کینڈوز لادائی ناخن چمک رہے تھے۔ صورت حال بہت خوف ناک ہو گئی تھی اب اگر وہ ایک بار بھی اس پنجے کا استعمال کرنے میں کامیاب ہو جاتا

تو میرا جگر جھانک لیتنی تھا۔ ایک ایک انچ لیے ہوئے کینڈوز ہر جسم کے جس حصے میں یہ پوست ہو جاتے، وہاں سے کھانڈو کینڈوز سرخوشت تو زور دہی نوج لاتے اور اگر چہ یہ کاسینے پر اس ہاتھ پڑتا تو میرے صبرت ناک انجام پڑ دیکھنے والوں کے دل دھڑکنے میری نظریں اس کے دامن ہاتھ پر جم کر رہ گئی تھیں۔ میں اس کے ہر حرکت کو پکلیں چھپکانے بغیر نہایت ہوشیار سے باز رہتا تھا۔ وہ کینڈوز نظرؤں سے مجھے گھورتے ہوئے دونوں ہاتھ مجھے گھیرنے کے انداز میں پھیلانے پہنچتے تھے قدموں سے آہستہ آہستہ گھبراہٹا تھا۔ اسے اس طرح بڑھتے دیکھ کر آواز بھی ساکت ہو کر رہ گئے تھے۔ شاید انہیں یہ اندیشہ تھا کہ کی کوئی حرکت مجھے ان کی طرف متوجہ کرے اس کے خوشخوار شیر لگا کی طرف سے غافل نہ کرے۔ وہ کسی فیملی سمت کی طرح مجھ پر میری طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ میں نے سوچنے سمجھنے کی بجائے مہلت حاصل کرنے کے ارادے سے ایک ایک قدم پیچھے شروع کر دیا مجھے پیچھے ہٹتے دیکھ کر اس نے ایچم دو کہ تیزی سے آگے بڑھ کر مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ اس کے آگے بڑھتے ہی ہاتھ بھی چپتے کی طرح بہت لگا کر اپنی جگہ چھوڑ دی اصول طور پر مجھے اس سے بچنے کے لیے اس کے خالی ہاتھ کی طرف جانا چاہیے تھا۔ اس کا بھی یہی خیال تھا کہ میں اس کی طرف جانے گا لہذا وہ اس انداز میں مجھ پر چھلانگ لگا کہ میں ہاتھ سے بے روک کر دایں ہاتھ کا پتھر میرے جسم میں یہ پوست کر کے لپکی میں نے اس کی توقع کے عکس دایں ہاتھ کی جانب چھلانگ دے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ ایک بار دشمن کی کلائی میرے ہاتھ میں آ جانے کے بعد اس کا سلامتی کے ساتھ میری گرفت سے آزاد ہو جانا اس وقت تک ممکن نہیں رہتا تھا جب تک میں خود ایسا کرنا نہ چاہوں۔ چنانچہ کلائی تھمتے ہی میں نے ہاتھوں میں ہاتھوں میں دباؤ ڈالا۔ اس نے اپنی کلائی چھلانگ کے لیے پورے زور سے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ اس کے اس عمل میں کام آسان کر دیا جھٹکا گئے ہی کوئی کی آواز کے ساتھ اس کی کھنی کا جوڑ کھل گیا تھا۔ عین اسی وقت آپنی اس کے کمر پڑا کہ ایک زوردار جھٹکے سے اسے ایک طرف چھینک دیا کسی شرورہ چھپکلی کی طرح دیوار سے ٹکرا کر نیچے گرا اور زمین پر ہونٹے ہوئے پنا کھڑا ہوا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے دبا کر ہانے کرنے لگا۔ لڑی نے اسے تو پتہ نہ چلتے دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا "اب جناب شیش ناگ صاحب! میں اسی لیے کر رہی تھی ان لوگوں کو منہ نہ لگو، یہ تمہارے بس کے نہیں ہیں۔ تم جیسا شیش ناگ کی طرح مارا گیا نا ان کے ہاتھوں؟" Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس سے کہا "اگر تمہارے ارمان مکمل گئے ہیں میرے دربار اٹھ کے دوڑ لگا جا اس عسیر احمد کی طرف اور اسے کہنے کہ میں اس کی جہان کے دن تک چکے ہیں اور تم بہت جلد سے دوسرے جہان پہنچا دیں گے" آدمی وہ خاصا سادھو تھا میری بات سن کر اس نے زمین سے اٹھنے میں ڈرا دیر نہیں کی تھی اور اپنے ناکارہ ہاتھ کی کلائی کو دوسرے ہاتھ سے تھما کر تیزی سے باہر نکل گیا تھا لڑی اس کے جانے کے بعد مجھے تعریفی نظرؤں سے دیکھتے ہوئے بولی "واہ جناب عالی! آپ نے تو کمال ہی کر دیا اس وقت۔ سچ پوچھیں تو اس کے ہاتھ میں پتھر دیکھ کر میں پریشان ہو گئی تھی۔ اگر اس کا ایک بھی وار کا کر گرتا ہوتا تو... آف میرے خدا! میرے کوا س تقدیر ہی سے روکنے کھڑے ہوئے لگتے ہیں" یہ سب وقت کی بات ہوئی تھی لڑی بگم اس گھڑی وقت ہم پر رہا ہے، بگم سے ہونے کا کام بھی آسانی سے بن جاتے ہیں جس دروازے سے یہ پتھر بدل لیے ہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔ یہ جو ہم قدم قدم پر خوشنیاں ہونے چلے آ رہے ہیں، یہ فصل جب لٹنا شروع ہو گی تو ہماری حالت قابل عبرت ہو گی۔ لوگ کان کان پڑ کر تو یہ کہیں گے ہیں دیکھو دیکھو کہ لڑی بولی "میں نے دایں آتے ہوئے چنگے سے کچھ فاصلے پر ایک سرخ رنگ کی کار کو دیکھ لی تھی۔ اس کی عقبی نشست خالی تھی اور اگلے دو نوشت ستوں پر دو برعاش صورت شخص بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی نظریں ہمارے چنگے کے گیٹ پر ہی لگی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اس وقت تو میں ہی سمجھی تھی کہ شاید یہ دونوں نیچے کی گھڑی کر رہے ہیں۔ میں ان کے قریب سے اس طرح گزرا تھی جیسے میں نے انہیں دیکھا ہی نہ ہو۔ سوچا میں نے یہ تھا ان کے ہاتھ میں کچھ شے میں بیٹھے تھے ہائیڈروفون کر کے ان دونوں کے ہاتھ میں تالوں اور گولوں کی کرانہیں اور بیٹھنے کے اندر گویا ہر اس شخص کو جس پر اس نیچے کی گھڑی کرنا کا شہ بھی ہوا اپنی نگاہ میں رکھے اور تعجب کے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرے یہ بھی تاکہ کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے انہیں اس کام پر لگا دیے اور خود ان کی ذمہ داری ہماری نگاہوں کی پہنچ سے بہت دور نہیں ہونے چاہیے۔ میں نے یہ خیال سنے وہ دونوں افسانہ نگار ہی کے ہاتھ میں کچھ شے تھیں۔ اس نے انہیں اس کے ہاتھوں کے انتظار میں دبا بیٹھے تھے۔ "اب انہیں یہ ہے مجھے بھی سمجھی وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ فرما جیسا کہ اوتار کہ باہر موجود اس کے ساتھی اسے سلامتی کے ساتھ بحال لے جائیں۔ آؤ دیکھیں ممکن ہے کہ یہ گھڑی دربار سے لے روک لیا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو ہم ان باہر والوں کو گھیرنے کی طرح مارا گیا نا ان کے ہاتھوں؟"

کی کوشش کریں گے "میں آگے بڑھا۔ "اوپنے چھٹا جیسا لٹانی، مٹی یا سیلون پہ سرگیٹ پکسی نے نہیں روکا ہوگا؟" "آئی بولا۔ "کیوں بھی کیوں نہیں روکا ہوگا اس کو دربان نے؟" اسے دبا بیٹھا اور اس کام کے لیے ہے؟ "میں نے پوچھا۔ "اللہ کے بندے تیرا دماغ بالکل ناکارہ ہو چکا ہے کیا؟ اتنی سی بات تیری سمجھ میں نہیں آتی، دربان کو اگر روکنا ہو تالے تو وہ اندر ہی کیسے آ سکتا تھا؟ انھوں نے اسے چھلے ہی گھڑی بنا کر ڈال دیا ہوگا کسی کو نہیں۔ یقین نہیں ہے تو جا کر دیکھو لڑی نے جواب دیا۔ اس کی یہ بات محض ہی لگتی تھی مجھے لہذا میں تیزی سے باہر کی طرف ایک پڑا لڑی اور آئی نے بھی میری تقلید کی۔ ہم تینوں تقریباً دوڑتے ہوئے مین گیٹ تک پہنچے لیکن وہاں دربان کا کہیں پتا نہیں تھا۔ گیٹ کھلا ہوا تھا، میں نے آگے بڑھ کر گیٹ سے باہر گئی نظرؤں دوڑائیں تو مجھے وہ شرح کار نظر آئی جو تیزی سے مین روڈ کی طرف دوڑی چلی جا رہی تھی۔ پھر وہ گلی کا موڑ گوم کر میری نظرؤں سے اوجھل ہو گئی۔ لڑی بھی اس دوران میرے قریب ہی آ گھڑی تھی۔ وہ بولی "یہ وہی کار تھی جناب عالی جو کچھ دیر پہلے یہاں کھڑی تھی" "ہوں۔" میں نے واپس پلٹے ہوئے کہا "آؤ چلے ہیں دربان کو تلاش کرنا ہے۔ کہیں اسے مار ہی نہ دیا ہو اسے روکیوں نے۔" میری نظر آئی پر پڑی۔ وہ گیٹ کے دامن جانب دربان کے کیبن کے دروازے پر کھڑا تھا۔ ہمیں گیٹ سے ہٹ کر اُدھر بڑھتے دیکھ کر بولا "اُدھر کیبن میں آکر خود دیکھو لو اپنی آنکھوں سے اسے پاس لے کر یہاں ڈال رکھا ہے، ان لوگوں نے" میں اور لڑی تیزی سے کیبن کے دروازے پر پہنچے۔ آئی نے ایک طرف ہونے کی ہین اندر جانے کے لیے راستہ دے دیا۔ دربان کو اس ذیل شیش ناگ نے رسی سے جڑ کر کہیں کے ایک کونے میں ڈال دیا تھا۔ اس کے منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا لیکن آنکھیں اس کی پوری طرح کھلی ہوئی تھیں۔ ہمیں دیکھ کر اس نے جازبی سے "اؤں اؤں کرتے ہوئے اپنے بندے ہوئے ہاتھوں اور بیرون کی طرف اشارے کرنا شروع کر دیے۔ شاید وہ ہم سے اپنے جکڑ بندہ کھولنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ منہ پر ٹیپ چپکا ہونے کی وجہ سے اس کی زبان سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔ لڑی نے آگے بڑھ کر ٹیپ اس کے منہ سے نوخ کراٹا گ چھینک دیا۔ میں نے جلدی جلدی اس

۶۔ اندازہ ہی لگانا مقصود ہوتا تو کام دہ مہینہ سر راہ پہنچا  
روک کر بھیج کر سکتا تھا۔ اس کے لیے مجھے اس شخص کے انتظار مول لینے  
کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے یہ تو وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ جانا  
جبیا شہر زور ورجن کے ہاتھوں اپنی جان گواہ بیٹھا وہ کوئی معمولی  
لوگ تو نہیں ہوں گے۔ وہ اصل غلطی وہ اپنی طاقت کا اندازہ کرنے  
میں کر بیٹھا تھا۔ اسی لیے اپنی اوقات معلوم نہ کرے وہ اپنی جان

”ہاں یار حیدرانی! یہ تو بڑی عجیب بات ہو رہی ہے۔  
 ساتھ-سہم اس دنیا کی جھول بھولوں میں پھنس کر رہے  
 باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہیں مل رہا ہے۔ جس راہ پر  
 دھرتے ہیں اس کا اختتام دار ہی رہتا نظر آتا ہے۔“

”اے کسی کو ہم دو لڑکوں کے ذاتی تعلق پر اعتراض جو نامعنی نہیں پہنچے۔ تم بتاؤ کیا کتنا جاہ رہی تھیں۔“

”جس رات آپ شکوہ پور کے لیے روانہ ہوئے تھے، اس رات کچھ نامعلوم لوگوں نے بابا صاحب کے آستانہ میں دھنکے کی کوشش کی۔“

ٹیلی فون کی گھنٹی اچانک اتنے زور سے جینی تھی کہ میرا بالوں کے لیے کھلا ہوا منہ ایک دم بند ہو گیا۔ ہم تینوں نے ایک ساتھ

جگہ سے اٹھ کر قریب جا کر ریسیدور اٹھالیا۔ میرے ہیلو کہتے ہی دوسری طرف سے کسی نے غراتے ہوئے کہا "غلام جیلانی کو بلاؤ۔"

میں نے مذہب انداز میں پوچھا "آپ کون صاحب بول رہے ہیں جناب؟ نام تو بتادیں اپنا؟" "میں کتنا ہوں بک بک نہیں کر سکتے، جو کہتا ہوں وہ کر، غلام جیلانی کو بلا دو جلدی سے۔ دیر کی تو بنگلے میں کوئی زندہ نہیں بچے گا۔"

"اوہو! کون شور مارتا ہے کبھی تو؟ نام تو بتا دے اپنا، میں جیلانی ہی بول رہا ہوں میرے بچے۔" میں نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

وہ غصے سے دھاڑتے ہوئے بولا "اُسے رستم کی اولاد! میں خبردار کر رہا ہوں تجھے۔ اب گھر سے باہر نکلے تو بہت مسئلہ ہو کر نکلتا۔ تیری موت کا حکم صادر ہو چکا ہے مگر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تجھے بے خبری میں ذبح کر کے ڈال دیا جائے۔ لہذا اپنے دفاع کا انتظام رکھنا اور ساتھ ہی کفن و دفن کا بھی۔ یہاں قہر کی کھال بہت مہنگی ہے۔ اس شرافت سے کہہ دے کسی کو گرنے کو جیانا دے دے۔"

"شاہاں بھٹی، موت کے فرشتے بھی اسٹیل فون کر کے آئے گئے ہیں، مگر جناب یہ بتا دو آپ مجھے کہ آپ سیری روٹ قبض کرنے کے لیے میرے گھر سے نکلنے کا انتظار کیوں کر کیے ہیں۔ کیا یہاں اگر اپنا فرض ادا نہیں کر سکتے آپ ہنسنا تو یہ تھا میں نے کہ آپ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔"

"بھوس نہیں کر سکتے، میرا نام ظہیر احمد ہے میں کتوں کو گھروں سے باہر نکال کر ہی مارا کرتا ہوں سمجھا تو؟ وہ پھوڑا ڈاڑ۔"

"اچھا، تو یہ آپ ہیں پردہ نشین خاتون۔ شاید وہ انگڑا ٹوٹا لگاگ تمہارے پاس پہنچ گیا ہے، مگر اگر تو نے اس کے انجام سے کوئی عبرت نہیں حاصل کی اُسے دیکھ کر کبھی تیرے چھوٹے کھنے کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔" میں نے طنز پر انداز میں کہا۔

"انجام سے تو لوگ تیرے عبرت حاصل کریں گے میں تو تجھے وہیل ہی دیتا رہا ہوں اب تک۔ میرا خیال تھا کوئی ہلکی چٹکی مرنے والا مارا دے درست کرنے کے لیے کافی ہوگی مگر معلوم یہ ہوتا ہے تیرا جی بھر چکا ہے اب اس ڈنہا سے ٹھیک ہے تیری خواہش آج کل میں ہی پوری ہو جائے گی۔ اب تجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا اپنے انجام کا۔" اس نے ریسیدور سے منع دیا۔

سلسلہ منقطع ہونے کے بعد میں نے بھی ریسیدور کو لڑی کی طرف دیکھا۔ وہ بولی "کون تھا؟ ٹریک کنٹرولر کسے تجھے؟ آپ کہیں ظہیر احمد نے تو فون نہیں کیا تھا؟"

"ہاں ادھی تھا، میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ تھا ہا ہر ہوشیاری سے نکلوں، اس نے میری موت کا خطرہ صادر کر دیا ہے۔"

آبی ہنس کر بولا "اُسے، اُسے کام خدا نے ایسے سر پر کر دیا تو ہیلے؟"

"کہہ تو وہ اسی انداز سے رہا تھا جیسے آج کل لوگوں کا ماننے کا کام اسے ٹھیکے پر ملا ہوا ہے۔" میں نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"چھوڑیں جناب، لعنت بھیجیں اس پر میں ابھی ہزار کوفوں کر کے اس کا انتظام کرادی ہوں۔ آپ باہر چلے گیا ہوں کہیں وہاں ہمارا بچہ جیسی سے انتظار ہو رہا ہو گا۔ لڑی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے آبی سے کہا "آبی! تو بھی اپنے کمرے کے شپے بدل لے جیانی، میں تجھے لے چلوں گا اپنے ساتھ۔ اب تو تو بھی ہمارے شے لے کر ملا کر ہی چلے گا، اس لیے تو بھی سب سے ملے چل کر۔" اسی لیے تو کہا تھا میں نے کچھ اُدھر فروری پگ کی طرف چلا جائے دے۔ اب یہاں کیڑے کہاں رکھیں گے؟ آبی بولا۔

"اُدھر اہر رکھا ہے میں بہت سے سوٹ لے کر آیا ہوں، انہی میں سے کوئی منڈ لے اپنے اوپر بھیجی۔" میں نے کہا۔ "سوٹ نہیں اُسے، بالکل بڑی کا غلام لگوں گا۔" میں تو کوئی پینٹ بٹر ہو تو خیال دے مجھے، وہی جیہ رسپے گی۔"

میں نے اسے اپنے ساتھ لے جا کر ایک تپون اور شے اس کے حوالے کر دی۔ وہ لے لے کر پھر روم میں جا گیا۔ منٹ بعد وہ باہر نکلا تو تپون بشرٹ میں اس کی نشان دہی ہو رہی تھی۔ یہ لباس اس کے بالکل ٹھیک آیا تھا اور خوب رہا تھا اس کے اوپر۔ اس کی شخصیت ہی بدل کر رہ گئی۔ لوگ جو اسے ایک قاتل، ڈاکو اور جیل سے بھاگے ہوئے کی حیثیت سے جانتے اور تلاش کرتے تھے اب وہ ان کے کھڑی لے دیے دیکھ لیتے تو پہچانتے سے انکار کر دیتے۔

کہا "اس لباس میں تو تیرا دل ہی بدل گیا ہے یاد؟" ہم دونوں تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں پہنچے تو لڑی دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بولی "آئیے جناب عالی، ہم باہر آکر اس کو رولامیں جا لیتے جس میں لڑی بیٹھ

رہے۔ میں نے لے کر آئی تھی۔ ڈرائنگ سیٹ لڑی نے بٹھا لیا تھی۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے نکلے سے باہر لے آئی۔ پندرہ بعد ہماری کار تیز رفتاری سے سبیل کی طرف بھاگ جا رہی تھی۔ جیل کے دروازے کے سامنے اس نے کار بے کالونی کی طرف ٹوڑی۔ چند ثانیے بعد کار تین بٹی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں ابھی سے وہ ایقت آباد کے پل پر جا چڑھی۔ پل کے درمیان پہنچ کر رزنی نے کہا "جناب عالی! ہمارا تعاقب کیا جاتا ہے۔"

اس کی بات سننے ہی میں نے اور آبی نے ایک ساتھ ہٹ کر پیچھے دیکھا۔ ہمارے پیچھے کاروں بسوں اور کشادوں کا ایک دھلسا سا جھلکا آ رہا تھا۔ اس موج و مرجع ٹریفک میں کسی ایسی گاڑی کو جس پر ہمارا تعاقب کرنے کا شہ کیا جاسکے، ٹاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔ میں نے پیچھے آنے والی کاروں کا جانچ لیتے ہوئے لڑی سے پوچھا "کون سی گاڑی تعاقب لڑی ہے ہمارا پیچھے تو بہت سی کاریں ہیں؟"

"ایک نہیں دو کاریں ہیں ہمارے پیچھے۔ ایک تو وہ تیسرے نمبر پر چلے گئے کہ لڑی ڈاشن نظر آکر ہی ہے۔ لڑی نے عقبہ کا نظروں سے گزرنے والی شے میں دیکھتے ہوئے کہا "دوسری اس کے کچھ پیچھے ایک ٹیکسی کے ساتھ پہلی مزد ہے۔"

میں اسی وقت تیری نظر بھی اس پہلی مزد پر جمی تھی۔ وہ دہی مزد تھی جس کے پاسے میں فیروز مجھے تاجپاک تھا۔ اس مل فیروز کے ایک میری حفاظت کی غرض سے ہمیشہ میرے ادھر گرد و دور رہتے تھے۔ اسے دیکھ کر مجھے خیال آیا فیروز کے کھنے کے مطابق یہ لوگ وقت اور موسم کا لحاظ کے بغیر ہر گھڑی بہت قریب موجود رہتے ہیں۔ مگر میں نے کراچی سے متعلق گاؤں میں لا کھولا لاشاری کی توبل تک اور وہاں سے سکھ تک ایک بار بھی اس کار کی جھلک تک نہیں دیکھی تھی۔ اس دوران انھوں نے کس طرح میری نگرانی کی ہوگی؟ کیونکہ یہ وقت اس کے پرماتما نگہبانے کے لیے مناسب نہیں تھا۔ اس دوران ایقت آباد کے اندر ایک ایسی جگہ پہنچ چکے تھے جہاں ایک چوڑا گول پارک تھا۔ اس پارک کے چاروں طرف چار ٹریفک منگفتیوں کو جاتی تھیں۔ یہاں ٹریفک کا لے پناہ ختم تھا۔ لڑی نے وہاں پہنچتے ہی ترمزی سے اپنی گاڑی بائیں سمت ہلنے والی سبیل پر موڑ کر اس کی رفتار بڑھا دی۔ چند ہی لمحوں میں ہماری کار خشک تری کے ایک اوڑیل پر جا چڑھی۔

میں نے سر پر ایک ہار چھپے دیکھا۔ گرے رنگ کی ڈاشن اب بھی اُسے پیچھے موجود تھی۔ البتہ اس بار فاصلہ کچھ بڑھ گیا تھا۔ بالموڑ کے لڑی نے لڑی کے کار جلدی سے ایک ذیل ٹرک پر ڈھکی، اس علاقے میں دو دوا در تین تین منزلہ خوشنما بننے

دور دور قطاروں میں بنے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی گلیاں بھی تھیں۔ لڑی نے اپنی کار کو ادھر ادھر گلیوں میں چکر مارنا شروع کر دیا۔ چار یا پانچ گلیوں میں چکر کھانے کے بعد ہم ایک بار چرین روڈ پر جا پڑے لیکن یہ سڑک وہ نہیں تھی جس پر سے گزرتا تھا یہاں آئے تھے۔ یہ گولی مارا والی سڑک تھی۔ ہمارے دائیں بائیں چار چر تھی اور سامنے رضویہ کالونی۔ لڑی نے چورنگی کی طرف جانے کے بجائے کار کو رضویہ کالونی میں جا گھسیا اور وہاں سے سیدھی ٹرک پر کار دوڑاتے ہوئے ایک لمبا سا موڑ کاٹ کے اس سڑک پر نکل آئی جو چورنگی سے سیدھی ساٹھ اپنا پاتا تھی۔ اس سڑک پر آنے کے بعد ہم پر یہ اختلاف ہوا کہ لڑی کی یہ ساری رنگ و ولے کار ہی رہی تھی۔ وہ گرے رنگ کی ڈاشن جس سے جان چھڑانے کے لیے اس نے سب کچھ کیا تھا رضویہ کالونی سے نکلنے والی اس سڑک سے ذرا پیچھے ایک طرف کھڑی تھی ہمارے وہاں پہنچتے ہی وہ حرکت میں آگئی۔ اس کار میں ہمارا پیچھا کرنے والے بہت ہی عیار لوگ تھے۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ ہم بالآخر اسی سڑک پر پہنچیں گے اسی لیے انھوں نے ہمارے پیچھے کی کونوں میں ماسے ماسے پھرنے کے بجائے یہاں آکر ہمارا انتظار کرنا مناسب جانا تھا اور ان کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ خلد ساٹھ ایسی ایک طرف کار دوڑتے ہوئے لڑی کی نظر اس ڈاشن پر پڑی تو وہ بے ساختہ بولی "لعنت ہو تم پر، میں تو سمجھتی تھی تم سے اب جان چھوٹ گئی ہے۔ تم ٹھیک سے چلو، پہلے تم سے ہی ٹرٹ لیا جائے۔ جو تمے کھائے بغیر تم پیچھا نہیں چھوڑو گے، لگتا ہی ہے مجھے۔"

"آبی بولا "دن کی روشنی میں اتنی بھری پڑی سڑک پر ان سے بھڑنا اچھا نہیں ہوگا۔ پولیس ولسن کا پتھر نہ چبل پڑے کہیں۔"

میں نے کہا "اتنے بے وقوف وہ بھی نہیں لگتے ہیں مجھے۔ اسی لیے اب تک کوئی کار وائی نہیں کی ہے انھوں نے ہمارے خلاف۔ کسی مناسب موقع اور جگہ کا انتظار ہے انہیں۔ کسی ایسے دیران مقام پر یہاں گھینا جاتا ہے وہاں کسی کی مداخلت کا امکان نہ ہو۔"

"یہ اس ظہیر احمد ہی کے پیچھے ہوئے لگے ہیں مجھے۔ جناب عالی! آپ نے اندازہ لگایا کچھ ان کے بارے میں آڈی نے دریا فٹ کیا۔"

"ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو لڑی! اسی کے آدمی ہیں یا اور اس نے تھوڑی دیر پہلے مجھے فون پر جو دھمکی دی تھی، اس کو عمل جامہ پہنانے کے لیے یہ ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ بہتر یہی ہے انہیں اپنی سرسین نکالنے کا موقع فراہم کر

دیا جائے۔

میرا بھی یہی خیال ہے۔ ممکن ہے اس طرح ان سے ہمیشہ کے لیے چٹکا رامل جائے۔ یہ تو جان کو چٹ کر ہی رو گئے ہیں۔ لڑائی بولی۔

ہم اب اس سڑک پر آگئے تھے جو سید مٹھکھو پیر کے پہاڑیوں میں لے جاتی ہے۔ لڑی نے کار کو رفتار اتنی رکھی تھی کہ گتاقب میں آئے والوں کو دشواری نہ ہو اور دیکھنے والے بھی یہ نہ سوچ سکیں کہ دو کاروں کی خوف ناک طوفان کی طرح منگھو پیر کی طرف کیوں بھاگ جا رہی ہیں۔ میلوں اور فیکٹریوں کی قطاریں ختم ہونے کے بعد ویرانہ شروع ہوتے ہی ڈاکٹروں نے ہماری کار سے آگے نکلنے کی کوشش شروع کر دی مگر لڑی نے اس وقت تک اسے آگے نہیں جانے دیا جب تک بابا اسحاق کے آستانے والی پہاڑی نظر نہیں آئی۔ پہاڑی کو دیکھ کر لڑی بولی۔ "لیں جناب عالی، ہوشیار ہو جائیں۔ میں انہیں اپنی پسند کی جگہ تک لے جانے کا خیال ہونے لگی ہوں اور اب ان کی گاڑی کو آگے جانے کے لیے راستہ سے رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم انہیں گاڑی آگے لے جانے دو۔ اس کے بعد اپنی کار اس چھوٹی پہاڑی کی طرف موڑ لینا،" میں نے آستانے والی پہاڑی سے کچھ پہلے پڑنے والی ایک چھوٹی پہاڑی کی طرف الجھی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ ادھر کیوں جانا چاہتے ہیں آپ؟" لڑی نے اپنی کار کی رفتار کم کر کے اسے سڑک کے ایک طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس پہاڑی کی اوٹ میں ہی ہم ان سے دودھ ہاتھ دین گے تاکہ ادھر سے گزرنے والے ہمیں دیکھ نہ سکیں۔ میں نے بتایا۔"

لڑی نے جیسے ہی اپنی کار ایک طرف کی ڈاکٹروں طوفانی رفتار سے آگے نکلتی چلی گئی۔ اس میں ظہیر احمد کے علاوہ چار افراد اور بھی موجود تھے۔ ایک ڈرائیونگ کر رہا تھا اور باقی تین عقی نقیہ سمیت میں دھننے خوشحال نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کی کار جب ہمارے قریب سے گزر رہی تھی تو میں نے ظہیر احمد کو اشتعال دلانے کے لیے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا دیا تھا۔ جواب میں اس نے غصے سے منکا ہار کر جو کچھ کہا تھا وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکا مگر یہ یقین ہے کہ اس نے مزہ کو کافی گندی سی گالی بھی تک پہنچانے کی کوشش کی ہوگی جسے تیز جواؤں اور کار کے شیشوں نے بچہ تک نہیں پہنچا دیا تھا۔

ڈاکٹروں نے آگے نکل کر ہماری کار کے سامنے ہمارا شروع کر دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی رفتار بھی کم ہوتی جا رہی تھی۔

اس طرح وہ ہمیں دیکھ کر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ شاید انہیں اب عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن میں یوں سوچ رہا تھا کہ ان سے ٹکرانا سب سے بہتر تھا۔ لہذا مجھے ہی انھوں نے بہتر روکنے کی کوشش کی، لڑی نے میری ہدایت کے مطابق کچھ میٹر آگے پہاڑی کی طرف دوڑا دی۔ وہ آگے بڑھتا ہوا زمین اور چنگر چھیل ہوئی خود درختوں کی پر دہ کیے بغیر نہایت مستقامی سے کار مطلوبہ پہاڑی کی طرف جانے لگا۔ میں نے پیچھے ہٹ کر دیکھا، ظہیر احمد کی کار سڑک پر گڑی گئی تھی۔ انہیں شاید یہ توقع نہیں رہی ہوگا کہ ایک نازک انداز میں یہاں پہنچ کر خطرہ اسے پہنچا دینے کی ہر بات کی کوشش۔ چند لمحوں کے بعد اس کی کار بھی سڑک سے آگے ہمارے طرف بڑھنے لگی تھی لیکن اس کی رفتار بے حد سست تھی۔ شاید اس کار کے ڈرائیور کو لڑی جیسی ہمارے ساتھ حاصل نہیں تھی۔ ابھی مطلوبہ پہاڑی کے عقب میں پہنچ کر میں نے ہائی طرف نظریں دوڑائیں۔ ادھر دھڑ دھڑ کر کسی جاندار کا ایک ٹک نظر نہیں آ رہا تھا۔ میلوں دور مکانا نظر آسکتے لیکن اتنی دور سے ہمارے دیکھ لینے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پہاڑی کے بالکل نیچے ایک ڈھانچہ تین فٹ اور خاصا لمبا چوڑا گڑھا تھا۔ یہاں سے شاید کچھ لوگ غزوہ کے وقت مٹی کھود کھود کر نکالتے رہے تھے۔ میرے کھدے لڑی نے کار اس گڑھے کے کنارے لگا کر کھڑی کر دی تھی۔ اپنے اپنے ہاتھوں میں پسٹول پکڑ کر اسے نکل کر اس گڑھے میں آگئے۔ وہاں سیڑھی کھڑے ہوئے کہ باوجود ہم کھدے پیچھے پوری طرح چھپ جاتے تھے۔ پہلے آنے والا ایک فائدہ حاصل ہو گیا تھا ہمیں۔ ہم یہاں مورچہ بند ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

کوئی دو یا تین منٹ کے انتظار کے بعد ہم کھدے انہی کی ہلکی ہلکی گھر گھر ریں کر چوکتا ہوئے ادھر دیکھنے لگے۔ وہ آواز آ رہی تھی۔ ہم اس طرف سے آگے بڑھنے لگے۔ اس کی مخالف سمت کا انتخاب کیا تھا۔ شاید انہیں یہ گمان ہوگا کہ ہم انہیں چھپنے کے نکل سہاگن جانتے ہیں، اسی لیے ادھر کا رخ کیا ہے۔ لہذا وہ ہمیں سامنے سے روکنے سے اس طرف سے آ رہے تھے۔ پھر ان کی کار پہاڑی کی طرف سے نکل کر سامنے آگئی اس طرف آتے ہی ان کی نظر ہماری کار پر پڑی۔ بیک وقت مٹی آوازیں سنائی دیں۔ وہ کھدے ان کی کار۔ پھر کوئی بولا۔ "مگر تو خالی معلوم ہوتی ہے۔ وہ گاڑی چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔"

اس کے بعد کار کے دروازے بند ہونے کی سہولت نین آوازیں سنائی دیں۔ پھر ظہیر احمد کی آواز بھیجی گئی۔

مجھے میں وہ ہم سے بچ کر۔ یہاں قریب وجوہ میں نہ کوئی آواز ہے۔ کوئی ناگاہ۔ انہیں یہاں چھپنے کی کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔ کھدے کو دیکھ کر کسی ٹیلے یا چٹائی کے پیچھے چھپ گئے۔ ب. ذرا شہابی سے قدم بڑھانا، اگر وہ مسلح ہوئے تو نہایت ناہی ہو گئے۔

"کھدے کو باس! ہم انہیں ہتھیاروں سمیت ان پہاڑیوں میں دفن کر کے ہی جائیں گے۔ اب یہ نہیں کہیں گے آگے۔ وہ کار سے آگے مختلف سمتوں میں پھیل کر آگے بڑھ رہے تھے۔ مگر ان میں سے کسی کا بھی رخ ہماری طرف نہیں تھا۔

رہنے آہستہ سے سر اٹھا کر ان کی کار کی طرف دیکھا۔ ظہیر احمد کے قریب کھدے اپنے آدھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ہتھ پتھ ہمارے طرف تھی، مگر وہ آہستہ آہستہ ادھر ادھر غریب دوڑاتے ہوئے گھومتی جا رہا تھا۔ میں نے لڑی اور ان کو دیکھ کر اسے روکنے کی ہدایت کی اور اپنی کار کے پیچھے سے گھوم کر ظہیر احمد کے سامنے آگیا۔ اس کے پاس ساخھی ادھر ادھر پہاڑیوں کے پیچھے چھپتے رہے تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں پسٹول دے دیے ہوئے تھے۔ ظہیر احمد کے ہاتھ میں ایک گولی تھی جسے کندھے پر رکھ کر آرام سے کھلا دینے آدھوں کو دیکھ رہا تھا۔ میں پسٹول سیدھا کیے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ابھی چند قدم ہی اس کی طرف بڑھا کہ مجھے میں نے کہ اس کے آدھوں میں سے کسی ایک کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس نے دہلی سے چلا کر ظہیر احمد کو ہتھیار کر دیا۔ وہ... استاد...

دوبہ... ادھر... ظہیر احمد ایک دو چوکتا ہو کر میری طرف بٹ بٹا۔ مجھ پر غریب نے ہی اس نے نہایت کچھڑے کے ساتھ اپنی اسٹین گن بوجھ کر دیکھی کہتے ہوئے کہا۔ "ادھ تو تم یہاں چھپے ہوئے تھے؟"

آج بوقتوں ہی باہر آگئے۔ درختوں میں بھی زیادہ چھپے نہیں رہ سکتے تھے۔ میرے آدھ ان پہاڑیوں کے اندر سے بھی نہیں کھود کر نکل لاتے۔ ...

میں نے اسے زیادہ دیر کو اس کرنے کی مہلت نہیں دی۔ یہاں ہاتھ لگا کر میں نے دیر کر دی تو ان کے وہ چاروں ساتھی کے پاس پہنچ جائیں گے، پھر میرے لیے ان پر قابو لینا مشکل ہو جائے گا۔ لہذا وہ ابھی جڑیں مار کر مجھے معوبہ سے گولی کوشش کی کہ رہا تھا کہ میں نے اس کے ہاتھ کا نشانہ نہ مارا تھا۔ میرا نشانہ بے خطا تھا۔ گولی سیدھی اس کے سینے میں گئی۔ اس کی پشت پر لگی۔ اسٹین گن پر وہ اپنی گولی نہ مار سکا، وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آگ پڑی۔ وہ ظہیر احمد بائیں ہاتھ سے اپنا دایاں ہاتھ پکڑ کر ایک دم

نیچے بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ سے خون کا پتلا سا بہرہ ہاتھ کیلین کی شدت کے باعث چہرہ اس کا بڑی طرح بگڑ کر رہ گیا تھا۔ میں جیسے ہی اسے جست لگا کے اس کے سر پر چاہتا ہوں اور چیک کر اس کے ہاتھ سے نکلی ہوئی اسٹین گن اٹھانے کے لیے نیچے جھکا لیکن زخمی ہونے کے باوجود وہ منہ اسٹین گن اٹھانے کا موقع دے نہ سکا۔ میں جیسے ہی نیچے جھکا، اس نے پیچھے سے پوری قوت کے ساتھ مجھے دھکا دے کر میرے پاؤں اٹھا کر دوپے۔ میں دھکا دھکا کر آگے بڑھا تو میرا سر اس کی کار کے دروازے سے ٹکرا گیا اور پھر اس سے پہلے کہ میں پسٹول کر سیدھا ہوتا، میرے سر کے پیچھے جتنے پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ظہیر احمد کے کسی ساتھی نے پیچھے سے آکر اپنے پسٹول کے دتے سے میری کھوپڑی پر ڈالی تھی۔ چند لمحوں کے لیے میری آنکھوں کے گرد اندھیرا سا چھا گیا۔ میرے حواس جیسے گم ہونے لگے تھے۔ پھر گولی چھنے کی آواز کے ساتھ ہی مجھے اپنے قریب ہی کسی کی گراہ سنائی دی۔ شاید آگاہی یا لڑی میں سے کسی نے مجھ پر حملہ آور ہونے والے کو نشانہ بنایا تھا۔ ظہیر احمد کی گولی بائیں کے ساتھ سر کاٹنے ایک ہاتھ اس کی کھڑکی پر پڑا۔ اپنے آپ کو سنبھالے کھڑا تھا۔ آہستہ آہستہ میری آنکھوں کے سامنے سے دھند چھٹنے لگی، حواس بحال ہونے لگے اور مجھے دھیرے دھیرے سیدھا کھڑا ہونا چاہا گیا۔ کھڑے ہوتے ہی میں ایک دم ظہیر احمد کی طرف بٹ گیا۔ اس کے ہاتھ سے خون اب تک تیزی سے بہہ رہا تھا اور وہ اس خون کو سینے سے روکنے کے لیے اپنے زخمی ہاتھ کی گالی پر دھال لپیٹ کر اسے سختی سے باندھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس کا وہ ساتھی جس نے میرے سر پر ضرب لگائی تھی، میرے قریب ہی دونوں ہاتھوں سے پیٹ پیٹے اور اندھا بنا زمین پر پیر کر رہا تھا شاید آگاہی یا لڑی نے اس کے پیٹ میں گولی مار دی تھی اور اب وہ بس اپنی سانس لین پوری کر رہا تھا۔

ظہیر احمد کے بقیہ ساتھیوں نے مختلف ٹیوں کی آڑ بٹولی تھی اور وہاں سے وقفے وقفے سے ہماری کار کی طرف گولیاں چلا رہے تھے۔ لڑی اور آگاہی ابھی تک اپنے مورچے میں جھے ہوئے تھے۔ لڑی نے البتہ ایسی پوزیشن اختیار کر لی تھی جہاں سے وہ مجھے اور ظہیر احمد کو بھی اپنی نگاہ میں رکھ سکتی تھی۔ شاید وہیں سے اس نے مجھ پر حملہ آور ہونے والے شخص کو گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ میں نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ظہیر احمد کی اسٹین گن اٹھائی اور اپنا پسٹول ٹیوں کی بیلٹ مین گھڑ پڑے ہوئے ظہیر احمد کو مخاطب کیا۔

"ظہیر احمد! تیری بد معاشی سے دن تک گئے۔ اب تیرے لیے اچھا یہی ہے کہ تو ہر کے کسی گوشے میں جا بیٹھا اور



بقیہ عمر یاد اللہ میں گزار دے۔  
 ”کب نہیں اوتھے۔ اے تے ہن ای تباہ لگ جاڈا لے  
 کر کس دے دن مٹے ہوئے نے۔ سالے آج میں تینوں  
 زندہ نہیں چیدان کا؟“

اس نے بیٹھے بیٹھے جست لگائی اور اس سے پہلے کہ  
 میں اس کے ارادے کو سمجھ سکتا وہ مجھ پر پڑا اور بائیں ہاتھ  
 سے دوہیں گھونٹنے میرے منہ پر چڑھ دیے۔ کجمنت میں بڑی  
 جان تھی۔ اس کی پوری پتھیلی ادھر دھری ہوئی تھی، بڑی مقدار  
 میں خون بہہ رہا تھا۔ اس کے ادا جو داس کے بائیں ہاتھ میں  
 اتنی جان باقی تھی کہ اس کے گھونٹنے میرے اپنے منہ پر چھوڑے  
 کی طرح پڑتے محسوس ہوئے تھے۔ اس کی اس حرکت پر میں  
 غصے سے بے قابو ہو گیا اور مشتعل ہو کر میں نے اپنا کھٹنا  
 پوری قوت سے اس کے پیٹ میں مار دیا۔ کھٹنے کی ضرب  
 بہت شدید تھی۔ وہ ذبح ہوئے والے جیل کی طرح ڈرکاتا ہوا  
 پیٹ پکڑ کر کچھ پٹنا لگا گیا۔ مجھ پر جنوں سا سوار ہو گیا تھا۔  
 میں نے اسٹیشن کن کو مال کی طرف سے پکڑا اور اسے لاشی کی  
 طرح تھام کر زلیخہ احمد پر پل پڑا۔ میں نے بڑی بے دردی سے  
 اسے زد و کوب کیا تھا۔ اس کے بدن کا ایک ایک حصہ  
 لہو لہان کر دیا تھا اور شاید کوئی بڑی اس کی سلامت نہیں  
 رہی تھی۔ وہ حلق چٹا چٹا کر چیخ رہا تھا، مجھ سے پکھنے کے لیے  
 ادھر ادھر کا کھانا کچھ رہا تھا۔ مگر میں نے اس درندے  
 پر ذرا بھی رحم نہ کرنے کا متمنی نہ کر رکھا تھا۔ لہذا میرے ہاتھ اس  
 وقت تک نہیں رکے جب تک وہ بے دم ہو کر گر نہیں پڑا۔  
 اس کے گرنے کے بعد میں اسٹیشن کن کی سیدی کر کے اس طرف  
 چل دیا جہاں اس کے بقیہ ساتھی دیکھے بیٹھے تھے۔ انھوں نے  
 میرے ہاتھوں لینے پاس کوٹھی میں کھڑے دیکھ کر یہ اندازہ لگا  
 لیا تھا کہ وہ میرا کچھ بھی نہیں بلگاؤ سکیں گے اور اگر مجھ سے مقابلہ  
 کر لے گی حماقت جاری رکھی تو خود ان کا انجام بھی نہایت  
 دردناک ہوگا۔ لہذا مجھے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ اپنی اپنی  
 کہیں گا۔ ہاں نکل آئے اور اپنے اپنے ہسپتال میرے  
 قدموں میں چھینک کر دوڑوں ہاتھ سر پر رکھ کر کھڑے  
 ہو گئے۔

ان کے ہتھیار پھینکتے ہی آبی اور لڑی جھانگتے ہوئے  
 میرے پاس آئے۔ آبی نے فوراً تینوں ہسپتال اٹھا کر اپنے  
 قبضے میں کر لیے۔ اور ان سے بولا۔ ”اوئے بس اتنا آدم تھا  
 تم لوگوں میں؟ اوئے اتنے سے کام کے لیے ہمارے پیچھے لگ  
 کر یہاں تک آئے تھے تم؟“

ان میں سے ایک قدرے تلخ لہجہ میں بولا۔ ”آبی پہلوان  
 ہمارا مذاق نہیں ڈالنا چاہیے تھیں۔ یہ تو جوتا ہی رہتا ہے۔“

اڑائی میں دوڑیوں میں سے کسی ایک کو شکست  
 ہی پڑتی ہے۔ اس سے شکست خوردہ کو کمزور یا کمزور  
 سمجھ لینا چاہیے۔ اس وقت جیلان کی چال کامیاب ہو گئی  
 یہ ہمیں اپنے پیچھے لگا کر اپنے پسندیدہ میدان تک لاسا۔  
 کامیاب ہو گیا اور ہم اس کی چال کو سمجھنے بغیر ہر جھوک  
 تک آگے کو توں گ۔ جسے جان بچا کر کھانا کھاتے ہوئے  
 بازی ہار گئے۔ یہ خالصتاً جنگی چال تھی جس سے ہمیں منہ  
 دی۔ اس سے ہماری کمزوری یا بزدلی ظاہر نہیں ہوتی۔  
 ”یہ ٹھیک کتاب ہے آبی۔“ میں نے اس شخص کو غور  
 دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ مجھے برعاشوں کے جتنے کا آدمی بالکل نہیں لگاؤ  
 نہ جانے کون سے حالات تھے جنھوں نے اسے ان بے خبر  
 قاتلوں اور برعاشوں کے ساتھ کھڑا ہونے پر مجبور کر  
 دیا۔ وہ کوئی معقول اور بڑھا کھا آدمی لگتا تھا۔ میں نے  
 کے برابر کا جنازہ لینے ہوئے ہوجا۔ ”تو کون ہے جان؟“  
 لوگوں کے ساتھ کھڑا ہے ان کے قبیلے کا لگتا تو نہیں  
 ہے تو؟“

”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ اگر میں ان کا ساتھی نہ ہوتا تو  
 کے ساتھ تمہارے مقابلے کو کیوں لکھتا؟ اس نے جواب  
 ”نہیں، جوان اعظم جیلانی کی آنکھیں دھوکا نہیں دے  
 کسی کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہونے اور کسی کا  
 ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تیرا ایک ایک انداز و حرکت  
 بول رہا ہے کہ تو اس راہ کا مسافر ہے نہیں جس پر چلنا  
 ہے میں۔“

”بہر حال تمہیں اس سے کیا غرض ہے۔ تم نے اپنے  
 پسندیدہ میدان میں لاکر ہم پر فتح حاصل کر لی ہے اب جانا  
 حیثیت جنگی قیدیوں جیسی ہے۔ بحث کرنے کے بجائے  
 فیصلہ شدہ دو کتاب ہم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟“  
 ”یہ تو بار بار اپنی پسند کے میدان کی کیا بات کر رہا ہے  
 جوان! فتح مندی کیلئے میدان کی نہیں جوصلے عزم اور ہمت  
 کی ضرورت ہوتی ہے جوصلے ہندو اور عیسائیوں میں ہوتے  
 ہر مقام پر روشن کو منہ توڑ جواب دینا سکتا ہے۔ میں نے  
 ”جنگ میں مقام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔  
 دشمن کو اس کے اپنے علاقے میں جا کر شکست دینے  
 لیے اس سے گناہ زیادہ طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔  
 شاید ہے، کسی کمزور اور بے ماہر فوج نے کبھی  
 نہیں کیا وہ بولا۔

میں نے ہنس کر کہا۔ ”اس کا مطلب ہے تو نے  
 پڑھی ہی نہیں ہے ہوان! اور تاریخ کے حوالے سے اس کا

”اب تم اسدی تاریخ کے حوالے دو گے کین وہ ایک وقتی  
 بند تھا جس نے اس وقت کے مسلمانوں کو غیر معمولی قوت  
 بخاری تھی جیسے جیسے اس جذبے میں کی آئی تھی مسلمان  
 دنیا سب سے بڑی طاقت ہونے کے باوجود شکستیں کھاتے  
 چلے گئے۔ وہ مسکرا بولا۔

”بہت خوب یاد تیری یہ معلومات خاص وسیع ہیں لیکن  
 تو بہول گیا ہے جوان کہ سکندر رجب پور کے مقابل ہوا تھا  
 زورہ لیے کسی جذبے کے زیر اثر نہیں تھا۔ اس کی فوج بھی مختصر  
 سفر اور نو کم ہاتھوں پریشان اور پراگندہ تھی۔ پورک اپنے  
 ملک میں اپنی خیر فوج اور سامان حرب کے ساتھ اپنے پسندیدہ  
 میدان میں تھا لیکن سکندر کے عزم اور جوصلے کے سامنے نہیں  
 ٹھہر سکا۔ پھر بھی کل کی بات ہے جب باہر ہندوستان میں  
 داخل ہوا تھا کتنی کم فوج تھی اس کے ساتھ۔ دنیا بھر کا ستا یا  
 ہوا جنگی جنگی کھانا ادھر آکھلا تھا۔ اس کے مقابل لودھی  
 بادشاہ کی افواہ تھیں اور ان کا پسندیدہ میدان جنگ بھی تھا لیکن  
 بارہل برات اور جوصلے نے لودھیوں کو دہر دھڑکے آوارہ گرد  
 باہر ہندوستان کی سلطنت بخش دی تھی۔ شاید تو نے تاریخ  
 میں ایسے واقعات نہیں پڑھے۔“

”چھوڑ کر جناب عالی، آپ ایسے کیا سمجھنا کہ کوشش  
 کر لے ہیں۔ ان باتوں کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔  
 اتفاقاً ملاقات کی۔“

”اوئے! اے بار! کیا قوت لے بیٹھا ہے تو اس گھڑی۔  
 ہاں ناظرہ کہنے تو نہیں آئے ہیں ہم۔ ان کی کچھلی کر کے آگے  
 بڑھنے کی بات کر اب۔“

”اوئے چپ کر جا سالے! یوں لگتا ہے مجھے جیسے تیرے  
 ہندوستان کی تاریخ طویل کر گئی ہے۔ ہر وقت مائے کاٹنے  
 کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ اسے مار دو! اسے قتل کر دو! اس  
 کی جگہ کرو۔ اس کے سوا بھی کچھ آتا ہے تجھے؟ بتانا نہیں  
 سب سے سنا بک تجھے کہ مسلمان پر مسلمان کو خون حرام قرار  
 دیا گیا ہے۔ دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا گیا ہے۔ ایسے شخص کو  
 ”جہان اپنا مذہبی صاحب! یہ مجھے پتا نہیں تھا مگر  
 آپ تو ملو تھا! اس مشرعی شمشک کا کچھ بھی آپ کے ہاتھوں  
 سے بن مسلمان ہنس کر کھڑا ہوا۔ اس سے آپ کو اس  
 دنیا میں کیا کچھ؟“ آبی نے طنز پر انداز لگایا۔

”میں تو یہی طرح انسان ہی تو ہوں۔ کبھی شیطان لعین  
 کو تو مجھ پر کچھ بھی نہیں جانتا ہے۔ میں نے مسکرا کر کہا پھر لڑی  
 کو تو مجھ کے بولنا۔ چلیں لڑی بیگم! اپنی گاڑی میں بیٹھیں  
 ہر کر کہیں گے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی میں پلٹ کر اپنی کار کی طرف چل پڑا۔  
 ان تینوں کے ہسپتال آبی کے قبضے میں تھے۔ لہذا ان کی طرف  
 سے ہمیں اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔ مجھے واپس چلتے  
 دیکھ کر آبی اور لڑی بھی میرے پیچھے ہو لیے۔ لڑی بولی۔ ”کیا  
 آپ انہیں یوں ہی چھوڑ جائیں گے؟ اگر پھر ہمارے  
 پیچھے آئے تو؟“

”نہیں، یہ اس باطلی کو دہرانے کی کوشش بالکل  
 نہیں کریں گے۔ یوں بھی وہ ظہیر احباب ایک لمبے عرصے  
 تک بہت سے آٹھنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ اس کے بغیر یہ  
 لوگ ہمارے لیے بالکل بے ضرر ہیں۔ میں نے اسے سمجھایا۔  
 ”پھر بھی انہیں اس طرح کوئی مزاد بے بغیر چھوڑنا چھ  
 نہیں ہے۔ یہ ایک بڑی غلطی کر رہے ہیں آپ۔ لڑی بولی۔  
 ”کیا مطلب؟“ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔  
 ”کیا آبی کی طرح تمہارا بھی یہی خیال ہے کہ انہیں ختم کر  
 دیا جائے؟“

”سانپ کا سر عقل مند لوگ ڈسے جانے سے پہلے  
 ہی پھل دیتے ہیں۔ اس کے ڈسنے تک انتظار نہیں کرتے۔“  
 ”نہیں لڑی بیگم! میں بے مقصد خون خرابے کا قاتل  
 نہیں ہوں۔ یہ بے ہودہ خیال اپنے ذہن سے چھٹک دو۔“  
 ہم کار کے پاس پہنچ چکے تھے۔ میں اس کی عقبی نشست  
 کا دروازہ کھول کر سینیٹ پر جا کر آبی بھی میرے پاس ہی  
 بیٹھ گیا اور لڑی نے ایک بار پھر ڈرائیو سینیٹ سنبھال کر  
 اشارت کر کے آگے بڑھا دی۔ آبی اور لڑی کو میرا یہ عمل بالکل  
 پسند نہیں آیا تھا کہ میں اپنے ایک خط خاک دشمن کے تین قابو  
 آئے ہوئے آدمیوں کو نظر انداز کر کے واپس جا رہا تھا لیکن  
 انھوں نے اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ بحث نہیں کی۔ البتہ  
 ان کا موڈ اتنا آف تھا کہ پھر اب اسحاق کے آستانے پہنچنے تک  
 ان میں سے کسی نے بھی مجھ سے بات نہیں کی تھی، میں بھی  
 خاموش بیٹھا رہا تھا۔ میں نے انہیں چھوڑنا سب نہیں سمجھا  
 اس گھڑی۔

بابا صاحب کے آستانے والی پھاڑی کے نشیب میں  
 لڑی نے اپنی کار کو روک تو شام کے چھ بجے کو تھے۔ سوچتی  
 تمام دن کی مسافت طے کر کے مغرب میں بہت نیچے آ کر چکا تھا  
 اس کی قیامت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ کار کے کچے ہی ہم باہر  
 نکل آئے اور آہستہ آہستہ آستانے کی طرف بڑھنے لگے۔ ہمارے  
 پہنچنے کی اطلاع شاید بابا اسحاق کو ہو چکی تھی۔ ہم نے اوپر چڑھنا  
 شروع کیا تو جبر الٹا ایک ٹھیک کی آڑ سے نکل کر ہمارے سامنے  
 آٹھرا لڑی نے سوالیہ لگا ہوں سے اسے دیکھا۔

وہ بولا۔ ”آپ لوگوں نے آئے ہیں بہت دیر کر دی۔ اس  
 215



وہ جبرائیل کو لے کر چلی گئی۔ میں اور آبی لڑی کی کردار میں اٹیٹھے اور آستانے کی طرف سے جبرائیل کی چیخ سن کر صورت حال معلوم کرنے کے لیے آئے والوں کو حیران و پریشان کھڑا چھوڑ کر ہر بھیجی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ پختہ مڑ کر آگ میں نے کار واداسی کے راستے پر دوڑا کرتے ہوئے آبی سے کہا: ”آبی! یہ ٹوٹے اچھا نہیں کیا یا رہے تھے! اس میں کیا ہے بھئی؟“

”اوسے چپ ہو جا یا! تو تو بہت ہی بزدل ہو جا جا رہا ہے۔ کیوں نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے ایسا؟“ اس کا اشتعال بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

”بزدل کا طعنہ نہ دے یار! مجھے مصلحتوں کو سمجھنے کی بھی کوشش کیا کبھی۔ بڑے کینہ پرور اور خود غرض لوگ ہیں یہ، جن سے ہمارا واسطہ پڑ گیا ہے۔ حکومتیں خوف زدہ رہتی ہیں ان سے۔ لہذا ان پر یوں اور اچھا وار ڈالنا خطرناک ہی ہوتا ہے۔“

”میں نے کوئی اچھا بات نہیں ڈالا تھا اس ذیل ہوئی پر۔ اگر تم لوگ مجھے روک نہ لیتے تو قسم کر کے ہی چھوڑتا میں اسے۔“

”اوسے عقل کے دشمن بات کو سمجھی بھی کر سکیں۔ ایک اس شخص کو مارنے سے پوری تنظیم تو نہیں مر جاتی! اب کیا اچھا یادیں ہیں آدمیوں کے مرنے سے بھی ان پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ البتہ تم ان کی نظروں میں معنوب ہو کر اپنے یہ مصلحتوں کے انبار لگا سکتے ہو۔ یہ دنیا کے کسی کو نہیں بھی تمہیں چین نہیں لینے دیں گے۔ ان کی بڑی ہی بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں میرے یار۔“

”بس کر یا! چپ ہو جا اب تو۔ مجھ سے نہیں برداشت ہوتا یہ سب کچھ۔ میرا خون کھولنے لگتا ہے ان کی تشکیلیں دیکھ کر ہی۔ یہ ذلیل لوگ میرے ملک کی بیلوں کو کھنکھلی کر رہے ہیں اور تو ان کی بڑی ہی تلاش کرتا پھر رہا ہے اب تک۔ میں کہتا ہوں لعنت بھیج ان بڑوں پر کہیں انکے پتھر میں بے سارا گدھ ہی نہ برباد ہو کر رہ جائے ہمارا، بس جو سامنے پڑتا جائے، جھڑکا کر تے پھوڑا اس کا، انہیں کام کرنے کا موقع بالکل دے دو یا! اچھا آج آج اس جبرائیل کا کام تمام ہو جاتا۔ پھر کسی وقت ہم اس بہرہ رسیدہ بابا کا پتا صاف کر دیں گے۔ ظاہر ہے اس کے بعد لڑی ہمیں کچھ اور لوگوں سے طواوینا تو ہم انکا بھی اسی طرح کا کھانا کھائیں۔ بس یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہتا۔ لوگ جائے سلائے آتے جاتے اور ہم ایک ایک کے انہیں ختم کرتے جاتے۔“

”ٹھیک کہہ رہا ہے تو۔ ایسا ہی عقل کا ادھا بھیا ہے۔ تونے سنا نہیں۔ تو ان کے نمبرے پھینکا جاتا اور وہ لیتے ہی تان واپس ہوتے سہتے انہیں۔ کچھ پتا ہی نہیں

انہیں کہ یہ کیا جو رہا ہے آخر؟“ میں طنز کرتے ہوئے بولا: ”اپنے دماغ کو درست رکھ۔ بڑے منصوبہ ساز لوگ ہیں وہ۔ پہلے اچھل مچھل اٹکے تک دیکھ کے یہ اطمینان کر لیتے ہیں کہ آگے کوئی خطرہ تو نہیں ہے ان کے لیے۔ اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد ہی وہ پاؤں دھرتے ہیں کسی راہ پر یوں نہ اٹھا دھند نہیں چل پڑے دھ۔“

”اچھا یا! اگر تجھے ایسی ہی فکر ہے اپنی جان کی تو کہہ ان سے کہ تیرا کوئی تعلق نہیں ہے اب مجھ سے۔ دھبے چھڑ بھی دینا چاہیں دے دیں۔ بلکہ مجھے پھرتے ان کے حوالے کر دینا کہ تجھ پر کوئی الزام نہ لگے پائے۔“

”تک نہیں اڑے۔ ایڈا ذلیل سمجھ لیا ہے توں میںوں! اوسے میں اٹھیاں لکڑیاں گا اس دیاں، چیتے تینوں بڑی نور نال نکیا دی۔ خیر دار! اس توں بعد کوئی ایہو جی کل پان تے لہا نہ دی تے۔ میں تاں تینوں آئندہ دے واسطے احتیاد کرن لئی کہ رہیاسی۔ کچھ ہو گیا ہے، اس دے لئی وہاں کھپان واپس کوئی خاندہ نہیں۔ چل جا اس فوں اور مٹی ڈال اُہرے آتے جو ہوسے گا دیکھیا جائے گا۔“

”یہ تیری لڑی بیگم نے کسی کلینک میں لے گئی ہے لے وہاں ڈال کر وہ اپنے بڑوں کو اس کے بارے میں اطلاع نہ دے گی۔ ان کی ہدایت کے مطابق ہی وہ آئندہ کے لیے کوئی فیصلہ کرے گی۔ دے دیے یہ یقین کرے یہ جیلائی وہ ہم پر اعتبار کی صورت نہیں کریں گے۔“

”اعتبار تو وہ ہم پر اب بھی نہیں کرتے ہیں یار! جی! آؤ ہمیں اپنے تحقیق حزام کے بالے میں سمجھی ایک لفظ نہیں بتا رہا ہے۔ فضیات کے استغکوں کے روپ میں ہمارے سامنے آئے ہیں اور اسی کی آڑ میں ہمیں اپنے مقاصد تکل کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں دوسرے ذرائع سے ان کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔ ورنہ انہوں نے تو ہمیں اندھے کنوئیں میں آٹانے میں کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی۔“

”پھر اب کیا کرنا چاہیے۔ کوئی تدبیر ہے تیرے ذہن میں؟“

”نہیں۔ ابھی میں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں سوچا ہے۔ میرا خیال ہے جو کچھ پختہ شرافت علی سے رابطہ قائم کریں۔ اس کے سامنے ساری صورت حال رکھ کر اس سے مشورہ کریں۔ تینوں میں کریمین سے تو تو زرق و برق رکھ آئے گی۔“

”ہاں، یہ ٹھیک کہتا ہے تو۔ ہمیں اس سے مشورہ ضرور کرنا۔“

آبی نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔

”شیکہ بڑا پس پیچھے جی میں نے شرافت علی کو فون کیا۔ ہوا وہ ابھی کچھ دیر پہلے سو کر اٹھا تھا اور اب مجھے فون کرنے

دو تھ۔ اسے دوپہر کو بنگلے میں ہونے والے بنگلے کی اطلاع اس پہنچی۔ اندادہ مجھ سے اس کے بارے میں معلوم کرنے لگا۔ میں نے کہا: ”اس کی تم خبر نہیں کرو، وہ کوئی ایسا اہم معاملہ نہیں تھا۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو میرے پاس پہنچا ایک نہایت اہم مسئلہ پیش ہے۔ اس مسئلے میں تمہارے مشورے کی ضرورت ہے۔ مجھے مگر ہدیہ تو، ویرا بالکل نہ کرنا۔“

”تک کہتے ہیں کہ تیرا تو یار! آخر کیا کون سا اہم مسئلہ کھڑا ہو ہے؟ شرافت علی نے پوچھا۔“

”تم آج دو تیس سب کچھ بتا دوں گا تمہیں۔ فون پر کرنے والی بات نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اچھا، پھر یہ آ رہا ہوں، تم انتظار کرو اور وہ تمہاری لڑی کہاں ہے اس وقت؟ شرافت علی نے پوچھا۔“

”اوسے یار! کیا آدمی ہے تو؟ میں کہہ رہا ہوں کہ وقت برباد کر اور تو سوال پر سوال کرنا چدا جا رہا ہے۔“ میں نے چڑ کر کہا۔

”اچھا بھائی! چھ، ناخدا نہ ہو یا۔ میں بس اپنے رہا ہوں ابھی دس منٹ میں اس نے ریسور کر ڈیل پر رکھ دیا۔ میں بھی ریسور کر کر رہی کہ پاس آگیا۔ آبی نے پوچھا: ”کیا ہوا؟ آ رہا ہے وہ؟“

”ہاں، کہہ رہا تھا ابھی دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں میں۔“ اسے دوبارہ فون کے بھی خبر ہو گئی ہے۔ میں نے آبی کو بتایا۔

”اچھا تو کیا وہ ہماری غیر موجودگی میں یہاں آچکا ہے؟ آبی نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں، وہ تو قدامت دن سو تار ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اٹھا ہے مگر شاید بنگلے کے دربان نے بارے جانے کے بعد فون کیا ہو گا۔ اسے اور اس کے ساتھ کوساں کی پورٹ دے دی ہوگی۔ جس نے بلا رہو ہے ہی اسے خبر نہ کری۔“

”یار! شرافت علی بھی مجھے کوئی معمولی آدمی نہیں لگتا۔ کافی ہوشیار ہے۔ اس نے بھی ہر طرف بخیر چھوڑ رکھے ہیں اس نے۔ جو بیل کی خبریں اس تک پہنچتے رہتے ہیں۔ تیرا کیا خیال ہے اس کے بارے میں؟ آبی نے سوال کیا۔“

”وہ بین ال اقوامی تنظیم کا اہم نمبر ہے، وہ جانتا ہے ہر شخص کی طرح کا مکر کرتی ہیں۔ چنانچہ اس نے مقامی طور پر اپنے معائنہ کی بھی اسی طرح چھان بین شروع کر دیا ہے۔ پیسے کی اس کے پاس کوئی کمی نہیں ہے، کام کرنے والے آدمی ہیں جو تو خود بخود چھپنے چھپتے آتے ہیں۔ اور اگر ہر اس کا ہے کام دوسرے کرتے ہیں اس کے لیے پھر وہ باخبر نہیں رہے گا۔“

”ہاں! یہ ٹھیک کہتا ہے تو، ذہن اور سمجھدار لوگ تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خود بھی جاکر دوسروں کو ڈھال بناتے ہیں اپنے لیے۔ ایسے لوگ ہمارے معاشرے میں عزت بھی پا جاتے ہیں، ایک آدمی میں آج تک ایک پناہ گاہ بھی میسر نہیں آ سکی ہے۔“

”بات یہ ہے آبی! ہم نے اپنی موجودہ زندگی کو کبھی سمجھنے سے لیا ہی نہیں، ہم نے ذہنی طور پر کبھی اسے قبول ہی نہیں کیا۔ جانتے ہیں ہمت خنہ راستوں پر ڈالتے اور ہم سے طرح طرح کے جرائم کرتے رہے ہیں، ہم نے کبھی اپنے ذاتی فائدے کے لیے یا دولت کے لالچ میں کوئی جرم نہیں کیا، اسی لیے کسی کام کی بھی منصوبہ بندی نہیں کی۔ یہی خیال کرتے رہے کہ اس یا اس یا اس میں دلدل سے نکلنے کا راستہ مل جائے گا اور ہم کسی پر سکون گوشے میں بیٹھ کر ایک باعزت زندگی کا آغاز کر سکیں گے۔ ہم نے اپنے لیے جرائم کے راستے کا انتخاب ہی کب کیا تھا یا جواس کے بارے کچھ جانتے آؤ اس میں کامیابی کی راہیں تلاش کرتے؟“

”ہاں یا! ہم تو اس حالات کے ریلے میں بہتے پھر رہے ہیں، ورنہ ہم نے ایسا سوچا تو نہیں کبھی تھا۔“ آبی بولا۔

”اور یہ حالات ہمیں ہساتے ہوئے اب اس مقام پر لے آئے ہیں جہاں سے ہم غفلت بھرا کر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ چارے سلنے ایسے لوگ آگئے ہیں جو ہمارے ملک کی سلامتی اور قومی اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کے درپے ہیں۔ وہ نہایت مکار اور بڑے وسائل کے مالک ہیں، ان کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے ہمیں کچھ بوجھ اور سرد مزاجی سے قدم قدم آگے بڑھنا ہے۔ ہماری ذرا سی غلطی معمولی سی چوک ہماری تمام محنت پر مڑھوں میں پانی پھیر سکتی ہے۔ اسی لیے میں تمہیں حذرات میں ہر جانے سے روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اب یہ جبرائیل ہمارے لیے پریشان کن رہی کر سکتا ہے۔ بہر حال اب جو ہو گا اس سے بھی نمٹنا ہی ہو گا کہیں۔“

”ہاں جو ابھی؟ کس سے نمٹنے کی بات کر رہے، کیا کوئی اور پتھر اڑا رہے ہو؟ شرافت علی ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ ”جو بھی شرافت علی! آؤ یا پھر بیٹھو یہ پتھر سے شلے تو اب ہمارا اور ڈھنسا چھو ناہن کر رہ گئے ہیں۔ ہر جگہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں، کوئی ایک دن بھی تو ایسا نہیں گزرتا جب کوئی ہنگامہ نہ ہوتا ہو۔“

میں نے مسکراہٹ سے اس کا غیر متقدم کرتے ہوئے کہا۔

”وہ میرے قریب صوفے پر ڈھنسنے ہوئے بولا۔ ہاں، اب بتاؤ، کیا معاملہ ہے؟ کیوں بلا رہا ہے مجھے؟“

میں نے آبی اور جبرائیل کے شکر کے کی ساری تفصیل اسے بتانے کے لیے کہا۔ ”اب تو ہی بتا رہی! اس نئی صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اسی مسئلے میں مشورہ کرنے کے لیے میں نے بلا رہا ہے مجھے۔“

”وہ سب کچھ سننے کے بعد جیسے کہتے کا شکار ہو گئی تھا۔ کئی لمحے وہ ساکت بیٹھا مجھے دیکھتا رہا۔ پھر ایک لمبی سانس لے کر اسے سے بولا: ”یہ تو بہت ہی برا یا بھلائی! اب تک جبرائیل! میرا اللہ! میرے کاروبار، اور کوئی مخلوق میں الیکٹریک کے نام سے جانا جاتا ہے، اگر نہ کابرت خاص آدمی ہے۔ یہاں ان کا سارا جائزہ ناجائز

کاروبار سالارالین دن اسی کے ذمے ہے۔ اپنے اتنے آدمی کا نقصان دو خاموشی سے تو برداشت نہیں کریں گے جبکہ انھیں وہ ایک پیدل سوار سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔

"ہاں، تو میں بھی جانتا ہوں میرے بار! اسی لیے تو میں نے مشورے کے لیے انھیں بلا یا ہے اس وقت،" میں نے کہا۔

"یہ واقعہ لڑی کے سامنے ہوا تھا۔ اس نے کسی دوسری کا اظہار نہیں کیا تھا اس پر؟" شرافت علی نے پوچھا۔

"کوئی خاص رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا اس نے۔ جبر الہ کے زخم کو وقتی طور پر باندھنے کے بعد وہ اسے کسی کلیک لگائی ہے، مجھ سے اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ میں آئی کو لے کر فوراً گھر واپس چلا جاؤں۔ چہرے سے اس کے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا۔"

"ایسا ہی ہوا ہوگا اس کے چہرے سے کچھ اندازہ لگا لینا بے حد مشکل ہے۔ ممکن ہے چہرے کے تاثرات چھپانے میں تو اسے ملکہ حاصل ہے۔ آخری لمبے لمبے کسی کو جاننا نہیں چلنے دیتی ہے کہ وہ لگے لٹے کیا کر گئے کہ فیصلہ کیے ہوئے ہے؟"

آئی بولا "کیوں نہ ہو اس لڑکی کو بھی شک ہے لگے لگا ہوا اور واپس چلے جائیں یہاں سے۔ یہ جھگڑا ابی ختم ہو جائے گا سارا۔"

"نہیں جانی آئی! ابی کوئی بات سوچنا بھی نہیں لڑی کو ختم کرنے سے جھگڑا ابی ختم نہیں ہو سکے گا بلکہ اس کے بعد تو وہ دونوں کو ہر قیمت پر ختم کرے گی۔ ہم اس کے محفوظ نام کے اندیکے کسی کوئی ہرے ملک کہیں بھی نہیں دے سکتے۔ بہترین ہے کہ ساتھ کو خوش اسلوبی کے ساتھ ملنے کی کوشش کی جائے۔ جلدت میں اٹھایا ہوا ہر قدم ہمیں بربادی کی طرف ہی لے جائے گا۔ شرافت علی نے سمجھا۔

"اسی لیے تو انھیں بلا یا ہے بار! تم ہی کوئی تدبیر سوچو میری بھی میں کو کچھ نہیں آ رہا ہے۔" میں نے شرافت علی سے کہا۔

"ایسا کرو، ابی! الخال میں تمھیں یہاں سے ایک اور جگہ منتقل کر دیتا ہوں، ابی جگہ جس کے بارے میں میرے دو تین خاص آدمیوں کے سوالی کو علم نہیں ہے۔ تم دونوں وہاں رہو اور میں لڑی سے مل کر یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ اگر جبر الہ ظفر جاتا ہے تو منتقل ہوتا ہے خلاف کس حد تک جا سکتی ہے اور اس کے پیچ جانے کی صورت میں ان کا رد عمل کیا ہوگا۔ اس کے بعد ہی کچھ سوچیں گے۔"

"ہاں تمھاری یہ تجویز کچھ اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن تم خود کہتے ہو کہ ان کے وسائل لامحدود ہیں۔ پھر کچھ وہ یہ نہیں جان سکیں گے کہ ہم کہاں ہیں اور کس نے ہمیں ان کی نظر سے چھپانے کی کوشش کی ہے؟ انھیں اس کا علم ہو جانے کے بعد تمھاری کیا پوزیشن ہو گی؟ میں یہ نہیں پسند کروں گا میرے بھائی کی میری وجہ سے تم مصائب کا شکار ہو جاؤ۔"

"نہیں بار! میرا خیال ہے ایسا نہیں ہوگا۔ میں انھیں اپنے ابو شیک تک نہیں ہونے دوں گا پس یہاں سے نکلتے وقت اس کا

خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی ہماری نگرانی پر مقرر نہ ہو اور وہ تعاقب نہ کرے تمھارے لئے شک ہے۔"

اس کی اس بات پر مجھے اچانک فیر و کار خیال آ گیا۔ میں نے ساتھ چلنے وقت میں نظائر احمد کی کار کے پیچھے اس کے آؤں کی بجلی مزدا کار بھی دیکھی تھی۔ وہ ضرور کارونی سے نکلے کے بعد رہا ہوگا نہیں دی تھی۔ لیکن مجھے اس وقت خیال بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کار بھی ٹیکس میں ہو کر میں اسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا۔ وہ کار لاہور شنگے کے آس پاس کہیں موجود ہوگی۔ میں اس کا میں اپنی نگرانی والوں کے ذریعے فیر و زستے رابطہ قائم کر کے امداد طلب کر سکتا تھا۔ میں نے شرافت علی سے کہا "یار شرافت علی! میں یہ تو سمجھ گیا تھا کہ میرے بار گرجی نے یہاں میری حفاظت اور دیکھ بھال کا خاص معقول انتظام کر رکھا ہے اس کے آؤں ہر وقت میری نگرانی رہتے ہیں مگر اب تک میں نے ان سے کسی معاملے میں امداد طلب نہیں کی ہے۔ اس لیے وہ اس دور میں دوسرے تماشائی بنے دیکھ رہے ہیں۔ اب میرا خیال ہے وقت آ گیا ہے، مجھ نے اسے مدد لینا چاہیے۔"

آئی جلدی سے بولا "تو بہت ہی اچھی بات ہوگی یہاں طرح تو شرافت علی پر بھی کوئی بات نہیں آسکتی؟"

"ہاں اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھی بات ہے۔ اس طرح میں تمھاری طرف سے مطمئن ہو کر ان لوگوں کے ساتھ پوری حد تک شریک ہو جاؤں گا اور تمھارے بارے میں وہ فیصلہ کر لے گا۔ تمھارے خلاف ہو کر روایاں کرنا چاہیے اس کے مجھے بھی شبہ ہوگی میں موقع ملنے ہی تمھیں اس کی اطلاع کر دیا کروں گا تمھارا اس سے رابطہ قائم کر کے انھیں اس صورت حال سے آگاہ کر دے شرافت علی نے کہا۔

"آؤ پھر بار چلیں۔ میں اور آئی لڑی کی کرولا میں جائیں گے۔ تم اپنی گاڑی میں بیٹھ آگے آگے چلنا۔ میں یونیٹر کو پکارتے ہو گاڑی نکھائے رہنا وہ راستے میں میں کہیں نہ کہیں نظر آجائیں گے۔" میں نے اچھے ہوئے اسے سمجھا یا۔

ہم بیٹوں تیزی سے چلتے ہوئے باہر نکلے اور پروگرام کے مطابق دونوں گاڑیاں لے کر جگہ سے باہر آ گئے۔ ہماری گاڑی درمیان درمیان سے گزرنے والے شیشے میں اپنے چہرے دور دور تک اس پیلے رنگ کی مزد کار کو تلاش کر رہی تھیں۔ میری نظریات ہم قائد کے مزار کی طرف ہوسے پھر پھر مجھے وہ مزد کار نظر آئی تو میں نے آئی سے کہا "بار! جبر الہ نے ہم یہاں تک آئے ہیں لیکن ان کی کار اب تک دکھائی نہیں دی ہے مجھے تو یہ ہے کہ مزد کار کو پہلے رنگ کی کوئی مزد کار نظر آ رہی ہے کہیں وہ ان کے نظر دھڑا کر دیکھنا۔"

آئی بی بی ہت پر کھڑکی سے باہر سر نکال کے دیکھنے لگا۔ مزار کے سامنے سے ہم گزر رہے تھے جب آئی نے مجھے بتایا "ایک بیل۔" مزد کار دکھائی تو دوسرے رہی ہے۔ محض صاف چل رہی ہے۔ نہیں آ رہی ہے وہ۔ بڑی بڑی بسوں کے درمیان بھی کبھی سس ایک ہی جگہ ٹکائی دے جاتی ہے اس کا ٹھیک ہے اس پر پوچھ شاہراہ پر ہم اسے کوئی اشارہ دیں بھی تو شاید اسے نظر نہ آئے۔ اس کے لیے کسی ایسی مرگ رہنا چاہیے جہاں ٹریفک کم سے کم ہو یہ نہ کہ میں نے شاہراہ فائبر اپنی گاڑی میں ٹوڑ دی۔

شرافت علی کی گاڑی ہم سے آگے تھی اور میں نے اسے مڑنے کے لیے اشارہ بھی نہیں دیا۔ پتا نہ چودہ ایم اے جناح روڈ پر سید چلتا تھا۔ یا۔ اس نے اگر مجھے پرتے ہوئے دیکھا بھی ہوگا وقتی محدد طرف مڑ کر اس کے لیے فوری طور پر شاہراہ فائبر کی طرف واپس آئی تاکہ اس طرح ممکن نہیں تھا اس کے لیے اسے ایک لمبا چکر کاٹنا ضروری تھا۔ شاہراہ فائبر میں بڑے بڑے دور چلنے کے بعد میں نے اسے مزد کار کو ادھر آتے دیکھ لیا۔ اسے دیکھ کر میں نے اپنی کار مڑنے کے ایک طرف کر کے اس کی رفتار بہت سست کر دی اور کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر مزد کار کو قریب آنے کا اشارہ دینے لگا۔ چند لمحوں کے بعد ہی مزدامیری کار کے برابر آ گئی۔ میں نے اس کے قریب آتے ہی اپنی کار کو رخسار بڑھا دی اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ مزدامیں دو افراد بیٹھے تھے۔ ایک کار ڈرائیور تھا اور دوسرا اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا مسکراتی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا "مجھے فوری طور پر دوسرے ملنا ہے۔"

"ایک منٹ جناب۔ میں ابھی معلوم کر کے بتاتا ہوں آپ کو۔" اس نے کہا۔ اور جب سے ایک جھوٹا سا ٹرانسڈنڈا لپٹیں نکال کر اپنے منے کے قریب کر لیا اور اس میں کچھ دیر کوئی کاروائی کرنے کے بعد کسی نامائوس آواز میں کچھ بولنے لگا۔ پھر دوسری طرف سے شاید اسے کوئی جواب موصول ہوا تھا جسے سن کر اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ڈرائیور تک کرنے والے شخص سے کچھ کہا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا "آپ ہمارے پیچھے چلے آئیں جناب۔"

انھوں نے اپنی کار ہم سے آگے نکال لی۔ ہم مختلف اونچے نیچے اور سانب کی طرح بن چکے تھے۔ جیسے راستوں سے گزرتے ہوئے شارع فیصل پر چائے۔ وہاں پہنچ کر ہم نے آگے چلنے والی مزد کار ایک دم ہالٹ کر لی اور پھر مڑ کر ایک طرف ہو کر دھڑکی دھڑکی کے ساتھ جس شخص سے میری بات ہوئی تھی، وہ کار سے اتر کر اس کا ہاتھ لینے لگا جیسے کار میں خرابی ہو

گئی ہو اور وہ اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں نے اپنی کار ان کی کار سے آگے نکال کر کھڑکی کر دی اور نیچے اتر کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے؟ کوئی مڑ کر پڑ ہوئی ہے کیا؟"

اس نے اسی طرح اپنی گاڑی کے نیچے جھانکتے ہوئے کہا "ہمارا اتنا قب ہوا ہے کہ جب ایک سفید کرولا بہت دیر سے ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ ہم اسے اپنے ساتھ لگا کھینے کسی ٹھکانے تک نہیں لے جاسکتے۔ وہ اس دوران اس کے انہماک سے گاڑی کا جائزہ لینے میں مصروف رہا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر یہی ہوتا تھا جیسے مجھ سے اپنی گاڑی کی کسی خرابی کی بات کر رہا ہو۔

"سفید کرولا؟" میں نے آہستہ سے کہا اور سوچنے کے انداز میں اپنے ہاتھ پر ہاتھ پھر تیرے ہوئے جدھر سے ہم آئے تھے اس پوری ٹرک پر نظریں دوڑانے لگا۔ وہ سفید کرولا ہم سے زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ دھڑکی ہوئی فٹ اس کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی تھی۔ اس کی عقبی کھڑکی سے ایک سفید فام منبرے بالوں والی سیدنا ہمارا باہر نکالے ہیں دیکھ رہی تھی۔

"یہ کون ہو سکتی ہے، کچھ جانتے ہو اس کے بارے میں؟" "یہ اس بزن صنعت کا ڈرائیور کی سیکریٹری ہے۔" جناب! سمجھتے ہیں کہ یہ آپ کا لٹا قب کیوں کر رہی ہے؟

"ادو! تو اس کا مطلب ہے انھوں نے جو پرستے ہی پہرہ بٹھا دیا ہے۔ ہم نے فیصلہ کرنے میں دیر کر دی۔"

"کیا کوئی ڈیڑھ ہو گئی جناب! یا انہیں کسی طرح کا شک ہو گیا ہے آپ پر؟"

"زبردست گڑبڑ ہو گئی ہے بار! میرے دوست آئی نے ایک ڈیڑھ کو شہر بدر کر دیا ہے۔"

"پھر تو آپ کا ہر حال میں اس تک پہنچنا سب سے خیر ضروری ہو گیا ہے۔ ٹھیک ہے آپ اپنی کار میں بیٹھیں چل کر میں اس کا انتظام کر کے کبھی آتا ہوں۔" اس نے سیدھے ہو کر کچھ سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

میں واپس آ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا اور اسے اشارے کے آہستہ آہستہ آگے بڑھانے لگا۔ وہ شخص چند لمحوں کے بعد دیکھتا رہا پھر اپنی تیلوں کی بیبیوں میں دونوں ہاتھ ڈال کر اس سفید کرولا کی طرف چل دیا۔ میری کار کو حرکت میں آتے دیکھ کر کرولا کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کرولا کو روکنے کے لیے کہا۔ مگر وہ اس کا اشارہ نظر انداز کر کے آگے بڑھتی چلی آئی۔ میں نے اپنی کار کی رفتار میں اضافہ کر دیا اور لگے چوراسے پہنچ کر تیزی سے اسے واپس کرنے والی ٹرک پر موڑ دیا۔

میں بیٹھوں وہ اس تعاقب کرنے والی کا کوئی انتظام کر کے آتا ہے۔ میں نے اپنی کار میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے کے بجائے کار کے بڑھادی تھی جس کی وجہ سے تعاقب کرنے والی کار بھی میرے پیچھے لگ کر چلی آتی تھی اور اسے اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ جلد ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ میں نے اگلے چوراسے پر پہنچنے ہی اپنی گاڑی واپس کے لیے موڑ دی تھی۔ ارادہ یہی تھا میرا کہ اب میں دوبارہ اپنی کار مزدار کے پاس لے جا کر روک دوں گا اور تعاقب کرنے والی کار میرے پیچھے وہاں پہنچے گی تو وہ اس سے نجات کی کوئی صورت نکال لے گا۔ مجھے واپس جلتے دیکھ کر آبی بولا "یہ تو داپس کہاں جا رہا ہے بیکسار؟"

"وہ یاد! اس غلطی ہو گئی ہے مجھ سے، مجھے وہیں روکنا چاہیے تھا مگر میں خواہ مخواہ گاڑی دوڑانے لگا تھا۔"

وہ پیچھے مڑ کر دیکھتے تھے بولا "مگر وہ کار جو ہلے آگے آگے تھی، وہ دھڑک کیوں گئی تھی وہاں کوئی خرابی ہو گئی تھی کیا اس میں؟ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر کوئی خرابی ہی تھی اس میں تو ہمارے رخ مڑا ہوتا ہے، یہ وہ ہمارے پیچھے کیے چل رہا تھا؟"

"کیا کہتا ہے بار تو؟ وہ تو وہیں کھڑی تھی۔ ہمارے پیچھے ایک اور کار لگی تھی۔ رات کے وقت مجھے سفید اور پیلے رنگ کی صبح تیز نہیں ہو سکی شاید۔ اس سفید کرولا کو دیکھ کر ہی مزدار والوں نے اپنی کار خراب ہونے کا ڈر لگایا تھا۔"

"اب اتنا بھی اندھا نہیں ہوں یا رکی کہ اتنی کشادہ اور دن کی طرح روشن سڑک پر ایک کار کے رنگ کی پہچان نہ کر سکیں میں۔ ہمارے پیچھے سفید کرولا ہی تھی مگر اس کرولا کے پیچھے وہ مزدار لگ گئی تھی۔ تو نے تو ابی گاڑی ادھر موڑ لی ہے مگر وہ گاڑی سہی سہی گئی ہیں۔ لیکن نہ ہو تو خود دیکھ لے، وہ مزدار نظر آ رہی ہے تجھے کہیں؟ آبی بولا۔"

اس اثنا میں ہم اس جگہ پہنچے تھے جہاں میں مزدار کو نظر آ چھوڑ کر گیا تھا۔ آبی ٹھیک کہا تھا، وہاں اب کوئی کار موجود نہیں تھی۔ مزدار واقعی کرولا کے پیچھے جا چکی تھی۔ لہذا میں نے اسی پورے سے اپنی کار ایک بار پھر موڑ کر ڈرگ روڈ کی طرف دوڑا نا شروع کر دی۔ میں نے آبی سے کہا "یہ تو بہت بُرا ہوا یا آبی! اپنا نہیں وہ کدھر گئے ہوں گے۔ اگر سچے گئے ہیں تو اس سڑک کا آخری سرا ہمیں سیکڑوں میل چلنے کے بعد بھی نہیں مل سکے گا اور اسے میں وہ کسی طرف نہ گئے ہیں، تب بھی ہلے لیے

یہ معلوم کرنا ناممکن ہی ہے کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ انہیں تو اس کرولا کو بہت مشکل ہو جائے گا یاد۔"

"آسمان سے گر کر مجھ پر ایک ہانا اسی کو کتنے برس پہلے جی! اب رات بھر کراچی کی سڑکیں ناچتے ہو۔ شاید کہیں مل پڑے وہ، مگر یہ اسے قدر کی بات ہوئی۔ آج کدات اگر خود ہونا کو دیا گیا ہے تو پھر اسے کون مٹا سکتا ہے؟"

"بجواسی دیکر تیار ہوں گا کہ ہر گھڑی کبھی کوئی اچھی بات نکال دیا کر زبان سے اپنی۔ آخر تیرے مغز میں کوئی اچھی بات کیوں نہیں سماتی؟"

"ٹھیک ہے، میں نے منہ بند کر لیتا ہوں اپنا، تو ہوتا رہا اچھی باتیں اور دوڑتا پھر گاڑی کو جاؤں ستوں میں؟"

"اتھابا بیک بیک بند کر لے اپنی اور اس ساٹھ وال سڑک پر نظر رکھو اگر وہ واپس آئے تو دھری سے گزریں گے۔ اساتے دیکھ رہا ہوں، اگلے کہیں رک کر وہ ہمارا انتظار کرتے ہوں گے تو مجھے دکائی دے جائیں گے۔ میں نے آبی کو سمجھانے ہوئے کہا۔"

"ٹھیک ہے، میں دیکھ رہا ہوں، ادھر سے گزرنے والی گاڑیوں کو دیکھ لیتے مجھے۔۔۔ آبی کچھ کہتے تھا ایک دم چپ ہو گیا۔"

"کیوں چپ کیوں ہو گیا ہے تو؟ میں نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا کیا یاد آیا گیا ہے مجھے اپنا کیا؟"

"بس اب مجھے خاموش ہی رہنے دے تو۔ کچھ دنات نکل گیا تو خواہ مخواہ تیرا بارہ پڑھ جائے گا۔ آبی نے جواب دیا "گناہ ہے اس گھڑی شیطان کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہو رہا ہے چھ پر۔ میں نے سوسائے تو مجھے سے چھڑا۔"

"جب تجھ جیسا شیطان مجھ پر مستطیے تو اس عزت ایل کی کیا مجال ہے جو قابض ہو جائے مجھ پر۔ اس نے ترکی بنی جواب دیا۔"

"اس کا مطلب ہے اس گھڑی تو میرا معمول بنا ہوا ہے تو جاب معمول صاحب اب ذرا پوری توجہ سے سڑک کا خیال رکھیں۔ ایسا نہ ہو آپ کی بڑائی کی بجائے انھوں پر پردہ ڈالنے اور ہمارے حق حق مائے سے ہی پھرتے رہیں۔"

کارسان کے قریب پہنچ کر مجھے اپنی کار کی رفتار دیکھ کر پڑی کیوں کہ یہاں جاے آگے جانے والی گاڑیاں بہت کم رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ راستہ بہت تنگ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے گاڑیوں کو گزرنے میں تاخیر و شوری پیش آ رہی ہے۔ گاڑیاں جس قدر آگے بڑھتی جاتی جاتی

ان کی رفتار میں کمی آتی جا رہی تھی۔ آبی نے مجھ کو لکھا "یار! اسی رفتار سے چلتے سب سے ہم انوار سڑک تک پہنچتے پہنچتے ہی صبح ہو جائیگی!" میں نے ہنس کر کہا "یہ تو اور بھی اچھی بات ہوگی ہمارے لیے۔ رات بھر باڑے مائے پھرنے سے توجہ جائیں گے نا؟"

"ہاں رات تو گزر جائے گی لیکن صبح ہونے کے بعد تیرے ان یہودی یاروں کے کتے بھی نکل پڑیں گے ہماری تلاش میں اور انہیں زیادہ دشواری نہیں ہوگی ہیں وہ خود نکالنے میں، کیونکہ ہم جس کام میں پھر رہے ہیں یہ بھی انہی کی ہے۔ ان کا ہر آدمی جانتا ہوگا۔ یا اس کا تیرے تو بتا ہی دیا جائے گا انہیں جو ہلکی تلاش میں نہیں گئے۔"

"ہاں یار! یہ تو بالکل صحیح بات بتائی ہے تو نے۔ صبح تک اگر ہم چلے میں داپس نہ پہنچے تو انہیں یہ یقین ہو جائے گا کہ ہم ان کے مال کو توڑ کر مکمل جگے ہیں۔ اس صورت میں وہ ہمیں تلاش کے کرنے کو نہ کی کوشش نہ کر رہیں گے۔"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں یا راجی! اس پھر مجھ سے بچنے کے کوشش کرو جلد از جلد۔ آگے کا سامنے ایک سڑک شیل اسٹیم کی طرف جاتی ہے میرا خیال ہے ادھر ہی مکمل چلو، شاید ادھر ہائیڈرو پمپ مل جائیں۔ آبی نے کہا۔"

"اور اگر وہ ہمیں مل سکے تب کیا ہوگا؟ میں نے پوچھا۔"

"اگر وہ نہیں ملے تو ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہوگا کہ ہم پلے صبح ہونے سے پہلے پھلے واپس پہنچ جائیں۔"

"میں یار! یہ تو کیسی بات کر رہا ہے۔ پسانی اختیار کرنا چاہتا ہے حالانکہ ہم نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ ایک بار کوئی دم اٹھانے کے بعد پھر پھر ہمارا غلط فطرت تو نہیں رہی ہے ابی! آج کیا ہو گیا ہے مجھے؟ میں نے یہانی سے کہا۔"

"کہیں کبھی صحت اور دشمن کو شکست دینے کے لیے اسے جانیں کچھ پتا نہیں ہیں جس سے بظاہر ہی معلوم ہوتا ہے کہ قہر کھڑے مشنوں میں لگا ہوا تو انہیں ہے اسے بڑی نہیں جنگل جال کتے نہ آگے نہ پیچھے ہٹنے کی کوشش کی۔"

میں نے کہا "یہ تو بہت ہے یا راجی! تو بھی صحتوں اور حکمت عملی کا خیال کرنا ہے آگے سے۔ حالانکہ اسی بات پر ہم اتفاق اڑاتا رہے تاکہ ہم نہ جال کتے میں یہ قدر کر دھرنے جاتی ہے ویسے تو تو مجھ کے پاس ہے یہ کیا کہتا ہے تو؟"

"کیا مطلب ہے بھئی تیرا؟ یہ اپنا تک اس گھڑی تجھے سہمت ہو کر خیال کیسے آگیا؟ آبی انھیں پھاڑ کر مجھے متھے ہوئے بولا۔"

"مجھے کیا مطلب ہے کہ ہم چلے پراپس جانے کے بجائے

فوری کے فلیٹ پر کیوں نہ چلیں؟ وہ بھی ایک محفوظ جگہ ہے۔"

"ہاں کتنا تو ٹھیک ہی ہے تو سیرت ہے! مجھے اس خیال کیوں نہیں آیا مگر جلد جلد ان کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری وجہ سے وہ غریب کسی نصیب میں گرفتار ہو جائے۔ اب تک تو ہم نے صرف پولیس سے بچنے کے لیے وہ ٹھکانا استعمال کیا ہے لیکن اب جن لوگوں سے ہمارا واسطہ ہے انھوں نے ہمارے ایک ایک آدمی کار کے بارے میں معلومات حاصل کر رکھی ہیں۔ فوری بھی ان کا گاہر ہے سب سے اچھل تو نہیں ہوگی۔ وہ ہیں ڈھونڈنے نکلے کہ فوری کے فلیٹ کو بھی مزدور کھنڈ لیں گے۔ آبی نے کہا۔"

"ہات تو ٹھیک ہی کہی ہو گئی۔ چلو پھر کدے میں، میں نے ایک ٹھکانا دیکھا جو اسے فوری کا سہرہ نہ بچھے سے ملا تھا میں اسی روز فوری دیکھنے گیا تھا وہاں۔ اس ٹھکانے کا راستہ تو ذرا میں نہیں رہا ہے میرے پھر بھی کوشش کروں گا شاید پہنچ ہی جاؤں۔ وہ مجھے مل پارک سے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔"

ہم اب ادھر ہی چلتے ہیں۔ ہل پارک پہنچ کر میں اسی طرف چلوں گا۔ مجھے اسی دن اس راستے پر پڑ کر میرا حافظہ پری رات بھائی کرنے لگے گا۔ اس جگہ پہنچنے کے بعد تو پھر مشن ہی نہیں ہے نہ کوئی۔"

اس دوران ہماری کار کا سامنے اس سسر رہا ہے پر پہنچ گئی تھی جہاں سے ایک سڑک شیل اسٹیم کو جاتی ہے میں نے اپنی کار اسی سڑک پر موڑ دی۔ اس طرف مڑنے ہی پر ہی نظر سڑک کے ایک کنارے کھڑی ہوئی اس مزدار کا پڑا جی جس کے بارے میں ہمارا خیال تھا کہ اب دوبارہ اس کا ملنا مشکل ہے۔ اسے دیکھتے ہی میں غشی سے کھل اٹھا۔ آبی نے اس کا کوہ پان لیا تھا۔ بولا "اُسے یہی لائی، کچھ دیکھ تو نے، وہ پیلے رنگ کی مڑا رہی ہے نا جو سامنے کھڑی ہے۔"

گو مڑا جس جگہ کھڑی تھی وہاں روشنی زیادہ نہیں تھی پھر ہی ہم نے اسے آسانی سے پہچان لیا تھا۔ میں نے اپنی کار مڑا کے اگلے پیچھے فٹے ہوئے کہا "ہاں یار! یہ تو یہی گاڑی! لیکن یہ زمان کیوں کھڑی ہے؟ یہ بات سمجھ نہیں آتی ہے میرے۔"

ہماری کار کی ہینڈ لائس نے مڑا میں موجود ڈرائیونگ اسٹانس کو ہماری طرف توڑ کر دیا تھا اور انھوں نے میں پھانسنے میں مجھ پر نہیں لگائی تھی۔ مجھے گاڑی رنکے دیکھ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے ہوئے شخص نے کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر ہمیں اپنے پیچھے لے کر اشارہ کیا اور اپنی کار کے بڑھادی۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی اور اس کے پیچھے پیچھے چنے لگا۔"

آبی نے کھڑکی سے سر نکال کر دوسری سڑک کا ہاتھ لیتے چنے کہا "اُسے یہی لائی، ایسا گناہ ہے۔۔۔ یہاں کوئی زبردست سیکڑی ٹ

ہو گیا ہے کسی بس نے کار کو بڑی گھبراہٹ سے دیا۔ اسی لیے ٹریفک جام ہو گیا ہے یہاں۔

”یہ کراچی ہے پکے جہاں میں لیسے تاشے جگہ جگہ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سڑک کی بات ہے کہ حادثات تنگ اور مصروف سڑکوں پر کم اور کشادہ راستوں پر زیادہ ہوتے ہیں۔ کیوں کہ کشادہ سڑکوں پر ڈرائیونگ بے خطر ہو کر کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایسے راستوں پر اکثر گاڑیاں بے قابو ہو کر ایک دوسرے میں جا گھسکتی ہیں۔ یہ تو یہاں کے معمولات میں سے ہے۔ کوئی اونچی بات نہیں ہے یہ۔ میں نے کہا۔“

”ہاں یار! اس شہر میں زندگی بڑی ارزاں شے ہو گئی ہے۔ پڑا ہی نہیں ہے کسی کو کسی کی۔ ابی سرد آ کر پھر کر بولا۔

اسی وقت آگے جاتی ہوئی مزدی راں رفتار کو ہونا شروع ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ وہ سڑک کے کنارے رک کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے بھی اپنی کار اس کے ساتھ ہی روک دی۔ مزدی راں سے وہی شخص اتر کر باہر آ گیا۔ اس سے پہلے بھی میری بات چیت ہوئی تھی۔ میں نے کھوکھ سے سراہ کر کہا کہ اس سے پوچھ لیا کیا بات ہے جی؟ یہاں گاڑی کیوں روک لی تم نے کیا پھر کوئی تعاقب میں لگ گیا ہے؟

وہ ایک قریب آ کر بولا: ”آپ دونوں باہر آ جائیں جناب اب اس گاڑی میں مزید کچھ جاننا مناسب نہیں ہے۔“

میں دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے بولا: ”کیوں جی، ایسی کیا بات ہو گئی ہے اس گاڑی میں؟ مجھے تو کوئی تزا بی نظر نہیں آتی۔“

دوسری طرف سے آئی بھی اتر آیا تھا گاڑی سے ہم دونوں اس کے پاس پہنچے تو وہ بولا: ”یہ کار میں آپ دونوں سفر کر رہے ہیں اس جرم صنعت کار ایکٹیزٹو کی ملکیت ہے جسے آپ صاحب نے خرید لیا ہے۔ مجھے شک ہے کہ اس کار میں کچھ ایسے خفیہ آلات بھی نصب ہو گئے ہوں گا گاڑی کے بائیں میں ایک ایک لمحے کی اطلاع کسی جگہ پہنچا ہے ہوں گے اور اس میں بیٹھ کر آپ دونوں نے جو گفتگو کی ہوگی اس کا ایک ایک لفظ یا کوئی سننا یا ہوگا یا کہیں ریکارڈ ہو تا رہا ہوگا۔ لہذا اس گاڑی کو وہاں سے جاکسی طرح بھی مناسب نہیں ہوگا۔ جہاں ہم آپ دونوں کو لے جائے ہیں۔ اگر یہ ہمارے ساتھ ہوں تو دشمن کو وہاں پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔“

آئی حیرت سے انہیں چناؤ کر بولا: ”اچھا تو کیا ہم اب تک جو باتیں کہتے رہے ہیں یا ہمارے کہتے رہے ہیں اس کی انہیں خبر ہے؟“

”میں نے شبیہ کا اظہار کیا ہے۔ یقین سے اس لیے نہیں

کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس گاڑی کا جائزہ نہیں لیا ہے۔ اسے اچھی طرح چیک کیے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور اتنا دوسرے بھی ہمارے پاس ہے نہیں کہ اسے چیک کیا جاسکے۔ بول رہے گاڑی ہلنے کی کام کی تو ہے نہیں۔ پھر ہم کیوں اس پرانی وقت پر باور کریں۔ آپ دونوں ہماری گاڑی میں آجائے۔ اسے ہم نہیں چھوڑ دیتے ہیں۔“

”ہاں جی، اس مصیبت سے جان چھڑا ہی لینا چاہیے ہمیں۔ چنانچہ اب یہ میں کسی راندن میں اتار دے۔ میں نے کہا مزدی راں طرف بڑھ گیا۔

میں اور آئی مزدی راں کچھ نشت میں دھنسنے کو وہ ایک بار پھر فرشتے بھرے لگی۔ میں نے آگے بیٹھے ہوئے ٹرانس کو مخاطب کر کے کہا: ”دوستو! تم ہمارے لیے اتنی جھال دوڑ رہے ہو لیکن ہمیں اب تک پہنچنے والے میراں دوستوں کے انکار نہیں معلوم ہو سکے ہیں؟“

وہی شخص جس سے میری اس سنگینگو ہوئی تھی بولا: ”ہماری بد قسمتی ہے جناب! ہمارا کام آپ دونوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ یوں بھی آپ دونوں خاصی شہرت کے مالک ہیں۔ ہماری طرح گناہ آدمی تو نہیں ہیں کوئی۔ مجھے آپ انوکھا کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ میرا سنا ہے کہ کل زمانہ بڑی خوبن اور بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اسے مجھے بھی خوشنوں نے اپنے ناپاک عزائم کی تعمیل کے لیے استعمال کیا تھا۔ بہت کم عمری میں ہی ان کے ہتھے پڑھ گیا تھا۔ اس کی بڑی زبردست تربیت کی تھی انہوں نے لیکن اسے جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اس کے ہاتھوں سے اس کے اپنے ملک کی بربادی چاہتے ہیں تو اس نے انہی کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ اسے ملک دشمنوں سے برسرِ پیکار روک دیا۔ وہ صاحب نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ کل زمانہ کی وجہ سے ہم نے دشمن کو بہت نقصان پہنچا دیا۔ اس کے بہت سے آدمی اور کئی اہم افسرے کل زمانہ کی نشان دہی پر تباہ کر دیے۔ ہم نے۔“

”آفرین ہے جی! کل زمانہ تجھ پر کاش ہمارے ملک کے نو جوان تیری طرح وطن کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ کاش وہ جو دوسروں کی خاطر مادرِ وطن کو لوٹے غسل دینے پر کمر بستہ تھے قتل و غارت اور ڈاکوئی جن کا شمار بن گیا ہے یہ سمجھ سکیں۔ ان کا یہ عمل خود ان کی اور ان کے خاندانوں کی بربادی کا باعث بن رہا ہے۔ وطن کی آزادی کا سو دھارنے کے بعد خود ان کے لیے زمین کا کون سا گوشہ باقی ہے کہ جہاں وہ اپنی زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق گزار سکیں گے۔ قوم کو زوال دینے چاہیے

ہے جب گھر میں نقب زن پیدا ہونے لگیں۔ دشمن یہ بات خوب پتا ہے۔ اسی لیے وہ گھر کے لوگوں کو اپنے گھر کی دیواروں میں بند کرنے کی تربیت دے رہا ہے تاکہ جب وہ ہمارا گھر لوٹنے کے لیے آئے تو اسے روکنے کے لیے کوئی دیوار کوئی دروازہ نہ ملتا۔ جو وہ بے دھڑلے بے کھٹے کھٹے چلا جائے۔“

”ہاں جی، یہ تو بالکل ٹھیک کہا ہے۔ آپ نے۔“

”نہیں ہیں نا یہ کہ انہیں کچھ سمجھانے کی ضرورت ہو۔ جذبات میں ہر کہنے ہی گھر کو آگ لگانے پر تیار ہوتے ہیں عقل کے اندر۔“

”ابھی چاہیے تو انہیں عقل دھنسنے سے، ورنہ آدمی کی بات تو مجھے ہی نہیں ہیں۔“

آئی بولا: ”وہ بالکل امکان! وہ کار کہاں غائب ہو گئی تھی؟ جس کے پیچھے لگ کر تم آئے تھے؟ اس کا تو پتا ہی نہیں چلا۔“

”اگر؟“

”آپ نے دیکھا ہی نہیں اُسے؟ کمال ہے جی! مالدار کا رساڈ ٹریفک جام کر رکھا ہے اس گاڑی نے۔“

”کون سا ٹریفک جام کر رکھا ہے اس نے؟ وہ جو کارولز پڑ ٹریفک رکھا ہے اس کی بات تو نہیں کر رہے ہو تم؟“

”یہاں سے بولا۔

”بالکل بالکل، اسی کی بات کر رہا ہوں میں۔ وہ سارا ٹریفک اسی گاڑی نے روک رکھا ہے وہاں! انوکھا کمال نے جواب دیا۔

”مجھے تو وہاں وہ کار نظر نہیں آئی کہیں بھی۔ پھر اُس نے کیسے ٹریفک جام کر دیا؟ وہاں تو شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟“

”ہاں جی! بولا۔

”مال جناب! جو تو ایکسپلڈنٹ ہی ہے مجھ کو وہ خود ہی نہیں ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہے اور تباہ ہونے والی کار وہی ہے کہ جس کے بائیں میں آپ پوچھ رہے ہیں۔ اب آپ اس میں کپ لے جائیں گا کہ حادثے نے پوری سڑک بند کر دی ہے۔“

انوکھا نے وضاحت کی۔

”اچھا! مگر یہ ہو سکتا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ جس نے کس طرح مگر مادی تھی؟“

آئی نے کہا: ”اس کے ساتھ ہی میں بھی حیران ہو کر رہ گیا تھا۔“

”وہ بس ہماری کار کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی تھی اور کار ہمارے آگے تھی۔ بس کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں نے سائیکسٹر گئے ہوئے پستول سے بے آواز فائر کر کے

کار کا ایک ٹائر رجا ڈیا۔ مارے پھٹنے ہی کا بری طرح لہرائی ہوئی ایک دم بس کے آگے آئی۔ نتیجے کے طور پر بس نے اس کا پچھرا بنا کر رکھ دیا۔ اس حادثے کے بعد ہی ہم نے اپنی کار دوسری سڑک پر موڑ کر روک دی تھی میں نے کار سے اتر کر حادثے کے مقام پر جا کر اس کو دیکھا تھا اس میں دو افراد اور ایک گنپٹر کی حسین سیکڑی کے سوا کوئی نہیں تھا اور ان دونوں کی جو حالت تھی اسے دیکھ کر یہ تو سوچا جی نہیں جاسکتا کہ ان میں سے کوئی زندہ بھی نہ گیا ہوگا۔ انوکھا نے بتایا۔

”یعنی ان کی بالکل ہی جیٹی کر دی تھی؟“

”بالکل اس دن سے ہی کار واپس نہیں؟“

”ہاں جی، میرے نزدیک ایسے لوگ دوسروں کی برہادی جن کا نصب العین ہو کسی طرح بھی ہمدردی یا رحم کے مستحق نہیں ہوتے۔“

”بالکل سچ کہتے ہو تم؟ کتنا بڑا فساد اور جالو رہے لیکن اگر پاگل ہو جائے تو دوسروں کی سلامتی کے لیے اسے مار دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔“

”باقوں کے دوران ہمیں یہ پتا ہی نہیں چل سکا کہ ہم کن راستوں سے گزرتے ہوئے کدھر جا رہے ہیں۔ چونکہ تو میں اس وقت جب میں نے کار کو ایک خوشنما اور عالیشان کوٹھی کے پورج میں رکتے دیکھا۔ میں نے انوکھا لے لیا۔“

”یہ تم کہاں لے آئے ہو انہیں؟“

وہ مسکاتے ہوئے اپنی طرف کار دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے بولا: ”آپ فکر نہ کریں کسی غلط جگہ نہیں لائے ہیں ہم آپ کو۔ آئیے اب باہر آجائے آپ بھی۔“

فیروز صاحب ڈرائنگ روم میں آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔ میں نے کار کا دروازہ کھول کر باہر آ کر کھڑے ہوئے کیا۔

”تم تو بار بار اپنے نام کی طرح آدمی بھی کمال کے ہی لگتے ہو۔ تم بھی میرے ساتھ ہی اس گاڑی میں موجود تھے، پھر نہیں یہ کیسے تباحل گیا کہ فیروز صاحب ڈرائنگ روم میں ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔“

وہ ہنس کر بولا: ”بابا اسحاق کے اتسلنے پر جانے لگا ہوں میں آج کل۔ یہ چھوٹی موٹی کرامات نبی سے ملی ہیں مجھے۔“

”اچھا تو اس فرار ڈیلے کے پاس کرامات بھی ہیں۔! اپنے معتقدین کو کرامات بھی دکھایا کرتا ہے وہ؟“

”ہاں جی، کیوں نہیں۔ اتنے سارے لوگ یوں ہی تو اس

226

pdfbooksfree.pk

سارے درنک کی مزد کو بھی ہمارے پیچھے جاتے دیکھا تھا۔

اچانک فیروز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ تسلید سے کہتا تھا کہ کس چیز پر  
227



نخا جیسے۔ میں شرافت سے سے ہونڈ کر کے لیے کہہ کر  
فیروز کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”ہاں کیا بات ہے؟“ میں نے مآذ تھپس پر ہاتھ  
رکھ کر فیروز سے پوچھا۔

وہ بولا ”اس شے میں کم کئی دن سے رہ رہے ہو۔ کیا  
یہ ممکن نہیں ہے کہ اس خون پر ہونے والی گفتگو ٹیپ کی  
جاتی ہو؟“

”ابھی تک تو ایسی کوئی بات ہوئی نہیں ہے جس  
سے یہ ظاہر ہو سکے کہ ایسا ہوتا ہوگا۔“

”شاید اب تک اسے اس خون پر ایسی کوئی بات کی بھی  
نہیں ہوگی“ فیروز نے خیال ظاہر کیا۔

”ہاں“ میں نے ذہن پر زور ڈال کر یاد کرنے کی  
کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”وہی آج ظہیر احمد نے مجھے خون  
کر کے دھکیا دی تھیں، اگر خون ٹیپ کیا جا رہا ہوتا تو ان لوگوں  
کو ظہیر احمد کی دھکیوں وغیرہ کے بارے میں ضرور معلوم ہوجاتا  
لیکن جب ہم ظہیر احمد سے ملنے کے بعد اسٹانے کی طرف گئے  
تھے تو جبر الڈنے ہمارے دیر سے آنے کی شکایت کی تھی۔ اس  
کی باتوں سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ ظہیر احمد اور  
میرے درمیان ہونے والی چیقلش کے بارے میں کچھ جانتا  
ہے۔ یوں بھی وہ خون ان کے ایک قابل اعتبار آدمی کا ہے۔  
ایک ایسے شخص کا جو ان کی صرف ظاہری حیثیت سے واقف ہے  
ان کی حقیقت کا کوئی علم نہیں رکھتا۔“

”فیروز ابھی اس سے کچھ مدت کو، تھوڑی دیر بعد بارہ  
فون کرو گے تو کچھ اندازہ ہو سکے گا“ فیروز نے کہا۔

میں نے شرافت علی سے کہا ”اچھا یارچی، کوئی اور بات  
تو نہیں کہنا ہے تبہیں؟ میں سلسلہ منقطع کر رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے، ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ فون کرنا۔  
شاید اس وقت میں صورت حال کے بارے میں صحیح طور پر  
بتا سکوں تبہیں۔“ وہ بولا۔

”ٹھیک ہے، تو پھر میں تمہیں ایک گھنٹے کے بعد فون کر دوں گا۔  
خدا حافظ! یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔

مجھے بہت زور کی جھوک لگی ہوئی تھی۔ صبح میں نے  
شرافت علی کے ساتھ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک  
ہوٹل میں ناستنا کیا تھا، اگلے بعد میں اب تک کچھ کھانا  
نصیب نہیں ہوا تھا۔ دوپہر کے بعد آئی نے مجھے سوتے  
سے جگایا تھا اور جب سے اٹھا تھا، جھاگ دوڑ ہلنگھارانی  
نے مملت ہی نہیں دی تھی۔ اب ذرا فرصت میسر آئی تو

بھوک کا احساس شدید ہو گیا۔ میں نے فیروز سے کہا ”یارچی  
بڑے زور کی جھوک لگی ہے میرے بھائی، کچھ کھانے پینے  
بھی بندوبست ہے یہاں یا نہیں؟“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔ میں ابھی انتظام کیے دیتا ہوں  
ایک گھنٹا تو اطمینان کا ہے تمہارے پاس، آؤ بیڑی لگاؤ  
وغیرہ کھاؤ۔“

”ہاں یار! بھوک تو مجھے بھی اچھی خاصی لگ رہی ہے  
اس گھڑی۔ کھانے کا انتظام ضرور کرو براور! آئی نے  
مجھ جلدی سے کہا۔

فیروز اٹھ کر ہمارے لیے کھانے کا انتظام کرنے  
چلا گیا۔ میں نے آئی سے کہا ”آئی یار! یہ جو کچھ ہولبے  
نہیں ہوا۔“

”اوئے ساڈے نال پہلے کدی اچھا ہو یا لے  
ہن پندا۔ اسان تے ہمیشہ ای بیوجیہ اچا کن والیا  
طوفاناں دامتا بقا کیلے۔“

”ہاں یار! پنداتے ایویں رہیا لے آج تک، مگر  
دی کوئی انتہا دی ہووے گی کدی؟ میں نے تے عاجز آگیا  
یارا لے ہر دقت دے دوڑن جون کولوں۔ ہن تے میرا مال  
وی پھل گیا لے میرے دیر! تھک گیا ہوں میں، ہن میں چاہا  
والن کہ کچھ دیر لی سکون دے نال بیٹھ کے آرام کرواں۔“

”اور یہ سکون نام کی کوئی شے ہمارے جھاگ میں کون  
نہیں گئی ہے یارے بھائی غلام جیلانی! یہ تجربہ نہیں ہزار  
بار ہو چکا ہے۔ اس لیے اچھا یہی ہے کہ جو نقد میں کھا  
نہیں گیا، اس کی تمنا ہی نہ کر جائے۔ قسمت سے کون دلا  
ہے میرے یار؟“

”ہاں بھئی تیری بھی بات غلط نہیں ہے۔ یہ ہمارا  
خیم پارہ تقریری تو ہے جو ہمیں ہمارے کی طرح حرکت میں  
رکھتی ہے ہر گھڑی، کسی ایک جگہ ٹھہرتی ہی نہیں رہتی۔  
چنانچہ کتنے قہم قہم اس میں کہ کسی طرح سیدھی ہوئے  
ہی نہیں دیتی ہے۔“ میں نے آئی کی تائید کرتے ہوئے کہا۔  
”وہی جیلانی! اس کے تجربہ الڈ کے ساتھ جو  
کیا ہے میں نے، وہ کچھ زیادہ بڑا نہیں کیا ہے۔ آؤ  
ایک دن یہی کرنا تھا ان سب کے ساتھ۔ ان کونوں کو  
پتی دھرتی پر مزید گرے کھودنے کی اجازت تو نہیں  
سکتے اور اب جب کہ یہ سلسلہ چل ہی نکلا ہے تو ہمیں  
زجلد بقید لوگوں کا بھی جھجکا کر ہی دینا چاہیے۔ کیوں آؤ؟“

”ہاں ہر دپے کو بھی جا دلیجیں۔“  
”نہ تو ایسا ہی ہے مجھے کہ اب یہی کرنا پڑے گا۔ ابھی  
وہ ہمارے طرف سے مطمئن ہیں۔ زیادہ غور نہیں محسوس کر رہے  
ہوں گے وہ ہم سے۔ بلکہ شاید اس خوش قسمی میں مبتلا ہوں گے  
کہ جب چاہیں گے ہمارا گلا دوجن لیں گے۔ لہذا ان کے  
ہوشیار ہونے سے پہلے ہی ان کی شررگ کاٹ دینا چاہیے  
ہیں۔ فیروزا نے تو پھر کوئی پروگرام بنائے ہیں اس سلسلے میں؟“  
میں نے کہا۔

”اوئے لعنت بیچاری! اس فیروز پر اسے اس معاملے  
میں گھٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کو تا پیر کے لیے تو میں اکیلا  
ہی کافی ہوں گا۔ سلسلے کی ساری چالانی اور عیاری نکال کے  
باہر دھیرے زکودن تو آئی نہ کرنا مجھے۔ اس سے پہلے بھی ہمیں کتنے  
خیم خانے ہیں۔ ان سب سے ہم اکیلے ہی تو ٹھٹھے رہے ہیں۔  
چوڑا کیا ہو گیا ہے کہ دروسوں کی طرف دیکھنے لگا ہے تو؟  
”تو یہ بات بھول رہا ہے آئی! اب سے پہلے جن لوگوں  
سے واسطہ پڑتا رہا ہے ہمارا، وہ بھی ہماری ہی طرح کے تھے۔  
لے زور بازو پر ہر دوسا کرنے والے۔ ان میں سے کسی کا بھی  
تعلق کسی ایسی تنظیم سے نہیں تھا جس کی بڑوں ساری دنیا میں پھیلی  
ہوئی ہوں۔ بلکہ وہ کوئی چھوٹی موٹی بین الاقوامی تنظیم کے بھی رکن  
نہیں تھے۔ اس لیے وہ ہمارے لیے کوئی پریشانی پیدا نہیں  
کرسکے۔“

”یہ تو کیسے کہہ رہا ہے؟ وہ جن کے پیچھے ہم امرتسر وغیرہ  
تک دوڑے چلے گئے تھے وہ کوئی معمولی لوگ تھے۔ باقاعدہ مکرار  
مدار سے تعلق تھا ان کا اور عیاری حکومت کی پشت پناہی  
حاصل تھی تبہیں مگر ہم ان کے گھروں میں گھس کر نشتا اٹھے  
تھے نہیں۔“

”ہاں کچھ کہہ رہا ہے تو، مگر وہ سب اسی نقطے کے پاس تھے۔  
ان کا مزاج، تہذیب، وقت اور وضع قابل ہم سے بہت ملتے  
جستے تھے اور ان کے وسائل کے بارے میں ہم اچھی طرح جانتے  
تھے۔ جب کہ ان کے بارے میں اب تک ہمیں جو کچھ معلوم ہوا  
ہے وہ بے حیران کن ہے۔ جدید ترین سائنسی آلات ان کے  
پاس میں ہوسکتی ہیں۔ ہونے کو دشمن کی نقل و حرکت کی انہیں  
بدرقت خبر دے رہے ہیں۔ ان سے ٹکرانے کے لیے انہی  
جیسے وسائل کی ضرورت ہے میرے بھائی! جو فیروز کے خلاف ان  
سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔“

”یہ وسائل تو مجھے یوں لگتا ہے تیرے پاس بھی بہت  
ہونگے۔ میں۔ امریکا کے ایک ہی دورے نے مجھے بہت اہم

شخصیات کا ان میں کھڑا کر دیا ہے۔ تیرے سوچنے کا انداز  
بڑی حد تک تبدیل ہو گیا ہے اور سائنس مجھے تیرے سامنے  
بے بس نظر آنے لگی ہے۔“

”کیا مطلب ہوا مجھے تیری اس بات کا؟ یہ سائنس کی  
لے بسی کا ذکر کر کے کیا ظاہر کرنا چاہتا ہے تو؟“ میں نے  
پوچھ کر پوچھا۔

”یہ سائنس کی لے بسی نہیں ہے کہ تیرے سامنے  
پستولیں اور اسلیمین گیس کان پولا لیتی ہیں اپنے؟ وہ بولا۔  
”اوہ! یہ بات ہے، بھولا نہیں ہے تو ابھی اس فکے کو؟“

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔  
”بھولنے والی بات تو نہیں ہے یہ! ایسا واقعہ جو  
غفلت و بھروسہ کم کر کے رکھ دے، بھلا یا جاسکتا ہے کبھی؟“  
آئی نے کہا۔

”اب یار تجھ سے تو چھپانے والی بات نہیں ہے  
یہ، میں خود تجھے بتا دینا چاہتا تھا، بس دھیان نہ بن  
رہا مجھے۔“

”تک نہیں اٹھے، دھیان نہ رہن دا ہمارا نہ میں کر  
میرے نال۔ میں نے آپے ای معلوم کرن دی کوشش  
تئیں کیتی۔ اوس وقت تے نوں۔ یہاں بن گیا سان جیویں  
اس دے بارے ج جاندا ای نہیں، تے ہن اتفاق قرار  
دے رہیاں اُس گل نون۔“

”تو بھی تو بے سوچے سمجھے، موقع بے موقع زبان  
چلانے لگتا ہے۔ شرافت علی کے سامنے میں تجھ کیسے بتا دیتا  
اتنی اہم بات؟“

”اچھا! اس کا مطلب ہے کوئی کرامت حاصل ہو گئی  
ہے تجھے، جس کا علم اوروں کو نہیں ہے؟ آئی شوخی سے  
آنکھیں پٹا کر بولا۔

”ہاں مگر وہ کرامت مجھ میں نہیں، اس انگوٹھی میں ہے  
میں نے اسے اس قسمی انگوٹھی کے بارے میں سب کچھ  
صاف صاف بتا دیا۔

آئی حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انگوٹھی کو دیکھتے  
ہوئے بولا ”کمال ہے بھئی! ایسی طلسم ہوش رہا ہے یہ انگوٹھی  
اور یہ تجھے غالبیت دے دی۔ اس فتنہ گر غالبیت نے تجھے  
ان راہوں میں لا پھینکنے کی فتنے دار ہے۔ جس نے تیری  
والہی کے سامنے دروازے بند کر کے ان کے نشان تک  
مٹا دیے اور ایک ایسی دلیل میں لا چھوڑا ہے جس سے ٹکرانے  
کی کوئی امید تک نظر میں آئی ہے؟“

"ہاں یارانی! مجھے آئی عالیہ نے دی ہے۔ وہ اب تک دنیا کے ذیل ترین کاموں میں بھی دھن کا ساتھ دیتی آئی تھی مگر اپنے ملک کی برادری اور یہودیوں کے عزائم کی تعمیل میں ان کی معاونت کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہے۔ اس مقام پر وہ دھن سے بغاوت کرنے پر تیار نہیں گئی ہے۔ اس نے دھن اور یہودیوں کے خلاف مضبوط کرنے کے لیے ہی یہ انگوٹھی بچھے دی ہے۔" میں نے آئی کو بتایا۔

"کمال ہے یار! اپنے اعمال اور کردار سے وہ ایسی لگتی تو بالکل جتنی نہیں ہے کہ اسے اپنے وطن سے اتنی محبت ہوگی۔ آئی بولا۔

"ہرچیز کی ایک حد ہوتی ہے آئی دنیا کے بدترین آدمی پر بھی ایک ایسا وقت ضرور آتا ہے جب وہ اپنے گناہوں کا بوجھ محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ اس بوجھ میں مزید اضافہ کرنے کا حوصلہ نہیں دیتا اس میں بکروہ کے دھکا کرنے کی فکر کرنے لگتا ہے۔ عالیہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے شاید۔ وہ اب مصیبت کے اس بوجھ کو اٹھائے پھرنے کے قابل نہیں رہی ہے۔ یہی نہ کہا۔

"اگر تجھے عالیہ کا تعاون حاصل ہو گیا ہے تو اس دھن کی گردن مروڑنا بھی آسان ہو گیا ہے تیسے کیلئے، اس دریل کا کام کیوں نہیں تمام کر دیتا ہے اب تو۔ اسے کیوں ڈھیل دے رہی ہے اس قدر تو نے؟ حالانکہ پہلا کام بھی کرنا تھا۔"

"کسی حد تک یہی بات ٹھیک ہی ہے۔ گو دھن کے خلاف کسی انتہا کے موقع پر اب بھی عالیہ یہ راستہ نہیں دے گی۔ وہ اپنا سب کچھ اپنے ہی ہاتھوں اجاڑنے کے لیے کس طرح تیار ہوگی؟ لیکن اس کے باوجود میں دھن کے بوجھ سے دھرتی کو نجات دلاؤں گا، یہ عہد ہے میرا، مگر اس کے لیے یا تو مجھے ایک باپھر امریکا جانا ہوگا یا اس کے یہاں آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔ بہر حال اس سے پہلے ان ذیلی یہودیوں کا قتلہ ختم کرنا ہے۔ ہمیں یہ جو تک کی طرح ہمارے جسم میں جو سوت بکھرا ہوا ہو بیٹھنے میں مصروف ہیں۔ اگر ان کی طرف سے ذرا بھی توجہ پریشانی، ہم نے تو یہ ہماری ساری توانائی بچھڑائیں گے۔"

کے کے دروازے پر آہٹ سن کر میں نے اُدھر نظریں اٹھائیں۔ اسے پہچاننے میں مجھے دس بھی دیر نہیں لگی۔ وہ زلیخا تھی۔ وہ جس سے کراچی میں قدم دھرے ہی فیروز کے اس مکان میں.... مڈ بھیڑ مٹی مٹی میری بہان فیروز

ایر پورٹ سے مجھ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ پالیس باپ۔ سالہ ملازم جس کی زبان اور آنکھیں ایک ساتھ ہوتی تھیں۔ اس گھڑی بھی وہ بڑی بڑی غزال آنکھیں شاعری کی معلوم ہوتی تھیں۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ناز سے سنتے شراتے ہوئے کہا: "صاحب جی! اُدھر آئی میں عیسیٰ۔" کھانے پر انتظار ہو رہا ہے آپ دونوں کا۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا: "اچھا چلو چلتے ہیں اور کمرہ ہوز بیلانی! ٹھیک ٹھاک تو ہونا۔"

"لمکے میں مرجاؤں۔ آپ کو میرا نام بھی یاد ہے ہر ملک۔ میں تو سمجھ رہی تھی بھول بھال چکے ہوں گے۔" لجا کر بولی۔

"رکھنے والوں نے نام ہی ایسا رکھا ہے بی بی تیرا ر آدمی کبھی بھول ہی نہیں سکتا ہے اسے۔" میں آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

وہ مڑ کر میرے آگے آگے چلتے گئی۔ آئی میرے ساتھ چلتے ہوئے بولا: "تو تو کتنا تنہا جیلائی تھے ان کا کتنا معلوم نہیں ہے؟"

"تیرا کیا خیال ہے، کیا بھوٹ بولا تھا میں نے؟ یہ خیال کیسے آیا تیرے دل میں؟" میں نے اسے گھونٹے ہوئے کہا۔

"تو اس گھر میں آج سے پہلے نہیں آتا تھا تو بگے کیسے جانتی ہے؟ اور تو اسے کس طرح جاننے لگا؟ آئی بولا۔

"میں نے بتایا نہیں تھا تجھے کہ سان فرانسسکو کراچی پہنچنے ہی ہمیں فیروز لے گیا تھا اپنے ساتھ۔ یہ بھی موجود تھی۔ ملازمہ ہے یہ فیروز کی؟ پھر میں نے آہستہ سے کہا: "ہوٹ پار رہنا اس سے، بڑی مہل قسم کی عورت ہے یہ۔"

"وہ تو اس کے انداز سے ہی ظاہر ہو رہا ہے۔" نے کہا: "اسی لیے تجھے یاد رہ گئی ہے اب تک۔" زلیخا چلتے چلتے گردن موڑ کر ہمیں دیکھتے ہوئے بولی: "جی کسی کے بارے میں یوں کھسک پھسک کرنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے نا؟"

"زلیخا! کسی بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دے۔ بہت بڑائی نہیں کر رہے ہیں۔ اپنے دوست سے تعارف نہ تھا میں تیرا۔"

"ہائے میں مرجاؤں۔ اب میں بھی اس قابل ہوگی۔"

میں نے مشکل اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ میں یار! یہ بات نہیں تھی۔ یہ آئی جو ہے نا؟ بڑا ڈھیل ہے۔ اس نے اس غریب کو بھولنے کے کدو دیا تھا بڑی طرح! اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ مجھے اپنی ہنسنی روکنا مشکل ہو گیا۔ میں اتنی ہی بات تھی: "اُدھ! میں سمجھا کہ پھر وہ کوئی حماقت کر بیٹھی ہے یہ خیر جھوٹو! اُدھ! کھانا کھانا! پھر ہاں بے مزہ پر رکھا ہوا۔"

کھانے کے دوران میں نے فیروز سے کہا: "فیروز! یاد آکر آج رات اس بہرہ پیسے کے مرقہ پر رید کر دیں تو کیسا رہے گا؟"

"کون سا مرقہ؟ کس کی بات کر رہے ہو بھائی؟" میں سمجھا نہیں؟ "فیروز نے لقمہ چباتے چباتے رک کر پوچھا۔ "میرا مطلب اس پہاڑی ہڈی کوڑھ سے ہے، جسے لوگ باا صاحب کا آستانہ کہتے ہیں۔ میں نے وضاحت سے کہا۔

"اُدھ! اچھا خیال تو ٹھیک ہی ہے تمہارا مگر یہ کام آسان نہیں ہے۔ دور دریل ہم نے ایک کوٹش کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہو سکی ہمیں۔ اس نا کامی سے ایک بات یہ ضرور معلوم ہوئی کہ اگر کوئی قیام گاہ تک جانے والے عام رستے کے علاوہ کسی اور طرف سے وہاں پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اور اس کے گردن کی نظروں میں آئے بغیر کوئی شخص اس کے آستانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا اچانک اس کے خلاف کوئی کارروائی تو کی ہی نہیں باا سنی! فیروز نے جواب دیا۔

"اچھا! تو وہ تم ہی لوگ تھے جن کے بارے میں بڑی نے بتایا تھا کچھ لوگوں نے آستانے میں گھسنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں! مگر انھوں نے بہت سخت حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں وہاں۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا "عام رستے کے علاوہ کسی اور طرف سے وہاں پہنچنے سے روکنے کے لیے کیا انتظام کیا ہے انھوں نے؟"

"اگر کوئی شخص عام رستے سے ہٹ کر کسی اور طرف سے پہاڑی پر چڑھتا ہے تو کوئی پچاس قدم اوپر جاتے ہی آستانے کے اندر گھسنے لگتے ہیں۔ چاروں طرف سے کئی بے اڈا ہسٹول یا رائفلیں گولیوں، گولے لگاتے ہیں۔ مسلسل برستی ہون ان گولیوں سے بچ کر کمرے کے بارے میں یہ بھی پتا ہو کر وہ آگاہاں سے رہی ہیں، آگے بڑھنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔" فیروز نے بتایا۔

"کچھ اندازہ کیا ہے تم نے کہ وہ گھسنے کیسے کئے ہوں گے؟"

میں نے ہنستے ہوئے ایک ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑ کر زلیخا کی طرف اشارہ کر کے کہا: "بتانا چاہا کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں لیکن میری زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔"

زلیخا نے کہا: "کیا ہوا ہے زلیخا؟ کو کیا کوئی بہت دلچسپ بات دہی ہے اس نے؟" فیروز متعجب ہو کر بولا۔

"کچھ نہیں بھائی! کوئی دلچسپ لطیفہ نہیں سنایا ہے اس کے پاس۔" یہ تو میں یوں ہی پاگل ہو گیا ہے۔

زلیخا بھول کر ہنستے ہوئے ایک طرف چل دی۔ فیروز نے بہت قریب آکر میرا بازو پکڑ لیا۔ "میں سمجھا کہ کوئی بہت بڑی بات ہے اس سے، بہت بے وقوف عورت ہے، بہت بڑی ہون کو کر کا احساس ہی نہیں ہے اسے۔"

میں نے مشکل اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ میں یار! یہ بات نہیں تھی۔ یہ آئی جو ہے نا؟ بڑا ڈھیل ہے۔ اس نے اس غریب کو بھولنے کے کدو دیا تھا بڑی طرح! اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ مجھے اپنی ہنسنی روکنا مشکل ہو گیا۔ میں اتنی ہی بات تھی: "اُدھ! میں سمجھا کہ پھر وہ کوئی حماقت کر بیٹھی ہے یہ خیر جھوٹو! اُدھ! کھانا کھانا! پھر ہاں بے مزہ پر رکھا ہوا۔"

کھانے کے دوران میں نے فیروز سے کہا: "فیروز! یاد آکر آج رات اس بہرہ پیسے کے مرقہ پر رید کر دیں تو کیسا رہے گا؟"

"کون سا مرقہ؟ کس کی بات کر رہے ہو بھائی؟" میں سمجھا نہیں؟ "فیروز نے لقمہ چباتے چباتے رک کر پوچھا۔ "میرا مطلب اس پہاڑی ہڈی کوڑھ سے ہے، جسے لوگ باا صاحب کا آستانہ کہتے ہیں۔ میں نے وضاحت سے کہا۔

"اُدھ! اچھا خیال تو ٹھیک ہی ہے تمہارا مگر یہ کام آسان نہیں ہے۔ دور دریل ہم نے ایک کوٹش کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہو سکی ہمیں۔ اس نا کامی سے ایک بات یہ ضرور معلوم ہوئی کہ اگر کوئی قیام گاہ تک جانے والے عام رستے کے علاوہ کسی اور طرف سے وہاں پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اور اس کے گردن کی نظروں میں آئے بغیر کوئی شخص اس کے آستانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا اچانک اس کے خلاف کوئی کارروائی تو کی ہی نہیں باا سنی! فیروز نے جواب دیا۔

"اچھا! تو وہ تم ہی لوگ تھے جن کے بارے میں بڑی نے بتایا تھا کچھ لوگوں نے آستانے میں گھسنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں! مگر انھوں نے بہت سخت حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں وہاں۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا "عام رستے کے علاوہ کسی اور طرف سے وہاں پہنچنے سے روکنے کے لیے کیا انتظام کیا ہے انھوں نے؟"

"اگر کوئی شخص عام رستے سے ہٹ کر کسی اور طرف سے پہاڑی پر چڑھتا ہے تو کوئی پچاس قدم اوپر جاتے ہی آستانے کے اندر گھسنے لگتے ہیں۔ چاروں طرف سے کئی بے اڈا ہسٹول یا رائفلیں گولیوں، گولے لگاتے ہیں۔ مسلسل برستی ہون ان گولیوں سے بچ کر کمرے کے بارے میں یہ بھی پتا ہو کر وہ آگاہاں سے رہی ہیں، آگے بڑھنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔" فیروز نے بتایا۔

"کچھ اندازہ کیا ہے تم نے کہ وہ گھسنے کیسے کئے ہوں گے؟"

میں نے ہنستے ہوئے ایک ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑ کر زلیخا کی طرف اشارہ کر کے کہا: "بتانا چاہا کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں لیکن میری زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔"

زلیخا نے کہا: "کیا ہوا ہے زلیخا؟ کو کیا کوئی بہت دلچسپ بات دہی ہے اس نے؟" فیروز متعجب ہو کر بولا۔

"کچھ نہیں بھائی! کوئی دلچسپ لطیفہ نہیں سنایا ہے اس کے پاس۔" یہ تو میں یوں ہی پاگل ہو گیا ہے۔

زلیخا بھول کر ہنستے ہوئے ایک طرف چل دی۔ فیروز نے بہت قریب آکر میرا بازو پکڑ لیا۔ "میں سمجھا کہ کوئی بہت بڑی بات ہے اس سے، بہت بے وقوف عورت ہے، بہت بڑی ہون کو کر کا احساس ہی نہیں ہے اسے۔"

”یہ کوئی معنی نہیں ہے جیلانی! ان لوگوں نے پہاڑی کے اس حصے پر تانے کے بہت بار یک تار جھار کھینچیں اور ان کا تعلق اندر مختلف جگہوں پر لگے گھنٹوں سے قائم کر دیا ہے جیسے سی اور پر پڑے والے کا پیر۔ ان میں سے کسی تار پر پڑا ہے گھنٹہ بجنے لگے ہیں۔ البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں ہونے والی فائرنگ کا تعلق بھی اس نظام سے ہے یا گھنٹوں کی آواز سے ہو شیار ہونے کے بعد کوئی شخص کسی اور نظام سے منسلک فائرنگ کھول دیتا ہے؟“

”جوں“ میں نے کہا: ”اس کے بارے میں ہم آج معلوم کر لیتے ہیں۔ کوئی ایسا طریقہ ہے تمہارے ذہن میں جس سے گھنٹہ بجانے والا نظام نامکا رو کیا جاسکے۔ یعنی ان تاروں کو پھلانگ کر دہم اُدھر جاسکیں۔“

”ہاں جی کیوں نہیں، ہم کوئی آٹھ دس فٹ لمبے اور پندرہ فٹ چوڑے تختے کے دونوں کناروں پر پائے لگا کر وہ تختہ اس جگہ رکھ دیں جہاں تار کچھ نہیں۔ تار زیادہ سے زیادہ تین یا چار فٹ ٹنک ہوں گے۔ جتنا چھتا تختہ اس پوری جگہ کو ڈھک دے گا اور چھٹا اس میں دونوں سروں پر آٹھ دس انچ لمبے پائے لگے ہوں گے جن کی دھبے وہ تاروں سے آٹھ دس انچ اوپر ہے۔ گتائوں کو چھو نہیں سکے گا اس طرح ہم تاروں کو کچھ بڑے بغیر تختے پر سے اڑا سکتے ہیں لیکن فائرنگ کا سامنا اس کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ اس نظام کو سمجھنے بغیر ناکارہ نہیں کیا جاسکتا

اور اسے سمجھنے کے لیے آستانے کے اندر جانا دوسری ہے۔  
 بلکہ اسے ناکارہ بھی اندر ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ میں نے  
 سوچا تھا کہ تم کو مکہ ان کا اعتماد حاصل کرچکے ہو لہذا تمہارے  
 ذریعے کام کیا جاسکتا ہے مگر اب تو صورت حال ہی مختلف  
 ہوگئی ہے، کوئی آدمی اور تلاش کرنا پڑے گا اس کام کے لیے۔  
 ”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تم وہ سختہ تیار کرو  
 خانہ گ سے ہٹنے کا بندوبست میں کروں گا۔“ میں نے کہا۔

”وہ کیسے؟“ فیروز ایک دم چونک کر مجھ کو دیکھتا ہوا بولا۔ ”تمہاری پوزیشن ابھی واضح نہیں ہوئی ہے۔ جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ تمہیں پہلے ہی کی طرح ان کا اعتماد حاصل ہے، تو ہمارا آپس کے لحاظ رکھ کر ناجائز خط سے خالی نہیں ہے۔“

اس کی تم فکر نہ کرو۔ اس کام کے لیے مجھے بھیڑیوں کے اس بھٹ میں داخل ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں نے کہا۔

”میری سجدہ میں تمہاری یہ بات انہیں دیکھ رہی تھی۔  
 ذرا مجھے بھی بتاؤ تم یہ کام کرو گے کس طرح؟“ وہ اٹھ کر بولے۔  
 ”تمہیں کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے  
 میرے اوپر چھوڑ دو، میں مالوس نہیں کروں گا تمہیں؟“

وہ چند ثنائیہ لکھی، لکھی نگاہوں سے مجھے نہ سنا پایا  
 آں سے بولا: ”تم بہت بڑا رانی، کیا کرتے ہیں یہ جیلانی؟“  
 ”میرا خیال ہے یہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے بھائی جی،  
 ایک خستہ داری یہ خود قبول کر رہا ہے تو اسے اس کا کوئی نقص  
 دو، تمہیں اس سے کیا اعتراض ہے کہ یہ کس طرح کسے کا گہر  
 کسے کا کچھ تو تم بھی ساتھ ہی ہو گئے اس کے۔ دیکھو لیتا  
 کس طرح کیلہ ہے اس نے؟“

”ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھی بات ہے جیلائی! پہلو  
 آج تمہاری قیادت میں چل کر ٹھہرے ہیں اس امر اعلیٰ کو  
 کھالے سے فارغ ہو کر میں اور آئی دو بار اسے کہہ  
 میں آ بیٹھے جہاں ٹیل فون رکھا تھا۔ فیوز انٹرک سے ٹھکانے  
 پر ملنا کرنے کے لیے ضروری تیاریاں کرنے کی غرض سے  
 کہیں چلا گیا۔ شرافت علی کو فون کرنے کا جو وقت مقرر  
 کیا تھا میں نے، اس میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ ہاں  
 کرے میں آتے ہی زینا ہمارے پیچھے پیچھے چائے لے  
 آگئی مگر اس بار اس نے ہمارے ساتھ کوئی بات نہیں  
 کی۔ چائے رکھ کر فوراً ہی واپس چلی گئی تھی وہ۔ شاید اس  
 ہو گئی تھی وہ ہم سے“

ٹھیک ایک گھنٹہ کے بعد میں نے حسب پروگرام شرافت علی کو فون کیا لیکن دوسری طرف سے شرافت علی کے بھائی کی آزادی کے مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ میں نے اسے اپنے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کرنے کا موقع نہیں دیا۔ فوراً ہی خود کو سنبھال کر بولھا "مجھے امید تھی تم اب تک گھر پہنچ گئی ہو گی، اسی لیے میں نے فون کیا تھا اس وقت"

”جی ہاں آپ نے صبح نمازہ کیا تھا۔ میں کوئی پندہ  
منٹ پہلے گھر پہنچی ہوں، لیکن آپ کہاں ہیں؟ گھمکیوں میں  
پہنچے ہیں آپ اب تک؟ وہ بے چارہ شرافت علی بھی دو گھنٹے  
میں ابھی گھر گیا ہے ابھی“

”اچھا! اس غریب کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا اب لکھنا پڑا۔“  
 ذرا ادھر اپنے ایک پرانے دوست کے ساتھ ہوں۔ ایک  
 عرصے کے بعد آج اپنا مکمل گیا ہے یہ تمنا جو میرا دل کا مکمل  
 ہے اب؟ اس کی طرف سے بڑی غورنگی ہوئی ہے مجھے۔“

جی ہاں، وہ تو ہونا ہی چاہیے۔ اس کی حالت خطرے  
 سے باہر ہے اب، بروقت طبی امداد مل جانے کی وجہ  
 سے بگڑ مکمل طور پر صحت یاب ہو جانے میں  
 وقت کے کامیابی بڑا زخم ہے، اندر گروہ تک متاثر

ایک شخص کا نام ہی تمام کر دیا تھا۔ یہ مینے کہا۔  
 وہیں جب عالی! آبی میں اس صاحب کا کوئی قصور  
 ہے۔ اس نے خود ہی اپنی موت کا سامان کیا تھا۔ اسے  
 نے سامنے اس طرح کی باتیں نہیں کرنا چاہیے تھیں۔  
 ان کی گوری سیر الدن کی طرف سے ہوئی تھی، جس کا نتیجہ  
 ہے اس نے سڑا لڑک کو مینے نے ساری صورت حال سے  
 کر دیا ہے۔ وہ بھی جبر الدن کی اس حرکت سے خوش نہیں  
 ہے۔ بہت ناراض ہوئے ہیں وہ اس بات سے۔ وہ کہہ  
 تھے کہ مین نے خواہ مخواہ طبی امداد پہنچ کر جان بچائی اس  
 سے تو یہ حال اس سے بھی

میں نے مصنوعی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "وہ ان کا ایک پرانا اور نہایت قابل اعتبار ہے۔ اس کے بارے میں ایسے الفاظ زبان سے ادا کرنا چاہئیں انہیں۔ اس سے دوسروں کا اعتماد بڑھ جائے گا۔"

”اب جانتے نہیں ہیں جناب عالی! اس میں کچھ دلوں  
 بہت غور و مری لگئی تھی۔ تبھی کچھ شککات پیدا ہو گئی ہیں  
 اے! اس کے لیے کسی کے دل میں ہمدردی نہیں ہے  
 نہ۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ کچھ عرصے سے وہ مسٹر انڈرک  
 داخل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔“

انجمن اُتار دیل آدمی ہے وہ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی اس شخص کو برداشت کرے ہے۔ میں۔ کوئی کاروائی کی کہ انہوں نے اس کے خلاف اب تک۔ ایسے خطرناک ہو کر تو ایک دن بھی ساتھ نہیں رکھنا چاہیے۔

کچھ حد تک آپ کی یہ بات درست ہے جناب عالی! اس کی تمام اہم خلافتیں سرگرمیاں مسٹر آئزک باوان کے مخلص نہیں بلکہ یہ محدود رہی ہیں، اس سے ترقی پسند سے سرگرمی نہیں بلکہ کامداری ہی اس کی ذات سے نظریہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس کا وہیے حدود افادہ رہے اس لیے یہ اختلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی ہے جناب عالی! یہ نظریہ ہمیں افراد کی ذاتی حیثیت کو نہیں ہوتی۔ اجتماع افادہ

کے لیے۔ ایک یا چند افراد کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ جبریل الدنچیکو تنظیم کے لیے بہت مفید شخص رہا ہے۔ اسی وجہ سے سٹرگزنسک اسے طرح دیتے رہے ہیں۔ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر یہ ایک کارآمد شخص سے تنظیم کو محروم نہیں کرنا چاہتے۔“

”بے شک اے نیک! سب مشدِ اجتماعِ مفاد کا ہوتو  
افراد کی اسمیت ختم ہو جاتی ہے۔ ایک بڑی نظمیں میں جس کے  
پیش نظر بے اور نیک مقاصد بھی ہوں کسی فرد کی ذاتِ شہیت  
کو نہیں ہوتا۔ مقصد کے حصول کی خاطر بڑے سے بڑے اہمیت  
ترک نہیں ہو کر باقی کیا جاسکتا ہے“

”ہاں یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ جناب عالی لیکن ہماری تنقید کے مقاصد اب اتنے بڑھ چکے ہیں کہ میرا دل جیسے اقتدار پرست پر مشرک اڑک جیسے شخص کو قربان کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ اسی وقت تک برداشت کی جاسکتی تھیں جب تک اس کا کوئی نوع البدل نہیں تھا ہمارے پاس۔ اب میرے اس کی بالکل غفرت نہیں رہی ہے، چنانچہ اب وہ یہاں نہیں رہے گا۔“

”کیا مطلب؟ تو کیا اب اس کا نعم البدل تلاش کر رہا  
گیال ہے۔ کون ہے وہ شخص جسے اس کی جگہ دی جا رہی ہے؟  
جی ہاں اس کا نعم البدل نہیں کیا ہے۔ اور آپ کے  
لیے یہ خوشخبری ہے۔ مناسبہ عالی کہ اس کی جگہ آپ کا کام  
کرس گئے اب“

”کیا؟ کیا؟ کیا...؟ کیا کہہ رہی ہو لڑکی تم؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ اتنا بڑا اور اہم فیصلہ کس نے کیا ہے؟“

” یہ فیصلہ باقی گمان کا ہے جناب عالی! اس کی تفصیل میں آپ کو ملاقات ہونے پر بتا دوں گی۔ جون، پانچویں جولائی ۱۹۸۰ء  
نہیں کی کہ چاہتا ہے، بس اب جلد از جلد گھر پہنچے کہ کوشش کیجیے۔  
میں انتظار کر رہی ہوں کہ آپ کا“

انتظار کرنا ہو گا۔ میں نے جواب دیا۔

”کوئی بات نہیں، میں انتظار کر رہی ہوں۔ ویسے  
 مجھے اب مجھے کہیں جانا نہیں ہے، گھر پر ہی ہوں میں۔“  
 لڑی نے ہا۔

میں ریسیدر کو کہہ کر ان پریشان سا آئی کو تکیے لگا۔  
آئی بولا: کیا بات ہے جیسی؟ کہا کہ وہاں ہے اس بہت بہود  
نے؟ تیس دن تو حالت یہ بدل گئی ہے، ایک دم۔ کچھ بنا تو کس بات  
نے مجھے اس قدر حیران میں مبتلا کر دیا ہے؟

"یار! میری توقع تھی کہ تم کدی ہے اس اسرائیل زادی نے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کیا سمجھو لے؟ میں نے کہا۔  
"اوسنے کچھ دس تہے سہی، ہویا کی لے؟ کی کہہ دیتا لے اوس نے۔ کی سمجھ نہیں آ رہا تیری؟" آبی بولا۔  
میں نے لے ساری بات تیار کہا۔ "ہن دس، کچھ تیری سمجھ وچ آیا۔ سمجھ لیاے توں اس مجھے فوں؟"  
"اس میں مقرر کیا ہے؟ کون سی بات ہے جو تیری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ جو کچھ کہا ہے، صاف اور سیدھے الفاظ میں کہا ہے اس نے؟"

"ہاں ہاں تو بے شک صاف اور سیدھے الفاظ میں ہی ہے لیکن اس کے پس نظر میں مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے؟"  
"مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ تجھے اگر کچھ دکھ رہا ہے تو بتا مجھے کیا ہے وہ؟" آبی نے جواب دیا۔  
"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسی باتیں کرے کہ میں اپنے حال میں چھان رہی ہو؟ کچھ دھاگے سے باندھ کر کھینچ رہی ہو اپنی طرف؟ ہمیں اپنے اہتوں کی زد سے دور رکھ کر کوئی ہم رنگ نہیں چاہا ہو ہمارے لیے۔" میں نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"آبی میری بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اب تک اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ تصویر کا یہ رخ دکھایا ہی نہیں تھا اس نے اس کے ماتھے پر شکنیں ابھرنے لگی تھیں اس گھڑی۔" بات تو تیری کچھ ٹھیک ہی لگتی ہے جیانی، وہ سوچتے ہوئے بولا۔

"لیکن سوال یہ ہے، اس کا پتا کس طرح چلے کر لڑی کے ان الفاظ کی حقیقت کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔  
"مجھ باری لڑی کہاں سے آچکی درمیان میں؟ وہ شرافت علی کہاں چلا گیا، اس سے بات نہیں ہوئی تیری؟ آبی نے پوچھا۔

"وہ لڑی کے آجانے کی وجہ سے اپنے گھر چلا گیا ہے شاید۔ اس نے لڑی کو ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے۔ اس سے ہی کہا ہے اس نے کہ وہ وہاں بہت دیر سے بیٹھا ہمارا انتظار کر رہا تھا لیکن ہم دونوں نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں لے کچھ پتا نہیں ہے۔"  
"تو پھر اس کے گھر فون کر کے بات کر داس؟ شاید لڑی نے اسے بھی کچھ بتایا ہو اور وہ کوئی مناسب مشورہ دے سکے۔"  
"ہاں یہ ٹھیک کہا تو نے، اس کا تو دھیان ہی نہیں

رہا مجھے۔" میں نے دوبارہ ریسورٹ لٹھا کر شرافت علی کے داخل کرنا شروع کر دیے۔  
"فون کسی خاتون نے اٹھا یا تھا مگر جب میں نے اسے کہا کہ مجھے شرافت علی سے بات کر لے تو انور سے ایک منٹ بول کر کہنے کو کہا اور پھر ایک منٹ سے بعد میں شرافت علی کی آواز سنائی دی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں سے کیوں چلے آئے جی؟"

"وہ بولا۔ پہلی بات تو یہ کہ وہاں وہ تمہاری لڑی کا ہے اب اس کی موجودگی میں ہر کھل کر باتیں نہیں کر سکتے تھے۔ دوسرے لڑی کی زبان تو مجھ سے مجھے معلوم ہوا اس کے کون کرنے کی تو کوئی بات رہی نہیں تھی۔ لہذا میں نے بارہ مل جانا ہی بہتر مانا۔ یہ مجھے یقین تھا کہ میں ہنگے پر نہیں لگاؤں گا تو تم مجھے یہاں ضرور فون کر دے گے۔ یہاں میں تم سے نہ کے ساتھ باتیں بھی کر سوں گا۔"

"لڑی نے تمہیں کیا بتایا تھا جس کے بعد تم فون گئے تھے ہماری طرف سے؟" میں نے سوال کیا۔  
"تمہاری کوئی بات میں ہوئی ہے اس سے؟ کیا بگڑے کسی نے فون ریسٹو نہیں کیا تمہارا؟" وہ حیرت زدہ میں بولا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے، وہاں لڑی نے اتنا تھی مجھ سے اور اس نے جو کچھ کہا ہے نہ جانے کس لیے؟ میں چاہ رہا ہے اس پر یقین کرنے کو۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے انھوں نے مجھے چھانسنے کے لیے یہ حال پیدا کیا میری طرف؟" میں نے کہا۔

"لیکن یہ اتنا بات تم سے مختلف ہے۔ میں نے اسے بالمشافہ گفتگو کی ہے، اس لیے اس کے لیے اور چھپے تاثرات سے بھی اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی مگر وہاں فریب اور ریا کا سایہ تک نظر نہیں آیا تھا بلکہ خوش نظر آدمی ہی تھی مجھے۔"

"پھر تم کہا کہتے ہو، میں واپس ان لوگوں میں جاؤں؟ میں نے اس سے معلوم کیا۔  
"ہاں، میری رائے تو یہی ہے۔ اور ضرورت ہے اس وقت، ہم اپنا کام جتنی جلدی سے ان کے رہ کر سکتے ہیں اعلیٰ ہو کر نہیں کر سکتے۔ علیحدگی کبھی بڑھ جائے گی اور خطرات بھی۔ اس نے مجھے کی کوشش کی۔

اس کے اس مشورے نے مجھے اس کے بے بھی سوچنے پر مجبور کر دیا گواہ اس کی وفاداری اور غرض نہ

میں نے یہ سوچا کہ کیا اس میں خدا سا بھی کھوٹ نظر آتا تھا؟ میں نے ان لوگوں کے درمیان وہ رہتا تھا اور تو کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کے ہر نفس اس کی طرف سے بڑھ کر تھا تو میرے رہتا تھا کہ نہ جانے کب اس کی وفاداریاں رہ جائیں۔ پتا نہیں کون سا حادثہ یا واقعہ اسے دوبارہ ہم سے جوڑے۔ اس کے باوجود اس پر اعتماد دیکے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ اب تک تو وہ ہر آزمائش میں پورا ہی اترتا تھا مگر ہر بھی میسر دل میں اس کی طرف سے طرح طرح کے سوچے چھپے چھپے چھپے ہیں اس سے کہا۔ "ٹھیک ہے اگر تم کہتے ہو کہ میں واپس چلا جاتا ہوں لیکن آج رات ہم نے آنکھ کے کھلنے پر کچھ ہنگامہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ لہذا یہ کام کرنے کے بعد ہی میں ہنگے پر واپس جاؤں گا۔"

"میں تم وہاں کہا کرو گے؟ اور اگر گڑبڑ کے دوران آبی کی وہاں کسی کی نگاہ میں آگئے تو پھر تمہاری واپسی تمہارے خوف ناک ثابت ہوگی۔ میری بات مانو جیانی، ابھی ایسی کوئی حرکت مت کرو، ان پر ہاتھ ڈالنا اسی وقت مناسب ہوگا جب یہ اطمینان ہو جائے گا کہ اب ان کے لیے بچنے کوئی راستہ نہیں رہا ہے۔ دشمن پر اوجھا ہاتھ ڈالنا ہوش نقصان دہ ہوتا ہے۔"

"ہاں یار! بات تو تم نے ٹھیک ہی کہی ہے پھر ب... ابھی پھر ٹھیک ہے۔ میں ذرا آبی سے بھی بات کروں پھر فیصلہ کروں گا کوئی اور جو بھی فیصلہ ہو گا اس کی اطلاع میں ضرور دوں گا۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔  
مجھے ریسورٹ دیکھ کر آبی نے پوچھا۔ "کیا بات ہوئی جیانی کیا کتنا خداداد؟"

"وہ کہتا ہے ہمیں ابھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اس دوران ہم ان کی نظر میں آگئے تو یہ نقصان ہے اچھا نہیں ہوگا۔ ہمیں کھل کر ان کے مقابلہ سے ہٹنا چاہیے جب ہم ان کے لیے بچنے کے کوئی راستہ نہ بنے دیں۔"

"شرافت علی کہیں ان کو بچانا تو نہیں چاہتا ہے۔ یار! ہم نہیں سمجھ رہے ہیں کہ یہ کیسی چالیں چل رہا ہو ہمارے ساتھ؟" میں نے یار! ایسا لگتا تو نہیں ہے وہ۔ اگر نہی کر رہا ہوتا تو اب تک ہم دونوں یوں آزادانہ گھوم پھر رہے ہوتے کہ ہر جگہ پر۔ یہ تو ایسے لوگ ہیں کہ غدار کی کاشی بھی جو جائے ہر گز نہیں کہان لینے میں دیر نہیں کرتے ذرا بھی۔ ڈھیل پانچا نہیں سمجھتے ہیں۔"

"ہاں، یہ تنظیمیں ہوتی تو ایسی ہی ہیں۔ اور جن لوگوں سے ہمارا واسطہ ہے ان کے پاس تو رعایت کا خانہ ہی نہیں ہوتا کوئی۔"

"شرافت علی کتنا تو ٹھیک ہی ہے مگر اب میں فیروز سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ یہ پروگرام ملتوی کر دے۔ کیوں کہ یہ مجھ پر بھی اس کے سامنے میں نے ہی رکھی تھی یار! اور جسے اعتماد سے ایک ذمے داری قبول کی ہے۔ اب اسے باز کرنے کی کوشش کی میں نے تو وہ یہی سمجھ گیا کہ میں نے بے سوچے سمجھا ہاتھ بڑھا دی تو کیا تھا، اب خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ رہا ہوں۔ بڑی بے عزتی ہوگی یار! اب اس طرح تو۔ اور آئندہ یہ لوگ ہماری کسی بات پر آسانی سے یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں گے۔" میں نے آبی سے کہا۔

"اوسنے جیل و فوج کی بار! جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ پروگرام ملتوی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" آبی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔  
"کس پروگرام کے ملتوی ہونے کی بات ہو رہی ہے؟ فیروز نے کہا۔ میں داخلی ہوئے ہوئے پوچھا۔

"اس نے آبی کی بات سن لی تھی میں نے فوراً کہا۔ کچھ نہیں یار! کسی پروگرام کو ملتوی کرنے کی بات نہیں ہو رہی ہے۔ تم بتاؤ کیا انتظامات کر کے آئے ہو؟ وہ تختہ تیار ہو گیا ہے؟" ایک گھنٹے کے اندر اندر سارا انتظام ہو جانے کا لیکن اس کام کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ آدھی رات کے بعد ہی چلیں گے ہم۔

"ہاں یہ بہترین وقت ہوتا ہے اس قسم کے کاموں کے لیے۔" میں نے کہا۔ پھر لڑی اور شرافت علی سے ہونے والی گفتگو کی ساری تفصیل اسے بتا کر کہا۔ "مجھ کو اپنے پروگرام پر عمل ضرور کریں گے۔ میں لڑی کو فون کر کے اس سے کہہ دیتا ہوں کہ میں صبح سے پہلے گھر نہیں پہنچ سکوں گا اور وہاں بارود جاری کار جو ہم ان کے کھنڈے پر اسے میں چھوڑ آئے تھے، اسے اب یہیں منگواؤ۔ ہمیں صبح اسی کار میں گھر واپس جانا چاہیے۔ ورنہ اسے یوں مڑنے کے کنارے چھوڑ دینے کا کوئی ہوازم نہیں پیش کر سکیں گے ہم۔"

"وہ میں ابھی منگوا لیتا ہوں۔ اس کی فکر نہ کرو تم اور وہ شرافت علی نے میرا خیال ہے ٹھیک ہی مشورہ دیا ہے۔ ہم آج کا پروگرام فی الحال ملتوی ہی کر دیں تو چھاپے۔ فیروز نے مجھے اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کر کے ہونے کہا۔

"میں یار! اس شرافت علی نے اس کا ایک نقصان دہ

ہلو ہی دیکھا ہے بس، مفید ہلو نظر نہیں آلی ہے اسے۔ اس کا ردوائی ہے، ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمیں اس طرح دشمن ہو کھلا جائے گا۔ وہ یہ جانتے کے بعد کہ کوئی قوت اس کے ارادوں کی راہ میں مزاحمت ہوگئی ہے اپنی تمام سرگرمیاں ترک کر کے اس کا ہتھیار ہلانے کی کوشش میں مصروف ہو جائے گا اور یوں جب تک ہم اس کے خلاف بھرپور کارروائی کرنے کے قابل ہوں گے، اس وقت تک وہ ہمیں زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ دشمن کو اپنی سرگرمیاں ملتوی کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے اس طرح یہ آئی نے کہا۔

آئی کی اس بات نے مجھے ایک اور راہ چھادی میں نے کہا، یہ تو ٹوٹنے بہت اچھی بات سمجھا کی ہے یا آئی! یہ تو نے بالکل ٹھیک کہا ہے، ان کی سرگرمیاں روک دینا بھی بہت بڑا کام ہے۔ لہذا محض ہنگامہ آرائی اتنی سودمند نہیں ہوگی۔ احتیاطی تدابیر سرگرمیوں کا صرف دو فیروز اب ہم سب سے راستے سے اندر چلیں گے۔ آئزک کے خاص حکم کے کے باہر کچھ جیسی اور لشکر باز میں گئے، انہیں قابو کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ اگر دو چار ہوش مند قسم کے محافظ بھی ہوتے تو ہمیں ٹھکانے لگا دیتا۔ پھر ہم اندر گھس کر اس بھرپور کوسپاں اٹھا لیں گے تو اس کے لیے کسی لچھے سے نہمان خانے کا بندوبست کر سکتے ہو فیروز؟

”اس کی تم فکر دو جیلائی، امان غارتو ہم اسے ایسا جتیا کر دیں گے کہ پورا اسرائیل بیچ ہو کر بھی اسے وہاں سے نہیں نکال سکے گا۔ اس وقت تک وہ آسمان نہیں دیکھ سکے گا جب تک ہم حمین جا رہیں گے، مگر جیانی میرے آئزک کو اس خانقاہ سے اخراج کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ باہر ایسے انتظامات ہیں تو اندر انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا؟ ہر در و درو ار سے گولیاں اولوں کی طرح برس سکتی ہیں وہاں۔ اس کام کے لیے باقاعدہ فوج درکار ہوگی۔ فیروز نے کہا۔

”ان انتظامات کی پروا ہی نہ کرو یا! ایک بہت اچھی ترکیب آئی ہے میرے دماغ میں۔ آئی جلدی سے بولا۔ وہ کیا؟ کیا سوچا ہے جیانی تو نے؟ میں نے اس سے پوچھا۔

”ہم آدمی جیلوں کے وہاں کسی گاڑی میں بھر کے۔ دو تو میں اور جیلائی ہیں، فیروز تم اپنے ساتھ میں بہترین طاقت اور سے ہو۔ ہم آستانہ کے سامنے گاڑی دیکھ گئے پچھلے تم چاروں نیچے اترنا اس طرح کہ تمہارے ہاتھ اپنے اپنے سروں پر رکھے ہوں گے۔ پھر میں اور جیلائی ہاتھوں میں پستول پکڑے گاڑی سے اتریں گے اور تم چاروں کو کوکر کے آستانے

کی طرف لے جائیں گے۔ ہمارے اس طرح وہاں منہ آئزک کو کسی دیکھی طرح ہو رہی جائے گی، وہ یہی سمجھ کر لوگوں کو پکڑ کر اس کے پاس لائے ہیں اپنا غریب رکاؤٹ کے بغیر اس تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں پھر آدمیوں کو اس ایک شخص پر قابو میں زیادہ دشواری نہیں ہوگی۔ کیوں جیلائی کی مانند نہیں ملے؟ آئی نے فحاشا انداز میں مسکاتے ہوئے پوچھا۔ ”بڑا سانشی ذہن ہے جیانی تیرا آئی ایسے ہی میں تیری کھوپڑی کا تیز چلتی ہے۔ میں نے کہا۔ ”بلانگ تو واقعی زبردست کی ہے آئی! آئی ٹھیک ہے میں آدمیوں کو ساتھ لے لوں گا میں نے بالکل اسی پلاننگ کے مطابق کام کریں گے ہم ایک آئزک تک پہنچ جانا شرط ہے اس کے بعد تو کوئی مسئلہ سب سے گا۔ فیروز بولا۔

”اور ہم اس کام کے لیے آدھی رات گزرتے نہیں کریں گے، ایسے کاموں کے لیے وہ وقت مناسب نہیں ہوتا۔ آئی بولا۔

”کیوں؟ وہ وقت مناسب کیوں نہیں ہوتا؟ رات کے اس حصے میں عموماً لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ فیروز بولا۔

”ہاں عام لوگ تو واقعی بے خبر ہوتے ہیں اس وقت جن سے ہمارا واسطہ ہے وہ عام لوگ نہیں ہیں۔ وہ اپنے دشمن پر شب خون مارنے کے لیے وہی وقت مناسب ہوتا ہے، چنانچہ وہ لوگ اس وقت ہی غفلت سے رہتے ہوتے ہوں گے۔ آدھی رات کے بعد وہاں محافظ زیادہ ہوتے ہوں گے، لہذا ہم دس آدمی اور گیارہ بچے کے کسی وقت پہنچیں تو اچھا ہے۔“

”دیکھا فیروز! میں غلط تو نہیں کہتا تھا نا کہ منسوب بنانے میں اس کی کھوپڑی بہت تیز کام کرتی ہے۔ آئی کو تصفیٰ نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ جناب! یہ محبت ہی تو ہے اس کی جس نے مجھے بڑے کر کے دیکھا اس کے ساتھ۔ آئی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم دونوں کے بے لوث محبت دیکھ کر رشک آتا ہے۔ ہمیں ایسے شخص اور جاں نثار دوست تیسرا چاہیے آئی کے دشمن ان کی خوش بختی پر کون شک کر سکتا ہے جہاں! یہ حال انوکھا زمانہ دو آدمی تو اس وقت ہیں ہی یہ اسے ساتھ، یہ دونوں بہترین تربیت یافتہ جوان ہیں۔ یہ جان کو اور بلا لیتا ہوں خون کر کے، بہت دن سے اس نے کوئی کام بھی نہیں کیا ہے۔“

”یہ خان وہی ہے نا جو تمہارے ساتھ اٹھ کر لوٹ سے لایا تھا مجھے، اس رات جب میں سان فرانسسکو سے آیا تھا، آئی نے پوچھا۔

”ہاں وہی، وہ ہمارا کوئی باقاعدہ ممبر نہیں ہے اور حاشیہ میں کوئی باعزت مقام بھی نہیں رکھتا ہے، مگر پاکستان کی خاطر اپنی جان دینے کو بھی تیار رہتا ہے ہر وقت۔ ایک بار ہم نے اس سے معاوضے پر کچھ کام کر دیا تھا، اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ ہم اپنے ملک میں ملک دشمنوں کے خلاف سفارتیں اس کے بعد جب بھی اس کی ضرورت ہوتی وہ بھاگا چلا آیا میرے پاس اور اب کسی کام کا معاوضہ بھی نہیں لیتا ہے۔ وہ بڑی عقیدت سے اسے اپنے وطن سے فیروز نے بتایا۔

”ہاں یار! کون بد نصیب ہوگا جو اپنے وطن کی محبت میں نہیں نہ رکھتا ہوگا۔ اچھا گھرا چکا ملک کے پیارے انہیں ہوتا۔ آئی بولا۔

کون تلاش کر کے ان کے جذبات کو ہوا دیتے ہیں، ان کے ہاتھوں سے ان کے اپنے گھر کو لوگ لگاتے ہیں اور پھر ان حقوق کے ساتھ ساری قوم کے چلنے کا مسکا مسکا کرتا شا دیکھتے ہیں۔“

فیروز نے حد جذباتی ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ شدت جذبات سے مٹھ رہا تھا اور آواز اس کی دم پر تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میں نے کہا، ”دھیر، دھیر سے بھائی دھیر سے کام لو۔ تم خود بھی جذباتی ہوتے جا رہے ہو۔“

وہ بولا ”جیلائی! تم نہیں جانتے جب بات میرے ملک کی سلامتی کی تو میں اپنے جذبات کو قابو کرنے میں ناکام ہو جانا ہوں۔ میرے عزیز! ہمارے اہل وطن آزادی کی جنگ اس لیے تو نہیں لڑتی تھی، ہم نے لاکھوں جاہل اور اپنی ماؤں بہنوں بیٹیوں کی آبرو اس لیے تو نہیں قربان کی تھی، اپنے تن من دھن کی قربانی اس لیے تو نہیں دی تھی کہ ایک دن جیڑ سچے عالم دلوں میں انھیں اور محض ایک نظر لیے کو چھلنا بھولنا دیکھنے کے لیے اس ملک کی انڈسٹری سے انڈسٹری بجا دیں۔ اور وہ نظر بھی الٹکی معتبہ قوم یہودیوں کا عطا کر دے ہو، یا چند اقتدار پرست لوگ اپنے سر پر تاج سجائے کی آرزو پوری کرنے کے لیے اپنے آقاؤں کو پوری قوم کی آزادی سلب کرنے کی دعوں میں لگیں کیوں کہ قوم نے انہیں کبھی اقتدار کا اہل نہیں سمجھا لہذا وہ قوم کو آزادی کا مستحق نہیں جانتے۔“

”ہاں یار! ایک الیہ تو ہے ہمارے ساتھ، اگر ہماری طرح پاکستان سے محبت رکھتے والے تمام ہی لوگ اٹھ کھڑے ہوں یہ عہد کر کے اب ایک بھی دشمن وطن باقی نہیں رہنے دیا جائے گا تو یہ مسند جیڑ روز میں بالکل ختم ہو جائے گا۔ یہ یقین ہے مجھے۔“

”اوئے چیڈیار! اتنی فرصت ہے کسے جوتے بڑے بڑے مسائل پر سر کھپاتے۔۔۔۔۔ یہاں تو لوگ آٹے وال کاسٹڈ بھی اس قدر اچھا چکے ہیں کہ ایک عام آدمی دال روٹ کے سوا کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں رہا ہے۔ حکمران تو لکھتا ہے کہ اس طرح عوام کو اس کا حاسب کر کے کا موقع نہیں مل سکے گا لیکن انھوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ عوام اگر اپنے مسائل میں الجھ کر امور مملکت کی طرف سے غافل ہو جائیں گے تو خود انہیں جب اپنی عوام کی ضرورت پڑے گی تو ان کا ساتھ کون دے گا؟ آج کے دور میں عوام کی مدد اور حمایت کے بغیر کس کی اقتدار کی کوئی مضبوطی نہ سکتی ہے۔ عوام کا سیلاب تو بڑے بڑے پہاڑوں کو ہمالے کا ہے۔ آئی بولا۔

”ہاں یار! یہ بھی ٹھیک ہی کہہ رہے ہو، یہ سب عوام کو حکومت سے دور رکھنے کا ہی نتیجہ ہے۔ بہر حال ہم تو اپنی سی کوشش کر رہے

ہی رہیں گے بھائی بی! اور ساتھ ہی دعا بھی کرتے رہو کہ کب تکیم اس ملک پر اس قوم پر پا کر رکھے۔ میں نے کہا۔  
فیروز نے اٹھ کر کھلی خون کی طرف چلتے ہوئے کہا۔  
"میں خان کو فون کروں کہ وہ مجھے تک وہ آجائے یہاں، بشپلک وہ مل جائے، آج کل وہ گھر پر مشکل ہی سے ملتا ہے۔ پتا نہیں کمال سے چھپتا ہے، دے دیا ہے اسے خدا نے۔ بس وہی ٹھکانے لگانے میں مصروف ہے وہ۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کہیں سے بہت زیادہ مال مل گیا ہے اسے؟ میں نے پوچھا۔ "کہا گیا ہے وہ؟"  
"گوں کے اپنے مال کی طرف سے غافل ہوئے، کا منظر رہتا ہے، بس یہی پیشہ ہے اس کا؟ فیروز ہنستے ہنستے بولا۔  
"یعنی یہ کہ چوریاں کرتا ہے، اٹھنا گھر رہے وہ؟ میں نے جو سمجھتے ہوئے کہا۔"

"میں بھائی بھیلیاں ایسے بڑے الفاظ استعمال نہ کریں اس کے لیے آخر تو اپنا ساتھی ہے وہ۔ فیروز نے کہا۔  
"ہوں؟ میں نے کہا۔" اور مال مفت ٹھکانے لگانے کا کام کر رہا اور اندازہ غلط نہیں ہے تو وہ اس رات کے بعد سے ہی کر رہا ہے جس رات میں نے اور لڑنے سے مارا لیکھا اسے اس کے بعد چند گھنٹے تمہاری کوٹھی میں گرنا سے تھے۔"

"اوہ؟ فیروز بھلنے والے نے ڈراما کرتے ہوئے چونک کر یہی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ یہ اندازہ کیسے قائم کیا تم نے؟"  
"میں میری بات کا جواب دو، میں نے غلط اندازہ تو قائم نہیں کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو، مگر میری سمجھ میں نہیں آیا، تم نے ایسا کیوں کہا۔ کوئی خاص بات ضرور ہے اس کے پیچھے؟"

"ہاں، اور وہ خاص بات یہ ہے کہ اس رات میری ٹیجی میں کوئی دولاکھ روپے کی مالیت کے میرے موجود تھے جو کوٹھی سے جانے کے بعد مجھے ایجنسی میں نہیں ملے۔ حالانکہ میں نے سونے سے پہلے ہی انہیں اچھی میں رکھا تھا۔ میں نے اسے بتایا۔"

"وہ لیسور کرڈیل پر فتح کر تیزی سے میرے قریب آکر بولا۔ "کیا کہہ رہے ہو یا ر! پہلے کہی ذکر نہیں کیا تم نے اس کا؟"

"اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے جب ہم ملے تھے تو اس قسم کی کوئی بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اور پھر مجھے کبھی مشہد تک نہیں ہوا کہ تمہاری کوٹھی میں بھی کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے۔ لڑی نے کہا، بھائی بھائی میں نے تنبیہ کی اسے اس طرف توجہ نہیں

دی تھی اور اگر تم اس وقت خان کی موجودہ مصروفیات پر غور کرتے تو اس وقت بھی میں یہ بات نہیں کرتا۔ اس کی مصروفیات اور اچانک کہیں سے بہت سا مال مل جانے کے ذکر پر بھی مجھے کاجبال آگیا ہے، ورنہ میں تو اب بھول ہی چکا تھا اس شخص کی کمال ہے، اتنا بڑا نقصان تم نے یوں نظر انداز کر دیا جیسے تمہارے نزدیک لاکھ دو لاکھ کی کوئی تنبیہ ہی نہیں ہے۔"

"میں یار! بات میرے نظر انداز کر دینے کی نہیں ہے۔ دراصل وہ میرے جس کے تحفظ سے ہی اس کی پروا نہیں ہے۔ میں نے تو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہیں اور بھائی دور بھی خاصی کی تھی مگر میرے دے مالک نے خود ہی کر دیا۔ گم ہو گئے تو جانے دو، ان کی تلاش میں وقت برباد کرنے کے بجائے دوسرے اہم کاموں کی طرف توجہ دو، لہذا میں نے بھی زیادہ تک دو نہیں کی پھر سوچا یہ تھا میں نے کس غریب کا بھلا ہو گیا ہے اس سے تو ہوجانے دو، وہ جہاں بھی تو اسے چور ہو ہی سے حاصل کیا تھا، چنانچہ کوٹھڑی مول ہی لیا ہوا گا۔ یوں بھی اس دولت کے بھاری کسے ہو گا؟ نہیں ہے مال و زر کی؟"

"اچھا تو ڈاکٹر دھن کے تھے وہ میرے۔ اس نے تھک کر ذرا لیٹا سونگ کیا ہو گا انہیں یہاں؟ فیروز نے پوچھا۔

"ہاں، جو بلا ستر چڑھا گیا تھا انگوں پر میری اس بلا ستر چھپائے گئے تھے وہ سب میرے۔ میں نے بتایا۔ اس بات میں نے تمہاری کوٹھی میں ہی بلا ستر کاٹھا اور اسے اپنی ٹیجی رکھ دیا تھا۔ شاہ بخان نے مجھے بلا ستر کاٹے ہوئے کھنکھ کر دیکھا ہو گا۔ کاٹنے کے دوران اس میں سے دو ایک ٹکڑا نکل کر گر بھی پڑے تھے، انہیں دیکھ کر میری اس کی تیت ہونے لگی۔"

"بالکل باطل، ایسا ہی ہوا ہے۔ اب ساری بات سمجھ آگئی ہے میری تم حکومت کرو میں اس سے وہ تمام تیرے انگوٹوں کا؟"

"نہیں یار! لعنت بھیجنا تمہارے پر حرام کمال ہے جس راہ سے آنا تھا اسی راہ سے چلا جا۔ دھن کو ذرا سی بات نہیں ہے اس کی، اور پھر ہمارا مقصد بھی تو اس امر کا ہے کہ نقصان پہنچا نا ہی ہے۔ میں نے اسے سمجھایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھائی میرے، لیکن خان نے یہی کہی تھی کہ تمہاری ملکیت میں بھی خفیہ اسے تو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کس کی ملکیت میں ہے۔ دانستہ طور پر تمہیں ہی نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔"

"ہاں بھئی، یہ تو بہت ہی ذلیل کام کیا ہے اس خان نے۔ معاف تو لے کر نہ ہی نہیں چاہیے بالکل بھی؟ آبی جلدی سے بولا۔

"وہ ہمارے لیے بہت مفید آدمی ہے آبی! اسے کھونا نہیں چاہیے ہیں۔ اگر وہ بدل ہو گیا تو کوئی بڑا نقصان بھی پہنچا سکتا ہے، گھر کا بھید ہی ہے۔ ایسے لوگوں کو یوں معمولی معمول باتوں پر ناراض نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے کہا۔

"اوسے لعنت بھیج یار ایسے ذلیل آدمی پر جس کی تیت اتنی زاب ہو اس سے تو ہر وقت نقصان پہنچنے کا امکان بہت ہے۔ جیسے کا بجاری کسی بھی وقت اپنی وفاداریاں چند پیسوں کی خاطر تبدیل کر سکتا ہے۔ آبی انفر سے بولا۔ مجھے تو بت ہے اس تیرے بار فیروز پر اس نے ایسے آدمی کو اپنے ساتھ رکھا ہی کیوں؟ یہ تو امریکا جیسی بڑا طاقت کے لئے ہم الارے کا ممبر ہے، اسے یہ تک پتا نہیں ہے کہ ایسے لوگ قابل اعتبار کبھی نہیں ہوتے۔ کیا سی آئی اے میں ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں سب؟ میں نے تو بار بار یہی کہنا تھا کہ میں نے ان لوگوں کے بارے میں۔"

"آپ لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی آبی صاحب! فیروز مسکراتے ہوئے بولا۔ یہ آپ نے کیسے جان لیا کہ ہمارا تعلق امریکی سی آئی اے سے جیسے ہمارا زمانہ ادارے سے ہے۔ کس نے کہا ہے یہ آپ سے؟"

"اوسے چند یار! اسلٹ سے کونوں چھپاؤں دا کی فائدہ ہے۔ اس میں کسے فون دین تے نہیں جارے تیرے بارے میں۔"

"نہیں جی چوڑنے والی بات نہیں ہے۔ یہ اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو کہ میرا کوئی تعلق سی آئی اے سے بھی ہے۔ ایسی گالی نہ دو یا ر مجھے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا گا۔ ایسا زبردست وطن فروش نہیں ہوں میں۔"

"کیا... کیا... کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کچھ تم...؟ مگر یہ کیسے جان لوں میں، سمجھ میں نہیں آئی بات۔"

"میں؟ اس میں نا سمجھنے وال کون سی بات ہے؟ کوئی بہن تو نہیں پوچھی ہے بھائی میں نے؟ فیروز بولا۔  
"اچھا تو ایک یہ بات بتا دو کہ سی آئی اے سے تمہارا تعلق نہیں ہے تو گریسی سے کیا رشتہ ہے تمہارا؟"  
"اوسے تو تم گریسی سے تعلق کی بناء پر مجھے سی آئی اے سے تعلق کر رہے ہو حالانکہ مسٹر گریسی کا بھی اس سے اس کے کوئی تعلق نہیں ہے سی آئی اے ان کے ملک کا ایک ایسا

ادارہ ہے جو بین الاقوامی غنڈہ گردی کے لیے بدنام ہے۔ اوسے جب کہا جاتا کہ تو نے مجھے بالکل ہی الگو کریم سمجھ لیا۔ گریسی ایک کھانے پینے خوش حال خاندان کا فرد ہے جو مجھے بھی سان فرانسسکو کے محکمہ پولیس میں معمولی درجے کا افسر لگا ہوا ہے اور نظر اس کی بین الاقوامی معاملوں پر لگی رہتی ہیں۔ امریکا اور اسرائیل کے یہودی پوری دنیا میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ اس سے پوری طرح باخبر ہے اور پھر بھی تو کہتا ہے کہ اس کا سی آئی اے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات میں کیسے مان لوں بھئی؟ میں نے اٹھ کر پوچھا۔

"یہ تمہارا ہوجیلانی! ہر ملک میں ہر شخص ایک ہی انداز میں نہیں سوچتا میرے عزیزانم شاید جانتے نہیں ہو امریکی حکومت اور انتظامیہ یہودیوں کے سامنے کتنی بے بس ہے۔ ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانا تو بہت بڑی بات ہے، وہ تو ان کی مرضی کے خلاف سوچ بھی نہیں سکتے۔ ان حالات میں کیا سی آئی اے کا حکم یہودیوں کے خلاف کچھ کر سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ اسے اس کی اجازت ہی نہیں مل سکتی اور یہ ذلیل ہے اس بات کی کہ مسٹر گریسی کا سی آئی اے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

فیروز کی بات میں وزن تھا، ذلیل اس کی خاصی مضبوط تھی اس سلسلے میں۔ میں نے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ گریسی نے خود مجھے بتا تھا کہ امریکی انتظامیہ یہودیوں کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر ان کے خلاف اقدامات کرنے پر مجبور ہو گئی ہے اور سی آئی اے کا حکم انتہائی رازداری کے ساتھ ان کے خلاف سرگرم ہے۔"

"ممکن ہے انھوں نے ایسا کہا ہو۔ ہم لوگ اکثر نئے لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے سی آئی اے کا حوالہ دے دیتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے جس طرح ہمارا اپنی حکومت یا اس کے کسی ادارے سے کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود ہم اپنے ملک کے مفاد میں کیا ہو کر کام کر رہے ہیں، اسی طرح مسٹر گریسی بھی امریکا میں یہودیوں کے اثرات اور دغا خانیوں سے نالاں ہیں، نہ وہ یہاں اپنے کچھ تم خیال لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک مہم چلائی ہوئی ہے۔ وہ اپنے ملک کو مشیات کی لعنت سے نجات دلانے کے لیے اس کا بار بار میں ملوث یہودیوں اور ان کے کارڈ بار کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں اور جو کچھ اس کے ڈانڈے پاکستان بھارت، افغانستان اور بنگال سے ملے ہوئے ہیں چنانچہ انھوں نے ان ممالک میں ایسے لوگوں کو تلاش کر کے اپنے ساتھ تعاون کے لیے آمادہ کیا ہے جو اپنے اپنے ملک کے ہی خواہ

اور یہودیوں کے دشمن ہیں۔ ان کے پاس بے اندازہ دولت ہے جسے وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ہمارا بھی فائدہ ان سے تعاون کرنے میں ہے معلومات اور سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ کچھ سرمایہ ہم بھی اپنے وسائل سے جمع کر لیتے ہیں اور تم جیسے غریب وطن لوگوں کو ساتھ لے کر اپنے وطن میں یہودیوں کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ اب تو ساری بات سمجھ میں آگئی نا؟ فیروز نے تفصیل بتانے کے بعد کہا۔

”آخر میں یہ یاد رہے دل جگے والے لوگ ہوتے۔ یوں بے سروسامانی کے عالم میں اتنی بڑی قوت سے ٹکرا رہے ہو۔ میں تو اب تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ کسی آئی اے کی پشت پناہی حاصل ہے نہیں۔ اور یہ گریگری بھی کچھ کمال آدمی ہے۔“ میں نے حسین امیر انداز میں کہا۔

”اے جی جی! یہی وجہ ہے کہ ہمیں خان جیسے لوگوں کو بھی ساتھ رکھنا پڑا ہے۔ کبھی کبھی ضرورت پڑے پر وہ بھی وسیلہ بن جاتا ہے ہمارا۔“

”ٹھیک ہے یاد! اب تو فون پر بات کر اس سے اور وہ بہروں والا معاملہ لوگوں ہی کر جائے۔ اس سلسلے میں خان سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسے ہوا بھی نہیں گناہ پڑے کہ وہیں خبر ہوگئی ہے اس معاملے کی؟“ وہ مجھے توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا ”آدی تو تم بھی کم عظیم نہیں ہو برابر! حالات نے ہمیں بے راہ کر دیا۔۔۔ ورنہ تم جیسا وطن دوست اور باصلاحیت آدمی کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ حال اب خدا نے ایک موقع دیا ہے تمہیں ملک ملت کے کام آنے کا! اب دیکھنا یہ ہے کہ تم اسے استعمال کس طرح کرتے ہو۔“

رات کے دس بج چکے تھے۔ فیروز نے خان کو درس دینے کے پندہ منٹ تک پہنچنے کی ہدایت کی اور اس وقت۔۔۔ ہم لوگ اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ فیروز نے انوکھا اور گل زبان کو بھی بلا لیا تھا، وہ کو فیروز کے حکم پر وہ کار بھی لے آئے تھے جسے ہم نے راستے میں چھوڑ دیا تھا۔ تمام ایرانیان مکمل تھیں۔ خان کے آتے ہی ہمیں بابا صاحب کے آستانے کی طرف آپریشن کے لیے روانہ ہو جانا تھا۔ عین اسی وقت باہر سے کسی کور کے انجن کی مدد سے آواز سنائی دی۔ فیروز بولا ”لوکھی! وہ خان بھی آگیا۔ کیا خیال ہے اب انھیں ہم لوگ؟“

”ہاں چلو! آؤ! اب زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے ہمیں۔“ آئی نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

میں بھی اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ کب سے کا دروازہ کھلے گا۔ آواز کے ساتھ کھلا اور چار پٹے کئے آدمی ہاتھوں پر کڑیاں اور رولڈ اور اٹھائے سیلاب کے منہ زور سیلے کی طرح اندر گھس آئے۔ ”خبردار! کوئی اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے۔“

میں نے چونک کر ان آنے والوں کو دیکھا۔ وہ چاروں ہی نہایت کسے ہوئے بدن کے مضبوط اور توانا جوان تھے۔ ابھی ان کی زیادہ نہیں تھیں۔ کوئی پچیس چھیس سال سے زیادہ کا نہیں لگتا تھا۔ آنکھیں ان کی جنگل کیوٹر کی آنکھوں کی طرح سرخ تھیں اور وہ خاصے تندو دکھائی دیتے تھے۔ ان کے دھڑکنے والے سینے میں آواز آ رہی تھی اور وہ دھڑکنے والے ہاتھوں پر دھڑک رہے ہوئے تھے۔ ان کا سرخندہ شادابی تھا جس نے اندر داخل ہونے کے بعد ہمیں لگا کر اٹھا۔ میں نے فوراً ان کا ہاتھ لینے میں مصروف تھا کہ آئی نے انہیں مخاطب کیا ”شاہد! یہ ہے جی جی جی! بڑے دلیر لگتے ہو تم مجھے۔ کیا چاہتے ہو جی ہم سے تم؟“

”اب نہیں! اوسے منظر ہے، یہ ہتھیار جو تم ہمارے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو یہ بالکل اصلی ہیں اور جب یہ پہنچتے ہیں ہمارا مذاق اڑانے والا پلانے ہی خون میں لوثنا نظر آتا ہے یہ نہیں ہو تو تجربہ کر کے دکھاؤ! ابھی۔“ اندر آنے کے بعد ہمیں متنبہ کرنے والے نے خوشخوار لنگا ہوں سے آبی کھوٹ کر ہونے کہا۔ وہ آبی کے ضخیم اڑانے والے انداز پر چڑا ہوا ہو گیا تھا۔

”نہیں یاد! اب ایسی بھی کیا مارا کھنک۔ ہمیں بتا ہے یہ ہتھیار بالکل اصلی ہیں۔ میں تو جناب سے معلوم کرنا چاہتا تھا آپ سے کہ آپ حضرات کے اس شریفانہ انداز میں یہاں تشریف لانے کا کوئی مقصد تو ہو گا۔ بہتر ہے جی بتا دیں۔“

”اوسے تو بہت ہلک بک کر رہا ہے۔ ایسے نہیں لگے گا تو۔“ آنے والوں کے سرخندے اپنی اسٹین گن کی آبی کان سیدھی کرتے ہوئے کہا ”میں تیری زبان ہمیشہ کے لیے ساکت کیے دے رہا ہوں اور دیکھتا ہوں تیری یہ بڑے سنی کس طرح بچائی ہے۔“

میں نے تیزی سے اٹھ کر آبی کے سامنے آتے ہونے کہا۔ ”نہیں نہیں یاد! اتنی سی بات کی اتنی بڑی سزا تو دواں بیچانے کو۔“

سرخندہ کسی دردندے کی طرح غراتے ہوئے ”زندگی چاہتے ہو تو لوگام دے کر کھو اس بلو طرے کے منہ کو۔“

”دردن کا سالہ کو۔“

”ٹھیک ہے بھائی جی! یہ اب نہیں بڑے گا کچھ۔“ میں نے اس سے کہا ”پھر آئی سے کہا۔“ اوسے چپ کر گیا اب، زندہ رکھنا اپنا بالکل تیری یہ زبان بس چلتی ہی رہتی ہے ہر دم بھی کوئی موقع مل بھی دیکھ لیا کر۔“

”ہاں! تم مجھے کچھ سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ سرخندہ دلا چلا جواب اپنے اپنے سروں پر ہاتھ رکھ کر ادھر ایک کونے میں سٹپ کر کھڑے ہو جاؤ، اور اگر مرنا نہیں چاہتے ہو تو کوئی زکرت کرنے کی کوشش بالکل نہ کرنا سمجھو، چلو جلدی کرو۔“

”لیکن میرے بھائی اتنا تو بتا دو ہمیں کہ تم ہوں، اور ہم سے چاہتے کیا ہو؟“ میں نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

”یہ جی ابھی معلوم ہو جائے گا تمہیں، خدمت کرو۔ ہوا دھر کونے میں ہو جاؤ جلدی، شاہد! ہری آپ۔“

سرخندہ نے کہا۔

میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ”نہیں دوست! یہ نہیں ہوگا۔ جب تک تم اپنی اس غنڈہ گردی کا مقصد نہیں بیان کر دے، ہم تمہاری کوئی خواہش پوری نہیں کر سکیں گے، کم از کم نذرانہ تو حاصل ہونا ہی چاہیے نا ہمیں۔“

اس نے مجھے اپنی طرف قدم بڑھا کر دیکھ کر اسٹین گن کا رخ میری طرف کرتے ہوئے کہا ”معلوم ہو تا ہے یہاں سب کا انداز ہے۔“

”ٹھیک ہے! تمہیں مرنے کا تباہی شوق ہے تو ہمیں تمہاری یہ خواہش پوری کیے دیتا ہوں۔“

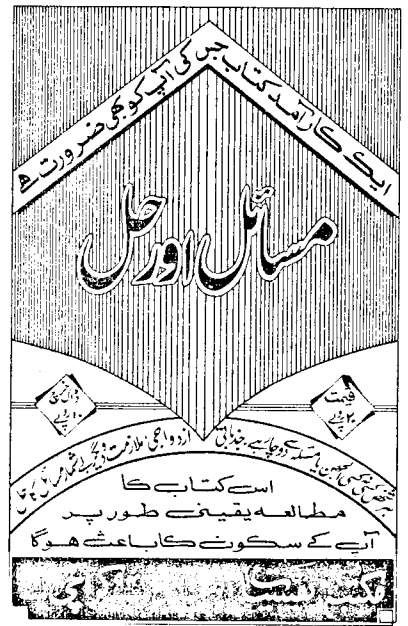
اس نے یہ کہہ کر مجھ پر گولی چلانے کی کوشش کی مگر اس کا وہ اسٹین گن جس پر اعتبار کر کے وہ یہاں یوں دندا تا ہوا گھس گیا تھا کہ اس وقت پر اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ زور آزمائی کرنے میں مصروف تھا لیکن اسٹین گن کسی طرح اس کا حکم ملتے کے لیے تیار نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے قہر سے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا ”اوسے تو جھوٹ بولتا تھا کہ اسے یہ ہتھیار اصلی ہیں۔ نقلی ہتھیاروں سے لوگوں کو دھمکاتے ہو تو تمہیں آتی ہے نہیں۔ یہ کھوٹے کیوں لے کر آئے ہو یہاں؟“

اس نے کھلا کر اپنے دوسرے ہاتھوں کو حکم دیا۔ ”سجھو! ان لوگوں سب کو دیکھنے کا ہو۔ ایسے نہیں مانیں گے۔“

میں نے پوچھا ان کے بہت نزدیک پہنچ چکا تھا، لہذا انہیں فوری طور پر خطرہ میری ہی طرف سے محسوس ہو رہا تھا۔

چنانچہ اس کے ہتھکڑیوں نے بھی اپنے اپنے ہتھیار مجھ پر تان کر مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن ان کے ہتھیاروں نے بھی گولیاں اگنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان چاروں کی حالت دیدنی تھی۔ ہتھیاروں کے دھوکا دیتے ہی ان کا اعتماد ہوا ہو گیا تھا ہر دس کے گھبراہٹ اور پریشانی جتنا بھی لگی تھی۔ میں سرخندہ کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاٹے مجھے دیکھ رہا تھا۔ نزدیک ہوتے ہی میں نے پوری قوت سے آٹا ہاتھ اس کے منہ پر سید کر کے کہا ”اوسے بے غیرت کے بچے! ان نقلی ہتھیاروں کے ساتھ لوگوں کو ٹوٹے ہو تم۔“

میرا ہاتھ پڑے ہی وہ لڑکھڑک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا، وہ جو کوئی بھی تھا! اتنا کمزور اور بزدل بالکل نہیں تھا کہ آسانی سے پٹ جاتا میرے ہاتھوں۔ ہتھیاروں کے ناکارہ ہونے سے وہ وقتی طور پر کچھ زرد ہو گیا تھا مگر میرا ہاتھ پڑنے کے بعد اس کے اندر کا زندہ ایک دم بیدار ہو گیا۔ اس کی آنکھیں شعلے لگنے لگی تھیں۔ اور تیرے دھنوک ناک ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی اسٹین گن مجھ پر پینک ماری۔ میں اس کی زد سے بچنے کے لیے ایک طرف ہو گیا۔ اتنی سی مہلت سے فائدہ اٹھا کر اس نے پھر کیے ساتھ اپنے نیپے میں آگیا ہوا خنجر نکال لیا اور اسے حرکت دیتے ہوئے مجھ پر نظر پڑا جا کر





آہستہ آہستہ میری جانب بڑھنے لگا۔  
آئی نے دم آدم آواز میں کہا تو بہت جا بھلائی! اس  
سے مجھے نہٹ لینے دے اب میں دیکھنا چاہتا ہوں اس کا  
دم ختم۔

”نہیں یار! تو بس کھڑا رہ اپنی جگہ اور خیال رکھ کوئی  
اور ملا خلت نہ کرے ہمارے درمیان میں نے جواب دیا۔  
مجھے آبی سے مخاطب دیکھ کر وہ سمجھا ہو گا کہ دوسری طرف  
توجہ مبذول ہو جانے کی وجہ سے میں اس کی طرف سے غافل ہو گیا  
ہوں، لہذا میری اس غفلت سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس نے  
اچانک میری جانب جست لگائی اور میرے پہلو میں خنجر سے تھک  
کرنے کی کوشش کی۔ میری نظریں اس کے خنجر والے ہاتھ پر  
تھیں۔ چنانچہ میں اسے حرکت کرتے دیکھ کر فوراً اپنی جگہ سے  
تھوڑا سا ہٹ گیا اور اسے جھکائی دے کر اس کے خنجر والے  
ہاتھ کو دبوتے کی کوشش کی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی ایسا ہی چھوٹا  
مٹا پیر ہے جو اپنے خوف ناک ہتھیاروں کے بل پر بے مزہ قسم  
کے شہریوں کو ٹوٹا پھرتا ہے۔ یہ اندازہ میں نے اس نیا دھڑا کر  
کیا تھا کہ اس نے اپنے ہتھیاروں کے زور پر میں ایک کونے

میں سینے پر مبور کرنا چاہتا تھا تا کہ ان میں سے کوئی ایک ہمیں  
اٹھین گن کی زد میں لے کر کھڑا ہو جائے اور بلقیہ بیٹیوں مل کر گھر  
میں موجود قیمتی اشیاء اور نقدی وغیرہ سمیٹ لیں۔ یہ تو سوچا  
مجھ میں نہیں جا سکتا تھا کہ ان کا تعلق میرے باغیہ وز کے کسی  
دشمن یا ہماری مخالف کشتی تنظیم سے ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا  
تو وہ اندر گھسے ہی یا تو اپنے مطلوب آدمی کو گولیوں کا نشانہ بنا دیتے  
یا پھر اسے ساتھ لے کر نکل جانے کی کوشش کرتے لیکن انہوں نے  
ایسا نہیں کیا تھا۔ لہذا میں یہ سمجھنے میں ہی بجانب تھا کہ وہ  
مال سمیٹنے کے لیے وہاں آئے تھے۔ میرا یہ اندازہ بالکل درست  
ثابت ہوا تھا مگر اس شخص کے بارے میں میرا خیال غلط ثابت ہوا  
تھا کہ وہ محض ہتھیاروں پر بھروسہ کرنے والا آدمی ہے۔ اس  
نے کسی اچھے استاد کی شاگردی قبول کر کے لڑنے میں ملے  
کے سامنے گزریے ہوئے تھے۔ سامنے داؤ بیچ اسے اذیر  
معلوم ہوتے تھے۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں آتے ہی اس نے  
فصا میں اچھل کر اپنی قلا بازی کھائی اور اس انداز سے اپنا  
ہاتھ جھٹکا کہ وہ میری گرفت مضبوط ہونے سے پہلے ہی میرے  
ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ سب کچھ میں ایک بل میں ہو گیا تھا۔ وہ  
بل وہ چھبر میرے سامنے دونوں بازو پھیلائے کھڑا تھا۔ میں  
اس کی چھتری اور مہارت پر حیران رہ گیا مگر اس نے مجھے حیرت  
کے لحاظ کا موقع نہیں دیا۔ چند سیکنڈ اس نے مجھ نگاہوں میں

تولا اور پھر اچانک اچھل کر میرے سینے پر غلائی۔ ایک لمبے  
میں نے اس کے ایک سے بچنے کے لیے بہت تیزی سے دھکا دیا۔  
لیکن اس کے باوجود اس کے دونوں ہاتھ میرے سینے پر میرے  
شائے پڑے اور میں اچھل کر پہلو کے بل نیچے جا کر اپنے  
اس سے اس مہارت اور چابکدستی کا بالکل توقع نہیں تھا کہ  
یہ وہ مجھے زمین پر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن  
گتے ہی میری عقل ٹھکانے آگئی، چنانچہ اس کے مزید حملہ  
بچنے کے لیے میں نے اپنے کوشش کرنے کے بجائے اپنی  
سے لوٹ لگائی اور اس مقام سے خاصا دور چلا گیا تھا۔ ہاتھ  
تھا، یہ بس ایک اضطراری حرکت تھی جو مجھ سے سرزد ہو گئی  
اور یہ حرکت میرے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی تھی، اگر اس  
جگہ سے ہٹنے میں مجھے ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو میرے  
سینے میں اس کا خنجر اتر چکا ہوتا۔ اس نے پورے ذریعے  
مجھ پر بہت لگا کر خنجر چلایا تھا، جو میرے اس جگہ سے ہٹ  
جانے کی وجہ سے فرش سے ٹکرا کر گر گیا تھا، فرش پر پڑ  
قالین بچھا ہوئے کے باوجود خنجر کے فرش سے ٹکرانے کا  
ایسی تھی جیسے خنجر کی فول کسی پھریل جگہ سے ٹکرائی ہو۔ حملہ  
نے اس بار اس قدر شدید کیا تھا کہ وہ اڑا خال جانے کی وجہ سے  
وہ خود اس سے خاصا متاثر ہوا تھا۔ چند ثانیے کے لیے وہ  
بالکل ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔ اس اثنا میں میں سنبھل کر کھڑا  
ہوئے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اب آبی کے لیے اس موقع  
کو برداشت کرنا ممکن نہیں رہا تھا شاید چنانچہ اس نے حملہ  
کو دوبارہ اٹھتے ہوئے دیکھ کر تیزی سے بڑھ کے اس کے  
خنجر والے ہاتھ پر زبردست ٹھوکر ماری۔ آبی کی لگائی ہوئی  
ٹھوکر اتنی اچانک اور بھرپور تھی کہ خنجر اس کے ہاتھ سے نکل  
دور جا گیا۔ اس کے ہاتھ سے خنجر پھٹنے ہی اس کے ایک ساتھ  
نے آبی پر گولی چلا دی۔ آبی کے منہ سے کراہی اڑی اور وہ  
کمر تک گرا گیا۔ اس دوران میں وہ زور و غیرت سے اپنے  
اپنے ہتھوں لڑائی لے رہے تھے۔ آبی کو اچھل کر گرتے دیکھ کر وہ  
نے اس شخص کو گولی کا نشانہ بنا دیا جس نے آبی پر گولی چلائی  
تھی، گولی گتے ہی وہ اچھل کر اپنے ساتھی پر پڑ گیا۔ آبی  
گتے دیکھ کر میرے دل پر ایک گھونسا سا لگا تھا۔ میں  
پہلے چین ہو کر اس کی طرف لپکا اور قریب جا کر اس پر چھ  
ہوئے پوچھا تو فحش تو ہے یا میرے بار؟  
آبی پلٹ کر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ سامنے  
میری ٹانگ اور پیٹھ پر ہے تو میری خنجر اس کے تھکے کا دھیان  
رکھ لے کچھ بے خبر یا تو پیچھے سے جو پردہ آن چڑھے۔ جا رہا اسے

بچا، میرا زخم زیادہ گہرا نہیں ہے شاید  
میں نے مرکز حملہ آوری طرف دیکھا لیکن اب میرے  
در اس کے درمیان کل زمانہ جا چکا تھا۔ وہ اس کی طرف  
ہتھوں لڑائی لے رہے تھے۔ آبی کو گتے ایک قدم بھی آگے  
بڑھا تو پیچھے سے تیرا بھیجا جا رہی گولیوں کا  
میں نے اس سے کہا۔ ”میں کل زمانہ، تو بہت سب  
درمیان سے یہ سراسر شک ہے، اس سے میں خود ہی گولیوں کا  
”اور کہا بولا۔ ”آبی صاحب کی فکر میں جیلانی صاحب  
دلے کل زمانہ کے لیے چھوڑ دیں۔ یہ سنبھال لے گا اسے۔“  
میں نے ٹکرا کر کہا کہ وہ لپٹے دونوں ہاتھوں میں دو  
ہتھوں پکڑے اس طریقے کے ساتھ تھیں کہ کورسے کھڑا تھا۔  
کے ساتھ ہی فیروز بھی موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ہتھوں  
ملائے دے رہا تھا۔ وہ دونوں انہیں پوری طرح بے بس  
رہ گئے تھے۔ ایک کدو گولی کا نشانہ نہ کر عدم کی طرف رہا ذکر  
تھے، دوسرا جس پر منے والا گولی کھا کر گرا تھا۔ نیچے  
پڑے ہی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا، اور تیسرا امر نے  
الے کے قریب کھڑا بہت سے آنکھیں چھاڑے  
سے تک رہا تھا۔ میں ان کی طرف سے مطمئن ہو کر آبی کے  
باس بیٹھ گیا۔ دھکا یا کون سی ٹانگ میں گولی لگی ہے۔ زخم  
نہایت اچھے دکھاؤں۔ میں نے آبی کی ٹانگ کی طرف  
دھکا دے ہوئے کہا۔

اس نے تعلیم سے مزہ نہاتے ہوئے اپنی بائیں ٹانگ  
میرے سامنے کر دی۔ یہ ادھر پڑی میں لگی ہے گولی؟  
دہ بولا۔

اس کی ہڈی سے جھل جھل خون بہہ رہا تھا۔ میں نے  
آپ سے پوچھا۔ گولی ہڈی میں تو نہیں لگی ہے۔ وہ تو ٹھیک  
ہے نا؟  
”جانتا نہیں یار! مجھے کچھ پتا نہیں کہاں گولی لگی ہے اور  
نہاں کہاں ہے اس نے۔ مجھے تو بلک ہا ہے جیسے میری  
ہڈی میں لگا کر سے بھر دیے گئے ہیں۔ آگ لگی ہے۔۔۔۔۔  
اور پورے پاؤں میں آبی کی آواز میں نقاہت آگئی تھی۔  
شاید بیخون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس  
سے ہفتا سے خون بہہ رہا تھا اس کی ٹانگ سے، اس  
سے تو میں معلوم ہوتا تھا کہ اگر حملہ زار حیدر سے روکنے کی  
کوشش نہ کی گئی تو اس کے جسم کا سارا خون بہہ جاتا۔  
اور پھر اس کے پٹنے کی کوئی امید نہیں رہے گی، اس خیال  
نے مجھے پریشان کر دیا۔ میں نے فیروز کی طرف مڑ کر اسے مخاطب

کیا! بار فیروز! اس کا خون بہت تیزی سے بہہ رہا ہے،  
اسے اگر فوراً در دیا تو یہ ختم ہو جائے گا یا نہ! اس کے لیے کچھ  
کرنا کسی ڈاکٹر کو بلاؤ جلدی سے۔  
فیروز نے اپنی ٹانگ کھول کر میری طرف پھینکتے ہوئے  
کہا۔ ”اسے زخم دوا میں لگے سے کچھ اور پیرس کے باندھ دو۔ میں  
فرسٹ ایڈ جس کے کرتا ہوں ابھی۔ وہ اپنے عقب میں ایک  
دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے انور کمال  
سے بولا۔ ”کمال! ہم اور کل زمانہ ہوشیار رہنا۔ ان میں سے  
کوئی بھی بھاگے نہ پائے اور اگر کوئی ذرا بھی گڑبڑ کرے تو  
بے درین گولی مار دینا اسے۔“

”ان کی آپ بالکل فکر نہ کریں جناب! ان میں سے اب  
کوئی ذرا اسی بھی جنبش نہیں کر سکتا۔“ انور کمال نے جواب دیا۔  
فیروز جھپٹ گیا۔ میں نے اس کی ہدایت کے مطابق آبی  
کے پاؤں میں گھسنے سے ذرا اوپر غریب س کے ٹانگی اڑھ دی۔  
اس بندش کے بعد خون کے سینے کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہونے  
لگی۔ میں نے ہتھوں پر سے اس کی پٹلوں کا پانچ پیرا کر انگ  
دیا اور ہاتھ سے ٹول کر پٹلی کی ہڈی کا جائزہ لینے لگا۔ اس  
کی ہڈی مجھے سلامت ہی لگی تھی۔ گولی شاید گوشت کو کھینچا  
کر نکل گئی تھی یا شاید وہیں ایک گئی تھی۔ یہ فیصلہ تو کوئی ڈاکٹر  
ہی کر سکتا تھا۔ آبی بھینچا تھا اور کمزور ہوتا جا رہا تھا اس کی آواز  
جیسے ڈوبتی جا رہی تھی۔ اتنی دیر میں فیروز فرسٹ ایڈ کس لے  
کر گیا، میں نے ملے ملے ہوئے آبی کو اس کی طرف کر دیا  
اور خود آٹھ کران لیٹروں کی طرف بڑھ گیا۔ کل زمانہ اور انور کمال  
نے انہیں لینے پٹلوں سے اس طرح کوڑ کر رکھا تھا کہ ان  
میں سے کسی کو جنبش تک کرنے کی ہرأت نہیں ہوتی تھی میں  
نے آگے بڑھ کر ان کے نیچے پڑے ہوئے ہتھیار اٹھا کر ایک  
کونے میں ڈال دیے۔ اور ان میں سے ایک کا گندہ بان پڑا  
لے جھپٹتے ہوئے غرائے کے انداز میں پوچھا۔ ”کون ہو  
تم اور یہاں کیوں آئے ہو؟“

اس نے مجھے جواب دینے کے بجائے اپنے سر غنہ  
کی طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھا۔ وہ شاید کوئی بہت  
زیادہ سخت گیر آدمی۔۔۔۔۔ اسی لیے اس کے ساتھ  
اس سے خوف زدہ بہتے تھے۔ اس کے لیے خوف اور خوفناکی  
کا مظاہرہ تو میں ابھی کبھی دیر پہلے دیکھ چکا تھا۔ اس نے  
مجھ جیسے گھاک لگوں میں زخم کے کدے دیا تھا، ان ہی عورت  
ناچنے کا چھوڑوں کے ساتھ تو وہ نہانے کیسا سوسا کرتا رہا ہوگا  
جو وہ اس قدر سما ہوا تھا اس کے سامنے میں نے اپنے دوا

تھیں جوڑا۔ جلدی بک اوسے، کون جو تم لوگ؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو یہاں؟ بیٹھتے ہوئے میں نے اس کے کانوں پر دو تھپڑ بھی لگا دیے۔

وہ گھٹکیاتے ہوئے اپنے سرخند کی طرف اٹھی اٹھا کر بولا۔  
”وہ وہ وہ....“ اس کی زبان پھر اٹک گئی۔

میں نے جھنجھلا کر اسے دھکا دے کے ایک طرف پھینک دیا اور پلٹ کر سرخند کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ”تو ہی بول اوسے، بتا کون ہے تو اور یہاں کس ارادے کے ساتھ آیا ہے؟“ میں اس کے سامنے جا ٹھہرا۔

وہ مجھے حقارت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تجھے اس سے کیا مطلب ہے بھئی؟ کیوں معلوم کرنا چاہتا ہے یہ تو؟“

میں نے اس کا مضغی اڑانے والے انداز میں کہا۔ ”میں جانا چاہتا ہوں تیرا عدد وار لے کر لے کر کہہ دو؟ کس جنگل سے بھاگا ہوا جاؤں ہے تو؟ جاؤں تو کس قسم اور کس ریلوے سے خلق ہے تیرا؟“

میرے اس انداز نے اس کے تن بدن میں اگ لگا دی تھی۔ اس نے اپنے سامنے تھمے ہوئے دو پتھروں کی پروا کیے بغیر غصے سے دانت بھینچ کر ایک ایک میرے منہ پر تھپڑ دے مارا اور دھاڑا کر بولا۔ ”بھائو! میں کراؤں گے، جان لے لوں گا میں تیری۔“ سمجھا کیا ہے تو نے مجھے؟ یہ کہتے ہوئے وہ مجھ سے اس طرح گھٹکتا ہوا کہ لکل زمانہ یا اونیٹھال کے لیے اس پر گولی جلا نا ممکن ہو گیا۔

وہ شاید کسی ایسے ہی موقع کا منتظر تھا اور میں نے طیش کے عالم میں اس کے نزدیک جا کر اسے یہ موقع فراہم کر دیا تھا۔ اسے اپنی قوت پر بے حد ناز تھا، لگتا یہ تھا کہ وہ مجھ کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہے۔ میرا سینہ تو سیٹھے ہی مسک رہا تھا۔ آبی کارڈم وچیر کر میری کنپٹیوں میں چھنے لگی تھیں۔ جی جی ہاں تھا ان چاروں کے ہتھ پاؤں کاٹ کے ڈال دوں اور ان کے تڑپنے کا نظارہ کرنا رہوں۔ اس نے مجھ سے پلٹ کر مجھے اپنے دونوں بازوؤں میں لے کر پوری قوت سے بھینچنا شروع کر دیا۔ میں اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے جیسے جیسے زہمت کرتا جاتا تھا اس کی گرفت اتنی ہی مضبوط ہوتی جاتی تھی۔ مجھے اپنے سینے میں سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور پسلیاں یوں لگتا تھا جیسے بس ابھی کرکڑا کر ٹوٹیں گی اور سینے کے اندر گھسٹی چلی جائیں گی۔ بڑی جان تھی اس ذلیل میں، حالانکہ دیکھتے ہیں وہ بالکل ایسا نہیں لگتا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ لے دوڑ رہا تھا کہ کوشش میں میرے اور اس کے سینے کے درمیان

بھینس کر رہ گئے تھے۔ میں نے ایک بار اپنی پوری جان لگا کر اپنے ہاتھوں کو آزاد کرانے کی کوشش کی۔ وہ مجھے سینے سے ساتھ بھینچ کر میری پسلیاں چٹکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید میرے ہاتھ اس کے ارادے کی تکمیل میں حائل ہو رہے تھے اور اسے غالباً اپنی قوت بازو پر کچھ زیادہ ہی اعتبار تھا۔ چنانچہ اس نے مجھے ہاتھوں کو آزاد کرانے کی جستجو کرنے کی اپنی گرفت تھوڑی سی ہلکی کر دی تاکہ میں اپنے ہاتھوں کو وہاں سے نکال لوں۔ سوچا اس نے یہی ہو گا کہ ہاتھوں کو آزاد کر دینے کے بعد بھی میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکوں گا اور اسے میری پسلیاں توڑ دینے میں آسانی ہو جائے گی۔ وہ میرے ہاتھوں کی منوں کاری سے بے خبر تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میرے ہاتھ آزاد ہوں تو میں باقی کچھ کون سی کمزوریاں ہیں جسے میں اس کے زہن پر ڈال سکتا ہوں۔ اس کی گرفت ہلکی ہوتے ہی میرے دونوں ہاتھ اس کی انگلیوں سے گزر کر اپنے کی طرف چلے گئے۔ میرے لیے آنا ہی کافی تھا۔ میں نے تیزی سے اپنا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچا کر ایک مخصوص حصے پر چڑھا اور پھر میرے انگوٹھے کو اس کی رگ رگستاس تلاش کرنے میں لگا دیا۔ سینہ کے زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ دوسرے لمحے ہی اس کی گرفت ڈھیل ہو گئی اور وہ کسی بے جان چوبے کی طرح ہلکا ہاتھوں میں جھونکنے لگا۔ میں نے اسے ہاتھوں سے جھٹک کر ایک طرف پھینک دیا۔

اس کے دونوں ساتھیوں کے لیے اس کا یہ انجام قطعی غیر متوقع اور ناقابل یقین تھا۔ وہ جبرست سے آنکھیں پھاڑے کبھی مجھ اور کبھی اپنے سردار کو دیکھنے لگتے۔ ان میں سے ایک نے متعجب انداز میں پوچھا۔ ”کیا... کیا تم نے...“

جان سے مار دیا ہے۔  
میں نے جھوڑ کر ان کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔  
”اس کی تم فکر نہ کرو جواؤ! یہ اتنا غیرت والا نہیں لگتا ہے مجھے کیوں آسانی سے چلے گئے۔ وہ اور جوتے ہیں جو نرم سے چلو پھروانی میں ڈوب مرتے ہیں اور وہ باجیا لوگ اس جے ہرگز نہیں ہوتے ہیں۔“

”مگر یہ... یہ تو... یہ تو بالکل بے سہہ پڑا ہے۔“  
”کوئی خاص بات نہیں ہے بارو! اتنی دیر سے تھک کر کے تھک گیا ہے لیکن چارہ ماہ کچھ دیر ستانے لیے لیٹ گیا ہے۔ میں نے کہا نام نہ نہ فائدہ نہ کرو اس کی۔ اب اچھے بچوں کی طرح یہ بتا دو مجھ کو کون لوگ جو تم اور

میں نے تھکے؟  
وہ بس سے میں نے پہلے سوال کیا تھا، اس وقت تو نے سردار کے خوف سے منہ نہیں کھول سکا تھا۔ میرے ہاتھوں نے ہاتھ پکڑ کر اس میں جرات پیدا ہو گئی، جلد ہی سے بولا۔  
”جے تم نے بے سہہ کر کے ڈال دیا ہے اس کا نام تو کج الدین ہے جی پر لوگ اسے تاجو کہتے ہیں۔ چار سال پہلے یہاں سے ایک کالج میں پڑھتا تھا۔ ایک بڑے خوش حال گھرانے کے بزرگ۔ یہ اس کے باپ کا شمار شہر کے معزز لوگوں میں ہے۔ اس نے اعلیٰ تعلیم کے لیے اسے باہر بھیج دیا تھا۔ یہاں سال بعد واپس آیا تو بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔ جب تک یہاں کبھی گریٹ کبھی ہاتھ نہیں لگا یا تھا اس نے۔ باہر سے آیا غراب ہوس اور مزہ وٹن اس کی زندگی بن چکے تھے۔ ہماری اس سے کالج کے زمانے ہی سے دوستی تھی۔ اس نے ہمیں ان چیزوں کو یاد دیا ہے اور اب ہم ان کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ ہمارے معاشی حالات ایسے نہیں ہیں کہ ہم اپنی ضرورت کے مطابق چیزیں خرید سکیں۔ اب تائیں تاجو ہماری ضرورت پوری کیا تھا۔ مجھ کو مجھ میں اس کی لت ہو گئی تھی۔ اس نے ہمیں اپنا خرچ کر دیا۔ پھر اس نے ہمیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ ہم نے اسے طلب پوری کرنے کے لیے ہم اس کی سربراہی میں آئے ڈالیں۔ جس کی اتنی سی بات ہے۔ شے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور نہ تو آسٹیا حاصل کرنے کے لیے ہمارے ہاں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم تاجو کے ساتھ ٹوٹا کر ٹھیک ہوں۔ ہم تو جی اب گلے گلے تک دھنس چکے ہیں لہذا میں...“

میرا دل تو جا ہوا کہ اس فریڈل کے منہ پر تھوک دوں۔ وہ ایک نابھے کی امیدوں کا مرکز تھا۔ اس کے والدین نے بنائے تھے تھے نصائب سے گزر کر اسے غریبی و دشمنی سے متور کیا تھا۔ اسے کہہ کیسے حسین اور پرفرب ستہ اپنی آنکھوں میں سما غصے آنکھوں نے کیسی کیسی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں ان منوں ذات سے۔ تعلیم نے یہ چلا بخشی تھی ان کے دماغوں کو۔ ”ماں بے اپنے والدین، اپنے خاندان اور اپنے ملک و ملت سے ایک ایک بن کر رہ گئے تھے۔ یہ رنگ انسانیت مانا بالکل نہیں بچھے کہ ان پر رحم کیا جاتا یا انہیں کسی دوزخ کا مستحق سمجھا جاتا لیکن چاہنے کے باوجود میں انہیں نہ کرنے کے لیے ان کے منہ پر تھوک نہیں سکا کیوں کہ انہوں نے جو ان لیے یہ نہیں تھے جو اس دلدل میں جاتے تھے جاتا تھا۔ یہاں تو پتا نہیں کتنے ایسے عقل کے

دشمن تھے جو ان سے بھی زیادہ غلاظت میں اتر پڑے ہوئے تھے۔ جنہیں یہودیوں نے مختلف شعبہ عطا کر کے ملک کی برابری اور قوم کے نوجوان خون کو گندہ کرنے کا کام سونپ دیا تھا۔ کبھی کسی انہوں نے قومیتوں کا نعرہ دے کر بھیجا تھا تو کسی کی آنکھوں پر غلاظتی تعصب کی عینک پڑھا دی تھی کسی کے دل میں راجا دہر کا بت رکھ دیا تھا تو کسی کے سینے کو رنجیت سنگھ کی عبت سے معمور کر دیتا تھا۔ میں نے خود سے کہا۔ غلام جیلانی! ان دو جہازوں کے منہ پر تھوک دے، انہیں ذلیل کرنے سے یہ مسئلہ حل تو نہیں ہو جائے گا۔ اگر تھوکتا ہی ہے تو ان سب کے چروں پر تھوک، ذلیل ہی کرنا ہے تو ان سب کو ذلیل کر چلنے پھرنے آقاؤں کے اشارے پر ان معصوم اور ناچستہ دھنوں میں زہر بھر رہے ہیں۔ جو دنیا میں یہودیوں کے اقتدار پر اعلیٰ کی راہیں ہموار کرنے کے لیے اسکولوں اور کالجوں میں تھے بچوں کو در غلا کر اس قوم کا مستقبل تاریک کرنے پر مامور ہیں!

میرے نزدیک قابل گردن زنی وہ نہیں، تاہو تھا جسے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرون ملک بھیجا گیا تھا مگر وہاں سے میری قوم کے ان سیدھے سادے صفات دل نوجوانوں کو موڑ دی تھے۔ کاعادی بنائے اور شریعت اور بے عزت شہریوں کا سکون نارت کر کے ملک میں افراطی پھیلانے کی تربیت حاصل کر کے آیا تھا۔ میں نے اس جوان سے کہا۔ ”تم اگر علم حاصل کرنے کے بعد بھی بڑے بھلے میں ٹھیکرنا نہیں سیکھ سکے اپنے والدین کا نام روشن کرنے کے بجائے ان کے لیے گالی بن گئے ہو تو بہتر یہی ہے کہ اڑیاں رگڑا کر گھر جاؤ۔ دفع ہو جاؤ وہاں اور آئندہ کسی کے گھر میں گھسنے یا کسی کو کوشش نہ کرنا ورنہ دوسری بار اس مروجہ میں ملے تم مجھے، تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔ تم جانتے نہیں ہو مجھے، میرا نام غلام جیلانی ہے۔ اگر انہار پڑتے ہو تو تم نے غلام جیلانی اور اسلم آبی کا نام ضرور پڑھا ہو گا۔ کوئی نیک نام لوگ نہیں ہیں ہم۔ ہماری زندگی بھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں ہی بسر کرتی رہی ہے۔ سارے ملک کے تھانوں میں ہماری فاطمیں موجود ہیں ملک بھر کی پولیس کو تلاش ہے ہماری۔ لہذا بنام اور بڑے لوگ ہیں ہم، لیکن ہمارے بیٹے ذلیل لوگ تو ہم بھی نہیں ہیں بارو۔ جس اور ہر وٹن جیسی ذلیل انسان کے لیے ہم نے اپنی زندگیاں کبھی آؤ پر نہیں لگا دیں۔ جاؤ جیسا جاؤ اور رہو۔“

وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ دونوں بیک وقت بولے۔ ”آپ... آپ غلام جیلانی ہیں؟“  
”ہاں! میں غلام جیلانی ہوں، خور سے دیکھ کر پہچان کر لو

Courtesy [www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)

اسٹریچر پہنچنے لے کر آتا ہوں۔ اس نے کہا اور واپس اندر کی طرف دوڑ گیا۔

خان گاڑی کا انجن بند کر کے نیچے اتر گیا۔ میں اور گل نہان بھی گاڑی سے باہر آ گئے۔ ایک منٹ کے بعد ہی وہ ملازم اسٹریچر لے کر آگیا اور بولا "آئیں جی شیفٹ کو اٹھو میں ڈاکٹر صاحب آدھرا پریشن تھیں گئے ہیں۔ وہیں لے جانا ہے۔ آپ کے بندے کو بھی؟"

"ہاں چلو اٹھاؤ جلدی کرو۔ گل زمان ہاتھ لگا بھی ڈرائیونگ نے گل سے کہا اور خود بھی آبی کی طرف بڑھا۔

اس نے گل زمان اور ملازم کے ساتھ مل کر آبی کو کار سے نکال کے اسٹریچر پر ڈال دیا۔ گل زمان اور ملازم نے اسٹریچر اٹھایا اور اسے لے کر اندر چلے گئے۔ خان نے مجھے کہا "آئیں جیلانی! چلیں ہم اندر چلتے ہیں۔"

میں نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا "کال ہے بھئی، اس ڈاکٹر کو کیسے پتا چل گیا کہ آنے والے مریض کو آپریشن کی ضرورت ہے، وہ دوسرے دیکھتے بغیر ہی آپریشن تھیں میں چاہتا ہے؟ ایسا دل کا مل ہے یہ ڈاکٹر؟"

خان نے نہیں کر جواب دیا "بات یہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کوئی عام کلینک نہیں ہے۔ یہ ہاش گاہ ہے اس ڈاکٹر کی، لیکن اس نے یہاں ہم جیسے ضرورت مندوں کے لیے ایک چھوٹا سا کلینک بھی قائم کر رکھا ہے۔ اس کے باسے میں عام لوگوں کو پتا نہیں ہے اور نہ ہی وہ ہر ایک کو یہاں بلاتا ہے۔ اس جگہ تو صرف ہمارے ہی بھائی بند آتے ہیں جنہیں قانون کی نگاہوں میں آئے بغیر میڈیکل ایڈورکار ہوتی ہے۔ ڈاکٹر جاننا ہے کہ یہاں آنے والے کسی مریض کے لیے اسٹریچر کی ضرورت ہوتی ہے تو ایسے مریض کو آپریشن تھیٹر ہی لے جانا پڑتا ہے عموماً اس کے جسم کے کسی نہ کسی حصے سے گولیاں براہ مکرر پڑتی ہیں۔"

ہم آئیں کرتے ہوئے ایک بڑے ہال نما قیاتی اور درجہ یزین فرنیچر سے آراستہ ڈرائنگ روم سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ اس کمرے کے دائیں بائیں دو دروازے اور بھی نظر آ رہے تھے۔ خان مجھے ساتھ لیے دائیں طرف والے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس دروازے سے گزر کر ہم ایک رابڈاری میں آ گئے۔ خان راہداری میں عمارت کے عقبی حصے کی طرف چل دیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ عمارت کے انتہائی پرانے بائیں جانب دنگن تھی۔ اس طرف ہمارے دائیں ہاتھ پر ایک خوشنما کین زار تھا جس کے نیچوں بیچ سرو کے درختوں کے درمیان

ایک مختصر سا راستہ تھا جس پر مرنج بجری بھی ہوتی تھی۔ راستے سے آکر اس راستے پر گاڑن ہو گیا۔ اس راستے کے انتہائی ایک قطار میں کوئی دس بارہ جھوٹے جھوٹے کوارڈزسٹ پر تھے جو شاید اس کو قلعی میں کام کرنے والے ملازمین کے بنوائے گئے تھے۔ خان اس قطار کے باطل آٹری کو وارڈسٹ دروازے پر پہنچ کر کڑک گیا۔ دروازہ بند تھا، خان نے پرتین بار بجلی سی دستک ہی کوئی تیس سیکنڈ کے انتظار کے دروازہ کھل گیا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ میں ڈاکٹر صاحب کو کھولا تھا، خان نے فری آواز میں اس سے کہا "آپ پریشن تھیں؟"

وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے سب ڈاکٹر صاحب وہیں موجود ہیں۔"

خان میرا ہاتھ تھامے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ مختصر ماحم عبور کر کے ہم جس کمرے میں داخل ہوئے اس کے عقبی ایک اور دروازہ موجود تھا جو اس وقت کھلا ہوا تھا مگر وہاں ہونے کی وجہ سے دوسری طرف دم دم روشنی کے سوا کچھ نہیں دیتا تھا۔ گل زمان اسی کمرے میں بائیں جانب دروازے ساتھ بڑی لمبی سی بیچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ اٹھنے ہوئے بولا "وہ آبی صاحب کو آدھرا لے گئے ہیں، ان کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ اٹھا کر کھلے ہوئے دروازے طرف اشارہ کیا۔"

"ٹھیک ہے، بیٹھو اور دہری۔ آئیں جیلانی صاحب! بھی بیٹھ جائیں۔" اس نے بیچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ پتا تو کرو آبی کی حالت کیسی ہے؟ کوئی غوشہ کی ضرورت تو نہیں ہے اس کے لیے؟" میں نے کہا۔

"اُن کی طرف سے اب آپ بے فکر ہو جائیں انکی ہم نے انہیں یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ اس کے بعد ہمارے دستے داری ڈاکٹر کی ہے۔ جو کچھ کرنا ہو گا یا جس چیز کی ضرورت ہو گی اس کا بندوبست وہ خود کرے گا آپ پریشان نہ

خان نے مجھے سمجھایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ڈاکٹر نے ہم جیسے لوگوں کے لیے خاصا معقول انتظام کر رکھا ہے۔ میں نے مطمئن ہو کر

مسکرتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی خوب پیسے معقول لیتا ہے تو انتظار کیوں نہیں کرے گا سارا اٹھیں تو پیسے کا بے جانب

"ہاں یار! یہ بھی ٹھیک ہی کہتے ہو۔" دیکھ کر اس کے معاملات میں کتنے پیسے لیتا ہے؟"

"اس کی آب فکر کیوں کر ہے ہیں۔ جو کچھ بھی لے گا لے دیا جائے گا۔" آپ کا مسئلہ نہیں ہے اب۔"

میں مسکرا کر چپ ہو گیا۔ وہ تو مجھے زیر بار احسان کر کے بیرون کے معاملے میں خود کو شکوک و شبہات سے بری کر لیا پتا تھا، یا پھر وہ اس طرح اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہتا تھا۔ یہ اندازہ تو میں لگا ہی چکا تھا اس کے بارے میں کہ عروہ تارک راہوں کا مسافر بن گیا تھا، لیکن اس کے اندر بڑی رشتہ تھی۔ دل اس کا لیے حد اجلا اور شفاف تھا۔ کبھی کبھی آدمی کو حالات ایسی راہوں پر چلنے کے لیے مجبور کر دیتے ہیں جو اس کے لیے کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہوتیں، آدمی حالات کا غلام ہے۔ اس غلامی سے اسے کبھی نجات نہیں ملتی۔ ایک بنیادار شخص کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس غلامی کا ہاتھ اتار سکے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ جس راہ پر وہ گاڑن ہے اس کی منزل کی طرف نہیں جاتی آدمی راہوں پر چلنے کے لیے مجبور ہوتا ہے، ہر حالات سے ڈال دیتے ہیں، لیکن اس کا ضمیر چونکہ اسے پسند نہیں کرتا چنانچہ وہ اسے چوکے لگاتا رہتا ہے اور وہ اس ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے وہ سب کچھ کرتا رہتا ہے جو اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔

میری نظریں مسلسل اس کھلے ہوئے دروازے پر مرکوز تھیں جہاں پردے کے پیچھے دم دم سی روشنی دکھائی دے رہی تھی دم دم میرے اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میرے لیے انقلاب کی بڑی طویل ہوتی گھڑیاں گزراں مشکل ہو رہی تھیں۔ میں اٹھ کر بیٹھ جینی سے کمرے میں ٹھیک لگا۔ خان بولا "آپ پریشن نہ ہوں۔ اندر سب ٹھیک ہی ہے۔ اگر کوئی ایسی دلیلی بات ہو تو اب تک نہیں بتا دیا جاتا۔ اطمینان رکھیں وہ لوگ اب باہر گئے ہیں دالے ہوں گے۔"

"اگر سب ٹھیک ہے تو اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے آخر آپ پریشن سے گولی لگاتے ہیں اتنا وقت تو نہیں لگتا۔"

"یہ تو کچھ چیزیں ہیں جی، بعض اوقات تو اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔" اس نے مجھے تسلی دینے کو کہا۔

"ہم اندر چل کر دیکھیں، کیا کر رہے ہیں وہ اس کے ساتھ میرا دل مطمئن نہیں ہو رہا ہے یا اس طرف سے۔"

"آخر آپ اس قدر غیر مطمئن کیوں ہیں؟ خدشہ کیا ہے آپ کو ان کی طرف سے؟"

"وہ یار! تم سمجھتے نہیں ہو۔ ایسے غرق فانی کام کرنے والے ڈاکٹروں کا ہمت تلخ تجربہ ہے مجھے۔ آدمی جاتا ان کے پاس

اپنے جسم کے اعضا کی سلامتی کے لیے ہے اور یہ لوگ اسے اپنے کسی عضو سے محروم کر دیتے ہیں، اس طرح اتنی مہارت سے کہ مریض کو پتا بھی نہیں چل پاتا۔ وہ بھی سمجھتا رہتا ہے کہ اس کے معالج کے لیے صحت سے خطا کر دی ہے۔"

"کیا کر رہے ہیں آپ جیلانی! میں سمجھا نہیں؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر کو کسی مریض کے جسم سے کوئی عضو نکالنے کی کیا ضرورت ہے آخر؟ وہ کیا کرے گا اس کو؟ یہ بڑی عجیب بات کہہ رہے ہیں آپ؟ خان چونک کر بولا۔

"تم نہیں جانتے ہو یار! میرا واسطہ ڈاکٹر رحمن اور اس کی نصف ہتر مال ہے بڑا تارا ہے۔ وہ لوگ ہی کرتے تھے۔ مریضوں کو آپریشن تھیٹر میں لے جا کر ان کا گردہ نکال لیتے تھے اور اسے کبھی ضرورت مند کو لاکھوں روپے میں بیچ دیتے تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ سرپرستوں سے محروم لوگوں کو پکڑ کر ان کی آنکھوں کے قریب بھی نکال کر فروخت کر دیا کرتے تھے۔"

خان ایک دم چھل کر کھڑا ہو گیا "کیا کہہ رہے ہیں آپ، کیا یہ ڈاکٹر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں؟"

"سب تو ایسے نہیں ہوتے مگر بڑے اور پھیلے لوگ کہاں نہیں ہوتے؟ کسی کے ہاتھ پر تو لکھا ہوا نہیں ہونا کہ وہ کیسا ہے لیکن ہمیں خود بھی سمجھنا چاہیے جو شخص پیسے کی خاطر خلاف قانون کام کرنے کو تیار رہتا ہے، وہ کیا نہیں کر سکتا۔ اس سے تو ہر بڑے سے بڑے عمل کی توقع رکھنا چاہیے ہیں عقل کا تقاضا تو یہی ہے۔"

"آپ نے تو مجھے دبا کر رکھ دیا جیلانی! بڑی عجیب بات بتائی ہے آپ نے، ایسا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کبھی۔ آئیں آپ میرے ساتھ آئیں، ہم دیکھتے ہیں چل کر اندر کیا ہو رہا ہے۔" وہ تیزی سے اس کھلے ہوئے ڈاکٹر کے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

عین اسی وقت وہ ملازم جو آبی کو اسٹریچر پر ڈال کر لایا تھا، پردے کے پیچھے سے برآمد ہوا۔ میں اور خان اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے، وہ خان کی طرف متوجہ ہو کر بولا "آپ میسرے ساتھ اندر چلیں، ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں آپ کو۔"

"کیوں جانی تجریت تو ہے، وہ ہمارا پشمنٹ تو ٹھیک ہے جہاں میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں جی، ٹانگ سے اس کی گولی تو نکال لے کر ہم تارہ زخم کی پٹی بھی کر دی ہے لیکن انہیں شاید شائے کی کچھ تکلیف ہے۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔"

سے۔ آہل ہند اور آجائیں آپ دونوں۔ وہ مڑو کر بر دے کے پیچھے غائب ہو گیا۔

میں نے خان کو دیکھا۔ وہ سوالیہ انداز میں مجھے ہی دیکھ رہا تھا، بولا، "اب کہا خیال ہے آپ کا؟"

"اگرے تو بالکل دیہی نہیں لگ رہے مجھے۔ وہ دھن اور غالبہ والا۔ وہ بھی مریضوں کو کوئی خاص انجکشن لگادیا کرتے تھے جس سے ان کو شائے کی تکلیف کی شکایت ہو جاتی تھی، پھر وہ مریض کے دذا کو بتاتے تھے کہ اس کا ایک گروہ ناکارہ ہو چکا ہے۔ اگر اسے فوری طور پر نکالنا نہیں گرا تو مریض کی جان بھی جا سکتی ہے۔ تم دیکھ لیا یہ ڈاکٹر بھی یہی کہے گا؟ میں نے خان کے قریب جا کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"میں دیکھتے ہیں ابھی تا چل جائے اس کا بھی۔ یہ تو بہت خوف ناک ڈاکٹر ہے بھی۔ اس پر تو پھر دوسرا بھی نہیں باقی ہے بالکل۔"

گل زمان نے اٹھ کر ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کہا، "ہاں جتنا یہ بہت خوف ناک بات ہے۔ میں بھی چل رہا ہوں آپ کے ساتھ۔ اگر اس ذہن کے نیچے نے ایسی کوئی بات کی تو میں زبان باہر کھینچ لوں گا اس کی گتھی سے۔"

ہم تینوں آگے پیچھے ڈاکٹر کے اس آپریشن تھیم میں بیٹھے جہاں انھوں نے ایک بڑی سی آپریشن ٹیبل پر آئی کو ڈالا ہوا تھا۔ اس کی زنجی ٹانگ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور جسے کی رونق بھی خاصی بحال پر پٹی تھی۔ آہستہ سے اس نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ہم پر نظر پڑتے ہی وہ خوش دلی سے بولا، "لے جی بھی میرے کار! آگے تو ہم یہاں نماز پڑھتے تھے مگر ڈرے گئے پڑے جالے ہیں یہاں کو۔"

لے جی نے دیکھ کر مجھے ایک ذکا اطمینان ہوا۔ میں نے کہا۔

"کیا بات ہے بھی؟ میں رزوں کی بات کر رہا ہے تو میرے کار؟"

"یہاں کے کرم نرمز، امہر یاں ڈاکٹر صاحب کچھ ارشاد فرمائیے ہیں۔ تو خود ہی ان کی زبانی کلام سن لے ان کا۔ جی خوش ہو جائے گا تیرا۔"

وہاں آپریشن ٹیبل کے گرد ڈاکٹر کے ساتھ دو خوشامسل نمازمین جنہیں عویں کتنا ہی زیادہ مناسب ہو گا بھی موجود تھیں۔ رنگ و روپ ان کا ایسا تھا کہ نظر لگائی ہی نہیں جاتی تھی ان پر۔ یونیفارم نے انہیں جو تھوڑے اور پاکیزہ عطا کی ہوئی تھی اس گھڑی، وہ ان کی آنکھوں میں کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ قدرت نے انسان کے جسم میں یہ ایک ایسی کلنٹ کر دی ہے جو کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ دل کے سامنے عینہ کھول کر رکھ دیتی ہیں یہ اور کبھی کبھی اتنی راز داری سے یہ کام کرتی ہیں کہ آدمی کو پتا

ہی نہیں چلتا، وہ کہہ عریاں ہو گیا، دوسروں پر ان کے علاوہ وہ ملازم بھی وہیں موجود تھا جو عین بلانے گیا تھا ابھی چند لمحوں پہلے انداز سے وہ بھی کوئی میل ٹرس ہی لگتا تھا۔ ڈاکٹر کوئی پہلے بیائیں سارا خاصا صحت مند اور خوش رو تھا اور شاید اسی نے وہ اپنے گرد غوروں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے اندر گئے ہی ان سب کا ہاتھ لے ڈالا تھا۔ خان نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"ہاں جی، فرمائیں ڈاکٹر صاحب! کس سلسلے میں یاد کیا ہے آپ؟ ہمیں؟ مریض کیسے ہمارا؟"

"اس وقت تو یہ ٹھیک ہی ہے۔ ہنڈی میں گولی لگتی جو میں نے نکال دی ہے۔ یہ دیکھو! ادھر ٹب میں پڑی ہے؛ ڈاکٹر نے آپریشن ٹیبل کے نیچے رکھے ہوئے بلاسٹک کے ٹب کی طرف اشارہ کیا، جس میں خون میں ڈوبی ہوئی روئی کے بہت سے بڑے بڑے ٹکڑے پڑے تھے۔ لیکن اس دوران اس کے ایک اور خطرناک قسم کے مرض کا علم ہوا ہے مجھے، اسی لیے بلایا تھا میں نے تمہیں۔"

"ادھ اچھا! ایسا کون سا مرض دریافت کر لیا آپ نے بھی؟ جس کا علم ہمیں آج تک نہیں ہو سکا۔ میرا تو خیال ہے، خود مریض کو بھی پتا نہیں ہو گا کہ یہ کسی انتہائی موذی مرض میں مبتلا ہے؟" خان نے حیران کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی اب یہ ایسا ہی مرض ہوتا ہے۔ اندر ہی اندر آئی کو گھٹن کی طرح کھوکھلا کرنا چلا جاتا ہے۔ کچھ پتا ہی نہیں چلتا کسی کو اور جب معلوم ہوتا ہے اس کے بارے میں تو وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ اور موت کے سوا کوئی نجات نہیں دلا سکتا پھر اس سے۔"

"لیکن اسے مرض کیا ہے؟ کچھ ہمیں بھی تو بتائیں جی! پتا تو چلنا چاہیے نا ہمیں بھی اس کے بارے میں۔" میں نے کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، اور بلایا کیوں ہے میں نے آپ کو۔ آپ سے بات کرنا ہے چند فوری تھا۔ آپ لوگوں کی اجازت اور تعاون کے بغیر ہی کبھی کیا سکتا ہوں اس معاملے میں۔ دیسے یہ خوش قسمت آدمی ہیں کوئی خطرناک شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی مجھے تا چل گیا ہے اس مرض کے بارے میں۔ یوں سمجھیے کہ ان کی زندگی ابھی بہت باقی ہے۔ کافی دن جیل ہے انہیں ابھی۔"

"ہاں عمر تو کسی گھڑی اپنے نام کا کے آیا ہے یہ۔ ہر بار موت اس کے قریب سے گزرتے نکل جاتی ہے۔ آپ بتائیں بات کیا ہے؟"

"مے خدا میں ملنے کی کوشش کریں آپ۔ بہت

سندھ اور فوری توجہ کا غائب مسئلہ ہے یہ۔ ان کا دایاں گڑھ بالکل ناکارہ ہو چکا ہے۔ اگر اسے فوری طور پر نکالنا نہیں گیا تو دوسرا گڑھ بھی متاثر ہو جائے گا۔ دونوں گڑھ خراب ہو جائے گی صورت میں آدمی کا زندہ رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایک گڑھ کم ہونے سے ان کی صحت پر ذرا بھی اثر نہیں پڑے گا۔ ڈاکٹر نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میں نے خان کی طرف دیکھا، وہ معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا، بولا، "حیرت ہے پورا گڑھ ناکارہ ہو گیا مگر انہیں خبر تک نہیں ہوئی، ایسا بھی ہوتا ہے۔ مگر آپ نے یہ کیسے جان لیا ڈاکٹر صاحب؟" مانگ سے گولی نکالنے کے دوران کیا آپ کا ایم ہو گیا تھا؟"

"فصل بکواس مت کرو۔ میں ڈاکٹر ہوں کوئی مجھے باپواری نہیں ہوں۔ اس نے ہوش میں آنے کے بعد یہ شکایت کی تھی مجھے کہ اسے شانے میں تلخیم محسوس ہو رہی ہے۔ ایسی تلخیم عموماً گھڑے کی خرابی سے ہی ہوتی ہے چنانچہ میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ چیک آپ کیا ہے اس کا، جس کے نتیجے میں براعظاف ہوا ہے۔ تم اپنے مریض سے معلوم کر کے، ہو چکا آپ کے بارے میں۔"

"کیا مریض کو یہ بھی پتا ہے کہ تم نے اس کے شانے میں تلخیم بند کرنے کے لیے کوئی میکر لگایا تھا اس کے؟"

میں نے پوچھا۔

"کیا؟" ڈاکٹر چونک کر بولا۔ اس کے چہرے کا رنگ اگلا تھا چند لمحوں کے لیے، لیکن جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا اور شنگی سے بولا، "کیا بکواس کرتے ہو کس نے بولا ہے یہ تم سے کہیں نے ایسی کوئی ذلیل حرکت کی ہے اور مجھے فائدہ بھی کیا ہے اس کا؟"

"بک نہیں اؤسے ذلیل کہتے اتیرے جیسے کینیوں کو میں خوب جانتا ہوں۔ آج سے پہلے بھی میں واسطو چڑھا ہے مجھے اسے دوست کے بھائیوں سے۔ کب سے کر رہا ہے تو یہ کاواڑا کس نے بھجائی ہے تجھے یہ راہ؟" میں نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔

"تم بوش میں ہو یا نہیں؟ یہ بہت بھولو کہ ایک ڈاکٹر کے ساتھ مزید می کر رہے ہو؟ زیادہ برعاشی دکھانے کی کوشش کی تو پھر کس کے حوالے کروں گا میں تم سب کو؟" اس نے مجھے دھکی دیا۔ لیکن اپنے لیے کا کھوکھلا پن چھپانے میں وہ ناکارہ رہا۔

میں نے اسے بڑھ کر اس کے منہ پر لٹا دیا۔ ایک بھاپڑ دھیر کر کے کہا، "دھکی دیتا ہے سنگ زراوے، جانتا نہیں ہے مجھے تو ابھی کچھ عیسوں کو زندہ چلا ڈالتا ہوں میں، مگر گھٹے چلنے سے

بغیر ہی کہہ کر کم کر دیتا ہوں میں ایسے بے رحمیوں کا۔ بول کب سے کر رہا ہے تو یہ کاروبار؟ اور اب تک کتنوں کے گھر چھین کر ان کے دام کھڑے کیے ہیں تو نے؟"

میں نے ایک اور جھانپ کر لیا اس کے۔ اس بار وہ اٹل کسے چپاڑا۔ دونوں پری چہرہ نما نہیں جیٹیں مار کر ڈاکٹر کی طرف لپکیں اور کھج کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگیں۔ انہیں سے ایک نے ڈاکٹر کو سہا لیتے ہوئے ہنسی بولی نظروں سے مجھے دیکھا، بولی، "یہ کیا کر رہے ہو؟ آپ؟ کیا کچھ پتا ہے یہ؟ شرم نہیں آتی آپ کو ایک معزز ڈاکٹر سے ایسا سلوک کرتے ہوئے؟"

"میرے اس معزز ڈاکٹر کو مشر م نہیں آتی، ایک لسنٹے شریو لہا، پیشہ کی آڑ میں انسان، اعضا رک کا کاروبار کرتے ہوئے؟ ہنس جاؤ تم دونوں اس کے پاس سے۔ اس کی حمایت جاری رکھی تم نے تو میں نے لیا غائب کیا نہیں کروں گا کاروبار کا تعلق صنف نازک سے ہے۔"

ڈاکٹر دونوں نرسوں کے سہارے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مجھے قسرا کو دایاں ہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔

"نمازی بدعاشی تو ابھی دیکھ لیتا ہوں میں۔ اسلم! ذرا جا کر فون کر لو بیس اسٹیشن کو۔ کہنا چند ڈاکٹر کھس آئے، میں ہمارا کوٹھن میں۔"

اس کا یہ حکم سن کر ہی وہ میل ٹرس ایک دم باہر کی طرف لپکا لیکن کل زمان نے جھپٹ کر اس کی ٹانگوں میں ٹانگ اڑا دی۔ وہ اچھل کر اوندھ سے زین پر چڑھا۔ کل زمان نے پیچھے سے اس کی قمیض کا کار بکڑ کر اسے اوپر اٹھا یا، اور گھسیٹا ہوا واپس لاکر ایک کونے کی طرف دھکا دے کر بولا، "تو دھسے بیٹھ چپ کر کے۔ اب اگر تیری دکھانے کی کوشش کی تو ناچیں توڑوں گا دونوں۔"

میں نے آنکھ بڑھا کر ڈاکٹر کا گرماں بچنے کے لیے اپنے قریب کیا اور دایاں بائیں دونوں طرف چٹا چٹا خود زوردار طمانچے لگا کر دباؤ ڈالتے ہوئے پوچھا، "بک اؤسے کتے۔۔۔۔۔ کس نے ڈالا ہے تجھے اس دھندے میں۔ کون سبے تیرا س۔ بہت؟"

ڈاکٹر کو شاید کچھ اندازہ ہو گیا تھا، اس کا ساہقہ کیسے لوگوں سے پڑ گیا تھا۔ یہ جان لیتا تھا اس نے کہ وہ حوض دھانڈل ہم پر کوئی اثر نہیں کر سکے گی چنانچہ اس نے خود ہی عاجزا انداز اختیار کر لیا۔ گھٹیا تے ہوئے بولا، "یقیناً کوئی ایسی کوئی بات نہیں ہے، تمہیں کسی نے نہ بھڑکایا ہے۔ میکر بارے میں غلط فہمیاں ہیں۔ تم خود سوچو کسی آدمی کا گڑھ خریدنے کو کیا کرے گا؟"

یہ کوئی پکے والی چیز تو میں ہے، کوئی آدم خرشار پر خرید لے کر لے  
میں تلاش کہاں کروں گا؟

"اچھا تو یہ ایسا خیال ہے ہمیں کسی نے تیری طرف سے  
بدگمان کر دیا ہے اور ہم ایسے پاگل کے پتر ہیں کہ کسی کے  
باتوں میں آکر بغیر سوچے سمجھے تجھ پر پھٹ دوں گے ہیں، کیوں؟  
ایسے ہی کھسکے ہوئے دماغ کے نکتے ہیں تم مجھے....؟"  
"نہیں نہیں۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ میں تو...  
میں تو....؟ وہ بھلا لے لگا۔"

میں نے اس کی ہنڈل کی ہڈی پر اپنے بوٹ کی نوک  
سے ٹھوک مارا کہ کہا "سچ بک دے اوتے۔ ادھر ادھر  
کی باتوں میں بھلا مت مجھے۔"

وہ ٹھوک کھا کر مری طرح بھلانے لگا۔ ڈانسا ہو کر بولا۔  
"آخر تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کر لیتے؟"

"یقین میں کیسے کروں بچے! میں اگر ان مراحل سے  
گزر نہ چکا ہوتا تو شاید یقین کر لیتا تیری بات کا۔"  
"اُس نے انھیں پھاڑ کے مجھے دکھایا، بولا، تم...  
تم... کبکہ مطلب ہے تمھارا؟ کس طرح کے مرحلے سے  
گزر چکے ہو تم؟"

میں نے اسے دھکا دے کر چھپے پٹا دروازہ اپنی قمیص کا دامن  
اٹھا کر پیٹ کا دھتھرا اس کے سامنے کرتے ہوئے جہاں  
دھنن دروازہ لکھ دیا ہوا نشان تھا کہا "یہ دیکھ کیا ہے یہ؟  
یہ نشان مجھے تجھ جیسے ہی ایک گٹے فروغ ڈاکٹر نے دیا ہے  
اور اس کی وجہ سے میں آج اشتہاری مجرم بنا چھڑا ہوں۔ میں  
اکیلا ہی ان کے اس سم کا نشانہ نہیں بنا ہوں۔ انھوں نے  
میری بہن کا ایک گروہ اس طرح نکال لیا تھا اور اسے زندہ رکھنے  
کے لیے مجھے ان گروہ سے فروغوں کے ایک سائنسی  
ڈاکٹر فرحان کے گھر لے آئی بہن کو گلوٹا پڑے تھے اور پھر تو نے  
اس شخص کی انھوں کو پیسے ہیں کا گروہ نکلنے کی بات کرنا تھا  
تو۔ خورسے۔ بچاؤ اس کی انھوں پر کوئی ٹیسٹ نہیں پڑھے ہوئے ہیں۔  
یہ بھی اپنی ذیلیوں کی ہر بات کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے اس کی انھوں  
کے قریبے نکال کر کچھ کھائے تھے جو اب میں نے ان کے اس  
ڈاکٹر کو جس نے اس کے قریبے نظرے تھے، بیانیہ سے مجرم  
کر دیا تھا۔ دیکھ تو نے کیا اب بھی تو انکاری ہے اپنے مجرم سے  
کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہیں تیرے کو ثبوت مجھ پر پڑا کر کرنے  
کے لیے؟"

ڈاکٹر اور اس کے ساتھ کٹری ہوئی دونوں نرسوں کے  
چہرے بچہ گرہ گئے تھے۔ انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ میں جو  
پہلے بنی اس سوراخ سے ڈانسا جا چکا ہوں۔ اب دوبارہ ان

کا شکار نہیں بن سکوں گا۔ ان کے پاس اپنی سب سے گہرا  
کمرے کے لیے اب کچھ نہیں، ہاتھ۔ وہ گنگ ہو کر مجھے  
نکتے رہ گئے تھے۔

"آئی نے اپنی جگہ لیٹے لیٹے کہا۔ اوتے اب سانپ کیوں گم  
گیا ہے نہیں؟ بھلے بیوی نہیں ہو تم؟"  
خان نے ڈاکٹر کے قریب جا کر اس کا نشانہ بلائے ہوئے  
کہا "ہاں تو جناب ڈاکٹر صاحب! کس کو سپلائی کرتے  
ہو تم بڑے گروہ؟"

"وہ... وہ ڈاکٹر غلطی ہے ایک ادھر مڈل ایسٹ  
مگر یقین کرو میں نے آج تک ایسا کوئی کام کیا نہیں تھا۔  
یہ پہلا کیس کر نے جارہا تھا میں، لیکن خدا کا شکر ہے  
نے مجھے ہال بال بچا لیا۔ وہ شرمندگی سے غریب بھلائے  
ہوئے بولا۔

"ڈاکٹر غلطی۔ ہاں، یہ نام میں نے سنا ہے پہلے ہی  
شاید ڈاکٹر عذرا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ صحت سے بھی ہر گز  
منگوا کر لیتا تھا۔"

"مجھے بھی بتایا تھا ان لوگوں نے۔ وہ پہلے ڈاکٹر  
سے مال لیا کرتے تھے لیکن غلام جیلانی نامی ایک بدعاش  
نے ان کی زندگی بھر کر دی تو وہ وہاں سے اپنا سب کچھ  
سمیٹ کر امریکا چلے گئے ہیں اور اب انہیں ڈاکٹر دھنن کے  
متبادل کی تلاش ہے۔"

"اور تم نے اس کا قبضہ دل بننا منظور کر لیا۔ کیوں یہ بات  
ہے نا؟ میں نے اسے گھومتے ہوئے کہا۔

"میں اس گھٹانے کام کے لیے باطل تیار نہیں تھا  
لیکن انھوں نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے ان کی بات  
نہیں مانی تو وہ پولیس کو میرے پیچھے لگا دیں گے۔ نہ جانے  
کیسے انھوں نے میری کچھ ایسی تصویریں تیار کر لیں تھیں جن میں  
میں کسی نہ کسی بدنام جرائم پیشہ شخص کو طبعی انداز سے رہا ہوں۔  
انھوں نے یہ تصویریں ایک مکمل فوج کے ساتھ ملک کے کسی  
بڑے اخبار میں شائع کر کے مجھے ملک بھر میں رسوا کر دینے  
کی کبھی دھمکی دی تھی۔ میں ایک بدانتہا شخص ہوں۔ ذلت اور  
رسوائی سے بچنے کے لیے میں نے ان کی بات مان لی میری  
پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ سوچا میں نے یہ قیاس  
کر لیا کہ اگر میں ضرور لوگوں کے بجائے میں ان لوگوں کے  
گروے حاصل کیا کروں گا جو قانون کی نگاہوں سے مجھے  
لیے میرے گھر علان کر لے آئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے گروے  
نکالنے ہوئے مجھے یہ دیکھ نہیں ہوگا کہ میں نے کسی شریف  
آدمی کے ساتھ کیا بددیانتی کی ہے۔ مجرم تو میں بھی سزا کے

مستحق ہی ہوتے ہیں۔  
"تم جانتے ہو تم نے اپنے پہلے مجرم کے لیے جس آدمی  
کو انتخاب کیا ہے وہ کون ہے؟ خان نے اسے تحارت  
سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس بارے میں اتنا ہی کافی تھا میرے لیے کہ گولی  
کی کو میرے گھر آیا ہے لہذا کوئی مجرم ہی ہو سکتا ہے۔"  
"ذیل آدمی ایہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے ڈاکٹر دھنن  
کو اپنا کاروبار سمیٹ کر پاکستان چھوڑنے پر مجبور کر  
دیا تھا۔"

"کیا مطلب؟ وہ چونک کر آئی کو دیکھتے ہوئے بولا "کیا  
یہ غلام جیلانی ہے؟"  
"نہیں، یہ غلام جیلانی نہیں ہے جیلانی کا دوست اور  
دست راست اسلم آئی ہے، یہ غلام جیلانی یہ ہے؟ خان

نے میری طرف اشارہ کیا۔  
"ادھ تو تم غلام جیلانی ہو! اس نے حیرت کی  
زیادتی سے وا انھیں میرے چہرے پر مگر کوڑکے کہا۔

دونوں نرسیں بھی استہجاب کے عالم میں مجھے نکتے کی تھیں۔  
آئی بولا "اب بتا چلا تھے۔ میں نہیں کہتا تھا مجھے سے کرایسے  
باتیں ذکر میرے داروں کو بتایا کہ تو نے یہ گروہ کا کارہ قرار دے  
دیا ہے تو وہ تیرے دونوں گروہ نکال دیں گے مگر تو نے میری  
کوئی بات نہیں مانی، بڑا مانی تھا مجھے اپنی ڈاکٹر پر کوئی جو رہتا  
دے گا اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔"

"میں بہت شرمندہ ہوں بھائی! اور زیادہ شرمندہ  
دار مجھے۔ آئندہ میں ایسا خیال بھی دل میں نہیں آئے  
دوں گا کبھی۔"

"ہاں، یہی بہتر بھی ہوگا تمھارے لیے، لیکن وہ لوگ  
نہیں دوبارہ مجبور کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس وقت کیا کر دے  
گے؟" آئی نے پوچھا۔

"اب میں کسی قیمت پر بھی ان کی کوئی بات نہیں مانوں گا۔  
بنا ہے دو کچھ بھی کس میرے ساتھ؟ ڈاکٹر نے فیصلہ کن  
انداز میں کہا۔

"جو ڈاکٹر غلطی کی یہ پیش کش کر کے آئے تھے تمھارے  
پاس، تم انھیں بلاتے ہو؟ وہ کہاں رہتے ہیں؟" میں نے  
اس سے پوچھا۔

"تو مجھے بتائیں وہ رہتے کہاں ہیں۔ البتہ ایک ٹیلیفون  
نمبر دے گئے ہیں وہ ان کو جب بھی کوئی گروہ منہا ہم ہو میں انھیں  
فہر کر دوں۔"  
"مشک ہے، تو پھر اب تم انھیں فون کر کے اطلاع

دو کر ایک گروہ مل گیا ہے، آکر لے جائیں وہ تم سے۔ میں  
نے کہا۔

وہ حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا "یہ کیسے کہہ سکتا  
ہوں میں، اگر وہ لینے کے لیے آج بھی گئے تو میں کہاں سے دوں گا  
انھیں گروہ؟"

"اس کی تم فکر مت کرو میں ان کے کسی آدمی کو بلاؤں گی  
باقی معاملات ہم خود طے کریں گے ان سے۔"

"میں سمجھا نہیں، تم کڑا کیا چاہتے ہو آخر؟ کیا تم ان سے  
گروہ پہلی کرنے کی بات کرو گے؟ مگر تم لاؤ گے کہاں سے  
گروہ؟"

"تیری کھر پڑی میں بھی مجھو ما بھرا ہوا لگا ہے مجھے۔ میں  
نے کب کہا ہے کہ میں انھیں گروہ پہلی کر سکتا ہوں۔ یہ  
انداز تم نے کیسے لگایا ہے؟"

"پھر تم انھیں یہاں بلانے کے لیے کیوں کہہ رہے ہو؟ یہ  
تو ظاہر ہے وہ آئیں گے تو وہ آتے ہی مجھ سے گروہ طلب  
کریں گے۔"

"بھلے آدمی! میں ہمیشہ کے لیے ان سے تیری جان چھڑا  
دینے کے لیے ایسا کہہ رہا ہوں۔ ان کا ایک آدمی بھی ہمارے ہاتھ  
لگایا تو میں ان کی جڑیں تک اکھاڑ چھینوں گا، ہاں سے۔ پھر وہ  
تھیں بیگ میل کرنے بھی نہیں آسکیں گے تمھارے پاس۔ آئی  
کچھ سمجھو؟"

"ادھ کیا ایسا ممکن ہے؟ اگر یہ کوئی تو زندگی بھر میں بھلا  
یہ احسان نہیں بھٹولوں گا دوست! ابے دام کا غلام بن جاؤں گا  
میں تمھارا۔"

"خیر یہ تو آنے والا وقت ہی بنائے گا۔ اب تم جاؤ۔  
ان میں سے کسی کو یہاں بلانے کی کوشش کرو۔ ہم بھی دیکھیں اس  
کار خیر میں آخر کیسے کیسے لوگ جھڑے رہے ہیں۔ ہوں گے وہ بہت  
ہی پیٹھے ہوئے لوگ۔ اتنا تو یقین ہے مجھے۔ میں نے مسکراتے  
ہوئے کہا۔

ڈاکٹر فوراً پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔  
"تم لوگ بھٹو رہیں، میں فون کر کے بس اجی آؤ۔ ہوں۔ باپنج  
منٹ میں۔"

آئی نے اسے پکار کر کہا "مگر ایک بات کا خیال رکھنا، اگر  
کوئی چالاکی دکھائی دے تو میں تو تم اس پوری کوشش کو کھنڈ رہنا  
دیں گے۔ ہم سے دعا کر کے کوئی بچہ نہیں سکا ہے آئی تک۔ آخری  
بات اور گروہ نکال کر دے دے رہا ہوں تمھارے۔"

ڈاکٹر جاتے جاتے وہاں پلٹ آیا۔ بولا "تم میرے ساتھ  
جولو جیلانی، مگر میری ڈائری میں موجود ہے، خود ہی ملکہ بات

”ہاں بھائی چلا جاؤ بھی اس کے ساتھ بزرگوں نے کہا ہے جو آدمی ایک بار بے اعتبار ہو جائے، اس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ آئی نے فوراً کہا: ”اور یہ بندہ ایک بار میں غلطی سے کی کوشش کر چکا ہے لہذا قہر ضرور جاس کے ساتھ“

میں نے ڈاکٹر سے کہا: ”ٹھیک ہے، آئی کی بات مان لی لیتا چاہیے، مگر جانے سے پہلے ان مستورات سے یہ تو کہہ دو کہ اب وہ آئی کو آپریشن ٹیبل سے ہٹا کر کسی مناسب جگہ لادیں۔ یہاں اب اس کی ضرورت تو نہیں رہی شاید“

خان جلدی سے بولا: ”ان کی آپ نگر کر۔ انہیں میں بیڈ پر پہنچا دیتا ہوں ابھی، آپ کچھ زمانہ کبھی ساتھ لے لیں اپنے“

”نہیں یاد! اب ایسا بھی نہ بھولنا اس لیے چارے کو بری موجودگی میں اس کا دل بھی بے ایمان نہیں ہوگا۔ چوبیسویں ڈاکٹر“ ڈاکٹر مجھے ساتھ لے کر اپنی رانٹش گاہ کے ایک فلیٹ میں آراستہ بیڈ روم میں آگیا۔ اس نے ڈبل بیچ کے سر ہاتھ ایک دراز سے ڈاکٹر نکال کر کھولی اور کھٹے والے صفے پر ایک ٹیلیفون پر ممبرسٹری لکھ کر بولا: ”یہ خبر ہے ان کا اور وہ سلسلے اسٹیٹ پر ٹیلیفون سیٹ رکھا ہے۔ آٹھ گھنٹہ ڈاکٹر کے کمرے کے بعد کھانا کچھ ٹیسے بات کرادیں“

میں نے جھک کر ٹیلیفون بند کیا، اس کے سامنے کچھ ڈاکٹر غلطی لکھا ہوا تھا میں نے کہا تم خود ہی غلط کر بات کر لو یا! اچھے یقین ہے تم کوئی گڑبڑ نہیں کرو گے۔ میں آدمی کے لیے سے اس کی صداقت کا اندازہ لگا لیتا ہوں۔ تمہارے بچے میں کھوٹ نہیں تھا کوئی“

”پھر بھی تمہیں احتیاط ضرور کرنا چاہیے، آئی نے ٹھیک کہا تھا جو ایک بار بے اعتبار ہو جائے اس کی طرف سے ہوشیار ہی رہنا چاہیے“

”ٹھیک ہے یاد! میں اس کے کہنے سے ساتھ آگیا ہوں تمہارے، لیکن اس کی بات کا تمہیں پڑا نہیں ماننا چاہیے وہ آدمی ذرا بے باک اور مزہ پٹ ضرور ہے، مگر دل کا بڑا نہیں ہے...“

یادوں کے لیے جان بھی دینے کو تیار رہتا ہے ہر دم“

”نہیں بھئی! میں نے پڑا یا نکل میں مایا ہے اس کی بات کا۔ وہ ایک حاضر دم و آواز آدمی ہے جس راہ پر تم لوگ چل رہے ہو، وہاں آدمی کو ایسا ہونا ہی چاہیے۔ خیر، چلو میں فون کرتا ہوں، تم ریسپور سے کان لگا کر ہسپتال میں منتقل رہنا“

”اچھی بات ہے بھائی! تم کہتے ہو تو ایسا ہی کر لیتے ہیں۔“

بہر حال بات تم ہی کرنا اس سے میں نے فون کی طرف ہرستہ ہوئے کہا۔

غیر ڈاکٹر کرنے کے بعد دوسری ہی گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسپور آگیا۔ ریسپور اٹھانے والی آواز میں بڑی شہزادی تھی۔ ڈاکٹر نے اس سے کہا: ”کے ایچ ٹیسے بات کرادو میں ڈاکٹر ہے۔ اے قاضی بول رہا ہوں۔ ضروری بات کر لے“

”ایک منٹ ہوا لے کیجیے ڈاکٹر! میں دیکھتی ہوں وہ بھی اس وقت یا نہیں؟“ شہد میں ڈوبی ہوئی آواز نے کہا۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت کے بعد ریسپور میں ایک مردانہ آواز ابھری: ”ہیلو ڈاکٹر! میں کے ایچ ٹو بول رہا ہوں کہ کیا بات ہے؟“

”میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے اس وقت ایک برائے لگا ہے آکر لے جاؤ اسے“ ڈاکٹر نے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں آتا ہوں پندرہ منٹ میں، رکھا کال ہے اسے؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”گھر میں رکھا ہے ابھی تو، وہاں آجاؤ، میں انتظار کر رہا ہوں“ ڈاکٹر نے کہہ کر ریسپور کو دیا۔ پھر مجھے بولا: ”وہ خود ہی آ رہا ہے۔ کہاں استقبال کر دے اس کا؟“ یہ سن کر آپریشن ٹیبل پر: ”

”یہاں گھر میں دوسرے افراد بھی ہوں گے۔ یہاں اسٹاپ ہے“ تمہارے بیوی بچے اور ملازمین وغیرہ“ میں نے کہا۔

”ہاں، وہ لوگ آس پاس ہی ہوں گے کہیں۔ اس کے علاوہ یہ ساتھ والے کمرے میں میسروری والدہ ہوتی ہیں ڈاکٹر نے بتایا۔

”پھر تو ادھر آپریشن ٹیبل پر ہی چلو۔ اگر بات بگڑی، اور کچھ بڑگا مرنے والی ہوئی تو سب لوگ دوڑ پڑیں گے اس طرف میں چاہتا ہوں گھر کے دوسرے افراد کو اس معاملے کی خبر نہ ہو ورنہ خیال ہے تم ہی بات پسند کرو گے“

”سچ تو یہی ہے جو تم نے کہا ہے لیکن اگر مجھ ہی کوئی پڑے کوئی تو میں اسے بھی گوارا کروں گا۔ گھروالوں کو اعتماد میں لینا مشکل کام نہیں ہے“

”کوئی ایسا موقع ہی آیا تو دیکھنا ہائے کا بعد میں۔ چلو! توجہ چلتے ہیں ہم یہاں سے“ میں نے دروازے کی طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

”ہاں چلو، اسلم کو یہاں بھیج دوں گا میں۔ وہ آنے والوں کو ساتھ لے کر ادھر ہی جائے گا“ ڈاکٹر نے میرے ساتھ ہٹتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں واپس چل دیے۔ لان کے درمیان سے گزرتے

ہوئے! اچھا مجھے ایک خیال نے اٹھایا۔ میں نے وہاں تک کر ڈاکٹر کا بازو ختم ہونے کا۔ ”کو ڈاکٹر! بات سمجھیری! تم نے کیا تھا کر ان لوگوں نے نہ جانے کس طرح تمہاری کچھ تصویریں بنائی ہیں“

”ہاں، یہی بتایا تھا میں نے، لیکن اس وقت تمہیں اس کا خیال کیسے آگیا۔؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا وہ تصویریں تمہارے اسی آپریشن ٹیبل میں بنائی گئی تھیں؟“ میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔

”ہاں، وہ میں بنائی گئی تھیں۔ حیرت نواسی بات پر ہے مجھے۔ ان کا آدمی یہاں پہنچا کس طرح؟“ میں جان سکا ہوں میں: ”یہ کسی گھر کے عیدی کا کام نہیں ہو سکتا کیا؟ اس پر بھی غور کیا تم نے کبھی؟“

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو، مگر یہاں سب ہی میرے انتہائی اعتماد کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں شک کسی پر نہیں کر سکتا“

”سب کو اس معاملے میں کیوں گھسیٹتے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کونکے تمام افراد کو تو یہ پتا نہیں ہوگا کہ یہاں تم کیا کرتے ہو؟“

”ہاں، تمہارا اندازہ درست ہے۔ اسلم اور دونوں زسول کے علاوہ ایک دربان اور رہے جسے علم ہے اس بات کا ڈاکٹر نے بتایا۔

”شاید میرا اندازہ ٹھیک ہی ہے۔ تم ایسا کرو اسلم کو ادھر بھیجئے کے بجائے دربان کو ہدایت کر دو کہ وہ آنے والوں کو آپریشن ٹیبل پر لے آئے۔ یا تم خود اپنے ڈرائیونگ روم میں بٹھ کر انتظار کرو ان کا۔ پھر اپنے ساتھ ہی ادھر لے آنا“

”مگر کیوں؟“ اسلم کو ادھر بھیجئے میں کیا ہرج ہے آخر؟ تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟“ ڈاکٹر تعجب ہو کر بولا: ”کیسا نہیں سمجھتا ہے کہ اسلم اس سے بڑا ہوا ہے، مگر وہ بہت پڑنا اور بے حد دانا ملازم ہے“

”سیدھی کی بات ہے یاد! اگر وہ گھر کا عیدی جس کی مدد سے ان لوگوں نے تمہاری تصویریں حاصل کی ہیں، اسلم ہے تو اسے ہمارے پروگرام کا بھی علم ہو چکا ہے، ہم نے ساری باتیں اس کے سامنے ہی کی ہیں۔ میں نے اس پر صرف شبہ کا اظہار کیا ہے کہ کوئی عیب بہت بری شے ہے ڈاکٹر! اسے دیکھ کر کیا ان ملازمہ کا بہت مشکوک ہو جاتا ہے، تم صرف اعتماد کی بات کر رہے ہو۔ اب اگر اسے بھیجا گیا تو وہ ہم تک پہنچانے سے پہلے انہیں ہمارے ارادوں سے باغیر کر دے گا۔ نہیں بھئی، اس کو کام کے لیے بھیجنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے“

”اوہ وہ چونکہ کر بولا“ کمال ہے، ابھی! اتنے سامنے

کی بات کی طرف میرا دھیان بھی نہیں جاسکا تھا اب تک۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر ڈاکٹر غلطی کے آدمی میرے خلاف کچھ ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو اس کام میں ان چاروں میں سے کسی ایک کا اتفاق ضرور حاصل رہا ہے انہیں۔ اس کے بغیر یہ کام ممکن نہیں تھا ان کے لیے۔ اب مجھے ان چاروں کو چیک کرنا پڑے گا“

”یہ چیلنج ویلک تم بعد میں کرتے رہنا ابھی تو میں اس موجودہ مسئلے سے نمٹ رہا ہے۔ جاؤ، تم جا کر ڈرائنگ روم میں جا بیٹھو“

”نہیں، اسے وہاں لے جانا ٹھیک نہیں ہوگا، میں دربان کے ساتھ رہتا ہوں وہ اسے ادھر ہی بیچ دے گا“ ڈاکٹر نے کہا۔

”جیسا تم مناسب سمجھو، کرو۔ بس اس کا خیال رکھنا، انہیں ہمارے سامنے ایک منٹ بٹھنا ہوگی میں حق کا؟“

”مطمئن نہ ہو۔ میں دربان کو ادھر کچھ نہیں کہوں گا۔ تم ادھر ان تینوں کا خیال رکھنا اور ان میں سے کسی کو بھی باہر نہ دینا“ وہ واپس ہٹ گیا۔ میں دوبارہ اس کاڑھ میں جھکنا۔ میری واپسی بہت بروقت ہوئی تھی۔ اگر ذرا بھی دیر ہو جاتی تو وہ دونوں پڑیاں اڑ چکی ہوتیں۔ دروازے سے اندر قدم بھرتے ہی، وہ مجھے صحن عبور کر کے اپنی طرف رجعتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ ایک ثانیہ کے لیے ٹھکیں، پھر ان میں سے ایک ایسی بڑبڑ کر مسکان کا جال چھیننے آگے چھٹی ہوئی بولی: ”آپ کے رفیق کو ہم نے بیڈ پر آرام سے لٹا دیا ہے۔ تجلہ اشت اس کی اسلم کے ذمے ہے۔ لہذا اب یہاں کوئی کام تو رہا نہیں ہے، اس لیے اب ہم واپس جا رہے ہیں“

”نہیں جی، اس طرح نہیں سوچا کرتے۔ کام تو انسان کے لیے ہر جگہ، ہر گھڑی موجود رہتا ہے۔ یہ کیسے سمجھ لیا آپ نے کہ اب کام نہیں رہا ہے کوئی یہاں آپ کے لیے؟“

دوسری شخص نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے تو شش انداز میں مسکرا کر بولی: ”آپ ٹھیک کہتے ہیں کام تو کبھی ہی نہیں ہوتا“ لیکن ہمارے جانے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اب ہم ٹھیک گئے ہیں۔ کام کر کے کے ادھر دیر آرام کر کے تازہ دم ہونا چاہتے ہیں۔“

”ناجی! بات تو میں آپ کی مان ہی نہیں سکتا بھی بڑا تازہ تو آپ دونوں پہلے ہی اچھی خاصی ہیں، اور آرام کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ آپ یہاں بھی کر سکتی ہیں۔ ادھر میرے بارانی کے آس پاس کچھ اور بیڈ بھی ضرور ہے ہوں گے۔ وہاں آرام کریں آپ دونوں۔ دیکھیں یہ بات ہمارے اور آپ دونوں کی کے خاتمے میں جاتی ہے“

”آپ میں غلط سمجھے ہیں جناب! فضول باتیں نہ کریں ہم سے، نہیں جانے دیں نہیں“ پہلی نے تڑخ کر کہا۔



”ہزار مائیں جی، میں نے کوئی غلط بات نہیں کی ہے آپ سے۔ آپ اسے غلط سمجھ لیں تو بات دوسری ہے۔“

”اچھا جی، ہم نے سمجھنے میں غلطی کی ہے تو پھر آپ ہی بتائیں ذرا، یہ دونوں کے فائدے سے مطلب کیا تھا آپ کا؟“

”بہت آسان سا مطلب تھا اگر آپ سمجھنے کی کوشش کریں تو دیکھیں مائیرے یا رابی کے ہاؤس میں گولی کا جڑ غم ہے وہ تو دیکھا ہی ہے نا آپ دونوں نے آپ خود سوچیں اس زخم میں تکلیف کتنی ہوتی ہوگی آپ دونوں اگر اس کے سامنے رہیں گی تو اس تکلیف کو قبول کر آپ کو دیکھتا ہے گا وہ حسین چرسا ساس کی کمزوری میں آپ کی مزدوری میں اسے بڑا آدمی ہے گا اور آپ دونوں بھی وہاں آرام کرتی رہیں گی۔ آخر ڈاکٹر صاحب نے اپنی تین نرسوں کا انتخاب ہی لیے تو کیا ہے ان کے سامنے نرسوں کو دکھ درد کا احساس نہ ہے۔ یہ تو فرض بھی ہے آپ کا پھر اس میں غلط بات کہاں نظر آگئی آپ کو؟“

دوسری والی نے میری بات سن کر اپنے حلقے میں جلی نزل لگ کر کہا شروع کر دیے۔ پہلی والی اسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”یہ سمجھ گیا ہوا ہے نرسوں کیوں اس طرح قہقہے لگاتے جا رہے ہیں، دماغ تو نہیں چل گیا ہے یا؟“

نرسوں نے اپنے بے ساختہ قسم کے نفرتی فقروں پر ہلکا ہلکا کر کہا میری ایک نہیں میں کے گی ان کے سامنے عشرت بیگم! ان کی تو زبان بھی اتنی ہی تیز چلتی ہے جتنے ہاتھ چلتے دیکھتے تھے ہم نے، آہل راولپنڈی ہیں یہ، ہوں یہ تو اتنی شہرت نہیں مل گئی ہے انہیں۔“

اسی وقت ڈاکٹر بھی وہاں آگیا اور ہمیں اس طرح کھڑے دیکھ کر بولا۔ ”کیا بات ہے بھئی؟ یہاں کیوں کھڑے ہو تم لوگ؟“

عشرت جلدی سے بولی۔ ”ہم اپنا کام ختم کر کے گھر جا چاہتے ہیں ڈاکٹر صاحب! مگر یہ صاحب راستہ روک کر کھڑے ہو گئے ہیں ہمارا۔ جانے ہی نہیں دے رہے ہیں ہمیں کہتے ہیں ادھر مرلیٹوں کے پیروں پر جا کر آرام کر لو جا کر۔“

ڈاکٹر نے میری طرف دیکھ کر کچھ کہنا چاہا مگر میں نے دونوں لوگوں کی نظر بٹکار اسے آنکھ سے اشارہ کرنے کے بعد کہا میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا ہے نا ڈاکٹر! شاید ان کی ضرورت پڑے جاتے ہیں۔ یہاں رہیں گی تو فوراً دستیاب تو ہو جائیں گی نا میں۔“

ڈاکٹر میری بات کا مطلب سمجھ کر بولا۔ ”ہاں، کہتے تو چیک ہی ہیں یہ۔ کیا ہرج ہے تھوڑی دیر اور رک جاؤ تم دونوں۔“

ان دونوں نے خالی خالی دروازے ان نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کی جگہ لگ کر قیامت رونق اٹھوں گی

جھللاتے ہوئے سارے سارے غروب ہو گئے ہیں۔ وہ دونوں بچھ کر رہ گئی تھیں ڈاکٹر کو میری تائید کرتے دیکھ کر پھر انھوں نے نفرتی جھجکائیں، اور پلٹ کر بوجھل بوجھل قدموں سے اندر کی طرف چل دیں۔

ڈاکٹر نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا: ”انھیں اس کی تڑپ نہیں سمجھی کہ میں تمہارے کہنے سے انھیں روک دوں گا۔“

بہت بادل ہو گئی ہیں اس وقت، لیکن میں سمجھتا ہوں پھر روک لینا ہی بہتر تھا۔“

”ہاں، ہم کیوں اس رسک نہیں لے سکتے اس گھڑی ڈاکٹر! لیکن تمہیں اگر ان کے چروں پر ٹوٹ کر دیکھ کر دکھ ہو رہا ہے تو چھپانے کی اجازت دے دو انہیں۔ پھر کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا ماناں! ادا کی تو دور ہو رہی جلتے گی نا کم از کم۔“

اس نے نیچے نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا: ”مذاق ادا رہے ہو میرا حال نا حسین صورت نماز اسے کمزوری ہے لوگ!۔“

”ہاں بھائی، یہ کمزوری ہوتی جی جی کمزوری ہے ڈاکٹر بات پر شکستہ دل ہو جاتی ہے، ہزاروں بار دل ٹوٹ کر ٹھکے جا رہے ہوتا ہے اس کا، مگر کام پھر بھی وہ پوری طرح کرنا رہتا ہے۔ حرکت کرنا بھی نہیں سمجھتا ہے وہ۔“

”معلوم تھا ہے تم میں جیادیا ہی جس بالکل نہیں ہے مجھ حسدوں کے بارے میں آتی ہے وردی سے سوچتے ہو تم۔“

”جس تو میرے اندر عام آدمیوں سے کچھ زیادہ ہی شہا تھیں، لیکن یہ پری چہرہ لوگ اس نہیں آتے ہیں بھی تھے۔ جب بھی کسی کی طرف توجہ کرتا ہوں کسی دیکھی مشکل میں جھنسن کرتا ہوا کہیں سے کہیں جالنگ ہوں، پھر دوبارہ ادھر جانا نصیب نہ نہیں ہوتا۔“

اس بار ڈاکٹر مجھے ہم کہنے میں لے کر گیا وہ کوئی دوسرا کمرہ تھا۔ وہاں ایک چھوٹی سی رینٹیک مہیل اور ایک صوفیٹ چلتے سے لگا ہوا تھا۔ یہاں شاید ڈاکٹر مخصوص لوگوں سے ملاقات کر رہا تھا۔ اس کمرے سے طبقہ ایک کمرہ اور تھا، جسے ایک دروازہ مل کر سے ملا تھا۔ اس کمرے میں مرلیٹوں کو علاج کے لیے لگایا تھا۔ دونوں کمروں کے درمیان دروازہ کھلا ہونے کی وجہ سے طرف پڑے ہوئے مرلیٹوں کے پتے مجھے دکھائی دے رہے تھے اور ادھر ہی سے آبی کے چپکنے کی آواز کی سناہی دے رہی تھی ایک صوفیٹ پر بیٹھ گیا مگر میں سیدھا اس کمرے کی طرف بڑھا ہوا۔

آہی ایک بیڈروم پر لپٹا ہوا خوشگوار موزوں میز پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھ کر لگن زمان اور خان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہوئے دیکھ کر وہ چلا گیا اوتارے بھی غلام جیلانی میرے بارے میں خوش رکھے اور میری کو تیرے جیسا یا ربابی عطا کرے تو کتنا ہے

منا ہے بھئی میرا۔ بڑے احسانات ہیں یا میرے آپ تیرے۔“

میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: ”بہت نیکی اور ربابی ملے اسے خواتین کے سامنے میری زبان کے لیے بریک فیل ہو جاتا ہے ایک دم۔ حالانکہ مجھے ان کی ذات ہمارے کام سے فیض حاصل نہیں ہوتا کبھی بھی۔“

”اوتارے چپ ہو جا سارے مولوی چراغ نہ لیں! میں جانتا ہوں زینے لگا ہے مجھ سے اب۔ مگر اس میں میرا کیا قصور ہے بھئی۔ بہت خندے تیرے لیے اس کو دنیا میں کوئی حشر تھا کبھی ہی نہیں تو میں کیا کروں؟ مجھے تو خوش ہونا چاہیے بارگاہ اس ملک نے اس فانی دنیا میں تیرا حشر سمجھنے کے بجائے اسے ادھر ہی کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ جوڑیں میں کی تھیں پتہ وہاں ان کے بدلے میں اور ہم جیسے دوزخ میں تیری قسمت پر رشک کیا کریں گے کیوں بھی خاتون غلط زینیں کہا ہے نا میں نے؟“

”بہت دلچسپ اور زور دل آدمی ہیں جیلانی صاحب! آپ کے دوست۔ اس حالت میں بھی ان کی طبیعت کی شگفتگی میں کی نہیں آتی ہے۔ بڑا حوصلہ جوش ہے خدانے انھیں خانیہ پری طرف دیکھتے ہوئے خوش دلی سے بولا۔

”اسے بڑا ذلیل آدمی ہے، تم جانتے نہیں ہو اسے۔ صنف نازک کو دیکھ کر اس کی طبیعت یوں لہر لہی لگتی ہے جیسے بین کدھن پر سانپ لہرا رہا ہے۔ ایک ہزار سال کا شیش ناگ ہے یہ جواب انسان کے روپ میں آگیا ہے۔“

آہی جواب میں کچھ کہنے والا تھا مگر پیچھے سے ڈاکٹر نے مجھے آواز دے کر کہا: ”ادھر میرے پاس آکر بیٹھو جیلانی! میرا دل بڑی طرح ہول رہا ہے۔ وہ لوگ کسی بھی لمحے پھٹنے والے ہوں گے۔“

”اچھا اچھا یا! آ رہا ہوں میں؟ میں نے اسے جواب سے کر کے میں چاروں طرف نظروں دوڑائیں۔

ایک کونے میں ایک بیڈ پر تیسریں اور عشرت بیگمیں بیٹھ کر رہی تھیں۔ ان کے قریب ہی دوسرے بیڈ پر اسلم بیٹھا تھا میں نے ان کی طرف سے مطمئن ہو کر خان سے کہا: ”خان! تم اور گل زمان ادھر میرے ساتھ آؤ۔ راولپنڈی تو میں نا تھا اسے پاس؟“

وہ دونوں اٹھتے ہوئے بولے: ”ہاں، بیستوں ہم نے کچھ بکسے ہیں اپنے پاس۔“

میں نے آہی کے اوپر جھک کر اپنا ہار اور جیب سے نکال کر اس طرح اس کے منہ کے پیچھے رکھا دیا کیشوں، عشرت یا اسلم سے کوئی مذاق نہ لگا سکے کہ میں نے کیا کیا ہے۔ پھر آہی سے کہا۔

”ان تینوں پر نظر رکھنا۔ ان میں سے کوئی بھی اس کمرے سے باہر جانے کی کوشش کرے تو فوراً اور نکال کر اسے گور کر لیا۔ جانے نہ دینا ہمارا زمانے تیرے شک گولی مار دینا اسے۔“

میں خان اور گل زمان کو لے کر اس کمرے سے نکل کر ڈاکٹر کے پاس آگیا۔ ادھر کدھن نے گل زمان سے آہی والے کمرے کا ڈھانچہ بند کر دیا۔ پھر اسے اور خان کو اس دروازے کے دائیں بائیں کھڑا کر دیا پھر اسے مہمانوں کے آنے کی توقع تھی۔ ڈاکٹر کو میں نے رائٹنگ ٹیبل کے پیچھے کرسی پر بیٹھا دیا اور اسے کہا کہ وہ ٹیبل لیپ جلا کر اس طرح رکھ لے کہ اس کی روشنی صرف میرے پر پڑے اور اس روشنی میں کوئی ناخوش و غیظہ کھول کر اس کا مطالعہ کرنے کی پوزیشن اختیار کرے۔ ڈاکٹر نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں کمرے کی تمام لائٹیں بجھ کر صوفے پر جا بیٹھا۔ اب کمرے میں کل تاری تھی۔ ٹیبل لیپ کی محدود روشنی میں خان اور گل زمان کا دیکھ لیا جانا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ ڈاکٹر بھی پوری طرح نظر نہیں آ رہا تھا اور مجھے بھی پوری توجہ دینے پڑی دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ اس سارے انتظام کے بعد ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کمرے کے بیرونی دروازے پر قدموں کی بھاری آواز نہ بھری اور چند لمحے بعد ہی دوسرے کمرے میں رنگ آئے۔ ان میں سے ایک ڈالیا اور دوسرا دیا جانے لگا تھا۔ اندر پاؤں دھرتے، ہی ان میں سے ایک نے ڈاکٹر کو مخاطب کیا۔ ”سیلو ڈاکٹر! اندھیرا کسے انتظار کر رہے ہو ہمارا۔ کیا روشنی میں لین دن کرتے ہوئے شرماتے ہو؟ حالانکہ تم جیسے آدمی کو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔“

”آہستہ بولو۔ اندھیرا میں نے اس لیے کر دیا ہے کہ برابر والے کمرے میں مریض اور اس کے ساتھی موجود ہیں۔ انھیں کچھ بتائیں چلا جائیے۔ بے حد خوفناک لوگ ہیں وہ، اگر شبہ بھی ہو گیا انھیں کسی گورڈ کا تو مصیبت کھڑی کر دیں گے وہ ہمارے لیے۔“

”اوتارے، مگر ایسے خطرناک لوگوں پر ہاتھ ہی کیوں ڈالا ہے تم نے۔ تمہیں خیال رکھنا چاہیے تھا اس بات کا۔“

میں نے اپنی ہلکے سے آنکھ کسٹ کر پوری طرف بڑھتے ہوئے کہا: ”لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا میری آواز سن کر وہ دونوں بھی کی تیزی سے میری طرف گھومے۔ یہ کیوں ہے ڈاکٹر؟“ اسی شخص نے پوچھا جو ڈاکٹر سے مخاطب تھا۔

میں نے سوچ کر پورے پاس پہنچ کر کمرے کی تمام لائٹیں روشن کر کے کہا: ”لو، دیکھ لو مجھے ابھی طرح سے اور اگر پہچان سکتے ہو تو پہچان بھی لو کہ میں کون ہوں؟ یہ کہتے ہوئے میں دونوں کے قریب چلا گیا۔

وہ دونوں دکھائی دی تھیں۔ اپنے چہرے ہرے اور لباس سے وہ اچھے خاصے مندر اور پڑے تھے لگتے تھے۔ انھیں کچھ کر کوئی یہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان کے سینوں میں اتنے سیا

دل رکھے ہوں گے۔ دراز قد شخص نے مجھے انخوردیکھتے ہوئے کہا۔  
 "کون ہو مجھ؟ اور یہ بات کس لمحے میں کر رہے ہو تم سے ...  
 انسانوں کی طرح بات کرنا نہیں سیکھا ہے کیا تم نے؟"  
 "انسانوں کی طرح بات میں صرف انسانوں سے ہی کرتا  
 ہوں۔ وحشی دندوں سے بات اسی طرح کی جاتی ہے۔ میں بولا۔  
 "کیا کہتے ہو، ہم بہت مذہب شریف لوگ ہیں۔ پھر وہ  
 فکرمندی طرف مڑ کر بولا یہ کیا پکڑ ہے ڈاکٹر؟ کون ہے شخص؟"  
 میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ کا ایک جھانچا اس  
 کے منہ پر لگاتے ہوئے کہا۔ وہ آکھ سے کیا پوچھتا ہے خنزیر کے  
 پچھے! اور مجھ سے بات کر میں کہ اس کا ہاتھ سے تلافی اپناؤ  
 وہ مار کھا کے چند قدم لٹکھڑکتے ہوئے پیچھے ہٹا گیا اس  
 کے پسندے قدرتا تھی۔ اس کا شرف دیکھ کر تیزی سے اپنے کوٹ کی  
 اندرونی جیب کی طرف ہاتھ لگا لیا۔ میں نے اسے مسدود نہیں  
 دی اس کی، اور چیتے جیسی پھرتی سے ہٹ کر اس کے پیٹ پر  
 لات ماری۔ وہ ایک دم پیچھے الٹ گیا۔ اس اثنا میں دراز قد شخص  
 نے سنبھل کر رول اور نکال لیا اور اسے مجھ پر بیدھار کے دھاڑا۔  
 "بس خبردار اب حرکت نہ کرنا یہی جگہ سے، نہیں تو لاش گر اوٹن کا  
 میں تیری۔ اب اس کے لمحے سے دند کی پوری طرح عیاں تھی۔  
 اس کے رول اور پر سائینسنگ کا بھڑا تھا اس کا مطلب تھا  
 کہ وہ بھی اپنے ساتھ ایک چمپ شاہ لیے پھرتا تھا لیکن یہ اس کی  
 بغیر بھی تھی کہ اس کے استعمال کا موقع نہیں مل سکا۔ یوں بھی  
 میرے سامنے اس کا وجود ایک قدرے بھاری پتھر سے زیادہ  
 کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اسے چھبکا کر مجھے مارنے کی  
 کوشش کرنے کے سوا کسی اور خطرناک طریقے سے استعمال نہیں کر سکتا  
 تھا مگر خان نے اسے اس کا بھی موقع نہیں دیا۔ اس کے ہاتھ میں  
 بھی ایک چمپ شاہ دبا ہوا تھا۔ جیسے ہی اس نے رول اور مجھ پر  
 تان کر مجھ دھڑکا یا، خان کے رول اور سے ہی اس کی ٹھیک کی آواز  
 کے ساتھ ایک شعلہ نکل آیا اور دراز قد شخص کے ہاتھ سے اس کا رول اور  
 نکلے۔ ... کہ دوڑ چاگرا۔ اس کے ساتھ وہ شوق لمحے میں بولا۔  
 "جے ایمائی نہیں چلے گی مسٹر! اسلحہ کے استعمال کی نہیں  
 مہربانی ہے۔"

کے چکر میں اس کی طرف سے چند سینکڑوں کے لیے غافل ہو گیا۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ لومری کی سی عیاری سے کام لے کر زمانے کی طرح میرے پیچھے پیچھ گیا۔ مجھے اس وقت پہچان کر جب اس نے پیچھے سے مجھے لٹکایا تو خبردار حرکت نہ کرنا۔ منتھار اکیلے غم ہو گیا ہے۔ اپنے ہاتھ اور پاٹھاروں کی جلی سے میں نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنا ریلوے پٹا نہ بھڑکا اور خود ریلوے پٹوں سے مجھے گھوڑ پٹاتا مجھے لڑکھڑکاتی نظر پڑا۔ پارہ دو پارہ کر گیا۔ میں سنائی تم نے۔ ہاتھ اور تھاڑ اوپر، دو دو لڑکھڑکی میں ذرا بھی تامل نہیں کروں گا میں ۱۱

میں آہستہ آہستہ اس کی طرف گھوم گیا اور اس کی آنکھوں پر آنکھیں ڈال کر حشرات سے کہا ۱۲ تو بھی اپنی حسرت نکال لے لی لیکن ایک بات تم نے میری، آج کے بعد تم کو لوگوں کو یہ وسیع کرنے کا دوبارہ موقع نہیں مل سکے گا۔ ایسے فیضانِ صفت لوگوں کو زندہ چھوڑ دینا میں بالکل پسند نہیں کروں گا ۱۳

اس نے میری بات بردھیاں دیے بغیر خان اور گلزار سے کہا ۱۴ تم دونوں اپنے اپنے ریلوے چینک کر کھٹکھٹاؤ اور دور منتھار ساتھ میری گولی کا نشانہ بنے بغیر نہ سکے گا ۱۵

میں نے گردن پیچھے موڑ کر خان سے کہا ۱۶ تم لوگ اس مندر بھیجی ہیں اے بغیر اپنا کام کرو، اس کی ٹکڑی کو دتم، ایسے بذات اور نگاہ انسانیت آدمی کے ہاتھوں میری زندگی بر ملاؤں دے گی کبھی۔ تم دونوں اس کے ساتھ کو مانہ لو آگے آؤ گے ۱۷

بسنہ قد شخص نے پیش میں کر میرا نشانہ بنے ہوئے کہا ۱۸ تو تیرا خیال ہے میں صرف دھکی دے رہا ہوں تجھے، گولی چلا نہیں سکوں گا میں۔ ٹھیک ہے، تو نے مرنے کا فیصلہ کر ہی یا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں ۱۹

اس نے ریلوے کے ٹرین پر دو پاؤں اٹھا شروع کیا، لیکن گولی چلنے کے بجائے اس کی آنکھیں ہیرت کی زیادتی کے سبب دھکی چلی گئیں۔ ٹرین کا اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اس نے دونوں ہاتھوں کا پورا زور صرف کر دیا تھا کہ وہ اپنے اڑنے سے روکے گا یا یہ نہیں ہو سکتی۔ اس نے کھجور ریلوے کے پٹے پر اسے روک دیا۔ اگر موقع ملے تو گھد واپس جا کر اس کے تیل سے صفائی کر لینا اس کی ۲۰

میری بات نے اس کی کھجور پڑی میں انگارے بھر دیے تھے۔ ایسا۔ اس نے کھجور ریلوے پوری قوت سے مجھ پر کھینچ دیا۔ اس کے لیے پہلے ہی تیار تھا۔ میں جانتا تھا کہ آواز وہ کھجور کی حریر استعمال کرے گا۔ چنانچہ اس کا ہتھوڑا حرکت میں آئے ہی میں

بہ طرف ہو گیا اور وہ رولوار اڑھتے ہوئے میرے منہ کے سامنے  
 زکریہ سے پیچھے کھڑے ہوئے اس کے سامنے کی پشت سے  
 ہانکنا۔ اس نے پلٹ کر غضب ناک نگاہوں سے مجھے گھورتے  
 ہوئے کہا : میرا دوپٹا کی تو ہواں بھی سلامت نہیں چھوڑ دینا گریز  
 میں نے مسکراتے ہوئے کہا : ”مجھ پر کیوں غصے ہو  
 ہے ہو رہے جانی؟ میں نے تو نہیں مارا ہے تمہیں۔ یہ تمہارے  
 آپ بچنے نے ہی رولوار پھینکا ہے تمہاری طرف، وہی لگا ہے  
 ہا کہیں۔“

میں اس کی طرف متوجہ ہو کر بھی دوسری طرف سے غافل  
 نہیں ہوا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر اس کی طرف سے تھوڑا سا  
 زنج پھیرا تھا کہ وہ مجھ کو اپنی جانب سے غافل ہا کہ مجھ سے  
 است بہت آجھڑنے کی کوشش کرے۔ کن آنکھوں سے میں  
 اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ تو قلع کے سلطان اس  
 نے مجھ دوسری طرف متوجہ پا کر چپکے کی طرح ہر جہت لگائی۔  
 میں اسے فضا میں بند ہوئے دیکھ کر پھرتے کے ساتھ اپنی جگہ سے  
 ہٹ گیا۔ اس سے کہہ باجھ اندازے کی غلطی ہو گئی تھی۔ وہ اڑتا  
 ہوا اپنے ہی سامنے ہوا جا رہا تھا اور وہ دونوں باہم ایک دوسرے  
 میں اٹھے ہوئے زمین پر جا گئے تھے۔ ان کے گرتے ہی خان اور  
 گل زمان ایک کران کے سرورہ پر جا پیچھے۔ انھوں نے اپنے  
 اپنے رولوار ان کی طرف کر کے کہا : ”خبردار! اب اٹھنے کی کوشش  
 نہیں کرنا۔“

وہ دونوں جہاں گرے تھے وہیں ساکت ہو کر چڑے رہے۔  
 مکہ نے انھیں مخاطب کیا : ”کیوں بھئی، تمہارے دل کی حسرتیں  
 نکل گئیں یا ابھی کچھ باقی ہیں؟“

دراز نے سر اٹھا کر مجھے پھاؤ کھانے والی نظروں سے  
 گھومتے ہوئے کہا : ”یہ رولوار الگ رکھ دو۔ پھر بتاؤں گا میں تمہیں  
 کو میرے دل کی حسرتیں کس طرح نکالتی ہیں۔ رولوار کی زمین لے  
 کر تو زمانے بھی چوڑے ہونے لگتے ہیں۔“

”خان کو رولوار کا استعمال پسے تم نے ہی کیا تھا۔ پھر بھی میں  
 تمہاری آخری خواہش ضروری پوری کروں گا۔ میں بھی مرنے والوں  
 کے سینے میں کوئی ادھر دھری آرزو رہنا نہیں چاہیے۔ تم دونوں متاثر  
 کرو ایک ساتھ یا باری باری آؤ گے؟“

”اگر میرے ہاتھوں سے یزید کا توبہ دونوں سے لڑنے  
 کی تمنا بھی پوری کر لینا۔ وہ حقائق سے بولا۔

میں نے خان سے کہا : ”ٹھیک ہے مہتمی، تم دونوں اس  
 دوسرے سرخے کو لے کر ایک ہٹ جاؤ۔ میں اس کے بازوؤں کا  
 زور بھی دیکھ لوں۔“

”بڑا نا پسے! شاید اپنے زور بازو پر  
 یزید کی

جنگ کیوں بنانے پر تہمت لگائے گئے ہو تو کم اس جگہ کو۔ اگر اتنا شوق ہے  
ریسنگ کا تو یہاں سے کہیں اور جا کر یہ شوق پورا کر لو اپنا۔ مجھے  
کیوں سولی پر لٹکا رکھا ہے آخر؟“

”اوئے، تم کیوں پریشان ہو رہے ہو جی! خدا  
کا شکر کہ تمہیں ہر صبح سولی پر چٹانے سے پہلے ہی اس آدمی ملنے  
آگئے ہیں ہمارے۔ ورنہ تم نے جو حرکت کی ہے ہمارے آدمی کے  
ساتھ، وہ تمہیں قبر میں ضرور آنا دیتی۔“

”ہیں..... میں نے..... کیا کیا..... ہے..... تم مجھے....“

وہ بری طرح ہلکانے لگا۔

”اچھا اب چپ کر کے دیکھتے رہو یہ تماشا۔ دریاں میں بہت  
ڈکرنا باقی ہیں۔“ میں نے سخت بیچم میں تنبیہ کی۔

وہ اس صورت حال سے پہلے ہی غاص پریشان طور پر تھا،  
میرے لیے کی سختی نے اسے اور سمادیا۔ وہ خاموش ہو کر  
بیٹھ گیا۔

میرا مقابل اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنا کوٹ، اور  
ٹائی تاکر ایک طرف صوفے پر اُچھال دی اور دونوں ہاتھوں کی  
ہتھیلیاں کھڑی کیسے کرانے کی پوزیشن اختیار کر لی۔ وہ مسلسل  
بینتر سے بدل بدل کے حرکت کرتا جا رہا تھا اور میں اس پر  
نفرت جالتے اس کی ایک ایک حرکت کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے  
انداز سے میں نے کچھ ناخاکہ اور جو دو کرانے کے فن میں ماہر اور  
نہیسی تو کم از کم تھوڑا حد ضرور رکھتا تھا۔ جب کرکھے اس فن کے  
بارے میں معلومات نہ ہونے کے راز تھیں۔ لہذا مجھے نہایت  
حاضر دماغی اور پوری توجہ سے اس کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس نے حرکت  
کرتے کرتے اپنا ایک حلقے سے مخصوص قسم کی آواز نکالی اور بھا  
میں اُچھلا۔ میں فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے فلائنگ ملک لگانے  
کے لیے جھیل لگ لگائی تھی مگر میرے پیچھے ہٹنے کی وجہ سے  
اُڑتا ہوا میرے پیچھے پھنسل گیا اور چونکہ اس کا وارڈ خالی تھا اس  
وجہ سے اسے وہ سہارا بھی نہ مل سکا جس سے فلائنگ لگانے کے  
بعد آدمی دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ  
وہ پشت سے بل زمین پر جا گرا۔ اس آواز میں میں اٹھ کر اس  
کی طرف گھوم چکا تھا چنانچہ نیچے گرتے ہی میں اس کے سر پر  
اپنے بوٹ کی نوک سے زور دے گاڑ دیا۔ وہ پیر جھا کر اوپر  
اُچھل کر مجھے کی کرکشی کر رہا تھا۔ کرانے کا ماہر اور دارن حال جانے  
کی وجہ سے کبھی جاتے تو وہ عام آدمی کی طرح پلٹن کھا کر پھوڑ  
کے سمار سے دوبارہ اُٹھنے میں وقت برباد نہیں کرتا۔ وہ وگرتے  
ہی زمین پر پیر جھا کر اپنے جسم کو ایک خاص انداز سے اوپر اُچھال  
دیتا ہے یوں وہ بس پک چھپکتے ہیں اپنے پیروں پر کھڑا نظر آنا  
ہے مگر میں نے اس پر وار کرنے میں اتنی پھرتی کا مظاہرہ نہیں کیا

اسے وہ ایک بل بھی نصیب نہ ہو سکا اٹھنے کے لیے ٹھوکر کھاتے ہی وہ بے تارن ہو کر پھر بیٹھے جا پڑا۔ میں نے دوسری ٹھوکر پھر اسی جگہ لگائی۔ وہ بڑی طرح بیلا آٹھا مگر میں اسے دوبارہ اٹھنے کی مصلحت دینے کو بالکل تیار نہیں تھا۔ چنانچہ تاثر تو اس کے سر پر غصہ کو دیکھ کر برساتا چلا گیا۔ یہ ٹھوکر پر اس کے منہ سے کراہ نکل جاتی تھی۔ بالآخر چھ ٹھوکریں کھانے کے بعد اس کے سر سے خون جاری ہو گیا، اور کراہیں جیڑوں میں تبدیل ہوئے لیکن زندہ اچانک سانپ کی طرح بل کھا کر پٹا اور دونوں انگلیں نیزی سے اٹھا کر میرے سینے پر دسے ماریں۔ وہ کسی مگدہ کی طرح مجھے لگی تھیں اور میں اٹھ کر پیچھے جا پڑا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ ناگیاں اس وقت میرے سینے پر لگ جاتیں جب اس نے فلاننگ لگ لگانے کی کوشش کی تھی تو اس وقت صورت حال بالکل ہی مختلف ہوئی۔ کچھ قسمت ہی اچھی تھی کہ اس گھڑی میں ان سے بچ گیا تھا۔

میرے گرنے کے بعد اسے اتنا تو موقع مل ہی گیا تھا کہ وہ منجھل کر دوبارہ کھڑا ہو جاتے۔ میں نے دوبارہ اٹھنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی اور اس اثنا میں وہ بھی اٹھ گیا تھا، لیکن میری اس کے سر پر لگائی جوتی ٹھوکروں نے اس کا کبھی ہلکا نہ دھکا دیا تھا، اور قدم چاکر کھڑے ہوئے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ سیٹھلنے کی کوشش کرتے ہوئے خون آنا مگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اپنی طرح اس پر جھپٹ پڑا اور دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن تھام کر سر سے اس کی ناک پر زوردار ٹکرائی۔ اس کے لیے یہ ضرب ناک کا رنگ ثابت ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹ پھٹ گئے تھے اور شاید ناک کا باندھ ٹوٹ جانے کی وجہ سے ناک سے بھی نکلنے کی طرح خون بہنے لگا تھا۔ میں نے اسے چھوڑ کر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں اپنا گھٹنا دسے مارا۔ اب اس کے سارے بل نکل چکے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ کر کھٹکے ہوئے شہتیر کی طرح آوندھے مزہ میں پڑ جاگا۔

میں نے اس کے دوسرے ساتھی کو دیکھ کر کہا "اوئے آج بھی تو بھی نکال لے اپنی حسرتیں، تو کیوں اپنا دل چھوڑ کر کچھ لگ کر زمانے نے ستمیں آئین لگا دیوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "اے خدا! اس سے تو مجھے دودھ باندھ کر لینے دو۔ بہت دن ہو گئے ہیں ہاتھ پاؤں ہلاتے ہوئے۔ بڑا درد رہنے لگا ہے بدن میں میرے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اچھا بھی تھیل تو بھی اپنا بدن دلو لے، مجھے اعتراض نہیں ہے کوئی، مگر دیکھ لے یہ

ٹھیک سے دبا بھی گئے کا تجھے سانس واش بھی کر سکتا ہے یہ سانس ڈاکڑ اپنی جگہ سے اٹھ کر جلدی سے اس نے جان رکھی کہ پاس آ بیٹھا کیا اسے بالکل ہی غم کو دیا ہے تم نے، یہ تو... یہ تو بہت بڑا کیا ہے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا تمہیں۔ میں پولیس وائس کے چکر میں نہیں پڑ سکتوں گا۔ وہ جلدی جلدی اسے ٹھونسنے لگا۔

"اوتے تو کیسا بڑول آدمی ہے یا! غیر قانونی کام بھی کرتا ہے اور پولیس سے بھی ڈرتا ہے۔ ٹھکر کو اس کی مرادراجیں ہے یہ۔ ابھی مر بھی کیسے سکتا ہے۔ ابھی تو بڑے کام لینا ہیں مجھے اس سے۔ یہ چاہے گا بھی تو مرنے نہیں دوں گا میں اسے۔"

"خدا کے لیے بھائی! دم کرو مجھ پر، یہاں یہ خون خرابہ دارز تم۔ انہیں یہاں سے لے جاؤ، پھر جودل چاہے کتنے رہنا ہاں لے جاؤ... لے جاؤ انہیں... وہ میرے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گھٹکھانے لگا۔

مجھے اس کی حالت دیکھ کر ہنسی لگئی، میں بولا "اچھا اچھا مرا کیوں جانتا ہے میرے سارے زور۔ ہم ساتھ ہی لے جائیں گے انہیں اپنے، لیکن اس سے پہلے ایک کام کرنا ہو گا۔ میرے بچے ہمارا۔ بول کیا کہتا ہے؟ کہے گا نا تو وہ کام؟"

وہ جلدی سے بولا "ہاں! ان کروں گا، ضرور کروں گا بولو... بولو... کیا چاہتے ہو تم؟"

"ان دونوں کو ہم ادھر پریشن تھیل میں لے چلتے ہیں۔ تم ان کے گردے نکال لو، پھر ہم انہیں لے جائیں گے اپنے ساتھ۔"

"کیا... کیا... ان کے گردے...! مگر تم کیا کرو گے ان کے گردوں کا؟ تمہارے کس کام آئیں گے وہ ڈاکٹر حیرت سے آجھیں مچا ڈکڑ بولا۔ اس کا منہ بھی حیرت کی لافا کے سبب کھل گیا تھا۔

"میرے محلے کے کتنے آدمی کے گردے بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ انہیں کھلاؤں گا میں۔"

وہ ہستہ شخص میری بات سن کر زور سے چہنی بکھا بند کر اوتے کھوتے خون کی جاذبوں کا میں تیرا۔

وہ چلتا ہوا میری طرف دوڑا لیکن کل زمانے سے مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی کرے پڑ کر ایک طرف پھینک دیا۔ وہ ایک سوٹنے پر جا کر گرا مگر خود ہی اٹھ کر میری طرف بھاگا۔ اس بار کل زمانے اس کی ٹانگوں میں ٹانگ مار کر لے گئے گرا دیا۔ اس نے پھر اٹھا جاتا تو کل زمانے نے پیچھے سے اس کا کار پوڈ کر تیزی سے اپنا گھٹنا اس کی پر پر رکھ کر اس کا سر

میں پر سے مارا۔ وہ بڑی طرح چلتے ہوئے مغلفات کھینچتا ہاں پر شاید لوہی کا دورہ ہو گیا تھا۔ میری زبان اپنے انجمام سے باہر تھی اس کی کھوپڑی سنگ اٹھی تھی اور وہ بڑور کی زمین ہونے کے باوجود ملنے انجام سے بے پروا ہو کر یہی طرف دوڑ پڑا تھا۔

کل زمانے نے دو تین بار اس کا سر زمین سے چمکایا تو ان کا سارا جنون ختم ہو گیا۔ چپتے چپتے اس کی آواز بھڑکی اور کسی بچہ کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس میں ٹنگ نہیں کرنا اس سے زیادہ بڑول کوئی نہیں ہوتا۔ آج تک "دروڑوں کے گردے کھلا کھلا کر دوست سہیتے رہے تھے، یہاں تک کہ کبھی ان کے دل میں کسی کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا نہ ہو سکا تھا۔ انہوں نے اپنے اس ذلیل کا روبرو کو جاری رکھنے کے لیے ڈاکٹر قاضی کو بلیک میل کرتے وقت اس پر زور دیا تھا کہ آج اپنے گردے نکالے جانے کا سن کر وہ جیسے پاگل ہو گیا تھا۔ کل زمانے اس کی کرپہ سے اپنا گھٹنا بٹا کر اسے کھینچنے کے کھڑا کر دیا۔ وہ رونے اور گھکھاتے ہوئے بولا "تمہیں اللہ کا واسطہ میرے گردے ڈنکا لو معاف کر دو مجھے۔ میں کان پڑاتا ہوں اب کبھی یہ کام نہیں کروں گا۔"

میں نے اسے قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا "اب اپنی باری آئی ہے تو اٹھ ادا دیا گیا ہے۔ پہلے ہاتھیں تھانے کر ایک خدا بھی ہے جو کل زمانے کا مانگ اور ہر شے پر قادر ہے۔ خالوں کو وہ اس دنیا میں ہی دوسروں کے لیے عبرت بنا دیتا ہے۔ چلو اوتے کل زمانے اپنے جلوسے اس ذلیل پریشن تھیل میں اور تم اس دوسرے شیطان کو لے کر چلو خان! زیادہ تکلیف کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی ایک ٹانگ بڑور اور گھٹیتے ہوئے لے چلو مردہ کتنے کی طرح!"

اچانک میری طرف دروازے کی طرف سے کسی نے ہتھ لگایا "خیر دار! ہاتھ نہ لگانا اسے اور جو تامل ہے وہیں کھڑا رہے۔ کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو جھون کے رکھ دوں گا اسے۔"

یہ آواز سننے ہی ام سب نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اسے دیکھ کر میری آنکھیں جبک اٹھیں اور بے ساختہ ہاتھوں پر مسکرا ہٹ تیرنے لگی، البتہ ڈاکٹر کی آنکھیں حیرت سے جھٹ گئی تھیں اور نہ کھل گیا تھا اس کا۔ یوں لگتا تھا جیسے منکر ہو گیا ہو اسے۔

کی جراتی بجا تھی، اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا کہ وہ اپنی

آستین میں سا ب بال رہا ہے، اس نے نادانستی میں ایک چور کو اپنے گھر کی چوکیدار کی برقرار کر رکھا ہے۔ لیکن مجھے بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ میرے لیے یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں تھی۔ مجھے تو پہلے ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر کو دیکھ میں کرنے کے معاملے میں اس کے کسی بے حد قوی بہت جس قابل اعتنا شخص کا ہاتھ ہے۔ ڈاکٹر نے اپنا یہ خفیہ کلینک اپنی کوچی کے سردنٹ کو ارڈر کے نیچے اس طرح بڑا یا تھا کہ کسی انجان شخص کو تو یہ گمان تک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہاں ایسی بھی کوئی چیز موجود ہو سکتی ہے۔ کسی گھر کے عہدید کے تعاون کے بغیر کسی کے لیے اس جگہ تک پہنچنا اطلاق نامکن تھا، وہاں جا کر آپریشن ٹیبل میں کام کرتے ہوئے ڈاکٹر کی تصویریں نانا ٹو بہت دور کی بات تھی۔

ڈاکٹر بھی پچھی آنکھوں سے اپنی کوٹھی کے دربان کو دیکھ رہا تھا جو اس وقت دروازے کے پھول بیچ دونوں ہاتھوں میں ریلو اور پچھے کھڑا ہیں لگا کر رہا تھا۔ سنا نہیں نے اپنے اپنے ہاتھوں سے ہتھیار پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا لو اور مادھر دیوار کے پاس چپے جاؤ۔

شاید اس نے یہ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ کم لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھیار ہیں یا نہیں، ورنہ وہ ہتھیار پھینکتے کو نہ کہتا ہیں۔

میرے پاس تو کوئی ہتھیار تھا ہی نہیں اور کل زمانے اور خان اپنے اپنے ریلو اور پہلے ہی جھول میں ڈال چکے تھے۔ میرا خیال ہے ڈاکٹر خان کا ریلو اور اس گھڑی اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اب تک اس ٹنگ حزام دربان کے ہاتھوں سے دونوں ریلو بالکل چپکا ہوتا۔ اس کا نشانہ ایسا ہی ہے خطا تھا ادا اس کی پھرتی، جا بک دستی کا مظاہرہ میں ابھی کچھ دیر قبل ہی دیکھ چکا تھا۔ میں نے ان دونوں سے کہا "تم اس کا نشانہ لو یا ریلو! اجاوا دھر چلے جاؤ اس دلو اور کے پاس۔ یہ لگتا مجھے گتہ ہے پاگل ہو چکا ہے۔"

وہ شخص جو کل زمانے کے ہاتھوں سے مار کھا کر جنوں کی طرح رو رہا تھا، دربان کو ریلو اور بدست اپنی حمایت میں کھڑے دیکھ کر گردنا بھول گیا اور تیزی سے اٹھ کر کل زمانے کی طرف لپکا۔ میں نے اسے اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا، لہذا جیسے ہی اس نے کل زمانے کی طرف قدم بڑھا یا میں نے بھی اس سے جڑھ کر اس کی ٹانگوں میں اپنی ٹانگ لٹا دی۔ وہ اچھل کر ایک بار پھر آوندھے مزہ میں پڑ کر پڑا۔ دربان نے اپنے دائیں ہاتھ کا ریلو اور میری طرف تانے ہوئے

غضبناک لہجے میں لاکاراً: "اوسے تیری سمجھ میں آئی نہیں ہے میری بات ابھی تک۔ میں کتا ہوں سیدھا کھڑا کہ نہیں تو مادی گولیاں انارڈوں کا تیرے بدن میں، پھینکی کر کے دکھ دوں گا سالے کو۔ اور مرط شاہ! آپ ان لوگوں سے اچھے کے بجائے اپنے ملک صاحب کو اٹھا کر لے آئیں ادھر کھٹا ہے یہ بے ہوش ہو گئے شاید۔ انھیں اٹھا لیں پھر ان ردیوں سے مرٹ لوں گا میں۔"

اس کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی بڑے معاوضے کے لیے ان کا ساتھ دے رہا ہو، یا محض وقتی طور پر ان سے تعاون کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا ہو۔ بلکہ وہ اسے کا کوئی بڑا ناسا بھی معلوم ہوتا تھا۔ اس کا لہجہ بھی عام گھبرائیوں کا جیسا نہیں تھا اس وقت۔ میں ڈاکٹر سے پوچھنا چاہتا تھا کہ ان کے اسے کب ملازم رکھا تھا، کتنے دن سے وہ اس کی کوشش کی درباری کر رہا ہے؟ میرا اندازہ تھا کہ وہ زیادہ پرانا ملازم نہیں تھا، حال ہی میں آیا تھا اس کے پاس اور اس نے یہ لازمت محض ڈاکٹر کی کردار یاں معلوم کرنے کی خاطر ہی اختیار کیا تھی درست وہ چوکیداروں کے قبیلے کا آدمی بالکل نہیں تھا۔ لیکن یہ وقت اسے باتوں کے لیے سوزوں نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر سے اس کے بارے میں معلوم کرنے کے بجائے سب سے دم بڑے ملک کی طرف بڑھتے ہوئے شہر کو تھیںسی کی "خیردار شاہ" کی حرکت بالکل نہ کرنا اپنی جگہ سے دور نہیں، ابھی اسی جگہ کو دے نکال لوں گا تیرے اپنے ہاتھوں سے۔"

"مگ جا جوان! اب اتنی بھی جی داری دکھانے کی کوشش نہ کر کہ پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے تجھے؟" دربان نے غصہ نہیں کیا مجھے۔

"ان بالشت بھر کے اوزاروں پر اتنا مان نہ کر، جا تائیں ہے تو مجھے میرے سامنے یہ ہتھیار اپنے ملک سے باقی ہو جاتے ہیں۔" میں نے بڑھ کر اطمینان سے شاہ کی قصص کا کالم پیچھے سے نظام کے اسے ایک جھٹکے سے اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دیا۔

میری اس جرأت نے دربان کو پریشان کر دیا تھا۔ اس کے چہرے سے اچھن ظاہر ہونے لگی تھی۔ شاید اس نے اس دوران مجھ پر گولی چلائی کہ کوشش کی تھی اور یہ جان کر ہی وہ انھیں کا شاک ہو گیا تھا کہ راولپور اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ میری تو توجہ تو کچھ اس کی طرف نہیں تھی لہذا میں اس کی یہ کوشش نہ کام نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں نے شاہ کو سیدھا کر کے اپنے سامنے کر لیا تاکہ دربان اگر راولپور کی طرف سے مایوس ہو کر کوئی دھماکہ دار ہتھیار استعمال کرنا چاہے تو میں شاہ کو اس

کے اوپر پھینک کر اس کی یہ کوشش بھی آسانی کے ساتھ ناہموار دوں۔ میں شاہ کو اپنے سامنے لگا کر اس کی طرف بڑھنے لگا۔ شاہ کا سر پیٹے ہی زخمی تھا، کل زمان نے اس کی ٹری طرف سے زمین پر مارا تھا کہ اس کا ماتھا دو جگہ سے بھٹ گیا تھا۔ سرے ٹانگ اڑا کر گر گئے۔ بعد ان زخموں کے ساتھ نیلے رنگ کی ایک چھوٹی سی سیاڑی بھی ابھر آئی تھی۔ اس کے باوجود اسے بڑھنے میں وہ مزاحمت کر رہا تھا۔ میں نے پیچھے سے اس کی کر پر زور سے گھٹنا مار کر کہا: "او جیٹ کی اولاد! سیدھا چلا آؤ تو بچ سے دو ٹکڑے کر کے ڈال دوں گا ابھی۔"

اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تھی شاید گھٹنا زیادہ ہی زور سے لگ گیا تھا اس کی کہیں۔ وہ جبلا کر غفلت کئے لگا تھا۔ میں نے غضبناک ہو کر کہا: "اوسے چڑھے دے یہ بڑے زندگی کر سکتا ہے تو ابنا۔" کئی ڈی توڑ دوں گا سالے کی جواب تو نے بچاس کی تو۔ گالیاں بجنے والوں کو تو زوندہ نہیں رہنے دیتا ہوں! یہاں دماغ میں جھٹلے اپنے۔"

اس کی زبان کو ایک دم جیسے بریک لگ گئے تھے میرے لیچے کی صفائی نے اسے سہا کر رکھ دیا تھا۔ وہ خاموش ہو کر لوٹنے ہوئے قدموں سے میرے آگے آگے چلتے لگا۔ دربان نے مجھے اسے ڈھال بنا کر اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ حدی سے کہہ ہی گھس آیا۔ اور تیزی سے پہلو بچا کر میرے پیچھے نکل گیا۔ میں نے اسے ہاتھ سے شاہ کی قصص کا کالم تمام رکھا تھا، اتفاق سے وہ ہاتھ تھا جس کی ایک انگلی میں عالیہ کی دی ہوئی وہ جرت انگیز اور جادوئی اثر رکھنے والی کوٹھنچی ڈال رکھی تھی میں نے۔ دشمن کا اپنے خلاف آتشیں اسلحہ استعمال کرنے سے روکنے کے لیے یہ ضرورت تھا کہ اس کوٹھنچی کا رخ اسے خلاف استعمال کے جانے والے ہتھیار کے سامنے ہو، اس گھڑی مجھے اس کا خیال ہی نہیں ہوا تھا کہ کوٹھنچی شاہ کی گردن کے پیچھے بھی ہونے کی وجہ سے دھان کا کالہ مجھ پر گولی اگل سکتا ہے۔ ایسے میں اگر تھکریا دوری نہ کرتی تو میری زندگی کی کمانی کا میںیں ایندھن ہو جاتا، لیکن ابھی میری خوار کی دن باقی تھے، ابھی مجھے اور میری زجانے تک ملک بول ہی امان دل رہنا تھا۔ ادھر اس نے میری پشت میں کھڑی کھولنے کا حکم دے کر اپنے راولپور کی ایک گولی میری طرف روانہ کی، اڑھریں سے نہ کو روچ کر اپنا رخ پھر لیا۔ میں نے کام تک جھپکے جتنی دیر ہو تھا اور وہ گولی جسے میری پشت میں دھنستا تھا، میری پشت پر چھیدی ہوئی شاہ کی پسوں میں کہیں جا پھڑی۔ شاہ نے ٹپ کر میری گرفت سے نکلا اور مابقی بے آب کی طرح خروش پر گر کر کھڑے تھے۔ تڑپنے لگا گولی چلنے کی آواز اس نے بد اور زیر زمین کر کے بنا گونج کر رہ گئی تھی۔ برابر کے کمرے سے یہی بوجھ نہیں آئی اور وہ

یہ اس بھی یہ دھماکا اس کمرے پہنچ گئے تھے شاید ایک لمبے لمبی ادھر سے دروازہ پٹا جانے لگا۔ اس کے ہاتھ آبی کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہا تھا: "اوسے جیلائی! یہ دلی کس نے چلائی ہے یہی؟ تو تو ٹھیک ہے نا؟"

میں نے اس طرف توجہ دے بغیر خان سے کہا: "خان! دروازے کے پاس جا کر ان لوگوں کو کشتی دے کے یہ شور مچاؤ، ان کو اس میں ذلیل کی نشانی بازی دیکھ لوں جب تک سے شاید اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمی مسلوم ہوئی ہے مجھے۔ اور دیکھو وہ دروازہ کھولنا نہیں۔ وہ لوگ ادھر گھس گئے تو پریشانی کا سبب بن جائیں گے میرے لیے۔"

"مجھے کوئی خوش فہمی نہیں ہے، البتہ یہ ادماغ کھسکا ہو لگتا ہے معلوم ہوتا ہے دنیائے جہنم کیسا ہے تیرا؟"

"یہ ابھی چاہتا جاں سوں میں بھی کر وہ گولی جو میرے لیے بنائی گئی ہے وہ ان دونوں راولپور میں سے کسی میں سے بھی نہیں؟"

"اچھا تو پھر تو نے مرنے کا فیصلہ کر لیا ہے لیسا تو میں کیا کر سکتا ہوں تیرے لیے؟" دربان نے کہا اور راولپور سیدھا کر کے نوا کر باندھے لگا۔

اس بار اس کا راولپور ساتھ دینے کو بالکل تیار نہیں ہو رہا تھا اس کا وہ پورا زور صرف یکے دے رہا تھا لیکن راولپور کی نال سے کی طرح گولی نکل ہی نہیں رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ نے تے قدموں سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چہرے پر میرے درندگی چھائی ہوئی تھی اس گھڑی، جیسے جیسے ہونے لگے اور انھیں جیسے شعلہ اگل رہی تھیں، لمحہ بہ لمحہ ہمارے درمیان حاصل کم سے کم کر رہا تھا۔ وہ اس صورت حال سے گھر گیا۔ کافی زور آزمائی کے بعد بھی راولپور سے گولی نہیں نکلی تھی تو اس نے جھنجھلا کر راولپور میری طرف پھینک دیا۔ میں جو کہ اس کے اس رویے کے لیے جیسے تیار تھا لہذا میں نے تہا تہا اطمینان کے ساتھ اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں کچ کر لیا۔ راولپور کا دستہ میری پھیلی ہراگر لگا تھا لیکن چوتھی آتی زیادہ نہیں آئی تھی کہ میں اس طرف توجہ دیتا۔ راولپور سنبھال کر اس کی طرف سیدھا کر گئے ہوئے کہا: "اب میں ہاتھوں تو اس کی ایک گولی تیری کھجوری میں آ کر کچھ دنیا کی ہر فکر سے آزاد کر سکتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تو پستہ نہیں کر سکتا

اس گھڑی۔ اور لوں بھی حسب بھی سیدھی انگلی سے نکل سکتا ہو تو خواہ خواہ اچھی "تیرے ہی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں پیارے بھائی! ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

اس دوران وہ دوسرے راولپور کو بھی برا آزمائے کے لیے اس سے اچھنے لگا تھا۔ اب یہ اس کی بد بختی کی کوٹھی کر آج وہ ان راولپور پر پھر دوسرا کر کے ایک ایسے شخص کے سامنے آٹھرا تھا جس پر یہ ہتھیار بے اثر ہو کر رہ گئے تھے۔ جس کے سامنے بڑے ہی یہ اپنی کارکردگی بھول جاتے تھے اور ایک بے جان پتھر سے زیادہ حیثیت ہی نہیں رہتی تھی ان کی کوئی۔ میں اس کے بے حد قریب پہنچ گیا۔ اور اس جاتے ہی اسٹے ہاتھ کا ایک جھپٹا اس کے منہ پر رسید کرتے ہوئے بولا: "اوتے کیلئے! اس ذلیل نے پراتنا بھول رہا تھا تو؟ اس ناکارہ اور بے فنا ہتھیار پر اتنا رہا تھا۔ دیکھ کر تو نے اس کی اوقات؟ چپلا دگولی اب؟"

مادر کا کہ وہ ایک دم پیچھے جا پڑا تھا، میری بات کا جواب کیا دیتا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے اوپر جھپٹے ہوئے کہا۔ "اٹھ اوسے! میں مار خان کی اولاد۔ ایک ہی ہاتھ میں لسانا لیٹ گیا ہے، اٹھ کھڑا ہو!" میں نے اس کا گریبان تمام کر کے اوپر اٹھا لیا۔

اس برہمت ہی گھر کوئی نشہ چڑھا ہوا تھا۔ مجھے کیلنڈر نظروں سے گھومتے ہوئے بولا: "یہ تم انھیں جان کر رہے ہو اپنے حق میں، تمہیں معلوم نہیں ہے کہ کن لوگوں سے نکلے ہے ہمارا تاجر سے بھی نکال لائیں گے وہ تمہیں ہمارا انتقام لینے کے لیے۔"

"مجھے بھی یہ نہیں بتا ہے کہ کن لوگوں میں آپس سے تو اتفاق لینے کا مرحلہ تو بہت بعد میں آئے گا۔ سینے انھیں وہ مٹھ کر تلاش کرنا پڑے گا جہاں ہتھیار رکھا انھیں دستیاب ہو سکے گی۔ پھر وہ اس راہ سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ تم لوگوں کو خاک میں ملانے والے کون لوگ تھے جس کا سننے سے حقہ لیا تھا اس کا خیر نہیں؟" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا اور اسے ایک اور بڑے قسم کا جھپٹا رسید کر کے خان کی طرف دھکیل دیا۔

خان بند دروازے کے پیچھے شور مچانے والوں کو چپ کر کے اسی طرف چلا آ گیا تھا۔ اس نے اسے باروؤں میں سنبھال کر کہا: "اے انھیں اب کیا کر کے لینے کے کو چھاپنے ہیں! اسی جگہ کوئی انتقام کریں گے ان کا؟"

"اس کو باندھ کے ڈال دے یا ادھر ایک کونے میں اور ان تینوں کو ادھر آپریشن تحریک میں لے چلا اٹھ کر باری باری۔ اب تو چھ گردوں کا انتقام ہو گیا ہے یا ر مجھے گھر کوئی تو کچ عید ہو جائے گی؟" میں نے سکھ کی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

دربان خان کے بازوؤں میں جھکتے ہوئے لٹکایا لگا۔  
 ”نہیں نہیں... تم جھوٹ بول رہے ہو... ایسا نہیں کر سکتے۔“  
 ”کیوں؟ کیوں نہیں کر سکتے تم ایسا؟ تو روک سکتا ہے نہیں  
 ایسا کرنے سے؟“ میں نے حقارت سے کہا۔  
 ”یہ تو... یہ تو بہت سنگینی کی بات ہے... نہیں... تم... تم...  
 ایسا ہرگز نہیں کرو گے؟ وہ رو ہانا سوچا تھا۔  
 ”ہاں اسے تو یہ واقعی سنگینی لیکن جو لوگ دوسرے پر زہم  
 کرتے ہیں، جو لوگوں کے گردے کھال کھال کر رو پیہ کاتے رہتے  
 ہوں ان کے ساتھ ایسا کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ تم لوگوں نے  
 تو مجھے کر کے گئے۔ قبول کو کھلا دینے چاہئیں۔“  
 ”ٹھیک ہے کہ تم ایسا کرتے ہیں لیکن مجھے نہ جان نہیں لی  
 ہے کبھی کسی کی۔ اور ایک گروہ کھال لینے سے آدمی کی صحت پر کوئی  
 فرق بھی نہیں پڑتا۔ زندہ اور صحت مند رہنے کے لیے ایک گروہ  
 ہی کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی کا ایک گروہ کسی ضرورت مند کے  
 کام کو اچھالتے تو یہ کوئی بڑی نالی بات تو نہیں ہے نا ایک طرح  
 کی نیکی ہی ہے یہ تو۔“  
 ”ہاں یار ایہ تو بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ کارِ ثواب ہے  
 یہ آدمی کے لیے۔ اور اس گروہ کے عوض تم لوگوں کو جو بڑی بڑی  
 رتیں ملتی ہیں یہ تو اور بھی زیادہ ثواب کا مستحق بنا دیتی ہیں گروہ  
 کے مالک کو کیوں ٹھیک ہے نا؟“  
 ”ہاں تو پھر برائی والی کیا بات دکھائی دیتی ہے تمہیں اس  
 میں؟ ان سے گروہ کی قیمت تو نہیں لیتے ہیں ہم؟“  
 ”اچھا ایہ تو مجھے بتایا نہیں تھا یار وائیں نے تو سنا  
 تھا تو لوگ بڑی بھاری قیمت وصول کرتے ہو اس کی؟“  
 ”کسی نے غلط بات بتا کر تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔  
 ہم صرف اپنے اخراجات اور گروہ کے مالک کے لیے تھوڑی  
 سی رقم کے سوا کچھ نہیں لیتے کسی سے بھی... اگر کچھ اچھالتے تو  
 ہم ایک غلطی کا کام کر رہے ہیں اس طرح۔“  
 ”اور تم تو بڑے نمیکہ کو لوگ ہو یار! اتنے اچھے  
 کام کرتے ہو تم مگر ساری نیکی اکیلے ہی اکیلے اپنے نام اعمال میں  
 درج کر رہے ہو، کچھ تو ہمارے حصے میں بھی اچھالتے دو یہ تو کوئی  
 اچھی بات نہیں ہے نا؟“  
 ”ٹھیک ہے اگر تم ہی چاہتے ہو تو ہم تمہارا حصہ بھی لگا  
 لیں گے اس میں۔ بلو، کیا چاہتے ہو تم؟ وہ بولا۔ اس کا خیال تھا  
 کہ شاید میں اس کے اس گندے کاروبار میں شریک ہونا چاہتا ہوں  
 لہذا وہ میرا مطالعہ معلوم کر رہا تھا۔  
 میں نے کہا ”میرا مطالعہ کچھ زیادہ بڑا نہیں ہے پائے  
 بھائی! تم تینوں کے گردوں کے سوا اور کچھ نہیں مانگتا ہوں میں

تم سے اور شاید اس شاہ کو تم نے ختم ہی کر دیا ہے، اسے تو  
 اب بول بھی ضرورت نہیں رہی ہے گردوں کی؟“  
 اس کا چہرہ مشت کر رہ گیا تھا میرا جواب سن کر اس  
 جواب کی اسے تو فتح نہیں تھی مجھ سے۔ سمجھو یہی رہا تھا کہ کچھ  
 دسے دلا کر گلو خلاصی ہو جانے کی ان کی۔ اس خیال نے اس  
 کے دل سے سارا خوف مٹا ڈالا تھا۔ میرے جواب نے اسے  
 دل کی دھڑکنوں میں اچانک اضافہ کر دیا تھا۔ زندگی کی آرزو  
 چیز ہوتی ہے۔ آدمی کے چہرے پر بڑی تازگی نظر آتی ہے،  
 اس وقت تک جب تک اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ کبھی اس  
 دنیا میں اس کے حصے کے لیے شمار خراب و روز بانی میں اچھی  
 زندگی سے حفاظت ملنے کے لیے بہت وقت ہے اس کے  
 پاس لیکن جب یہ اس کوٹ جاتے اور موت کے مارے  
 اپنی طرف بڑھتے دکھائی دینے لگیں تو وہی جان خود بخود بھل  
 جاتی ہے جسم سے، لہو کی سرخی میں موت کی زردی کھٹکنے  
 لگتی ہے، یہی ہی کیفیت اس کی بھی تھی اس گھڑی۔ اسے بھی  
 خلاف اس کی اچانک ہی فرشتہ اجل اپنے سامنے کھڑا نظر  
 آ گیا تھا۔ آواز اس کے حلق میں اچک کر رہ گئی تھی اور انھیں  
 جیسے چھڑ کر رہ گئی تھیں اس گھڑی اس کی۔  
 میں نے ڈاکٹر کو مخاطب کر کے کہا ”ڈاکٹر! میرا خیال  
 ہے پہلے اس کی مشکل آسان کر دی جائے۔ بول بھی اس کے  
 گردے زیادہ جان دار معلوم ہوتے ہیں مجھے تو زیادہ دیر سہارا  
 یہ تو ڈوبے وہ ضرورت پڑ جائیں۔“  
 وہ ہشت زدہ ہو کر جھج پڑا۔ ”نہیں... نہیں... تم جھوٹ  
 بول رہے ہو۔ مجھے خوف زدہ کر کے لمبی رقم حاصل کرنا چاہتے  
 ہو مجھ سے۔ بلو... بلو! کیا چاہتے تمہیں؟ ایک لاکھ... دو لاکھ  
 ... دس لاکھ... بتاؤ کتنی رقم چاہتے ہو تم مجھ سے؟“  
 ”میں نے کہا نا، مجھے تمہارے گردے کے سوا کچھ نہیں چاہیہ  
 میں نے اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 وہ کچھ لٹکایا لگا۔ ”پتہ ایسا نہ کرو۔ ہمیں مار کر کھائے  
 ہاتھ کچھ نہیں آئے گا جب کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں...“  
 خان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہا ”درا  
 میری ایک بات سن جیلائی! فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرو۔  
 میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا ”کیا بات  
 ہے؟ کیا کہنا چاہتے ہو تم بلو؟“  
 اس نے دربان کو گل زمان کی طرف دھکیل دیا جو اس  
 دوران ہمارے قریب ہی چلا آ رہا تھا۔ بولا ”گل زمان! اسے چناؤ  
 میں جیلائی سے بات کرو۔ وہ جان سے بچنا نا چاہی نہ جانے اٹھ  
 سے یہ؟ پھر میرے قریب اگر میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر

بٹلے جاتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا ”نادانی کی باتیں نہ  
 رو! اور وہ دس لاکھ روپے تک دینے کو تیار ہے اگر دوں گا ہم  
 یا کر سن گے رقم بہت کام آئے گی ہمارے۔ میرا خیال ہے دس  
 لاکھ روپے نہیں گننا نا چاہیے ہمیں۔“  
 دس لاکھ روپے کا سن کر اس کا دل بے ایمان ہونے  
 لگا تھا۔ جھوٹی موٹی چوریوں پر گزارا کرنے والے کے لیے یہ رقم  
 بہت زیادہ تھی۔ اس نے بھی ایک ساتھ آتی رقم دیکھی تھی نہ ہو  
 فی بگراس کی یہ بات سن کر میری کپٹیاں سنگ اٹھیں۔ میں نے  
 نفرت اور حقارت سے اسے گھور کر دیکھا تو وہ ایک دم شرمینا گیا۔  
 بولکلا کر بولا ”میری بات کا غلط مطلب نہ لو، میرا مطلب ذاتی فائدے  
 سے نہیں ہے۔“  
 ”اچھا، پھر کیا مطلب ہے تمہارا، اس کی بھی وضاحت کر دو  
 تو خودی۔“ میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے نفرت سے پوچھا۔  
 ”تمہیں شاید پتا نہیں ہے، ہمیں اپنی تنظیم کو قائم رکھنے  
 اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کمین اور سہ امداد نہیں ملتی ہے۔  
 اس سلسلے میں ہونے والے اخراجات ہمیں اپنے ہی وسائل سے  
 پورے کرنے ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ دس لاکھ روپے تنظیم کے کام  
 آ سکتا ہے۔ ان دنوں ضرورت بھی ہے۔ ایسے پیسے کی بس نیکی  
 مطلب تھا میرا۔ تم نہ جانے کیا سمجھ بیٹھے ہو۔ وہ مجھے سمجھاتے  
 ہوئے بولا۔  
 یہ بات فیر دھیمی بتا چکا تھا مجھے لہذا خان کی بات  
 میری بھی سمجھ میں آ گئی۔ میں سوچ میں پڑ گیا اس کی اس بات سے  
 حالانکہ میرا ارادہ ان دنوں لوگوں کو چھوڑنے کا بالکل نہیں تھا مگر  
 خان کی بات ماننے کا مطلب یہی تھا کہ میں انھیں آزادی دے کر  
 اندر جانے دے سکے جیلے مانشوں کو ایک ایک گروہ سے محروم کر دوں  
 میں نے ذہنی زبانی سے کہا خان! تیری بات تو دل کو گتھی ہے لیکن  
 درپیر لینے کے بعد ہمیں ان گروہ مندروں کو چھوڑنا بھی چاہیے گا۔  
 بس ہی نہیں جانتا ہوں میں، انھیں اس کا رو بار کو مزید جاری  
 رکھنے کی اجازت تو میں کسی طرح بھی دینے کو تیار نہیں ہوں۔  
 یہ تو بڑی لٹکائی بڑی انسانیت تو سرزور کرت ہو گی۔“  
 وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں  
 بولا ”واہ یار جیلائی! کمال کرتے ہو تم بھی۔ اس کی ضرورت ہی کیا  
 ہے آخر یہ ضروری تو نہیں ہے کہ رقم لینے کے بعد ہم انھیں چھوڑ  
 ہی دیں۔ ان کا کام تو ہمیں ضروری کرنا ہے۔“  
 ”اسنے یار! کسی باتیں کرتے ہو۔ رو پیہ سچے لوگے اد  
 کر یا کر میری ضرورت کرو گے ان کا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے حیرانی  
 سے کہا۔  
 ”یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ تم اب مجھے بات کرنے دو

اس سے اور دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔“ خان نے مسکراتے  
 ہوئے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے تم بات کر دو اس سے لیکن ایک بات یاد  
 رکھو میں اسے چھوڑوں گا کسی قیمت پر بھی نہیں۔ اب کوئی وعدہ  
 نہ کرنا تم۔“  
 ”اس کی تو فکر نہ کرو، ایسے بے ضمیر اور سنگ انسانیت  
 لوگوں سے کیے ہوئے وعدوں کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ یہ  
 خود بھی دوسروں کے ساتھ وعدے کر کے ان پر عمل نہیں کرتے۔  
 ان کے وعدے بھی قریب ہی ہوتے ہیں لہذا ان کے ساتھ  
 انہی جیسا سلوک کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے میری نظر میں۔ ان  
 کے سلسلے میں اخلاقیات کی دفعہ نہیں لکھی تم پر۔“  
 ہم واپس بیٹھے تو نیچے پڑا ہوا ملک کھسانے لگا تھا۔  
 خان نے دربان کو نکال کر ہاتھ میں لیتے ہوئے گل زمان سے کہا۔  
 ”اسے چھوڑ دو گل زمان! اور تم کوئی رسی وغیرہ ملاؤں کر کے ان  
 دونوں کو باندھ لو اچھی طرح سے۔ اس کے بعد ہی ہم اطمینان  
 کے ساتھ بیٹھ کر ان سے مذاکرات کریں گے۔ اب ان کی زندگی  
 کا اٹھارہ انداکرات کی کامیابی اور ناکامی پر ہے۔“  
 ”گل زمان اسے چھوڑ کر آگ ہو گیا۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا۔  
 ”ڈاکٹر! ایک مضبوطی رسی دو ہمیں۔“  
 ڈاکٹر نے سہمی ہوئی نظروں سے اپنے دربان کو دیکھتے  
 ہوئے کہا ”کیوں میری جان کے دشمن ہو گئے ہو تم لوگ۔ میں اس  
 سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تمہاری۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے  
 کہیں اور جا کر کرو، خدا کے لیے میری بربادی کا سامان نہ کرو۔  
 ”تو تو بہت ہی بزدل آدمی ہے...“ مجھے ڈاکٹر نے بنا  
 دیا ہے، تجھے کوئی کچھ نہیں کہہ رہا ہے۔“  
 ”مگر یہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہاں، اس کے بعد یہ لوگ مجھے  
 زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ تم جاننے نہیں ہو انھیں، ڈاکٹر! مزاحی  
 سے بولا۔  
 ”اگر انھوں نے ہاں کے کسی ساتھی نے تمہیں تنگ کرنے  
 کی کوشش کی تو میں ان کے لیے زمین تنگ کر دوں گا۔ واسطہ نہیں  
 پڑا ہے کبھی پہلے ان کا مجھ سے لیکن اتنا تو یہ جانتے ہی ہیں کہ ان کے  
 پیسے سلاٹر ڈاکٹر دھمن اور عالیہ کو میں نے مک چھوڑ کر کھانے  
 پر مجبور کر دیا تھا۔“  
 ”کیا... کیا... کیا کہا تم نے؟ ڈاکٹر دھمن کو تم نے کھانے  
 پر مجبور کر دیا تھا؟ دربان حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”تو کیا تم  
 وہی ہو... وہی غلام جیلائی؟ ابھی تمہارے ساتھی نے ہاں کیا تھا  
 تمہارا تو میں ہی ہوں مجھے لگا تھا کہ یہ نام میں نے پہلے کہا تھا ہے؟“  
 ”ہاں بیٹے! میں وہی غلام جیلائی ہوں۔ تمہاری قسمت خراب

”ہنسی، یہ قسمت کی خرابی نہیں، یہ تو اس کی کمزوری ہے کہ اس نے تمہیں ہم سے ملا دیا ہے۔ اب تو کم تو کچھ بھی مانگو گے ہم شے تم دینے کو تیار ہیں۔ تمہاری دوستی اور تعاون حاصل کرنے کے لیے تو ہمارے بڑے تمہارا ہر مطالبہ تسلیم کر لیں گے“ اور بان نے سرود بچہ میں کہا۔

خانی نے ان کو اسے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کئی بار  
سے کہا: "ان لوگوں کا خیال رکھنا۔ میں خود جاتا ہوں اور رسی لے کر  
ابھی آتا ہوں۔"

درد بان نے اس کی باتوں کو نظر انداز کر کے اسے جواب دے کر خوش دلی سے کہا: ”اے مک صاحب! کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ یہ کون ہیں؟“ اس نے میری طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا: ”دیکھیں! آپ نے انھیں۔ یہ غلام بیلانی ہیں، لاجپور والے غلام بیلانی۔“ ڈاکٹر قسمن والے:

266

”بیتھنے لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ تم لیٹ کر اور  
اسانی سے چلا سکتے ہو۔ کوئی دشواری نہیں ہوگی اس سے۔ تم کھلیں اور روش  
متھارے دماغ میں کوئی خصل واقع ہوگا اس طرح سے۔ اب یہ بتانا  
کہ وہ دس اکڑ روپیہ جو تم نے کس پیش کش کر رہے تھے۔ کیا  
واقعی اتنی رقم دے سکتے ہو یہیں تم۔ اور کیا اس وقت اتنی بڑی

"تھیک ہے پھر آؤ میرے ساتھ، وہ مکررہ دلی سے بولنا  
اور اٹھ کر یہ دینی دروازے کی طرف چل دیا۔  
میں نے خان کو اس کے پیچھے جانے کا اشارہ کرتے  
بجائے کہا، "وہ ایک ٹیلی فون یہاں بھی لگوا دی لو اب ڈاکٹر ہاشم  
میرے روم پر آئے ہیں۔"

تمہاری اتنی اہمیت ہے کہ وہ تمہاری خاطر دس لاکھ کی خاطر رقم  
 دینے کو تیار ہو جائیں؟

میاں میں اکیلا ہی تو نہیں ہوں۔ ملک صاحب اور شاہ جی بھی ہیں اور یہ دونوں بہت اہم آدمی ہیں۔ میرے میاں رہنے کا ایک قصہ یہ بھی تھا کہ یہ لوگ جب ڈاکٹر کے پاس مال لینے آئیں تو میں ان کی حفاظت کروں۔ یہ لوگ لڑنے بیڑنے میں اتنے ماہر نہیں ہیں کہ کسی قسم جیسے آدمی سے منٹ سکیں۔ اس لیے یہ کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔

”تین تم کیسے محافظ ہو ان کے۔ اس وقت ان کی مدد کو پہنچے تھے جب یہ بالکل ناکارہ ہو کر ڈھیر ہو چکے تھے؟“

”نہ ظن نہ گما۔“

”مجھے یہ حکم ہے کہ جب یہ شکست کھائے لگیں اور کہا بیانی کی بالکل امید نہ رہے تب میں سانسے آؤں۔ اس سے پہلے میں خود کو ظاہر نہ کروں۔“

خان نے یہ اچھی بات سمجھائی تھی۔ مجھے کہ میں ان کے ذریعے ایک بڑی رقم حاصل کر کے ان لوگوں کی مدد کر سکتا ہوں، ان کے مالی مسائل بڑی حد تک حل کر سکتا ہوں۔ اس نے ایک روٹھنا دی تھی مجھے اور اب میرا ذہن اس راہ پر تیزی سے دوڑا چلا جا رہا تھا۔ میں دس لاکھ روپے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ان آدم خوروں سے چھ گرووں کی قیمت بھی وصول کرنے کے منصوبے بنانے لگا تھا۔ اور جب ڈاکٹر خاں کے ساتھ ٹپ ریکارڈر لے کر واپس آیا تو میں ایک جامع منصوبے کو آخری شکل دے چکا تھا۔ میں نے خان سے کہا: خان جی! ہم اس کا پیغام ریکارڈ کر دو، میں ذرا ڈاکٹر سے چند باتیں کروں جب تک۔ مگر یہ خیال رکھنا اس پیغام میں یہ کوئی خفیہ اشارہ نہ دے اپنے سر ہر سوتلوں کو۔“

”اس کی کوئی فکر نہ کرو، اگر اس نے کوئی ایک بھی دو معنی جملہ ریکارڈ کرنے کی کوشش کی تو میں اس کی زبان کاٹ کر پھینک دوں گا۔“

میں ڈاکٹر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اس کی مزید طرف لے جاتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں بولا: ڈاکٹر! اپنے دل سے ہر جڑ خیاں، ہر گمانی جو تمہیں میری طرف سے پریشانی میں مبتلا کر رہی ہے نکال دو۔ یقین کرو میرے عزیز، تمہیں نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں ان رڈل اور بد نظریوں کو لوگوں کو ایک اچھا سبق دینا چاہتا ہوں اور اس کام میں تمہارا تعاون دے گا ہے مجھے۔

”میں ایک عزت دار آدمی ہوں کسی لیے تجھے نہ دھنسا دینا بھائی مجھے تم بہت درگت ہے تم لوگوں سے مجھے؟ وہ عاجزی سے بولا۔

”نہیں بھی تو تم کوئی خواہ مخواہ ہی خوف زدہ ہوئے ہو۔ تمہیں اگر کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہیں تو اب تک شتر خراب کر چکا ہو نا تمہارا گمراہیا نہیں کیا میں نے تمہاری مجبوری کے بارے

میں معلوم ہونے کے بعد مجھے تم سے سمددی ہو گئی ہے البتہ ان گروہ فروشوں کو معاف نہیں کروں گا میں۔ میری اس کارروائی کے نتیجے میں جو میں کرنا چاہتا ہوں، تمہیں بھی ان سے نجات مل جانے کی سہید شے لیے۔“

”تم کرنا کیا چاہتے ہو ان کے ساتھ؟ میرا کس طرح کا تعاون حاصل کرنے کی بات کر رہے ہو تم کچھ مجھے بھی بتا دیجئے؟“

”پہلے مجھے یہ بتاؤ تمہیں ایک گروہ کے عوض کتنی رقم دینے کا وعدہ کیا تھا ان لوگوں نے؟“ میں نے جواب دینے کے بدلے سوال کر دیا۔

”ایک گروہ کے عوض وہ مجھے ایک لاکھ روپے دینے کو کہتے تھے۔ اب بتائیں وہ اتنے پیسے دیتے بھی یا نہیں۔ مجھے تو امید نہیں تھی۔“

میں ہنس دیا: ”تمہیں بتاؤ ڈاکٹر دھمن ایک گروہ کتنی فروخت کیا کرتا تھا؟“ میں نے اس سے دریافت کیا۔

”نہیں وہ کہتے تھے ڈاکٹر دھمن کو ایک گروہ کے اتنی ہزار دیا کرتے تھے۔ مجھے میں ہزار زیادہ دے رہے ہیں۔“

”جھوٹ بولنے میں وہ، میں جانتا ہوں ڈاکٹر دھمن دس لاکھ لیا کرتا تھا ایک گروہ کے۔ تمہیں انھوں نے آؤ بولنے کی کوشش کی ہے۔“

”اوہ، دس لاکھ! یقین نہیں آتا مگر کیا تم بالکل سچ کہہ رہے ہو؟ تمہیں کیسے معلوم ہوئی یہ بات؟ کس نے بتایا تھا تمہیں؟“

”ڈاکٹر دھمن کی ایک پرانی ساتھی، وائی ڈاکٹر عبدالے۔ اب میں اس نے دھمن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اسی سے معلوم ہوا تھا مجھے۔ میرا خیال ہے یہ وہ لوگ نہیں ہیں جو دھمن سے گروہ خریدا کرتے تھے۔ مجھے تو یہ دیرپا دن لوگ گتے ہیں کسی جرم پیشہ گروہ سے تعلق ہے شاید ان کا دھمن کے جانے کے بعد ان کے پاس کوئی آدمی نہیں بچا ہو گا تو انھوں نے انھیں اس پر آمادہ کیا ہو گا کہ یہ ڈاکٹر کو آمادہ کریں اس کام کے لیے۔ تم جو نیکو خیراتی کی دنیا میں خفیہ علاج معاملے کے لیے مشہور لڑا انھوں نے پہلے تمہیں ہی گورن میں لینے کی کوشش کی ہوگی اور اپنی پہلی ہی کوشش میں برکت کاسیانی ہوئی انھیں۔ تم صرف ان کے لیے کام کرنے پر راضی ہو گئے ہو مگر جو معاوضہ انھوں نے دینے کو کہا تم نے اسے بھی لے جانے دیا؟

”نہیں، ان کی دونوں طرف سے چاندی ہو گئی۔ اصل دنوں سے کچھ نہ کچھ طے ضرور کیا ہو گا انھوں نے اور تم سے بھی تم گروہ لولا لاکھ روپے بھانے کا بندہ ولت کر لیا، اس کا مطلب ہے اصل فائدہ یہ لوگ اٹھاتے۔ سچ کہا ہے کسی نے ناخت کے آگے کوئے سے کھانے پینے بڑے ذلیل لوگ ہیں، کبھی ان کے ساتھ تو بالکل بھص رعایت نہیں کرنا چاہیے۔ تم کیا کرنے کو کہہ رہے تھے ابھی مجھے؟“

ڈاکٹر تھا تو بے حد متوجہ لیکن لالچ اور دولت کی ہوس اس میں کوٹ کوٹ کے پھیر دی گئی تھی۔ یہ جاننے کے بعد کہ وہ لوگ اسے بے وقوف بنا کر لوٹنے کی کوشش کر رہے تھے، اس کے سینے میں ان کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اب وہ ان کے خلاف بھرپور انداز میں اس ساتھ دینے کے لیے آمادہ دکھائی دینے لگا تھا۔ میں نے لوہا گرم کر دیا اور اسی اس پر ضرب لگا دی۔ میں نے کہا: ”یہ تینوں ہمارے قبضے میں ہیں اس وقت۔ میں ان کی آزادی کے عوض دس لاکھ روپے کا مطالبہ رکھ دوں گا ان کے بڑوں کے سامنے، اگر انھوں نے اسے منظور کر لیا تو کوئی حیرت منجنیب کر کے میں وہاں انھیں دس لاکھ روپے پہنچانے کو کہہ دوں گا۔ لیکن روپے وصول کرنے کے بعد بھی میرا ارادہ ان کو آزاد کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بعد تم تینوں کے گروہ نکال کر محفوظ کر لیا۔“

”ان میں ان کی ہم اٹھا کر لے جائیں گے میاں سے۔“ میں نے اسے سمجھایا۔

”لیکن ان کے گروہوں کا کیا کرو گے تم؟“ ڈاکٹر نے چند لمحے خاموش رہ کر سوچنے کے بعد پوچھا۔

”میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح میرا رابطہ اصل خریداروں سے ہو جائے۔ اگر میں اس سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو تمہی گروہ دس لاکھ روپے کے حساب سے چھ گروہ لاکھ میں فروخت کر دیں گے۔ اس میں سے آدھی رقم تمہاری ہوگی اور آدھی میری۔“

اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ شاید ابھی سے اسے تیس لاکھ روپے اپنی جیب میں نظر آنے لگے تھے۔ اس کی باجھیں کھل گئیں تھیں۔ وہ بولا: ”کیا تو سچ کہہ رہے ہو؟ میں لاکھ بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بلکہ میں بھرتیوں جاننے انہی زبان سے؟“

”نہیں، غلام جیلانی زبان دے کر بھرا نہیں کرتا کبھی، میں نے جو کچھ کہا ہے اس میں جھوٹ بالکل نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اگر ایسا ہے تو میں ان تین کے ہی نہیں، تمہارے کہنے پر تیس آدمیوں کے گروہ بھی نکال کر رکھ دوں گا تمہارے سامنے؟“

”میں تو بھر بات پہنچ ہو گئی۔ اس کا پیغام سیلفون پر ملنے کے بعد تم آکر پریشانی کی تیاری شروع کر دو۔ تمہارا اصل گروہ دونوں تیس ادھر دوسرے کرے میں موجود ہی ہیں۔ ان کی مدد سے کام آسانی سے ہو جائے گا تمہارا۔ میں نے سکرا کر کہا: ”ویسے رات گانی کر چکی ہے، ان نرملوں کے گھر والے تو پریشان نہیں ہوں گے ان کی طرف سے۔ ایسا نہ ہو ان میں سے کوئی آدھ گھنٹہ دقت پڑے۔“

”ان کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ آج کوئی فحش بات نہیں ہوئی۔ وہ دھمکاکر کام کی وجہ سے تنگ حاتی ہیں میاں! ڈاکٹر نے بتایا۔

”میں اس کی طرف سے مطمئن ہو کر خان کے پاس واپس آ گیا۔“

اس دوران وہ پیغام ریکارڈ کر چکا تھا۔ میں نے اسے جلا کر سنا۔ اس میں کوئی شکوک بات نہیں تھی۔ اس نے اپنے کسی پاس کو مطالب کر کے یہ اطلاع دی تھی اسے کہ میاں اچانک بات بگڑ گئی ہے۔ ڈاکٹر نے اسے غلام جیلانی کے مشہور زمانہ غلام جیلانی کے دوست اسلم کی کارگروہ کھانے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ سے جیلانی نے اسے پکڑ لیا ہے اور جب ہمارے آدمی یہاں پہنچے تو وہ بھی اس کے شکنجے میں جا پھنسے۔ انھیں بچانے کی کوشش میں میں بھی باندھ لیا گیا ہوں۔ جیلانی ڈاکٹر کو مجبور کر کے ہمارے گروہ سے نکلوا چاہتا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے دس لاکھ روپے کے عوض اپنی اور اپنے آدمیوں کی رہائی کے لیے راضی کیا ہے۔ آگے کے معاملات آپ خود طے کر لیں اس سے۔ میں نے مطمئن ہو کر ٹپ ریکارڈ اٹھا لیا اور ڈاکٹر سے کہا: ”چلو ڈاکٹر! ایک باہر تھیں سیلفون نمک چھیننے کی زحمت دے رہا ہوں میں، مگر کیا کیا جاسکے گا، جانا تو پڑے گا یہی وہاں ہیں۔“

اس بار ڈاکٹر نے کوئی حیل جتت نہیں کی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر میرے ساتھ بولا۔

میں نے ڈاکٹر کو اپنے آگے کر لیا اور خود اس سے خند قدم پیچھے چلنے لگا۔ ڈاکٹر نے باہر نکلنے کے لیے دروازہ کھولنے کا ہاتھ آگے بڑھایا لیکن تھا کہ وہ خود ہی ایک زوردار دھمکے کے ساتھ نکل گیا۔ ڈاکٹر اس دم اچھل کر پیچھے ہٹا۔ یہی کچھ میں نے بھی کیا تھا اور یہ ایک انتظار کا عمل تھا۔ غیر متوقع طور پر اچانک دروازہ کھلنے کی وجہ سے مجھے حیرت کا بندہ جھٹکا لگا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی دو نہایت گر اندیل قسم کے آدمی اندر کھس آئے تھے۔ دونوں کے قدم چھ دف سے نکلے ہوئے تھے۔ بدن ان کے نہایت مضبوط، بالکل فولاد سے ڈھلے ہوئے لگتے تھے۔ بازوؤں کی پھللیاں ٹنڈر کی آدھی آستین کے نیچے پھیر پھراتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ انھوں نے اندر کھس کر کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑا کر شروع کر دیں۔ پہلے انھوں نے فرش پر پڑے ہوئے ملک اور شاہ کو دیکھا، انھیں دیکھے ہی ان میں سے ایک جو کم کر بولا: ”اوہ، یہ تو شاہ جی اور ملک صاحب معلوم ہوتے ہیں۔ کیا ہوا ہے انھیں؟ اور یہ شاہ جی کے اس پاس فرنیچر پر غول کیوں بھر رہا ہے؟“ وہ تیزی سے ان دونوں کی طرف دیکھا: ”اوئے کا! دیکھ دو انھیں۔ اس ڈاکٹر سے پوچھا اس نے کیا کر دیا ہے ان کو، یہ تو بالکل بے جان لگ رہے ہیں۔“

دوسرا شخص جسے اس نے کا کہہ کر مخاطب کیا تھا غضبناک لگا ہوں سے ڈاکٹر کو کھڑے ہوئے بولا: ”کیا ہوا ہے انھیں ڈاکٹر؟“ ڈاکٹر کے چہرے پر ہوا بیاں اڑنے لگی تھیں انھیں دیکھ کر یہی یوں لگتا تھا جیسے اس کے چہرے پر ہلیدی پھیر دی گئی ہو۔ وہ زور زور سے کھینچا کھینچا بولا: ”مجھے... مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں سچ کہتا ہوں۔“



میں..... میں کچھ نہیں جانتا۔ ان سے..... ان سے پوچھو.....  
ان سے“

اس نے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کیا: انھوں نے ہی  
کچھ کیا ہے ان کے ساتھ.... شاہ جی کو تو.... گو.... گو.... گو لگی ہے  
اس کی.... اس نے دربان کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا: اس نے  
گوئی چلائی تھی.... شاہ جی کو پہلے کے لیے.... مگر وہ گوئی خود  
شاہ جی کو جگائی....“

کا کانے ڈاکٹر کے اشارہ کرنے پر دربان کو دیکھا۔ اسے  
رستوں میں جب کڑا دیکھ کر وہ بولا: اسے کس نے ہاتھ کے ڈالا  
ہے یہاں؟“

دربان نے اپنی منگ پڑے پڑے کہا: ”بہت اچھے وقت  
پر آئے ہو دم دونوں۔ اسے پکڑو اور اس ذلیل غلام جیلانی کو اسی  
نے ہمارا یہ حشر کیا ہے اور یہ ساتھی میں اس کے، یہ دونوں انھیں  
ہاتھ کے لیے جلو باس کے پاس۔ بڑے شہ زور بنے پھرتے  
میں سالے!“

”اچھا! تو یہ غلام جیلانی ہے؟ کا کانے مجھے سر سے پاؤں  
تک نظر میں تولتے ہوئے کہا: ”اور جادوہر بیٹھا ہے تمہارے  
پاس وہ اسلم آئی ہوگا پھر؟ مگر یہ دونوں یہاں کیا لینے آئے ہیں؟  
اور تم سے کیوں اچھے بیٹھے ہیں یہ؟ کیوں جی کیا بات تھی؟ اس نے  
میری طرف دیکھا۔“

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے سوال کو  
نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا: تو تم دونوں ساتھی ہو ان تینوں کے؟“  
”وہ تو ہماری بالوں سے ہی پتا چل گیا ہوگا تمہیں۔ اگر ایسا نہیں  
ہوتا تو ہم ان کی تلاش میں یہاں کیوں آتے؟“ اس نے جواب دیا۔

”ان گردہ خور دونوں میں تمہاری حیثیت کیا ہے بھی؟ مجھے  
تو تم ان کے زرخیز ہونے کو قربانی کے بجائے“ میں نے تعجباً آمیز  
انداز میں کہا۔

”ہم نہیں اوسے میں لگا کر رہا ہوں تمہارا تو اس کا یہ طبق  
ہرگز نہیں ہے کہ تم جو زمین اسے بکتے چلے جاؤ۔ زبان کو تو پاؤں کھو  
اچی، میں آدمی بہت خراب ہوں۔ منٹوں سینڈروں میں آدمی کا حلیہ  
تبدیل کر دیتا ہوں شرافت باقی نہیں رہنے دیتا آدمی کی کوئی؟“  
”ہنسنے بھی شے۔ جی خوش کر دیا ہے تو نے تو یار اس گھڑی  
میرا۔ میں تو سمجھ بیٹھا تھا کہ شاید اب شہ زوروں کی پیرائش کا سلسلہ ہی  
منتقل ہو گیا ہے مگر مجھ سے ل کرنا یہ خیال بدلا جڑے کا مجھے  
اب۔ تیرے جیسے جی دار کی بڑی تلاش تھی مجھے میاں؟“

وہ سمجھا کہ میں نے سچ سچ اس کی تعریف میں زمین آسمان کو  
ایک ہی لڑی میں پڑنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کی باجھیں  
چھلنے لگی جارہی تھیں۔ اسی وقت اس کے دوسرے ساتھی نے

شاہ کے قریب سے اٹھ کر ہماری طرف آتے ہوئے کہا: کا کا  
شاہ جی تو شک گئے بالکل ای۔ پھر وہ میری طرف مڑ کر بولا: اہل  
بھئی جوان کی ناں اس تیرا، کلام جیلانی۔ تو دس ایسے نال کی  
ہو یا سی؟“

”ہونا کی سی جواناں، میں وکت مگ گیا سی، ادب داکھ ہوگا  
ہی فرشتہ اصل نول۔ ہورے تھی اکی کوئی نہیں“  
”اوسے تک نہیں اوسے، جاندائیں ایں توں مینوں اسل  
مگا چھلان گاتیرے ہن ای میں؟ اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ  
گھوم گیا۔“

میں اس کے لیے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس کی یہ حرکت  
بالکل ہی غیر متوقع تھی میرے لیے مجھے ایسا لگا تھا جیسے میرے  
منہ پر تھوڑے سے قریب لگا کر گئی ہو۔ ایسا بھڑکا ہوا ہاتھ چڑھا  
کہ میرے پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور میں الٹ کر  
پشت کے بل فرش پر جا گرنا۔ سنبھل کر دوبارہ اٹھا تو مجھے اپنی زبان  
پر خون کا ڈالٹھ محسوس ہوا۔ میں نے سنبھلی کی پشت سے منہ فرسٹ  
کرتے ہوئے زمین پر غرقو دیا۔ میرا اوپر والا ہونٹ پھٹ گیا  
تھا اور اس سے خون بہہ بہہ کر میرے منہ میں جا رہا تھا۔ غصے  
سے میری کپٹیاں چلنے لگیں اور غلام غلط میں بے تاب ہو کر میں ناں  
پر جا پڑا مگر اس نے مجھے دونوں ہاتھوں پر روک کر نشیال کی طرح  
اچھال دیا۔ میں نے پھر سنبھل کر اس پر جھلاٹ لگائی، اس بار میں نے  
اس کے ہاتھ کو تھامنا کہ اس پر اپنا غصہ صوبہ صوبہ استعمال کر کے  
اسے ایک ہاتھ سے محروم کر دوں۔ میں اس حد تک تو اپنے مقصد  
میں کامیاب ہو گیا کہ اس کا ہاتھ میری گرفت میں آگیا مگر میں  
اسے اٹھانے کی حسرت پوری نہ کر سکا۔ جیسے ہی میں نے اس پر  
زور ڈال کے اسے اٹھا لے کر کوئی کوشش کی، اس نے نہ جانے کس  
طرح اپنے ہاتھ کو گھمایا کہ میں ہوا میں اڑتا ہوا اس کے اوپر سے  
گزر کر دیوار سے جا ٹکرا اور پھر کسی مردہ جھپکی کی طرح پٹ سے  
زمین پر ٹپک گیا۔ خیریت یہ ہوئی کہ سنبھل کے لیے دیوار سے ٹکرا کر گرا  
تھا جس کی وجہ سے کوئی خاص ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی تھی مجھ  
میں۔ یہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سے مقابلہ کرنا اور اسے  
شکست دینا میرے بس کی بات نہیں تھی، اس بار میں نے دھوکے  
سے لوہے کے چنے ہی منہ میں ڈال لیے تھے اپنے اوپر اب وہ پیر  
دانت توڑے دے رہے تھے۔

میں آہستہ آہستہ سنبھل کر اٹھنے کی کوشش  
کر رہا تھا کہ اچانک ایسا لگا جیسے کوئی بھاری شہتیر زمین پر  
گرا ہو۔ میں نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا اور یہ دیکھ کر  
میری آنکھیں ایک دم پوری طرح کھل گئیں کہ وہ جس نے  
مجھے فٹ بال بنایا تھا زمین پر سے اٹھنے کی کوشش کر رہا

تھا اور اس کے مقابل کل زمان کھڑا سکر رہا ہوئے اسے  
دوبارہ اٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ انداز اس کا ایسا ہی تھا جیسے  
وہ کسی بچے کو نیچے گرا کے چبکا رہتا ہوئے دوبارہ اٹھ جانے  
کو کہہ رہا ہو کر گرنے والے نے تھوڑا سا اٹھ کے خون آغوش  
ہجما ہوں سے کل زمان کو دیکھا اور پھر اچانک جیسے اسے کسی  
طاقت دریا سیرنگ نے اچھال دیا۔ وہ کی فٹ اور اچھل کر نیچے  
آیا تو اس کے پیر سیدھے ہو کر زمین پر پڑے تھے لیکن وہ ایک  
بل بھی اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا تھا۔ پیر زمین سے گئے ہی وہ  
پھر اچھلا اور اڑا ہوا کل زمان پر جا پڑا۔ میں نے اسے لوہے کی خاک  
انداز میں جت کرتے دیکھ کر سمجھا تھا کہ اب وہ کل زمان کو ٹوکری  
طرح رنگہ کے رکھنے کا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب  
میں نے خود اسے اٹھ کر اگرتے ہوئے دیکھا۔ کل زمان نے اس کے  
نظام بند ہونے ہی اپنی جگر چھوڑ دی تھی اور جب وہ اس جگر جا  
کر کا جہاں ایک لمحے پہلے کل زمان کھڑا تھا تو کل زمان نے  
گھوم کر اس کی تیزی سے اس کے سینے پر لات ماری کہ وہ کھڑکھڑا  
کر نیچے جا گرا۔ وہ اٹھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ دوسری لات  
اس کے منہ پر پڑی، وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ پھر سر اٹھاتے  
ہی چہرے پر ایک اور لات پڑی، وہ اٹھنے اٹھتے تھے پھر زمین پر گر  
گئی۔ کل زمان شہنشاہی انداز میں گھوم گھوم کے لائیں چلا رہا تھا اسے  
انتی فصحت ہی نہیں تھی کہ کر کہ اپنے حریف کی حالت یا اس کی  
بودیش کو دیکھتا، چنانچہ چوتھی بار اس کا اندازہ غلط ہو گیا کیونکہ  
اس مرتبہ اس کے مقابل نے اٹھنے کی کوشش کرنے کے بجائے  
لینے ہی رہنا مناسب سمجھا تھا اور جیسے ہی کل زمان کی ٹانگہ اس  
کی طرف پڑھی اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے دبوچ کر اوپر  
اچھال دیا۔ کوئی اور شخص ہوتا تو اس کی اس حرکت پر اچھل کر سر  
کے بل نیچے جا گرتا مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا  
کہ کل زمان نے ہوا میں ہی اسی غلا بازی کھائی اور میں اسی جگہ  
سیدھا کھڑا ہو گیا جہاں اچھال پل پہلے اس کا حریف چڑھا تھا۔ وہ  
بھی کوئی نن کا رہی تھا اور اس نن کے سامنے داؤ بیچ جانا تھا  
وہ کل زمان کو اوپر اچھالنے ہی ٹوٹ لگا کہ اس طرف چل گیا تھا  
تمثال سے کل زمان اس پر لائیں چلا رہا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو  
کل زمان اس کے سینے پر کھڑا ہوتا اس لمحے اور جس انداز سے  
اس نے زور وار جھٹکے کے ساتھ اپنے پاؤں جھانے تھے زمین پر  
اگر یہ پاؤں حریف کے سینے پر پڑے ہوتے تو اس کے سینے کا  
بجڑ کر لڑنے کے اندر دھنسا جاتا۔ ادھر کل زمان کے پاؤں سے  
زمین پر گئے اور اُدھر اس کا مقابل اچھل کر اپنے پیروں پر کھڑا ہو  
گیا۔ مردہ کل زمان تو یوں لگتا تھا جیسے اس کی رگوں میں بارہ بھر  
دیا گیا ہے زمین پر اس کے پیر جیسے ہی نہیں پارا ہے تھے پورے

طرح اور پانچ نہیں نظر اس کی کتنی تیز تھی کہ بل بھڑکی اپنے تریف  
کی پوزیشن کا جائزہ لے لیتا تھا وہ۔ ابھی وہ اپنے قدموں پر  
کھڑا ہوا ہی تھا کہ کل زمان ایک پیر پر نیچے بیٹھا اور دوسرا پاؤں  
سیدھا تان کر کچھری کی طرح گھوم گیا۔ اس کی تنی ہوئی ٹانگہ  
بھاری لٹھ کی طرح اس کے مقابل کی ٹانگوں پر پڑی اور اس کے  
پیر ایک بار پھر زمین سے اٹھ گئے اور پھر میری آنکھوں نے ایک  
حیرت انگیز..... یقین نہ کرنے کی حد تک جو نکا دیے والا منظر  
دیکھا۔ کل زمان نے پلک جھپکنے میں لیٹ کر اپنے گرتے ہوئے  
حریف کو دونوں ٹانگوں میں لے کر پوسے زور سے اوپر اچھال دیا۔  
تندرست و توانا، بھاری بھر کم شخص کسی پلاٹنگ کے بے جاں لڑکے  
کی طرح نضا میں لڑنا ہوتا ہو کر اس کی حیرت سے جا ٹکرا یا کل زمان  
کی یہ حرکت خود اس کے حریف کے لیے بھی اونیوکی اور غیر متوقع تھی  
وہ ایسے کسی محبوبے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا نتیجے کے طور  
پر کل زمان نے اسے اوپر پھینک کر تو وہ اپنے اوسان گویا بیٹھا اور  
جھٹ سے ٹھوٹنے کے بعد کسی مردہ جھپکی کی طرح پٹ سے نیچے  
اگر۔ اتنی لمبی سے اس طرح گرنے کے بعد اس سے دوبارہ اٹھانے  
نہیں گیا۔ اس کا ساتھی کا کاب تک یہ مقابلہ سکر رہا تھا۔ اسے  
دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنے ساتھی کی فوج کا کال یقین ہوا۔ اسے  
بڑے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی کے باعث جھپک جھپک  
تھی تھیں۔ خود میں اس دلچسپ اور سنسنی خیز مقابلے کو اسنے اتنا کم  
سے دیکھ رہا تھا کہ مجھے یہ تک ہوش نہ رہا تھا کہ میں فرش پر جا پڑا  
ہوں مجھے اپنی اس حالت کا احساس اس وقت ہوا جب کل زمان  
اپنے دونوں ہاتھ جھانٹتے ہوئے کا کانے کے سامنے کھڑے ہو کر کہا  
”اب تیرا کیا خیال ہے مراد؟“

میں نے چونک کر جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی مگر کراہ  
گیا۔ میری کمر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اور گھٹنوں میں بھی سخت چوڑھ  
آئی تھیں۔ پچھلے ہوئے ہونٹ سے خون بہہ کر گھٹنوں اور گردن میں  
پہنچ چکا تھا جیسے میں نے قمیص کے آستین سے صاف کرنے کی کوشش  
کی، پھر ایک ہاتھ زمین پر پٹھا کر اور دوسرا ہاتھ کے آہستہ آہستہ  
اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شکر ہے کہ مجھے صرف جوتیں ہی آئی تھیں، تم  
پٹیاں ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ تھیں۔ اٹھنے کے بعد میں دیوار سے  
پشت لگا کے کھڑا ہو گیا۔ کا کا اور کل زمان ایک دوسرے کے  
مقابل کھڑے، آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کو کھنکھتے  
تھے۔ کا کا کی آنکھیں شعلہ اگھتی معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کی ٹھٹھیاں  
بھینچتی ہوئی تھیں اور اس نے اتنی زور سے اپنے دانتوں پر دانت جھکا رہا تھا  
ہوئے تھے کہ جگر بد کی پٹیاں ابھر کر نمایاں ہو گئی تھیں۔  
اچانک کل زمان نے اچھل کر ہوا میں ایک اسی غلا بازی کھائی اور میں اسی جگہ  
کھائی اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر ٹکرا کر اپنی دونوں ٹانگوں

اس کے سینے پر سے ملدیں۔ کا کا کے لیے یہ جلد غیر متوقع تھا اور گل زمان نے بس پل بھر میں ہی سب کچھ کر ڈالا تھا۔ جلنے کی شدت اور گل زمان کی جیتی اور بھرتی نے اسے یہ احساس دلایا تھا کہ اس سے مقابلہ کر کے وہ اسے زیر نہیں کر سکے گا۔ گانچہ کا کانے دوبارہ .... اس کے مقابل آنے کے بجائے تیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ لیکن اسے باہر نکلنا نصیب نہ ہو سکا، اس کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی خان نے اپنے سائیکسٹر کے ریلوے سے اس کے پیروں کو نشانہ بنادیا۔ کھٹ کھٹ کھیسی آواز کے ساتھ ہی وہ بائیں دان کے پیچھے ہاتھ رکھ کر دائیں پیر پر اچھٹے ہوئے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن خان نے اس کے دائیں پیر میں بھی ایک گولی اتار دی۔ دوسرے پیر میں گولی گتے ہی وہ کسی زخم کھانے ہوئے شیر کی طرح غما کر پڑا اور .... اندھا دھند گل زمان پر جا پڑا۔ مگر گل زمان نے اسے دونوں ہاتھوں پر بندھا لیا کہ اس کے بلے سدھ پڑے ہوئے سامنے پر اچھال دیا۔ وہ جیت گرا تھا اور گرتے ہی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر ٹکرائیں۔ کتا بازی کھلانے والے انداز میں دوسری طرف الٹ کر بھاگا کھڑا ہو گیا۔ گلاب اس کی ٹانگیں اس قابل نہیں رہی تھیں کہ وہ اس کا بوجھ سہار سکے، چنانچہ کھڑے ہونے کے بعد اس کے گھٹنے کا پتہ ہونے لگا۔ کتا شروع ہو گئے، تکلیف کی شدت سے اس کے ہونٹ بھینچ گئے اور وہ نیچے بیٹھا جلا گیا۔

گل زمان نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ میں اسے ایسا بالکل نہیں سمجھتا تھا۔ فیروز نے اس کے بارے میں مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک باقاعدہ تربیت یافتہ غریب کا رہے، جواب تو یہ کہ اس کے ہمارے ساتھ شال ہو گیا ہے۔ میں نے سوچا تھا وہ چھاپا مارا قسم کی غم خیز تربیت کر کے آیا ہو گا مگر اب یہ بتا چلا تھا مجھے کہ وہ کیسا زبردست فائنر تھا۔ دو فیٹن تن اور فلاڈی اعضا رکھنے والے جوانوں کو اس نے جس خوبی اور صراحت سے زیر کیا تھا کہ اس کی صلاحیتوں کا بہترین ثبوت تھا۔ اس میں شک نہیں اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی حار نہیں ہے کہ اس گھڑی گل زمان نہ کوڈ پڑا ہوتا۔ میں تو بس ابھی یہ داستان حیات سناتے کے لیے زندہ نہ ہوتا۔ اس گینڈے نے جس طرح مجھے اپنے ہاتھ کی ایک جنبش سے اچھال دیا تھا، اس سے میرے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اس کے مقابلے میں میری حیثیت کسی طفل کتب سے زیادہ نہیں تھی۔ اس نے جو میرا حشر کیا تھا اس کے بعد تو میرا اس کے سامنے جم کر کھڑے ہونا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

گل زمان کے اس کارنامے پر میں اتنا مسرور تھا کہ اپنے سے چوٹوں اور تکلیف کو بھول کر بے اختیار اس کی طرف لپکا اور اسے سینے سے لٹکا کر اس کی پشت بھینکتے ہوئے بولا: "واہ باگلی زمان"

تو تو بڑا شیر نہ رہے۔ اس گھڑی تو نے تو کہاں ہی کر دیا ہے؟ خان بھی ہمارے نزدیک آگیا۔ وہ مجھے اسے تو صوفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا: "اب تک تو تمھاری تسلی نہیں ہی متاثر تھا آج یہی بار تھیں لڑتے دیکھا ہے۔ جی خوش کر دیا تم نے گل زمان کو کوئی بہت بڑا انعام ملنا چاہیے تھیں آج"

وہ انکساری سے بولا: "یہ سب اس میرے مولا کی مہربانی ہے جی، اور انعام و فہام کی بات ہی نہ کریں آپ۔ جس دن میں اسے ملک کے بدخواہوں کو مٹی میں لادلاؤ گا وہ دن میرے لیے خوشی کا فصل دن ہوگا۔ اور میرے لیے سب سے بڑا انعام بھی ہوگا"

"آفرین ہے تجھ پر اور تیرے اس جذبے کو میں سلام کرتا ہوں۔ کاش تم سب کے دلوں میں وطن کی محبت اسی طرح جاگن ہو سکے جیسی تیرے دل میں ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو کسی بدخواہ کو ہمارے وطن کی بربادی کے بارے میں سوچنے کی بھی جرأت نہ ہو کبھی، پھر میں نے خان سے کہا: "لو کبھی خان! یہ گل زمان نے تمھارے لیے چار گردوں کا اور انتظام کر دیا ہے۔ جیسے معتمد گزے ہوں گے ان کے، میرا یہی خیال ہے"

خان نے مسکرائی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا: "لو کیا اب ان دونوں کے گزے بھی نکالنے کا ارادہ ہے تمھارا؟"

"اور کیا ارادہ ہے تمھارا؟ کیا ان کی کھال چھوٹی پڑھوؤ گے۔ مگر یہ اس کام نہیں آسکے گی۔ آدمی کی کھال..."

ماٹھیوں سے مندرج پڑے ہوئے کانے غراتے ہوئے میری بات کاٹ کر کہا: "جو کچھ اسے۔ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے تو نوٹ"

"کیوں بھئی کیوں نہیں کر سکتے ہم ایسا؟ کون روکے گا ہمیں یہ کام کرنے سے؟ ہمیں نہ اس سے چڑھنے والے انداز میں کہا۔ میں .... میں تمھاری کھال .... کھال کھینچ لوں گا ...." وہ اسی آدمی .... تم جانتے .... نہیں ہو مجھے .... وہ شخص سے چٹا ہوا ہوا رہا تھا۔ ادھر اس کی زخمی ٹانگیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں جس کی وجہ سے زبان بھی ٹوٹ کر رہی تھی۔

"جاننا ہوئے، اب تو بہت اچھے طرح جان گیا ہوں میں تمھیں گتے، دوسروں کے گزے نکال نکال کر بیچتے ہے بواب تک تم، اور کسی کسی پر رحم نہ آتھیں، اب اپنی باری آئی ہے تو بھونکتے لگا ہے۔ گردے تو اب دینا ہی نہیں تھے بغیر دار"

"خون لہو لہو کا ایک ایک .... دیکھو گا .... دیکھو گا ...." میں .... کون کتا ہے .... گزے .... میرے ....

یلا ہو گا تو تیرا ہی نر پہلے لگا دوں گا میں!"

میں اس کی جی بجی کر دیتا ہوں! میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

مجھے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ کہنیوں کے بل اوپر اٹھ کر اپنی طرف بڑھتا ہوا تھا۔

وہ چلتا جا رہا تھا۔ میں نے قریب پہنچتے ہی نیچے جھک کر اس کی گردن پر ہاتھ ڈالا اور رگ احساس مسل ڈالی اس کی۔ وہ ایک دم خاموش ہو کر ایک طرف ڈھک گیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس کے دوسرے بے ہوش پڑے ہوئے سامنے کی طرف توجہ کی۔ لٹا ہوا اس سے کوئی خطرہ نہیں معلوم ہوتا تھا لیکن کوئی بھروسہ بھی نہیں تھا اس کا۔ کسی غلط موقع پر اسے ہوش آجائے تو وہ مصیبت بھی میں سکتا تھا ہمارے لیے۔ اسی خیال سے میں نے ایک ہلکا سا ہاتھ اس کی رگ احساس پر بھی پھیر دی۔

ان دونوں کی طرف سے مطمئن ہو کر میں صوفے پر بندھے پڑے ہوئے دربان کی طرف مڑا۔ اس کی حالت دیدنی تھی اس گھڑی، انھیں اس کی یوں پھٹی پڑی تھیں جیسے اس نے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو یا فزشتہ اہل اپنے سامنے کھڑا دکھائی دے گیا ہو۔ منہ بھی پوری طرح کھلا ہوا تھا اس کا۔ گت تھا اس نے ابھی چند لمے پہلے جو کچھ دیکھا تھا یہاں اس پر یقین نہ آ رہا ہو اسے۔ میں نے سوسکتے ہوئے اس کی جانب قدم بڑھا کر کہا: "کیا حال ہے بچے"

تیرا وہ طبیعت تو ٹھیک ہے تاہم یہ دلیہ یہ بات تو نے ٹھیک ہی کہی تھی ان دونوں سے کہ بہت اچھے موقع پر آئے ہیں وہ یہاں تیرا یہ خیال غلط نہیں تھا مجھے پورا پورا اتفاق ہے تیری اس بات سے۔ اگر وہ اس سے نہ آتے اور انھیں تھوڑی سی دیر ہو جاتی یعنی ایسے وقت آتے ہوتے وہ جب ہم کہیں اور معروف ہوتے تو میرے بارگاہِ نمین کی طرح جھپٹ کر نکل جاتا ہمارے ہاتھوں سے کیوں میرے وہ فریڈ تو نہیں کہہ رہا ہوں نا میں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر ٹنٹس خوردہ لے لیے میں بولا۔ "فرار لوگوں کے ہائے میں اندازہ لگانے میں غلطی ہو گئی مجھے ہے۔ لیکن اگر کہیں سمجھا تھا میں انھیں یہ سہانے بہتر ہی آدمی تھے۔" دونوں آج سے پہلے کوئی انھیں زمین کی طرف جھکا کر ٹک نہیں سکتا تھا۔

"ہاں بیٹے! ایسا ہی ہوتا ہے۔ اونٹ جب تک پیار لکے

نیچے سے نہیں گزرتا اسے سب بولنے ہی گتے ہیں مگر یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ ہر سیر کا غور توڑنے کے لیے کہیں نہ کہیں سراسیمہ موجود حضور ہوتا ہے۔ یہ واسطہ پڑنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے آدمی کو"

"ہاں، یہ تم نے ٹھیک کہا ہے جیلانی! آدمی کو اس کا غور کھانا ہے، تجربے ہی، عزائل کو شیطان لعین بنایا تھا۔" میں نے ڈاکٹر سے کہا: "آئی جی ڈاکٹر صاحب! لعنت بھیجیں ان پر اور جلیں اپنا کام کر چل کر۔ اب تو ہمارا پوزیشن کچھ اور بھی مضبوط ہو گئی ہے، اب ہم دس کے بجائے تیس لاکھ کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں ان کے سرسپوں سے"

"کیا مطلب، کیا تم اب بھی انھیں فون کر کے اپنا مطالبہ کھو گئے ان کے سامنے؟ ڈاکٹر نے قہر سے حیرانی سے کہا۔

میں ہنس کر بولا: "کیوں بھئی، اب ایسی کون سی بات ہو گئی ہے کہ اپنا ارادہ تبدیل کر دوں میں؟ حیرانی کس بات پر ہے تھیں؟" میں نے کہنا چاہا کہ اب اس وقت تمھاری حالت اچھی نہیں معلوم ہو رہی ہے مجھے۔ شاید کمر میں چوٹ آئی ہے تمھارے، جس کی وجہ سے سیدھا کھڑا ہونا بھی دشوار ہو رہا ہے تمھارے لیے۔ اس حالت میں تو چلنے میں دشواری نہیں محسوس کرو گے؟"

"اوچل میاں! ایک ہی زانیہوں جیسی باتیں کر رہا ہے۔ ایسا ہی گل اندام، ناک بدن دکھائی دیتا ہوں میں سمجھ کر اتنی معمولی معمولی چوٹیں میرے پاؤں مقام کر چکے پھر نے سے روک دیں مجھے؟ ان میں سے نہیں ہوں میں جن کے پاؤں فرش چھل پر بھی چھلنے لگتے ہیں، ان دنوں کو تو سب نکلا کر چٹائیں اور خاردار راہیں بھی نہیں روک دی ہیں آج تک!"

میں نے آگے بڑھ کر نیچے پڑا ہوا ٹیپ ریکارڈر اٹھا لیا۔ ڈاکٹر نے مزید کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے میرے آگے آگے چلنے لگا۔

ہر سو خاموشی بھائی ہوئی تھی، اس کے سوا دور دور تک کوئی جلی سی آہٹ بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ شام کی سیاہی پھیلنے سے پہلے ہم گھر سے نکلے تھے اور اب تک کسی جگہ سکون سے بیٹھ کر سانس لینے کا موقع بھی میسر نہ آ سکا تھا۔ حادثات اور واقعات کی ایک لمبی سیر میں ابھی کر رہا تھا میں جس کا کوئی سرا ہاتھ نہیں رہا تھا میرے ساری خلقت خوابِ غم کوٹھ کے منہ لوٹ رہی تھی۔ ایک پُرہنگام دن گزار کر لوگ اپنے اپنے بستروں میں لیٹے آئے والے دن کی بڑنگام تفریحوں کے لیے خود کو تازہ دم کر رہے تھے اور ایک میں تھا جس کے لیے رات اور دن میں کوئی تفریق ہی نہیں رہی تھی۔ حالات کا بھنور مجھے مسلسل چکراتا پھر رہا تھا اور میں ایک

بیلے دست و پا مخلوق انسان کی طرح اس جھنور سے نکل ہی نہیں پاتا تھا یہی میری تقدیر تھی، اسی خیر پارہ تقدیر نے ایک ایک کر کے میرے سارے بال و پر فوج بھیجے تھے۔ قوت بردار سے بالکل محروم کر کے رکھ دیا تھا اس لیے مجھے جب بھی اڑنے کی کوشش کرتا تھا، اچھل کر کسی زائدن میں جا کر مارتا تھا۔

اپنی خواب گاہ میں اگر ڈاکٹر نے ٹیلی فون کا رسیور اٹھا کر نمبر ڈال لیے۔ اور دھر بھی شاید لوگوں کی آنکھوں سے منڈاڑی سے ہوتی تھی، ان کے چہرہ آدمی ہماری طرف آکے والیسی کاراستہ کم کر بیٹھے تھے۔ ان کے بارے میں جاننے کے لیے یہ وہ جلی فون سے قریب موجود تھے، اتنی رات گزر جانے کے باوجود ان کے کان فون کی گھنٹی پر لگے ہوئے تھے۔ لہذا بیل بکتے ہی دوسری طرف سے رسیور اٹھا لیا گیا، ڈاکٹر نے کوڈور ڈکے تبادول کے بعد انھیں بتایا کہ غلام جیلانی ان سے بات کرنا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے رسیور میری طرف بڑھا دیا، یہو دوست اکیا حال ہے تمھارا؟ مجھے تو جانتے ہی ہوتا تم اخبار والوں نے بڑا نام اچھالا ہے میرا؟ میں نے رسیور ہاتھ میں لیے ہی کہا۔

”مردہ لاہور والے غلام جیلانی تو نہیں ہو؟ جن کی پولیس کو تلاش ہے، باخداوں میں تو کاشرا کی نام پڑھا ہے؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”بالکل ٹھیک سمجھے ہو تم، میں وہی غلام جیلانی ہوں پیارے جس کا ایک گردہ ڈاکٹر دھن سے تھلے ہاتھ بیٹھا بھی؟“ اکیا کھواس ہے یہ، دماغ تو غراب نہیں ہو گیا ہے تمھارا؟ کسی آدمی کا گردہ ہم کیوں خریدیں گے؟ آدم خود تو نمب ہیں ہم۔۔۔“

”چپ کر اؤ، صفائیاں پیش نہ کر میرے سامنے جانتا ہوں میں تم لوگوں کو خوب اچھی طرح سے اور تمھاری ضرورتوں کا بھی علم ہے مجھے۔ ڈاکٹر فاضلی ساتھ ہی بیٹھا ہے میرے، اور تمھارے وہ چار بندے جو اس سے گردہ حاصل کرنے آئے تھے، انھیں بھی باندھ رکھا ہے میں نے، اب مجھے ہلانے کی کوشش نہ کرو، اپنے کسی بڑے کو بلاؤ، اس سے بات کرنا چاہتا ہوں میں۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر درشت لیجے میں کہا۔

”میں سمجھا نہیں تم کن چار آدمیوں کی بات کر رہے ہو؟ ڈاکٹر فاضلی کے پاس تو ملک صاحب گئے تھے اپنی دوائی لے کر“

”اٹھی کا ذکر ہے بھئی، اودھ ٹھہرے ملک صاحب دو اوجھل کر نہیں گئے، بس اودھ لیے لیے لیٹ گئے اودھ ان کے ساتھ شاہ جی جو آئے تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہی لیٹ گئے شاید مقابلہ کر رہے ہیں کہ کون دیر تک بے ہوش رہ سکتا ہے۔ ان کے بعد دو طارزن نما آدمی آئے تھے گردہ ان دونوں کو بے ہوش

پڑے دیکھ کر اس صدمہ جہاں کا کہہ برداشت نہ کر سکے اور وہ بھی لڑا کر ایک دوسرے پر گر پڑے، میں نے انھیں ایک محفوظ مقام پر پہنچا کر آرام دہ بستروں پر لٹا دیا ہے۔ ان کے ساتھ دیکھ بھال کے لیے ڈاکٹر کے دربان کو بھی وہیں پہنچا دیا ہے میں نے باب آئی سمجھ کر کیا کہہ رہا ہوں میں؟“ اٹھی کے سلسلے میں ان کے کسی سرپرست سے بات کرنا چاہتا ہوں میں؟“ میں نے کہا۔

”اودھ۔۔۔۔۔ اودھ۔۔۔۔۔ تم نے کوئی زیادتی تو نہیں کی ہے ان کے ساتھ؟ اگر لایا ہوا تو بہت برا ہو گا یہ تمھارے لیے،“ وہ غراتے ہوئے بولا۔

”اؤٹے تو کیسا اٹو کا فرزند ہے بھئی۔ میں ان کے کسی سرپرست سے بات کرنے کو کہہ رہا ہوں اور تو دھمکیاں دے رہا ہے مجھے؟“ انھیں جو کچھ کہتا ہے مجھ سے کہہ سکتے ہو۔۔۔ مجھے یقین ہے تم نے کوئی جہاں جلی ہے ان کے ساتھ، یوں آسانی سے ڈھٹے جانے والے تو نہیں ہیں وہ لوگ۔ بلکہ انھیں زیر کرنے کی کوشش میں اچھے اچھوں کو برا دہوتے ہی دیکھا ہے میں نے اب تک۔“

”یہ سب وقت و وقت کی باتیں ہیں۔ آدمی کو کچھ جی موٹی لاپلاہ پراپنے بارے میں خوش فہمی کا شکار نہیں ہو جانا چاہیے۔ تم نے جن اچھے اچھوں کو ان کے ہاتھوں پر برباد ہونے دیکھا ہے ممکن ہے وہ صرف نام کے ہی اچھے ہوں اور اندر سے بالکل کھوکھلو ہو چکے ہوں۔ مجھے تو ان دونوں ہاڈی بلڈروں میں کوئی بھی ناقابل شکست چیز دکھائی دی نہیں اب تک۔“ میں نے جواب دیا۔

”خیر، خیر۔۔۔۔۔ مجھے تاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ ان کے سلسلے میں کیا بات کرنا چاہتے ہو تم مجھ سے؟“ اس نے سوال کیا۔

”میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان بچوں آدمیوں کی کوئی قیمت ہے تمھاری نظر میں؟ میں نے دریافت کیا۔“ قیمت سے کیا مراد ہے تمھاری؟ کھل کے بات کرو۔ میں تمھاری بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا ہوں۔“ وہ بولا۔

”مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ میں نے اسی کے انداز میں کہا، اگر تم نہیں مانتے ہو تو ٹھیک ہے، میں زیادہ اصرار بھی نہیں کروں گا۔ دس لاکھ روپے بڑے نہیں گتے مجھے، میں ان سے سودا کر لیتا ہوں ان کا۔ شاید ایک دو لاکھ اور بڑھ جائیں“

”کیون وہ ہیں کون لوگ؟ مجھے ان کے بارے میں بتاؤ، آخر اتنی بڑی انڈیکوں کر دی ہے انھوں نے تمھیں؟“ وہ نرم پڑ گیا تھا۔

”یہ بات کا رو باری اصولوں کے خلاف ہے۔ ان کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا میں تمھیں۔ میں تو تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا ان کے بارے میں۔ اس کا خیال کر کے دربان نے مجھ پر کیا تھا مجھے تم سے بات کرنے کو۔ اس کا خیال تھا ہم اس بادی کے مقابلے میں ان لوگوں کی زیادہ قیمت دے سکو گے۔ اب تم نہیں مانتے ہو تو کوئی بات نہیں۔ بیٹھے بٹھائے کے دس لاکھ بھی بڑے نہیں ہیں، اچھا خدا حافظ۔“ میں نے یوں فیصد کن انداز میں کہا تھا جیسے بات ختم کر کے سلسلہ منقطع کرنے لگا ہوں اس سے۔

وہ جلدی سے بولا، ”تمھارا رابطہ منقطع نہ کرنا تم مجھ سے کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہو ان کی؟“

”قیمت تم کا ڈنگے، میں کچھ نہیں بتاؤں گا اس بارے میں۔ یہ تو ایک طرح کا نیلام عام ہے جو بڑی بولی سے کام لیا جاتا ہے۔ نام جھوٹ جائے گا۔ پنی بولی دس لاکھ کی ہے اب تم جو بولی دو گئے وہ میں دوسری پارٹی کو بتا دوں گا، اگر اس نے تم سے زیادہ بللا دے دی تو پھر تم سے رجوع کروں گا اور نہ بولی تمھارے نام پر ہی ختم ہو جائے گی۔“ سمجھ گئے ناب بولی دو تم۔“

”ٹھیک ہے، میں تمھارے اس چکر کو کچھ سمجھ رہا ہوں پھر بھی میں کسی تین لاکھ دینے کے لیے تیار ہوں، اس نے بنی کش کی۔

”کے کیا رہے ہو تم؟“ اس کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی، ”کسی اور کو ان سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ جھوٹ بولتے ہو تم؟“

”مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ میں نے اسی کے انداز میں کہا، اگر تم نہیں مانتے ہو تو ٹھیک ہے، میں زیادہ اصرار بھی نہیں کروں گا۔ دس لاکھ روپے بڑے نہیں گتے مجھے، میں ان سے سودا کر لیتا ہوں ان کا۔ شاید ایک دو لاکھ اور بڑھ جائیں“

”کیون وہ ہیں کون لوگ؟ مجھے ان کے بارے میں بتاؤ، آخر اتنی بڑی انڈیکوں کر دی ہے انھوں نے تمھیں؟“ وہ نرم پڑ گیا تھا۔

”یہ بات کا رو باری اصولوں کے خلاف ہے۔ ان کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا میں تمھیں۔ میں تو تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا ان کے بارے میں۔ اس کا خیال کر کے دربان نے مجھ پر کیا تھا مجھے تم سے بات کرنے کو۔ اس کا خیال تھا ہم اس بادی کے مقابلے میں ان لوگوں کی زیادہ قیمت دے سکو گے۔ اب تم نہیں مانتے ہو تو کوئی بات نہیں۔ بیٹھے بٹھائے کے دس لاکھ بھی بڑے نہیں ہیں، اچھا خدا حافظ۔“ میں نے یوں فیصد کن انداز میں کہا تھا جیسے بات ختم کر کے سلسلہ منقطع کرنے لگا ہوں اس سے۔

وہ جلدی سے بولا، ”تمھارا رابطہ منقطع نہ کرنا تم مجھ سے کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہو ان کی؟“

”قیمت تم کا ڈنگے، میں کچھ نہیں بتاؤں گا اس بارے میں۔ یہ تو ایک طرح کا نیلام عام ہے جو بڑی بولی سے کام لیا جاتا ہے۔ نام جھوٹ جائے گا۔ پنی بولی دس لاکھ کی ہے اب تم جو بولی دو گئے وہ میں دوسری پارٹی کو بتا دوں گا، اگر اس نے تم سے زیادہ بللا دے دی تو پھر تم سے رجوع کروں گا اور نہ بولی تمھارے نام پر ہی ختم ہو جائے گی۔“ سمجھ گئے ناب بولی دو تم۔“

”ٹھیک ہے، میں تمھارے اس چکر کو کچھ سمجھ رہا ہوں پھر بھی میں کسی تین لاکھ دینے کے لیے تیار ہوں، اس نے بنی کش کی۔

کسی غلطی سے دس لاکھ روپے فی گروہ کے حساب سے لوئے ایک کروڑ روپے حاصل کر سکتے تھے اب اتنی بڑی رقم حاصل کرنے کے لیے وہ پچیس لاکھ توجیح کر رہے تھے۔

غلطی کا نام سن کر اسے میری باتوں پر یقین آگیا تھا کہ یہی غلطی ہی ان گروہوں کا خراب کار تھا۔ ڈاکٹر دھمن اور عالیہ بھی اسی کے ہاتھوں گرنے سے فرحت کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کا بھی وہی ایک لاکھ تھا۔ یہ بات مجھے دھمن کے زمانے میں ہی معلوم ہو چکی تھی کہ وہ ایک گروہ کے دس لاکھ دے دیتا ہے۔ چنانچہ غلطی کا نام اور گروہوں کی صحیح قیمت میری قربانی سننے کے بعد اس کے پاس شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی وہ چند زمانے سے خواش رہ کر بولا "اس کا مطلب ہے تم ہر بات سے واقف ہو چکے ہو لیکن میں جانتا ہوں تم یہ کمانے کے پونیس کے پاس نہیں جاسکتے۔ یوں بھی تم کوئی نیک نام آدمی نہیں ہو، اسی لیے ان لوگوں کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہو۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ پچیس لاکھ سے زیادہ نہیں پڑھیں گے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا ہے تم سے کہ وہ اس سے زیادہ نہیں پڑھیں گے۔ میں کہہ رہا تھا کہ پچیس لاکھ تو وہ خرچ کر دی دے گئے۔ یقیناً اس سے زیادہ بھی کر سکتے ہیں وہ لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہارے آدمی تمہیں ہی لوٹا دیے جائیں بشرطیکہ تم پچیس لاکھ تک دینے کو تیار ہو۔ اس سے کم ہرگز نہیں لوں گا۔ یہ رعایت ہے تمہارے لیے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں لاکھ مجھے منظور ہیں۔ اب یہ بھی بتا دو کہ رقم کی وصولی اور میرے آدمیوں کی واپسی کا طریقہ کار کیا ہو گا؟"

"رو پیر تم میرے بٹلے ہوئے پتے پر پہنچا دو گے وہاں سے جیسے ہی مجھے وصولی کی اطلاع ملے گی، تمہارے آدمی چھوڑ دیے جائیں گے۔"

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ میرے وصول کرنے کے بعد تم انہیں چھوڑ دو گے؟" اس نے میری توجہ کے عین مطابق پوچھا۔ "اس سوال کے لیے میں پہلے ہی تیار تھا۔ میں نے فوراً کہا "اس کے لیے میری زبان پر اعتبار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"ہوں؟" اس نے کہا اور پھر چند لمحوں کے لیے لائن پر خاموشی طاری ہو گئی۔

میں نے چند لمحے انتظار کرنے کے بعد اسے مخاطب کیا۔ "ہیلو، کیا سوچتے تھے؟ اگر منظور نہیں ہے تو بات ختم سمجھو۔"

وہ جلدی سے بولا "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، مجھے امید ہے تم کوئی دھوکا نہیں کرو گے میرے ساتھ۔ وہ بتاؤ جہاں

رقم پہنچا نا ہے؟"

"پانچ منٹ انتظار کرو، میں دوبارہ فون کر کے تمہیں ملے گا۔ اسے آگاہ کروں گا، یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور اٹھتے ہوئے ڈاکٹر سے بولا "آؤ واپس چلیں۔ پانچ منٹ کے بعد اس سے دوبارہ رابطہ قائم کر دیں گے۔"

"جب پانچ منٹ کے بعد یہاں پھر واپس آنا ہی ہے تو اتنی سی دیر کے لیے واپس کیوں جا رہے ہو؟"

"میں اپنے دوستوں سے اس سلسلے میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں نے پانچ منٹ انتظار کرنے کو کہا ہے۔ ڈاکٹر خاموشی سے اٹھ کر میرے ساتھ چل دیا۔ باہر آکر وہ بولا "تمہاری یہ شہرت بلاوجہ نہیں ہے جیلانی! میں اب تک یہی سمجھتا رہا تھا، پولیس خواہ مخواہ ہی معمولی معمولی مجرموں کو اہمیت دے کر جڑا بنا دیتی ہے اور یہ اخبار والے انہیں سیر و سائیلنس میں لیکن آج تمہارے ساتھ اتنا وقت گزارنے کے بعد اندازہ ہوا کہ میں اب تک غلط انداز سے سوچتا رہا ہوں۔ تم تو بہت حیرت انگیز آدمی ہو۔"

"نہیں یار! تمہارا وہ پہلے والا اندازہ ہی درست ہے۔ مجھ میں واقعی کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دوسرے انسانوں میں نہ ہوتی ہو۔ میں ساری بات سر پر آ پڑنے والی افتاد کی ہے۔ تم بھی غیر معمولی واقعات سے دوچار نہیں ہوئے، اس لیے تمہارے اندر پوشیدہ بے شمار صلاحیتیں کہیں دبی پڑی ہیں۔ اگر تم میرے حالات سے گزرے ہو تو میں تمہیں حیرت انگیز کچھ بھی بتاؤں گا۔"

"ہاں، شاہ تمہاری بات ہی درست ہو، وہ چلتے چلتے ایک دم ٹھنک کر چاروں طرف پھیلی ہوئی بیم تاریکی میں جھانکنے ہوئے بولا "تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو جلد از جلد کر کے یہاں سے روانہ ہو جاؤ کہیں یہاں نہ ہو وہ اپنے آدمیوں کو بچھڑانے کے لیے میری کوئی پردھاوا بول دیں اگر ایسا ہوا تو یہ نقصہ طول ہی پھڑپھڑا چلا جائے گا۔ وہ ایک باقاعدہ گروہ ہے جب تک تم صرف جار آدمی ہو یہاں ان میں بھی ایک اتنا زخمی ہے کہ بچل پھر بھی نہیں سکتا ابھی چند دنوں تک دوسرے میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ بات پولیس تک جا پہنچے۔"

"ہاں، ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ سو دسے بازی کے ساتھ ساتھ طاقت کا استعمال بھی کر سکتے ہیں۔ خیر آؤ، ہم کچھ سوچیں گے اس سلسلے میں بھی۔"

میں واپس پہنچا تو یہ دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ ہماری غیر حاضری کے دوران میں خان اور کل زمان نے انے سب کو باندھ کے ڈال دیا تھا۔ میں خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ایک طرف لے گیا اور بولا "میں نے انہیں تیس لاکھ روپے دینے پر رضامند کر لیا ہے۔ اب اس رقم کی وصولی

کا مسئلہ درپیش ہے۔ سوچا رہے ہیں نے کہ انہیں رقم بذریعہ پینچا لے لے کہہ دوں۔ وہ رقم وصول کرنے کے بعد فون پر ہمیں خبر دے گا پھر ہم مزید کارروائی کے بارے میں سوچیں گے۔ چھوڑوں گا؟" زمیں ان سے ایک کچھ نہیں لیکن میں یہاں زیادہ دیر تک کوئی خطہ بھی مول نہیں لینا چاہتا ہوں۔ وہ یہاں لیٹا رہے کھٹے کھٹے ہیں۔"

"ہاں، یہ خیال صحیح ہے تمہارا۔ لیکن انہیں فیروز کی طرف بھیجنا بھی مناسب نہیں ہو گا۔ وہ فون فرار اور انوکھال کے علاوہ ہمارا ایک شکار بھی موجود ہے۔ اگر ہر کار رخ بھی نہ کر سکتے تو انہیں ذکی وصولی کے لیے کوئی اور جگہ بتا دو انہیں، وہاں وہ رقم پھڑ کر لے جائیں تو ہمارا کوئی آدمی بھی اسے اٹھا کر لے آئے گا اور ان پانچوں کو یہاں سے لے جانے کے لیے کسی دین کا انتظام کرنا پڑے گا جس کاڑی میں ہم نے تھکے وہ تو مناسب نہیں ہے اس کام کے لیے۔ دین کے آئے تک فوراً کی جا پڑے گا ہم کو یہاں۔"

"ہاں، یہ مجبوراً تو ہے ہمارے ساتھ پھر یوں کر سٹے ہیں، یہاں کل زمان کو ان کی بخرا کی کے لیے چھوڑ کر ہم دونوں چلتے ہیں اور فون پر فیروز سے بات کرنے میں۔۔۔۔۔ رقم کی وصولی کے لیے جگہ کا انتخاب کر کے وہ بتا دے گا تو انوکھال کو یہ فتنے داری پہنچی جائے گی۔"

"ہاں مجبوراً دین کا انتظام بھی وہ کرنے کا گروہ لینے جانا مجھے ہی پڑے گا۔ اس نے یہ جگہ بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر آؤ قبل کر بات کرتے ہیں اس سے۔ تم اسے اس جگہ کا بتا دینا۔ دین لے کر وہ خود آجائے گا یہاں۔ ہم کل زمان کو قیدیوں کی بخرا کی پر مامور کر کے ڈاکٹر کے ساتھ ایک بار پھر اس کی خواب گاہ کی طرف چل دیے۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا مجھے انسوس ہے ڈاکٹر! آج ہماری وجہ سے تمہیں بہت تکلیف اٹھانا پڑ رہی ہے۔ رات بھی آنکھوں ہی لٹکائی تمہاری۔"

جو ہو گیا اس کا اب غم نہ کرو۔ میرے لیے تو یہ تکلیف بھی اہم طرح سے راحت ہے کیوں کہ اس کے عوض مجھے ایک ضمانت ہی گناہ دینے نکل سے نجات مل جائے گی۔ کیسے ذہیل کام مل چکنا ہے۔ تیسے یہ لوگ مجھے۔ اگر میں نجات پا گیا ان کے چنگل سے تمہاری اس کارروائی کے طفیل تو زندگی پھر احسان مند ہوں گا تمہارا۔ خدا تمہیں اپنے اس مقصد میں کامیاب کرے، میری فکر نہ کرو۔"

خواب گاہ میں آنے کے بعد خان نے ٹیلیفون اٹھا کر فیروز سے رابطہ قائم کیا۔ پھر میں نے منظر اسے تمام حالات

سے آگاہ کرنے کے بعد پوچھا "اب تم بتاؤ رقم کمال اور کل طرح وصول کی جائے ان سے؟"

"یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے۔ اس سے کم رقم ایک تھیلے میں بھر کر وہ بھیجی یا رک پہنچ جائے ٹھیک آدھے گھنٹے بعد یعنی اس وقت رات کے تین بج کر پچیس منٹ ہونے میں۔ اسے ٹھیک تین بج کو چار منٹ پر وہاں پہنچانا ہے۔ اس وقت سے نہ ایک منٹ پہلے نہ بعد۔ وہاں ہمارا آدمی اس سے رقم وصول کر لے گا۔ وصولی کے ایک گھنٹے بعد اس کے آدمی اسی جگہ پہنچا دیے جائیں گے اور پھر وہ ٹھیک پانچ بجے وہاں سے اپنے آدمیوں کو لے جائے۔ اسے ہدایت کرنے کے بعد تم ان سب کو لے کر یہاں چلے آؤ۔ میں اور انوکھال دو گاڑیوں لے کر تمہارے ساتھ ہونے پتے پر پہنچ جائیں گے۔ ایک گاڑی تمہارے پاس موجود ہی ہے، میرا خیال ہے تین گاڑیوں میں ہم انہیں سے برائیاں لائیں گے یہاں۔"

"ہاں اگر دین کا انتظام نہیں ہو سکتا تو تین گاڑیاں اس کام کے لیے کافی ہوں گی مگر احتیاط بہت کرنا ہوگی یہ۔ میں نے کہا تھا کہ ڈاکٹر کو مخاطب کر کے اس سے کہا۔ ڈاکٹر نے یہ مکان کا بتا اور اس کا مکمل وقوع بتاؤ ڈاکٹر کہیں گاڑیاں منگو سکوں یہاں تک۔"

وہ بولا "گاڑیاں منگوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گیرانج میں ایک ایمبولینس موجود ہے اس میں ان سب کو محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ تمہارا زخمی ساتھی ایک آدمی کے ساتھ اس کار میں آج گاجس میں ڈال کر تم اسے یہاں لائے تھے۔ تم فون کر کے پرگرم طے کرو اس سے پھر ہم کل چلتے ہیں۔"

"ہم سے کیا مراد ہے؟ کیا تم بھی ہمارے ساتھ چلنا چاہتے ہو؟ میں نے ڈاکٹر سے سوال کیا۔"

"ہاں میں بھی ساتھ چلوں گا تمہارے تاکہ انہیں مجھ پر قبضہ نہ ہو سکے۔ میں میں رہ گیا تو وہ سمجھیں گے کہ میں نے تم سے ساز باز کر رکھی ہے۔"

خان بولا "ہاں جیلانی! یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یوں بھی ہمارا نقصان ہی کیا ہے انہیں ساتھ رکھنے میں؟" میں نے فیروز سے کہا "لو جی، اب تمہیں گاڑیاں لے کر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں انتظام ہو گیا ہے اس کا ہم لوگ آ رہے ہیں اب۔"

"ٹھیک ہے، میں نے سن لیا ہے۔ ڈاکٹر کی ایمبولینس ہی زیادہ بہتر رہے گی اس کام کے لیے۔ اب تم جلدی روانہ ہو جاؤ وہاں سے۔"

میں نے فیروز سے سلسلہ منقطع کر کے گٹری کی طرف دیکھا۔

اس تمام مجاز میں پندرہ منٹ گزر چکے تھے جب کہ اس نے اس گروہ فزوش کو صرف پانچ منٹ تک انتظار کرنے کو کہا تھا۔ لہذا فوراً ہی اس کے خبر ڈال کر کے اس سے سلسلہ قائم کیا۔ وہ منتظر ہی بیٹھا تھا۔ میں نے فزوش کی دیریت کے مطابق اسے تین بج کر چھاس منٹ پر راجہ جوتیہ جی یا راجہ پتھنہ کو کہہ دیا کہ بولا "ٹھیک ہے میں رقم بھیج رہا ہوں لیکن جو رقم وصول کرے گا اس کی کچھ نشانی تاؤ"۔

"نشانی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ خود ہی تم سے رابطہ قائم کر لے گا، تمہیں اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ایک بات تم کان کھول کر سن لو اور ذہن میں بٹھا لو اسے خوب اچھی طرح سے۔ اگر تم نے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کی تو نتائج کی ذمہ داری کچھ پر نہیں ہوگی۔"

"تم مطمئن رہو۔ لیکن دین میں ہم بے ایمانی کے قائل نہیں ہیں اور امید ہے تم بھی ہمیں مایوس نہیں کرو گے۔"

میں ریسپونڈ کر ڈیل پر ڈال کر اٹھ گیا "اؤ بھئی ڈاکٹر فزوش ایبیلینس نکالو جلدی سے۔ اب ہمیں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے۔"

ایبیلینس ابھی خاصی ٹری تھی۔ ان پانچوں کو گھڑیاں بنا کر ہم نے اس میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔ خان کو میں اپنے ساتھ بٹھانا چاہتا تھا مگر وہ بولا "نہیں، تم اپنے ساتھ کل زبان کو بٹھاؤ، میں آبی کو کار میں لے کر چوں گا آگے آگے۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی" میں نے کہا۔ وہ کار سے کریم سے دو منٹ پہلے کوٹھی سے نکل گیا۔ دونوں زمیں اور نیل نرس اسلم رفیعوں کے لیے پڑے ہوئے بستر پر بے خبر سو رہے تھے۔ آپ نے انھیں اٹھانے کی کوشش بھی نہیں کی، انھیں یوں ہی سو چھوڑ کر ایبیلینس میں آ بیٹھے اور خان کی روانگی کے ٹھیک دو منٹ بعد میں ایبیلینس کو باہر نکال لایا۔ کوٹھی کے گیٹ سے نکلنے کے بعد میں نے ایبیلینس روک کر گلی زبان سے کہا "یار! یہ کوٹھی کا گیٹ تو بند کر دو جاگڑا لسان ہو راستہ صاف دیکھ کر کوئی ڈاکٹر کے گھر کی صفائی کر جائے۔"

"ہاں یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ ڈاکٹر کو ہم سے تعاون پر سزا نہیں منانا چاہیے، کل زمانہ یہ کہتے ہوئے نیچے اتر گیا۔ میں نے دوایونگ سیٹ اور عقبی حصے کے "دریان ہوجو" چھوٹی سی کھڑکی سے اندر جھانکنا چاہا تھا۔ ڈاکٹر سے کہا میں نے اسے گیٹ بند کرنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ مگر وہ گیٹ کے ساتھ کابنی دروازہ تو بند نہیں کر سکے گا۔"

"اللہ ماک ہے۔ میرا خیال ہے کھدے ہوئے دروازے میں داخل ہونے کی کوئی جرات بھی نہیں کر سکے گا۔ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے جہاں پیشہ افراد کے ساتھ رہ کر نرم ان کی نفسیات سے بھی کافی حد تک واقف ہو گئے ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

میں ایک ہلکا سا دھماکا سن کر چونک اٹھا۔ یوں لگا تھا جیسے قریب ہی کوئی بم دھماکا ہو رہا ہو۔ میں نے جلدی سے ڈاکٹر کی کوٹھی کے گیٹ کی طرف دیکھا۔ گلی زبان لیے لیے قدم اٹھا کر باہر آ رہا تھا۔ وہ قریب آیا تو میں نے اس سے پوچھا "یہ دھماکا کتنا تھا تم نے؟"

"کیا مطلب، کیسا دھماکا؟ میں نے کچھ نہیں سنا وہ حیران حیران نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ابھی ابھی ایسا لگا تھا مجھے جیسے کوئی بم دھماکا ہو نیچے زمیں پر۔" میں نے ادھر ادھر نظر میں دوڑاتے ہوئے اسے بتایا۔

وہ ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کر رہے ہوئے بولا "تو تم نے مجھے باہر آنے نہیں دیکھا تھا؟"

"نہیں، میں ڈاکٹر کی طرف متوجہ تھا لیکن اس بات سے دھماکے کا کیا تعلق ہے؟ یہ سوال کیوں کیا تم نے؟ میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"تعلق یہ ہے کہ وہ دھماکا جس نے تمہیں پریشان کر دیا ہے، میرے ہی کمرے کو دھماکا تھا۔ میں نے گیٹ کو بھونک کر بند کیا ہے کیونکہ اگر میں بغلی دروازہ کھول کر باہر آتا تو پھر وہ دروازہ بند کرنا مشکل بن جاتا۔ چنانچہ میں نے ہائی جیب کی فکٹ کر ڈالی۔"

میں نے ایک نظر کوٹھی کے گیٹ کو دیکھا جو کسی طرح آٹھ فٹ سے کم بلند نہیں تھا۔ پھر گلی زبان کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے کہا "کمال ہے بھئی۔ اتنے اونچے گیٹ کو تم نے چلاگ لے کر بند کر دیا ہے! یقین نہیں آتا۔ جڑی حیرت کی بات ہے یا یہ تو؟"

"آپ شاید بھول گئے ہیں، میں نے خصوصی تربیت حاصل کی ہوئی ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے میں پندرہ فٹ تک چھلانگ لگا سکتا ہوں۔"

میں نے ایبیلینس آگے بڑھاتے ہوئے کہا "میں مایا نہیں سمجھتا تھا تمہیں۔ اب ایک ایک کر کے تمہارے جسم کے حصے ہیں اور میں حیران ہو رہا ہوں۔"

وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر نے

ہنستے ہوئے کہا "کے عجیب آدمی ہو بھئی تم بھی۔ یہ تمہارے ساتھی ہیں اور تم ان کی صلاحیتوں تک سے ناواقف ہو ایسا معلوم ہوتا ہے تم لوگوں کا ساتھ زیادہ پرانا نہیں ہے۔"

"تم نے بالکل صحیح اندازہ لگا پایا ہے ڈاکٹر! ان سے متعارف ہونے ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"حیرت ہے، اتنی سی دیر کی شہ ناسانی میں تم لوگ ایک دوسرے کے اس قدر قریب آ گئے ہو جیسے برسوں کا ساتھ ہو تمہارا۔" ڈاکٹر بولا۔

"ہاں جب دو آدمیوں کا مقصد ایک ہی ہو تو انھیں آپس میں گھٹنے ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی ڈاکٹر! گلی زبان نے جواب دیا۔

سامنے سے کوئی کار گلی میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی ہرڈ لائٹ سے خارج ہونے والی تیز روشنی نے میری آنکھوں کو چندھیا دیا۔ میں نے جلدی سے ایبیلینس ایک سائڈ پر کر کے اسے گزرنے کے لیے راستہ دے دیا اور اس کی طرف دھیان دے کر گزرتے ہوئے بڑھتا چلا گیا۔ گلی کا موٹر گاڑتے ہی میری نظر کچھ دور کھڑی ہوئی اس کار پر جڑی جس میں خان آئی کو لے کر روانہ ہوا تھا۔ میں نے قریب جا کر اس کے برابر ایبیلینس روک کر کار کے اندر بٹھایا۔ ایبیلینس کے رکتے ہی خان کار سے نکل کر میرے قریب آئے ہوئے بولا "تم نے اسے دیکھا؟"

"کسے؟ کس کی بات کر رہے ہو بھائی! فدا وضاحت سے بات کیا کرو مجھ سے۔ یہ سیدھا نہ بٹھوایا کرو۔" میں نے کہا۔

"وہ کار جو ابھی ابھی اسی گلی میں داخل ہوئی ہے، اس کی بات کر رہا ہوں میں؟" خان نے گلی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہاں، دیکھی تھی وہ کار میں نے کیا کوئی خاص چیز نظر آئی تھی تمہیں اس میں؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"میرا خیال اگر غلط نہیں ہے تو اس میں ہمارے تیلوں کے تمامیت ہی ہیں اور یقیناً ڈاکٹر کی کوٹھی پر دھاوا کرنے گئے ہیں۔"

"اچھا! میں نے تو دھیان ہی نہیں دیا تھا اس کی طرف۔ یہ تو بہت غلط بات ہو گئی ہے بار! وہاں کوئی گڑبڑ نہ کر دے وہ ڈاکٹر کے گھر والوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں میرا خیال ہے میں لاکپول کر دیکھنا چاہیے انھیں۔" میں نے نگرانی سے کہا۔

"یہ ایبیلینس ہیں کھڑی رہنے دو اور آبی کو بھی اسی میں منتقل کر دیتے ہیں ہم۔ اگر وہاں ہنگامہ ہوا تو آبی کے

حفاظت کرنا مشکل ہو جائے گا ہمارے لیے۔" خان نے تجویز پیش کی۔

میں اور گلی زبان تیزی سے ایبیلینس سے باہر آ گئے۔ پھر اسی تیزی سے آبی کو ایبیلینس میں منتقل کرنے کے بعد تینوں کار میں جا گئے۔ خان نے کار پر دس کر کے گلی سے موٹری عمارت کے کار کی تمام روشنیاں گل کر دیں تھیں۔

دور ہی سے ہم نے ایک گھر کے رنگ کی کار کو ڈاکٹر کے کوٹھی کے سامنے کھڑے دیکھ لیا۔ گیٹ پر کافی روشنی تھی، اس روشنی میں ہمیں وہ دو آدمی بھی نظر آئے جو گیٹ کے پاس کھڑے یہ اندازہ کر رہے تھے کہ گیٹ کو کھولنے کے لیے کوٹھی میں داخل ہونا ممکن ہے یا نہیں۔ وہ اپنے کام میں اس قدر متشغک تھے کہ ہماری کاری آمد کا انھیں احساس تک نہ ہو سکا۔ خان نے اپنی کار ان کی کار کے ساتھ لگا کر روک دی۔ ان کی کار میں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔ میں نے کار سے اتر کر اس کار دروازہ بند کیا تو وہ چونک کر پیچھے پلٹے اور حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ انھوں نے اپنے ریلوے نکال لیے جن پر سائیکس چڑھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے ہاتھوں میں چڑھے ہوئے ریلوے اور دونوں کو نظر انداز کر کے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "نہ۔۔۔۔۔۔ گولی نہ چلا دینا کہیں۔"

میں کسی خطرناک ارادے سے نہیں آیا ہوں۔ وہ بات یہ ہے کہ مجھے ابھی جلد از جلد ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ میری بیوی ان کے زیر علاج ہے اور اس وقت وہ بہت تکلیف میں ہے، میں بہت دیر سے فون کر رہا تھا مگر میان کوئی اٹھا ہی نہیں رہا ہے فون۔ تنگ آ کر مجھے خود ہی آنا پڑا ہے۔"

"اچھا اچھا۔ عارف کرنا بھائی! ہم ڈر گئے تھے اس لیے یہ ریلوے نکال لیے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہم بھی ڈاکٹر کو لے آئے ہیں۔ ہم نے بھی پہلے ہی فون ہی پر بات کرنے کی کوشش کی تھی ڈاکٹر سے اور جب کسی نے ادھر سے فون نہیں اٹھایا تو خود چلے آئے۔ اب یہاں بھی کئی باریل بجا چکے ہیں لیکن ایسا گناہ ہے جیسے کوئی مذہب ہے ہی نہیں نکال دینا چوکیا راکو تو ہونا چاہیے تھا کہ از کم۔"

"میرا خیال ہے ڈاکٹر گھر میں موجود نہیں ہے شاید میری سبھ میں یہ بات نہیں آ سکی ہے کہ آخر یہ ڈاکٹر اکثر اتوار سے کو غائب کہاں ہوجاتا ہے؟"

ان دونوں نے میری طرف سے مطمئن ہو کر اپنے اپنے ریلوے واپس کر کے لیے تھے۔ میں بائیں کرتے ہوئے ان کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تھا۔ تھے تو وہ دونوں ہی دھلے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی تیلیوں سے ان کے پیٹے نہ لگا انھیں سوٹ

پہنا دیے گئے ہوں۔ لیکن اپنے انداز اور شکل و صورت سے وہ بچے بدعاش لگتے تھے اور ان کی ساری بدعاشی ان سے سائیں سرنگے دیو اور دل کی مرمیوں منت تھی جو انھوں نے اپنے اپنے کوٹ کے نیچے شاید بلی ہوٹروں میں لگا رکھے تھے۔ میں نے ان کے قریب جاتے ہی دونوں ہاتھوں میں دونوں کے گرد ان تمام لے اور انھیں ایک جھٹکے سے اوپر اٹھالیا۔ وہ دونوں میری اس حرکت پر لو کہلا اٹھے تھے اور بچل بچل کر خود کو میری گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہے تھے "اے اے... یہ کیا بدعینہ ہے بھئی... جھوٹو ہمیں دروازہ اچھا نہیں ہو گا ہاں!"

میں نے انھیں بچہ اور اوپر اٹھاتے ہوئے کہا "اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو پچ بچہ بتا دو کیا ان کیا کر رہے تھے ابھی تم؟"

"آپ جیسی جا میں قسم لے لیں جی، جھوٹ بالکل نہیں بولتا ہے ہم نے وہ دونوں بیک زبان بول رہے تھے۔"

"ایک ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرنے کے لیے دیو اور ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے دانت بھینچ کر گزرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ جی میں رات کا وقت ہے نا۔ اپنی حفاظت کے خیال سے ساتھ لے آئے تھے ہم یہ دیو اور انھوں نے جواب دیا۔

میں نے ان دونوں کو زور زور سے جھنجھوڑ کر ان کے سر آہیں میں ٹکرائے کہا "جو نہیں اسنے کیا ایسا ہی بچہ نظر آتا ہوں میں تمہیں کر تمہاری ان بے سرو پا باتوں سے بھل جاؤں گا۔ پچ بچہ بتا دو ورنہ اپنے پیروں سے چل کر واپس نہیں جا سکو گے تم دونوں!"

دونوں کے سر اس زور سے ٹکرائے تھے کہ یقیناً چوہہ طبق روشن ہو گئے ہوں گے ان پر۔ ان میں سے ایک انکساری سے بولا "دیکھ جی، ہم نے آپ کے ساتھ تو کوئی زیادتی بھی نہیں کی ہے۔ پھر جی آپ ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہونی نا جی!"

اس عرصے میں خان اور گل زمان بھی گاڑی سے اتر کر میرے قریب آ گئے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو خان کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا "لو بھی معلوم ہوتا ہے یہ یوں نہیں کھولیں گے زبان اپنی۔ انھیں اپنے ساتھ لے چلو اور آٹ لٹکا کے کھال اتار لو ان کی!"

ان دونوں کو دیکھ کر بالکل ہی ان کے دیوتا کو بچ کر گئے میرے نیچے میں پھٹے ہوئے شخص نے جلدی سے کہا مجھے آرام

سے کھڑا تو کرو۔ میں اب سب کچھ پچ بتا دوں گا تمہیں۔ یقینی کروم یہاں کسی بڑی تبت سے بگڑ نہیں آئے ہیں!"

میں نے اسے زمین پر جھکا کر کہا "کو جلدی سے بڑی تبت سے نہیں آئے تھے تو کیا فائدہ غرائی میں آئے تھے، یہ دیو اور لے کر؟"

"وہ جناب! بات یہ ہے کہ ہم ڈاکٹر صاحب کے راسے جاننے والے ہیں۔ اکثر ہنگامی حالات میں ان کی مدد حاصل کرنا آجاتے ہیں۔ جھوٹی دیو پر پہلے ایک جھٹکے میں ہمارا ایک آدمی شدید زخمی ہو گیا تھا۔ ہم اسی کو لے کر آئے ہیں اس وقت!"

"کمال ہے وہ شدید زخمی؟" میں نے پوچھا "تم دونوں میں سے تو کوئی... معمولی سا زخمی بھی نہیں لگتا ہے!"

"وہ ادھر کار کی پیچھے والی سیٹ پر بے ہوش پڑا ہے۔ آپ بے شک دیکھ لیں اسے! وہ اپنی کار کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

میں نے گل زمان سے کہا "دیکھو ہاں! ان کی کار میں دیکھ اسے جا کر۔ اگر غلط ہوا تو میں زمان بھینچ لوں گا ابھی اس کی!"

گل زمان نے اس کی کاسے اندر جا کر اندر جھانکنے کے بعد اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا "ہاں جی کوئی فائدہ ہے اندر!"

میں نے خان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "یا معاملہ ہی کچھ اور نکلا ہے یا خواہ مخواہ ہی وقت برباد کیا ہے؟" نے اپنا!

وہ میری بات کا جواب دینے کے بجائے ان دونوں سے بولا "تمہاری تبت اچھی معلوم ہوئی ہے کہ اسی وقت تصدیق سے بھی ہو گئی تمہارے بیان کی۔ ڈاکٹر گھر پر نہیں ہے وہ ایک دہائی کے ساتھ بھی چند منٹ پہلے ہی گیا ہے کہیں۔ لہذا اب تم ہی بال سے فوراً ابھان گے تو یہ کہہ کر اس نے اپنے شکار کے کوٹ کے اندہ ہاتھ ڈال کر اس کار دیو اور نکال لیا اور اسے کار کی طرف دھکیل دیا۔

میں نے بھی اپنی گرفت میں آئے ہوئے شخص کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ وہ ہمارے جھٹکے سے آزاد ہوتے ہی جلدی سے اپنی کار میں جا گئے اور پھر اس تیزی سے بھاگے جیسے انھیں شہید ہو کر ہم نہیں اپنا ارادہ تبدیل کر کے دوبارہ نہ پوچھیں ان کے جانے کے بعد خان نے مجھ سے کہا "آپ بھئی چلیں۔ وہاں ایسولین میں کوئی گڑبڑ نہ ہوگی!"

ہم تینوں جلدی جلدی اپنی کار میں جا بیٹھے اور پھر خان نے پوری رفتار سے گاڑی روک کر تیس منٹ ڈال کر ہی دوڑا دی۔ گل زمان نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا "یہ اچھا ہی

ہو جو ہم ان کے پیچھے واپس آئے ورنہ یہ ڈاکٹر کی فلی کے لیے پریشانی کا سبب بن جاتے!"

"ہاں، میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ شاید وہ گیٹ کا جائزہ اسی لیے لے رہے تھے کہ اسے بھلا گنگا اندر داخل ہوا جا سکا ہے یا نہیں۔ ہم بروقت ہی پہنچ گئے ورنہ وہ کسی طرح اندر داخل ہوتے میں کامیاب ہو ہی جاتے، خان نے جواب دیا۔

اس دوران کار لگی سے نکل آئی تھی۔ خان نے اسے موڑ کر ایسولین کے پاس جا کر کھڑا کر دیا۔ میں نے جلدی سے کار سے نکل کر ایسولین کا عقبی دروازہ کھول کر دیکھا۔ وہاں سب کچھ جوں کا توں تھا۔ آبی بجھے دیکھ کر بولا "کوئی گڑبڑ والی بات تو نہیں تھی جیلانی؟"

"نہیں ہاں! وہ کوئی ضرورت مند لوگ تھے۔ کسی زخمی کو لے کر آئے تھے ڈاکٹر کے پاس۔ البتہ ہم واپس نہیں جاتے تو شاید وہ کچھ پریشانی کھڑی کر دیتے آئے... ڈاکٹر قاضی کے لیے۔" دیو اور بھلا گنگا کو کونھنی میں لٹکے کی کوشش میں مصروف تھے وہ۔ ہم نے بروقت پہنچ کر ان کی کوشش نام کام نائی "میں تو اسے ہودہ کا میں ہاتھ ڈال کر پھینچتا ہوں۔"

مکون غارت ہو کر رہ گیا ہے میرا عجیب قسم کے لوگوں سے واسطہ رہتا ہے جو نہ دن دیکھتے نہ رات میں نہ دانتے ہوئے گھس آتے ہیں گھس! ڈاکٹر نے زاری سے بولا "بھئی کبھی تو آدمی آدمی بات کو کر اٹھو ایسا ہے۔ منہ کرو تو خوفناک دھمکیاں دینے اور پلٹے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ بہت تنگ ہوں میں ان کے زور زور سے۔ ایک بار نجات مل جائے پھر کبھی ایسے لوگوں کو مرنے کا نا بھی پسند نہیں کروں گا میں لو آجائے مل چھٹی کیا ہوں۔ چتا ہوتا تو کبھی اس کام کے قریب مجھے نہ ملتا!"

"یہ سب باتیں پیٹ بھرے کے لکھ بھائی دیتی ہیں ڈاکٹر! بیٹ خالی ہو تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس وقت تو آدمی ہی چاہتا ہے کہ جیسے بھی ہو پیسہ مل جائے۔ تاکہ وہ اپنے پیٹ کا ڈرنے پاٹ کے۔ اس وقت اخراجات کا کوئی سبق یاد نہیں رہتا ہے۔"

آدمی کو۔ شاید یہی فطرت ہے انسان کی۔ ہزاروں ہزاروں کوئی ایک ایسا ہو گا جس کی عقل بھول جائے گی اس کے لیے ڈاکٹر سے ملے۔

"ہاں شاید تم بھی ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ نفسی میں عقل بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے آدمی کا۔ اس کا تجربہ ہو چکا ہے مجھے۔" ڈاکٹر بولا۔

میں نے دروازہ بند کر کے ایسولین کے دوبارہ گل زمان کے حوالے کر دی اور خان کے ساتھ جا بیٹھا۔ اور دونوں کا میاں آگے پیچھے منزل کی طرف کامزن ہو گئیں۔ منزل بھی پہلوی کوئی ایسی زیادہ دور نہیں تھی۔ پانچ یا سات منٹ بعد ہم فرزند کے اقامت گاہ پر موجود تھے۔ اس وقت تین بچہ کر ایسولین سنٹ ہو چکے تھے۔ اگر ہم نے ڈاکٹر کی کونھنی پر واپس جا کر ان دونوں سے آؤں گے ساتھ وقت نہ ضائع کیا ہوتا تو آٹھ دس منٹ پہلے ہی ہم وہاں پہنچ گئے ہوتے۔ اب ہمارے پاس صرف آٹھ منٹ رہ گئے تھے۔ ٹھیک تین بچہ کو پچاس منٹ پر ہم میں سے کسی ایک کو سوز بھٹی پارک کے پاس ہی موجود ہوا جا بیٹھے تھاتان کیس لاکھ کی رقم حاصل کی جاسکے۔ چنانچہ وہاں پہنچے ہی میں نے گل زمان سے کہا "گل زمان! یار تو میرے ساتھ عزیز بھٹی پارک چل۔ ان بے جان لاشوں کو یہ لوگ پہنچا دیں گے ان کی جگہ!"

وہ میرے ساتھ کار میں آ بیٹھا۔ میں نے اسٹیرنگ اس کے حوالے کر کے خود اس کے ساتھ والی سیٹ بٹھال لی۔ گل زمان نے باہر کرتے ہی گاڑی کو پوری رفتار سے دوڑانا شروع کر دیا۔ یہ احساس اسے بھی تھا شاید کہ ہمیں وقت سے ایک آدھ منٹ پہلے ہی عزیز بھٹی پارک پہنچنا ہے اور وقت ہمارے پاس بہت کم رہ گیا ہے۔ رات کے اس ویران سے میں اسے سڑکیں صاف ہی مل رہی تھیں جس کی وجہ سے اس رفتار کے ساتھ ڈرائیو جگ میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ سبزی منڈی پہنچ کر اہل بیت اسے رفتار خاصی کم کرنا پڑی۔ کیوں کہ یہاں کا کاروبار اس وقت اپنے شباب پر تھا۔ سبزیوں سے لدے ہوئے ٹرک، اونٹ گاڑیاں اور منی ٹرک جا بجا کھڑے تھے۔ ان کے علاوہ اشیائے خورد و نوش کے بہت سے ٹیلے

مشکیل الخیمہ کی کڑی پرویز (اور فافو) سیریز کے چار نمونے شائع ہو گئے ہیں:

کرنل پرویز مسرور بزرگوار	کرنل پرویز مسرور بزرگوار	کرنل پرویز مسرور بزرگوار	کرنل پرویز مسرور بزرگوار
کرنل پرویز مسرور بزرگوار	کرنل پرویز مسرور بزرگوار	کرنل پرویز مسرور بزرگوار	کرنل پرویز مسرور بزرگوار

ایک بڑا بڑا کھانا دیکھ کر عورتوں کو ہوا کر دیتا ہے۔ ایک بڑا بڑا کھانا دیکھ کر عورتوں کو ہوا کر دیتا ہے۔ ایک بڑا بڑا کھانا دیکھ کر عورتوں کو ہوا کر دیتا ہے۔ ایک بڑا بڑا کھانا دیکھ کر عورتوں کو ہوا کر دیتا ہے۔

بھی سڑک کے دونوں طرف کھڑے کر رکھے تھے لوگوں نے جن کے گرد کھانے پینے والوں کا خاصا جہم تھا۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم ریوے کو اسٹاک کو عبور کرنے کے لیے بڑھے تو آگے جانے کے لیے راستہ نہیں تھا۔ کوئی ٹرن اوور سے گزرنے والی بھی جس کی وجہ سے گریٹ نڈر کے سڑک سے گزرنے والے ٹریفک کو روک دیا گیا تھا۔ حالانکہ اس وقت سڑکیں بالکل ویران تھیں اور کوئی آکاؤ کا کام جیسا ضرورت مندی اس وقت گھر سے نکلنے پر کامادہ ہو سکتا تھا پھر وہ جن کی صبح نصف رات گزرنے کے بعد ہوتی ہے بلکہ جو ایسے ہی وقت کا روبرو کے لیے گھر سے نکلنے میں جب خلقت غفلت کی نین میں ڈوبی ہوتی ہے۔ گریٹ کے دوسری طرف سڑک پر کوئی سایہ تک نظر نہیں آ رہا تھا کسی جاندار کا۔ البتہ اس طرف جدھر ہم تھے، ہمارے علاوہ ایک اور کار بالکل گریٹ سے لگی کھڑی تھی۔ روشنی کافی ہونے کی وجہ سے کار کے رنگ اور میک کا پتہ چلا نا مشکل تھا۔ ہماری گاڑی کی میٹلائش کل زمان نے سبزی منڈی سے نکلنے ہی بجھا دی تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر ہاں کوئی ہماری ٹاک لگائے بیٹھا ہوتا تو ہمارے آمد کا اس وقت تک پتا نہ چل سکے جب تک ہم اس کے سر پر نہ پہنچ جائیں۔ یہ ایک احتیاطی تدبیر تھی ورنہ اس سڑک پر اپنی روشنی تو بھی سی کی پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر جتا ہوا آدمی ایک سائے کی طرح دیکھا جاسکتا تھا۔ ہم کو بھر کار میں تھے اور کار کا رنگ بھی سفید تھا اس لیے یہ سوچنا تو محنت ہی ہوتی کہ ہماری کار دیکھی نہیں جاسکے گی۔

کل زمان نے اپنی کار پیٹلے سے کھڑی ہوتی کار کے ساتھ لگا کر کھڑی کر دی۔ میں نے برابر والی کار میں جھانکنے کی کوشش کی۔ اس میں ڈرائیوٹنگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کے سوا کوئی اور نظر نہیں آیا مجھے۔ کار کے آئندہ کیوں کہ اس نے اندھیرا کر رکھا تھا اس لیے اس کی عین نشست کو ٹھیک سے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اگر ہاں کوئی بیٹھا ہوتا تو اسے میں بالکل نہیں دیکھ سکتا تھا اس وقت تک جب تک کہ اس کی کھڑی کے پاس جا کر اس کا پوری طرح جائزہ نہیں لیا جاتا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال نے سر اُبھارا۔ میں نے کل زمان کی طرف جھک کر دھیمی آواز میں کہا: "یہ جو کار ہماری کار کے برابر کھڑی ہے، مجھے شک ہے کہ اس میں بیٹھا ہوا شخص ہماری مطلوبہ رقم لے کر آیا ہے۔"

اس نے گردن موڑ کر برابر والی کار میں بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھتے ہوئے کہا: "اچھی جہاں جاتا ہے، ہو سکتا ہے آپ کا خیال درست ہو۔" پھر وہ اس شخص کو مخاطب کر کے بولا: "اے

مستر کیا میں جاسکتے ہو کہ عزیز میری پارک کتنی دیر ہے یہاں؟" اس نے چونک کر ہماری طرف دیکھا اور خندہ نشانے سوئے کر بولا: "پارک تو زیادہ دور نہیں ہے لیکن یہ گریٹ نڈر ہونے کی وجہ سے تم وہاں دقت پر پہنچ نہیں سکو گے۔ اب کیا خیال ہے؟ یہ اندازہ غلط تو نہیں ہے نا؟"

اس نے بھی یہ اندازہ لگایا تھا کہ ہم دوسری لوگ ہیں جن کی وجہ سے اسے اتنی رات گئے یہاں تک دوڑنا پڑی ہے چنانچہ اس نے جواب میں ایسے الفاظ استعمال کیے تھے کہ اس کا اندازہ اگر صحیح ہو تو ہم خود کو اس پر بظاہر کر دیں۔۔۔۔ اور اگر غلط ہو تو ہم کچھ سمجھ نہ سکیں۔ میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر کار سے باہر آ گیا اور اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا: "تمہارا اندازہ بالکل ٹھیک ہے دوست! تین بج کر پچاس منٹ ہوئے ہمارے اور ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا ہے تو پارک تک جانا کوئی ضروری نہیں رہا ہے۔ اب لاؤ وہ تھیلا میرے حوالے کر دو۔"

"ہاں اب ضرورت تو نہیں رہی ہے اس کی، پھر بھی میں تمہاری امانت مقررہ جگہ پہنچ کر ہی تمہارے حوالے کر دوں گا۔ کوئی بات طے ہو جانے کے بعد اس میں رد و بدل اصولوں کے خلاف ہے ہمارے" اس نے انکار کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ہوں" میں نے کہا: "اگر ایسا ہے تو مقررہ وقت گزر جانے کے بعد کسی طے شدہ بات پر مبنی قائم رہنا ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ تین بج کر اکیاون منٹ پر ہم یا تو کوئی دوسرا معاہدہ کر لیں گے یا دوسری باری سے نمودا کر لیں گے۔ تم لوگوں کے ساتھ ہونے والے معاہدے کے پابند نہیں رہیں گے۔ ہم اس وقت تین بج کر اچاس منٹ اور چالیس سیکنڈ ہو چکے ہیں۔ تمہارے پاس فیصلہ کرنے کو صرف تین سیکنڈ ہیں!" اس نے جلدی سے گاڑی کے اندر روشنی کر کے باجی کلائی پر بندھی کھڑی میں وقت دیکھا۔ پھر اپنے سپرول میں سے ایک تھیلا اٹھا کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا: "ٹھیک ہے یہ لو اور اب واپس چل کر ہمارے آدمیوں کو ہمارے حوالے کر دو۔"

میں نے تھیلا اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر کہا: "اگر اس میں رقم پوری ہوئی اور تم لوگوں کی طرف سے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی تو اب سے ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد اپنے آدمیوں کو مزید بھیج پارک میں سے لے جانا اگر خیال رہے۔ اس سے پہلے تم یا تمہارا کوئی بھی آدمی پارک میں پارک

کے آس پاس دیکھا گیا تو تاج کی ذمے داری ہم پر نہیں ہوگی" میں نے تھیلا اپنی کار میں ڈال دیا اور خود بھی اپنی نشست پر جا بیٹھا۔ میرے بیٹھے ہی کل زمان نے کار پر دس گیسٹر میں ڈال کے پیچھے دوڑادی اور اس سے کافی دور آنے کے بعد کار کا رخ موڑ کر واپس ہولیا۔ واپسی کا سفر کرتے ہوئے اس نے کار کی میٹلائش وغیرہ دوبارہ روشن کر دی تھیں۔ سبزی منڈی سے گزر کر ہماری گاڑی ناٹش سے آگے نکلی تو مجھے احساس ہوا کہ کل زمان بار بار عین منظر پیش کرنے والے آئینے کو دیکھ رہا ہے مگر میں نے اس سے اس بارے میں کوئی سوال کرنے کے بجائے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ کچھ فاصلے پر مجھے کسی گاڑی کی میٹلائش دکھائی دے رہی تھیں۔ میں نے کل زمان سے پوچھا: "کیا یہ گاڑی ہمارا پیچھا کر رہی ہے؟"

"شہ تو سب مجھے بھی اس پر مگر یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ اس وقت سبزی منڈی سے منی ٹرک منبر مال وغیرہ لے کر شہر کے مختلف علاقوں کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے یہ کوئی ایسا ہی منی ٹرک ہو بہر حال اس کے موڑ پر چیک کریں گے ہم اسے" وہ بولا۔

سینٹرل جیل کے چوراہے پر پہنچ کر کل زمان نے کار سوا منی کی طرف موڑ کر اس کی رفتار خاصی کم کر دی۔ اس چوراہے پر چاروں طرف کبھی کے کئی پول تھے جن میں کسی کئی ٹیوب لائٹس لگی ہوئی تھیں۔ جس کی وجہ سے یہاں روشنی بھی خوب تھی۔ ہمارے موڑ کاٹنے کے میں بائیں سینکڑے بعد پیچھے آنے والی گاڑی کو بھی ہم نے اسی طرف مڑتے ہوئے دیکھا۔ ٹمکرے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہ سینٹرل جیل کی پٹوں سے لدا ہوا منی ٹرک ہی تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر کل زمان نے گاڑی کی رفتار دوبارہ بڑھا دی۔

تین یا چار منٹ کے بعد کل زمان نے بائیں ہاتھ کی ایک ذمی سڑک پر کار موڑنے کے بعد اسی جانب کے مہرے مکان کے سامنے کار روک کر مارن بجا یا۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہ وہ جگہ پرگز نہیں تھی جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے۔ یہ کوئی سبب ہے یعنی وہ کبھی تو نہیں کسی سبب سے جس میں ہم قید و ذمے سے ملے تھے اور جہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے قید لوں کو رہنایا جاتا تھا۔

کل زمان میری طرف شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے منبر کر بولا: "کوئی تو یہی ہے غور سے دیکھیں تو پہچان لیں گے آپ اسے، البتہ یہ راستہ وہ نہیں ہے جدھر سے آپ پہلے آتے جاتے رہے ہیں۔ اس بار میں دوسری طرف سے لے

آیا ہوں آپ کو!"

"کمال ہے بھئی۔ یہ گورکھ دھند اسمبلی میں نہیں آ رہا ہے میری۔ ایک مکان کے دور استے نوہ بھی ایسے کہ ایک کے بجائے دو مکان معلوم ہوں۔ آج سے پہلے ایسا دیکھا نہیں ہے میں نے کبھی کہیں یقین نہیں آ رہا ہے مجھے" میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ مکان فیہ و رضا صاحب نے اس کی اسی خوبی کی وجہ سے حاصل کیا ہے" اس نے دوبارہ مارن بجاتے ہوئے کہا: "ماہل لینڈ لارڈ نے اسے دو حصوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے کہ اس میں دو خاندان رہ سکیں۔ پہلے اس میں دونوں طرف دوڑنے والے تھے۔ اب پورا مکان فیہ و رضا صاحب کے پاس ہے۔ اسے انھوں نے اس وجہ سے لیا ہے کہ اگر کبھی دشمن یہاں آگئے اور اسے زبردستی ممکن نہ رہے تو ہم لوگ دوسری طرف سے بہ آسانی باہر نکل جائیں۔ اسی لیے زیادہ آمدورفت دوسری طرف سے ہوتی ہے۔"

گریٹ ابھی تک تھا۔ دوبارہ مارن بجانے کے باوجود کسی نے باہر جھانکا تک نہیں تھا۔ کل زمان کا کاجن بند کر کے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلے ہوئے بولا: "شاید اس طرف کوئی نہیں ہے" اس نے گریٹ کے قریب جا کر اطلاع گھنٹی کے بٹن پر اٹکی رکھی۔

تیسری بار گھنٹی بجانے کے بعد یعنی دروازہ کھول کر کسی نے باہر جھانکا۔ یہ اندر کھال تھا۔ اس نے کل زمان کو دیکھ کر کہا: "اور دروازہ بند کر دیا۔ کل زمان واپس بیٹ آیا۔ ابھی وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ رہا تھا کہ کوٹھی کا گیسٹ کھل گیا۔ کل زمان کا رٹارٹ کر کے کوٹھی کے اندر لے گیا۔

میں نے نوٹوں سے بھرا ہوا تھیلا فروز کے آگے ڈالتے ہوئے کہا: "لو بھئی یہ رقم کل زمان پوری ہے بھی یا نہیں۔ اور زرا نوٹوں کو اچھی طرح دیکھ لینا کہ سب سلیپی ہیں۔ ایسا نہ ہوا کہ وہ فرشتوں نے ہمیں پھنسانے کے لیے جعلی نوٹ تھا دیے ہوں۔"

فروز نے تھیلا کے سامنے کھول کر اسے فرش پر گرٹ دیا۔ سو سو روپے کے نئے اور پرانے نوٹوں کی بہت ساری گڈیاں فرش پر ڈھیر ہو گئیں۔ یہ پوری منس گڈیاں تھیں۔ انھیں شمار کرنے اور چیک کرنے میں اچھا خاصا وقت لگا تھا۔ اس کام سے فراغت حاصل کرتے کرتے فکری اذائیں سنائی دینے لگی تھیں۔ میں نے وہ تمام روپے فروز کے حوالے کر دیے۔ وہ میری اس فرمائش دہی پر سب حد خوش نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس سے قید و ذمہ کے بارے میں پوچھا۔ وہ بولا: "ان سب کو باندھ کر ہم نے ایک کمرے میں ڈال دیا ہے یہ ان کی مال تو۔ اب تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟



خان نے بتایا ہے کہ تیس لاکھ روپے وصول کرنے کے بعد بھی نہیں تم آزاد نہیں کرنا چاہتے ہو؟  
 ”ہاں، وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ بڑے ذلیل لوگ ہیں بھی وہ، انھیں جھوٹا مانگا و کبیرہ ہے میری نظر میں۔ میں یہ کبھی نہیں کر سکتا۔“

”ہاں ہے تو واقعی یہ بہت ذلیل حرکت۔ مجھے جب خان نے ان کے بچوں بتایا تو میں حیران رہ گیا تھا۔ ایسا بھی کوئی کر سکتا ہے کسی نے سوچا بھی نہیں ہوگا کبھی۔ یہ کیا ہو گیا ہے یارو اس انسان کو اس قدر گرگیا ہے یہ بدلتی پستی میں چلا گیا ہے یہ! یہ صفت تو صرف کتوں میں ہوتی ہے، وہ کسی دوسرے کتے کا وجود برداشت نہیں کرتے صرف اس کے پیچھے دم ہلاتے پھرتے ہیں جو روٹی کا ایک ٹکڑا ڈال دیتا ہے انھیں۔ یہ لوگ تو کتوں کو بھی مات دینے پر تھے ہوسے معلوم ہوتے ہیں۔ انسانی اعضا کی تہارت کرتے ہیں اور اچھے خلسے زندہ اور صحت مند لوگوں کے دھوکے سے گردے نکال کر بیچ دیتے ہیں۔ استہبابہ بھی یہ تو کشتی کی شیطاں بھی پناہ مانگتا ہے ان سے تو۔ ان کی تو بلیاں کر کے کتوں کی خوراک بنایا جا چاہیے انھیں!“

”ہاں یار! بالکل ایسا ہی کرنا چاہیے ان کے ساتھ۔ کسی رعایت یا ہمدردی کے ذرا بھی مستحق نہیں ہیں یہ۔“ میں نے کہا۔  
 ”اس ذلیل دھن اور اس کی اس نصف بہتر عالیہ کو شہل جگائے پر مجبور کیا تھا میں نے۔ خیال یہی تھا میرا کہ ان دونوں کے جانے کے بعد لوگوں کو نجات مل گئی ہے اب بد باطن لوگوں سے گمراہ یہ دوسرے ڈاکڑوں کو اس راہ پر لگانے لگے ہیں۔ بلیک میل ملک کرنے لگے ہیں ڈاکڑوں کو اب میں اس پورے گروہ کے گردے نکال کر بیچ دوں گا اور وہ پیسہ جو اس طرح حاصل ہوگا اپنے ملک کو بیوروں کے ایکسٹنٹوں سے نجات دلانے کے کام میں خرچ کر لیں گا۔“  
 ”تھوڑے باس فنڈ کی کمی ہے فوراً اسے میں ان کے ذریعے دور کروں گا تم اب اپنے کام کی رفتار بڑھا دو۔“  
 ”تو تم اب بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ وہ خرطوی جو بڑی ترقیوں سے کران سے یہ ذلت آئینہ کام کرنا ہے... انھیں گردوں کے آڈر دیتا ہے، ایک دن میں اس کے گردے بھی نکال لوں گا اور انھیں کتوں ہی کو کھلاؤں گا۔۔۔ تم دیکھ لینا۔“

”ایسے سفاک لوگوں کا ایسا ہی عجیب ترانہ انعام ہونا چاہیے۔ مجھے تم سے کمل اتفاق ہے۔“ فیروز نے میری تائید کی۔  
 ”وہ آئی اور ڈاکٹر کہاں ہیں؟ اس ڈاکٹر کو بھی جانے دنیا

تم بہت کام لینا میں اس سے تو ہیں۔“ میں نے کہا۔

”آئی کو آ رہا ہے ایک کمرے میں لے دیا گیا ہے۔ وہ شاید سوچے ہیں اب اور ڈاکٹر کو برابر والے کمرے میں موجود ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے، خوف سے مرعبا رہا ہے وہ۔ ایسے میں اس سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟“ فیروز نے پوچھا۔  
 ”یہ جو پانچ درندے ہم نے باندھ کے ڈالے ہوئے ہیں، ان کے گردے نکلنے کے لیے ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے کیا سمجھتے ہیں میں نے کہا۔“

”ادھ، تو تم یہ کام اسی ڈاکٹر سے لوگے؟ وہ تیار ہو جانے کا اس کام کے لیے؟“ فیروز نے قدرے حیرانی سے سوال کیا۔  
 ”کیوں تیار نہیں ہوگا؟ اسے بھی تو ان لوگوں نے مرنا مانگا تھا۔ شدید نفرت ہے اس کے دل میں ان کے لیے۔ یہ خیال ہے میں اس سے اس کام کے لیے کھول کا تو وہ خوش خوشی تیار ہو جائے گا اور صرف گردے ہی نہیں، اندر کا سارا سامان نکال کر دیکھ کر دے گا میرے سامنے۔ چنانچہ ہے جنھیں ان لوگوں نے لے لیے ان کے لیے کیا کچھ کیا ہے اس کے ساتھ؟“ میں نے سنا کرتے ہوئے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے اگر وہ راضی ہو بھی گیا تھا تو کتنے سے تب بھی یہاں تو یہ کام نہیں ہو سکے گا۔“ اس نے کہا۔

”کیوں بھی یہاں کیوں نہیں ہو سکے گا یہ کام؟ کیا قنات ہے بھلا اس میں؟“ میں نے اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”یار! اتنی بات تمھاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ یہ کام کسی آپریشن تھیر میں ہی ہو سکتا ہے جہاں تمام سولیتیں موجود ہوں آپریشن کی۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے میرے بھائی! پھر کیوں نقصان کی پتھری سے ان کے پیٹ چاک کرنا چاہتے ہو تم؟“

”کیا ہرج ہے اس میں بھی؟“ آپریشن تھیر اور سولیتوں کی ضرورت تو ان کے لیے ہوتی ہے جنھیں آپریشن کے بعد زندہ بھی رکھنا مقصود ہو اور ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہم تو زمین کو ان کے بوجھ سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ یوں بھی جب آدمی کے دونوں گردے نکال لیے جائیں تو اس کے زندہ رہنے کا امکان ہی کہاں رہتا ہے؟“ میں نے جواب دیا۔

”ہاں اس کا تو خیال نہیں رہا تھا مجھے کہ تم انھیں پتھری سے اکھاڑ پھینکے گا عہد کیے بیٹھے ہو؟“ فیروز نے کہا، ”مگر اب تو میں جو کچھ ہے۔ رات بھر کے جاگے اور تھکے ہوئے ہو تم بھی، لیال اللی تو ناشتا وغیرہ کر کے نیند پوری کر لو اپنی۔“

”ناشتا تو ڈاکٹر کو بھی کرنا دینی، وہ معاف ہے اب تمھارا۔ ذرا دیکھو ابھی سویا تو نہیں ہوگا وہ۔ جن حالات سے دوچار رہا ہے وہ آج رات بھر ان حالات میں نیند کہاں آئی ہو گی اسے۔ دیکھو! خان! اب لاو اسے بھی یہیں۔“ میں نے کہا۔

فیروز نے کر بولا، ”خان یہاں ہے کہاں بھائی! وہ تو اب کم از کم گھٹنے سے پہلے تمھاری آواز سننے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔“ میں نے فیروز کی بات سن کر اس طرف دیکھا جہاں خان ایک صوفے پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر میں بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ عجیب ہنسنے والا تھا، اسے ٹیڑھا ہاتھ صاف پر پڑا ہوا تھا۔ جیسے کچھ بولے تھے اس کے ساتھ دوسرے صوفوں پر انور کمال بے خبر سو رہا تھا۔ اس کے ساتھ دروازہ کھلا رہے تھے۔ میں نے کہا، ”یہ تو کراٹھ اور علی زان بھی نیم دروازہ کھلا رہے تھے۔ ساری رات بھانگ دوڑا اور ہنگامہ آرائی میں ہی گزر گئی۔“ ذرا بھی تو آرام نہیں کیا انھوں نے۔“

”اسی لیے تو میں تم سے بھی کہہ رہا ہوں کہ کچھ دیر آرام کرو تاکہ اندازہ دم ہو سکے۔ یہ ہنگامے تو خیر اتنے نہیں ہو سکتے گے اس وقت تک جب تک کہ ہم اپنے ملک سے یوں لوں کہ ایک ایک ایجنٹ کو اکھاڑ دے پھینکیں یا پھر خود فنا نہ ہو جائیں۔“

”کھڑکیوں کے فیشیوں پر بیچ کی سفیدی نظر آنے لگی تھی۔ ہمارے درختوں پر چڑھ کر بھی جھپٹنا شروع کر دیا تھا۔ تنھن اور نیند کے باعث مجھے اپنی آنکھیں ملگتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔ مجھے خیال آیا کہ رات میں نے لڑی سے بنگلے پر واپس پہنچنے کے لیے کہا تھا اس کے بعد حالات نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ میں اسے فون بھی کر سکتا۔ میرے نہ پہنچنے پر وہ نہ جانے کیا کیا خیالات باندھ رہی ہو گی اپنے دل میں۔ اس نے حیرانہ ڈالے معاملے میں میرے سارے خدشات دور کر دیے تھے نیند رات بھر میں وہاں نہ جانے کن حادثات نے جنم لیا ہوگا۔ ایک توجہ لگائی سیکرٹری کی کار کا حادثہ ہی خاصا اہم واقعہ تھا۔ حادثے کی نوعیت سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ حیرانہ کی سیکرٹری اور اس کا ڈرائیور کام آج گئے ہیں۔ لیکن میرے اس اندازے کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی۔ فیروز تو نہیں ہے کہ جن حادثے میں پوری کار تباہ ہو گئی ہو، اس ٹیکہ کے مسافر بھی ہلاک ہی ہو گئے ہوں۔ ایسے بے شمار حادثوں کی یاد میرے دل میں محفوظ تھی جن میں کار ٹھیل بالکل تباہ و برباد ہو گئی اور مسافر بھارتی طور پر پتھری گئے۔ یا کئی مسافر بری طرح پھیل گئے اور ایک یا دو شخص اس طرح پتھری گئے کہ ان کے جسم کی کوئی خراش ٹھیک نہ آ سکی تھی۔ چنانچہ اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بھی نہ رہ گیا ہے تو اس نے اپنے بچوں کو تو یہ جزو بتا دیا ہوگا کہ حادثہ کس طرح پیش آیا تھا اور وہ کیوں اس مقام تک پہنچا تھا جہاں حاضر ہونا ہوا۔ ان تمام باتوں کے جواب کے لیے میرا لڑی سے رابطہ قائم کرنا میرے حضور ہی تھا چنانچہ میں نے فیروز سے کہا، ”تم

ناشتے کا انتظام کروا دیجیے، ایک میں لڑی کو فون کر کے اس سے دو باتیں کر لوں۔ وہاں کے تازہ ترین حالات کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا بہت ضروری ہے میرے لیے۔“

”ٹھیک ہے تم اس دفتر بیورو سے باتیں کرو، میں انور کمال کو ہنگامہ آرائی سے ناشتا منگواتا ہوں۔“ فیروز اٹھ کر انور کمال کے طرف چل دیا۔

میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلی فون سیٹ کے پاس جا پہنچا اور ریسپونڈر اٹھا کر ٹھیکے کا فون نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پانچویں یا چھٹی گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسپونڈر اٹھا لیا گیا تھا اور ریسپونڈر اٹھانے والی الزبتھ تھی۔ اس کی نیند میں ڈوبی ہوئی تھی اور آواز سن کر میں نے کہا، ”کیا کیا ہے لڑی بیگم! کیا رات بھر جاگتی رہی ہو جو اس وقت اتنی کمری نیند میں ڈوبی ہوئی ہو؟“

”میری آواز سن کر شاید اس کی آنکھوں سے ایک دم نیند اٹھ گئی تھی۔ جبکہ کر بولی، ”ادھ جناب عالی! کہاں ہیں آپ؟ میں تمام رات آپ کا انتظار کرتی رہی ہوں۔ بس ابھی ٹھنڈی دیر پہلے ہی آنکھ کی تھی میری، آپ خیریت سے تو ہیں نا؟“

”میں تو خیریت سے ہوں مگر وہ اپنا آئی ہے نا وہ خیریت سے نہیں ہے۔ بس اس کی وجہ سے میں واپس نہ آ سکا رات کو۔“ میں نے بتایا۔

”ادھ، کیا ہوا ہے آئی صاحب کو؟ کل شام کو تو انھوں نے نے حیرانہ جیسے سرکش کے سارے بن کال ڈالے تھے۔ پھر یہ اچانک کیا ہو گیا؟“

”یہ کوئی نئی اور عجیب بات نہیں ہے ہمارے لیے ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ رات کو ہم واپس آ رہے تھے گھر کی طرف کہ راستے میں اچانک کچھ لوگوں نے ہمیں گھیر لیا۔ اپنے اندازہ و اطوار سے تو وہ اظہار ہے ہی تھے۔ ممکن ہے ہمارے کسی دشمن نے انھیں ہمیں گھیرنے کے لیے بھیجا ہو۔ آئی جوش میں آ کر ان سے جا بھاڑا تھا، جس کے نتیجے میں اس کی پٹلی میں گولی لگ گئی ہے، مگر تپد منٹ پہلے ہی وہ سکون سے سو رہے تو میں نے انھیں فون کر لیا، میں نے اسے ایک لمبی گھڑ کے سنا دی۔“

”یہ تو بہت برا ہوا جناب عالی! آپ لوگ کہاں ہیں اس وقت؟ مجھے بتائیں میں آ رہی ہوں ابھی۔“ لڑی نے بے تابانی سے کہا۔  
 ”یہ ایک خفیہ قسم کا کلیڈنگ ہے جہاں قانون ابھی تک داخل نہیں ہو سکا ہے۔ لہذا تم اس طرف نہ ہی آؤ تو چاہیے۔“



”اوہ، ویری سوری۔ میں تو بالکل بھول ہی گیا تھا یہ بات!“  
میں نے کان بچا کر اپنے منہ کو پھینٹتے ہوئے کہا۔  
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، پھر ایک ادا سے بولی ”ذرا بھی  
اچھے نہیں لگتے ہیں یہ بچوں جیسی حرکتیں کرتے ہوئے آپ؟“  
میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکے ہوئے کہا: ”لڑی!“  
نہ جانے کیوں مجھ سے اسنے آکر میرا دل چاہنے لگا ہے کہ کاش  
میں تنہا سا بیٹہ ہوتا۔“  
وہ شوخی سے اٹھلا کر بولی: ”اگر آپ بچہ ہوتے جناب عالی!  
تو نہ آپ سان فرانسسکو تک پہنچ سکتے تھے اور نہ ہی میں آج  
آپ کے ملک میں آپ کے ساتھ یوں آنے کو تیار رہتی۔ یقیناً  
کوئی زندگی کا ایسا ہم سفر مجھے بھی بھیج دیتا جس کی بدولت  
بھی مجھے اپنے ہی ہاتھوں کرنا ہوتی۔ میں جانتی ہوں آپ کے  
ملک میں بعض علاقوں میں جو لڑکیوں کی شادی شریخاڑیوں  
سے کر دی جاتی ہیں۔ لیکن آپ یہ بھول رہے ہیں شاید کہ میں  
امریکا کی شہری ہوں۔ جہاں والدین کو ایسے فیصلے کرنے کا حق  
بالکل نہیں ہے۔“  
میں نے ہنس کر کہا: ”لغنت بھیجو بار! ہم کیسی غیر شاعرانہ  
باتیں لے بیٹھے۔ حالانکہ تمہیں دیکھ کر شاعروں پر اچھے اچھے  
شعروں کا نزول ہونے لگا ہوگا کاش میں تمہاری شان میں ایک  
شعری کہہ سکتا کبھی۔“  
”عجیب دل ہے آپ کا اور بڑی عجیب عجیب خواہشیں  
جنم لیتی رہتی ہیں آپ کے دل میں۔ میرا خیال ہے یہ سب بات  
بھرنے سونے اور شدید تھکن کا نتیجہ ہے۔ نیند کا خمار طاری ہے  
آپ کے دل و دماغ پر وہی ایسے بے ربط خواب دکھا رہا ہے  
آپ کو۔ آپ میری بات مان لیں جلدی سے یہ باتہ روم جا کر غسل  
کریں۔ لباس تبدیل کریں اور ناشتا کر کے بستر پر دراز ہو جائیں۔  
آپ نیند پوری کر کے جب اٹھیں گے نا۔۔۔ تو سائے بنگلات  
مکمل چھنے ہوں گے دماڑ سے“ لڑی نے مجھے باتہ روم کی طرف  
دھکیل دیا۔  
ناشتا کرتے ہوئے لڑی نے مجھ سے کہا: ”اگر آپ صاحب  
کبھی تو اس کلینک کا بڑا بنادیں جیسے جہاں آپ آتی کو چھوڑ کر آئے  
ہیں۔ آپ کی نیند کے دوران میں ان کی خبر گیری کرنے سے جلی جاؤں  
گی اور اگر وہاں مناسب علاج اور دیکھ بھال نہ ہو سکی تو میں انھیں  
وہاں سے لاکر اس کلینک میں داخل کر دوں گی جہاں بڑا لڈ داخل  
ہے۔ اس کلینک میں بہترین ڈاکٹروں کا ایک بورڈ موجود ہے اور  
نزیت یافتہ نایاب ہوشیار نرسوں کی خدمات بھی حاصل ہیں۔ دوسرے  
علاقے بنے ہوئے کچھ خوب بھی نہیں ہوگا۔“

”مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے تمہارے وہاں جانے  
پر گروہ ڈاکٹر جس نے وہ کلینک اپنی کوشش کے ایک تمہ خانے  
میں قائم کر رکھا ہے، اس بات کو بالکل پسند نہیں کرے گا۔ اسی  
کے منہ کرنے پر میں نے تعین فون پر اس کا پتہ نہیں بتایا تھا۔ یوں  
بھی میں سمجھتا ہوں کہ کوئی اس جگہ رکھنا ٹھیک نہیں ہے جہاں جراثیم  
ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ برداشت نہیں کر سکے گا۔ تم جانتی نہیں  
ہو اسے۔“  
”یہ آپ کچھ کہہ رہے ہیں، میرے ذہن سے نکل گئی تھی  
یہ بات۔ ویسے جبرائیل کا تو اب قصہ ختم ہی کبھی نہیں آئی لڑی  
بولی: ”اور ہاں، وہ ان اخبار کو آپ نے دیکھا ہی نہیں ہوگا اب  
نک۔ ایک بڑی اہم خبر چھپی ہے ہمارے لیے آج کے  
اخبارات میں۔“  
”اخبار تو میں سچ سمجھ رہا ہوں اب آپ کو کون سی  
اہم خبر چھپی گئی ذرا بتاؤ؟“ میں نے پوچھا۔  
”رات کو کارساز پر ایک حادثہ ہوا ہے۔ ایک مفید  
کردار کو ایک بس نے بڑی طرح چیل کر رکھا ہے۔ یہ کہ وہاں  
ایک عورت اور ایک مرد سفر کر رہے تھے۔ دونوں موقع پر  
ہی ہلاک ہو گئے۔ گاڑی کے کاغذات اور مرد کی جیب اور  
عورت کے برس سے برآمد ہونے والے کاغذات سے پتا چلا  
ہے کہ کارساز جو برجن منت کا رالیکزینڈر کی ملکیت تھی، عورت  
الیکزینڈر کی سیکرٹری اور مرد اس کا ڈرائیور تھا۔ اور آپ کی اطلاع  
کے لیے عرض ہے کہ یہ دونوں ہی بے حد خطرناک تھے۔ اس کا  
اندازہ آپ اس طرح کر لیں کہ محض ان ہی دونوں کی وجہ سے  
مسٹر آئزک آج تک چاہنے کے باوجود الیکزینڈر کے خلاف  
کوئی قدم نہیں اٹھا سکے۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی وہ  
دونوں اس وقت کارساز کی طرف کیوں گئے تھے؟ انھیں تو  
اسپتال میں جبرائیل کے ساتھ ہونا چاہیے تھا یا آپ دونوں  
کی تلاش میں نکلتا جا رہے تھے۔ یہ تو انھیں پتا چل ہی گیا تھا کہ  
جبرائیل کو زخمی کرنے والا کون ہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ  
آپ دونوں کا مجھ سے کیا تعلق ہے چنانچہ انھیں جبرائیل کا انتقام لینے  
کے لیے اس ننگے کی طرف آنا چاہیے تھا۔“  
”یہ تم کا کہہ رہی ہو؟“ میں نے چونک کر دہری کو دیکھتے ہوئے  
کہا: ”کیا تم لوگ مجھ سے اور آئی سے جبرائیل کا انتقام لوگے؟“  
”آپ غلط سمجھ میں جناب عالی! میرا یہ مطلب ہرگز  
نہیں تھا۔ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ جبرائیل کے ساتھ آئی نے  
کچھ کیا ہے، اس سے مسٹر آئزک بہت خوش ہیں۔ وہ اس  
سلسلے میں آپ دونوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے بارے

میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ بلکہ وہ تو ہر طرح کا تحفظ فراہم کرنا چاہتے  
ہیں آپ دونوں کو۔ ہماری طرف سے کسی بدگمانی کی کول میں جگہ  
نہ دی۔“  
”پھر تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ ان دونوں کو ہماری تلاش میں  
ادھر آنا چاہیے تھا؟ یہ تو اسی صورت میں ممکن تھا جب انھیں اس  
کا حکم دیا جاتا۔“  
”نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے  
کہی تھی کہ ان کا فرض بھی تھا۔ ان دونوں کا تنظیم سے کوئی تعلق  
نہیں رہا کبھی، وہ جبرائیل کے ذاتی لازم تھے۔ اور اس سے اس  
کام کی تنخواہ جانتے تھے کہ اگر کبھی جبرائیل کو کوئی نقصان پہنچانے  
کی کوشش کی جائے تو وہ دونوں ایسا کرنے والے کو ہمیشہ  
کے لیے فنا کر دیں۔ جبرائیل کے دشمنوں کو کھٹکنے لگانا ان کی  
ذمہ داری تھی کبھی ایسا نہیں ہوا اگر کسی نے جبرائیل سے کچھ لایا  
ہو اور ان دونوں نے اسے زندہ چھوڑ دیا ہو۔ یہی بات تو میرے  
لیے جبران ان سے کہہ رہا تھا اور پچھلے کے بھانے کا کارساز  
طرف کیوں چلے گئے تھے۔ میں نے جبرائیل کو اسپتال پہنچانے کے  
بعد اسے میڈیکل ایڈولڈی تھی۔ یہ دونوں بھی وہاں موجود تھے۔ جبرائیل  
نے ہوش میں آتے ہی انھیں بتا دیا تھا کہ اسے اس حال کو پہنچانے  
کا ذمہ دار کون ہے۔ یہ جاننے کے بعد ہی وہ دونوں وہاں سے  
نکل گئے تھے۔ میں جانتی تھی کہ ان کے ارادے کیا ہیں۔ چنانچہ میں  
فوراً ہی یہاں آنے کے لیے روا ہونگئی۔ راستے میں ایک جگہ رگ  
کر چند منٹ میں فون پر مسٹر آئزک سے بات کی تھی اس نے سب  
انھیں آپ کی حمایت میں دیکھ کر میں نے کھل کے آپ دونوں کا  
ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا مگر جب میں یہاں پہنچی تو دوران سے  
معلوم ہوا کہ آپ لوگ ادھر گئے ہی نہیں تھے۔“  
”اگر مسٹر آئزک ہماری حمایت نہ کرتے تو ہمارا ساتھ نہیں دیتیں؟“  
میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔  
”یہ کیسے سمجھ لیا آپ نے؟ وہ جو کچھ ہو کر بولی؟“ میں آپ کا  
ساتھ چھوڑنے کا تو کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی۔“  
”تم نے خود ہی کہا تھا ابھی کہ مسٹر آئزک نے ہماری حمایت  
کی تو تم نے کھل کر ہمارا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔“ میں نے کہا۔  
”اس کا مطلب یہ تو نہیں جناب عالی! جو آپ نے اخذ  
کر لیا ہے۔ یہ مطلب ہے کہ ہمارا ان کی حمایت دیکھ کر میں نے  
کھل کر ساتھ دینے کا فیصلہ کیا، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میرے  
اس طرح آپ کا ساتھ دیتی کہ کسی کو یہ پتا نہیں چلے کہ میں آپ کے  
ساتھ ہوں۔“  
”اگر ایسا ہے تو میں بھی تمہارے دل کی خوش دور کیے

دیتا ہوں کہ وہ دونوں ادھر آنے کے بجائے کارساز کیوں  
گئے تھے؟“  
”اچھا، تو آپ جانتے ہیں اس بارے میں؟ وہ جبران ہو کر میری  
طرف دیکھتے ہوئے بولی۔  
”جانتا تو نہیں تھا میں لیکن تمہاری باتیں سن کر سب کچھ  
گئی ہے میرے ذہن کی۔“ میں نے کہا: ”میں بھی کل رات سے ان کے  
بارے میں اکھن کا شکار تھا۔ اور ان کی دشمنی کا کوئی سبب سمجھ میں  
نہیں آ رہا تھا میری۔“  
”کچھ باتیں تو ہوا کیا تھا؟ کیسی انھیں کا شکار تھے آپ؟  
کیا آپ کو انہی لوگوں نے دشمن کیا ہے؟“ لڑی نے چینی سے بولی۔  
”نہیں، آپ کی زخمی ہونے میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔  
اصل واقعہ یہ ہے کہ تم سے رخصت ہونے کے بعد میں اور آئی لیں  
ہی بے مقصد ادھر ادھر سفر کر رہی تھیں۔ رہے تھے بہت دیر  
نک۔ ایک بار ہم اس طرف بھی آئے مگر مزار پر پڑے کچھ نہیں  
ہے سوچے سمجھے کارساز اہل قاتل بن کر پڑوا۔ وہاں سے جب میں  
شارع فیصل پر پہنچا تو مجھے اچانک احساس ہوا کہ ایک مفید کردار  
کا کارنی دیسے ہماری کارساز کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں یہ  
جاننے کے لیے تعاقب کرنے والے کون میں سیدھا کارساز کے  
طرف ہوا لیکن کارساز سے پہلے آنے والی فرنگ سے میں  
نے اپنی گاڑی اچانک واپس آنے والی ٹرک پر مڑ لی اور میرے  
پہلے آنے والی فرنگ سے میں نے اسے دوبارہ پچھڑا کر ٹرک پر  
ڈال دیا۔ مقصد یہاں تھا کہ میں اس تعاقب کرنے والی کارساز کے پیچھے  
لگ کر ان لوگوں کو ہراساں کر دوں۔ جو میرے تعاقب میں چلے آ رہے  
ہیں۔ مجھے اپنے اس مقصد میں اتنی کامیابی ہوئی تھی کہ وہ میرے  
اچانک ٹک کی وجہ سے میرے پیچھے آنے کے بعد سیدھے نکلے چلے  
گئے تھے مگر جب میں دوبارہ اس ٹرک پر آیا تو وہ کارساز  
آئے نکل ہی گئی۔ آئے ٹریفک جام تھا جس کی وجہ سے ہم بیوقوفی  
جیسی رفتار سے کارساز تک پہنچے تھے۔ وہاں پتا چلا کہ کوئی  
زبردست حادثہ ہوا ہے وہاں، چنانچہ میں نے حادثے کے بارے  
میں جاننے کی کوشش کرنے کے بجائے اپنی کار اسٹیڈیم کی طرف  
جانے والی ٹرک پر ڈال دی۔ وہ کار کو مجھے راستے میں کھن میں نہیں  
چھوڑا۔ فیصل فیصل اسٹیڈیم کے قریب اچانک سامنے آکر چادر ڈالنے  
میں روک لیا جس کے نتیجے میں آئی کی بند کی آؤٹھ گئی ایک گولی سے  
میں نے تھوڑی بہت رت و دھل کے ساتھ اسے ساری تفصیل بتا دی  
فیروز خیر کا ذکر میں کیوں کر کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے مجھے اس  
میں یہ رد و بدل کرنا پڑی تھی۔  
لڑی ساری داستان سن کر بولی: ”اس کا مطلب یہ ہے

کہ وہ آپ ہی دونوں کو بھیجا کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور بدقسمتی  
وہاں انھیں شکار کر لیا۔ اس بات سے بے خبر تھے کہ وہاں کائنات  
دراصل اپنی موت کا تقاضا کرتے ہوئے جارہے ہیں۔

”ہاں لڑی گیم، یا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ آدمی چنانچہ  
اس بات پر اترتا ہے اس قدر اپنی صلاحیتوں اور کامیابیوں پر  
پھولا پھرتا ہے، حالانکہ اسے یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ اسے والا کون اس  
کے لیے اپنی جھولی میں کیا لے کر رہا ہے۔“

”آپ نے درست کہا ہے جناب عالی! بے تو خاک کا  
چمکا کر اپنی عقل پر بہت نازاں ہے یہ، اوقات بھولا ہوا ہے اپنی  
حالانکہ بار بار حادثوں اور باؤں کے ذریعے تنبیہ کی جاتی ہے  
اسے، اس کی حیثیت کا احساس دلا جا رہا ہے مگر کسی کی آنکھیں  
نہیں کھل رہی ہیں، کوئی ہوش میں آئے کو تیار نہیں ہوتا ہے، ہر  
شخص یہی سمجھتا ہے کہ وہ اپنے دل میں کہ یہ میرے ساتھ نہیں  
ہوگا، یہ میرے لیے نہیں ہے۔ لوگ خود سر اور ظالموں کے انجام  
سے عبرت حاصل کر کے اپنی اصلاح کرنے کے بجائے ان کے

ناکامیوں کے اسباب جاننے کے لیے ان کی راہ کو دیکھنے بیٹھ  
جاتے ہیں تاکہ وہ عمل جو ایک شخص کی بربادی کا سبب بنے تھے،  
ان کا کوئی ایسا بندوبست کر دیں کہ وہ خود اس سے محفوظ ہو جائیں۔  
حالانکہ ان تمام احمقیاں تہذیب کے واجد و بنیاد ہیں جو انہیں  
کے لیے دکھانا چاہتے ہیں۔ اس نے اس انداز میں یہ بات کہی تھی کہ  
میرا دل کا تب اٹھا تھا۔

ناشتے کے بعد میں اپنے کمرے میں جا کر بستر میں گھس گیا اور  
لیٹے ہی چند لمحوں میں مینوں کی دواؤں میں جا اترتا۔

”وہاں آٹھ گھنٹے تو شام کے سائے چھینا شروع ہو چکے تھے۔  
میرا بوجھ بھروسے کی طرح دکھ رہا تھا، کمزور ٹیس میں اٹھ کر دوسرے  
ہاں اور بائیں کا نہ تھا بھی بہت تکلیف دے رہا تھا۔ میرے جبر  
کے لئے اس نے کسی کو شہر کی کوئی دوسری منہ سے بے اختیار گراہ  
گئی۔ یہ سب دلوں کو کھینچنے کی طرح دکھ رہے تھے، تکلیف  
و جبر سے پاؤں موڑا نہیں جا رہا تھا۔ میں نے لیٹے ہی لیٹے لڑی کو  
زیں دینا شروع کر دیں۔ چار پانچ بار بکارتے کے بعد بھی جب  
میں اس طرف سے کوئی جواب نہیں ملتا تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ گھر میں  
نہیں ہے اس وقت۔ میں نے گردن کھما کر اپنے ارد گرد  
کی دواؤں میں میرے سر ہانے رکھی تیر چڑھتی فون سیٹ  
ہوا تھا۔ میں کہیں سے مل گیا کہ بیٹھ گیا اور فون اٹھا کر  
دو میں دکھ لیا۔ فون اٹھا تو اس کے نیچے ایک بچہ چلا کھا  
آ رہا ہے۔ وہ شاید فون کے نیچے دبا کر رکھا گیا تھا اس طرح  
فون کی طرف دیکھتے ہی وہ اس کے نیچے رکھا ہوا نظر آتا تھا مگر  
نے اس کی طرف تو جبر ہی نہیں دی تھی۔ اسی لیے وہ مجھے فوراً

دکھائی نہیں دے سکا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر پوچھا اٹھا۔ وہ  
لڑی نے ہی وہاں میرے لیے چھوڑا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔  
”جناب عالی!“

جبر الٹ کر سیکڑی کی موت کے بعد مقامی  
انتظامیہ نے اس کی لاش جبر الٹ کے گھر پہنچا دی  
ہے تنظیم کے تمام ارکان اس لاش کو جرمی  
پھینچنے تک اس کے قریب موجود رہیں گے اور  
اس کا سوگ منائیں گے۔ چنانچہ میں بھی وہیں جا  
رہی ہوں۔ آپ کے لیے کھانا تیار کر کے فریج  
میں رکھ دیا ہے۔ جب بھی بیدار ہوں گرم کر کے  
کھانا کھا لیں اور آبی کے پاس جا کر اس کی بیزیت  
مزدور معلوم کریں۔ رات گزار دیے، ایک خصوصی  
پرداز کے ذریعے سیکڑی کی لاش روانہ کرنے  
کے بعد ہی میں واپس آسکوں گی لہذا میرا انتظار  
نہ کریں۔

آپ کی لڑی گیم؟  
پرچا بڑھ کر میں نے دوبارہ وہاں دیا جہاں سے اٹھا یا  
تھا، پھر شرافت علی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ادھر پہلے ہی تھی  
مگر شاید کوئی جلی فون اٹھا نہ والا قریب موجود نہیں تھا غالباً پہلی  
یا ساتویں گھنٹے پر دوسری طرف سے ریسپورڈ اٹھا گیا۔ اور ریسپورڈ  
اٹھا نہ والا خود شرافت علی ہی تھا۔ میری آواز سن کر وہ بولا کہ تم  
اٹھ گئے۔ میں کوئی تین گھنٹے تھا اسے ڈرائنگ روم میں گزار کر  
آیا ہوں مگر تم فوراً ایسا لگتا ہے جیسے آج گھوڑے بیچ کے  
سوئے تھے۔ آئی کا کیا حال ہے اب؟

”تو تمہیں معلوم ہو چکا ہے اس کے بارے میں۔ میں  
ابھی ابھی سو کر اٹھا ہوں، سب سے پہلے تم سے بات کر رہا  
ہوں۔ ویسے مجھے امید ہے وہ ٹھیک ہی ہوگا۔ البتہ میری اپنی  
حالت کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہو رہی ہے اس وقت۔ کسی ڈاکٹر  
کو ساتھ لے کر آ جاؤ۔“  
”کیوں خیر فوراً؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟ اس نے فکر مندی  
سے پوچھا۔

”ہونا کیا ہے بار ارات بڑا بگڑا ہوا ہے۔ آئی کے تو  
پتلی میں گولی لگی ہے۔ میری اپنی بھی خاصی ٹوٹ پھوٹ ہوئی  
ہے۔ کہ شائے اور گھنٹوں میں شدید جوش آئی ہیں۔ رات بھاگ  
دوڑیں تکلیف کا اتنا احساس نہیں ہوا تھا مگر اب سو کر اٹھا  
ہوں تو سارا بدن چھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔ اٹھا نہیں  
جا رہا ہے بستر سے۔ تم جلدی سے آ جاؤ۔ باقی باتیں تمھانے  
آئے کے بعد ہوں گی۔“

”اچھا، میں بس چند منٹ میں آ کر ہوں، ڈاکٹر کو ساتھ  
لے کر، تم انتظار کرو میرا! اس نے یہ کہہ کر ریسپورڈ رکھ دیا۔  
میں نے بھی ریسپورڈ رکھ کر ٹیلیفون کو دوبارہ میز پر دھر  
دیا اور پھر بستر پر دراز ہو گیا۔ اٹھنے کی ہمت ہی نہیں۔ ابھی  
تھی مجھ میں۔

شرافت علی چند منٹ کے اندر ہی ایک ڈاکٹر کو  
ساتھ لے کر آ پہنچا۔ ڈاکٹر۔ بی بی طرح جیک آپ کرنے  
کے بعد کہا ”فکری کوئی بات نہیں ہے، مسمولی چومیں میں۔ میں  
انجکشن لگا دیتا ہوں اور کچھ دواؤں کے دیتا ہوں انھیں  
استعمال کریں۔ جو ٹول پر مسمولی بکائی کر دیں۔ اللہ نے چاہا تو ایک  
دو دن میں بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔“

ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں نے شرافت علی سے کہا۔  
”لڑی فریج میں کھانا رکھ گئی ہے، اسے گرم کر دو اور بائیں کو  
بالکچے پڑی بیٹھ کر لیجے یا یہ تو غلط کام ہوا ہے،  
اس وقت مجھے بالکل ٹھیک لگتا ہے چاہا ہے۔ چنانچہ کب  
کیا ہو جائے۔“

شرافت علی اٹھتے ہوئے بولا ”تم اپنے آپ کو پوسکون  
رکھو، ہر کام ٹھیک ہو جائے گا۔ میں کھانا لے کر آتا ہوں  
تمھارے لیے۔“

دس منٹ میں وہ طرے میں کھانا لگا کر لے آیا۔ اس  
نے مجھے سہارا دے کر بٹھایا اور میری کمرے کے کچھ کچھ  
تھکوں کے سہارے بیٹھنے سے مجھے زیادہ تکلیف نہیں ہو رہی تھی  
اس نے طرے اٹھا کر میری پھیلی ہوئی ٹانگوں پر رکھنے ہوئے  
کہا ”لو کھانا کھاؤ اور اس دوران مجھے تبتلے جاؤ کمرات  
کیا واقعات پیش آئے تھے.... میں صبح سے بلے حد فکروں  
تھلا صبح نو بجے کے قریب لڑی نے مجھے فون کر کے بتایا تھا  
کہ رات کسی سے تمھاری مدد بیٹھ ہو گئی تھی جس کے نتیجے میں آبی  
رہی ہو گیا ہے۔ جانتے ہو اس نے اور کیا کیا تھا مجھ سے؟“  
”کیا کیا تھا اس نے تم سے، میں کی بتا سکتا ہوں، تم  
بتاؤ کیا کسٹی تھی وہ؟“ میں نے اس سے پوچھا اور قدر چیلنے  
لگا تھا۔

”وہ کہہ رہی تھی میں تمھارے پیچھے کسی ہوشیار آدمی کو  
لگا دوں۔ وہ یہ معلوم کر کے بتائے کہ میں کہاں کہاں جاتا  
ہوں اور کن کن لوگوں سے ملتا ہوں۔ اس کا صاف مطلب یہ  
ہے کہ اسے تمھاری سرکرموں کی مکمل رپورٹ درکار ہے۔ شاید  
یہ لوگ تمھاری طرف سے مشکوک ہو گئے ہیں۔“

”بہت بد طبیعت لوگ ہیں یا یہ بد شکوک و شہادت تو ان  
کی سرشت میں داخل ہیں۔ اس معاملے میں تو یہ اپنے باپ کو کٹا

نہیں کرتے، اسے بھی ہر وقت شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔  
یہ بات تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا جب اس نے اپنے سہاروں  
جواب میں کہی ہوئی میری ہر بات بے چون و چرا تسلیم کر لی تھی۔  
میں جانتا تھا وہ اپنے طور پر ان سوالوں کے صحیح جواب معلوم  
کرنے کی کوشش کر رہے گی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو مجھے بہت حیرانی  
ہوتی، میں نے مسکراتے ہوئے شرافت علی سے کہا۔

”پھر تو اس نے کچھ کیا ہے، تمھاری فون کے عین وسط میں  
کیا ہے، میں خواہ مخواہ ہی پریشان ہو رہا تھا۔“

”ہاں بار بار وہ تو بس عین موقع پر گڑبڑ ہو گئی۔ ورنہ اس وقت  
تو وہ کسی باگلی کشا کی طرح بھونچتی اور بال بونچتی پھر رہی ہوتی  
اپنے شاید ان لوگوں کے کھانے میں بھونچا اور باقی میں  
نے یہ کہہ کر رات کو پیش آنے والے تمام واقعات کی تفسیل  
ساتھ بابا اسحاق کے آستانے پر دھاوا کرنے کے پروگرام کے بارے  
میں بھی بتا دیا۔

سب سمجھنے کے بعد شرافت علی بولا ”السی ہر کام میں  
رات گزار رہی ہے تم نے! اور یہ تو کمال ہی ہو گیا یعنی اگر وہ فون  
کے گرد سے بھی جا بھڑائے ہو تم، ان سے میں لگا رہا ہوں  
حاصل کر لے یہ تم نے اور ان کے باج آدمی بھی باندھ لیے  
بہت ہی اچھا ہوا ہے، بڑا ہی نیک شگون ہے یہ ہر کمرے میں اس  
دن رکن تمھارے لیے مفید ہی ثابت ہو رہا ہے۔“

”ہاں کسی حد تک لیکن اصل مقصد جب تک حاصل نہیں  
مجھے چاہی نہیں مل سکا؟“ میں نے جواب دیا۔

”وہ بھی ہو جائے گا مجھے امید ہے خدا کی ذات سے اور  
ہماری کوششوں کو راز نگاہاں نہیں جانے دے گا۔“

کھانے کے بعد اس نے مجھے جیسے بھی بنا کر  
اور پھر میری چوٹوں کی سرکائی کے لیے دہری توں میں گرم  
بھی پھر کر لے آیا۔ میں نے بوقت دیکھ کر پوچھا ”یہ بیان کیا  
مل گئی تھیں؟ کیا اپنے مہمان خانے میں ایسی چھوٹی چھوٹی  
چیزیں بھی رکھتے ہو تم؟“

”ہاں، ضرورت کی ہر چیز موجود ہے یہاں، تم جانے  
ہو یاں اگر میرے مہمان بننے والے کیسے لوگ ہوتے ہیں۔ انھیں  
وقت بھی کسی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ بعض اوقات ضرورت  
پڑنے پر چیزیں فٹا شکل ہو جاتی ہے اس لیے انتظار میں کرنا  
ہے ہر چیز کا۔“

تھوڑی دیر بیکائی کرنے کے بعد تکلیف میں ٹری  
مک کی محسوس ہوئی۔ اور میں اپنے ہاتھوں اور سر کو کھرت  
کے قابل ہو گیا۔ میں نے اٹھ کر تھوڑی سی چل تندی بھی کی۔  
مجھے زیادہ ضروری نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے شرافت علی سے

”یار! اب تو میری حالت بہت بہتر معلوم ہو رہی ہے۔ تم مجھے فیروز کے ٹھکانے پر ملے۔ آج کی رات مجھے ضروری کام نکالنا ہیں مجھے ہاں“

”میرا خیال ہے تمہیں آج صرف آرام کرنا چاہیے۔ وہاں فون تو ہو گا ہی، تم فون کر کے انہیں اپنی حالت کے بارے میں بتا دو“

”نہیں برادر! اب میری حالت اتنی بری نہیں ہے۔ یوں بھی آج کا کام کل پرانا کون کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔ آدمی کا ہاں ہو جاتا ہے اس طرح اور وہ بھرتیاں مل کر کامیابیاں حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہا کر بھی نہیں بنانا چاہیے“ ٹھیک ہے اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو قبول میں سے چلتا ہوں تمہیں وہاں رکیں وہاں کوئی میری موجودگی کو ناپسند تو نہیں کرے گا؟“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس بات کا۔ میرے ساتھ جانے والے کسی شخص کو ہاں ناپسند نہیں کر سکتا کوئی۔ تم صوبہ میرے ساتھ بالکل بے فکر ہو کر کسی قسم کا خدشہ نہ کرو ذرا ابھی۔ یوں بھی غائبانہ طور پر وہ لوگ متعارف ہیں تم سے“ میں نے لمبے سبھا کیا۔

”اچھا ٹھیک ہے چلو“ وہ میری طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ”میں تمہیں سہارا دے کر ملے چلتا ہوں باہر کا رنگ“ ”نہیں، سہارا سے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔ میں خود چل کر جا سکتا ہوں وہاں تک، تم میرا اعتماد متزلزل نہ کرو“

”ٹھیک ہے اگر تم خود ہی چلنا چاہتے ہو تو جو کچر چلیں دشواری ہو تو خواہ غواہ بہادر شنے کی کوشش مت کرنا“ مجھے اس کے ساتھ کا رنگ جاتے میں کوئی زیادہ دشواری

نہیں ہوئی۔ وہاں وہ سفید کرد لا بھی موجود تھی جو رات بھر میرے استعمال میں ہی تھی مگر شرافت علی نے مجھے اپنی کار میں بٹھا دیا اور پھر کار اشارٹ کر کے سڑک سے باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہوئے اس نے ٹیکس پر راکر دیا کہ یہ ہدایت کر دی تھی کہ اگر لڑی سے ہماری واپسی سے پہلے آجائے تو وہ اسے یہ نہ بتائے کہ میں اس کے ساتھ گیا ہوں۔ وہ اس سے یہی کہے کہ میں اکیلا ہی کسی میں بیٹھ کر کہیں گیا ہوں۔ وہ بہت ہی ہوشیار اور محتاط آدمی تھا۔ کسی چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا وہ اس کی یہ خوبی مجھے بہت پسند تھی۔ چونکہ لڑی نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ میرا پیچھا کرے میری مصروفیات کے بارے میں معلوم کرے چنانچہ وہ لڑی کے گاؤں تک یہ اطلاع نہیں پہنچنے دینا چاہتا تھا کہ وہ خود مجھے اپنے ساتھ لے کر کہیں گیا ہے۔ رات کی سیاہی دن کے ابلنے کو پوری طرح منسلک تھی،

جب ہم فیروز کی اقامت گاہ میں داخل ہوئے۔ وہاں اس وقت صرف فیروز اور ڈاکٹر ہی موجود تھے۔ فیروز نے بتا کر کان ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سو کر اٹھا تھا، اس وقت وہ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا جلد ہی واپس آجائے گا۔ انور کمال اور گل زمان اپنی ڈیوٹی پر ہیں اور میرے پیچھے ہی پیچھے واپس آئیں گے۔ میں نے شرافت علی کا اس سے تعارف کر لیا۔ آئی کو انھوں نے کوٹھی کے اس دوسرے حصے میں منتقل کر دیا تھا جہاں... مگر نہ بھی باہر سے واپسی پر گل زمان مجھے لے کر آیا تھا۔ اسے دوپہر کے وقت بخار ہو گیا تھا۔ مگر اب اس کی طبیعت کچھ بہتر تھی۔ قیدیوں کو انھوں نے تین مختلف کمروں میں بانٹ دیا تھا۔ وہ دوڑوں ختمہ درختیں گل زمان نے زیر کر کے قابو کیا تھا الگ الگ رکھے گئے تھے، انہیں چند منٹ سے زیادہ ہوش میں نہیں رہنے دیا گیا تھا۔ میں نے فیروز سے کہا ”مجھے آبی کے پاس لے چلو اسے دیکھنا چاہتا ہوں میں“

”ٹھیک ہے چلو۔ مجھے تو تم بھی کچھ زیادہ بہتر دکھائی نہیں دے رہے ہو غیرت تو ہے نا؟ فیروز نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ ”ہاں یار! رات کو ابھی خاصی مرمت کر دی تھی اس کی ہونٹ کی دم نے۔ بدن کئی جگہ سے جڑخ کیا ہے شاید۔ بہر حال تشویش کی بات نہیں ہے کوئی۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگا دیا ہے اور کیسپول وغیرہ بھی دے دیے ہیں۔ بھائی شرافت علی نے چوڑوں کی برکائی بھی کر دی ہے۔“

ڈاکٹر نے مجھے توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جس طرح اس نے تمہیں اچھال کر دیوار پر پھینک دیا تھا اس کے بعد تمہارا دوبارہ اٹھ کر کھڑے ہو جانا ہی میرے نزدیک کی غزب سے کم نہیں ہے۔ دیوار سے ٹکرائے اتنی بزدلی سے گرنے کے بعد ہڈیاں سلامت کیسے رہ سکتی ہیں؟“

”میں اگر بھوکے بل نہ گیا ہوتا تو یقیناً دوبارہ وہیں اٹھ سکتا تھا۔ اب تو صرف شائے، کمراد گھٹنوں میں چوٹ آئی ہے۔ وہ بھی کچھ اتنی زیادہ نہیں ہے۔ ایک آدھ روز میں ٹھیک ہو جائے گی بالکل ہی“ میں نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

اسی وقت گل زمان اور انور کمال بھی آگئے۔ میں نے ان دونوں کو دیکھتے ہی پوچھا ”کیوں بھیجی، کسی نے ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش تو نہیں کی تھی نا؟ ہم نے راستے میں اس طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا بالکل بھی۔ تم نے دیکھا تھا شرافت علی؟“ میں نے شرافت علی سے بھی پوچھا۔

وہ بولا ”ایک بوکھر کار پر غصہ ہوا تھا مجھے۔ وہ تو فیروز نظر آئی تھی مگر پھر غائب ہو گئی“ میں نے اس سے پوچھنے کے بجائے مسکرا کر انور کمال کو دیکھا۔ وہ بولا ”نہیں جناب! ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی ہیں۔“

جس کے بارے میں ہم سوچ کر کئے کروہ آپ کے تعاقب میں ہو گئی۔ البتہ اس کو کچھ کے سامنے والے حصے کی طرف ایک کار کو رینگنے کے انداز میں گزرتے ہوئے دیکھا ہے ہم نے ابھی ابھی۔ معلوم یوں ہوتا تھا جیسے وہ کسی کا پتا تلاش کر رہے ہوں مگر مجھے شبہ ہے کہ یہ صرف بہانہ تھا روزہ دریا پر ایک سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص جس طرح کوٹھی کی طرف دیکھ رہا تھا اس سے میں نے یہی رائے قائم کی ہے کہ دراصل وہ ہماری کوٹھی کا ہی جائزہ لے رہا تھا۔ شاید یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ اندر کتنے افراد موجود ہیں اور کس قسم کے لوگ رہتے ہیں یہاں“

”کتنی دیر ہوئی ہے اس بات کو؟“ میں نے حدی سے پوچھا میری چھٹی جس نے یہ سنتے ہی خطرے کی گھنٹی بجادی تھی میرے دماغ میں۔

”اس اتنی دیر ہوئی کہ ہم وہاں سے یہاں تک پہنچے ہیں“ گل زمان نے جواب دیا۔

میں نے فیروز کی طرف دیکھ کر کہا ”آؤ بھئی ادھر چل کر دیکھتے ہیں۔ کوئی ایسی جگہ تو ہوگی تاہل جہاں سے باہر والوں کو نظر آئے بغیر ٹیکس سے باہر نکل کر جائزہ لیا جاسکے؟“

”ہاں ہاں، ایسی کئی کھڑکیاں ہیں جن سے باہر دیکھا جاسکتا ہے۔ ان پر پڑے ہوئے پردوں کی وجہ سے یہ اور آسان ہو جائے گا“

ہم سب لوگ کوٹھی کے اس حصے کی طرف چل دیے۔ وہاں ہر کمرہ بالکل تاریک پڑا تھا۔ فیروز نے اندر گھستے ہی کہا۔ ”کوئی لائٹ نہ چلائے کسی بھی کمرے کی۔ باہر اگر کوئی کوٹھی کا جائزہ لے رہا ہے تو اسے یہی تاثر دیا جائے کہ یہاں کوئی نہیں رہتا ہے“

اسے عین موقع پر یہ بہت اچھی بات ہو گئی تھی۔ میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ”ہاں بھئی روشنی بالکل نہیں ہے ہونا چاہیے“

میں اور فیروز ایک ساتھ ایک ہی کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے۔ اوپر وہ جگہ کار باہر جھانکنے لگے مگر کھڑکی بند تھی اور اس پر گھرے رنگ کے شیشے لگے ہوئے تھے جن کی وجہ سے ”دو طرفہ کچھ دیکھنا ناممکن ہی تھا۔ لہذا میں نے کھڑکی کا ایک بڑا ٹھوکرا کھول دیا۔ اس وقت ایک شخص کوٹھی کے بالکل سامنے سے بہل کر آگئے ان کے انداز میں گور رہا تھا۔ نظر اس کی کوٹھی کی طرف ہی اٹھی ہوئی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ کوٹھی کا ہی جائزہ لے رہا ہے۔ فیروز بولا ”تم جانتے ہو جیلائی اسے کون ہے یہ؟“

”میں نے جواب دیا“ میں نے آج سے پہلے اس شخص کے صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ کہیں یہ ان تقابلوں کا ہی تو کوئی ساتھی نہیں ہے جسے ہم نے باندھ کے ڈال رکھا ہے۔ ڈاکٹر کو بلاؤ گئے ہیں“

وہ شاید جانتا ہوا ہے۔“

فیروز نے ڈاکٹر کو اپنے قریب بلا کر کہا ”ڈاکٹر! باہر ایک آدمی موجود ہے، تم دیکھ کر بتاؤ پہلے کبھی دیکھا ہے تم نے اسے؟“

وہ پیچھے سر ہٹا۔ ڈاکٹر نے اس کی جگہ کھڑے ہو کر باہر دیکھا۔ اس شخص پر نظر پڑتے ہی وہ چونک کر بولا ”اے یہ یہاں کس طرح پہنچا؟ اسے یہ کیسے چننا چاہا کہ ہم لوگ یہاں ہیں؟“

میں نے کہا ”مگر یہ ہے کون تو بتاؤ پہلے؟ اپنی حیرت کا اظہار بعد میں بھی کر سکتے ہو تم“ ”یہ وہی ہے، وہی جس نے مجھے اس گندے کام کے لیے مجبور کیا تھا۔ ان سب کا باس ہے شاید یہ۔ مگر یہ یہاں پہنچا کس طرح؟“

”ہوں“ میں نے ان بات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”تو میرا اندازہ ٹھیک ہی تھا۔ بتا کر گا ہی لیا انھوں نے کسی نہ کسی طرح“

گل زمان آگے بڑھ کر بولا ”کیا خیال ہے جیلائی صاحب! باندھ لاؤں اسے بھی؟ میرا تو خیال ہے یہ آئی گا یہ یہاں تک تو لگے ہاتھوں اس کا پوسٹ مارٹم کر ہی ڈالیں کیا یاد کرے گا یہ بھی کہ اس نے دنیا میں کوئی کاروبار کیا تھا جس میں خود بک گیا؟“ ”نہیں یار! ابھی نہیں، اگر یہ باس ہے ان کا تو اس کا تعلق براہ راست خرطومی سے ضرور ہو گا۔ اصل آدمی تو یہی ہے برادر!“

جب تک وہ ختم نہیں ہو گا ان درمیانی آدمیوں کو مارنے کا فائدہ کچھ نہیں ہو گا۔ اس کے ذریعے میں خرطومی تک پہنچنا چاہتا ہوں، تم اس کا پیچھا کر کے ٹھکانہ معلوم کرو اس کا اور کوئی ایسا انتظام بھی کر دو کہ اس کی نقل و حرکت کا ہمیں پتا چلتا ہے ہر وقت“

”اس کا انتظام میں کر دوں گا“ فیروز بولا ”تم جا کر اس کا پتا ٹھکانہ معلوم کر آؤ۔ اور اگر یہ کوٹھی میں گھسنے کی کوشش کرے تو اسے روکنا تو نہیں؟ ہم آئی کاؤدھر دوسرے حصے میں لے جاتے ہیں۔ اچھا بھانڈا اندر آکر دیکھ لے کہ یہاں کوئی رہتا نہیں ہے۔ اسے یہی تاثر ملے کہ وہاں جانا چاہیے کہ یہ مکان بالکل خالی پڑا ہے، صبح ہم اس پر گرہ لگائے گئے لیے خالی ہے کی منتی لگا دیں گے“

”کیوں نہ تو یہی کیوں لگاؤ گے تم؟ اس معاملے سے اس کا کیا تعلق ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”تعلق یہ ہے کہ اس وقت مکان کو خالی پا کر وہ یہ سمجھے گا... کہ کہیں کہیں گئے ہوئے ہوں گے چنانچہ یقیناً کل دن میں پھر آئے گا اس کی تصدیق کرنے کے لیے اور وہ غصی دیکھ کر اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ اس کے کہیں اسے خالی کر کے کہیں اور چلے گئے ہیں“

میں نے اسے تو صفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کس۔  
 ”کھوڑی تھی یہی شیطانی طرح ہی کام کی ہے یہ ماننا  
 چڑے کے گائے“

وہ جس کو بولا: اگر ایسا نہ ہو تو اتنی بڑی اور منظم قسم کے  
 بین المذاہبی تنظیم سے شکر کیسے لیں گے ہم؟ آؤ ادھر آئی کے  
 پاس چلیں، اسے قطعی جلدی ہوئے کے مہاں سے ہٹا دینا چاہیے یہاں  
 چنانچہ وہ کس وقت گھس آئے یہاں۔

گل زمان پیسے ہی چاہا کتنا اپنے شکر کی تاک میں۔  
 ہم باخول تیزی سے پلٹ کر آئی کے کمرے کی طرف چل دیے۔  
 آئی جاک رہا تھا۔ اس نے کمرے کے باہر چاروی آئیں سن لیے  
 تھیں، لہذا جب ہم اس کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ دروازے  
 پر ہی نظر پڑ جائے لیٹا تھا سب سے دیکھتے ہی وہ بولا: اوئے  
 ذلیل آدمی کہاں جا کے مر گیا تھا تو کہ اب صورت دکھائی دی  
 ہے تیری؟“

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے فرز سے  
 کہا: اسے اٹھا ڈالو اسمارا دوسرے ہم دونوں دوطرف سے  
 پکڑ کر لے چلتے ہیں اسے۔ اپنے بیروں پر پل کر تو یہ شاید اس کمرے  
 سے باہر بھی نہ جاسکے۔

شرافت علی نے آگے بڑھ کر کہا: تم ہٹ جاؤ جیلانی، تمہاری  
 حالت ایسی نہیں ہے ابھی کہ کوئی مشقت کا کام کر سکو۔ آئی کوئی  
 سمارا دوسرے دونوں کا اس کی تم پر وائیں کر دیا خرم لوگ کس دن  
 کے لیے ہیں؟“

آئی بولا: اچھا تو یہ شرافت کو بھی ملا لیا ہے تو نے یہاں اور  
 یہ تیری حالت میں ایسی کی خرابی آئی ہے جس کی وجہ سے یہ ہاتھ  
 نہیں لگانے دے رہا ہے تجھے؟ کیا آدم آزادوں نے تیرا بھی  
 دوسرا گردہ نکالنے کی کوشش کر ڈالی ہے؟“

”چپ ہو جا یا ر تصویر دیر کے لیے، ہمیں کام کر لینے سے  
 اپنا بھر پور حصہ ہی چاہے سوالات کرتے رہتا کوئی منہ نہیں کرے  
 گاتجھے۔“

”گمیرے تو بتا دو یا ر آدم لوگ مجھے لے لیا جا رہے ہواب؟  
 میں کیوں نہیں پڑا رہتے دیتے؟ آئی قدرے الجھتے ہوئے بولا۔  
 ”میں نے سفر بدین سے جا رہے ہیں ہم تجھے کو کھینچے  
 کے اس حصے سے رات بھر کے لیے جا رہے ہیں بس۔ یہاں کچھ  
 گڑبڑ ہونے کا امکان ہے۔ خطرہ مل جانے کے بعد پھر میں نے  
 آئیں گے۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

آئی نے شرافت علی اور فرز کے سہارے سے اٹھ کر اپنی  
 صحیح سلامت ٹانگ کو زمین پر ٹکاتے ہوئے کہا: ”یہ خطرہ تو اب  
 ہماری زندگی کا ایک حصہ بن گئے ہیں یا ر! ان سے جان چھوٹی

دکھائی نہیں دیتی اپنی۔ پھر ان سے یوں بھاگے بھاگے بچنے  
 کا فائدہ ہی کیا ہے؟“

”ہاں یاد رکھنا تو ٹھیک ہی ہے تو بھی لیکن جان بوجھ کر  
 کوئی میں کوں گرتا ہے۔ کوں نہیں جانتا کہ مرنا تو ایک دن سب  
 کو ہی ہے اس کے باوجود زندہ رہنے کی تاک و دوسب کرنے  
 رہتے ہیں، کوئی آسانی سے خود کو فرشتہ اہل کے حوالے  
 نہیں کرتا۔“

ہم اسے لے کر کمرے سے نکل کے اوپر بیعت کی طرف  
 جانے والے زینے کی جانب جانے لگے تو آئی کھڑک بولا: اس  
 زینے پر چڑھتے ہیں بہت دشواری ہوگی انھیں ایک کرسی پر بٹھا  
 لو اور اس کرسی کو اٹھا کر لے چلاؤ پر یہ زیادہ آسان رہے گا۔  
 ”ہاں یہی کریں گے، جس بھی ہم انھیں اسی طرح لے کر  
 آئے تھے۔“

یہ مکان کچھ اسی طرح جانتا کہ اس کا اگلا اور پچھلا حصہ  
 ایک ہی جیسا تھا۔ دونوں حصے تو اب الگ تھے مگر ان کے  
 چھت ایک ہی تھی، ایک سے دوسرے حصے میں جانے کے  
 لیے چھت ہی پر سے گزرنے پڑتا تھا۔ سچے کہیں کوئی دروازہ یا  
 کھڑکی ایسی نہیں تھی جس سے گزر کر دوسرے حصے میں پہنچا جا  
 سکتا۔ چھت کے چاروں طرف قدر آدم دیوار رکھتی ہوئی تھی اور دیوار  
 میں تین ڈال اوچی دیوار کھینچ کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا  
 تھا۔ یہ تین ڈال اونچی دیوار پار کے ہی دوسری طرف جایا  
 سکتا تھا۔ زینے کے اختتام پر موٹی سلاخوں سے بنا ہوا  
 لوہے کا ایک مضبوط دروازہ تھا۔ آئی کو کرسی پر بٹھا کر اوپر لے  
 جانے کے بعد انوکھا لے وہ دروازہ بند کر دیا اور سلاخوں کے  
 درمیان سے ہاتھ ڈال کر اس میں اندر کی جانب سے تلاپھنے  
 ڈال دیا۔ .... اوپر چھت پر آئے کے بعد بھی یہ اندازہ لگانا مشکل  
 ہی تھا کہ وہ ایک مکان ہے۔ یہاں بھی یہی احساس ہوتا تھا کہ دو  
 مکانوں کی چھتیں باہم ہی ہوتی ہیں۔

آئی کو ایک کمرے میں لٹانے کے بعد میں نے فرز سے  
 پوچھا: ڈاکٹر کو ان کی ضرورت کا سامان ملگا تو یا ہے نا؟“

”ہاں سب کچھ بالکل تیار ہے۔ دس بجے انوکھا ڈاکٹر لے  
 کلینک جا کر ان کے معاون اسلام کو بھی لے آئے گا۔ اس کے  
 آتے ہی آپریشن شروع کر دیے جائیں گے۔ کوئی احتیاط کرنا  
 ہے، بس یہی خیال کرنا ہے کہ کوئی گروہ خراب نہ ہو جسے چند منٹوں  
 میں سارا کام مکمل ہو جائے گا مگر کوئی گڑبڑ نہ ہو تو۔ اور مجھے امید  
 ہے گڑبڑ کوئی نہیں ہوگی۔“

آئی بولا: ”اوئے جیلانی! یہ تو کس کے گردے نکالنے کے  
 بات کر رہا ہے بھی؟ یہ کام تو نے کب سے شروع کیا ہے؟  
 ”وہ جو پانچ آدم غور خور رات کو بچتے تھے ہم نے، انہی کے

گردے نکھارے ہوں میں۔ وہ گردے ان کے پاس کے ہاتھوں  
 ذرخٹ کر کے جائیں گے اس میں تیس لاکھ روپے ایڈوانس بھی  
 وصول کر چکا ہوں میں۔ ٹھیک کام کیا ہے نا میں نے؟“

”یہ تو بہت ہی اچھا کام کیا ہے تو نے میرے بار! اس  
 جنگ انسانیت کے بھی گردے نکھالے جس نے میرے پاؤں کا  
 یہ حال کیا ہے۔“

”ہاں ہاں فکر نہ کر اس کی۔ اس کا نام ہی فہرست میں موجود  
 ہے میری۔ معاف تو میں اسے بھی نہیں کروں گا۔“



دس بجے تک تمام تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں۔ انوکھا لے جا  
 کر اسلام کو لے آیا تھا، خان بھی واپس آ گیا اس عرصے میں البتہ وہ  
 گل زمان ابھی نہیں آیا تھا جسے فرزا درمیان نے بقول آئی آدم  
 خودوں کے پاس کے پیچھے بٹھا تھا۔ ٹھیک دس بج کر تیس منٹ  
 بڑا گھڑنے آپریشن شروع کر دیے۔ اس کے لیے ہم نے  
 ڈاکٹر کو آپریشن ٹیبل کے طور پر استعمال کیا تھا۔ ایک بجے کے  
 قریب بارہ عدد انسانی گردے میرے سامنے رکھے تھے جن میں  
 کئی بڑا گھڑنے ٹیبل کے ایک مرتبہ ان کچھ دواؤں وغیرہ لگا کر  
 حفاظت سے رکھ دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر خان اور انوکھا لے ان سب کی  
 لائیں ایک دین میں ڈال کر لے گئے۔ یہ دین اسی کام کے لیے  
 خان اپنے ساتھ لے کر آیا تھا کہیں سے۔ ان کے جانے کے  
 بعد فرزا اور ڈاکٹر نے مل کر ڈاکٹر ٹیبل، سر جری کا سامان اور وہ  
 کمرہ جس میں یہ کام انجام دیا گیا تھا بالکل صاف کر ڈالا۔ انھوں  
 نے ایک ایک نشان مثلاً ڈالنا تھا۔ پورے فرش پر زائل اور پرف  
 کے کئی ٹبے انڈیل دیے تھے۔

صبح پانچ بجے کے قریب میں آئی کو ڈاکٹر کی دین میں ڈال  
 کے اپنے ساتھ بنگلے پر لے گیا۔ اسلام اور انوکھا لے میرے ساتھ تھے  
 اسلام ڈاکٹر کا شریک راز تھا، میں نے فرز سے کہہ کر اسے میں گزار  
 دیا۔ دوا دیے تھے۔ اس کے بعد تو وہ میرے اشاروں پر پڑنے  
 لگا تھا۔ اس نے اور انوکھا لے نے آئی کو ایک کمرے میں لے جا  
 کر تر پٹا دیا اور واپس چلے گئے۔ جاتے ہوئے میں نے اسلام کو  
 ہدایت کر دی تھی کہ وہ ہر روز آکر آئی کے پاؤں کی جتنی تبدیلی کر دیا  
 کرے اور ڈاکٹر کو اس کی کیفیت سے آگاہ کرے کہ وہ دواؤں سے  
 دفعہ بھی لے آیا کرے اس کے لیے۔ اسے بھلا کیا انکار ہو سکتا  
 تھا۔ وہ میری ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

لڑی کھر واپس آ چکی تھی اس وقت شاید اپنے کمرے  
 میں آرام کر رہی تھی۔ کھڑی چل چل اور ہم لوگوں کی آواز سن کر  
 وہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر آئی۔ آئی کو دیکھ کر اس نے کہا۔

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا جناب عالی! جو انھیں اپنے ساتھ گھر  
 لے آئے۔ پھر وہ آئی کے پاس بیٹھ کر اس کی مزاج پرسی کرنے  
 لگی۔ انوکھا لے اور اسلام کو رخصت کر کے میں بھی ان دونوں  
 کے پاس ہی آ بیٹھا۔

اتنی ساری بھلاگ دوڑ کے بعد میری کمر میں تکلیف بڑھ گئی  
 تھی۔ میں نے لڑی سے کہا: لڑی بیک! اوکھر میرے بستر پر برکی  
 توں پڑی ہے۔ تھوڑا سا پانی گرم کر کے توں میں بھر دو میں اپنی  
 کمری برکانی کروں گا۔ اس میں دروڑ بٹھا گیا ہے۔“

وہ اور آئی ایک ساتھ چونک کر بولے: ”کیوں کیا ہوا ہے  
 بکر تو تھاری؟“

”رات بن لوگوں سے مدد بیٹھ رہی تھی ان فری اسٹائن تھی  
 لڑنا پڑی تھی مجھے۔ نتیجے میں کچھ جوڑ لے گئے ہیں، میرے بھی بھول  
 چوٹیں ہیں زیادہ فکر کی بات نہیں ہے کوئی۔ ڈاکٹر نے دواؤں  
 دی ہے۔ ایک آدھ دن میں آرام آ جائے گا۔“

”بہ بات آپ نے صبح میں بتائی تھی مجھے۔“ لڑی نے  
 شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

”صبح مجھے خود اندازہ نہیں تھا اپنی ٹوٹ بھوٹ کا بٹام  
 کو سو کر اٹھا تو پتا چلا کہ مجھے بھی مرہم چڑی کی ضرورت ہے۔“

لڑی پانی گرم کرنے کے لیے کچن کی طرف چلی گئی تو آئی سے  
 بولا: ”اوئے ذلیل آدمی اس حال میں بھی تو بیٹھ نہیں سکتا ہے  
 چین سے۔ پوری رات گزار دی بھلاگ دوڑ میں۔ وہ لوگ بھاگے  
 تو نہیں جا رہے تھے کہیں۔ ایک دو دن کے بعد بھی ان کے  
 بیٹ چاک کے جاسکتے تھے۔“

”نہیں یا ر! تو سمجھتا نہیں ہے، یہ ہم جلد سے جلد نظرانا  
 ہے حد ضروری تھا۔ ان کے پاس کو کھنچی کا بتا توں ہی کیا تھا  
 کسی طرح۔ اگر وہ اس کے دوسرے حصے کے باسے میں بھی جاتا  
 جاتا تو بڑی مشکل ہو جاتی۔ شاید وہ ان سب کو آزاد ہی کر لیتا۔  
 دوسرے تیرا بھی خیال تھا مجھے وہاں سے مکان ثابت ضروری  
 تھا۔ لڑی تیری مزاج پرسی کے لیے جانا چاہتی تھی اور میں نہیں  
 چاہتا تھا کہ اس کا سامنا فرزا اور خان سے ہو جائے۔“

”ہاں، یہ تو بالکل ٹھیک سوچا تھا تو نے۔ پھر بھی تجھے  
 کسی اور ذریعے سے یہ کام کر لینا چاہیے تھا۔ اپنا خیال رکھ  
 یا ر! میں تو معذور ہو کر پڑی گری ہوں اگر تو بھی لیٹ گیا تو ہم  
 دونوں مارا تین قہر کے لوگوں کے درمیان بالکل ان کے رحم و کرم  
 پر ہو کر رہ جائیں گے۔“

”ہاں یا ر! تیری یہ بات بھی سچ ہے مگر حالات پر تو  
 کس کا زور نہیں ہوتا نا۔ اور ہم کام میں اپنی نگرانی میں اس لیے  
 کراتا رہا ہوں کہ ان لوگوں پر مجھے اعتبار نہیں آتا۔ یہ مطلب

نہیں ہے میرا اس بات سے کہ یہ مخلص نہیں ہیں، یہ بات نہیں ہے بلکہ انھیں ایسے کاموں کا تجربہ نہیں ہے۔ جرائم پیشہ افراد کی ذہنیت سے واقف نہیں ہیں، وہ ڈاکٹر انجی لوگوں سے کا ساتھی رہا ہے، اسکان اس بات کا ہے کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں اپنی غفلت کی داستان سنا دی ہو۔ میں اگر سارا کام ان لوگوں پر چھوڑ دیتا تو وہ شاید انھیں کوئی جکڑنے کے نکل جاتا اور ان لوگوں کو بھی چھڑا کر لے جاتا۔ یہی وہ سارے ہی نیک کام تو نہیں کرتا رہا ہے؟

”کون نیک کام نہیں کرتا رہا ہے جناب عالی؟ لڑی کرے میں قدم دھرتے ہوئے بولی۔ اس نے میرا آخری جلد کھ لیا تھا۔“

”اے ڈاکٹر کی بات کر رہا ہوں میں جس کے پاس کل سے آئی کو چھوڑا ہوا تھا میں نے۔ ایسا آدمی جو کوئی خفیہ کلینک قائم کر کے بیٹھا ہو اور وہاں قانون سے چھپتے پھرنے والے مجرموں کو طبی امداد دیتا ہو، اسے کوئی نیک اور قابل اعتبار تو نہیں سمجھ سکتا۔“

”ہاں، یہ بالکل درست بات ہے آپ کی۔ میں بھی تائید کروں گی اس کی۔ ایسے لوگوں پر پھر دوسرا بالکل نہیں کرنا چاہیے۔“

”اسی لیے میں آئی کو یہاں لے آیا ہوں۔ یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکتی ہے کہ آخر وہ کون لوگ تھے جنہوں نے نیشنل اسٹیٹیم کے دیرانے میں یہیں گھر اٹھا۔ اس سے پہلے وہاں جن لوگوں نے یہ حرکت کی تھی وہ ظہیر احمد کے آدمی تھے مگر اب تو اس کا بھی قصہ ختم ہو گیا ہے اور کوئی آدمی ایسا دکھائی نہیں دیتا یہاں جسے ہم سے کوئی دشمنی ہو، میں نے یہ بات اس لیے بھی کہی کہ آئی یہ سمجھ لے کہ میں نے لڑی کو اس کے زخمی ہونے کے بارے میں کیا بتایا ہے۔ یہاں آنے سے پہلے مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا اسے یہ بتانے کا اور میری غیر موجودگی میں اگر لڑی اس سے اس سلسلے میں پوچھ لیتی تو اس کا امکان تھا کہ وہ میرے بیان کی نفی نہ کر سکتے۔ میں جو کچھ آئی کو سمجھانا چاہتا تھا اسے اس نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا لہذا وہ بولا ”اس کی تو فکر نہ کرو یا راجی! اگر یہ کام ہمارے کسی دشمن کا ہے تو وہ پھر دوبارہ مکرانے کا ہم سے اور گریج پیج وہاں سے ہی تھے جو ظاہر کر رہے تھے تو پھر کبھی نظر نہیں آئیں گے ہمیں۔“

لڑی بولی ”لیکن یہ بات آپ اپنے ذہن سے نکال دیں جناب عالی کہ ظہیر احمد کا قصہ ختم ہو چکا ہے۔ وہ شدید زخمی مزد ہوا ہے مگر کسی گھٹنے موت سے شدید جنگ کر کے آخر اسے شکست دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ لہذا اسے بالکل ہی فراموش نہ کروں آپ۔ اس کے بارے میں جو کچھ معلومات

حاصل ہوئی ہیں مجھے، ان کی روشنی میں یہ بات میں بڑے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ بستر مرگ پر بھی وہ اپنے دشمن کے لیے خوفناک ثابت ہو سکتا ہے، اس کی طرف سے بالکل ہی مطمئن ہو کر نہ بیٹھ رہیں آپ۔“

”اوہ، یہ تو تم نے بہت اہم خبر سنائی ہے۔ پھر تو یقیناً اسی کے آدمیوں کی حرکت تھی یہ بھی۔ پڑا سخت جان آدمی ہے یہ ظہیر احمد۔“

”ہاں، اس کے بارے میں ہر اس شخص کا یہی بیان ہے، جو اسے جانتا ہے۔ کئی بار ایسے مراحل سے گزر چکا ہے وہ ”لڑی نے کہا۔“

”چلو... دیکھ لیں گے اسے ایک بار پھر۔ اس کی یہ سخت جانی آخر تک اس کا ساتھ دیتی رہے گی۔ میں نے کہا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا ”اچھا اب میں لیٹ کر انجے چوٹوں کی سرکاری گردن کا۔ کوئی اہم ضرورت ہو تو اٹھ لیتا مجھے۔“

”آپ آرام کریں جناب عالی! آرام کی سخت ضرورت ہے آپ کو۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے میں موجود ہوں، ان کی فکر نہ کریں۔“



تیسرے دن میری حالت بہت بہتر ہو چکی تھی۔ اب میں یہ آسانی نہ صرف میں جبر سکتا تھا بلکہ ضرورت پڑ جاتی تو کسی سے دو دو ہاتھ بھی کر سکتا تھا۔ لڑی نے گزشتہ دو دنوں میں میری اور آئی کی جیسی تیمارداری کی تھی اسے دیکھ کر میرے دل سے یہ غبار بالکل صاف ہو گیا تھا کہ جبر الڈا لے معاملے کے بعد وہ لوگ مجھے شکوک سمجھنے لگے ہیں۔ اس سلسلے میں لڑی کا بیان مجھے سچ ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اپنے قومی معاملات میں دنیا کے تمام یہودی ایک تھے اور ایک ہی انداز میں سوچتے اور عمل کرتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ انسان ہی تھے اور جذبات و احساسات بھی دنیا کے دوسرے انسانوں ہی جیسے تھے۔ اپنے آپ کو دنیا کی عظیم ترین اور افضل ترین قوم سمجھنے کے باوجود وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہی سوچتے تھے۔ خود کو نمایاں کر کے دوسروں پر برتری حاصل کرنے کی انسانی خواہش میں بھی موجود تھے۔ چنانچہ جبر الڈا اور آنزک ایک ہی مقصد رکھنے کے باوجود ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے خواہش مند تھے اور آنزک کو جبر الڈا کی برتری حاصل تھی جبر الڈا سے ختم کر کے اس کی جگہ حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ لہذا جبر الڈا کے معاملے میں آنزک کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ تھیں اور لڑی چونکہ آنزک کی حامی تھی اس لیے اس نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا تھا اس سلسلے میں اور یہ بات ہمارے حق میں جاتی تھی۔

تیسرے روز صبح دس بجے میں اخبار میں شہر کے مختلف علاقوں سے دستیاب ہونے والی چھ لاشوں کے بارے میں ایک نئی تفصیلات پڑھ رہا تھا۔ خبر کے مطابق تمام لاشیں ناقابل شناخت تھیں اور سب کی اموات کا سبب ایک ہی تھا۔ یعنی ان سب کے پیٹ چاک کر کے کسی شقی القلب نے ان کے گردے نکال لیے تھے۔ اخبار کے خیال کے مطابق یہ کام کسی ایسے جنونی کا تھا جو غالباً انسانی گردے کھانے کا عادی تھا۔ اس نے مختلف مقامات پر وارداتیں کیں اور گردے نکالنے کے بعد لاشوں کو ناقابل شناخت بنا کر وہیں چھوڑ گیا تھا۔

میں ابھی پوری خبریں پڑھ رہا تھا کہ لڑی نے آکر اطلاع دی۔ ”جناب عالی! مسٹر آنزک آپ کی اور آئی کی مزاحج پرسی کے لیے آئے ہیں۔“

”کیا؟“ میں نے چونک کر اخبار ایک طرف ڈالا اور اٹھتے ہوئے بولا ”مسٹر آنزک یہاں آئے ہیں! کہاں ہیں وہ؟“

”اُدھر آئی کے پاس بیٹھے ہیں۔ میں انھیں اُدھر چھوڑ کر آپ کو اطلاع دینے آئی ہوں۔“ وہ بولی۔

میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ”اُدھر ہم بھی وہیں چلتے ہیں۔“

”آپ چلیں، میں ان کے لیے ناشتہ کا کچھ سامان لے کر آتی ہوں۔“ لڑی یہ کہتے ہوئے کچن کی طرف لپکی گئی۔

میں جہان تھا کہ یہ ہر دو یہودی اپنا نمک یہاں کیسے کھینچا ہے۔ اس کی آمد محض ہماری عیادت کے لیے نہیں ہو سکتی اس کے پیٹ میں ضرور کوئی اہم مقصد پوشیدہ ہو گا۔ ایسے دشمن جو دوستی کا لبادہ پہنے ہوں زیادہ خوفناک ہوتے ہیں۔ ان سے ہر دم ہوشیار اور جوتنا رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں اس کی آمد کی فتنی سمجھانے کی کوشش کرتا ہوا آئی کے کمرے میں جا پہنچا تھا۔

آنزک، آئی کے بستر کے ساتھ ہی ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ آئی کیوں سے بٹ سے جھکا رہا تھا مسکرا مسکرا کر اس سے باتیں کر رہا تھا۔ آنزک کی پشت جو کچھ دروازے کی طرف تھی اس لیے وہ مجھے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکا تھا۔ آئی نے مجھے دیکھتے ہی مسکرا کر مجھے جھپٹنے کے انداز میں کہا ”میں مجاہدہ آگیا اپنا غلام جیلانی بھی۔ یہ سب اسی کی مہربانی ہے۔ دشمنی یہ خریدنا پھر نہا ہے لوگوں سے سزا دوسرے بیگتے ہیں۔“

”بک نہیں اونے میں نے تیرے ہاتھ نہیں جوڑے تھے کہ یہ آپ کے گولی کھالے میرے تھے۔“ میں نے اندر قدم دھرتے ہوئے کہا۔

آنزک نے گردن موڑ کر مجھے دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولا ”اُدھر بھی غلام جیلانی! یہ تمھارے دوست تو بہت دلچسپ

آدمی ہیں۔“

”جو کہ ہے جی بالکل، کبھی کبھی تو بہت ہی زیادہ اور ایجننگ کرنے لگتا ہے۔ اگر دوست نہیں ہوتا تو ایک منٹ برداشت نہیں کرتا اسے۔ آپ بیٹھیں جناب! آپ نے کیوں سے زحمت کی یہاں تک آسنے کی خود محاضر ہو جاتے آپ کے پاس! میں نے بڑی اطاعت گزار کی کا اظہار کیا۔“

وہ خوش ہو کر میرا شانہ تھکے ہوئے بولا ”یہ کوئی رحمت کی بات نہیں ہے۔ میرا فرض تھا یہ بھی۔ آخر تو دوست ہو جائے۔“

”نوازش ہے جناب آپ کی جو ایسا سمجھتے ہیں آپ؟ میں نے انکساری سے کہا۔ مجھے تو پہلے ہی شرمندگی سے۔ اس روز آپ کے بلانے پر میں لڑی کے ساتھ آستانے پر گیا تھا مگر وہاں باہر ہی مسٹر جبر الڈا اور آئی لڑ پڑے اور...“

”اوہ، لعنت بھیجو یا راس تھفے پر۔ اس کو تم سے نہیں اچھٹا چاہیے تھا۔ آئی نے اچھی سزا دی ہے اسے اور لڑی نے مجھے بتایا ہے کہ جبر الڈا کا بدلہ لینے کے لیے اس کی یکمیر کی اور ٹی ایمور جو اصل میں جبر الڈا کے دست و بازو تھے تمھارے پیچھے لگ گئے تھے مگر حادثے کا شکار ہو گئے۔ میں تعین مبارک باد دیتا ہوں کہ قسمت نے تمھارا ساتھ دے کر انھیں تمھارے راستے سے ہٹا دیا۔ دیکھا جائے تو اس طرح نئی زندگی ملی ہے تم دونوں کو۔ کچھ معلوم نہیں ہے تعین ان کے بارے میں بہت ہی خطرناک تھے وہ لوگ۔ سب ہی خوف زدہ رہتے تھے ان سے۔“

”جی ہاں، یہ بعد میں لڑی نے بتایا تھا مجھے۔ اب کیا حال ہے جبر الڈا کا؟ آپ نے اس کے بارے میں کچھ سوچا ہے؟ میں نے پوچھا۔

”لڑی تو جاہلی تھی کہ علاج کے دوران اس کا کیس خراب کر کے اسے بھی ختم کر دیا جائے لیکن میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ محض ذاتی دشمنی کی بنا پر کسی ایسے شخص کو ختم کر دیا جائے جو نظم کا وفادار اور اس کے لیے نہایت مفید ہو۔ لہذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ صحت مند ہو جانے کے بعد میں اسے ہیڈ کوارٹر واپس بھیج دوں گا۔ اس کے بارے میں رپورٹ میں نے اور پیج دی ہے۔ وہ لوگ بھی متفق ہیں مجھ سے۔“

”یہ بہت اچھا کیا آپ نے، بڑی اخلاقی کا ثبوت دیا ہے آپ نے۔ یہ واقعی کام کے آدمی کو اپنی ذات پر قربانی نہیں کرنا چاہیے۔“

وہ کوئی اُدھے گھٹے ہمارے ساتھ بیٹھا تھا میں کرتا رہا۔ پھر اٹھ کر چلا گیا۔ لڑی اسے آستانے تک پہنچانے کے لیے ساتھ گئی تھی اس کے۔ ان دونوں کے جانے کے بعد آئی بولا۔

”یار! پڑا گرا آدمی ہے بھی یہ کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ اگر آدمی کو اس کی حقیقت کا پتا نہ ہو تو گرویدہ ہو کر رہ جائے



اس کا

اس کے اسی انداز نے تو تمام ان کے کو گرویدہ کر رکھا ہے اس کا۔ جسے مقتدی میں لوگ اس کے بہت احترام سے نام لیتے ہیں۔

وہ موضوع بدلتے ہوئے بولا۔ اب تو تیری طبیعت ٹھیک لگ رہی ہے مجھے۔ وہ فیروز وغیرہ کی بھی تو خبر لے اب میرے بارہ کوئی چکر نہ چل گیا ہوا ہو۔

”ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ابھی جا رہا ہوں میں ادھر ہی۔ آج کے اخبارات میں ان چھ آدمیوں کی لاشوں کے بارے میں خبر بھی چھپی ہے جن کے گروے میں نہ نکلا ایلے تھے خان وغیرہ انھیں شہر کے مختلف علاقوں میں پھینک آئے تھے۔ میں نے اسے بتایا۔

”یہ تو بہت بُرا کیا بارہ انھوں نے۔ انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اس طرح تو پورے شہر کی پولیس ہماری طرف متوجہ ہو جائے گی۔“ آئی بولا۔

”چھوڑا! اس کی جگہ میں نہ چڑھو۔ ان لاشوں پر ہمارے نام تو نہیں لکھے ہیں کوئی کہ پولیس ہماری طرف متوجہ ہو جائے گی۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمیں کہ ان آدم خوروں کے گروہ میں اچھل پڑ جائے گی، خوف زدہ ہو جائیں گے وہ ہم سے بہت زیادہ۔“

”انھیں خوفزدہ کر کے ٹوکنا حاصل کرے گا بھی؟“ اس لاکھ روپے وصول کر کے تو پہلے ہی فیروز کو دے چکا ہے۔ اب وہ ایک پیسہ نہیں دیں گے۔ اس نے آدمیوں کی لاشیں دیکھنے کے بعد تو تیری کسی بات پر بھی اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہوں گے وہ۔“

”اچھا بار! اب چھوڑ اس قصبے کو میں ذرا فیر و زکی طرف جا رہا ہوں۔ فیری آئے تو کہہ دینا اس سے کہ یوں ہی کہیں گے پھر نہ گیا ہے۔ گھر میں پڑے پڑے بور ہو گیا تھا بہت۔ میں نے آبی سے کہا اور اٹھ کر اس کمرے سے نکل آیا۔

کرد لا کر لڑی لے گئی تھی لہذا میں نے گیر آج سے دوسری کار نکال لی جو شرافت علی نے ہمارے استعمال کے لیے یہاں چھوڑی ہوئی تھی۔ وہ کار نکال کر میں باہر چلنے والے راستے پر پہنچا تو شرافت علی کی کار کو گیت میں داخل ہوتے دیکھ کر میرے سامنے آئی کاروں میں روک لی۔ شرافت علی کا رخ دہی ڈانڈا کر رہا تھا اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا لہذا وہ سیدھا میری طرف چلا آیا اور کار کی کھڑکی سے سر باہر نکال کر پوچھا کہ ہر جانے کہا ارادہ ہے؟“

”میں ذرا فیر و زکی طرف جا رہا تھا۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟“ میں نے بھی کھڑکی سے سر باہر نکال کر پوچھا۔

وہ بولا۔ ایسا کوئی خاص کام تو نہیں ہے۔ تم یہ گاڑی گراں جی میں کھڑی کر آؤ۔ میں اپنے ساتھ لے جاتا ہوں نہیں۔“ ٹھیک بنے تم گاڑی واپس موڑ دوں آتا ہوں ابھی۔“ میں نے شرافت علی کو جواب دے کر اپنی کار واپس گیر لانج کی طرف بیک کر لی۔

گیر لانج میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد میں شرافت علی کے پاس ہی خالی نشست پر آ بیٹھا۔ گیت سے باہر آنے کے بعد شرافت علی نے کہا۔ ”تم نے اخبار دیکھا آج کا۔ جن چھ آدمیوں کے گروے میں گروے نکلائے تھے ان کی لاشیں پولیس کی تحویل میں پہنچ گئی ہیں۔“

”ہاں میں پڑھ چکا ہوں یہ خبر لیکن وہ جان کچھ بھی نہیں سکیں گے ان کی مدد سے۔ ابھی تو ان کی شناخت ہی کا مسئلہ درپیش ہے انھیں، اگر کسی طرح وہ پہچان بھی لی گئیں تو یہ کون سے تباہی کا انھیں کہ ان لوگوں کو کس نے اور کیوں اس سبب مرانا انجام سے دوچار کیا ہے؟“

”ہاں، یہ مسئلہ تو ہے۔ یہ کام ہماری پولیس کے لیے ناممکن تو نہیں ہے لیکن وہ جب معنی ان کے وٹا ناکہ پٹا لگانے کے لیے اتنی دوسری سرے کا لگوں؟ چند روزہ رہی کسی کارروائی کے بعد میں خالی کر کے ڈال دیا جائے گا کسی کو نہ میں ناکہ بوت رہے اور بہت وقت ضرورت کام آئے۔“

”خاصا تجر بہ سے معنی بھی ان سرکاری و درباری اہلکاروں کا۔ نیز چھوڑو اسے میں ایک اور کام لینا چاہتا ہوں تم سے۔ میں نے کہا۔

”ہاں ہاں، بولو کیا کام لینا چاہتے ہو تم مجھ سے۔ بے فکری ہو کر کہہ دیا کرو کسی بھی کام کو۔ غیریت دربار کا دیار مجھ سے وہ لگا۔“ تم جی فون کے ذریعے ان لوگوں سے رابطہ کر کے بات کرو۔۔۔۔۔۔ جو ڈاکٹر تاجی کو بیک میل کر کے انسانی گروے حاصل کرنا چاہتے تھے۔

”لیکن ان کا ٹیلی فون نمبر کہاں سے ملے گا مجھے؟ اور میں کیا بات کروں گا ان سے؟“ شرافت علی نے پوچھا۔

”ٹیلی فون کی تم فکر نہ کرو۔ وہ میں فراہم کر دوں گا تمہیں تم ان کے پاس سے بات کرو گے اور اسے بتاؤ گے ہمارے پاس جا کر گروے موجود ہیں اگر وہ انھیں حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں تو دس لاکھ فی گروہ کے حساب سے رقم لے کر آجائیں تم انھیں یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ اس سے پہلے تم ڈاکٹر دھن کو گروے پہنچائی کرتے رہے ہو اور ان کا بتاؤ فون نمبر تمہیں ڈاکٹر دھن ہی سے ملے گا۔“

میں نے اس سے باتیں کرتے ہوئے عقب کا منظر دیکھ کر نے والے آئیے نہ نظر ڈالی تو ایک شخص انور کمال کی

بیل مزد کار ہماری گاڑی کے بالکل پیچھے موجود تھی۔ میں نے جلدی سے کھڑکی سے سر باہر نکال کر پیچھے دیکھا۔ نگلی زبان انور کمال کے ساتھ موجود تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے ہاتھ باہر نکال کر مجھے رکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے شرافت علی سے کہا۔

”گاڑی ایک طرف لگا کر روک لے میرے بھائی! یہ لوگ کچھ بات کرنا چاہتے ہیں؟“ شرافت علی نے کاکی دھماک کرے ہوئے پوچھا۔ کون لوگ بات کرنا چاہتے ہیں؟“

”انور کمال نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا ہے۔ اسی کی بات کر رہا ہوں میں۔ میں نے اسے بتایا۔

شرافت علی نے عقب نما آئیے میں دیکھتے ہوئے کار ایک طرف ٹپ ہاتھ کے ساتھ گاڑی اور بولا۔ ”ارے یہ کب ہمارے پیچھے آئے ہیں بھی؟“ باتوں کے دوران میں نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی بالکل۔

انور کمال کا روک کر باہر نکل آیا اور ہماری کار کے پاس پہنچتی روانہ کھول کے اندر گھستے ہوئے بولا۔ ”رکیں نہیں جناب! چلتے رہیں میں چند اہم باتیں کر کے اتر جاؤں گا کہیں بھی۔“ شرافت علی نے اس کے اندر آتے ہی کار آگے بڑھا دی۔

میں نے پیچھے مڑ کر انور کمال سے پوچھا۔ ”ہاں کو کیا بات ہے؟“ ”یہ جو شخص آپ لوگوں کے شکستے سے نکلے سے پہلے لڑی کے ساتھ گیا ہے یہ کیوں آ رہا تھا آپ کے پاس؟“ انور کمال بولا۔

”یوں ہی آئی کی عیادت کو آیا تھا وہ مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟ میں نے سوال کیا۔

”کیا آپ کے پرانے مراسم ہیں اس سے؟“ میرا مطلب ہے آپ لوگ پرانے شناسا ہیں؟“ اس نے پھر سوال کیا۔

”زیادہ پرانے تو نہیں ہیں، مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟ کوئی خاص بات ہوگئی ہے کیا؟“ ویسے میرا خیال ہے تم اس سے واقف نہیں ہو شائد حالانکہ اسے آدھے سے زیادہ شہر جانتا ہے۔“

”اچھا اب کیا کوئی بہت اہم شخص ہے وہ ہیں اس کی کسی دوسری شخصیت سے واقف نہیں ہوں۔“

”تم نے منگھو پیر کی پھاڑیوں میں دانے بابا اسحاق کے آستانے اور بابا اسحاق کے باسے میں سنا ہے کبھی؟“

”غلط قسمی کیسی بھی؟“ اور تم اس قدر حیران کس بات پر ہو رہے ہو، کیا تم کسی اسے اور حقیقت سے بھی جانتے ہو؟“

”آپ لوگوں نے نگلی زبان کو ان پانچ افراد کے پاس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا جن کے آپ نے گروے نکلائے تھے۔ وہ اس شخص کا بیچا کرتے ہوئے اس بابا اسحاق تک پہنچا۔ اس کی رپورٹ کے مطابق ان لوگوں کا اصل سربزہ یہ بابا اسحاق ہی ہے۔ یہی خرطومی کے نام سے ان لوگوں کو رڈر دیتا ہے اور ایسے لوگوں کی نشاندہی کرتا ہے جو اس کام میں ان کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ بس اتفاقاً ہی کلی معلوم ہو گیا تھا نگلی زبان کو۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم۔ بابا اسحاق اور خرطومی ایک ہی شخص ہے؟“ میں نے بے اختیار ہر کر کہا۔

اس انکشاف نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ میری آنکھیں بھی رہ گئی تھیں اور مزہ پوری طرح کھل گیا تھا اور میں انور کمال کو کھنکھار گیا تھا۔

کی بات پر یقین نہ کرنے کی ایسی کوئی وجہ نہ ملتا ہر نظر نہیں آتی تھی مجھے

جو شخص یہودی ہونے کے باوجود میرے ملک کے سیدھے سامنے لوگوں کو ایک تارک الدنیا، عابد و زاہد مسلمان کا روپ دھار کر ایک عرصے سے بے وقوف بنا رہا ہو اس کے بارے میں کوئی شک نہ ہو۔ انکشاف آتا جو کا دینے والا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ایک ایسی عیادت اور سکا تو مے سے تعلق رکھتا تھا جس کے نزدیک دوسری اقوام کو ذریعہ دینا، اپنی چالاک اور سرکاری سے نقصان پہنچانا میں عیادت تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث بہرہ و پے سے ذیل ترین مکتوں کی بھی توجہ کی جا سکتی تھی۔ وہ یہاں یہ روپ دھارے بٹھا جاسا

لیے تھا۔ انور کمال کے انکشاف سے یہ بات بھی عیاں ہوگئی تھی کہ وہ میں ابتلا ہی سے فتنہ یا فتنہ پرستوں کا کارکن نہا تھا۔ اور اب مکمل طور پر ان کے رنگ میں رنگ چکا تھا۔ بلکہ اب تو میں یہ سوچتے ہوئے بھی اپنے آپ کو حق بنانا سمجھتا تھا کہ

وہ میں نسل ہے یہی یہودی۔ اس کا ہر انداز اور ہر عمل اس کے یہودی ہونے کی جگہ تھا تاہم، یہ اور بات ہے کہ اس رانڈ و رکھا قوم سے ناواقف ہونے کی جگہ پر اسے پہچان نہیں سکا۔

میں نے انور کمال سے پوچھا۔ نگلی زبان کو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی کہ وہ یہودی ہے؟ دراصل خرطومی بھی ہے؟“

”نگلی زبان کو آپ نے جس شخص کے پیچھے کیا تھا اس کا بیچا کرتے ہوئے وہ اس کی رہائش گاہ تک پہنچا تھا۔ وہ

شخص ایسی رہائش گاہ پہنچنے کے بعد آدھی رات کے قریب ایک اور شخص کے ساتھ واپس آیا اور اس نے فیر و زما صاحب کی کوئی

299

کا وہ حصہ پوری طرح کھٹکا ڈالا جاں سے ہم نے اسے دیکھنے کے بعد ایسی صاحب کو بھایا تھا کہ زمان نے فرید صاحب کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ وہ کوئی کئے اندر موجود ہے فرید صاحب خود یہ جانتے تھے کہ وہ وہاں کی تلاشی کے لیے پوری طرح مطمئن ہو جانے چاہئے انھوں نے اس کے کام میں مداخلت نہیں کی۔ آپ لوگ اس وقت آپریشن والے کمرے میں بیٹھے ڈاکٹر کی کارکردگی دیکھ رہے تھے۔ وہ لوگ نامزد واپس لوٹے تو کل زمان ایک بار پھر ان کے تعاقب میں چلا گیا۔ آپ انچ آدمیوں کے آپ کے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد شاید وہ ہی دو آدمی رہ گئے ہیں۔ اب اس مکان میں کیوں کہ ان کے بارے میں کچھ لوگ لگاتے تھے۔ اس لیے جب کل زمان اس مکان میں داخل ہوا تو وہاں کوئی اس کی راہ میں حرازم نہ ہو سکا۔ پورے مکان میں ان دونوں کے سوا تیسرا کوئی نہیں تھا۔ وہ دونوں ایک کمرے میں بیٹھے بائیں کمرے رہے تھے۔ ان کی گفتگو سے کل زمان کو بتا چلا کہ رقم کی ادائیگی کے بعد اس شخص نے بیان خرطومی کے نمائندے کو اطلاع دے دی تھی کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ اس نے اپنے ساتنے بڑے نقصان کی تلافی کے لیے بھی کیا تھا۔ جواب میں خرطومی کے نمائندے نے اسے بتایا تھا کہ ایک دو دن میں وہ خرطومی یہاں پہنچ رہے ہیں۔ وہ اس سلسلے میں اس سے خود بات کرے۔ یہ بات جب کل زمان نے فرید صاحب کو بتائی تو انھوں نے اسے متعلق طور پر اس شخص کی بخلائی پر لگا دیا اور ہدایت کر دی کہ وہ اس شخص خرطومی اور ان لوگوں کی ملاقات میں ہونے والی نام گفتگو سننے کی کوشش کرے۔

کل خرطومی اس شخص کے پاس پہنچا تھا۔ ان کے دربان ہونے والی گفتگو تو کل زمان نہیں سن سکا مگر اس نے خرطومی کو ابھی طرح دیکھا تھا۔ چنانچہ آج جب اس نے اسے آپ کے ہنگامے میں جاتے دیکھا تو اسے بڑی حیرانی ہوئی۔ اس نے مجھے اس شخص کی اصلیت بتائی تو میں بھی حیران ہو گیا۔ پھر ہم دونوں نہایت چونکا انداز میں ہنگامے کی بخلائی کرنے لگے۔ اگر میں اندر دیر بھی گزرتا کہ شہید ہوتا تو ہم بے دریغ ہنگامے میں گھس پڑتے مگر تھوڑی دیر بعد وہ واپس ہوا تو لڑی کو اس کے ساتھ دیکھ کر ہماری حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ شخص آپ کے ساتھ کوئی چال چلنے میں کامیاب ہو گیا ہے شاید اسے ایسے میں احتیاط کو پس پشت ڈال کر اس وقت آپ کے پاس چلا آیا کیونکہ یہاں اگر جو انکشاف ہوا ہے اس کے بارے میں اس نے تو مجھے بھرا کر رکھ دیا ہے۔

میں نے شرافت علی سے کہا: "یہ شرافت علی! اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ وہ اور لڑی دونوں ہی ہماری سرگرمیوں سے

واقف ہیں۔ اس کے باوجود وہ انجان بنے ہوئے ہیں۔ مجھ پر بھی غلام کر رہے ہیں جیسے میرے بیان پر ذرا بھی شک نہ ہوا ہوا انھیں۔"

"یہ بات تمہارے یقین سے کس طرح کہہ رہے ہو؟ ہو سکتا ہے انھیں کچھ بھی پتا نہ ہو اس بارے میں! شرافت علی نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے جس سے تمہیں لاکھ روپے وصول کیا ہے اسے میں نے بتا دیا تھا کہ میں کون ہوں۔ پھر کیا اس نے اس غیثت کو یہ نہیں بتایا ہو گا کہ اس سے روپیہ کس نے وصول کیا ہے؟ یہ تو بھی نہیں سکتا بھی۔" میں نے کہا۔

"لیکن تمہیں اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اپنا اصلی نام لے کر بتایا ہی کیوں تھا تم نے؟ یہ تو بڑی حماقت کی ہے تم نے۔"

"اس کے بغیر وہ اتنی بڑی رقم اکٹھے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتا۔ میرے نام کی ہیبت نے ہی اسے آمادہ کیا تھا پیر دینے کے لیے۔"

"ہاں یہ بات تمہاری ٹھیک ہی گنتی ہے مجھے بھی، لیکن مجھے اس میں شبہ ہے کہ لڑی اور بابا اسحاق تمہاری سرگرمیوں کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ تمہیں وہیں نہیں دیتے بالکل بھی۔ ایسے لوگوں کو کوئی بھی تنظیم ایک لمبے برداشت نہیں کرتی جو کسی طرح بھی تنظیم کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہوں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بابا اسحاق تو تم پر شبہ ہو گیا ہو اور اس کی تصدیق کے لیے وہ اس وقت عیادت کے بہانے تم سے ملے آیا ہو اور اب لڑی سے کچھ معلومات کے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے شاید۔"

"یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ میں نے ان لوگوں سے تیس لاکھ روپے وصول کر کے بھی ان کے آدمیوں کو نہیں بھولا اور ان سب کی لاشیں شہر کے مختلف علاقوں سے دستیاب ہو جانے کے بعد تو یہی واضح ہو گیا کہ میں نے اب سب کو قتل کر دیا ہے۔ اب وہ کس بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا تھا میرے پاس؟ اور لڑی سے وہ کیا معلوم کرنے کی کوشش کرے گا پائیں نے سوال کیا۔

"تم ایک اہم بات بھول رہے ہو جو لاشیں شہر کے مختلف حصوں سے دستیاب ہوئی ہیں پولیس کو، وہ سب ناقابل شناخت تھیں۔ ان کے بارے میں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون سے لوگ تھے۔ ایک ہی قدر مشترک تھی ان میں کہ ان سب کے گزرتے غائب تھے، اور پھر وہ پانچ نہیں چھ تھے۔ لہذا یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ لوگ پھر سے ہاتھوں اس انجام کو پہنچے ہیں تم نے بتایا تھا کہ تم نے روپیہ وصول کرنے کے

لیے انھیں یہ باور کرایا تھا کہ کوئی اور پارٹی بھی گردہ فروشی کے کاروبار میں قوت ہے اور وہ انھیں ان پانچ افراد کے پچیس لاکھ تک دینے کو تیار ہے۔ تمہارے اس بیان کی روشنی میں وہ تمہارے ہاتھ میں زیادہ سے زیادہ یہی سوچ سکتے ہیں کہ تم نے روپے کے لالچ میں ان کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ ان سے تیس لاکھ پٹے وصول کرنے کے بعد بھی ان پانچوں کو پچیس لاکھ کے عوض دوسری پارٹی کے حوالے کر دیا۔ اس کے سوا لڑی اور بابا اسحاق اور کچھ نہیں سوچ سکتے۔ یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہیں ہے ان کی نظر میں۔ انھیں ان لوگوں کے مارے جانے کا بھی کوئی ملال نہیں ہو گا کیوں کہ وہ تنظیم کے آدمی نہیں تھے۔ یہ نقصان خود راصل اسے لوگوں کا ہے جن کے لیے وہ کام کر رہے تھے اور جنھوں نے ان کے عوض تمہیں تیس لاکھ روپے ادا کیے ہیں۔ وہ لوگ مزدور تمہاری تلاش میں ہوں گے۔ اس کے برعکس بابا اسحاق اور لڑی تم سے بڑی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ وہ تنظیم کے لیے تمہیں استعمال کرنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ اتنی آسانی سے تمہیں گونا گونا پسند نہیں کریں گے۔ بلکہ تمہارے لیے کوئی خطرہ محسوس کرنے لگے تو اس سے ناپارہیز ہی کریں گے تمہارا یہ شرافت علی نے مجھے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

اس کی باتیں میرے بھی دل کو گتھیں۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ نہ جانے کیوں میرا دل پوری طرح مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے کہا: "ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ وہ عیادت کے بہانے اپنے شبہ کی تصدیق کرنے آیا ہو گا اور لڑی سے معلومات حاصل....."

وہ میری بات کاٹ کر بولا: "ہاں، یہ بات میں نے کسی بھی لیکن پورے یقین کے ساتھ تو نہیں کہی تھی نا؟ خیال ظاہر کیا تھا اپنا۔ مگر حالات کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد اب میں اس خیال کو خود ہی رد کر رہا ہوں۔ اگر یہ بات درست بھی ہے کہ وہ تمہارے پاس کچھ جاننے کے لیے آیا تھا تو ان لوگوں کو کچھ لو کہ وہ یہی جانتا چاہتا تھا کہ یہ کام تم نے کیا ہے یا نہیں۔ اگر اسے یہ یقین ہو گیا، یعنی اسے کسی طرح بتا چل گیا کہ تم نے ان لوگوں کو دوسری پارٹی کے ہاتھوں تک پہنچا یا ہے تو پھر وہ تمہارا دفاع کرنے لگا۔ تمہارے دشمنوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرے گا کہ کسی نے تمہارا نام استعمال کر کے انھیں لڑا ہے۔"

"لیکن اگر خرطومی وہی ہے تو یہ بات اس کے علم میں ہوگی کہ دوسری ایسی کوئی پارٹی نہیں ہے۔ میں نے کسی فرضی پارٹی کا حوالہ دے کر زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرنے کی کوشش کی تھی اور میری یہ چال کامیاب بھی رہی ہے۔" میں نے ایک اور

پوائنٹ اٹھا دیا۔

"یہ تمہیں کسے کہہ رہے ہو کہ کوئی دوسری پارٹی اس کے لیے کام نہیں کر رہی ہے؟ ممکن ہے اس نے نئی ایسی پارٹیوں کو اس کام پر مامور کر رکھا ہو۔ بہر حال اس سلسلے میں زیادہ فائدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر بات اچانک کسی میوٹر خراب ہونے لگی تھی تو پھر پوری قوت سے ان کے خلاف میدان میں آجائیں گے اور جتنے بھی لوگ ہماری نظروں میں ہیں اس وقت ان سب کا تو کام تمام ہی کر دیں گے۔ جو بچ جائیں گے انھیں بعد میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بٹھکانے لگاتے رہیں گے۔ ملکی سالمیت کے اس مسئلے میں شرافت علی تن من دھن سے تمہارا ساتھ دینے کا عہد کر چکا ہے۔ دوست! اسے تم پر وقت اپنے ساتھ ڈالو گے۔ یہ ساری دولت جو میں نے چور دروازے سے اپنے ملک کو نقصان پہنچا کر حاصل کی ہے، یہ اگر میرے ملک کے کام آجائے تو میں سمجھوں گا میرے گناہوں کی کچھ تلافی ہو گئی ہے شاید میرے ضعیف کا وجہ ہی کچھ ہو گا جو جالے اس طرح، شرافت علی انتہائی جذباتی ہو گیا تھا۔

اور کمال جو اب تک خاموش بیٹھا ہماری باتیں سن رہا تھا، شرافت علی کی باتوں سے متاثر ہو کر بولا: "اٹھ اٹھ جاؤ تو ہم سب مل کر ان دشمنان ملک و ملت کا نام و نشان تک مٹا ڈالیں گے۔ جناب! آپ جیسے محب وطن لوگوں کا تعاون حاصل ہونے کے بعد تو اب ہماری قوت میں کمی کتنا اضافہ ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ ہماری نظروں میں ہیں اور ہم انھیں ڈھیل صرف اسی لیے دیتے رہے اب تک کہ ان سے کھل کر مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں ابھی ہم، دوسرے یہ بھی جانتے ہیں کہ زنجیر کی ہر کڑی سانسے آجائے تو اس پوری زنجیر کو توڑنے کی کوئی آسان راہ تلاش کی جائے۔ ویسے خاموش اب بھی نہیں بیٹھے ہیں ہم لوگ۔ جہاں موقع یا ضرورت ہوتی ہے کوئی ضرب لگا ہی دیتے ہیں ان پر کین نہ کہیں سے۔ ورنہ تو اب تک یہ نہ جانے کیا کچھ کر چکے ہوتے۔"

"ہاں، مگر بات اب اس مقام تک پہنچی ہے کہ انھیں سے حریہ ڈھیل دینے کی گنجائش نہیں رہی ہے۔" میں نے کہا: "اب میں ان پر ایک بھر پور وار کر دینا چاہیے۔ تم کیا کہتے ہو شرافت علی؟ میرا اندازہ غلط تو نہیں ہے نا؟"

"میں کسی حد تک تمہاری بات ٹھیک ہی گنتی ہے۔ اس کا ایک نامہ تو یہی ہو گا کہ اگر ہم کسی طرح اس جلسہ ساز با اسحاق کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ لوگ جو اب تک ہمارے سامنے نہیں آ سکے، میں کسی نہ کسی وجہ سے وہ اپنے اپنے بھلوں سے کل کر نظر پر آم آجائیں گے۔ پھر ہم ان سے ٹکٹے کے لیے کوئی ٹھوس اور جامع منصوبہ بندی کر سکیں گے۔ یوں شاید ہمارا کام

جلدی اور آسان ہو جائے۔

”اب تو یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے جناب! اس واقعے کے بعد اگر انھیں آپ پر کوئی شک ہو گیا ہے تو وہ آپ کو آزادی سے گھسے پھسے بھی نہیں دیں گے۔ اپنے شک کو قلعین میں تبدیل کرنے کے لیے آپ کی سختی کے ساتھ نگرانی کی جائے گی۔ ایسی صورت میں ہمارے لیے کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔ جب تک وہ مطمئن نہ ہو جائیں آپ کی طرف سے، ہمیں پس منظر میں جیسے جانا پڑے گا، انور کمال نے خیال ظاہر کیا۔“

”میں اس خبیثیت سے ہمدردی کو اس کا موقع بھی نہیں دوں گا۔ اگر اس رات وہ عاقبت نااندیش ٹیئر سے درمیان میں نہ آجاتے اور آپ کے پاؤں میں گولی نہ لگ گئی ہوتی تو آج وہ ذلیل آدمی قابل بھی نہ ہوتا کچھ پر شک کر کے۔“ میں نے جواب دیا۔

انور کمال بولا ”جی ہاں، میرا بھی یہی مطلب تھا۔ اس رات ہم جو کام نہیں کر سکتے تھے، اسے آج یا کل، جس قدر جلد ممکن ہو پانچ بجیں کو پہنچا دیں تاکہ اس کا نتیجہ جلد از جلد سامنے آجائے۔ سچ پوچھیں تو یہ اشتہار اب مجھے بدلے مارنے دے رہا ہے۔“

”مگر وہ کروڑ روپے اور بدلے ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ ہم بھی فیروز کے پاس مل کر اس معاملے کو ٹٹانے کے لیے کوئی کارروائی کرنے کا پروگرام بنالیتے ہیں اور اس بار اللہ تعالیٰ جیسا کہ تو اس پر عمل بھی کر سکیں گے۔“ میں نے کہا۔

شرافت علی قزاق نے میری بات سے مجھے ہنسنے لگا۔ ”کس منصوبے کا ذکر ہے؟ یہ کون سا منصوبہ ہے جو اب سامنے ہے؟“ میں نے کہا۔ ”مگر گاڑی روک کر انور کمال کو اتار دو بیس کمین، یہ اپنی گاڑی میں واپس چلا جائے تو تعین بھی سب کچھ بتا دوں گا۔ اس کا زیادہ دیر تک ہمارے ساتھ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔“

ان کی گاڑی ہمارے بالکل پیچھے کی ہوئی ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ کار ہمارے دشمنوں کی نظر میں آجائے۔ ”پھر انور کمال سے بولا۔ تم اپنی گاڑی میں واپس جاؤ، ہم لوگ اب سیدھے فیروز کے طرف ہی چل رہے ہیں۔ اب ہم وہیں ملیں گے۔“

اس اثناء میں شرافت نے کار سڑک کے کنارے لگا کر روک دی۔ کار رکتے ہی انور کمال دروازہ کھول کر اسیست سے باہر نکل گیا۔ شرافت علی نے کار ایک جھلکے سے آگے بڑھا دی اور بولا۔ ”ہاں، اب جاؤ کی تقصیر ہے؟“

”میں نے تعین بنایا میں تھا اس رات جس رات آپ کی زخمی ہوا ہے کہ تم نے بابا اسحاق کے آستانے پر شرب خون مارنے کا پروگرام بنایا ہے۔“ اس کے بعد میں نے اسے بابا اسحاق کے آستانے پر شرب خون مارنے کے پروگرام کی تفصیل دوبارہ بتانے کے بعد کہا۔ ”تمہارا کیا خیال ہے اس بار سے میں اب؟ اس رات تو تم

اس سے متفق نہیں تھے؟“

وہ چند لمحوں خاموش رہ کر غالباً اس پر غور کرتا رہا، پھر بولا۔ ”منصوبہ ٹھیک ہی ہے مگر یہ صرف ہنگامہ گر کے واپس چلنے والی بات سمجھیں نہیں آتی میرے۔ اس طرح تو ہم انھیں چونکر دو گے اور انھیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان کے حفاظتی نظام میں کہاں کہاں کون کون سی خامیاں رہ گئی ہیں۔ اس واقعے کے بعد وہ ان خامیوں کو دور کر کے زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔ میں میرے بار! یہ بہت بڑی غلطی کر دے گا، یہ احساس قوا انھیں ہونے ہی نہیں دینا چاہیے کہ ان کا کوئی کمزور پہلو بھی ہے جس سے ان پر ضرب لگائی جاسکتی ہے۔ اچھا ہوا جو تم لوگوں کو اپنا پروگرام بتا رہا ہے۔“

بات اس کی دل کو گھسی گئی، بڑا اہم نکتہ بھائی دیا تھا اسے اس گھڑی۔ ”میں نے کہا۔ ہاں باری اکتا تو ٹھیک ہی ہے، مگر میں اچھے پر ہاتھ دھرے انوکھے ٹنگ بیٹھے رہیں گے؟ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ پیش رفت ہو جانا چاہیے نا؟“

”ہاں! پیش رفت تو ضرور ہونا چاہیے لیکن یہ جو کچھ تم کرنے جا رہے ہو اس کا کافی اندازہ اتنا نہیں جتنا نقصان ہے اس میں، دعاوا ہی کرنا ہے اس اپنی بیوی کی گناہ پر تو پورے انتظامات کے ساتھ اس طرح کرنا کہ اس کے پاس بچ بچکنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔“

میں بات اس رات بھی کبھی کبھی میں فیروز کو دیکھتا تھا، اس پر اچھا دار کرنا خود غشی کرنے جیسا ہی ہوتا ہے۔ اسے سنبھلنے اور پلٹ کر چلنے کے کام کو قریب دینا اتنا ہی خطرناک ہے۔ اس کی تائید بالکل نہیں کر دوں گا میں۔“ شرافت علی نے کہا۔

”لیکن میرے بار! دشمن کی طاقت کا اندازہ کرنے کے لیے اس کے ساتھ جیسے جیسے لڑنا بھی تو ضروری ہے۔ اس کے ہاتھ میں جہلنے بغیر اس کی حدود میں جا کر اپنی خطرات کو سنبھالنے، خطہ مول لینے بغیر تو ہم کچھ نہیں کر سکتے بھائی جی!“

”بے شک خطہ مول لینے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں تمہاری اس بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ اور جب یہ ضروری ہی ہے تو پھر اچھے چلنے کیلئے کا کیا فائدہ؟ میں تو کہتا ہوں اس اگر مگر، چنانچہ جو کچھ کول و دماغ سے ایک دم جھجک دواور تخت با تختہ کے اصول کے تحت جا بڑھو دشمن پر ہتھیاروں کا تو ہم مٹ جائیں گے یا ان ذیلیوں کو مٹاؤ ان کے صفوں سے۔“

ہم باتیں کرتے ہوئے فیروز کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ شرافت علی نے پورچ میں کار روکی تو میں نے کہنے سے انکار کیا۔ کھول کر نیچے اتر گیا۔ ”ٹھیک ہے، آؤ فیروز سے بات کر لیتے ہیں اس سلسلے میں۔ اس سے شورش کرنا بھی ضروری ہے۔“

”ہاں یہ درست کہ ہے تم نے۔ ایسے حالات میں تمام دتوں

کی تائید اور حمایت حاصل کر لینا چاہیے، وہ انہیں بند کر کے کاہلے باہر آتے ہوئے بولا۔ اتفاق اور اتحاد کسی بھی کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری شرط ہے۔“

”کس اتفاق اور اتحاد کی بات ہو رہی ہے بھئی؟“ فیروز نے دروازہ کھول کر باہر آئے۔ ”کہا۔ وہ شاید ہماری کار کی آواز سن کر یہ جانتے کے لیے اُدھر آتا تھا کہ آئے والوں کا شخص ہے۔ ہمیں دیکھ کر اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔“

میں نے اور شرافت علی نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ لایا۔ ہم تینوں ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اطمینان سے بیٹھ گئے تو میں نے اسے اپنے اور شرافت علی کے درمیان ہونے والی گفتگو سے .... آگاہ کر کے پوچھا۔ ”تمہاری کیا رائے ہے اس سلسلے میں؟“

”میں بھائی شرافت علی کی رائے سے متفق ہوں۔ بڑے دوراندیشی کی بات کی ہے انھوں نے۔ دشمن کی طاقت کا اندازہ قریب سے نہیں۔ جب ہم اس بات سے واقف ہیں کہ دشمن کون ہے تو اس کے وسائل اور مقاصد کا علم بھی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ کتنی قوت رکھتا ہے اور کس مدد تک جاسکتا ہے پھر یہ جاننے کے لیے وقت برباد کیوں کیا جائے؟“ فیروز بولا۔

”تو تم بھی یہی جانتے ہو کہ ہم کھل کر سامنے آجائیں اور جو کچھ کر سکیں کچھ کر ڈالیں؟“ میں نے دریافت کیا۔ ”ہاں، بالکل بالکل اپنی طاقت کا پھر پورا اظہار کر دینا چاہیے اس پر اور وہاں تک کھل کر سامنے آنے والی بات ہے تو اس سلسلے میں پہلی کوشش تو ہم ہی کر سکیں گے کہ دشمن ہمارے ہاتھ میں کچھ جان نہ سکے۔ اگر اس میں کامیابی ہوتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی بھی زیادہ پروا نہ کرو، ایک دن تو ایسا ہونا ہی ہے اس کے بغیر تو بات نہیں بن سکے گی۔“

”لیکن اب تک ہم ان کے ساتھ اچھے چلنے کی کھیل حرف اس لیے کھیلنے رہے ہیں کہ ان کے تمام لوگ ہماری نظروں میں آجائیں، ان کے سارے منصوبے، طریقہ کار اور ایک ایک ٹھکانے سے ہم واقف ہو جائیں تاکہ ان کی مکمل صفائی کی جاسکے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں چاہتے تو ہم بھی یہی تھے جس طرح بس وقت ہی برباد ہو جائے اب تک کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ اس کے بجائے اگر ہم ان کے خلاف حرکت میں آجائے تو وہ ہمارے مقابلے کے لیے ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جائے اور خود بخود ہمارے سامنے آتے چلے جاتے شرافت علی کا کہنا ٹھیک ہے۔ انھیں اپنی کمین گاہوں سے باہر لانے کے

لیے ہمیں حرکت میں آنا ہی پڑے گا۔ اس کے سوا کوئی دوسری صورت نظر نہیں آتی ہے۔“ فیروز نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اگر تم سب کی یہی رائے ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے یا راز میں تمہارے ساتھ ایک اور دشمن کے درمیان آتے کو ہر وقت تیار ہوں لیکن اس طرح کا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں آپ کی کوئی ہتھیار چاہیے۔ اسے اس حال میں ان کے رحم و کرم پر تو نہیں چھوڑ سکتے ناہم۔ اگر بات بڑھ گئی تو وہ آپ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ اسے ان کے جھجکے سے نکالنا ہے حد ضروری ہے۔“ میں نے ان کے پروگرام سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں، یہ بات تم نے بالکل ٹھیک کہی ہے۔ ان حالات میں آپ کا ان کے درمیان رہنا بالکل مناسب نہیں ہے۔“ شرافت علی بولا۔

”مجھے بھی اتفاق ہے اس بات سے۔ تم لوں کرو جیسا کہ اسے واپس بیٹھ لے آؤ۔“ فیروز نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

میں نے کچھ دیر سوچ کر کہا۔ ”یہ بات مناسب نہیں ہے یا تو اس کے مکمل طور پر صحت یاب ہونے کا انتظار کرو یا پھر میں اسے کسی ایسی جگہ منتقل کر دوں گا جس کا اس جھجکے سے کوئی تعلق نہیں ہو۔ ایک ایسی جگہ ہے نظر میں میری۔“

”ہاں، یہ ٹھیک سوچا ہے تم نے جیسا کہ! وہ طارق روڈ پر فروزی یکم کالینڈ محفوظ ترین جگہ ہوگی اس کے لیے۔“ فیروز بولا۔

”بالکل بالکل، یہی سوچا ہے میں نے بھی اس کے لیے۔ اس کا کسی کو پتا نہیں ہے، وہاں اسے کوئی پریشانی بھی نہیں ہوگی۔“

”میں تو پھر یہ طے ہو گیا کہ آج رات ہم آستانے پر چڑھائی کریں گے اور کوشش یہ ہوگی کہ انوکھ سمت دہاں موجود تمام لوگوں کا خاتمہ کر دیا جائے، کسی کو زندہ نہ چھوڑا جائے اور نہ بھاگنے کا موقع دیا جائے کسی کو عرض ہے کہ آستانے کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا ہے ہمیں آج رات کو۔ چنانچہ اب تم شام سے پہلے پہلے آپنی کو فروزی یکم کے فلیٹ میں پہنچا دو میں اس دوران اپنے تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے ساما پروگرام سمجھا دوں گا انھیں، کوشش

ہماری ہی ہونا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ طاقت جمع کر کے ان پر ٹوٹ پڑیں۔ تم بھی شرافت علی، اپنے جانثار قسم کے ساتھیوں کو جمع کر لو اور اس سہم کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے تمام وسائل اکٹھے کر لو دوست! آج کی سہم سر کر لی ہے تو سمجھو، پختہ فیصلہ مک وقت کے دشمن کا صفایا ہو گیا ہے بہت اہم اور بے حد مضبوط گٹھ

303

ہے ان کا "فیروز نے پر جوش لہجے میں کہا۔

"اس کی تم بالکل غور کرو میں کوئی کمی نہیں رہنے دوں گا اپنی طرف سے۔ شام تک میرے آدھی کیل کاٹنے سے پس میاں موجود ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی آدمی پشت دکھانے والا نہیں ہو گا، ہر شخص جان دے کر بھی اس کام کو کامیاب بنانے کی کوشش کرے گا۔" شرافت علی نے کہا۔



فیروز کے گھر سے نکل کر واپس جاتے ہوئے شرافت علی بولا۔  
"یار جیسو! اس اپنی لڑی، بگم کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے تم نے؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں سمجھا نہیں کیا کتنا چاہ رہے ہو تم، فردا وضاحت سے بات کرو، میں نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں میرے عزیز کہ ہماری اس کارروائی کے موقع پر لڑی کو وہاں نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا بندوبست کرنا ہے تمہیں؟"

"کیوں؟ اس کے وہاں ہونے سے کیا فرق پڑے گا؟ جب ہم آج کی کارروائی میں دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو لڑی کو تم کوں بچا نا چاہیے ہو؟ میرا تو خیال ہے آج اس کا بھی قصہ ختم ہو ہی جائے تو اچھا ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں میرے بھائی! سب کچھ برادر کو دینے کے بعد کوئی ایک ایسی ہستی باقی رہنا چاہیے جو اپنی بھی طاقت کو بچا کر کے ہمارے سامنے لے آئے۔ یہ کام لڑی کر سکتی ہے لہذا اسے سلاطت رہنے دو ابھی آپریشن سے فارغ ہونے کے بعد وہی ایک ایسی ہستی ہوگی جس پر نظر رکھنے کے بعد ہم بچ جانے والے دوسرے قریب کاروں تک بھی پہنچ جائیں گے۔" شرافت علی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے اسے تو صنفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا یہ تو تم نے بہت دور کی بات ہوئی ہے بار! یہ بہت ضروری ہے۔ لیکن لڑی کو آستانے سے دور رکھنا کیسے ممکن ہے؟ اگر وہ کسی ضرورت سے وہاں جا ہی پہنچی تو تم کیا کریں گے؟"

"اسی سلیو کہہ رہا ہوں برادر! اس سلسلے میں کچھ سوچو،

کئی ایسی تدبیر کرو کہ وہ کسی بھی حالت میں اُدھر نہ جاسکے" میں سوچ میں پڑ گیا۔ اسے کہیں جانے آنے سے میرے کیسے روک سکتا تھا۔ اگر خود موجود نہ ہوتا تو اسے ساتھ لے کر کہیں قلعہ وغیرہ کے لیے ہی نکل جاتا۔ یا کوئی اور بہانہ کر کے اسے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیتا، اگر میری غیر موجودگی میں وہ کہیں

بھی جا سکتی تھی، ایک خیال نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے شرافت علی سے پوچھا "تمہیں وہ کلینک یاد ہے یا راجا جہاں ہزار ڈیر علاج ہے؟"

"ہاں، وہ وہی جگہ ہے جہاں کبھی آئی کی آنکھوں کے قریب نکالے گئے تھے، گرم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو۔۔۔؟" وہ بولا۔

"ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے، اس پر کامیابی سے عمل ہو جائے تو لڑی خود بخود رک جائے گی۔" میں نے کہا۔  
"کون سی ترکیب آئی ہے تمہارے ذہن میں مجھے بتاؤ؟" شرافت علی نے سوال کیا۔

"کسی ایسے آدمی کو جسے اس کلینک میں پہچان لیے جانے کا اندیشہ نہ ہو، وہاں بھیج کر جلال کا جھکا کر دو۔ یہ اطلاع ملے ہی لڑی میری کلینک جانے کی اور اس وقت جب اللہ کی لاش کے ساتھ ہی رہے گی جب تک اسے جیڑی روانہ نہ کر دیا جائے یا اس کی تدفین نہ کر دی جائے۔ یہ کام اگر شام سے پہلے ہو جائے تو سمجھ لو لڑی اس وقت تک آستانے کا رخ نہیں کرے گی جب تک اسے آستانے اور وہاں موجود تقسیم کے ارکان کی مکمل برابری کی خبر نہیں پہنچے گی۔" میں نے اسے ترکیب بتائی۔

"یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے، بہت آسان اور بہت اچھی ترکیب آئی ہے تمہارے ذہن میں۔ اس طرح ان کے ایک اور نہایت اہم مکرے کو پیٹنے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے، ایک پتھرا اور دو کا ج والی ترکیب ہے یہ تو؟ وہ خوش ہو کر بولا۔  
"میں تو بھرا ہوا ہوں تمہاری دتے داری ہے۔ تم مجھے جنگے پر چھوڑ کر فوراً واپس جاؤ اور اس کام کا انتظام کرو؟" میں نے کہا۔  
"ہاں، بالکل، یہ میری دتے داری ہے اب اور تم بالکل بے فکر ہو جاؤ اس طرف سے۔ یہ کام ہو گیا سمجھو؟ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

شرافت علی مجھے جنگلے کی باہر ہی اتار کر چلا گیا۔ میں اندہ پہنچے ہی سیدھا آبی کے کوسے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ لڑی کا ایک ٹک ٹکانہ جاندار قسم کا قطعہ من کر کے بڑھتے ہوئے قدم مسک بڑ گئے۔ وہ آنکھوں کو کھول کر واپس آچکی تھی اور اب آبی کے پاس بیٹھی اس کی ہر لطف باتوں پر قہقہے لگا رہی تھی۔ یہ لڑکی ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ اس کے کسی بھی انداز سے یہ تو ظاہر ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس کا تعلق دنیا کی خوفناک ترین تنظیم سے ہے۔ میں اب تک اس کے مختلف روپ دیکھ چکا تھا۔ میں نے اسے جانو جیسے شہ زور کو کسی کمزور جہے کی طرح مارے دیکھا تھا۔ اگر وہ منظر میں نہ آتی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی یقین نہیں کرتا کہ ایسی کم سن اور معصوم دکھائی دینے والی بے ناک

اندام سی حسین بلا ایسی زور آور بھی ہو سکتی ہے۔ البتہ وہ ایسی ضرور تھی کہ اس کی جنبش، ابرو پر ہر شخص نقصان شہاں کر کے کو تیار ہو سکتا تھا۔ اس کے نفرتی قہقروں میں آبی کے قہقہے بھی شامل ہو گئے تھے۔

میں نے کمرے میں قدم دھرتے ہوئے کہا "کیا بات ہے بھئی آج تو بڑے قہقہے لگا رہے ہو تم لوگ؟ کیا اس کیلئے آج تم دونوں کو؟"

مجھے دیکھتے ہی آبی بولا "اوتے تو کدھر غائب ہو گیا تھا بھئی؟ بغیر کچھ جاتے نکل جانا ہے گھر سے، کسی کی پریشانی کا خیال ہی نہیں ہے تجھے؟"

میں نے سن کر کہا "اوہو، تو کوئی میری بوی تو نہیں ہے جو میری غیر موجودگی نے پریشان کر دیا تھا تجھے۔"

"بک نہیں اٹھنے، اپنی پریشانی کی بات تو نہیں کر رہا ہوں" آبی نے میری بات کاٹ کر غصے سے کہا۔

"پھر کسی کی بات کر رہا تھا بھئی؟ کون پریشان ہو رہا تھا میرے لیے؟" میں نے لڑی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔  
"یہ تیری بھونے والی نصف بہتر لڑکھنڈ تھی تیرے لیے۔" میرا طیف سناسنا کر اس کا دل بھلانے کی کوشش کر رہا تھا تھی دیر سے وہ بولا۔

لڑی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر میری طرف بڑھتے ہوئے محبت سے کہا "آپ کہاں چلے گئے تھے جناب عالی! میں نگر مند ہو گئی تھی۔"

میں نے بھی جواباً محبت بھری انداز میں سرزنش کرتے ہوئے کہا "میں کوئی بچہ تو نہیں ہوں جس کے لیے تم لوں پریشان ہو جاتی ہو؟"

"اوہ، یہ بات نہیں ہے، آپ کے چاروں طرف جس قدر دشمن بکھرے ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے جب آپ گھر سے باہر ہوتے ہیں تو اس وقت تک دل ہوتا ہی رہتا ہے جب تک واپس نہیں آجاتے آپ۔ میری مائیں تو کسی کو ساتھ لیے بغیر باہر نہ جایا کریں؟"

"یہ کس نے کہا تم سے کہ میں تنہا گیا تھا باہر؟ وہ اپنا شرافت علی ساتھ لے گیا تھا بھئی مجھے۔ اسی کے ساتھ گیا تھا میں۔" میں نے کہا۔

"اوتے جھوٹ کیوں بول رہا ہے سالے! اپنا ہے تیرا میرے بڑھاتے ہیں جھوٹ بولنے والوں کے؟" آبی نے اس طرح ہاتھ پٹا کر بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا کہ لڑی کے ساتھ مل کر ہی ہنس پڑا۔

"تو یہ آگ لگانے والی بائیں کر رہا تھا تو لڑی سے۔ یہ بی

"دیکھ رہی ہو تم بہن جی! یہ صلہ ہے اس دنیا میں کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کا۔ بڑا ہی ذلیل موطا صفت آدمی ہے جسے تم نے اپنا شریک حیات بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے، ابھی وقت ہے سوچ لو اچھی طرح سے، ابھی تو بیٹی باپ ہی کے گھر ہے، باپ کا گھر چھوڑ کر اگر کسی اس ہرجائی کے ساتھ تو پھپھانے کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔۔۔ آبی کی زبان چل پڑی تھی۔

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "لڑی! تم اس لنگڑے کی باتوں میں مد آنا، بڑی نکستی ہے یہ۔ آدمی کو کہیں کا نہیں رہنے دیتا ہے۔ نہ جانے کتنی تو اس کے گاؤں میں بیٹھی رو رہی ہیں اسے اور تپا نہیں کتنی ادھر ادھر کے شہروں میں بیٹھ رہی ہیں اس کے جان کو ایک تو بہت شہور دادا کا رہے یہاں کلاہور میں بھی جاسا کا نام کر رہی ہے کسی سالوں سے۔"

"کیوں بنام کر رہا ہے ایک شریف اور سیرے سلائے آدمی کو قسم لے میں جی جو میں کبھی کسی کو سلی نگاہ سے دیکھا بھی ہوں۔" تیری شرافت کو تو میں خوب جانتا ہوں۔ بیٹے! اگتا ہے یہاں بڑے بڑے جی اگتا گیا ہے۔ تیرا کیا خیال ہے پھر ادھر اس نکل و گھڑا رنگم کے پڑوس میں پہنچا دوں مجھے؟ کہیں اسی کے فراق میں تو نہ دینا میں کچھ نہ لگا ہے تو؟" میں نے کہا۔

اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا ایک دم جلدی لے بولا۔  
"کیا بات کسی سے بار تو نے اس گھڑی۔ اپنے سارے گناہ بخشا لیے ہیں تو نے یہ کہہ کر مجھ سے۔ شاید مجھ سے غلطی ہو گئی تھی مجھے سمجھنے میں، تو تو بہت ہی اچھا آدمی ہے بار!"

"میں جانتا ہوں بیٹے! تیری یہ ساری بجواس اسی لیے تھی۔ ٹھیک ہے میں پہنچا دوں گا مجھے وہاں۔ بس اب بجواس نہ کرنا۔"

"نہیں بھئی، میری باپ دادا کی تو بہت جواب ایک لفظ بھی بولوں تیرے خلاف، تک بے چل رہا ہے تو مجھے جتنی بیگم کے پاس؟"

"نکر نہ کر آج ہی شام تک بے چلوں گا۔ پھر کس طور پر صحت یاب ہونے تک وہیں رہنا تو؟" میں نے جواب دیا۔

"یہ تو بہت اچھا کرے گا میرے بار! بڑا احسان ہو گا تیرا بھو پر۔ یہاں میں اچھی صورت دیکھنے کو بھی ترس گیا ہوں۔ کیسے بھجوا رہے اب دیکھا ہے جو میرے میں لا پھینکا ہے تو نے مجھے، میرے جمالیاتی ذوق کا ذرا بھی احساس نہیں کیا ادھر لاتے سمے۔" وہ بولا۔

لڑی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا "یہ آپ نے انھیں کہاں لے جانے کی نوید دے دی ہے۔ ان کا تو ناما دہی بول گیا ہے اچانک؟ کون ہیں یہ جتنی بگم اور وہ کیا نام لیا تھا آپ نے۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ وہ کل و گھڑا رنگم۔۔۔۔۔ کون ہیں یہ ان کی؟"

”تم خود ہی اندازہ کرو وہ کون ہو سکتی ہے جس کے نام پر اس کے تیرے مردہ میں جان پڑ گئی ہے ایک دم“ میں نے کہا۔  
 ”کوئی بہت ہی عزیز و زان جوان نہیں ہیں یہ دونوں کیوں آبی! غلط تو نہیں سمجھا ہے نا میں نے؟“ لڑی شرافت سے بولی۔  
 ”بالکل غلط سمجھا ہے تم نے۔“ خواہن کہ تو میں کو کسی ہو تم اس گل و گلزار کی گیم کی منتی بیگم کو تم سے شک خواہن میں شامل کر سکتی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا مگر وہ گل و گلزار تو ہمارا بیگم اس کے تو ابھی مرادوں کے دن میں ہی بی بی! اتنا غلط کم تو نہ کرو غریب پر۔“

”ادہ سواری، دیری سواری، مجھ سے پہلے بچ اندازہ لگاتے میں غلط ہو گئی لیکن ابھی آپ یہاں سے جانے کے بارے میں نہ سوچیں۔ ابھی تو آپ کو خاصی دیکھ بھال اور مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ پھر علاج میں بھی غلط چل جائے گا اس طرح تو لڑی نہ لگے۔ اس کی تم پر روانہ کرو۔ وہ جتنی بیگم جو ہے نا وہ بہت اچھی دیکھ بھال کر لیتی ہے۔ آگے بھی اس غصوں کی بندی نے بڑی خدمت کی ہے ہماری، اور علاج میں ذرا بھی غفلت نہ چڑے گا کیوں کہ اس شہر نگار خان و خراباں میں ڈاکٹر ہر جگہ پائے جاتے ہیں“ آبی جلدی سے بولا۔

اسے فردوسی بیگم کے غفلت پر پہنچا نا تو ہمارے پروگرام میں پہلے ہی شامل تھا اب قسمت کی توفی سے صورت حال خود بخود ہمارے حق میں ہو گئی تھی تو میں اس موقع کو ہاتھ سے کس طرح جانے دیتا۔ میں نے جلدی سے کہا ”اسے کچھ سمجھا نا غفلت سے لڑی اگر کہنے اسے کہنے پر آمادہ کر بھی لیا تو یہ تمہاری زندگی اجیرن کر دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ جو جاتا ہے اسے کہ لینے دو۔ یوں بھی یہاں کبھی کبھی تو بالکل ہی تنہا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے بہت گھڑ ہوتا ہوگا کہ میں ابھی تھوڑی دیر بعد اسے جھوڑی آؤں گا کہ جا کر“  
 ”ٹھیک ہے اگر ان کے آرام کے لیے یہ ضروری ہے تو میں انھیں یہاں روکنے پر اجازت نہیں کروں گی۔ دوسرے میں ان سے ملنے اور ان کی مزاج پر مری کے لیے آپ لوگوں کی اس جتنی بیگم کے گھر جا تو سکتی ہوں نا؟“ لڑی نے مجھے آبی کی حمایت کرتے ہاتھ مارا۔

”ہاں، ہاں کیوں نہیں۔“ وہ دن آئے جانے کے سلسلے میں تم پر پابندی کوں لگا سکتے جب بھی جی چاہے جی جایا کرنا“ میں نے جواب دیا۔ میں جانتا تھا کہ آج رات کے بعد وہ جن حالات سے دوچار ہو گی ان میں اسے آبی کا خیال تک نہ لگے گا کچھ بخیر خواہ اسے مشکوک کیوں کیا جاتا ہے۔

اس نے یہ سوال بھی غالباً اسی لیے کیا تھا کہ اس کے جواب کی روشنی میں ہمارے عرافم کے بارے میں کچھ اندازہ کر سکے۔ بظاہر بہترین دوست اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کے باوجود جس طرح میں ان پر اعتماد کر کے کو تیار نہیں تھا۔ اعتماد

ہی نہیں بلکہ میں تو انھیں درست تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں تھا۔ اسی طرح وہ بھی میرے بارے میں ہر دم فکر مند رہتے ہوں گے۔ حالانکہ میں ابھی تک ان سے وفا داری اور مکمل تعاون کا اظہار کرتا رہا تھا لیکن میری سرگرمیاں ان کے خلاف تھیں۔ کئی موقعوں پر انھیں مجھ پر شک بھی ہوا ہوگا مگر یہ میری خوش بختی تھی کہ ہر چال میرے حق میں ہی ہو جاتی تھی کسی نہ کسی طرح۔

مجھے شرافت ملی کی طرف سے جب لڑکے کے بارے میں اطلاع کا انتظار تھا۔ یہ خبر تھی ہی لڑی فوراً اس کلینک کی طرف روانہ ہو جاتی جہاں جبر الہیہ زیر علاج تھا۔ اس کے جانے کے بعد ہی میں نے آبی کو لے کر فردوسی بیگم کی طرف روانہ ہو جانا تھا۔ اس کے سامنے جاتا تو یہ خدشہ تھا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ لگ جاتی اور اس طرح فردوسی بیگم کی وہ محفوظ پناہ گاہ اس کی نظروں میں آجاتی جب کہ میں ابھی سواری شیطانوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دینا چاہتا تھا۔ ایک بار لڑی کے ساتھ طاق روڑے سے گزرتے ہوئے میں فردوسی بیگم سے ملنے اس کے غفلت پر گیا تھا لیکن لڑی کو میں اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ وہ سڑک پر کھڑی کار میں بیٹھی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اس نے مجھ اس گلی میں داخل ہوتے دیکھا ہوگا جس میں فردوسی بیگم کا فلپ تھا لیکن وہ خاصی لمبی گلی تھی۔ اور اس میں بے شمار دکانیں اور فلیٹس تھے محض گلی سے کسی کے غفلت کا پتا نہ کرنا کہ ان میں نہیں تھا اور یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ آبی ہی گفتگو کے دوران اسے منتی بیگم کہتا رہا تھا۔ لڑی کو فردوسی بیگم کا مین نام بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا اس طرح۔

جس کا مجھے انتظار تھا وہ خبر شام کو چار بجے کے بعد بالآخر لڑی کے کالوں تک پہنچ گئی۔ وہ فون پر یہ اطلاع پاتے ہی دوڑی ہوئی میرے پاس آکر بولی ”جناب عالی غضب ہو گیا۔ کسی نے کلینک میں گھنٹس کر جبر الہیہ کو گولیوں سے پھینکی کر دیا ہے“ وہ خاصی بدحواس ہو رہی تھی اس گھڑی میں اس سے آبی کے پاس بیٹھا خوش گیناں کر رہا تھا اس سے۔ یہ خبر سن کر آبی نے چونک کر لڑی کو دیکھا اور بولا ”یہ تو بہت بڑا ہوا یا رو اس نے کی ہے یہ حرکت؟“

میں نے بھی حیرانی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا ”کون تھا وہ؟ کلینک میں کس طرح پہنچ گیا؟ پوچھا میں اسے کسی نے؟“  
 ”تفصیل ابھی معلوم نہیں ہوئی ہے مجھے، حملہ آوروں کو پکڑا نہیں جا سکا۔ گولیوں کی آواز میں گھٹنے کے لوگ اس طرف دوڑے تھے گردنوں حملہ روا لوگوں سے فاصلہ رکھتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔ دیگر تفصیلات وہاں جانے کے بعد معلوم ہو سکیں گی۔ میں آپ کو یہ بتانے آئی تھی کہ میں کلینک کی طرف جا رہی ہوں۔ واپسی تک ہونے کی کچھ تپا نہیں ہے مجھے۔ اگر جبر الہیہ مر گیا تو آج رات میری دھالی بچ

ہی ہوگی“ لڑی نے جواب دیا۔  
 ”ٹھیک ہے تم جانا، میں تمھیں فون کر کے وقت کے تعینیل معلوم کروں گا مجھے فون نمبر سے دو ہاں کا“ میں نے کہا۔

لڑی نے ایک کاغذ پر کلینک اور جبر الہیہ کے گھر کا فون نمبر لکھ کر مجھے دیتے ہوئے کہا ”میں نے یہ دونوں نمبر اس لیے لکھ دیے ہیں کہ اگر جبر الہیہ کی موت واقع ہو چکی ہے جس کا زیادہ امکان ہے تو ہم اس کی تلاش گھر لے جائیں گے اس کے۔ لہذا آپ کلینک میں نہ جانے کی صورت میں گھر پر فون کر لیں مجھے۔ ویسے میں کوشش کروں گی کہ کلینک سے فون کر کے صورت حال آپ کو بتا دوں“

”میں آبی کو لے کر چلا ہوا تھا اس وقت، مگر ٹھیک ہے اب میں ایک گھنٹے تک یہاں لگ کر فون کا انتظار کروں گا تھا۔ ایک گھنٹا اگر گزر جائے تو پھر تم فون نہ کرنا میں خود ہی فون کر لوں گا انھیں کہیں سے“ میں نے اسے بتایا۔

لڑی تیزی سے باہر آگئی۔ میں پک کر اس کی کھڑکی پر پہنچا جہاں سے یہ وہی گھٹ دکھائی دیتا تھا اور یہ وہ تھوڑا سا ہٹا کر باہر جھانکنے کا۔ چند لمحوں میں ہی لڑی کو سفید کمرے میں باہر جاتے دیکھا۔ اس کے جانے کے بعد چونکہ دار کے گھٹ دوبارہ بند کرتے ہی میں واپس پلٹ آیا اسے بھی آبی پیارے! میدان سے صاف ہو گیا ہے اب ہمارے لیے“

آبی نے عجیب سے انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے کہا ”کیا مطلب ہے تیرا؟ کیا یہ خبر غلط تھی تو نے لڑی کو یہاں سے چلنے کے واسطے کوئی پتہ چلا یا ہے کیا؟“

میں نے کہا ”ہاں، تو نے ٹھیک سمجھا ہے یہ سارا پتہ لڑی کو یہاں سے چلنے اور رات بھر کے لیے دوسری طرف الجھائے رکھنے کے لیے چلا یا گیا ہے لیکن خبر غلط نہیں ہے۔ ایک تیسرے دوست کا کہنے میں ہم نے لڑی کا بندوبست بھی ہو گیا اور جبر الہیہ کا بھی“

”اچھا! مگر وہ تو پہلے ہی ادھر مو پڑا تھا یا! اس پر گولیاں فٹان کرنے کی کوشش تو بھی چھلا؟“ آبی بولا۔

”لڑی کو ادھر الجھانے کے لیے“ میں نے بتایا۔ پھر آبی کو بارے پر درگم سے آگاہ کرنے کے بعد کہا ”یہ پروگرام بہت ہی اہمیت میں بنا یا گیا ہے، مجھے افسوس ہے آبی تو اس کا ریشہ شریک نہیں ہو سکے گا ہمارے ساتھ۔ مگر مجبوری ہے یا! مبر کرے“

”ہاں یا! شاید میرے رب کو ہی یہ منظور نہیں ہے۔ اس رات جب ساری تیاریاں مکمل تھیں ان ذیل نظریوں نے درمیان مل کر گڑ بڑ کر دی تھی۔ میرے پاؤں میں گولی لگ جانے کی وجہ سے اکیلا کام مقوی ہو گیا تھا اس رات“ آبی نے اداسی سے کہا۔  
 ”ٹھیک فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سن کر میں آبی کے پاس سے

اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آگیا جہاں ٹیلی فون رکھا تھا۔ میں حیران تھا کہ لڑی نے اتنی جلدی مجھے فون کر دیا تھا، مگر ریسورسز اٹھانے پر بتا جلا وہ فون لڑی کا نہیں شرافت ملی کا تھا۔ اس نے مجھے جبر الہیہ کے بارے میں بتانے کے لیے ہی فون کیا تھا اس وقت میں نے اس کی بات سننے کے بعد کہا ”ہاں مجھے اطلاع ملی چکی ہے، لڑی کو کسی نے فون پر بتایا تھا، وہ خبر تھی ہی سیدی کلینک کی طرف دوڑ گئی ہے۔ کوئی گھڑ نہیں ہوئی، قسمت بہم پر مہربان معلوم ہوتی ہے“

”کوئی گھڑ نہیں ہوئی، قسمت بہم پر مہربان معلوم ہوتی ہے“

”فدا بھی دشواری پیش نہیں آئی؟“ اس نے جواب دیا۔  
 ”ٹھیک ہے اب تم فردوسی کی طرف چلے جاؤ اپنے آدمیوں کے ساتھ۔ میں ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہاں پہنچ جاؤں گا۔ ابھی مجھے یہاں تک کر لڑی کے فون کا انتظار کرنا ہے۔ ایک گھنٹے تک انتظار کرنے کو کہہ چکا ہوں میں اس سے“ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے، تم اطمینان سے آؤ۔ جلد بازی کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ کام بگڑا جانے کا خدشہ رہتا ہے اس طرح“ شرافت ملی نے یہ کہہ کر مسئلہ منقطع کر دیا۔ میں یقیناً اٹھا کر اپنے ساتھ آبی کے کمرے میں ہی آ گیا۔

آبی بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ آنے والا ٹیلی فون لڑی کا ہی ہے۔ میرے کمرے میں قدم دھرتے ہی اس نے پوچھا ”کیا کہہ رہی تھی وہ تیری بیویوں گل بدن غصہ دین، شیریں سخن؟ بڑی جلدی فون کر دیا اس نے، شاید کہیں قریب ہی ہے وہ کلینک“  
 ”تمہیں یاد! اس کا فون نہیں تھا، شرافت ملی نے کیا تھا فون اس وقت، تیسرے یا جبر الہیہ کے الم ناک انجام کی اطلاع دینے کو“

”کیا بتایا اس نے، اس کا کوئی آدمی پکڑا تو نہیں گیا نا اس کارروائی کے دوران؟“ آبی نے جلدی سے پوچھا۔

”نہیں، وہ کتنا تھا سارا کام نہایت آسانی اور خوش سہولتی کے ساتھ انجام پذیر ہوا ہے۔ میں نے جواب دیا۔

”جبر الہیہ کے بعد لڑی کا بھی فون آ گیا۔ اس نے بتایا۔ کوششوں میں مہروف ہیں لیکن اس کے بچنے کی امید ایک فیصد بھی نہیں ہے۔ آپ آبی کو لے کر جائیں، میں رات کو نہیں آسکوں گی شاید“

”اچھی بات ہے، میں آبی کو لے کر جا رہا ہوں۔ واپس آکر تمھیں پھر فون کروں گا اس کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے“ میں نے کہا۔

میں نے ریسورسز رکھا تو آبی نے بے تابی سے پوچھا ”کیا ہوا ابھی کیا پتہ کیا ہے؟ وہ آج بھی؟ بڑا بے غیرت ثابت ہوا ہے یا یہ تو“

”ہاں، ہے تو ایسا ہی مگر اطمینان رکھو آٹھ گولیاں جب ایک ساتھ سینے اور پیٹ میں جا لکھیں تو بڑے سے بڑے بے غیرت کو عدم کی سیر کرا دیتی ہیں۔ ڈاکٹر اسے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر امید انھیں ایک فی صد بھی نہیں ہے۔ لعنت ہی بھیج دے اب اس پر تو راجی!“

”آٹھ گولیاں اتاری ہیں انھوں نے اس کے اندامات کا پورا پورا سامان کر کے کوسے میں دھرا رکھی، آبی نہ مسکاتے ہوئے کما۔“

”ہاں، شرافت علی نے بہت ہی تجربے کا راز دی بھیجے تھے اس کی طرف کی نہیں چھوڑی ہے انھوں نے ذرا بھی، اب جو منظور ہو رہا کو۔“

میں نے باہر گر گیا راج سے کار نکال کر بالکل دروازے کے ساتھ رکادی، پھر واپس جا کر آئی کوسما دے کر آہستہ آہستہ باہر لایا اور کار کی عقبی نشست پر ڈال دیا۔ میں ڈرائیو تک نشست میں نکال کر کار اسٹارٹ کرنے جا رہا تھا کہ آبی بول اٹھا: ”یارا! پلے فون کر کے یہ فوٹو مکر لیا ہوتا کہ وہ جتنی بیگم اس سے گھر پر ہے بھی یا نہیں۔ کہیں ہماری یہ دوڑے تیرے ہی ثابت نہ ہو۔“

میں نے نظر کر کے مسکرائی نظروں سے دیکھتے ہوئے کما۔ ”بڑے موقع سے سوچھی ہے تجھے یہ بات۔ کبھی کبھی تو یاد تو بھی عقل سے کام لے لیتا ہے۔“

”جگواس نہیں کراؤں! زیادہ دانشوروں کی دم بننے کی کوشش کیا کر رہے سامنے، جانتا ہوں تیری کھوپڑی کی حالت بھی میں: وہ جھٹکا کر بولا۔ میں اس کی جھنجھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کار سے نکل کر اندر چلا گیا۔“

چوتھی گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسور اٹھا کر جس نے ”ہیلو، کما تھا وہ فردوسی بیگم مرکز نہیں تھی۔ مجھے گمان گزرا، شاید غلط فہم ڈال کر دیا ہے میں نے۔ چنانچہ تصدیق کرنے کے لیے میں نے فردوسی کا ٹیلیفون نمبر کرا یا۔ دوسری طرف سے نہایت شیریں اور شائستہ لہجے میں کہا گیا: ”جی ہاں، یہی نمبر ہے ہمارا آپ کو کس سے بات کرنا ہے؟“

”فردوسی بیگم سے بات ہو سکے گی؟ کیا وہ گھر میں موجود ہیں اس وقت؟“ میں نے بھی شائستہ انداز میں کہا۔

”فردوسی بیگم، اوہ! آئی کو پوچھ رہے ہیں آپ۔ ہاں ہاں وہ موجود ہیں۔ آپ کون صاحب ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”ان سے کہیں ہاشم خان کا فون ہے؟“ میں نے جوابا کہا۔ ”ارے، یہ آپ ہیں جناب خان صاحب! اجالے ہم نہیں بولتے آپ سے۔ بڑے وہ ہیں آپ بٹ کر خیر نمک نہیں لینے کسی کی اس نے بڑے محبوبانہ انداز میں کہا: ”آپ نے تو ہماری ہی کردی“

بے مروتی کی؟

اس کے انداز سے میں سمجھ گیا کہ وہ گلا خرا م کر گئی ہے مجھے۔ میں نے کہا: ”دیکھیں لی! یہ وقت ان باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ مجھے تو دوسری بیگم سے بے حد ضروری بات کرنا ہے۔ آپ انھیں بلا دیں جلدی سے۔“

”اف اللہ! اتنے دلوں کے بعد آواز سنائی ہے اپنی۔ پھر بھی ہم سے بات کرنے کا وقت نہیں ہے آپ کے پاس۔“

اسی وقت فردوسی بیگم کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہی تھی۔ ”گزارا کس کا فون ہے بھئی؟“

”یہ آپ کے دوست ہاشم خان میں آئی! یہ کچھ ضروری بات کرنا چاہتے ہیں آپ سے۔“ اس کا جواب سنائی دیا۔

”ارے“ اور تم مجھے بتانے کے بجائے خود ہی باتوں کرنے لگی ہو ان سے۔ لاؤ مجھے دو فون! فردوسی بیگم نے شاید بڑا نالٹا ہونے کا تھا، پھر ریسور اس سے لے کر بولی: ”اسلام علیکم خان صاحب! بھیجی کماں غائب ہیں آپ؟“

میں نے اس کے سلام کا جواب دے کر کہا: ”غائب کماں ہو سکتے ہیں جی ہم، ادھر ہی ہتھکڑی کراچی میں لٹے پڑے ہیں۔“

”کمال ہے، کراچی میں ہوتے ہوئے بھی آپ کو ہماری یاد میں آئی کبھی۔ ایسی کون سی مصروفیات تھیں؟“

”میں ابھی آ رہا ہوں تمہارے پاس جی، پھر پوچھ لینا جو پوچھنا ہو۔ فون تو میں نے یہ جاننے کو کیا ہے کہ تم گھر میں ہو یا نہیں۔“

”یہ سرور چشم! تشریف لائیں جناب! دیدہ و دل فرس راہ میں آپ کے لیے۔ اور وہ پیر زادہ صاحب کماں میں ان دلوں؟“

”بھئی یہ اس قدر کا دھڑا اور بول رہی، جو خیر تو ہے؟“ پڑوسیوں کا کچھ زیادہ ہی اتر قبول کر لیا ہے شاید۔

”اب آپ جیسے ممتاز لوگوں کے ساتھ گستاخانہ انداز میں اختیار کر سکتی نائیں۔ یوں بھی آپ ہر روز تو آتے نہیں ہیں جو بیک وقت انداز اختیار کرنے کی جرأت کر سکیں۔ خیر چھوڑیں اس بات کو میں نے یہ زیادہ صاحب کا پوچھا تھا آپ سے۔“

”وہ بھی میرے ساتھ ہی آرہے ہیں۔ ویسے گلہ کرنے کا انداز بہت خوبصورت ہے، میں نے بڑا نہیں منایا ہے بالکل، یہ تو حق بنتا ہے بھی تمہارا، لیکن یہ بھی تو سمجھو، اچھے وقت میں تمہیں یاد رکھیں یا نہ رکھیں، بڑے وقت میں تمہارے پاس چاہا لیتے ہیں اگر ایسا انہی لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن سے قربت اور امانیت ہے بنام کون کی محبت اور خلوص پر آدمی کو کمال یقین ہو اگر ہم تمہیں

کی مالک عورت کے چہرے پر تشویش ابھرائی۔ اس نے آگے بڑھ کر دوسری طرف سے آبی کو سہارا دیتے ہوئے کہا: ”ارے،

اب جلدی سے آجائیں میں انتظار کر رہی ہوں آپ کا۔“ اس نے ریسور رکھ دیا۔ میں بھی ریسور کر ٹیل پر ڈال کر باہر آگیا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ”میں گیٹ سے باہر نکلنے کے بعد آئی نے پوچھا: ”کیا ہوا؟ وہ گھر پر ہی موجود ہے نا؟“

”ہاں یار! اسے تو وہ گھر پر ہی، لیکن اس وقت اس کی باتیں سن کر مجھے بہت افسوس ہوا ہے، بڑی شرمندگی محسوس کر رہا ہوں میں۔“

”کیوں؟ ایسی کیا بات کہہ دی اس نے؟ کیا وہ اس حالت میں ہمارے کئے سے خوش نہیں تھی؟“ آبی نے پوچھا۔

”نہیں یار! بات یہ نہیں ہے، وہ غلوں و محبت کی بندی تو ہر وقت ہمارے لیے اپنے دل کے دروازے کھلے رکھتی ہے لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمیں اس کا خیال ہمیشہ ایسے وقت آتا ہے جب کوئی آفتا دہڑی ہوتی ہے ہم پر یا اس کی مدد درکار ہوتی ہے۔ اس کے خیر ہم کبھی اس کے گلہ کا فرق نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے کبھی یہ تک نہیں پوچھا ہے کہ اس کی زندگی کیسے گزر رہی ہے؟“

”ہاں، یہ تو بڑی زیادتی کہتے ہیں ہم اس کے ساتھ بڑی خود غرضی ہے ہماری کیا اس کا گلہ کر رہی تھی وہ؟“

”یہ تو عین کیا اس نے غم سے ایسا کرنے کا حق پہنچتا ہے، کرنا چاہیے اسے اس کا گلہ ہم سے۔“ میں نے افسردہ سے کہا۔

”غیر یار! تو انیس سو نو دہائی کا زمانہ خیال رکھیں گے ہم اس بات کا۔ اس کی خبر گیری کرتے رہیں گے ہم۔“ آبی نے مجھے تسلی دی۔

”نہیں یار! ہم بہت ہی گھٹیا، بہت ہی خود پرست لوگ ہیں آبی۔ ہم تو اپنی ماؤں کو بھی بھولے رہتے ہیں، ان کی آنکھیں بھی تھیرا کر رہ گئی ہیں ہماری راہ کتنے نکلتے۔ ہم ان کا کلیجہ نہیں ٹھنڈا کرتے کتنے تو اس غریب کو کون سی خوشی دے سکیں گے؟“

”ہاں یار! بد بختی نے ہماری کسی بھی کام کا نہیں رہنے دیا ہے ہمیں۔ دولتوں، رسوائیوں اور محرومیوں کے سوا ہے کیا ہمارے پاس؟ زندگی کبھی اطمینان کا سانس لے تو ہم مڑ کے دیکھیں کسی اپنے پیار سے کی طرف، ہماری تو سائنیں بھی مشکل سے قاتی جاتی ہیں جانی؟“

آبی کو ٹیڑھیاں پڑھنے میں بہت ہی دشواری ہو رہی تھی مگر اس کی ہمت کی داد دیتا ہوں میں کہ وہ میرے کا نہ بے پروا زیادہ بوجھ ڈالے بغیر ایک ٹانگ پر اچھل اچھل کر کسی نہ کسی طرح فردوسی بیگم کے فیٹ تک پہنچ گیا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر اس درہند دل کی مالک عورت کے چہرے پر تشویش ابھرائی۔ اس نے آگے

بڑھ کر دوسری طرف سے آبی کو سہارا دیتے ہوئے کہا: ”ارے،

یہ کیا ہوا ہے آپ کو؟ آپ کی توجہ تھی خراب نظر آ رہی ہے مجھے۔“

”مجھے افسوس ہے میری بہن! ہم ہمیشہ تجھے کوئی نہ کوئی تکلیف دینے آجاتے ہیں۔۔۔ آبی نے آدھی سے کما۔

فردوسی بیگم نے اس کی بات کاٹ کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ ”کیسی باتیں کرتے ہیں آپ آبی بھائی! مجھے بہن بھی کہتے ہیں اور غیرت بھی رشتے میں مجھ سے۔ یہ کیسے جان لیا آپ نے کہ آپ کی خدمت کر کے تکلیف ہوتی ہے مجھے؟“

”یہ تم دونوں کن فصول باتوں میں الجھ گئے ہو۔ اسے اندر تک پرے چلو فردوسی! اس کی ایک ٹانگ میں بہت گہرا زخم ہے اور یہ خیال نکال دو دل سے اپنے ہتھوں پر سمجھتے تو ہر بار دھڑکتے ہوئے ادھر نہیں آتے کبھی۔“ میں نے بے تکلفی سے کہا۔

میرے اس اندازِ مخاطب پر فردوسی بیگم کی آنکھوں کے دیسے جل اٹھے تھے۔ وہ جلدی سے بولی: ”چھوڑیں میں کلفت سمجھو! ان دل جلانے والی باتوں پر، انداز میں آپ، لیٹر پڑھیں۔“

آبی کو آرام سے لیٹر پر ٹانگ کر م سیدھے ہی ہونے لگے کہ وہ آفت کی بڑی انگڑاں مچ گئی بولی آبی نے پٹی: ”آگے آپ جناب خان صاحب! فون پر تو آپ کو فرصت ہی نہیں تھی بات کرنے کی اب بھی وقت ہے آپ کے پاس یا نہیں؟“

”وقت تو کم بیٹوں کے پاس بہت ہوتا ہے صانع کرنے کو۔ میں کیا تمہیں کم غمت نظر آتا ہوں لی؟“ میں نے کہا۔

”ہائے میں مر گئی، آپ تو یوں لگتا ہے جیسے لڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ نہیں جناب! میں آپ سے لڑ نہیں سکتی کبھی بھی، پھر وہ آبی کو دیکھ کر بولی: ”اجا یہ پیر زادہ صاحب بھائی! میں گرا پڑ گئی ہوں میں کیا ہوا ہے آپ کو؟“

”انکسٹنٹ ہو گیا ہے ان کا ٹانگ میں زبردست چوٹ آئی ہے، یوں سمجھو لو لنگڑے ہی ہو چکے ہیں یہ اب۔“ میں نے شرارت سے کہا۔

”بک نہیں اونے خانچے، مار لے لنگڑا تو تجھے مرناسے ایک دن۔ میرے لیے کیوں جو اس کرتا ہے؟ آبی کو گھڑا کر، اتنے لنگڑا کتا بت بڑا لگا تھا، وہ ایک دم آپ سے باہر ہو گیا۔ میں نے اسے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: اوہو! معاف کر دے یا غلطی ہو گئی مجھ سے۔ مجھے ان کے سامنے یہ بات نہیں کہنا چاہیے تھی۔ ابھی تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی ہے، پھر تو لنگڑا کیسے ہو سکتا ہے؟“

فردوسی بیگم کی بات کا مطلب سمجھ کر جلدی سے بولی۔ ”آپ تو ایسے کد رہے ہیں جیسے یہ گھڑا سے سٹ دی کر نے

والے ہوں“

فردوسی بیگم کی بات سن کر گلزار ایک دم گلزار ہو گئی۔ اس نے ایک ادا سے شرما کر اپنے دوپٹے کا کونا دانتوں میں دبایا اور لپٹ کر بھاگتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ مینے منفقہ لگا کر کہا: ”واہ بیوی عتیقی بیگم جواب نہیں ہے تمہارا بھی کیسی بھاگی ہے دم دبا کے۔“

فردوسی بیگم اور ادا کی بھی گلزار کے اس انداز پر تنقید لگنا رہے تھے۔

شام سے ہی مطلع ابراہود تھا۔ مگر سیاہ بادلوں کے قافلے ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے تھے۔ دکھائی دے رہے تھے۔ جن کی وجہ سے آسمان بالکل چھپ کر تھا۔ مگر قریب کے اس شرکار کا چمکی سڑکیں اور گلیاں پوری طرح روشن تھیں۔ جب تک جنگ ملک کرتے اس شہر نگاروں سے تاریک رات کے سیاہی بھی شکست کھا چکی تھی۔ رات کے ٹھیک گیارہ بجے پانچ لمبی لمبی کار میں فروری کی کونھی سے نکل کر تیزی سے منگھو پیر کے طرف دوڑنے لگیں۔ ہر کار میں پانچ آدمی سوار تھے اور وہ سب کے سب رانظوں، رولر اوروں، اسٹین گنوں اور دستی بموں سے مسلح تھے۔ مین فرور، شرافت علی، خان اور گل زمان کے ہمراہ سب سے آگے والی کار میں تھا۔ آہستہ آہستہ کاروں کے درمیان فاصلہ بڑھنا شروع ہو گیا۔ جلد ہی ہر کار دوسری کار سے اتنے فاصلے پر چلنے لگی کہ اب کوئی انھیں دیکھ کر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق ہے اور وہ پانچوں آگے پیچھے ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ تقریباً نصف گھنٹے کے بعد ہم سانس کے علاوہ سب سبوں اور نیکٹوں کی دور در دور قطاروں کو پیچھے چھوڑ کر جھوٹی بڑی پہاڑیوں اور ٹیلوں کے درمیان پہنچ گئے۔ اس روشن علاقے سے منگھلے ہی ہم نے اپنی کار کی ٹیل لائٹ سمیت تمام روشنیاں بجھا دیں۔ یہاں رات پوری طرح آئنا دامن پھیلائے کھڑی تھی۔ ہر سو گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بھٹوڑے فاصلے کی چیز بھی آنکھیں بچھاڑ پھینا کر دیکھنے کے باوجود صاف دکھائی نہیں دیتی تھی۔ جلد ہی ہم اس پہاڑی کے نزدیک پہنچ گئے جس کی نصف بلندی پر بابا کا آستانہ تھا۔ یہاں پہنچ کر بروگرم کے مطابق تمام کاریں ٹھک سے اتار کر ادھر ادھر مختلف ٹیلوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑی کر دی گئیں اور ان میں سوار لوگ پانچ پانچ کی ٹولیوں میں اطراف میں پھیل کر آستانے کی طرف بڑھنے لگے۔ فیروز خان اور کل زمان بیٹوں مجھ سے جدا ہو کر چلنے لگے تھے۔ میں اور شرافت علی ساتھ ساتھ تھے۔ منصوبہ یہ تھا ہمارا کردوسرے تمام لوگ آستانے والی پہاڑی کے گرد و قریب اطراف

سے گھبرا اٹھاں کہ اس قدر ہلک و ہلک وہیں رچکے زمین کے جب جہلم انھیں آگے بڑھنے کا اشارہ ملے میں اور شرافت علی سلسلے سیدھے راستے سے جا میں گئے اور ہمارے اندر جانے کے بعد ہمارے پیچھے آنے والے فز و خان اور گل زمان اندر داخل ہونے والے راستے کے دائیں بائیں جھپ کر اس کی نگرانی کر رہے تھے تاکہ اگر اندر جانے کے بعد ہمیں کوئی مشکل پیش آئے تو ہم انھیں اچھدو کے لیے بلا سکیں۔ اس کی امید کم تھی کہ ہمیں اندر کسی شکل کا موثر حال سے دوچار ہونا پڑے۔ زیادہ ارکان ایسی تھا کہ میں باہر ہی رہنے کی کوشش کی جلتے گی۔ آستانے کی حفاظت پر امرادلوگ سامنے ہی ہو سکتے تھے۔ پہاڑی کے یقین میں طرف تو انھوں نے لیا استقام کر رکھا تھا کہ ادھر سے کوئی خطرہ ہی نہیں رہتا تھا انھیں۔

جیسے ہی ہم اوپر چڑھ کر غار کے دہانے نما دروازے کی طرف مڑے، اچانک ہم دونوں روشنی میں نہا گئے اس اچانک ہونے والی روشنی نے میری آنکھیں چندھادی تھیں۔ چند لمبے تو جھپکچھ دکھائی ہی نہیں دیا۔ میں نے اپنی آنکھوں کو ایک ہاتھ کی تھیمپلی کی اوٹ میں لے کر روشنی کے متنزل کی طرف دیکھا۔ وہ روشنی کسی طاقت و درمارچ سے خارج ہو رہی تھی۔ کوئی نیارچ روشن کر کے ہمارا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا: یوں کہو ہے، ہمیں ایسے نیارچ سمجھاؤ، تم نے بالکل اندھا کر کے رکھ دیا ہے میں؟“

دوسرے ہی لمحے تارین کچھ غشی اور کسی نے میرا نام لے کر کہا: ”ارے غلام چلتا ہی تم اس وقت کیوں آئے ہو یہاں؟“  
 ”تم کون ہو میرے بھائی؟“ ذرا اپنی شکل تو دکھاؤ مجھے۔  
 تاکہ میں یہ جان سکوں کتنیں مجھے یہ سوال کرنے کا حق بھی ہے یا نہیں؟“  
 ”موجود ضرور۔ تم میری شکل منور دیکھو لیکن یہ بات ذہن نشین کر لو کہ .... یہ سوال کرنے کا حق مجھے ہر اس شخص سے ہے جو جیسے وقت اور بغیر اعلان کے یہاں آتا ہے، چاہے وہ کتنے ہی بڑے مرتبے والا کیوں نہ ہو؟“

اس نے یہ کہتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اپنے قریب ہی دلواریں لگا ہوا کوئی سویرچ اُن کی آغوش فرما رہی تھائیں کہ وہ اپنے کی چھت میں لگا ایک لمبی روشنی کا بلب روشن ہو گیا۔ اب اس کی روشنی اتنی تھی کہ کم و بیش ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ وہ ایک دروازہ تھیں، کسے ہوئے جسم کا خاصا تندرست اور توانور شاخص تھا۔ اس کے ہاتھ میں بیسول دبا ہوا تھا جس پر سائلنسر بھی چڑھا رکھا تھا۔ اس نے غالباً وہ لنگ اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ آستانے پر پہننے والی کبھی بھی بڑھڑکے دوسروں کو خبر ہو سکے۔ عوام میں اس آستانے کی شہرت بہت اچھی تھی۔ لوگ اسے ایک کامل بزرگ کا آستانہ جان کر وہاں جاہزی

کے لیے آتے تھے۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ اس پاس کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے۔ میں نے ابھر ابھر نظر میں دوڑاتے ہوئے کہا۔  
 ”اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تھیں بابا صاحب نے بڑے اختیارات سے رکھے ہیں، کسی کو خطاطی میں نہیں لاتے ہو تم؟“  
 ”اس دیرانے میں اس کے بغیر تو بھی نہیں جاسکتا نا؟! دشن کا کس کو پتا ہوتا ہے کہ کب کس روپ میں آکھسے وہ یہاں؟“  
 اس نے مسکراتے ہوئے کہا: ”اور یہ شرافت علی کو اپنے ساتھ کیوں لاتے ہو تم ادھر؟“  
 ”مجھے بابا صاحب سے کچھ بہت ضروری باتیں کرنا ہیں اس وقت اسی لیے آ رہا ہوں۔ میں نے تجھے بتا نہیں تھا کہ بابا صاحب کے پاس آنے سے پہلے اطلاع دینا ضروری ہے اپنے آنے کی۔ اور شرافت کے ساتھ آنے پر کیا اعتراض ہے تمہیں؟“ میں نے کہا۔  
 ”یہ تمہیں بابا صاحب ہی بتا سکیں گے تم ٹھہرو ادھر ابی میں انہیں خبر کرتا ہوں تمہارے آنے کی۔“ یہ کہہ کر وہ اندر جانے کو مڑا۔

میں نے تیزی سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: ”نصہرو  
بھائی! بات سنو میری، تم لوگ کیا بابا صاحب سے؟“  
وہ آگے بڑھتے چڑھتے رگ کمریری طرف مڑنے کو بولا: ”کیا  
کوئی خاص پیغام دینا چاہتے ہو تم؟“  
”ہاں یار! ادھر آؤ میں بتاتا ہوں تمہیں کیا کہنا ہے ان سے“  
میں اس کے بالکل قریب پہنچ کر رک گیا۔

وہ سمجھا ادا قی میں اس سے کوئی اہم بات کنا چاہتا ہوں۔  
لنواہ پوری طرح میری طرف متوجہ ہو کر مجھے سوالیہ نظر دے دیکھنے  
لگا۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اس طرح اپنی  
طرف جھبکا یا جیسے میں اس سے کوئی مازکی بات کہنے جا رہا ہوں  
چنانچہ وہ صاف مندی سے میرے اوپر خرب ہو گیا۔ میرا ہاتھ جو اس  
کے کندھے پر دھرا تھا، سرگ کر گردن پر آگیا اور ہک جھپکنے میں  
اس کی رگ اساس میرے انگوٹھے سے نیچے آکر ٹسل گئی۔ اگلے  
یہ وہ کسی نواہ کر کے ہوئے درخت کی طرح جھج پر گرنے لگا۔  
میں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹھا کر آرام سے نیچے اٹا دیا۔  
شرافت ملی ایک کر میرے پاس پہنچا اور صر سے آٹھینچ پھاڑ  
کر اسے تکتے ہوئے لولا۔ یہ اسے ایک دم کیا ہو گیا جیسی یہ تو  
بالکل نئے جان گب دہلے مجھے؟

میں نے گنے والے کے ہاتھ سے بے آواز رویا اور لے کر گشتی کے انداز میں شرافت علی سے کہا: اونچی آواز میں بات مت کرنا! اور فریاد و خیرہ کو سننے سے دوادھر کے کانیں اندر چار ہاں ہول تم ان میں سے ایک آدمی کو ہاں چھوڑ دینا، وہ اس بے ہوش پڑے ہوئے شخص کی بخرا کی بھی کرے گا اور یہ بھی

خیال رکھئے گا کہ اندھ ہمارے کارروائی کے دوران کوئی باہر سے اندر نہ آ سکے۔ اس کے بعد ہم پہاڑی کے اطراف میں پیچھے ہوئے اپنے تمام آدمیوں کو گھسیٹ کر دو گئے۔ مجھے امید ہے جب تک وہ پہاڑی کے خطرناک مقام تک پہنچیں گے میں اندر کا کام نہ کر چکا ہوں گا۔ اسے ہایت دینے کے بعد میں نے بے ہوش ہوش شخص کو مارے بھی اعلیٰ اور اندر داخل ہو گیا۔

پہلے دسین ہال میں پاؤں دھرتے ہی میری نظر ایک شخص پر پڑی جو بائیں طرف کی دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے ایک چڑے سے فلیڈو ڈین کے سامنے کرسی پر بیٹھا اس کی اسکرین کو غور دیکھ رہا تھا۔ شیلی ڈین کی اسکرین پر رات کی سیاہی میں کسی پہاڑی کا دھندلا دھندلا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ اور پہاڑی کے دامن میں کچھ متحرک سا شے نظر آ رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھنے کے بعد مجھے یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ رات کے وقت آستانے کی حفاظت کے لیے کیا انتظام کر رکھا ہے ان لوگوں نے۔ اس روز جب لڑی کے ساتھ میں یہاں آ رہا تھا تو اس جگہ پر شیلی ڈین تھا اور نہ ہی کوئی ایسا شخص نظر آ رہا تھا۔ مجھے جسے ہوش مند کا جانے کہ اس وقت تو یہاں بہت سے فلنگ ٹائپ لوگ ادھر ادھر بیٹھے نشہ آور اشیا کے دم لگا رہے تھے یا نیتے میں ڈوبے منہ آندھ ہائے چڑے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پہاڑی کی نگرانی کا انتظام ابھی حال ہی میں کیا گیا تھا۔ یقیناً یہ سب کچھ پہلے بھی موجود تھا یہاں سے اور دن کے وقت کمپوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی مابے شمار لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے پانچواں اس وقت کوئی خطرہ نہیں ہوتا لہذا وہ اسے دن میں کسی نہ کسی طرح آنے جانے والوں کی نظروں سے چھپا دیتے ہیں۔ اسے پوشیدہ رکھنے کے لیے وہ کوئی سادہ طریقہ استعمال کرتے ہیں یا یہ کسی وقت دن میں آکر یہاں کا جائزہ لینے پر ہی معلوم ہو سکتا تھا۔

اس وقت ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی پوری  
توجہ ٹیلی ویژن کی اسکرین کی طرف تھی لہذا اسے میری وہاں موجودگی کا  
احساس تک نہیں ہوسکا تھا۔ اسکرین پر جو کچھ بہاڑی کے دامن میں  
کچھ سامنے حرکت کرتے دکھائی دے رہے تھے چنانچہ وہ پورے  
انہماک کے ساتھ ان کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے میں مصروف  
تھا۔ میں دبے پاؤں چلتے ہوئے اس کے بالکل پیچھے جا کھڑا ہوا۔  
وہ ہنوز کچھ ٹیلی ویژن اسکرین کی طرف متوجہ تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر  
ٹی وی کی ٹاب گھمانا شروع کر دی۔ اسکرین پر نظر آتے والی بہاڑی  
آہستہ آہستہ گھومتی ہوئی دکھائی دینے لگی تھی، دھیرے دھیرے  
بہاڑی کے دوسرے حصے اسکرین پر نمودار ہوتے جا رہے تھے۔ ہر  
طرف منظر ایک ہی جیسا تھا۔ وہی تاریخی انداز تاریخی ماحول ٹھوڑے  
ٹھوڑے فاصلے پر بہاڑی کے دامن میں حرکت کرتے ہوئے سامنے



جواہر آہستہ آہستہ ہماڑی پر چڑھ رہے تھے۔ پھر اچانک ہلکی ہلکی روشنی کے جھماکے ہوئے، اس کے ساتھ ہی سانسے تیزی سے اوپر چڑھنے دکھائی دینے لگے۔ ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص نے تیزی سے تاب گھما کر روشنی کی اور حجب آستانے میں داخل ہونے والے دروازے کا منظر سامنے آیا تو اس نے ہاتھ چٹایا۔ یہاں مدھم روشنی میں ایک شخص دونوں ہاتھوں میں رولڈ ہارڈ پورسٹ کھڑا کسی ایسے چوکنارن کی طرح ادھر ادھر دھونک رہا تھا جس نے قریب ہی کہیں شکاری کی آہٹ سن لی ہو یا اس کی بو ہوا کے دوش پر اس کی ناک تک پہنچ گئی ہو۔ میں نے اسے فوراً پہچان لیا، وہ گل زمان تھا۔ اس کی وہاں موجودگی کا مطلب یہ تھا کہ فیروزہ وغیرہ بھی میری طرح اس ہال میں آچکے تھے۔ میں نے کن انھیں سے اس طرف دیکھا جہاں دھڑکنے پر گھر میں یہاں پہنچا تھا۔ وہ میٹوں مجھ سے کچھ ہی فاصلے پر موجود تھے۔ وہ بھی میری ہی طرح دیے قدموں سے یہاں تک آئے تھے، ان کے آنے کا مجھے تک احساس نہ ہو سکا تھا۔ فیروزہ اور خان کے ہاتھوں میں اسٹیشن ٹیکس تھیں، جنھیں ان دونوں نے اس شخص کی طرف تان رکھا تھا۔ میں نے فیروزہ کو آگے کھانے کے لیے سمجھا یا کہ وہ اس شخص کو سنبھالے اور شرافت علی کو اپنے پیچھے آگے کا اشارہ کر کے اس طرف مڑ گیا جہاں اس پر پیسے بوری سے میں لڑی کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں یہاں تک گرا کر کسی جھگڑے میں الجھ کر اندر موجود آنرک کو ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا، کیوں کہ ہمارا پروگرام اسے زندہ بچا کر اس سے پاکستان میں ان کے آلہ کاروں کے بارے میں معلومات اگوانے کا تھا۔ ارادہ یہ تھا میرا کہ اچانک اس کے سامنے پہنچ کر اسے آستانے پر دشمنوں کے حملے کی خبر دے کر لوکلہا دونوں کا ادھر اسی گھبراہٹ کے عالم میں اسے اپنے ساتھ باہر نکال لاؤں گا جہاں فیروزہ وغیرہ اسے بچر کر باندھ لیں گے۔ لیکن جیسے ہی میں ادھر جانے کے لیے مڑا، آستانے کے اندر ایک وقت کئی مقامات پر زور زور سے کھٹنے بجنے لگے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، فیروزہ اور خان کی اسٹیشن گنوں نے زمین اسی لمحے شعلہ افکار شروع کر دیے۔ میں مزید کچھ دیکھنے کے لیے وہاں رکنے کے بجائے آنرک والے سمت کی طرف دوڑ پڑا۔ شرافت علی میرے ساتھ تھا۔

آنرک کے ساتھ میں آدمی اور بھی وہاں موجود تھے اور وہ تینوں یو پی بارش خندے معلوم ہوتے تھے۔ وہ چاروں حیرت اور تعجب کے عالم میں ادھر رہی دیکھ رہے تھے جہاں سے میں اور شرافت علی اندر داخل ہوئے تھے۔ ہم دونوں کو رولڈ اور بدست یوں اندر کھینچے دیکھ کر وہ چاروں نہایت تیزی کے ساتھ انجینی اٹی جگہ سے اٹھ تھے۔ آنرک اٹھتے ہی گرج کر بولنا یا کیا بات ہے؟ تم دونوں اس طرح آستانے میں کس تہیت سے گھسے چلے آئے ہو۔

نبردوار انجینی جگہ سے ایک قدم آگے نہ بڑھنا باب! میں نے اس کی دازنک کو نظر انداز کر کے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بول کھلا ہٹ کے انداز میں کہا: اودہ جناب! آپ ہماری طرف سے کسی بدگمانی کا شکا نہ ہوں۔ جلدی سے باہر نکلنا یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے اب، دشمن نے تین طرف سے ہماڑی پر پلٹنا کی بوٹی ہے۔ ہم آپ کو یہاں سے کھانے کے لیے آئے ہیں۔ میرے نزدیک ہی زیادہ وقت نہیں ہے اب۔

لیکن وہ دشمن ہے کون اور تمہیں کیسے علم ہوا کہ اس نے ہماڑی پر پلٹنا کی ہوئی ہے؟ آنرک نے شکوک لیے میں پوچھا۔

وہ جناب! ہم دونوں اس اتفاق سے آگئے تھے ادھر اس وقت۔ باہر موجود ایک شخص نے ہمیں اندازے سے روکا۔ ہم نے آپ کا حوالہ دیا تو وہ ہمیں اندر اپنے دوسرے ساتھی کے پاس لے آیا۔ وہ اس وقت ٹیلی ویژن اسکرین پر ہماڑی کا جائزہ لے رہا تھا جہاں ہر طرف بے شمار سامنے حرکت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہمیں سامنے لائے والے صورت حال کو مزید طور پر جاننے کے لیے باہر دوڑ گیا اور ہم دونوں آپ کو لینے کے لیے ادھر آگئے۔ یہاں آتے ہوئے ہم نے کھٹے بجنے اور گولیاں چلنے کی آواز سنیں تھیں اپنے پیچھے۔

اور تم دونوں اس وقت یہاں کیوں آئے تھے؟ کیا کام تھا تمہیں مجھ سے؟ آنرک مجھ پر اعتبار کرنے کو آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔

میں اگلے کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ پیچھے سے فیروز نے چلا کر کہا: یہ تمہاری بات نہیں سامنے گا جیلا کی اسائن سے ہٹ جاؤ، ہم اسے ابھی سمجھا دیتے ہیں کہ تم دونوں کس لیے آئے تھے یہاں اس وقت؟

وہ دونوں بھی باہر والے آدمی کو شاید ٹھنڈا کر کے ہائے پیچھے ہی چلے آئے تھے۔ میں اور شرافت علی ان چاروں کے سامنے اس طرح کھڑے تھے کہ ہمارے پیچھے سے انھیں نشانہ جانا ممکن نہیں رہا تھا۔ فیروز کی آواز سن کر میں نے سمجھ لیا کہ اب آنرک کو زندہ بچرٹنے کے لیے ہماری چال کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ وہ اگر اندر آنے کے بجائے باہر رہی رک کا انتظار کرتے تو شاید یہی کسی نہ کسی طرح آنرک کو باہر نکلنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن انھوں نے اندر گرا اور مجھے مخاطب کر کے مجھ سے اپنا تعظا ظاہر کر دینے کے بعد اسے نامکین بنا دیا تھا۔ اس کے سوا اب کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ میں گھل کر آنرک کے سامنے آ جاؤں۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر اپنا رولڈ آنرک پر سیدھا کر کے کہا: تمہارا کھینچ تم ہو چکا ہے آنرک! زندگی چاہتے ہو تو خود کو ہمارے حوالے کر دو، تم چاروں اپنے اپنے ہاتھ اور پاؤں لٹاؤ!

میرے ساتھ ہی ساتھ شرافت علی نے بھی اپنے رولڈ کو آگے اٹھانے کی طرف کر دیا تھا۔ آنرک کے ساتھ کھڑے ہوئے تینوں افراد نے جلدی سے اپنے اپنے ہاتھ اٹھا کر سر پر دھر لیے تھے، مگر آنرک میری بات سن کر قطعہ لگا کے بولا: بچے ہو ابھی پروردار! میرے بارے میں جانتے نہیں ہو ابھی، میں تیری سرگرمیوں کو پہلے ہی شک کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا لیکن وہ بے وقوف لڑی میری باتوں پر یقین نہیں کرتی تھی، اسے بڑا مان ہے اپنے سن پر وہ کتنی تھی اس نے مجھے اپنی لطفوں سے باندھ کر لے کر دکھا ہے، تو ہمارے خلاف سوچنے کی بھی غلطی نہیں کرے گا کبھی، مگر میں کی مسلمان پراندا تھا اعتبار نہیں کرنا، میں جانتا ہوں تمہاری قومی غیرت کسی لمحے بھی بیدار ہو سکتی ہے، تم لوگ کسی وقت بھی سرکشی اور فسادات پر آمادہ ہو سکتے ہو۔ مجھے بتاؤ لڑی کے ساتھ کیا سلوک کر کے آئے ہو تم؟ وہ زندہ ہے یا اسے ٹھکانے لگا دیا ہے تم لوگوں نے؟

اس کی تم فکر نہ کرو میری دیکھو! ہم نے سب کا انتظام کر دیا ہے۔ اگر تم نے خود کو ہمارے حوالے نہ کیا اور مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں بچ سکو گے آج۔ تم دونوں آگے گاہیں سنبھالو! میں اس پر پیسے کو دیکھتا ہوں، میں نے خان اور فیروز کو مخاطب کیا۔ انھیں آگے بڑھتے دیکھ کر آنرک نے ہلکی کی سی تیزی سے جہت لگائی اور ہماڑی اٹھنا ہوا ایک نیم تاریک گوشے میں جا بھڑا۔ وہاں پہنچتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن دوسرے لمحے جب میرے سامنے آیا تو اس کے ہاتھوں میں دو دستی بم بچرٹے ہوئے تھے۔ اس نے میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی ایک دستی بم کی پین دانتوں سے کھینچ کر میری طرف اچھال دیا۔ بم کو اپنی طرف آگے دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ اس نے کیا حرکت کی ہے، میں نے اپنے اسان بھال رکھتے ہوئے پھر پی سے ہاتھ آگے بڑھایا اور بم کے قریب آتے ہی والی بال کے انداز میں اسے ہاتھ مار کر آنرک کی طرف واپس کر دیا میری اس حرکت نے آنرک کو بول کھلا دیا۔ وہ دوسرے بم کی پین کھینچنے کے لیے اس منہ کے قریب لے جا چکا تھا لیکن پہلے پھینکے ہوئے بم کا نتیجہ دیکھتے ہی اس نے پھر ایک جہت کی اور دائیں جانب کی دیوار کی طرف بھاگ چلا گیا لیکن اسی وقت دھماکا ہوا اور چاروں طرف ہلکے گہرے رنگ کا دھواں پھیلنا شروع ہو گیا۔ دھواں کو دیکھتے ہی فیروز نے چلا کر کہا: جیلا کی! ہوشیار ہو گیا۔ دھواں نے تمہاری طرف چھٹ کر تھا۔ اس دھواں کی آڑ میں یہ شاید اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، ہم سے مقابلہ کرنے کے لیے!

دھواں ابھی زیادہ نہیں پھیلنا تھا۔ اس کا حجم آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ میں نے فیروز سے کہا: تم ان تینوں کا ٹانگہ ٹھاکر کرو، میں اس کو دیکھتا ہوں! یہ کہہ کر میں نے دھواں کی دیوار پار کرنے

کے لیے اس طرف پھلکا، ہلکا دی جہاں ابھی دھواں نہیں پھیلنا تھا۔ دھواں کے اس پار جاتے ہوئے میں نے خان کو یہ کہنا سنا کہ ختم کرو باران سالوں کو میں، ہم کس لیے پھر میرے گے انھیں!

اس کے ساتھ ہی اسٹیشن گن سے گولیاں چلنے کی آواز سنانا دہی اور پھر انسانی چیخیں اور گراہیں ابھرنے لگیں۔ میں نے آدھ پینچ کر آنرک کی تلاش میں ادھر ادھر نظروں میں دوڑانا شروع کر دیں اس کا کہیں نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ جہاں وہ بھاگتا تھا اس طرف دیواروں میں ایک دروازہ کھلا ہوا دکھائی دے رہا تھا مجھے میں سمجھا شاید ادھر کوئی گھر ہے جہاں اس بہروپ سے اسلحہ وغیرہ جمع کر رکھا ہے، لہذا میں نے بھی اس دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس سے پہلے کہ میں دروازے تک پہنچاں میں نے دروازے کو کھٹے ہوئے محسوس کیا، یوں لگ رہا تھا جیسے دو لوگ اس طرف کی دیواریں آہستہ آہستہ گڑھ کر اس کو بند کر دینا چاہ رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی میں پوری قوت سے دوڑنا ہوا دروازے کو پکڑ گیا۔ میں جب اس کے بالکل نزدیک پہنچا تھا تو مجھے یوں لگا کہ جیسے دونوں طرف سے بڑھتی ہوئی دیواریں ایک جگہ کے ساتھ رک کر یوں پیچھے بڑھتی تھیں جیسے وہ مجھے اس دروازے سے گزرتی کے لیے راستہ دے رہی ہوں۔ اس طرف دیا ڈھائی فٹ ہموار زمین کے بعد سینٹ کا پختہ فرش دھواں کی طرح نیچے پھیل چلا گیا تھا۔ تقریباً آٹھ دس فٹ چوڑی اس پختہ دھواں کے دو دروازے طرف میں تین فٹ چوڑے چھوٹے چھوٹے زینے بنے ہوئے تھے یہ کوئی تہ خانہ معلوم ہوتا تھا جس کی دیواروں پر دونوں جانب روشنی کے لیے بلب لگے ہوئے تھے جن کی مدھم روشنی میں یہاں کی ہر چیز دیکھی جاسکتی تھی۔ میں اس دھواں پر دوڑنا چلا گیا۔ ایسا لگا تھا جیسے وہ کوئی سرنگ تھی جو اب دھواں کی شکل میں بنے ہوئے تھے اس پختہ چلی جارت تھی۔ آگے بڑھتے ہوئے مجھے اپنے آگے دوڑتے ہوئے تہ خانہ کی آوازیں برابر سنائی دے رہی تھیں۔ صاف معلوم ہوا تھا کہ کوئی مجھے چندہم آگے دوڑ رہا ہے۔ یقیناً یہ آواز آنرک کے قدموں کی تھی، وہی مجھ سے پہلے اس سرنگ میں گھسا تھا مگر وہ مجھ سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گو یہاں بہت مدھم روشنی تھی مگر اس ہلکی روشنی میں بھی اپنے سامنے کافی آگے تک پہنچا جاسکتا تھا۔ آنرک کے نظروں نے کسی کی وجہ سے تھکی ہوئے تھے آگے آتے ہاتھوں پر تھا کہ میری نظروں کا احاطہ نہیں کر پار ہی تھی مگر تک اندر بند جگہ ہونے کی وجہ سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں ابھی تک ہزار پونچ رہی تھیں، جس طرح میں آنرک کے قدموں کے

آوازیں سن رہا تھا اسی طرح آنرک بھی یقیناً میرے قدموں کے آوازیں سن رہا ہوگا جیسی وہ اب تک سمجھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ ورنہ اس سرنگ میں اتنی دور آجائے کے بعد اسے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے اس طرح بھاگنے سے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس سرنگ کے دوسری جانب بھی باہر نکلنے کے لیے کوئی راستہ ضرور ہوگا۔ یوں بھی سرنگ جس طرح بنائی گئی تھی اسے دیکھ کر ہی کہا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی زیر زمین ایسا راستہ ہے جس کے ذریعے نظریے کے لیے کام کرنے والے ایسے لوگوں کی آمد و رفت دستی ہوگی جو کسی کی نگاہ میں آئے بغیر آنرک تک پہنچنا چاہتے ہوں گے اس کی لمبائی چوڑائی اور اونچائی کو دیکھتے ہوئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہاں چھوٹی بڑی گاڑیوں کی آمد و رفت بھی ہوتی ہے۔ یہ تو مجھے معلوم ہی تھا کہ اس آستانے کو نشیات کے کاروبار کے مقامی مرکز کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ کراچی کے باہر سے آنے والی تمام نشیات، بیرونی، چرس، کوکین اور دیگر تمام قسم کی نشہ آور اشیاء یہیں اسٹور کی جاتی تھیں اور یہیں سے انھیں دیگر علاقوں میں بیدیاں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ نشیات کو آستانے تک پہنچانے کے لیے بھی شاید راستہ بنایا گیا تھا۔ اگر میرا اندازہ درست تھا تو اس سرنگ کا اختتام کسی عمارت کے احاطے میں ہونا چاہیے تھا۔

ہم بہت دور تک آچکے تھے لیکن سرنگ کا آخری سڑاب تک نہیں آسکا تھا، میرے آگے بھاگتے ہوئے آنرک کے قدموں کی آواز سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میرے اور اس کے درمیان فاصلہ اب آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ شاید آنرک بھاگتے بھاگتے تنک گیا تھا، جس کی وجہ سے اس کے پاؤں سست پڑنے لگے تھے۔ لیکن اندازہ ہوتے ہی میں نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ چند ہی ثانیے بعد آگے بڑھائی شروع ہو گئی، میں نے آنرک کو اوپر کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھ لیا۔ میرے اور اس کے درمیان اب بھی اچھا خاصا فاصلہ تھا، مگر میں اب اسے بخوبی دیکھ رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر دیکھنے بغیر بھاگا جا رہا تھا لیکن اس کے قدم پوری طرح اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت تنک چکا تھا، میرے ساتھ میں سانس بند لگا ہوا پلو اور موجود تھا جس نے پلو نور سید جاکر کے اس کی تنگ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی اپنا تک مجھے اپنے پیچھے سے بھی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اب تک میں سمجھ رہا تھا کہ اس سرنگ ناراستے پر دوڑنے والے آنرک اور میں صرف دو ہی افراد ہیں۔ لیکن کسی میرے شخص کے وجود کا احساس ہوتے ہی میں چونک پڑا۔ میری تیرائی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ میں نے راستے میں کوئی موڑ یا کوئی ایسا دروازہ نہیں دیکھا تھا جس کے بارے میں یہ سوچا بھی

جا سکتا کہ میرے تعاقب میں آنے والا اس طرف سے نکلی کر میرے پیچھے ٹک گیا ہوگا۔ آنے والے کے قدموں کی آواز زیادہ دور نہیں تھی لہذا آواز سننے ہی میرا پیچھے ہٹ کر دیکھنا ایک فطری امر تھا۔ میں نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا اور یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ میرے تعاقب میں آنے والا شرافت علی تھا۔ لیکن میرا لیے پھر کا پیچھے ہٹ کر دیکھنا آنرک کو زندہ رہنے کا بہانہ بناتا کر گیا۔ شرافت علی کو دیکھ کر میں دوبارہ آنرک کی طرف چلا تو وہ، غائب ہو چکا تھا۔ اسے نہ پا کر میں پوری قوت سے دوڑتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ شرافت علی نے پیچھے سے مجھے آواز دی "جیلانی! آگے نہ جاؤ، وہ ادھر ہی بائیں ہاتھ کا ایک دروازہ میرے گھسٹا ہے۔"

میں نے شرافت علی کی بات سنتے ہی رک کر اپنے بائیں ہاتھ کی دیوار کو دیکھا، دیوار بالکل ہموار تھی۔ وہاں کسی دروازے یا ٹھکانے کا کوئی نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ میں نے حیران ہو کر شرافت علی کو دیکھا اور بولا "کون سے دروازے کی بات کر رہے ہو بھئی؟"

وہ میرے قریب پہنچ کر اپنی بھولی ہوئی سانسوں پر پتلا پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "ادھر بیاں، اس نے دیوار پر ایک جگہ ہاتھ رکھ کر مجھے بتایا، ٹھیک ایسی جگہ سے اندر گیا ہے وہ میں نے دیکھا ہے خود اپنی آنکھوں سے۔"

ہے شرافت علی! اگر بیاں کوئی دروازہ ہے تو اسے کھولنے اور بند کرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہی ہوگا نا، ایسا جادوئی دروازہ نہیں ہو سکتا کوئی کھنوں میں آنرک کو نکل کر اس طرح بند ہو جائے، جیسے اس کا پیلے کوئی وجود ہی نہ رہا ہو۔ تم یہ بات اسنے یقین سے کیوں کہ رہے ہو؟ مان لو کہ تمہاری آنکھوں نے دھوکا کھایا ہے۔"

"میں جیلانی! میں نے یہ کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ یہاں دروازہ ضرور ہے۔ یہ جو تم اس دیوار پر اوپر سے نیچے تک ساتھ لائنیں بنی دیکھ رہے ہو یہ اس دیوار کی ترجیحات کے لیے مرکز نہیں ہیں۔ تم خود سوچو، ایک ایسے تجربے میں جس کا چند مخصوص لوگوں کے سوا کسی کو علم بھی نہ ہو، مزید ورنیت کا سامان کرنے کی کیا ضرورت ہے کسی کو، کون اسے دیکھنے آتا ہے یہاں؟"

"بات تو تم نے ٹھیک ہی کہی ہے شرافت علی! پھر ان لائنوں کا کیا مقصد ہے تمہارے خیال میں؟ میں نے دریافت کیا۔"

وہ مسکرا کر بولا "یہ بیاں موجود دروازے کو دوسروں کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔"

میں نے ذرا حیران ہو کر پوچھا "کیا مطلب ہے تمہارا یہ تعارض؟ بات میری سمجھ میں نہیں آتی ہے اب تک۔ ان ایک ایک اپنے کی سیات پتیلوں کا کسی دروازے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"میرے بھائی! اتنی سائنس کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے ہے تمہاری سمجرت ہے مجھے۔ تم تو یہ جانتے ہو نا کہ اگر دیوار میں کوئی خفیہ دروازہ بنا ہو تو اس کے جوڑ دیوار میں الگ ہی نظر آتے ہیں۔ کتنی ہی مہارت سے کام کیا جائے ایک بار تک کسی کی نظر غور و آتی ہی سمجھے جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ یہ پتیاں اس کیلئے چھپانے کے لیے بنائی گئی ہیں اب سمجھو؟" اس نے کہا۔

میں اس کی بات سن کر اچھل پڑا۔ اس نے واقعی ٹھیک ایسی بات بتائی تھی جس کے بارے میں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ مجھ سے باتیں کرتے ہوئے مسلسل دیوار پر ہاتھ بھرتا اور اسے ٹوٹا جا رہا تھا۔ اس کی بات سن کر اچانک مجھے خیال آیا کہ میں نے جب دیوار پر ہاتھ بھرتا تھا تو میری انگلیاں ایک جگہ آگئی تھیں، ایسا ہی لگتا جیسے اس جگہ سے دیوار کا پتلا سڑک سا چٹخ گیا ہو جس کی وجہ سے وہاں ہلکی سی دراڑ پڑ گئی ہو۔ میں نے یہ خیال آتے ہی فوراً اس دراڑ کو دوبارہ تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی، اور جلد ہی مجھے اس میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ میں نے شرافت علی سے کہا "ابوہر آؤ، یہ دیکھو شرافت علی! میرا خیال ہے جو کچھ تم اس دیوار میں ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہو، میں نے اسے تلاش کر لیا ہے۔"

شرافت علی نے قریب آ کر اس جگہ ہاتھ بھرتا جہاں میرا ہاتھ تھا

بہا تھا، پھر ایک دم اچھل کر بولا "بالکل ٹھیک جگہ ہاتھ رکھا ہے تم نے؟"

وہ اپنے ہاتھ کو اوپر تک لے گیا، اس کے بعد نیچے لایا۔ اور مسکراتے ہوئے بولا "یہی ہے وہ دروازہ، لیکن یہ کھلے گا کس طرح سے؟"

میں نے کہا "میرا تو خیال ہے آنرک نے دوسری طرف جاکر اسے اس طرح بند کر دیا ہے کہ اب اس طرف سے اسے کھولا نہیں جاسکے گا۔ بہتر ہے کہ ہم یہاں وقت برباد کرنے کے بجائے واپس چلیں۔ وہ بیودی پتہ تو اب ہمارے ہاتھوں سے نکل ہی ہے گیا سمجھو؟"

"اس کا اس طرح نکل جانا ہمارے حق میں اچھا نہیں ہوگا کیسے؟ جیلانی! اب تو ہماری تنظیم کے کھلی جنگ شروع ہو چکی ہے سمجھ لو؟"

"اسنے دفع کر مارا جو ہونا تھا ہوگا۔ پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اب۔ اور یہ کوئی خلاف توقع بات تو نہیں ہوئی ہے نا، ایسا ہونا تو ایک دن ضروری تھا۔ اچھا ہے اب کھل کر مقابلہ ہوگا اور ہم ایک ایک کو جن جین کر ختم کرتے جائیں گے۔ یہ بات کہ میں ہاتھ لو لہ شرافت علی! اب کوئی مصلحت ہمارے آٹے نہیں آئے گی کسی کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کریں گے ہم۔ جہاں جو ہمارے سامنے آگیا اسے مٹی میں ملنے کی کوشش ہی کرنا ہے ہمیں پس اس کے سوا کچھ نہیں کرنا اب؟" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے فیصلہ کرتے انداز میں کہا۔

"ہاں اب تو ایسا ہی کرنا پڑے گا؟ وہ میرے پیچھے پیچھے والیسی کے لیے طرے ہوئے بولا "جو لوگ ہمارے سامنے ہیں انھیں کوئی تواب پہلی فرصت میں ان کے چوکنا ہونے سے پہلے ہی ٹھکانے لگا دینا چاہیے ہیں۔ یہاں سے نکلنے کی سیدھے لڑی کی قبر کا منتقام کرنے چلو پہلے۔"

"ہاں اب اس مارا آستین کا ہمارے درمیان رہنا مناسب نہیں ہے کسی طرح بھی۔ شاید آنرک بھی یہاں سے نکل کر سیدھا ہزاری کے پاس ہی پہنچے گا۔ وہ اگر وہاں ٹھکرا گیا ہیں تو ان دونوں کو ہمے ٹھکانے لگا دیں گے ہم۔ ان کا زندہ اور آزاد رہنا خطرناک ہے ہمارے لیے۔" میں بولا۔

ہم دونوں بھاگتے ہوئے آستانے کی طرف واپس ہوئے۔ ابھی ہم نے ادھر راستہ ہی طے کیا تھا کہ اپنے ساتھ سے بہت سے لوگوں کی بھاگتے ہوئے اپنی طرف آنے کی آوازیں سن کر ٹھٹک کے رک گئے۔ شرافت علی بولا "جیلانی! اکون لوگ ہو سکتے ہیں یہ؟"

"کیا کہہ سکتا ہوں میں! لیکن ہے ہمارے ہی ساتھی ہوں اور ہماری تلاش میں آ رہے ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن کے آدمی

ہوں۔ اگر یہ دشمن ہوسنے تو سمجھ لو شرافت علی اگر باہر موجود ہمارے آدمی کام آچکے ہیں۔ میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

شرافت علی کی نظر بھی تیزی سے گردش کر رہی تھیں لیکن وہاں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جس کی آڑ بھی لی جاسکتی۔ میرے ہاتھ میں ریلواری تھا جب کہ شرافت علی اسٹین گن لیے ہوئے تھا۔ میں نے ریلواری اس کی طرف بڑھا کر کہا یہ ریلواری تم لے لو شرافت علی اور مجھے اسٹین گن دے دو۔ میں آگے جا کر دیکھتا ہوں یہ کون لوگ ہیں۔ اگر دشمن کے آدمی ہوتے تو میں اسٹین گن سے انھیں بھونک کر رکھ دوں گا۔ اور اگر اپنے سے، ساتھی ہوسنے تو انھیں آواز دے کر بلاؤں گا۔ تم اس وقت تک یہیں دیوار سے لگ کر کھڑے رہو۔

وہ بولا: "نہیں یہ بہت خطرناک ہوگا تمھارے لیے۔ تم یہاں کوئی آگے جا کر دیکھتا ہوں انھیں۔ شاید اپنے ہی آدمی ہیں یہ۔"

میں نے اسٹین گن اس کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "بے کار باتوں میں وقت نہ برباد کرو مارا لا مجھے لے اس کو!"

"میں کہہ رہا ہوں نام خود جا رہا ہوں۔۔۔ اس نے اسٹین گن پراپی گرفت مضبوط کر کے کہا۔

میں اس کی بات کاٹ کر بولا: "میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو شرافت علی، ضد نہ کرو، خواہ مخواہ ماسے جاؤ گے اس ضد میں!"

"یہ خطرہ تو تمھارے لیے بھی اتنا ہی ہے۔ کیا تم نہیں ماسے جاؤ گے آگے جا کر؟" شرافت علی نے گن پراپی گرفت نرم کہتے ہوئے کہا۔

"یہ میری فکر نہ کرو مجھے ایسے حالات سے نمٹنے کا بہت تجربہ ہے۔ میرے لیے زیادہ خطرہ نہیں ہے۔"

میں اس کے ہاتھ سے اسٹین گن چھین کر آگے بڑھ گیا۔ میں نے دو جاہز قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ پیچھے سے شرافت علی نے پکار کر کہا: "جیلانی! او! اس آجاء۔ اب ادھر جانے کی ضرورت نہیں ہے چھپنے کی جگہ مل گئی ہے مجھے۔"

اس کی آواز سن کر میں نے ہلٹ کے دیجا۔ وہ دیوار کے اندر کھلے ہوئے ایک دروازے میں کھڑا مجھے بلارہا تھا۔ میں مڑ کر اس کے پاس جا پہنچا۔ دروازے میں داخل ہونے کے بعد پتا چل گیا کہ وہ.... گھر بناؤں یا بارہ فٹ چوڑا ایک چوکور کمرہ تھا جہاں ہم کھڑے تھے۔ ماہر داخل ہونے کا دروازہ دیوار ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا جس میں اندر کی جانب بیڈل اور ایک موٹی سی لوہے کی سلاخ چھتی کی طرح لگی ہوئی تھی جسے اندر سے بند کیا جاتا تھا۔ دروازے کے ساتھ ہی دیوار میں سوچا گیا ہوا تھا جسے آن

کرتے ہیں مدھم مدھم رشتی کا بلبل جل اٹھا۔ اسے دیکھ کر میری کھوپڑی میں جیسے بجلیاں سی کوڑنے لگیں۔ مجھے خیال آیا آٹنک میں دروازے میں غائب ہوا تھا لہذا وہ بھی ایسا ہی کہہ ہوگا۔ جس میں گھسنے کے بعد اس نے اسے اندر سے بند کر لیا ہوگا۔ شرافت علی نے دروازہ بند کر کے اندر نہ موی اور مضبوط چھتی بڑھا کر کہا: "اس کمرے کو میں نے دیکھ کر ہاڈا مذاہ کیا ہے کہ اس سڑنگ میں دونوں طرف کی دیواروں کے پیچھے ایسے بے شمار کمرے بستے ہوئے ہیں۔ آٹنک نے بھی جب تعین اپنے سر پر پہنچتے دیکھا تو وہ ایسے ہی ایک کمرے میں گھس کر روپوش ہو گیا تھا۔ کیوں کہ اس جگہ سڑنگ ختم نہیں ہوتی ہے۔ ہمارے دایں آنے کے بعد وہ کمرے سے نکل کر سڑنگ کے دہانے کی طرف گیا ہوگا اس کا مطلب ہے ہم جھوکا کھائے اس سے۔"

"ہاں یار! جس قوم کے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے وہیں مکاری اور عیاری میں ہم ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مگر تم نے اپنا ملک اس کمرے کا پتہ کیسے چلا لیا؟ یہ ظاہر تو یہ شبہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہاں ایسا کوئی کمرہ بھی موجود ہے۔"

"میں یہ قدرت کی طرف سے ہمارے لیے امداد ہی سمجھ لو۔ تم تمھارے آگے بڑھنے کے بعد میں جہاں کھڑا تھا اسی جگہ دیوار سے ٹک گیا۔ میرے ٹیک لگتے ہی دیوار اندر سے لگی۔ میں نے چونک کر دونوں ہاتھوں سے اس پر باؤ ڈالا تو دروازہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ میں نے فوراً تعین آواز دے کر وہاں بلایا۔ آؤ در دیکھیں یہ دیوار کے ساتھ بنی ہوئی الماریوں میں کیا ہے؟" وہ بولا۔

اس کے کہنے پر میں نے ادھر دیکھا جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا وہاں دیوار میں چار دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے شرافت علی کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"درا ہوشیاری سے آگے بڑھو، ایسا نہ ہو تعین تم الماریوں کے دروازے سمجھ رہے ہو کہ وہ ایسے ہی کمرے کے دروازے ہوں جن کے پیچھے ہماری موت ٹانگ لگائی ہو۔"

"وہ بولا: "ناکین تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن یہ ظاہر ہے دروازے الماریوں ہی کے گتے ہیں پھر بھی ہمیں احتیاط ضرور کرنا چاہیے۔"

ہم دونوں دبے قدموں بہت ہی چوکنا انداز میں اس طرف بڑھے۔ قریب پہنچ کر میں اسٹین گن تان کر کھڑا ہو گیا تاکہ کوئی خطرہ نظر آئے تو فوراً اس سے منٹ سکوں۔ شرافت علی نے سامنے سے ہٹ کر ہاتھ بڑھا کے دروازہ ایک جھٹکے سے کھول دیا۔ وہ واقعی الماری ہی تھی۔ اس کے تین خانے تھے اوپر کے دو خانے چھوٹے تھے جن میں رکھی ہوئی سلفونین کی پھیلیوں میں سفید رنگ کا پاؤڈر بھرا ہوا تھا۔ اور نیچے کا خانہ خاصا بڑا تھا جس میں ایک قطار میں چار اسٹین گنیں، چار انقلابیں اور کارٹریجوں کی بیٹیاں

دھری تھیں۔ شرافت علی نے ہاتھ بڑھا کر درمیان خانے سے ایک پھیلی اٹھا کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا: "بہر دمن ہے یہ تو...." میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "اور تعین کیا ان الماریوں سے اب حیات ملنے کی توقع تھی؟"

"یہ تو کروڑوں روپے کا مال ہے جیلانی معلوم ہوتا ہے، ابھی ایک آدھ دن میں ہی یہ مال پینچا ہے یہاں۔" وہ بولا۔

"ہوگا فی الحال اسے واپس رکھ دو اور الماری سے ایک اسٹین گن اور کچھ فاضل مائٹ لے کر ہٹ آؤ وہاں سے۔ وہ لوگ معلوم ہوتا ہے بہت قریب آچکے ہیں، ان سے نمٹنے کے بعد ہم اس تہ خانے کا پوری طرح جائزہ لیں گے۔" میں نے زمین پر بہت سے قدیم کی تیر دھکم مسوس کر کے شرافت علی سے کہا۔ اور مڑ کر دروازے کی طرف چل دیا جس سے ہم اندر نہ گئے۔

میں نے آہستہ سے چھتی چٹا کر دروازہ کھولا۔ شرافت علی نے پیچھے سے آواز دے کر کہا: "جیلانی! دروازہ نہ کھولا ابھی۔ پہلے اندر کا بلبل کھچا دو ورنہ اندر روشنی دیکھ کر دشمن چونکا ہو کہ اس طرف متوجہ ہو جائے گا۔"

میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا شرافت علی دو اسٹین گنیں اور ان میں استعمال ہونے والی گولیاں لے کر میرے ساتھ آگے ہوا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سوچے آف کر دیا تو میں نے دروازہ دوبارہ اتنا کھولا کہ سامنے سے گزرنے والوں کو دیکھا جاسکے۔ چند سیکنڈ کے بعد میں نے اسٹین گن تانے دو تدرست اور تو ناٹا شخص کو تھریا دوڑتے ہوئے ادھر آتے دیکھا۔ ان کے پیچھے چھ افراد اور تھے۔ ان سب کے کاڑھوں سے انقلابیں نکل رہی تھیں اور ہاتھوں میں انھوں نے ہتھول پکڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارا ساتھی نہیں تھا۔ وہ دونوں جوانیں جنیں لیے آگے آ رہے تھے، یو۔پ۔ا۔م۔ر کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔ بقید جہ میں سے چار یا تو میری بیگرو تھے یا انفریڈ کے کسی ملک سے تعلق تھا ان کا۔ صرف دو آدمی، ایسے تھے جنھیں پاکستانی کہا جاسکتا تھا۔ وہ سب جیسے ہی ہمارے قریب پہنچے۔ میں نے پتھر سے دروازہ کھول کر اپنی اسٹین گن سیدھی کر کے آگے آئے والے دونوں اسٹین گن سے بروادوں کو نشانہ بنا ڈالا۔ انھیں شاید اس طرح کی کسی اجانبک کارروائی کا گمان تک نہیں تھا۔ گولیاں کھا کر وہ اچھلے اسٹین گنیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر پڑیں اور وہ دونوں الٹ کر پیچھے آئے والے اپنے ساتھیوں پر جا گئے۔ پھر اس شخص کے لیے بقید لوگ صورت حال کو سمجھ کر کوئی جوابی کارروائی کرتے شرافت علی کی اسٹین گن سے بھی شیلے اٹھنا شروع کر دیے۔ لمحوں میں وہ انھوں زمین پر پڑے خاک اور خون میں لوٹ رہے تھے۔ شرافت علی نے میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے دایں ہاتھ کی دو انگلیاں دی

کی شکل میں اوپر اٹھا کر مسرور لہجے میں چلا: "وہ مارا!" میں نے اس کی پیٹھ جھٹکے ہوئے کہا: "جذبات پر قابو رکھو دوست! اس چھوٹی سی ابتدائی کامیابی پر ہمیں اتنا زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے۔ آج تو اس سرور کا کافی کا پہلا دن ہے۔ آج کے بعد ہمیں جو حالات پیش آئیں گے اور جن مراحل سے ہمیں گزرنا پڑے گا ان کے مقابلے میں یہ کامیابی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ لہذا ہمیں خوش قسمی کا شکار ہونے کے بجائے حقائق کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں یار! ہمارا مقابلہ جن لوگوں سے ہے، انھیں میں بہت اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہوں، مگر ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے آٹنک کے اندیشوں کی وجہ سے مکہ نہیں بوڑھنا چاہیے ہمیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں مل کر ہی کسی بڑی خوشی کا روپ دھار لیں گی ایک دن۔ ہم نے جس کام کا بیڑا اٹھا ہے وہ کوئی بڑا کام تو نہیں ہے نا۔ اور نیک کام کرنے والوں کی اللہ ہر طرح مدد کرتا ہے۔ اس کی ذات پر بھروسہ رکھو دوست! جس نے آج آٹھ بدی لگے ہر کاروں کو معافی میں عطا ہے ہمارے ہاتھوں وہی کل ان کے سیکڑوں ساتھیوں کو بھی ہمارے ہی ہاتھوں سے کھیر کر مار کر پھینچائے گا۔ کیا تعین اس کی ذات پر بھروسہ نہیں ہے؟" شرافت علی بولا۔

"اسی کی ذات پر بھروسہ کیا کر کے تو میں نے اس اتنی بڑی اور منظم تنظیم کی بیج کئی کام کیا ہے شرافت علی! مجھے پورا یقین ہے کہ وہ رٹ کا نجات اس نیک مقصد کو پورا کرنے میں ہماری مدد ضرور کرے گا۔ جلو آؤ اب باہر چل کر دیکھیں۔ فیروز وغیرہ ہمارے منتظر ہوں گے ادھر آستے میں۔ ایسا نہ ہو وہ ہماری طرف سے مایوس ہو کر کوئی غلطی کر بیٹھیں۔"

"مگر تم تو کہہ رہے تھے ان لوگوں سے فٹ کر اس تہ خانے کا اچھی طرح جائزہ لیں گے ہم میرا خیال ہے اس جگہ چھوٹے بڑی کو ٹھہر کر کھال بھال ہوا ہے جہاں مختلف قسم کی خوفناک ترین نشہ آور شہا کا ذخیرہ کر رکھا ہے ان لوگوں نے۔ جن کے ذریعے یہ ہماری نوجوان نسل کو ناکارہ بنانے کے ساتھ ہمارے ملک کی دولت بھی سیٹ کر اسرار میں لے جائیں گے اور اس کو ہر بالا دی نسل کرنے پر صرف کریں گے۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں یہ آستانہ اور ریزر میں بیوی چوڑی سڑنگ اس مقصد سے بنائی گئی ہے۔ ہم آج اسے مکمل طور پر برباد کیے بغیر واپس نہیں جاسکتے یہاں سے۔ مگر ایسا کرنے سے پہلے اس کے ایک ایک گوشے کی تلاشی لے کر وہ تمام چیزیں اپنے قبضے میں کر لیں گے جن سے اپنی طاقت میں اضافہ کرنے اور رزمیوں کے خلاف بھرپور کارروائی کرنے کے قابل ہو سکیں ہم۔" میں نے اسے بتایا۔

وہ ندرمندی کے ساتھ سپاٹ دوا کو دیکھتے ہوئے بولا: "یہ تو بہت برا ہوا ہے جیلانی! مجھ جانے ہمارے ساتھیوں کا کیا خیر ہوا ہو گا؟ ہم لوگ اس سربنگ میں بہت آگے آگے چلے گئے تھے، اسی وجہ سے باہر ہونے والے مقابلے کے ہمیں بالکل غریب ہو سکی۔ حالانکہ انھوں نے سخت مقابلے کے بعد بھی آستانہ پر دربارِ قبضہ کیا ہو گا۔ فیروزغیر نے لوں آسانی سے تو ہتھیار نہیں ڈال دیے

سے دبی دبی آواز سنیں کیا؟ اچھی طرح دیکھو! وہاں کھل رہا ہے اور پھر اس کے پوری طرح کھلنے سے پہلے ہی ہمیں اور پہنچا ہے۔  
میں نے جو کچھ کرا اور دیکھا۔ واقعی اوپر کی دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو کر آستہ آستہ سمجھے جھٹ رہی تھی۔ میں نے ایک دم جھٹ

”مقدور اخلا غلط سر اُدھ گئے تہ فالتہم کھڑے

ہم بہتر ہستیاں تھے۔ اگر سب تھے۔ چاکلے تھے خیال  
 کیا کہ جس میٹھی میٹھی قلم ڈنگاٹے تھے اسے آزار دیکھتا  
 چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی منور میٹھی میٹھی چاکلے اڑا دیتا  
 کہ چھپے دیکھا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ کہانی ختم ہو چکی تھی۔  
 نے خرافات سے کہی۔ خرافات ہی اس کی حافظہ دروازہ

ان سیڑھیوں سے اوپر جا رہا ہوں۔ میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو ان سیڑھیوں میں کوئی ایسا میکنیزم موجود ہے جس کے ذریعے اوپر کا دروازہ کھلتا ہے۔ ابھی جب ہم اوپر گئے تھے تو ایک زینے پر پاؤں دھرتے ہی میں لڑکھڑکیا تھا اور جب سنبھلا تو تم نے بتایا کہ دروازہ کھل رہا ہے۔ میں ان زینوں سے اوپر جا کر دیکھتا ہوں میرا اندازہ درست ہے یا نہیں؟

میں ایک ایک زینے پر چھا جا کر قدم رکھتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔ تقویری در بعد ایک زینے پر پاؤں دھرتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے زینہ ہل رہا ہو میں نے پاؤں زینے پر رکھ کر دائیں بائیں حرکت دی وہ زینہ پیچ ہل رہا تھا۔ یہ جاننے کے بعد میں نے پورا زور زینے پر ڈال دیا۔ میرا اندازہ صحیح ثابت ہوا تھا۔ زور پڑتے ہی اوپر دیوار کو ہکا سناہکا لگا تھا اور پھر وہ آہستہ آہستہ دو حصوں میں تقسیم ہونے لگی تھی۔ شرافت علی خوش ہو کر بولا: اب تو لڑکی کو کوئی بات ہی نہیں رہی تم نے یہ قیام حاصل کر کے راستہ تلاش کرنے کی پریشانی ختم کر دی ہے؟

میں نے کہا: اس سرنگ کے دوسرے سرے پر پوچھو ایسا ہی میکنیزم موجود ہو گا۔ ہم ادھر سے ہی باہر نکل کر دیکھیں گے یہ راستہ کمال نکلتا ہے؟

اسی وقت فیروز نکلتے ہوئے دروازے کو عبور کر کے ہماری طرف بڑھنے لگا۔ اس کے پیچھے اور بھی کئی لوگ تھے وہ سب لوگ ادھر آگئے تو میں اس زینے سے ہٹ کر ان سب کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پھر ہم سب لوگ دونوں طرف کی دیواروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ سب سے پہلا کمرہ جو میں ملا اس میں بے شمار بوریاں اوپر سے نیچے تک پھیلی ہوئی تھیں، کوئی آدھا کمرہ ان بوریوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ شرافت علی نے اندر داخل ہوتے ہی ناک سکڑ کر قد میں لمبی سانپیں لینے کے بعد کہا: ان بوریوں میں جس بھری ہوئی ہے؟ فیروز نے آگے بڑھ کر چاقو سے ایک بوری کو چھری لگا دیا۔ شرافت علی کا کٹنا ٹھیک تھا۔ اس میں سے جوس ہی برآمد ہوئی تھی۔ ہم نے وہاں سے نکل کر مزید تلاش شروع کی۔ سرنگ کے دوسرے سرے تک پہنچتے پہنچتے کوئی میں کمرے اور کونٹھریاں ہم نے دریافت کیں جن میں ہر قسم کی نشا اور اشیاء کے علاوہ اسلحے کا بھی بہت بڑا ذخیرہ دریافت ہوا۔ ہمارے پاس پانچ کاربن تھیں۔ طے یہ ہوا کہ ان کاربن میں جتنا بھی اسلحہ ہے گا وہ ہم ساتھ لے جائیں گے۔ باقی سارا اسلحہ اور نشا اور اشیاء کو کمروں سے نکال کر سرنگ میں ایک جگہ ڈھیر کر کے آگ لگا دی جائے گی۔

تاکہ زیر زمین آؤدہ بالکل تباہ و برباد ہو جائے جس کمرے میں آنرک ٹھکس کر بیٹھ گیا تھا اس کا دروازہ اس بار کھلا ہوا ملا تھا۔ اس کمرے میں پٹرول کے خالی ٹین اور مختلف ایسی چیزیں پڑی تھیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ جگہ کسی کار کے گیراج کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ شاید یہاں آنرک کی کار رکھ کر ہی پتی تھی۔ اور ہمارے جانے کے بعد وہ اسی کار کے ذریعے یہاں سے فرار ہوا تھا۔ اس طرف سے باہر نکلنے کے لیے ہم نے ادھر کے ایک ایک زینے کو آزمایا دیکھا۔ پندرہ منٹ کی محنت کے بعد وہ زینہ تو ہمیں مل گیا جس کے ذریعے راستہ کھل سکتا تھا گراس پر دو دو تین تین آدمیوں کے کھڑے ہونے کے باوجود راستہ مستوار نہ ہو سکا۔ ہر بار زینے کے اختتام پر دیوار ہلکی سی جنبش کر کے گئی تھی۔

شرافت علی بولا: ایسا معلوم ہوتا ہے آنرک نے ہاتھ بچھنے کے بعد یا تو اس کا میکنیزم ناکارہ کر دیا ہے یا باہر سے کسی اور طریقے سے اس راستے کو بند کر دیا ہے۔ اب اس سے ابھٹانے کا کار ہے۔ والیں چلی کر یہاں سے روانہ کی تیار یاں کرو اور جتنے جلدی ہو سکتے یہاں سے نکل چلو، آنرک کے فرار کے بعد یہاں زیادہ ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے کسی طرح بھی؟

میں نے اس کی تائید کی اور ہم سب نامید ہو کر واپس لوٹ آئے۔ تمام کمروں سے سامان نکال نکال کر سرنگ میں ڈھیر کرنے میں ایک گھنٹا صرف ہو گیا۔ اس دوران کچھ آدمیوں نے بہت سی اسٹین گنیں، رائفلیں، ریلو اور کالکوسوں کی پیٹیاں، دستی بم اور بلاسٹک کے بنے ہوئے دھوپ کے بم باہر پہنچا دیے تھے۔ یہ ہم تھے تو بلاسٹک کے لیکن ان پر بڑگ ایسا کیا گیا تھا۔ کہ دیکھتے ہیں وہ دستی بم ہی گتے تھے۔ یہ بالکل اسی لم کی طرح تھے جو آنرک نے فرار ہونے کا موقع حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ سب سے آخر میں جس کی بوریاں تمام اشیاء کے ڈھیر کے چاروں طرف چھ کر کچھ بوریاں ڈھیر پر بھی ڈال دی گئیں اور ان بوریوں کو آگ لگا کر ہم سب دوڑتے ہوئے سرنگ سے نکل آئے۔ باہر آ کر فیروز وغیرہ نے آنرک کے کمرے کو بھی آگ لگا دی۔ ان دونوں کو جنھیں فیروز وغیرہ نے باندھ کر ڈالا ہوا تھا اسلحے کے ساتھ کار تک پہنچا دیا گیا تھا چنانچہ آگ لگانے کے بعد ہم تیزی سے دوڑتے ہوئے اپنی گاڑیوں تک پہنچے اور ہر عملت تمام اس علاقے سے دوڑ نکل آئے۔ کمانی دور نکل آنے کے بعد ہم اپنے عقب میں پانچوں کی طرف سے کیے بعد دیکھے کئی دھماکے سنائی دیے گرمی نے پیچھے دیکھنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بدستبہ واقعات

آٹھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں؛